رضوی کتاب گھر دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَ الُجِـنُّ تَهُتِفُ وَ الأنُوَارُ سَـاطِعَةٌ
وَالُحَقُّ يَظُهَرُ مِنُ مَعُنىً وَّ مِنُ كَلِمٖ

عقائد ومعمولاتِ اہلسنّت خصوصاً میلاد وفاتحہ وغیرہ کے موضوع پر لکھی گئی اپنی نوعیت کی منفرد کتاب

تصنیف لطیف

محقق دوراں مفتی زماں حضرت علامہ مولانا حافظ محمد عبدالسمیع سہارن پوری [۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء]
خلیفہ: حضرت مولانا حاجی محمد اِمداد اللہ مہاجر مکی - ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء - علیہما الرحمۃ والرضوان

تسہیل و تجدید ، تخریج و تحقیق

محمد افروز قادری چریاکوٹی
دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

تقسیم کار : اِدارہ فروغ اسلام ، چریاکوٹ ، مئو ، یوپی ، انڈیا

# تفصیلات


نام کتاب : انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ

تصنیف لطیف : حضرت مولانا محمد عبدالسمیع بیدل رام پوری سہارن پوری - ۱۳۱۸ھ -

تسہیل و تجدید، تخریج و تحقیق : مولانا محمد افروز قادری ثقافی چریا کوٹی - عفی عنہ -
پروفیسر: دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ
ایڈیٹر: چراغِ اُردو، ماہانہ اُردو میگزین، ساؤتھ افریقہ
afrozqadri@gmail.com

تقریب و تصحیح : حضرت علامہ محمد عبدالمبین نعمانی قادری - دامت برکاتہم القدسیہ -
رکن: المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور، اعظم گڑھ۔

تقدیم نفیس : حضرت علامہ مولانا نفیس احمد مصباحی - مدظلہ العالی -
استاذ: الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی۔

مصدقین و مقرظین : شیخ المشائخ حضرت مولانا حاجی امداداللہ مہاجر مکی، پایۂ حرمین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی، ادیب اعظم مولانا محمد فاروق عباسی چریا کوٹی وغیرہ - رحمہم اللہ تعالیٰ -

سن تصنیف و طبع اول : ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۴ء

نظر ثانی از مصنف و طبع دوم : ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۸ء

طبع سوم : مطبع نعیمی، مرادآباد

طبع چہارم : جمادی الاولیٰ: ۱۴۲۸ھ/ جون ۲۰۰۷ء (منجانب: طلبہ جامعہ اشرفیہ)

طبع پنجم : شوال: ۱۴۲۸ھ/ اکتوبر ۲۰۰۷ء (المجمع الاسلامی، ملت نگر مبارک پور)

طبع ششم : ربیع الاوّل: ۱۴۳۱ھ/ اپریل: ۲۰۱۰ء (ادارہ فروغ اسلام، چریاکوٹ)

صفحات : پانچ سو چھیانوے (۵۹۶)

قیمت : /روپے

ناشر :

# آغازِ سخن

یہ ایک حقیقت ہے کہ عقائد و معمولاتِ اہل سنت و جماعت خصوصاً میلاد و فاتحہ وغیرہ کے موضوع پر تحریر کی گئی اپنی نوعیت کی بے مثال کتاب ''انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ'' مدتوں سے موقوف الاشاعت رہی، اور ارباب علم و دانش کے علاوہ عام لوگوں کی نگاہوں سے عرصہ سے اوجھل رہی۔ جائے افسوس ہے کہ اس کے جواب میں لکھی گئی رسوائے زمانہ کتاب ''براہین قاطعہ'' تو ہزاروں ہزار کی تعداد میں متعدد اڈیشنوں کے چولے پہن کر منظر عام پر آئے، اور دلائل و تحقیقات کے اُجالے بکھیر بکھیر دینے والی کتاب ''انوارِ ساطعہ'' گوشہ گمنامی میں پڑی رہے!، اِسے اپنوں کی بے اعتنائی کے علاوہ اور کیا نام دیا جائے۔ لیکن - الحمد للہ - اب غفلت کے دھندھلکے چھٹنے لگے ہیں اور انوارِ ساطعہ کی اشاعت کا مبارک سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ حال ہی میں دو خوبصورت نسخے حلیہ طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکے ہیں، ان میں ایک تو الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے نباضِ وقت باذوق طلبہ کی کوششوں کا ثمرہ ہے، اور دوسرا جماعت کے ممتاز تصنیفی و تربیتی ادارہ ''المجمع الاسلامی'' کا۔ اللہ اُنھیں اُن کی خدمتوں کا بہتر صلہ عطا فرمائے۔

''انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ'' فاضل مصنف کے زمانے کی علمی، ادبی، تحقیقی اور ثقافتی بوقلمونیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ کتاب جہاں تفریق بین المسلمین کی تاریخ اور اس کے اسباب وعوامل پر بھرپور روشنی ڈالتی ہے وہیں علم غیب، مسئلہ حاضر و ناظر اور دوسرے اہم علمی و فقہی مسائل ومباحث کی گرہیں بھی کھولتی ہے۔

ان موضوعات پر اب تک خدا معلوم کتنی کتابیں معرض اشاعت میں آچکی ہیں مگر ان میں حضرت رام پوری - رحمۃ اللہ علیہ - کا طرزِ استدلال، رنگ تحقیق، اندازِ نگارش اور وطیرۂ بحث دل چھوتا اور خاصا اچھوتا ہے۔ علمائے حق اور ارباب فقہ و بصیرت کی تحریروں کا جو طرۂ امتیاز ہوتا ہے وہ اس کتاب کی سطر سطر سے چھلکا پڑتا ہے، ان تحریروں میں صلح و مصالحت کا رنگ چڑھانے اور

برادرانِ طریقت کے درمیان مفاہمت ومواخات کی سنہری فضا قائم کرنے میں مصنف نے پوری فیاضی اور دریا دلی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ فاضل مصنف نے منکرین کے بے سروپا اعتراضات کے شائستہ انداز میں نہایت معقول جوابات دیے ہیں۔ الزامی جواب کے التزام کے ساتھ ان گوشوں پر فقہی تحقیق وتدقیق کی نہریں بھی بہادی ہیں۔

سچی بات بتاتا ہوں کہ اس کتاب سے میری دلچسپی صرف اسی حد تک تھی کہ میرے وطن مالوف کے ایک نامور ادیب، عالم ومحقق، مولانا محمد فاروق عباسی چریاکوٹی نے اس پر اپنی تقریظ بے بہا ثبت کی ہے اور بس، غلطی سے بھی اس کتاب کو پڑھنے کی غلطی میں نے کبھی نہیں کی؛ مگر ہوا کچھ یوں کہ مصنف انوارِ ساطعہ سے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی-قدس سرہ- کے بھاری بھرکم تعریفی الفاظ اور توصیفی کلمات نے میرے سمند شوق کو مہمیز لگادیا اور اس طرح چیدہ چیدہ مقام سے ایک دفعہ پوری کتاب دیکھنے کا خیال پیدا ہوا، لیکن مشکل یہ درپیش ہوئی کہ قریباً تین سو صفحات پر بکھری ہوئی یہ کتاب کوئی ایک ہی پیراگراف پر اختتام پذیر ہوگئی ہے تو پیراگراف ختم ہونے کے انتظار میں مجھے پوری کتاب مجبورانہ پڑھ ڈالنا پڑا لیکن اس کا تأثر یہ ہوا کہ اب میرے افق ذہن پر اس کتاب کی عظمت کا سورج پورا پورا خط نصف النہار پر آچکا تھا، اور اس پر کچھ کرگزرنے کا جذبہ بیدار ہو چکا تھا۔

اس کتاب کے عوام وخواص ہر ایک کی خاطر یکساں مفید ہونے کے لیے ضروری تھا کہ یہ کتاب اپنا پیراہن کہن بدلے، اور اپنی افادیت میں اضافہ کرنے کے لیے تحقیق وتخریج کی قبا زیب تن کرے۔ مرشد گرامی قدر حضور سیدی علامہ محمد عبدالمبین نعمانی قادری-دام ظلہ النورانی- بھی اس کی تسہیل وتخریج سے متعلق کئی بار اپنی نیک خواہشوں کا اظہار فرما چکے تھے۔ مگر یہ کارِ زہرہ گداز کرے کون؟......

اسی دوران اللہ رب العزت نے محض اپنے فضل فراواں سے مجھ ناکارۂ جہاں کے لیے-دلاص یونیورسٹی، جنوب افریقہ- میں تدریسی خدمات سرانجام دینے کا ایک خوبصورت بہانہ کردیا۔ تعطیل کلاس میں کچھ اس کتاب پر کام کرنے کی لگن پیدا ہوئی مگر اوّل تو انوارِ ساطعہ ہی اپنے پاس نہ تھی اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ تحقیق وتخریج کے لیے ناگزیر کتابوں کی عدم فراہمی۔ انجام کار موسم کی یخ بستگی کے ساتھ میرے جذبات بھی ٹھنڈے پڑ گئے۔

پھر یکا یک اسباب بہم ہونے شروع ہوئے، انٹرنیٹ کی وساطت سے انوارِ ساطعہ بھی مل گئی اور تحقیق وتخریج کے لیے انٹرنیٹ کی مدد سے ہزاروں سے زائد امہات الکتب کا انبوہِ کثیر بھی ہاتھ آ گیا۔ پھر کیا تھا ''چل مرے خامہ بسم اللہ'' کا وِرد کر کے ۱۴؍صفر مظفر-۱۴۲۸ھ- مطابق ۴؍مارچ -۲۰۰۷ء- کو میں نے تسہیل وتجدید اور تخریج وتحقیق کا عمل شروع کر دیا۔ اس دوران بعض مقامات پر سخت مایوسی کا سامنا بھی ہوا مگر پھر اُن کی تحلیل کی صورتیں بھی پیدا ہوتی گئیں۔ اس طرح کم وبیش ساڑھے تین ماہ کی جی توڑ کوششوں اور موٹی گاڑھی محنتوں کے بعد ۲۹؍ جمادی الآخرہ -۱۴۲۸ھ- مطابق ۱۷؍جون -۲۰۰۷ء- میں تسہیل وتحقیق کا یہ آہوے پرشوق، حرم رسیدہ ہوگیا۔ **فلِلّٰہ الحَمْدُ و المِنَّة۔**

تحقیق وتخریج کے حوالے سے ایک ضروری عرض یہ ہے کہ حوالہ جات، مطبوعہ کتابوں سے نسبتاً کم اور انٹرنیٹ کی وساطت سے زیادہ درج کیے گئے ہیں؛ اس لیے حوالوں میں مطابع کتب کا کوئی اہتمام نہیں ہوا ہے، تاہم کتب حدیث کے ساتھ حدیثوں کے نمبر اور کتب فقہ وغیرہ میں اَبواب کی تعیین کا اِلتزام کر کے اس ضرورت کی کسی حد تک تکمیل کرنے کی کوشش کر دی گئی ہے۔

میں کہ اپنے جیب وداماں زیورِ علم سے خالی پا کر تخریج وتحقیق کے اس اہم کام کے لیے کبھی ہمت نہیں جٹا سکا تھا مگر پروردگارِ عالم میرے اربابِ فیض وکرم پر اپنی عطا ونوال کے مینہ برسائے جنھوں نے ہر آڑے وقت پر اپنا علمی وفکری تعاون فرما کر میرے حوصلوں کو توانا رکھا۔ دینی علم وفکر سے اپاہج شہر میں بیٹھ کر اس طرح کے علمی کام سرانجام دینا اور بھی مشکل ہو جاتا ہے، وہ صرف توفیقِ اِلٰہی ہی کا کمال ہے جس کی وجہ سے ایسا کچھ کر دینا میرے لیے ممکن ہو سکا۔

اس موقع پر میں جماعت کا سچا درد رکھنے والی اور اصلاحِ اُمت کے حوالے سے ہمہ وقت فکر مند رہنے والی حضور نعمانی صاحب قبلہ کی عبقری شخصیت کا کیسے شکر ادا کروں جنھوں نے کثرتِ کار اور ہجوم افکار کے باوصف پوری کتاب حرفاً حرفاً ملاحظہ فرمائی، اور اپنی گراں قدر اصلاحات وہدایات سے مجھے نوازا۔ میرے دیرینہ دوست ڈاکٹر مختار گل ہاشمی بھی میرے سپاس کے بھرپور سزاوار ہیں جنھوں نے ہر موقع پر اپنا دستِ تعاون دراز کرنے میں کبھی بخل سے کام نہ لیا، ساتھ ہی اپنے جملہ اساتذہ ومعاونین کے لیے بھی تشکر وامتنان کے جو جذبات درونِ دل چھپے ہیں شاید اُن کی تعبیر سے حرف وصوت آشنا نہ ہو سکیں، شکر وسپاس کے رسمی الفاظ کسی طور اُن حضرات کی خدمتوں کا صلہ نہیں ہو سکتے، ان کی بہترین خدمات کا بس اللہ ہی انھیں بہتر اَجر دے۔ آمین۔

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ انوارِ ساطعہ اپنی سلاست وسادگی، عبارت کی دل نشینی وپختگی اور تحقیق کی ندرت وعمدگی کے اعتبار سے آج بھی ایک مفید اور زندۂ تابندہ کتاب ہے۔ ہاں! اس کے بعض الفاظ وفقرے ضرور تشریح طلب تھے، نیز فاضل مصنف کے زمانے کا طریق اِملا کچھ اور تھا، خصوصاً علامات اوقاف کے استعمال کا تو پہلے کوئی دستور ہی نہ تھا؛ پھر بعد میں طریق اِملا تدریجاً اصلاح پاتا رہا، لہٰذا ضروری تھا کہ قدیم طریق اِملا چھوڑ کر جدید رسم املا اختیار کیا جاتا اور جابجا اوقاف لگادیے جاتے تاکہ عبارت عام فہم بن جائے اور کتاب کی افادی حیثیت بڑھ جائے۔ ہم نے - بحمد اللہ - اس کتاب کے اندر تحقیق وتخریج کی بابت جہاں عالم عرب کا اسلوب جدید اپنایا ہے وہیں تسہیل و تجدید کے سلسلے میں فاضل مصنف کے عہد کا طریق اِملا چھوڑ کر مروجہ طریق اِملا بھی اختیار کیا ہے۔ مثلا:

☆ فاضل مصنف کے زمانے میں بعض الفاظ ملا کر لکھنے کا دستور تھا جیسے: ''جانکر''، ''تمکو'' وغیرہ، پیش نظر کتاب میں ہر لفظ جدا جدا لکھا گیا ہے۔ ''جان کر''، ''تم کو''۔

☆ فاضل مصنف کے دور میں ''ہو'' اور ''جائے'' کو ''ہووے'' اور ''جاوے'' لکھا جاتا تھا۔ پیش نظر کتاب میں موجودہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

☆ پوری کتاب میں جابجا اوقاف لگادیے گئے ہیں تاکہ فقرے اور جملے ممتاز رہیں، اس سلسلے میں بعض مقامات سے ''اور'' یا اس قسم کے دوسرے الفاظ حذف کردیے گئے ہیں جو دراصل الٹے واؤ (کاما) اور وقفے (ڈیش) کا بدل تھے۔

ہمارے نزدیک ان میں سے کسی بھی چیز کو متن میں تبدیلی قرار نہیں دیا جاسکتا، اسے صرف طریق املا کا فرق کہنا چاہیے۔

☆ جن الفاظ یا فقرات کا مفہوم توضیح طلب تھا ان کی توضیح حاشیے میں کردی گئی ہے یا متن میں قوسین کے اندر ایک لفظ یا چند الفاظ بڑھادیے گئے ہیں۔

☆ جو احادیث متن میں جزوی طور پر نقل تھیں انھیں حاشیے میں مکمل کردیا گیا ہے، نیز حدیث کا اصل متن بھی لکھ دیا گیا ہے۔

☆ فاضل مصنف نے بعض آیات کے ترجمے میں صرف مطالب قرآنی اور اپنا مقصد پیش نظر رکھا ہے اور بعض چھوڑ دی ہیں، ہم نے ہر جگہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی - علیہ الرحمہ - کا ترجمہ قرآن کنز الایمان درج کردیا ہے۔

تسہیل وتجدید، تہذیب وتذہیب اور تخریج وتحقیق کی یہ حقیر کاوش آپ کے سامنے ہے۔ بساط بھر کوشش کی گئی ہے کہ کتاب کا مطالعہ زیادہ سے زیادہ سہل وآسان اور قلب ونظر کی جاذبیت کا سامان ہوجائے۔اب اپنے مقصد میں ہم کتنے کامیاب ہوئے ہیں اس کا فیصلہ تو باذوق اہل علم ہی کریں گے۔ ہاں! اس سلسلے میں ملنے والی کامیابی کو ہم اللہ-سبحانہ وتعالیٰ- کے فضل بے کراں کا کرشمہ تصور کرتے ہیں، اور کہیں فروگزاشت ہوئی ہو تو اسے اپنے فکر ونظر کی لغزش سمجھتے ہوئے قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔

ہماری اس کوشش کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ فاضل مصنف-رحمہ اللہ- کے اس اہم علمی اور تحقیقی کارنامے سے استفادے کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوجائے، اور امت مسلمہ پامردی کے ساتھ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر جادہ پیما ہوجائے کیوں کہ ہماری ہر کامیابی انھیں کے قدموں کی برکتوں کا استعارہ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ معلم کائنات-صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کے نعلین پاک کے صدقے ہمیں کتاب وسنت کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، کدورت ونفرت کے اندھیروں کو اُلفت ومحبت کے اُجالوں سے بدل دے اور دارین کی سعادتوں والے کام سرانجام دینے کی توفیق ہمارے رفیق حال کردے۔

آمين بجـاهِ حبيبك سـيّد المُرسَلين
عليه أفضَل الصَّلٰوة وَأكرم التَّسُليم

نا کارۂ جہاں :

**محمد افروز قادری چریاکوٹی**

پروفیسر: دلاص یونیورسٹی۔کیپ ٹاؤن، جنوبی افریقہ
ایڈیٹر: ماہنامہ چراغِ اُردو، کیپ ٹاؤن، جنوبی افریقہ
۳ر جمادی الآخرہ ۱۴۲۸ھ، مطابق: ۱۹ر جون ۲۰۰۷ء

# تقریب

**نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم و علیٰ آله و صحبه و حزبه اجمعین**

''انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ'' علامہ مولانا حافظ محمد عبدالسمیع بے دل رام پوری (سہارن پوری) علماے ہند میں بڑے باعظمت عالم دین گزرے ہیں۔ حق آگاہ حضرت شاہ حاجی امداداللہ مہاجر مکی -علیہ الرحمہ- کے خلفاومریدین میں بھی بلند مقام کے حامل تھے؛ لیکن چوں کہ اہل حق ہمیشہ مظلوم رہے ہیں آپ بھی اسی مظلومیت کا شکار ہو گئے کہ ''انوارِ ساطعہ'' جیسی جلیل القدر عظیم الشان اور علمی و تحقیقی کتاب کے مصنف ہونے کے باوجود آپ کا قرار واقعی تعارف نہ ہو سکا، نہ ہی آپ کی یہ کتاب مستطاب خاطر خواہ اشاعت پذیر ہو سکی؛ جب کہ کتاب کا موضوع ایسا ہے کہ اس کو بار بار اور خوب چھپنا چاہیے تھا، شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ کتاب خالص علمی مباحث پر مشتمل ہے اور کہیں کہیں ایسی فنی بحثیں بھی ہیں جن کا سمجھنا عام لوگوں کے بس کی بات نہیں۔ ہاں! کتاب واقعاتِ میلاد پر ہوتی تو خوب چلتی اور بار بار چھپتی؛ جیسا کہ اسی عہد کی لکھی ہوئی ایک کتاب ''میلادِ اکبر'' مصنفہ مولوی اکبر علی وارثی میرٹھی کا حال ہے کہ تا حال اس کے کتنے ایڈیشن نکلے اس کو جاننا بھی ایک امر دشوار ہے۔

میرے علم میں تقریباً ساٹھ سال سے یہ کتاب مارکیٹ سے غائب ہے۔ تقسیم ہند سے قبل حضرت صدر الافاضل مولانا شاہ نعیم الدین مرادآبادی -علیہ الرحمہ- صاحب تفسیر خزائن العرفان نے اپنے مطبع نعیمی مرادآباد سے اسے شائع کیا تھا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے اس کا نہ ٹائٹل ہے نہ ہی اس پر کوئی تاریخ اشاعت۔ کتاب پورے تین سو صفحات پر مشتمل ہے اور سائز متوسط سے کچھ بڑا ہے جو اس وقت کا مقبول عام سائز ہے۔

کتاب کیا ہے! زر و جواہر سے پُر ہے، ایسے ایسے علمی نکات اس میں آفتاب کی طرح روشن اور انگوٹھی کے نگینے کی طرح جڑے ہوئے ہیں کہ پڑھتے ہی ذہن و دماغ کی گرہیں کھل جائیں۔ اور دل بینا کی روشنی بڑھ جائے۔ وقت کے ایسے ایسے اکابر و اساطین کی تصدیقات و تقریظات اس پر ثبت ہیں کہ جن میں ہر ایک عظمت کا مینار کہے جانے کے لائق ہے۔ ذرا ایک نظر ان کے ناموں پر تو ڈال لیں :

| | |
|---|---|
| ابوالحسنات مولانا عبدالحیٔ لکھنوی فرنگی محلی | (۱۳۰۴ھ) |
| مولانا فیض الحسن سہارن پوری | (۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء) |

پایۂ حرمین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی (۱۳۰۸ھ)
مولانا مفتی محمد ارشاد حسین مجددی رام پوری (۱۳۱۱ھ)
مولانا غلام دستگیر قصوری (۱۳۱۵ھ)
حضرت شاہ حاجی امداداللہ مہاجر مکی (۱۳۱۷ھ)
تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی (۱۳۱۹ھ)
مولانا وکیل احمد حنفی سکندر پوری (۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء)
مولانا محمد فاروق عباسی چریاکوٹی (۱۳۲۷ھ)
مفتی محمد لطف اللہ علی گڑھی (۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء)
مولانا ابومحمد عبدالحق حقانی دہلوی صاحب تفسیر حقانی (۱۳۳۵ھ)
مولانا محمد عبدالمجید فرنگی محلّی لکھنوی (۱۳۴۰ھ)
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی (۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء)

یہ سب چودہویں صدی کے وہ اساطین واکابر ہیں جن پر اعتماد کرنا ہمارے لیے باعث سعادت ہے، اور جن سے انحراف یقیناً گمراہی کا پیش خیمہ۔

ضرورت ہے کہ اس کتاب کو گھر گھر پہنچایا جائے، اس پر عمل کیا جائے، اور اس کے دلائل کو ذہنوں میں بٹھایا جائے تاکہ کوئی ہمیں راہِ مستقیم سے ہٹا نہ سکے۔

زیرِ نظر کتاب ''انوارِ ساطعہ'' کے دو اڈیشن حال ہی میں طلبہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اور المجمع الاسلامی کی طرف سے شائع ہوئے اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ اب یہ تیسرا اڈیشن فاضل جوان عزیز گرامی قدر مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی - زید مجدہ - کی تخریج وتحقیق اور تسہیل وتجدید کے ساتھ منظرِ عام پر لایا گیا ہے جو سابقہ تمام نسخوں سے زیادہ اہمیت وافادیت کا حامل ہے۔ تخریج میں مولانا نے جو محنت کی ہے وہ ہر مطالعہ کرنے والے پر عیاں ہے۔ احادیث اور فقہی عبارات کی تخریج تو بآسانی عمل میں آگئی ہے البتہ بعض دیگر کتب ورسائل دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے تخریج کی گرفت سے رہ گئے ہیں۔ شاید آئندہ اُن کتابوں کی دستیابی کے بعد یہ کام بھی پایۂ تکمیل تک پہنچے گا - انشاء اللہ تعالیٰ - مولا تعالیٰ موصوف کی مساعی جمیلہ کو مشکور فرمائے اور انھیں مزید اس قسم کے علمی و دینی کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ الکریم علیہ وعلیٰ آلہ اکرم الصلوٰۃ والتسلیم۔

محمد عبدالمبین نعمانی قادری
دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ، مئو (یوپی)

۴/صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
۱۳/مارچ ۲۰۰۸ء

# تقدیم نفیس

## صاحب انوارِ ساطعہ

## حضرت علامہ شیخ محمد عبدالسمیع انصاری رام پوری-علیہ الرحمۃ والرضوان-

نام: محمد عبدالسمیع، تخلص: بے دلؔ ہے۔ آپ اپنے وطن رام پور منیہاران، ضلع سہارن پور میں پیدا ہوئے جو سہارن پور، شاملی، دہلی برانچ لائن پر سہارن پور شہر سے تقریباً اڑتیس کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ [۱] آپ کا نسبی رشتہ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری کے واسطے سے مشہور صحابیِ رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ (۲)

ابتدائی تعلیم پایۂ حرمین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی (بانی مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ، متوفی ۱۳۰۸ھ) سے حاصل کی [۳]۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے ۱۲۷۰ھ سے قبل قصبہ کیرانہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا، اس مدرسہ سے سیکڑوں تشنگانِ علوم نے پیاس بجھائی، اسی مدرسے میں مولانا رام پوری نے مولانا کیرانوی سے تعلیم حاصل کی، ان کے علاوہ مولانا احمد علی محدث سہارن پوری، مولانا سعادت علی سہارن پوری، مولانا شیخ محمد تھانوی اور مولوی محمد قاسم نانوتوی سے بھی تعلیم پائی۔ (۴)

پھر ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۴ء میں آپ نے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے مرکزِ علم وادب دہلی کا رخ کیا، اور علماے دہلی خصوصاً صدر الصدور حضرت مولانا مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی سے عربی علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔

---

(۱) البراہین النافعہ، سید قمرالدین اشرف، علی گڑھ، ص: ۲۷، تقسیم کار ڈی، بی، بلڈنگ، نوتنواں بازار، ضلع مہراج گنج یو.پی ۲۰۰۳ء۔

(۲) تذکرۂ علماے اہل سنت، مولانا محمود احمد قادری، ص: ۱۶۷، مطبوعہ سنی دارالاشاعت، فیصل آباد، پاکستان، ۱۹۹۲ء۔

(۳) مولانا عبدالسمیع صاحب نے خود انوار ساطعہ ص:...... (مطبوعہ............) میں اپنے آپ کو مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا شاگرد لکھا ہے اور انہیں بڑے گراں قدر علمی القاب سے نوازا ہے جس سے استاذ کے ساتھ گہرے رشتے اور گہری عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور خود مولانا رحمت اللہ صاحب نے انوار ساطعہ اور تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل (مؤلفہ مولانا غلام دستگیر قصوری) پر اپنی تقریظات میں مولانا عبدالسمیع رام پوری کو اپنا شاگرد کہا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے انوار ساطعہ ص...... مطبوعہ...... وتقدیس الوکیل ص ۴۱۵، نوری بک ڈپو، دربار داتا صاحب، لاہور، پاکستان) اور مولانا محمد سلیم مکی، مہتمم مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ نے انہیں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے تلامذہ میں سرِ فہرست ذکر کیا ہے (دیکھئے ''ایک مجاہد معمار'' ص ۱۸، مطبوعہ مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ، بحوالہ مقدمہ ''بائبل سے قرآن تک'' ص ۱۸۳، مطبوعہ حافظی بک ڈپو، دیوبند)

(۴) براہینِ قاطعہ، ص: ۹، کتب خانہ امدادیہ دیوبند۔

انہیں ایام میں شعر گوئی کا شوق ہوا تو اردو کے مشہور شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی شاگردی اختیار کی۔ ''بے دل'' تخلص تھا۔ ابتدا میں طبیعت غزل کی طرف زیادہ مائل رہی۔ بعد میں اس رسمی شاعری کو چھوڑ کر اپنی تمام تر توجہ مذہبی علوم و مسائل پر محدود کر دی۔ (۱)

حمد باری، نور ایمان، اور سلسبیل جیسے منظوم رسالے آپ کی شاعرانہ مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ان کے علاوہ ایک نعتیہ دیوان بھی ہے۔ (۲)

مولانا رام پوری سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں اپنے وقت کے مشہور مرشدِ طریقت شیخ المشائخ حضرت مولانا الحاج امداد اللہ فاروقی چشتی تھانوی مہاجر مکی علیہ الرحمہ (م ۱۳۱۷ھ) سے بیعت تھے۔ آپ کو حضرت حاجی صاحب موصوف سے اجازت و خلافت بھی حاصل تھی، آپ نہایت محتاط، تقویٰ شعار، پرہیز گار اور کامل الاحوال بزرگ تھے۔

مشہور مخیّر رئیس حافظ عبد الکریم، رئیس لال کرتی میرٹھ نے اپنے لڑکوں کی تعلیم و تربیت کے لیے آپ کو بارہ روپئے اور روٹی پر مدرس رکھ لیا۔ مدرس ہونے کے بعد دونوں وقت انواع و اقسام کے کھانے پہنچنے لگے، مگر آپ کا معمول یہ رہا کہ ان میں سے کچھ بھی تناول نہ فرماتے، صرف روٹی کھا کر پانی پی لیتے۔ حافظ عبد الکریم صاحب کو خبر ہوئی۔ بلا کر تحقیق حال کرنی چاہی اور پوچھا کہ کیا کھانا پسند نہیں آتا، کہ آپ ایسا کرتے ہیں؟ آپ نے بڑی سادگی سے دوٹوک جواب دیا: کھانے میں کوئی کمی نہیں، بات دراصل یہ ہے کہ معاملہ طے کرنے کے وقت صرف ''روٹی'' طے ہوئی تھی، اس لیے باقی چیزوں کے کھانے کا مجھے حق نہ تھا۔ (۳)

آپ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے ان خلفا میں تھے جنھیں حاجی صاحب نے از خود خلافت دی تھی۔ آپ نے پوری طرح مذہب اہلِ سنت کے عقائد و افکار اور مشربِ صوفیہ کے وظائف و معمولات میں اپنے شیخ و مرشد کی پے روی کی۔ اور مشائخ کے روحانی فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوئے۔

---

(۱) مفتی صدر الدین آزردہؔ، از عبد الرحمٰن پرواز اصلاحی، ص ۱۲۹، مکتبہ جامعہ نئی دہلی طبع اول، جولائی ۱۹۷۷ء۔

(۲) (الف) مصدر سابق (ب) تذکرہ علمائے اہل سنت از مولانا محمود احمد قادری، ص ۱۶۸، (ج) ''ایک مجاہد معمار'' بحوالہ بائبل سے قرآن تک'' ص ۱۶۷۔

(۳) تذکرہ علمائے اہلِ سنت، ص ۱۶۷

امدادُ المشتاق میں خود حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے اپنے خلفا کے بارے میں فرمایا :

میرے خلفا دو قسم کے ہیں : ایک وہ جنھیں میں نے از خود خلافت دی ہے۔ دوسرے وہ جن کو تبلیغِ دین کے لیے ان کی درخواست پر اجازت دی ہے۔

جن خلفا کو از خود خلافت دی ہے انھوں نے پوری طرح حاجی صاحب کی اتباع کی۔ مثلاً مولانا لطف اللہ علی گڑھی (متوفی ۱۳۳۴ھ)، مولانا احمد حسن کان پوری (متوفی ۱۳۲۲ھ)، مولانا محمد حسین الہ آبادی (متوفی ۱۳۲۲ھ) اور مولانا محمد عبد السمیع رام پوری (متوفی ۱۳۱۸ھ)۔

اور جن خلفا نے حاجی صاحب سے اختلاف کیا ان میں مولوی محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ)، مولوی رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۲ھ) اور مولوی اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) کے نام سرِ فہرست ہیں۔ (۱)

اردو کے مشہور ادیب اور قلم کار مالک رام نے تلامذۂ غالب میں لکھا کہ مولانا رام پوری کی فارسی اور عربی کی استعداد بہت اچھی تھی۔ (۲)

خود آپ کی کتاب انوارِ ساطعہ کا انصاف و دیانت کے ساتھ مطالعہ کرنے والا اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مذہبی علوم وفنون اور علومِ عقلیہ میں آپ کا پایہ بہت بلند اور آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا، جیسا کہ ان کے بزرگوں اور معاصر علماے کرام نے انوارِ ساطعہ پر اپنی تقریظات میں کھلے دل سے ان کے علمی تبحر و کمال کا اعتراف کیا ہے۔ انوارِ ساطعہ میں مولانا نے اس عالمانہ اسلوب میں بحث کی ہے کہ طبیعت پھڑک اٹھتی ہے، اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ان کے لیے دعا نکلتی ہے۔

مولانا رام پوری علیہ الرحمہ نے اسّی، نوّے کے درمیان عمر پائی اور میرٹھ میں ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء میں انتقال ہوا اور وہیں قبرستان حضرت شاہ ولایت قدس سرہ میں مدفون ہوئے۔ مولانا حکیم محمد میاں آپ کے فرزند تھے ۱۹۴۰ء میں ان کی رحلت ہوگئی۔ حکیم صاحب کی اولاد میں صرف دو لڑکیاں تھیں، اولادِ نرینہ کوئی نہ تھی۔

مولانا عبد السمیع رام پوری علیہ الرحمہ نے درج ذیل کتابیں یادگار چھوڑی ہیں :

(۱: نورِ ایمان (منظوم) (۲: سلسبیل (منظوم) (۳: راحت قلوب (۴: بہارِ جنت (۵: مظہرِ حق (۶: حمد باری (۷: انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ (۸: دافع الاوہام فی محفل خیر الانام (۹: قول النبی فی تحقیق السلام علیک ایہا النبی۔ (۱)

(۱) صابری سلسلہ، از وحید احمد مسعود، بدایوں، ۱۹۷۱ء۔
(۲) مفتی صدر الدین آزردہ، از عبد الرحمان پرواز، ص ۱۲۹۔
(۳) تذکرہ علماے اہلِ سنت، ص ۱۶۸۔

# انوارِ ساطعہ کا تاریخی پس منظر

میلاد النبی اور فاتحۂ مروجہ کی اصل حدیثِ نبوی سے ثابت ہے، اسی لیے یہ ہمیشہ سے علما و مشائخ ملت اور اکابر امت کا معمول رہا ہے۔ محفل میلاد النبی کی اصل یہ ہے کہ سرورِ کائنات، فخر موجودات، سید الانبیا کی ولادتِ طیبہ اور سیرتِ طیبہ کو بیان کیا جائے۔ جامع ترمذی جو صحاح ستہ میں سے مشہور اور معتمد کتاب ہے، اس میں ایک باب ہے: باب ما جاء فی میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (ان احادیث کا بیان جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادتِ طیبہ کے بارے میں آئی ہیں۔) اس باب میں ایک حدیث صحابیِ رسول حضرت قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

قَالَ : وُلِدَتُّ أنا و رسولُ اللّٰہِ عَامَ الفِیلِ. قال: وسأل عثمانُ بنُ عفّان قباث بنَ أَشْیَمَ أخَا بني یَعْمر بن لیث :أنت أکبرُ أم رسولُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ؟ فقال: رسولُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أکبَرُ مِنِّی، وأنا أقدم منہ فی المیلاد.(۱)

انھوں نے کہا: میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال پیدا ہوئے جس میں اصحابِ فیل کا واقعہ پیش آیا اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے قباث بن اشیم صحابی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم بڑے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ تو انھوں نے کہا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے بڑے ہیں، اور میں پیدائش میں ان سے پہلے ہوں۔

اس حدیث کی روشنی میں جہاں یہ ثابت ہوا کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ کا بیان نہ صرف جائز بلکہ صحابہ کا طریقہ ہے، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر نہایت تعظیم و ادب سے کرنا چاہیے، جس میں توہین و تنقیص کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ ہو، کیوں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سوال کا مقصد یہی تھا کہ اے قباث بن اشیم! عمر میں آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہیں؟ جس کا سیدھا سا جواب یہ تھا کہ ''میں بڑا ہوں''۔ مگر اس میں بہ ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے ہونے کی بات تھی تو صحابی رسول کو یہ بھی گوارا نہ ہوا اس لیے تعبیر بدل کر ایسا جواب دیا کہ ظاہر کے اعتبار سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے ہونے کا شائبہ نہ ہو اور فرمایا کہ ولادت میں میں ان سے مقدم اور پہلے ہوں۔ اسی طرح قرآن کریم

(۱) جامع ترمذی، ج:۲ رص:۲۰۲، مطبوعہ مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء۔

کی آیت ' قَدْ جَاءَ کُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ ' (یقیناً تمہارے پاس اللہ کی جانب سے ایک نور آ گیا) اورآیت کریمہ وَ مَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِین میں سرکار کی آمد کا ذکر ہے۔

اسی بنا پر سلفِ صالحین، علمائے دین، مشائخ طریقت اور اساطین امت محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد کرتے رہے اور اس میں برابر شرکت کرتے رہے، حد یہ ہے کہ امام ابوشامہ استاذ امام نووی، امام ابن جزری، حافظ عماد الدین بن کثیر، حافظ زین الدین عراقی، امام ابن حجر عسقلانی، حافظ جلال الدین سیوطی، علامہ شہاب الدین قسطلانی، علامی عبد الباقی زرقانی مالکی، علامہ ملا علی قاری حنفی، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہ بے شمار اساطینِ امت بلا نکیر محفل میں شریک ہوتے رہے، بلکہ بہت سے علمائے کرام نے محفل میلاد کے لیے مستقل کتابیں لکھیں۔ صاحبِ انوار ساطعہ نے نورِ سوم کے لمعہ تاسعہ میں ان علما و محدثین اور مشائخ طریقت کی ایک لمبی فہرست پیش کی ہے۔ اسی طرح فاتحہ اور ایصالِ ثواب بھی پوری امت مسلمہ میں رائج تھا۔

یہی حالات تھے کہ مغلیہ حکومت کے زوال کے تقریباً بیس سال بعد سہارن پور اور اس کے اطراف کے چند اسلاف بیزار مولویوں نے اس عملِ خیر اور مجلسِ خیر کے خلاف آواز اٹھائی اور دہلی کے غیر مقلد وہابی علما سے یہ سوال کیا :

> کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مولود خوانی و مدحت حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ہیئت سے کہ جس مجلس میں امردانِ خوش الحان گانے والے ہوں، اور زیب و زینت و شیرینی و روشنی ہائے کثیرہ ہو اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب و حاضر ہوں، جائز ہے یا نہیں؟ اور قیام وقتِ ذکرِ ولادت جائز ہے یا نہیں؟ اور حاضر ہونا مفتیان کا ایسی مجلس میں جائز ہے یا نہیں؟ اور نیز بروز عیدین پنج شنبہ وغیرہ کے آب و طعام سامنے رکھ کر اس پر فاتحہ وغیرہ ہاتھ اٹھا کر پڑھنا اور اس کا ثواب اموات کو پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟ اور نیز بروز سوم میت کے لوگوں کو جمع کر کے قرآن خوانی اور بھونے ہوئے چنوں پر کلمۂ طیبہ مع پنج آیت پڑھنا اور شیرینی وغیرہ تقسیم کرنا بحدیث نبوی جائز ہے یا نہیں؟ بَیِّنُوا تُوجَروا .

اس سوال نامہ کا جواب ان کی طرف سے یہ دیا گیا :

> انعقادِ محفل میلاد اور قیام وقت ذکر پیدائش آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرونِ ثلاثہ سے ثابت نہیں ہوا۔ پس یہ بدعت ہے۔ اور علی ہذا القیاس بروز عیدین وغیر عیدین

وپنج شنبہ وغیرہ میں فاتحۂ مرسومہ ہاتھ اٹھا کر پایا نہیں گیا البتہ نیابۃً عن المیت بغیر تخصیص ان امور مرقومۂ سوال کے للہ مساکین وفقرا کو دے کر ثواب پہنچانا اور دعا اور استغفار کرنے میں امید منفعت ہے۔ اور ایسا ہی حال سوئم، دہم، چہلم وغیرہ، اور پنج آیت اور چنوں اور شیرینی وغیرہ کا عدم ثبوت حدیث اور کتب دینیہ سے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بدعاتِ مخترعات ناپسند شرعیہ ہیں''۔ اس فتویٰ پر دہلی کے تین غیر مقلد علما کر دستخط تھے۔ (۱) مولوی حفیظ اللہ (۲) مولوی شریف حسین (۳) الٰہی بخش۔ اور اُن کے علاوہ درج ذیل علمائے دیوبند وگنگوہ وسہارن پور کے تائیدی دستخط بھی تھے۔ (۱) مولوی محمد یعقوب، صدر مدرس مدرسہ دیوبند (۲) مولوی محمد محمود حسن، مدرس مدرسہ دیوبند (۳) مولوی محمد عبد الخالق دیوبندی (۴) مولوی رشید احمد گنگوہی۔

گنگوہی صاحب کے الفاظ یہ ہیں :

ایسی مجلس ناجائز ہے اور اس میں شریک ہونا گناہ ہے، اور خطاب جناب فخر عالم علیہ السلام کو کرنا اگر حاضر ناظر جان کر کرے کفر ہے، ایسی مجلس میں جانا اور شریک ہونا ناجائز ہے، اور فاتحہ بھی خلاف سنت ہے اور سوم بھی، کہ یہ سنتِ ہنود کی رسوم ہے......التزام مجلس میلاد بلا قیام وروشنی وتقاسیم شیرینی وقیوداتِ لایعنی کے، ضلالت سے خالی نہیں ہے۔ علی ہذا القیاس سوم وفاتحہ برطعام کہ قرونِ ثلاثہ میں نہیں پائی گئی۔

اس زمانے میں یہ محفل میلاد وفاتحہ وعرس کے خلاف پہلا فتویٰ تھا جو چار ورقی تھا اور ۱۳۰۲ھ میں مطبع ہاشمی میرٹھ سے شائع ہوا، اس کی سرخی تھی : **فتویٰ مولود و عرس وغیرہ**۔ پھر دوسرا فتویٰ مطبع ہاشمی میرٹھ ہی سے چھپا جس کا عنوان تھا : **فتویٰ میلاد شریف یعني مولود مع دیگر فتاویٰ**۔ یہ چوبیس صفحے کا تھا اس میں محفلِ میلاد شریف کی بڑی مذمت کی گئی تھی اور پہلا چار ورقی فتویٰ بھی اس میں شامل کر دیا گیا تھا۔ ان فتووں نے مسلمانوں میں اختلاف وانتشار کا بیج بویا اور عوامِ اہلِ سنت کو طرح طرح کے شکوک وشبہات میں مبتلا کیا۔ اس علاقے کے لوگ زیادہ تر شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب فاروقی چشتی تھانوی سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے، جو کچھ عرصہ پہلے ہندوستان کے حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے ۱۲۷۶ھ/ ۱۸۵۹ء میں مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے تھے، اور حاجی صاحب کے مرید باصفا اور خلیفۂ صادق عالمِ ربانی حضرت مولانا محمد عبد السمیع بےدل رام پوری سہارن پوری (متوفی ۱۳۱۸ھ) اہلِ سنت وجماعت کے مرجع ومقتدا تھے

اور صبر و قناعت اور زہد وورع میں اپنے پیرو مرشد کے آئینہ دار تھے، اس لیے حاجی صاحب کے مریدین اور دیگر اہل سنت نے آپ سے بصد اصرار فرمائش کی کہ آپ ان کا جواب لکھیں اور قرآن وحدیث کی روشنی میں میلا دو فاتحہ وعرس کا صحیح شرعی حکم واضح فرمائیں۔ اس لیے مولانا نارام پوری نے قلم اٹھایا اور چند دنوں میں انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ کے نام سے ایک شاندار و قیع اور افراط وتفریط سے پاک کتاب تیار کر دی اور اس میں قرآن وحدیث اور اصول شریعت کی روشنی میں میلا د وفاتحہ کا جواز ثابت کیا اور تائید میں سلفِ صالحین، فقہا ومحدثین اور مشائخ طریقت کے اقوال ومعمولات کو بھی پیش کیا۔(۱)

جب یہ کتاب چھپ کر منظر عام پر آئی تو اہل سنت و جماعت میں مسرت و شادمانی کی ایک لہر دوڑ گئی، اور اسے اس قدر قبول عام حاصل ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے چند دنوں میں اس کے سارے نسخے ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ جب یہ کتاب دیوبند، گنگوہ اور سہارن پور کے وہابی علما تک پہنچی تو انہیں اپنے پیروں تلے سے زمین کھسکتی نظر آئی۔ آخر کار ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' کے مطابق وہابی دیو بندی علما کے سرگروہ مولوی رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۲ھ) نے اس کے جواب میں ایک کتاب لکھ کر اپنے مرید خاص مولوی خلیل احمد انبیٹھوی سہارن پوری (متوفی ۱۳۴۶ھ) کے نام سے شائع کرائی، جس کا لمبا چوڑا چار سطری نام اپنے خاص ذوق کے مطابق یہ رکھا: **البراهين القاطعة على ظلام الأنوار الساطعة، الملقب بالدلائل الواضحه على كراهة المروَّج من المولود و الفاتحة** اور نیچے یہ عبارت لکھوائی: ''بہ امر حضرت بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، رأس الفقہاء والمحدثین، تاج العلماء الکاملین جناب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی''۔(۲)

اس کتاب میں گنگوہی صاحب اس قدر آپے سے باہر ہو گئے کہ نہ صرف میلا د و فاتحہ وعرس کو بدعت و ناجائز لکھا، اور اسے کنھیا کے جنم، ہندوؤں کے سوانگ سے تشبیہ دی اور میلاد کرنے والے مسلمانوں کو کفار و ہنود سے بھی بدتر قرار دیا۔(براہین قاطعہ، ص:......) بلکہ بدحواسی میں یہ بھی لکھ

(۱) انوار ساطعہ، ص:

(۲) براہین قاطعہ گنگوہی صاحب ہی کی تصنیف ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ حکیم عبد الحئی رائے بریلوی نے اسے گنگوہی صاحب کی تصانیف میں شمار کرایا ہے اور خلیل احمد انبیٹھوی کی تصانیف میں اسے ذکر نہیں کیا۔ عبارت یہ ہے: **لــــه مصنفات مختصرة قليلة منها ............ البراهين القاطعة في الردّ على الأنوار الساطعة للمولوي عبد السميع الرامفوري . طُبِعَ باسم الشيخ خليل أحمد السهارنفوري .** (نزہۃ الخواطر، ج:۸، ص: ۱۶۶، مطبوعہ ندوۃ العلما لکھنؤ۔)

مارا کہ: (۱) اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے۔(دیکھئے براہین قاطعہ،ص:۱۰) (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام انسانوں کی طرح ایک بشر ہیں۔(ایضا،ص:۱۲) (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم شیطان اور ملک الموت سے کہیں کم ہے، شیطان اور ملک الموت کے علم کا وسیع ہونا نصوصِ قطعیہ اور دلائلِ یقینیہ سے ثابت ہے جب کہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ علم کا ثبوت کسی نص قطعی اور دلیلِ یقینی سے نہیں۔اس لیے آپ کے لیے وسیع علم ماننا شرک ہے۔(ایضاً،ص:۱۲۲) (۴) سرکار کو اپنے خاتمہ کا حال معلوم نہیں۔اور انہیں دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔(ایضاً،ص: ۱۲۱) (۵) فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اردو علماے مدرسہ دیوبند سے سیکھی۔(ایضاً،ص:۶۳)

اس کے علاوہ اپنے پیر بھائی مولانا محمد عبدالسمیع رام پوری کے خلاف اپنی افتادِ طبع کے مطابق فحش مغلظات بکنے سے بھی گریز نہیں کیا،اور لکھا کہ وہ کم فہم، جاہل، بےشرم، بےغیرت، بےسمجھ، کم عقل، دین سے بے بہرہ، ہوش وحواس سے قاصر، پھکڑ باز، قوتِ شہوانیہ سے محروم، کوڑ مغز اور تیلی کے بیل وغیرہ وغیرہ ہیں۔گنگوہی صاحب نے خود کو لسانی محاسبہ اور ضابطۂ اخلاق سے بالاتر سمجھتے ہوئے جس جا گیردارانہ ذہنیت کا اظہار کیا ہے ان تمام ملفوظات شریفہ کو باضابطہ یک جا کر دیا جائے تو ایک رسالہ تیار ہو جائے، جو مغلظات نویسی اور سبّ وشتم میں گنگوہی صاحب کے پیشہ ورانہ کمال اور فنّی مہارت کا منھ بولتا ثبوت ہوگا۔[1] مگر گنگوہی صاحب جیسے لوگوں سے اس کا کیا شکوہ؟ کیوں کہ جب اللہ ورسول کی شان بھی ان کے سمندِ قلم کی منھ زوری سے محفوظ نہیں تو کسی اور کی کیا حیثیت ہے؟۔

ادھر مولانا رام پوری علیہ الرحمہ کی کتاب انوار ساطعہ جب ان کے پیر ومرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی خدمت میں مکہ مکرمہ پہنچی تو انھوں نے اسے ملاحظہ کرنے کے بعد مورخہ ۲۲ر شوال ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۶ء کو مولانا رام پوری کو ایک خط لکھ کر کچھ اس طرح اظہارِ خیال فرمایا :

> درحقیقت کتاب کا اصل مضمون اس فقیر اور بزرگان فقیر کے مذہب ومشرب کے مطابق ہے،آپ نے خوب لکھا۔ جَـزَاکَ اللّٰه خيرًا . (اللہ تعالیٰ آپ کو جزاے خیر دے)۔[2]

---

(۱) محترم سید قمرالدین اشرف (علی گڑھی) نے براہین قاطعہ کا مطالعہ کرنے کے بعد مولانا گنگوہی کے مولانا رام پوری پر تمسخر اور استہزا کے ریمارکس اور مغلظات کی تفصیل اپنی کتاب البراہین النافعہ کے باب سوم میں ص:۱۳۶ سے ص: ۱۶۸، تک صفحہ اور سطر کی نشاندہی کے ساتھ ذکر کی ہے جو میرے دعوے کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔(دیکھئے البراہین النافعہ،ڈی.بی بلڈنگ،نوتنواں بازار،ضلع مہراج گنج،یو.پی.)

(۲) پورا خط انوار ساطعہ ص:۷،۸ پر فارسی زبان میں مطبوع ہو چکا ہے۔

اور اسی کے ساتھ تیز قلمی اور غیظ نفسانی والی عبارتوں کو آئندہ ایڈیشن میں کتاب سے خارج کرنے کا حکم دیا۔اس کے بعد مولوی خلیل الرحمٰن کے ذریعہ یہ بھی کہلوایا کہ جب دوبارہ کتاب انوار ساطعہ چھپے تو پانچ چھ نسخے میرے پاس ضرور بھیج دیے جائیں۔(۱)

ان کے علاوہ اس زمانہ کے ایک نامور عالمِ دین مصنف انوار ساطعہ کے استاذ پایۂ حرمین شریفین حضرت مولانا رحمت اللہ بن خلیل الرحمٰن کیرانوی مہاجر مکی بانی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ نے مولانا رام پوری کو بذریعہ خط لکھا کہ ''آپ کی اور مولوی رشید احمد صاحب کی مخالفت حد درجہ کو پہنچ گئی ہے۔لہذا یہ مقدمہ جتنا دب سکے دبائیو اور ہرگز نہ بڑھائیو''۔(۲)

اس کے بعد مولانا بے دل رام پوری صاحب نے انوار ساطعہ کے اس نسخہ پر ۱۳۰۶ھ میں نظر ثانی کی اور اپنے پیرومرشد اور استاد کے حکم کے مطابق جو کچھ سخت الفاظ اور طنزیہ کلمات کتاب میں آگئے تھے انہیں یک سر کتاب سے خارج کر دیا اور لکھا :

> مجھ کو رضا جوئی حضرت مرشدی ومولائی کی بجان ودل منظور ہے، تعمیلِ ارشادِ مرشد میں قصور (کوتاہی) کرنا سراسر قصور ہے۔(۳)

یہ خیال رہے کہ صاحبِ انوار ساطعہ مولانا عبد السمیع رام پوری اور صاحبِ براہینِ قاطعہ مولوی رشید احمد گنگوہی دونوں حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے خلیفہ ہیں، حاجی صاحب نے دونوں کو خوب خوب سمجھایا اور ان کے درمیان صلح ومصالحت کی بہت کوشش فرمائی۔صاحبِ انوار ساطعہ نے تو اپنے پیرومرشد کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔مگر گنگوہی صاحب اپنی ضد پر اڑے رہے، اور اپنے پیرومرشد کی ایک نہ مانی۔جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ براہینِ قاطعہ آج تک اسی انداز سے چھپ رہی ہے جیسی ابتدا میں لکھی گئی تھی۔یہاں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے تعلق سے چند حقائق حاضر خدمت ہیں، امداد المشتاق میں حاجی امداد اللہ صاحب نے اپنے خلفا کے بارے میں فرمایا :

> میرے خلفا دو قسم کے ہیں۔ایک وہ جنہیں میں نے از خود خلافت دی ہے۔دوسرے وہ جن کو تبلیغ دین کے لیے ان کی درخواست پر اجازت دی ہے۔

---

(۱) دیکھئے انوار ساطعہ، ص:۸۔
(۲) حوالۂ سابق ص:۱۰۔
(۳) نفس مصدر، ص:۸۔

جن خلفا کو از خود خلافت دی ہے انھوں نے پوری طرح حاجی صاحب کی اتباع کی۔ مثلاً مولانا لطف اللہ علی گڑھی (متوفی ۱۳۳۴ھ)، مولانا احمد حسن کان پوری (متوفی ۱۳۲۲ھ)، مولانا محمد حسین الہ آبادی (متوفی ۱۳۲۲ھ) اور مولانا محمد عبدالسمیع رام پوری (متوفی ۱۳۱۸ھ)، اور جن خلفا نے حاجی صاحب سے اختلاف کیا ان میں مولوی محمد قاسم نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ)، مولوی رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۲ھ) اور مولوی اشرف علی تھانوی (متوفی ۱۳۶۲ھ) کے نام سرِ فہرست ہیں۔(۱)

اپنے خلفا کے درمیان مسلکی اختلاف کی اطلاع پا کر ان کے تصفیہ کے لیے حاجی صاحب نے فیصلہ ہفت مسئلہ کے نام سے ایک مختصر سی کتاب لکھی جو (۱) مولود شریف (۲) فاتحہ (۳) عرس وسماع (۴) ندائے غیر اللہ (۵) جماعتِ ثانیہ (۶) امکانِ نظیر (۷) امکانِ کذب کے مسائل میں اثباتِ مسلک اہل سنت پر مشتمل ہے۔ اس فیصلۂ ہفت مسئلہ کے ساتھ یہ سلوک ہوا کہ اسے نذر آتش کر دیا گیا۔ اس وقت تک مولانا اشرف علی تھانوی، حاجی صاحب کے مسلک سے کچھ قریب تھے، مگر بعد میں انھوں نے بھی انحراف کیا اور مولانا رشید احمد گنگوہی شروع ہی سے اپنے پیرو مرشد کے مسلک ومعمول کے برعکس خیالات رکھتے تھے۔ اب نذر آتش کرنے کا حادثہ خواجہ حسن ثانی نظامی (درگاہ حضرت نظام الدین اولیا دہلی) کی زبانی سنیے:

> نذر آتش کرنے کی یہ خدمت والدی حضرت خواجہ حسن نظامی کے سپرد ہوئی جو اس وقت گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے یہاں زیر تعلیم تھے۔ لیکن خواجہ صاحب نے جلانے سے پہلے اس کو پڑھا اور جب ان کو وہ کتاب اچھی معلوم ہوئی تو انھوں نے استاد کے حکم کی تعمیل میں آدھی کتابیں تو جلا دیں اور آدھی بچا کر رکھ لیں۔

اس کے کچھ عرصہ بعد مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا گنگوہی سے ملنے آئے اور ان سے پوچھا کہ میں نے کچھ کتابیں تقسیم کرنے کے لیے آپ کے پاس بھیجی تھیں، ان کا کیا ہوا؟ مولانا گنگوہی نے اس کا جواب ''خاموشی'' سے دیا۔ لیکن کسی حاضر الوقت نے کہا کہ علی حسن (خواجہ حسن نظامی) کو حکم ہوا تھا کہ انھیں جلا دو۔ مولانا تھانوی نے میاں علی حسن سے پوچھا کہ کیا واقعی تم نے کتابیں جلا دیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ استاد کا حکم ماننا ضروری تھا اس لیے میں نے آدھی کتابیں تو جلا دیں اور آدھی میرے پاس موجود ہیں۔

---

(۱) صابری سلسلہ از وحید احمد مسعود، ص:۴۶، بدایوں ۱۹۷۱ء۔ بحوالہ انگریز نوازی کی حقیقت ص:۳۸، از مولانا یٰسین اختر مصباحی، دارالقلم دہلی۔ طبع اول ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء۔

حضرت خواجہ صاحب بیان کرتے تھے کہ مولانا تھانوی اس سے اتنے خوش ہوئے کہ آم کھا رہے تھے، فوراً دو آم اٹھا کر مجھے انعام میں دیے۔(۱)

حضرت حاجی صاحب نے اپنے خلیفہ حضرت مولانا صوفی محمد حسین الہ آبادی کے نام ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں مکہ مکرمہ سے ایک خط لکھ کر معلوم کیا کہ ہماری تحریر سے اختلاف کا کچھ تصفیہ ہوا یا نہیں؟ تو آپ نے تحقیقِ حال کر کے حاجی صاحب کو لکھا کہ علماے دیو بند نے آپ کی تحریر کو نگاہِ غلط انداز سے بھی نہ دیکھا، بلکہ فیصلہ ہفت مسئلہ کو نذر آتش کر دیا۔(۲)

ساتھ ہی جرأت و جسارت اور اپنے شیخ کے مقابلے میں سینہ زوری ایسی تھی کہ بقول مولانا رشید احمد گنگوہی :

جس فن کے امام حاجی صاحب ہیں اس میں ہم ان کے مقلد ہیں، باقی فرعیات کے امام ہم ہیں۔ حاجی صاحب کو چاہیے کہ ہم سے پوچھ کر عمل کریں۔

اور مولونا قاسم نانوتوی نے کہا: ''ہماری معلومات زائد اور حاجی صاحب کا علم زائد ہے''۔

اور مولوی اشرف علی تھانوی نے تو اس اختلاف کو جائز قرار دینے کے لیے اپنی ساری قابلیت صرف کر دی۔ مگر ساتھ ہی ازراہِ انصاف یہ بھی تحریر کیا کہ بقول شخصے : تانباشد چیز کے مردم نگویند چیزہا''۔(۳)

بہر حال اس کتاب کے تاریخی پس منظر اور پیش منظر پر نگاہ ڈالنے کے بعد یہ تاریخی حقیقت ابھر کر سامنے آ گئی کہ اس وقت سنیت اور دیو بندیت کا اختلاف دراصل حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے خلفا کے مابین پیدا ہوا اور ان ہی کے درمیان پلا، بڑھا اور پروان چڑھا، اور اس میں دیگر علما و مشائخ کی شرکت بہت بعد میں ہوئی۔ لہٰذا یہ کہنا کہ سنیت اور دیو بندیت کے درمیان اختلاف کا آغاز مولانا احمد رضا بریلوی نے کیا، تاریخ سے ناواقفیت اور جہالت پر مبنی ہے۔

براہینِ قاطعہ کا ایک تاریخی پہلو یہ بھی ہے کہ جب یہ کتاب چھپ کر منظر عام پر آئی تو مولانا غلام دستگیر قصوری اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی جن کے درمیان پہلے دوستانہ تعلقات تھے ایک دوسرے کے سخت مخالف ہو گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اس زمانے میں مدرسہ

---

(۱) ماہ نامہ منادی دہلی، جلد ۳۹، شمارہ ۱۲/ص: ۲۲، بحوالہ تقدیس الوکیل (حاشیہ) ص: ۷، نوری بک ڈپو لاہور۔
(۲) صابری سلسلہ، ص: ۴۷۔
(۳) حوالہ سابق، ص: ۴۹۔

عربیہ، ریاست بھاول پور (پاکستان) میں مدرس اول کے عہدہ پر فائز تھے، اور علماے اہل سنت کی ان تمام تحریروں پر ان کی تائیدات وتصدیقات ہوتی تھیں جو اعتقادی وفکری مسائل پر سامنے آتیں ۔''ابحاث فرید کوٹ'' میں مولوی خلیل احمد صاحب ان تمام اعتقادی مسائل کو تصدیقی مہروں سے مزین فرما چکے تھے جو علماے اہل سنت کے اعتقادی نظریات پر مبنی تھے ۔ براہینِ قاطعہ چوں کہ انبیٹھوی صاحب کے نام سے چھپی تھی اس لیے اس کو دیکھنے کے بعد مولانا غلام دستگیر قصوری صاحب کو بڑا صدمہ ہوا ۔ اور وہ بہ نفسِ نفیس بھاول پور پہنچے، اور اپنے دیرینہ دوست سے براہِ راست گفتگو کر کے صورتِ حال معلوم فرمائی اور انہیں سمجھانے کی بہت کوشش فرمائی، مگر انبیٹھوی صاحب کو اپنی ضد پر قائم پا کر حیرت زدہ رہ گئے ۔ جب انھوں نے افہام وتفہیم کی تمام تدبیروں کو ناکام ہوتے ہوئے دیکھا تو انبیٹھوی صاحب کو مناظرہ کا چیلنج دیا ۔ انبیٹھوی صاحب اپنے ساتھ چھ دیو بندی علما لے کر حاضر ہوئے اور مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے ساتھ چھ علماے اہل سنت کے ہمراہ تشریف لائے ۔ شوال ۱۳۰۶ھ میں بمقام بھاول پور، نواب بھاول پور کی نگرانی میں ان مسائل پر مناظرہ ہوا جو انوارِ ساطعہ اور براہینِ قاطعہ میں زیر بحث آ چکے تھے ۔ اس مناظرہ کے حکم اور فیصل والی ریاست بھاول پور کے پیرو مرشد شیخ المشائخ خواجہ غلام فرید، چاچڑاں شریف تھے ۔ مناظرہ میں مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کو شکستِ فاش ہوئی اور حکم مناظرہ نے یہ فیصلہ سنایا کہ ''انبیٹھوی صاحب مع اپنے معاونین کے وہابی، اہل سنت سے خارج ہیں'' ۔ اس فیصلہ کے بعد مولوی خلیل احمد صاحب کو بھاول پور سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا ۔

اس مناظرہ کی تفصیلی روداد مولانا قصوری علیہ الرحمہ نے 'تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل' کے نام سے لکھی، پھر اس کے مباحث کا عربی ترجمہ کر کے علماے حرمین طیبین سے اپنے موقف کے حق ہونے اور انبیٹھوی صاحب کے موقف کے باطل ہونے پر تصدیقات وتقریظات لکھوائیں اور انہیں بھی کتاب میں شامل کر کے شائع کیا ۔[۱] ان تصدیقات وتقریظات میں شیخ الدلائل مولانا محمد عبد الحق الٰہ آبادی (متوفی ۱۳۳۳ھ)، شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور اساتذۂ مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ کے علاوہ پایۂ حرمین شریفین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی کی سات صفحات پر مشتمل طویل تقریظ وتصدیق ہے جس کے بنیادی عناصر درج ذیل ہیں :

(۱) تقدیس الوکیل ص: ۱ تا ۱۳، نوری بک ڈپو، لاہور پاکستان ۔

(الف: میں جناب مولوی رشید کو رشید سمجھتا تھا، مگر میرے گمان کے خلاف کچھ اور ہی نکلے۔ (یعنی نارشید) جس طرف آئے اس طرف ایسا تعصب برتا کہ اس میں ان کی تقریر اور تحریر دیکھنے سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے۔

(ب: پھر مولوی رشید احمد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے (امام حسین) کی طرف متوجہ ہوئے، اور ان کی شہادت کے بیان کو بڑی شدت سے محرم کے دنوں میں، گو کیسا ہی روایتِ صحیح سے ہو، منع فرمایا۔ حالاں کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے جناب مولانا اسحاق مرحوم تک عادت تھی کہ عاشورے کے دن بادشاہِ دہلی کے پاس جا کر روایاتِ صحیح سے بیانِ حالِ شہادت کرتے تھے۔

(ج: پھر حضرت رشید نے جو نواسے کی طرف توجہ کی تھی اس پر بھی اکتفا نہ کر کے خود ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی طرف توجہ کی۔ پہلے مولود کو کنھیا کے جنم اشٹمی ٹھہرایا اور اس کے بیان کو حرام بتلایا، اور کھڑے ہونے کو، گو کوئی کیسے ذوق وشوق میں ہو بڑا منکر فرمایا۔

(د: پھر ذاتِ نبوی میں اس پر بھی اکتفا نہ کر کے اور امکانِ ذاتی سے تجاوز کر کے چھ خاتم النبیین بالفعل ثابت کر بیٹھے۔

(ہ: اور امکانِ ذاتی کے باعتبار تو کچھ حد ہی نہ رہی، اور ان کا مرتبہ کچھ بڑے بھائی سے بڑا نہ رہا۔

(و: اور بڑی کوشش اس میں کی کہ حضرت کا علم شیطانِ لعین کے علم سے کہیں کم تر ہے۔ اور اس عقیدے کے خلاف کو شرک ٹھہرایا۔

(ز: پھر اس توجہ پر جو ذاتِ اقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھی اکتفا نہ کیا، ذاتِ اقدسِ الٰہی کی طرف بھی متوجہ ہوئے، اور جناب باری تعالیٰ کے حق میں دعویٰ کیا کہ اللہ کا جھوٹ بولنا ممتنع بالذات نہیں، بلکہ امکان جھوٹ بولنے کو اللہ کی بڑی صفت کمال کی فرمائی۔ نعوذ باللہ من ھذا الخرافات۔

(ح: میں تو ان امور کو ظاہر و باطن میں بہت برا سمجھتا ہوں، اور اپنے محبین کو منع کرتا ہوں کہ حضرت مولوی رشید کے اور ان کے چیلے چانٹوں کے ایسے ارشادات نہ سنیں۔ (۱)

اب اس کے بعد ان اکابر علمائے ہند کے اجمالی احوال قارئینِ کرام کے سامنے رکھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جنھوں نے انوار ساطعہ کی تائید وتصدیق کی اور اس پر گراں قدر تقریظات لکھیں۔ ان علما و مشائخ کی تعداد چوبیس ہے۔

---

(۱) تقدیس الوکیل: ص: ۴۱۵ تا ۴۲۲، نوری بک ڈپو، لاہور پاکستان۔

## انوارِ ساطعہ کی تصدیق وتائید کرنے والے معاصر علماے ہند

### (۱) حضرت مولانا مفتی محمد لطف اللہ علی گڑھی (متوفی ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء)

پلکھنہ ضلع علی گڑھ (یو. پی.) میں ۱۲۴۴ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، والد کا نام اسد اللہ بن فیض اللہ ہے، مقامی معلّموں سے ابتدائی درسیات پڑھنے کے بعد مدرسہ فیضِ عام، کان پور میں مفتی عنایت احمد کاکوروی (متوفی ۱۲۷۹ھ) سے مروجہ علوم وفنون کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد مدرسہ فیض عام کان پور اور مدرسہ جامعہ مسجد، علی گڑھ میں تدریس کے فرائض انجام دینے کے بعد والیِ ریاست حیدرآباد کی دعوت پر حیدرآباد گئے اور وہاں دارالعلوم کے صدر المدرسین اور پھر مفتیِ عدالت کے عہدے پر تقرر ہوا، مولانا شاہ احمد حسن کان پوری، نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی وغیرہ آپ کے تلامذہ میں ہیں۔ مروجہ علوم وفنون میں مہارت ہی کی بنا پر کثیر علما نے آپ سے استفادہ کیا اور ''استاذ العلما'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ کان پور میں قیام کے دوران غیر مقلد عالم اسماعیل علی گڑھی سے تحریری مناظرہ کیا۔(۱)

### (۲) حضرت مولانا فیض الحسن سہارن پوری (متوفی ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء)

سہارن پور کے ایک زمین دار گھرانے میں مولانا حافظ علی بخش بن خدا بخش قریشی کے یہاں ۱۸۱۶ء/۱۲۳۲ھ آپ کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اور مروجہ عربی وفارسی کی کتابیں گھر ہی پر اپنے والد سے پڑھیں، پھر مفتی صدرالدین آزردہ، شاہ احمد سعید مجددی، علامہ فضل حق خیرآبادی وغیرہ سے معقولات ومنقولات کی کتابیں پڑھیں، مولانا امام بخش صہبائی، حکیم مومن خان مومن، مرزا اسد اللہ خاں غالب اور خاقانیِ ہند ابراہیم ذوق دہلوی کی شعری اور ادبی محفلوں میں شریک رہے۔ معقولات وادبیات میں خصوصی استفادہ علامہ خیرآبادی سے کیا اور شاعری میں امام بخش صہبائی کے شاگرد ہوئے، فراغت کے بعد انقلاب ۱۸۵۷ء تک دلی میں درس وتدریس کا کام کیا۔ اوائل ۱۸۷۰ء میں اورینٹل کالج لاہور میں استاذ کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ پوری زندگی درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں گزاری۔ عربی زبان وادب میں امامت کے درجہ پر فائز تھے۔ تصنیفات میں حاشیہ تفسیر بیضاوی، حاشیۂ تفسیر جلالین، حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح، شرح دیوان حماسہ، شرح سبع معلقات وغیرہ ہیں۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت تھے۔(۲)

---

(۱) تذکرۂ علماے اہلِ سنت، ص: ۲۲۰، مطبوعہ سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ، فیصل آباد، پاکستان ۱۹۹۲ء۔ نزہۃ الخواطر، ج:۸، ص:۴۰۳، مطبوعہ لکھنؤ۔

(۲) (الف) نزہۃ الخواطر، ج:۸، ص:۳۸۹، (ب) مفتی صدرالدین آزردہ، از عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی ص:۱۰۷تا۱۱۰۔

## (۳) حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری (متوفی ۱۳۱۵ھ) :

محلّہ چلہ بیبیاں، اندرون موچی گیٹ، لاہور میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ والد کا نام مولانا حسن بخش ہاشمی صدیقی تھا۔آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری خلیفہ شاہ غلام علی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہم شیرتھیں۔مولانا قصوری نے تمام تعلیم وتربیت اپنے ماموں ہی سے پائی،اس طرح آپ کومولانا غلام محی الدین قصوری علیہ الرحمہ کا شاگرد،خواہرزادہ،داماد،مرید باصفااورخلیفہ ہونے کا شرف حاصل تھا۔آپ کوتفسیر،حدیث،فقہ اورتصوف سے خاص شغف تھااور ان تمام علوم میں کامل مہارت اوربصیرت رکھتے تھے۔آپ پنجاب کےان اکابراورممتاز علماومشائخ میں تھے جنھوں نے دیوبندیت، وہابیت،شیعیت،رافضیت، چکڑالویت،قادیانیت اورعیسائیت کا زبردست مقابلہ کیا۔مولوی خلیل احمدانبیٹھوی سے براہینِ قاطعہ کے غیراسلامی مندرجات پر ریاست بھاول پور میں مناظرہ کیا، شمس المشائخ حضرت مولانا خواجہ غلام فرید علیہ الرحمہ اس مناظرے کےحکم تھے،انبیٹھوی صاحب کواس مناظرہ میں شکستِ فاش ہوئی۔اورخواجہ صاحب نے یہ فیصلہ صادرفرمایا کہ براہینِ قاطعہ کے مؤلّف مع اپنے معاونین کے وہابی،اہل سنت سے خارج ہیں،اورپھرریاست بھاول پورسےمولوی خلیل احمدانبیٹھوی کےاخراج کاحکم بھی صادرہوا۔مولانا قصوری نے اس مناظرہ کی روداد تقدیس الوکیل کے نام سے مرتب کی،اورپھراس کا عربی میں ترجمہ کرکےمولانا رحمت اللہ کیرانوی،حاجی امداداللہ مہاجرمکی اورعلماے حرمین شریفین سےاس کی تائیدوتصدیق حاصل کرکےشائع کی۔تصانیف درج ذیل ہیں:(۱) عمدۃ البیان في اعلان مناقب النعمان (میاں نذیرحسین دہلوی کی کتاب معیارالحق کا جواب)(۲) تحفۂ دستگیریہ بجواب اثناعشریہ (۳) مخرج عقائدنوری بجواب نغمہ طنبوری (ردِّ عیسائیت میں) (۴) ہدیۃ الشیعتین (شیعہ اور خوارج کے نظریات کا مدلل جواب) (۵) توضیح دلائل وتصریح ابحاث فریدکوٹ (۶) عروۃ المقلدین (۷) ظفر المقلدین (۸) نصرۃ الابرار فی جواب الاشتہار (یہ چاروں کتابیں ردِّ غیر مقلدین میں ہیں (۹) رجم الشیاطین علی اغلوطات البراہین (۱۰) تحقیقات دستگیریہ دررِدّ ہفواتِ براہینیہ (۱۱) فتح رحمانی بہ دفع کید قادیانی (یہ تینوں کتابیں قادیانی کے رد میں ہیں) (۱۲) جواہر مضیّہ ردِنیچریہ(۱۳) تقدیس الوکیل عن توہین الرشیدوالخلیل۔وغیرہ۔(۱)

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے:(الف) تقدیس الوکیل،ازمولانا غلام دستگیر قصوری۔(ب) لاہور میں اولیاے نقشبند کی سرگرمیاں۔ (ج) تذکرہ علماے اہلِ سنت،ازمولانا محموداحمد قادری۔

**(۴) حضرت مولانا مفتی محمد ارشاد حسین فاروقی مجددی رام پوری (متوفی ۱۳۱۱ھ):**

آپ ۱۴ر صفر ۱۲۴۸ھ کو رام پور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام احمد حسین بن غلام محی الدین ہے، حضرت خواجہ محمد یحییٰ خلف اصغر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سے نسبی تعلق تھا، علما رام پور ولکھنؤ سے درسی کتابیں پڑھنے کے بعد حضرت مولانا محمد نواب خاں مجددی سے تکمیل کی۔ دہلی جا کر حضرت مولانا شاہ احمد سعید مجددی سے مرید ہوئے، محبوبیت ومرادیت کا بلند مقام پایا، اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کا شمار حضرت شاہ احمد سعید مجددی علیہ الرحمہ کے بلند پایہ خلفا میں ہوتا تھا۔ آپ حافظِ قرآن، محدث، مفسر، فقیہ، مفتی، درویش، مدبّر تھے غرض کہ کمالات ظاہری وباطنی کے مخزن تھے۔ آپ اپنے زمانے کے بزرگ ترین عالمِ دین، مرشدِ طریقت اور مصلحِ قوم وملت تھے۔ نواب کلب علی خاں خلد آشیاں، والیِ رام پور سے زمانۂ طالب علمی سے ہی محبت ومودت تھی، نواب صاحب والی تخت وتاج ہونے کے بعد آپ کا بے حد اعزاز واکرام کرتے تھے۔ امورِ سلطنت میں بھی آپ سے مشورہ لیتے تھے، اوراد ووظائف، حلقۂ ذکر اور درس وتدریس سے آپ کے اوقات معمور تھے۔ ہر جمعہ کو بعد نماز اپنی مسجد میں وعظ فرماتے جو بڑا پر اثر ہوتا، ذوق وشوق اور گریہ وبکا سے مجلسِ وعظ، حشر کا نمونہ ہوتی۔ مسلمانانِ اہلِ سنت پر حد درجہ شفقت فرماتے اور باطل پرستوں اور بدمذہبوں سے سخت نفرت رکھتے تھے۔ میاں نذیر حسین دہلوی غیر مقلد کی کتاب معیارحق کے جواب میں انتصار الحق لکھی، مولانا سید دیدار علی الوری، مولانا سلامت اللہ رام پوری، مولانا ظہور الحسین رام پوری، مولانا عبد الغفار خاں رام پوری وغیرہ آپ کے مشہور شاگرد ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی نے بھی رام پور میں آپ سے فقہ کا درس لیا۔ تصنیفات میں انتصار الحق، ارشاد الصرف اور ترجمہ کتاب الحیل فتاویٰ عالم گیریہ ہیں۔ (۱)

**(۵) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی (متوفی ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء):**

آپ ۱۰ر شوال ۱۲۷۲ھ/ جون ۱۸۵۶ء کو صوبہ اتر پردیش کے مشہور شہر بریلی میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے ذہانت وفطانت اور ولایت کے آثار آپ کی پیشانی سے ہویدا تھے۔ درسیات کی تکمیل اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی نقی علی خاں قادری بریلوی (متوفی ۱۲۵۷ھ) سے بریلی ہی

(۱) (الف) تذکرۂ کاملان رام پور، ص: ۳۰ تا ۳۳، مطبوعہ خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ ۱۹۸۶ء۔ (ب) تذکرۂ علمائے اہل سنت، ص: ۲۴-۲۵، مطبوعہ سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ، فیصل آباد، پاکستان، ۱۹۹۲ء۔ (ج) نزھۃ الخواطر، ج: ۸، ص: ۵۷-۵۸۔

میں کی۔ ۱۲۸٦ھ میں تیرہ برس کی مختصر سی عمر میں ہی درسیات کی تعلیم سے فارغ ہو گئے۔ خاتم الاکابر حضرت مولانا شاہ آلِ رسول مارہروی سے بیعت ہوئے۔ اسی وقت اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔ ۱۲۹۵ھ میں پہلی بار والد ماجد کے ہمراہ حج وزیارت کے لیے حرمین شریفین کا سفر کیا۔ شیخ عبد الرحمٰن سراج مفتی احناف مکہ مکرمہ نے فقہ کی اور شیخ الاسلام علامہ احمد زینی دحلان نے حدیث کی اجازت وسند دی۔ مولانا حسین صالح شافعی امام مسجد حرام بغیر کسی سابقہ تعارف کے مقام ابراہیم میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور دیر تک آپ کی پیشانی کو تھامے ہوئے : إنّي لَأَجِدُ نورَ اللّٰهِ فِي هٰذَا الجبينِ فرماتے رہے، اور ضیافت کے بعد صحاح ستہ اور سلسلۂ قادریہ کی اجازت وسند دے کر رخصت کیا۔ ۱۳۲۳ھ میں دوسری بار حج وزیارت کے موقع پر علماے حرمین شریفین نے آپ کا حد درجہ اعزاز واکرام کیا، بڑے بڑے علما ومشائخ نے آپ سے علمی استفادہ کیا، اجازت وخلافت حاصل کی، اور آپ کے علمی تبحر اور فقیہانہ بصیرت وژرف نگاہی کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔ عظیم حنفی عالم علامہ صالح کمال مکی کے علم غیب نبوی سے متعلق پانچ علمی سوالات کے جواب میں بغیر مراجعتِ کتب تین دن کی مختلف نشستوں میں ساڑھے آٹھ گھنٹے میں ''الدولۃ المکیہ'' نامی کتاب عربی زبان میں تصنیف کی۔ اور دوسرے بعض علماے مکہ ہی کے سوال کے جواب میں 'كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم' لکھی جس میں کرنسی نوٹ کے متعلق احکام ومسائل کو فصیح عربی میں بڑی وضاحت سے بیان کیا۔ پوری زندگی تحریر وتقریر اور تصنیف وافتا کے ذریعہ مذہبِ اہل سنت کی خدمت اور تائید وحمایت کرتے رہے، اور ہر باطل فرقہ اور غیر اسلامی تحریک سے قلمی جہاد فرمایا۔ آپ کی خدمات جلیلہ کے اعتراف میں اکابر علماے اہلِ سنت نے آپ کے مجدد ہونے کا اعلان واعتراف کیا۔ عربی، اردو اور فارسی زبانوں میں سیکڑوں کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔ ۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء کو بریلی میں آپ کا وصال ہوا۔(۱)

## (٦) تاج الفحول علامہ عبدالقادر بدایونی (متوفی ۱۳۱۹ھ) :

آپ علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ کے فرزند اصغر ہیں، ۱۷ر رجب ۱۲۵۳ھ میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا جان مولانا شاہ عین الحق عبد المجید قدس سرہ العزیز نے تاریخی نام ''مظہر حق'' تجویز فرمایا، ''عبدالقادر'' اصل قرار پایا۔ استاذ العلما مولانا نور احمد بدایونی

(۱) (الف) تذکرہ علماے اہلِ سنت ص: ۴۲-۴٦ (ب) اور تفصیل کے لیے دیکھیے حیات اعلیٰ حضرت، از ملک العلماء مولانا ظفر الدین رضوی بہاری۔

(متوفی ۱۳۰۱ھ) سے تحصیل علم شروع کی۔ اَلوراور دہلی میں رہ کر حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی سے علوم وفنون کی تحصیل کی۔

علامہ خیرآبادی آپ کے بڑے مداح تھے، آپ پر ناز فرماتے تھے۔ اکثر فرماتے کہ ''صاحب قوتِ قدسیہ ہر زمانے میں ظاہر نہیں ہوتے، وقتاً بعدَ وقتٍ اور عصراً بعدَ عصرٍ پیدا ہوتے ہیں۔ اگر اس زمانے میں کسی کا وجود مانا جائے تو آپ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ یہ ہیں''۔

علامہ فضل حق خیرآبادی (متوفی ۱۲۷۸ھ) کے شاگردوں میں استاذ العلما مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری (متوفی ۱۳۲۶ھ)، مولانا فیض الحسن سہارن پوری (متوفی ۱۳۰۴ھ)، مولانا عبدالحق خیرآبادی (متوفی ۱۳۱۶ھ) اور حضرت تاج الفحول عناصر اربعہ سمجھے جاتے تھے۔

مولانا عبدالحق خیرآبادی آپ کے بارے میں فرماتے تھے کہ: ''یہ تینوں علما کسی خاص فن میں یکتاے روزگار ہیں مگر مولانا عبدالقادر بدایونی کا تبحر اور جامعیت تمام علوم وفنون میں ہے''۔

تعلیم سے فارغ ہونے بعد اپنے والد ماجد سے حدیث کی سند حاصل کی اور ان ہی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔

۱۲۷۹ھ میں پہلے سفر حج وزیارت کے موقع پر شیخ جمال عمر مکی سے سندِ حدیث حاصل کی۔

۱۲۹۰ھ میں بغداد شریف کا سفر کیا اور حضرت نقیب الاشراف نے آپ کا بڑا اعزاز واکرام کیا۔

شروع میں آپ کو درس وتدریس سے خصوصی شغف تھا، بڑی توجہ اور انہماک سے تعلیم دیتے تھے۔ آخر میں مصروفیات کی کثرت کے باعث تدریس کا مشغلہ ترک کر دیا تھا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی (متوفی ۱۳۴۰ھ) آپ کا بڑا احترام فرماتے تھے۔

مولانا محبّ احمد بدایونی، مولانا فضل احمد بدایونی، مولانا فضل مجید بدایونی اور حافظ بخاری مولانا سید عبدالصمد چشتی جیسے نام ورعلما آپ کے شاگرد ہیں۔

پوری زندگی احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اور اپنی تقریر وتحریر سے مذہب اہل سنت کی نصرت وحمایت فرماتے رہے۔ اپنے زمانے کے چند نام ور اکابر علماے اہلِ سنت میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ فارسی، عربی اور اردو میں متعدد تصانیف اور شعری دیوان آپ کی یادگار ہیں۔ (۱)

---

(۱)　(الف) اکمل التاریخ حصہ دوم، ص:......　(ب) تذکرۂ علماے اہلِ سنت، ص: ۱۲۵-۱۲۷۔

## (۷) حضرت مولانا شاہ محمد عبید اللہ مکی بدایونی (متوفی ۱۳۱۵ھ) :

آپ حضرت مولانا شیخ عبد الکریم مکی کے فرزند ارجمند ہیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن ردولوی، مولانا آل احمد پھلواروی، شیخ جمال الدین مکی مفتی احناف مکہ مکرمہ اور کبار علماے حرمین شریفین سے علم حاصل کیا۔ پھر ہندوستان آئے اور علامہ شاہ فضل رسول عثمانی بدایونی قدس سرہ (متوفی ۱۲۸۹ھ) سے تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ اپنے زمانے کے جلیل القدر عالم اور استاذ الاساتذہ تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ محمدیہ، جامع مسجد بمبئی کے مدرس مقرر ہوئے۔ تیس سال تک مختلف علوم فنون کی کتابیں پڑھائیں۔ ایک خلقت نے آپ سے علم حاصل کیا۔ علامہ فضل رسول بدایونی سے بیعت تھے، شیخ ومرشد کی محبت میں اس قدر رشیدا تھے کہ اپنے کو ''بدایونی'' لکھتے تھے۔ بڑے متقی، پرہیزگار اور عابد شب زندہ دار تھے۔ ہر سال حج کے لیے تشریف لے جاتے، مولانا محمد عمر الدین قادری ہزاروی آپ کے شاگرد رشید اور مولانا سید شاہ غلام حسین جوناگڑھی آپ کے نامور خلیفہ تھے۔ بمبئی میں انتقال ہوا، اور وہیں مدفون ہوئے۔(۱)

## (۸) حضرت مولانا صوفی سید عماد الدین رفاعی سورتی گجراتی (متوفی ۱۳۱۰ھ):

مولانا سید عماد الدین رفاعی بن شاہ جہاں بن زین العابدین رفاعی، ۱۲۴۶ھ کو گجرات کے مشہور شہر سورت میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں پلے، بڑھے اور پروان چڑھے، اپنے زمانے کے جلیل القدر علما سے علم حاصل کیا۔ فقہ، عقائد، نحو وصرف اور علومِ عربیہ میں مہارتِ تامہ حاصل تھی، اور اُس زمانے کے نام ور علما میں شمار کیے جاتے تھے، سورت سے نقل مکانی کر کے بھنڈی بازار بمبئی میں سکونت اختیار کی، اور وہیں ۴/ صفر ۱۳۱۰ھ کو وصال فرمایا۔(۲)

## (۹) حضرت مولانا وکیل احمد حنفی سکندر پوری (م ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) :

مولانا وکیل احمد بن قلندر حسین بن محمد وسیم، حضرت شاہ محمد عبد العلیم آسی رشیدی علیہ الرحمہ (م ۱۳۳۵ھ) کے چچا زاد بھائی تھے۔ ۹/ ذی الحجہ ۱۲۵۸ھ میں اپنے گاؤں سکندر پور، ضلع بلیا (یو. پی) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پائی۔ حضرت مولانا عبد الحلیم فرنگی محلّی کا شہرہ سن کر جون پور پہنچے۔ مولانا فرنگی محلّی نے نور الانوار کا حاشیہ قمر الاقمار آپ ہی کے لیے لکھا تھا۔ ۱۲۷۶ھ

(۱) (الف) اکمل التاریخ، ج۲، ص۔ (ب) تذکرۂ علماے اہلِ سنت، ص ۱۸۱۔
(۲) نزہۃ الخواطر، ج ۸/ ص ۳۲۱-۳۲۲۔

میں درس نظامی کی کتابوں سے فراغت ہوئی۔ لکھنؤ میں حکیم نور کریم دریا آبادی لکھنوی سے طب پڑھی، کچھ عرصہ مطب بھی کیا۔ ۱۲۸۳ھ میں حیدر آباد دکن گئے، اور سرکارِ آصفیہ کے صوبۂ شرقی کے نائب مقرر ہوئے۔ بڑے ذہین، طبّاع اور با صلاحیت تھے، قوتِ حافظہ بڑے غضب کی تھی۔ مولانا عبدالحئی فرنگی محلّی (م ۱۳۰۴ھ) اور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی (م ۱۳۰۷ھ) کے درمیان جب مشہور تحریری مناظرہ ہوا تو آپ مولانا فرنگی محلّی کے دوش بدوش تھے اور نواب کے رسالۂ منظوم کا جواب نظم میں بعنوان دیوانِ حنفی دیا اور نثر کا جواب نثر میں دیا۔ اپنے زمانے کے مشہور اکابر علمائے اہلِ سنت سے تھے۔ اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت علامہ شاہ احمد رضا بریلوی سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ سلسلۂ عالیہ میں حضرت مولانا شاہ میر اشرف علی بن مولانا میر سلطان علی قدس سرھما سے بیعت تھے۔ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء کو حیدر آباد میں انتقال ہوا۔ آپ نے مختلف علوم وفنون میں بہت سی کتابیں یادگار چھوڑیں جن کی تعداد نوے تک پہنچتی ہے۔(۱)

## (۱۰) حضرت مولانا نذیر احمد خاں رام پوری (م ۱۳۲۳ھ) :

والد کا نام مولوی محمد خاں تھا، رام پور میں ولادت ہوئی، علمائے رام پور، پھر علمائے دہلی سے علومِ دینیہ وعقلیہ کی تعلیم حاصل کی فنِ طب بھی حاصل کیا، عربی زبان وادب میں بڑا کمال حاصل تھا ، تحریکِ ندوہ کے سخت مخالف تھے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی کی کفری عبارت پر سب سے پہلے ۱۳۰۹ھ میں فتویٰ تکفیر صادر فرمایا، جو خیر المطابع میرٹھ سے طبع ہوا تھا۔ آپ بڑے متقی، پرہیز گار اور صاحبِ عرفان بزرگ تھے۔ مدرسہ طیبہ احمد آباد، گجرات میں مدرس تھے، اس علاقے میں آپ کے علم وفضل کا بڑا شہرہ تھا۔ تمام علوم وفنون میں کامل دست گاہ تھی، طب میں بھی بڑی مہارت تھی۔ ۱۳۲۳ھ میں احمد آباد ہی میں انتقال ہوا۔ درج ذیل کتابیں آپ کی تصانیف ہیں: (۱) رسالہ النذیر الاحمد (تحریکِ ندوہ کا رد) (۲) اِمطار الحق (غیر مقلدین کے رد میں) (۳) السیف المسلول علی منکر علم غیب الرسول (۴) البوارق اللامعہ علی من أراد إطفاء الأنوار الساطعہ۔(۲)

---

(۱) (الف) تذکرۂ علمائے اہلِ سنت، ص ۲۵۶۔ (ب) نزہۃ الخواطر، ج ۸/ص ۵۴۳-۵۴۵۔

(۲) (الف) تذکرۂ علمائے ہند (فارسی)، از رحمان علی، ص ۲۰۷-۲۱۰۔ (ب) نزہۃ الخواطر، ج ۸/ص ۴۷۶، ۴۷۷۔

### (۱۱) حضرت مولانا محمد فاروق چریا کوٹی (م ۱۳۲۷ھ) :

آپ قاضی علی اکبر بن قاضی عطاے رسول عباسی چریا کوٹی کے فرزند اصغر تھے۔ چریا کوٹ ضلع اعظم گڑھ (حال ضلع مئو) میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ اپنے بڑے بھائی قاضی عنایت رسول عباسی چریا کوٹی (م ۱۳۲۰ھ) سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی کتابیں پڑھیں، علمِ ہیئت مولانا رحمت اللہ فرنگی محلّی (م ۱۳۰۵ھ) سے غازی پور میں اور علمِ فقہ واصولِ فقہ مفتی محمد یوسف فرنگی محلّی (م ۱۲۸۲ھ) سے مدرسہ امامیہ حنفیہ، جون پور میں حاصل کیا اور حاشیہ زاہدیہ بر شرح ملا جلال مولانا ابوالحسن منطقی سے پڑھا۔ مختلف مقامات پر تعلیم وتدریس کا کام کیا۔ فارسی وعربی زبان وادب میں بڑی مہارت تھی، ۱۰ رشوال ۱۳۲۷ھ کو انتقال ہوا۔(۱)

### (۱۲) حضرت مولانا محمد عبد المجید فرنگی محلّی (م ۱۳۴۰ھ) :

یہ مولانا عبد الحلیم بن عبد الحکیم بن عبد الرب بن بحر العلوم علامہ عبد العلی لکھنوی فرنگی محلّی کے صاحب زادے ہیں۔ لکھنؤ ہی میں ولادت اور نشو ونما ہوئی۔ کچھ دن اپنے چچا مولانا محمد نعیم فرنگی محلّی (م ۱۳۱۸ھ) سے تعلیم پائی۔ پھر ابو الحسنات مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلّی (م ۱۳۰۴ھ) سے اکثر درسی کتابیں پڑھیں۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا عین القضاۃ حیدر آبادی (م ۱۳۴۳ھ) سے تعلیم مکمل کی، پھر حج وزیارت کے لیے حرمین طیبین کا سفر کیا۔ واپسی کے بعد کینگ کالج، لکھنؤ میں بحیثیت استاذ تقرر ہو گیا۔ فقہ، اصولِ فقہ اور علومِ عقلیہ میں ماہر تھے، متواضع اور خوش اخلاق تھے، اسی لیے لوگوں کے محبوبِ نظر اور فقہ وافتا کے مرجع تھے، اور عیدگاہ کے خطیب بھی۔ ۱۳۴۰ھ میں لکھنؤ میں انتقال ہوا۔(۲)

### (۱۳) حضرت مولانا عبد الحیٔ لکھنوی فرنگی محلّی (م ۱۳۰۴ھ) :

کنیت ابو الحسنات اور والد کا نام مولانا عبد الحلیم بن امین اللہ بن محمد اکبر انصاری لکھنوی فرنگی محلّی ہے۔ آپ کا نسب سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ ۱۲۶۴ھ میں بمقام باندہ (یو. پی.) آپ کی ولادت ہوئی۔ گیارہ برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور سترہ برس کی عمر

---

(۱) (الف) تذکرۂ علماے ہند (فارسی)، از رحمان علی، ص ۲۰۷-۲۱۰ (ب) نزہۃ الخواطر، ج ۸/ ص ۴۷۶، ۴۷۷۔
(۲) نزہۃ الخواطر ج ۸/ ص ۳۲۹

میں علوم نقلیہ وعقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔ درسِ نظامی کی ساری کتابیں اپنے والدِ گرامی حضرت مولانا عبدالحلیم فرنگی محلّی قدس سرہ (م ۱۲۸۵ھ) سے پڑھیں، اور علمِ ہیئت کی بعض کتابیں اپنے والد کے ماموں مفتی نعمت اللہ بن نور اللہ فرنگی محلّی سے پڑھیں۔ فراغت کے بعد ایک عرصہ تک حیدرآباد (دکن) میں درس و تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے، پھر اپنے وطن فرنگی محل لکھنؤ چلے آئے، اور یہیں مدرسہ نظامیہ میں تشنگانِ علوم کو سیراب کرتے رہے۔ آپ پوری زندگی درس وافادہ اور خدمت دین میں مصروف رہے۔ دوبار حج وزیارت کی سعادت پائی۔ پہلی بار ۱۲۷۹ھ میں اپنے والدگرامی کے ساتھ، اور دوسری بار ۱۲۹۶ھ میں جب کہ والد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپ کو علمائے مکہ میں سے علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی اور مفتی محمد بن عبداللہ حنبلی سے اور علمائے مدینہ منورہ میں سے شیخ محمد بن محمد غربی شافعی اور شاہ عبدالغنی بن ابوسعید حنفی دہلوی سے حدیث کی سند حاصل تھی۔ مختلف موضوعات پر درجنوں کتابیں تحریر کیں۔ مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی کی تردید میں رسالے لکھے۔ ۳۸؍برس کی مختصر عمر میں بے شمار دینی وعلمی کارنامے انجام دیے۔ ۲۹؍ربیع الاول ۱۳۰۴ھ بروز دوشنبہ آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی قبر، باغ مولوی انوار لکھنؤ میں ہے جہاں آپ کے خاندان کے بہت سے لوگ محو استراحت ہیں۔ حضرت مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی اور مولانا سید عین القضاۃ حیدرآبادی لکھنوی جیسے نام ور علمائے اہلِ سنت آپ کے شاگرد ہیں۔(۱)

## (۱۴) حضرت مولانا شاہ محمد عادل کان پوری (م ۱۳۲۵ھ):

آپ کی ولادت قصبہ نارہ، ضلع الہ آباد میں ۱۱؍ربیع الآخر ۱۲۴۱ھ میں ہوئی۔ تاریخی نام ''غلام نعیم'' تھا، چھ سال کی عمر میں اپنے والد شیخ محی الدین بخش بن کریم بخش کے پاس فتح پور آئے جہاں وہ منصف تھے۔ اور یہاں کے علما سے کافیہ تک کتابیں پڑھیں، بیس سال کی عمر میں حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی (متوفی ۱۲۸۱ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تعلیم مکمل کی۔ حضرت کشفی نے ۱۰؍ربیع الآخر ۱۲۷۶ھ کو تعلیم سے فراغت کے بعد سندِ فضیلت سے نوازا۔ ۱۲۸۲ھ میں علامہ سید احمد دحلان مکی نے سندِ حدیث بھیجی جس میں آپ کو ''قدوۃ العلماء الأعلام'' کے لقب سے یاد کیا جس کے آپ صحیح مصداق تھے۔ ۲۳؍جمادی الاولیٰ ۱۲۹۲ھ میں قطب عالم حضرت مولانا

(۱) (الف) علمائے اہلِ سنت، ص ۱۴۴ (ب) نزہۃ الخواطر، ج ۸/ص ۲۵۰-۲۵۶ (ج) تذکرہ مولانا عبدالحئی فرنگی محلّی (از راقم سطور نفیس احمد مصباحی) مشمولہ مقدمہ ہدایہ ج ۱، مطبوعہ مجلسِ برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ۔

شاہ عبدالعزیز اخوند دہلوی (متوفی ۱۲۹۶ھ) سے دہلی میں بیعت ہوئے اور اسی مجلس میں اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔ ۲۱؍محرم الحرام ۱۲۹۷ھ میں حضرت شاہ ابوالحسن احمد نوری مارہروی قدس سرہ (متوفی ۱۳۲۴ھ) نے بھی اجازت وخلافت سرفراز فرمایا۔ کان پور میں اپنے استاذ شاہ سلامت اللہ کشفی کی مسند پر بیٹھ کر پوری زندگی تدریس، افتا اور خدمت دین میں گزاری۔ ۹؍ذوالحجہ ۱۳۲۵ھ کو اس دارفانی سے کوچ کیا۔ حضرت کشفی علیہ الرحمہ کی مزار کے پاس مدفون ہوئے۔ مشہور قاری حضرت مولانا ضیاء الدین ناروی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۹۵۸ء) آپ کے نواسے تھے۔ آپ کی تصانیف میں تنزیہ الفؤاد عن سوء الاعتقاد بہت مشہور ہے۔ یہ کتاب وہابیوں کے رد میں ہے۔(۱)

## (۱۵) حضرت مولانا عبدالحق حنفی دہلوی، صاحب تفسیر حقانی (م۱۳۳۵ھ):

والد کا نام محمد میر تھا، آپ کی پیدائش گمتھلہ، ضلع انبالہ (پنجاب) میں ۲۷؍رجب ۱۲۶۷ھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پائی، پھر کانپور آئے اور کچھ کتابیں مولانا عبدالحق بن غلام رسول حسینی کانپوری (متوفی ۱۳۱۲ھ) سے اور بیش تر استاذ العلما مولانا لطف اللہ علی گڑھی (متوفی ۱۳۳۴ھ) سے پڑھیں، پھر مرادآباد میں مولانا عالم علی نگینوی سے صحاح ستہ کا درس لیا اور دہلی میں میاں نذیر حسین دہلوی (غیر مقلد) سے بھی حدیث پڑھی۔ پھر فتح پور مسجد دہلی کے مدرسہ میں مدرس ہو گئے اور ایک زمانہ تک درس و تدریس کا کام کرتے رہے۔ وہیں شادی کر کے مستقل رہائش اختیار کر لی۔ پھر تدریس کا مشغلہ ترک کر کے تصنیف وتالیف میں مصروف ہو گئے۔ ریاست حیدرآباد (دکن) سے وظیفہ جاری ہو گیا، آخر عمر میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں پانچ سو روپے ماہانہ پر تقرر ہو گیا، انگریزی حکومت سے ''شمس العلما'' کا خطاب ملا۔ ۱۲؍جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ کو انتقال ہوا۔ تصنیفات میں التعلیق النامی علی الحسامی (عربی)، عقائد الاسلام (اردو)، البرھان فی علوم القرآن (اردو) اور فتح المنان فی تفسیر القرآن معروف بہ تفسیر حقانی (اردو) مشہور ہیں۔(۲)

---

(۱) (الف) تذکرۂ علمائے اہل سنت ص:۱۱۲-۱۱۳۔ (ب) تذکرۂ علمائے ہند (فارسی) ص:۲۷۵۔ (ج) نزھۃ الخواطر، ج:۸، ص:۴۶۲-۴۶۳۔

(۲) نزھۃ الخواطر، ج:۸، ص:۲۴۱-۲۴۲۔

**(۱۶) حضرت مولانا محمد یعقوب بن مولانا محمد کریم اللہ دہلوی (م۱۳۰۴ھ) :**

ولادت اور نشو نما دہلی میں ہوئی۔ اپنے والد مولانا کریم اللہ دہلوی (متوفی ۱۲۹۱ھ) سے تعلیم حاصل کی، اور ایک زمانے تک ان کی صحبت میں رہ کر اکتساب فیض کیا۔ آپ کے والد گرامی شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (متوفی ۱۲۳۹ھ) مولانا رشید الدین خاں دہلوی (متوفی ۱۲۴۹ھ) اور مولانا محمد کاظم دہلوی کے شاگرد اور حضرت مولانا سید آل احمد اچھے میاں مارہروی (متوفی ۱۲۶۲ھ) کے مرید و خلیفہ تھے والد گرامی کے انتقال کے بعد درس و تدریس اور تذکیر و ارشاد میں ان کے جانشین ہوئے، اپنے زمانے میں تدریس وافتا میں بہت مشہور تھے، اہلِ شہر کے محبوبِ نظر اور مرکزِ نگاہ تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی مقبولیت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی تھی۔ ۹ر ربیع الاول ۱۳۲۴ھ کو دہلی میں انتقال ہوا، اور خواجہ عبد الباقی نقش بندی کے مقبرہ میں اپنے والد کے پاس مدفون ہوئے۔(۱)

**(۱۷) پایۂ حرمین شریفین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی (م۱۳۰۸ھ):**

آپ کا نسبی تعلق قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر (یو. پی.) کے معروف عثمانی خانوادے سے ہے، والد کا نام خلیل الرحمٰن بن نجیب اللہ تھا۔ کیرانہ ہی میں جمادی الاولیٰ ۱۲۳۳ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے بزرگوں سے حاصل کی۔ پھر دہلی گئے جہاں ان کے والد مہاراجہ ہندوراؤ بہادر کے میر منشی تھے۔ وہیں مولانا محمد حیات پنجابی اور مولانا عبد الرحمٰن چشتی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی، مولانا امام بخش صہبائی سے فارسی پڑھی، فراغت کے بعد اپنے وطن قصبہ کیرانہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جس سے سیکڑوں تشنگان علم نے اپنی علمی پیاس بجھائی، انوار ساطعہ کے مصنف مولانا عبد السمیع بے دل رام پوری نے اسی مدرسہ میں آپ سے تعلیم پائی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عیسائی مشنریوں نے ہندوستان میں اپنی اسلام دشمن سرگرمیاں تیز کر رکھی تھیں، پادری فانڈر عیسائیوں کا سرگروہ تھا مولانا کیرانوی نے اکبر آباد آگرہ میں ۱۱ر رجب ۱۲۷۰ھ/ ۱۰ر اپریل ۱۸۵۴ء کو اس سے مناظرہ کیا، دو دن تک مناظرہ چلتا رہا، بالآخر تیسرے دن پادری فانڈر مناظرہ کے لیے نہیں آیا۔ پھر اس کے بعد اسی سبب سے انگریز آپ کے مخالف ہو گئے، یہاں تک کہ آپ ہندوستان سے ہجرت کے لیے مجبور ہو گئے۔ آپ نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا اور شیخ العلما علامہ سید احمد زینی دحلان مکی علیہ الرحمہ سے گہرے روابط پیدا کیے جس کے نتیجے میں آپ کو مسجدِ حرام میں درس دینے کی باقاعدہ

---

(۱) (الف) تذکرۂ علماے ہند (فارسی) ص:۲۷۱۔ (ب) نزھۃ الخواطر، ج:۸، ص:۵۴۹۔

اجازت مل گئی۔آپ مولانا سید احمد زینی دحلان سے بہت متاثر تھے، اپنی کتاب اظہار الحق کے مقدمہ میں ان کا ذکر بڑی عقیدت ومحبت سے بلند پایہ آداب والقاب کے ساتھ کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کتاب کو عربی زبان میں لکھنے کا اصل سبب علامہ سید احمد زینی دحلان مکی کا حکم ہی ہے۔ پھر ۱۲۹۰ھ میں آپ نے مکہ مکرمہ ہی میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جس کا نام ''مدرسہ صولتیہ'' رکھا، جو کلکتہ کی ایک مخیرؒ اور فیاض خاتون محترمہ صولت النساء کے نام سے منسوب ہے، جنھوں نے اپنی جیبِ خاص سے مکہ مکرمہ کے محلّہ خندریسہ میں مدرسے کے لیے ایک جگہ خرید کر اپنی نگرانی میں اس کی تعمیر کرائی تھی۔اس مدرسہ میں دینی علوم وفنون کے علاوہ مولانا نے ایک صنعتی اسکول بھی قائم کیا تھا جس میں مہاجرین اور عرب طلبہ کو صنعت اور دست کاری بھی سکھائی جاتی تھی۔

آپ نے تین بار قسطنطنیہ کا سفر فرمایا، پہلا سفر سلطان عبد العزیز خان مرحوم کی دعوت پر ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء میں ہوا، جب کہ دوسرا سفر سلطان عبد المجید خاں مرحوم کی دعوت پر ۱۳۰۱ھ میں ہوا۔ اور اسی موقع پر سلطان کی طرف سے آپ کو ''پایۂ حرمین شریفین'' کا لقب ملا۔اور تیسرا سفر ۱۳۰۳ھ میں موتیا بند کے علاج کے لیے سلطان کی دعوت پر کیا۔مولانا کیرانوی کا شمار اپنے دور کے اکابر علماے اہلِ سنت میں ہوتا ہے۔وہ تمام عقائد ومعمولات میں مذہبِ اہلِ سنت کے ناصر وحامی اور اس پر سختی کے ساتھ کاربند رہے، جس کا ثبوت زیرِ نظر کتاب انوارِ ساطعہ اور تقدیس الوکیل مؤلفہ مولانا غلام دستگیر قصوری پر آپ کی شان دار تقریظات وتائیدات ہیں۔ہم ثبوت کے لیے اسی مقدمہ میں تقدیس الوکیل پر آپ کی تقریظ کو نقل کریں گے۔

اسلام اور مسلمانوں کی گوناگوں علمی وعملی خدمات کے بعد آپ نے پچھتر سال کی عمر میں جمعہ کے دن ۲۲؍رمضان ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی اور جنت المعلیٰ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے جوار میں صدیقین وشہدا کے قریب مدفون ہوئے۔ اس چھوٹے سے احاطہ میں پانچ مزارات ہیں جن میں مولانا کیرانوی کے علاوہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور مولانا عبد الحق الہٰ آبادی شیخ الدلائل (مصنف اکلیل شرح مدارک التنزیل) خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

آپ نے درج ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں: (۱) ازالۃ الاوہام (فارسی)، (۲) ازالۃ الشکوک (اردو)، (۳) اعجازِ عیسوی (اردو)، (۴) اوضح الاحادیث، (۵) بروق لامعہ، (۶) معدل اعوجاج المیزان۔، (۷) تقلیب المطاعن، (۸) معیار الحق، (۹) اظہار الحق (عربی)۔یہ ساری کتابیں عیسائیوں کے رد میں ہیں۔آخر الذکر کتاب مولانا کیرانوی کی ردِ عیسائیت پر آخری

اور سب سے گراں قدر اور مدلل کتاب ہے، امام احمد رضا لائبریری، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور میں موجود ہے، راقم نے اس کا جستہ جستہ مطالعہ کیا ہے۔(۱)

## (۱۸) شیخ المشائخ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ چشتی تھانوی مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ):

شیخ المشائخ مولانا الحاج امداد اللہ فاروقی چشتی، دوشنبہ کے دن ۲۲ رصفر ۱۲۳۳ھ میں نانوتہ ضلع سہارن پور (یو. پی.) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں پائی، حصن حصین اور مثنوی مولانا جلال الدین رومی، مولانا قلندر بخش جلال آبادی، شاگرد مفتی الٰہی بخش کاندھلوی سے پڑھیں، پھر دہلی گئے اور مولانا نصیر الدین شافعی کے درس میں پابندی کے ساتھ حاضر رہ کر طریقت وتصوف کی تعلیم پائی۔ ان کے انتقال کے بعد قصبہ تھانہ بھون، ضلع مظفر نگر آ کر سکونت اختیار کر لی۔ پھر لوہاری آئے اور میاں جی شیخ نور محمد جھنجھانوی چشتی سے طریقت وتصوف کی تعلیم وتربیت حاصل کی اور ان ہی سے بیعت ہو گئے، اور اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ اور سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے ایک زبردست شیخ ومرشد کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دل آپ کی جانب موڑ دیے اور آپ کو قبولِ عام حاصل ہوا، عوام وخواص جوق در جوق آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ اور آپ کی ذات سے برصغیر میں سلسلۂ چشتیہ صابریہ کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ پھر جب آپ نے ہندوستان کے حالات اپنے حق میں ناموافق پائے تو حجازِ مقدس ہجرت کر گئے اور ۱۲۷۶ھ میں مکہ مکرمہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اور ابتدائی ایام سخت تنگی اور فقر وفاقہ کی حالت میں بسر کیے، پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا آپ کے قدموں پر ڈال دی اور تنگ دستی خوش حالی میں بدل گئی۔ اور وہیں ۱۲ر جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ میں چہار شنبہ کے دن اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے، اور مکہ مکرمہ کے قبرستان جنت المعلیٰ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے پاس مدفون ہوئے۔

آپ کی تصنیفات درج ذیل ہیں: (۱) ضیاء القلوب (۲) فیصلہ ہفت مسئلہ (۳) ارشادِ مرشد (۴) مثنوی تحفۃ العشاق (۵) بیان وحدۃ الوجود (۶) غذاے روح (۷) گل زارِ معرفت (۸) دردِ غمناک (۹) جہادِ اکبر (۱۰) نالۂ امدادِ غریب۔

---

(۱) (الف) مقدمہ بائبل سے قرآن تک ج ۱/ص ۱۷۹-۲۱۸، مطبوعہ حافظی بک ڈپو، دیوبند۔ (ب) نزہۃ الخواطر، ج ۸/ص ۱۶۰-۱۶۲۔ (ج) انوارِ ساطعہ، ص (د) تقدیس الوکیل، از مولانا غلام دستگیر قصوری، ص ۴۱۵، مطبوعہ نوری بک ڈپو، لاہور۔ (ہ) انگریز نوازی کی حقیقت، از مولانا یٰسین اختر مصباحی، ص ۳۸، مطبوعہ دار القلم، دہلی، ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء۔

آپ پورے طور پر اہلِ سنت کے عقائد و افکار اور مشائخ طریقت کے معمولات و مراسم پر کاربند اور عمل پیرا تھے، جس پر آپ کی تصانیف گواہ ہیں، خصوصاً ضیاء القلوب، فیصلہ ہفت مسئلہ، بیان وحدۃ الوجود، کیوں کہ اول الذکر کتاب میں مشائخ چشتیہ، قادریہ، نقش بندیہ و سہروردیہ کے اوراد و وظائف اور اشغال و اذکار و مراقبات کو بیان کیا ہے، اور آخر الذکر کتاب میں نظریۂ وحدۃ الوجود کا بیان ہے اور فیصلہ ہفت مسئلہ میں میلاد شریف، فاتحہ، عرس و سماع، ندائے غیر اللہ، جماعتِ ثانیہ، امکانِ نظیر اور امکانِ کذب جیسے سات مسائل کا فیصلہ فرمایا ہے۔ اس میں خاص طور سے میلاد شریف کے بارے میں لکھتے ہیں :

> اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفلِ مولود میں شریک ہوتا ہوں، بلکہ ذریعۂ برکات سمجھ کر منعقد کرتا ہوں، اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں۔(۱)

ان کے علاوہ زیر نظر کتاب انوار ساطعہ در بیان مولود فاتحہ از مولانا عبد السمیع رام پوری تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل، از مولانا غلام دستگیر قصوری (م۱۳۱۵ھ)، اور الدّر المنظم فی بیان حکم مولد النبی الاعظم، از شیخ الدلائل مولانا محمد عبد الحق الٰہ آبادی مہاجر مکی (م۱۳۳۳ھ) وغیرہ کتبِ اہلِ سنت پر آپ کی تقریظات اور تصدیقات و تائیدات بھی اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ آپ کے افکار و نظریات اور عقائد و معمولات وہی تھے جو علما و مشائخِ اہل سنت کے افکار و عقائد اور نظریات و معمولات ہیں۔(۲)

آپ کے مریدین و خلفا میں درج ذیل حضرات مشہور ہیں: (۱) استاذ العلما مولانا محمد لطف اللہ علی گڑھی (م۱۳۳۴ھ)، (۲) استاذِ زمن مولانا احمد حسن کانپوری (م۱۳۲۲ھ)، (۳) حضرت مولانا شاہ محمد حسین الٰہ آبادی (م۱۳۲۲ھ)، (۴) مولانا عبد السمیع رام پوری، سہارن پوری، مصنفِ انوارِ ساطعہ (م۱۳۱۸ھ)، (۵) مولانا محمد انوار اللہ فاروقی حیدر آبادی (م۱۳۳۶ھ) مصنف انوار احمدی (در بیان میلاد النبی)، (۶) مولوی محمد قاسم نانوتوی (م۱۲۹۷ھ)، (۷) مولوی رشید احمد گنگوہی (م۱۳۲۲ھ)، (۸) مولوی اشرف علی تھانوی (م۱۳۶۲ھ)، (۹) مولوی محمد یعقوب نانوتوی (م۱۳۰۲ھ)۔(۳)

یہ کل اٹھارہ علمائے کرام و مشائخ عظام ہیں جن کے حالات میں نے یہاں درج کیے جب کہ درج ذیل سات علمائے کرام نے بھی انوارِ ساطعہ کی تائید و تصدیق کی ہے :

---

(۱) فیصلہ ہفت مسئلہ، مشمولہ کلیات امدادیہ، ص۱۰۵، مکتبہ تھانوی، دیوبند۔

(۲) تفصیل کے لیے دیکھئے (الف) انوار ساطعہ، ص..... (ب) تقدیس الوکیل، ص۴۴۴۔ (ج) الدر المنظم، ص۱۴۶، ناشر صاحب زادہ محمد ابوبکر نقشبندی، شرق پور شریف، شیخو پورہ، پاکستان۔

(۳) (الف) نزہۃ الخواطر، ج۸/ص (ب) انگریز نوازی کی حقیقت: ص۳۷، دار القلم، دہلی۔

(۱: مولانا محمد اعجاز حسین رام پوری۔ (۲: مولانا محمد ابوالبرکات غازی پوری۔ (۳: مولانا سعید الدین رام پور، ضلع سہارن پور۔ (۴: مولانا محمد عبد الغفور، بلندہ ضلع فتح پور ہنسوہ۔ (۵: مولانا محمد عبد الحق سہارن پوری (رُڑکی)۔ (۶: مولانا ابو محمد صادق علی مداح، میرٹھ۔ (۷: مولانا محمد عبداللہ، صدرالمدرسین مدرسہ اکبرآباد، آگرہ۔

لیکن تلاشِ بسیار کے باوجود مجھے ان کے حالات دستیاب نہ ہو سکے۔**لعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرا .**

انوار ساطعہ کی زبان اپنے دور کے لحاظ سے بہت عمدہ، سلیس اور فصیح و بلیغ ہے؛ مگر ماہرین لسانیات کے نزدیک یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر بیس پچیس سال کے بعد لاشعوری طور پر زبان میں کچھ نہ کچھ تبدیلیاں ضرور رونما ہوتی ہیں، کچھ قدیم الفاظ کو دیس نکالا ملتا ہے اور ان کی جگہ جدید الفاظ کو شہریت ملتی ہے۔ یہ تبدیلی مفردات میں بھی ہوتی ہے اور مرکبات میں بھی۔ انوار ساطعہ کا زیر نظر نسخہ-۱۳۰۷ھ- کی تصنیف ہے، اس لحاظ سے اس کی زبان و بیان ممکنہ لسانی تبدیلیوں کے کئی ادوار سے گزر چکی ہے۔ اب بہت سے وہ اَلفاظ و مفردات جو اُس زمانے میں فصیح و بلیغ سمجھے جاتے تھے اِس دور کے لحاظ سے فصاحت و بلاغت کا جامہ اُتار چکے ہیں، الفاظ کی نشست و برخاست، استعمال میں تقدم و تأخر اور الفاظ کے زیر و بم میں بھی گونا گوں تبدیلیاں آچکی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سے اِس زبان کے لسانی پایہ اور اَدبی قیمت میں کمی نہیں آئی؛ کیوں کہ ہر تحریر کی ادبی قدر و قیمت اس کے دور کے ادبی و لسانی معیار کے مطابق ہوتی ہے؛ مگر زمانہ کی تبدیلی سے بعد کے ادوار کے قارئین تک معنی و مفہوم کی ترسیل کی قوت اور تاثیر ضرور متاثر ہوتی ہے؛ کیوں کہ ان کا ذوق اپنے دور کے ادبی محاسن سے آشنا اور انھیں کا خوگر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں اپنے دور کی ادبی کسوٹی پر پوری اترنے والی تحریروں کے پڑھنے میں جو مزہ آتا ہے وہ مزہ اس وصف سے خالی تحریروں کے پڑھنے میں نہیں آتا، اور استدلال کی جو قوت اور معنی کی جو تاثیر وہ اپنے زمانے کی عمدہ اور معیاری تحریروں میں محسوس کرتے ہیں دوسرے ادوار کی تحریروں میں انھیں اس کا احساس نہیں ہوتا۔ اسی طرح زمانے کی تبدیلی کے ساتھ املا اور رسم الخط کے اصول و ضوابط بھی کچھ نہ کچھ بدلتے ہیں۔ اس لیے اب ضرورت تھی کہ انوار ساطعہ کی زبان بھی ممکنہ حد تک عصر حاضر کے معیار کے مطابق کی جائے اور اس کی کتابت اور کمپوزنگ میں بھی موجودہ دور کے اصول املا اور قواعد رسم الخط کا لحاظ کیا جائے۔

خدا بھلا کرے فاضل نوجوان حضرت مولانا محمد افروز قادری چریا کوٹی-زید مجدہ- کا کہ انھوں نے جامعہ اشرفیہ میں اپنے قیام کے دوران اس ضرورت کو محسوس کیا اور کسی حد تک کام کا آغاز بھی کر دیا تھا، پھر جب خدمت دین متین کے لیے ساؤتھ افریقہ گئے تو وہاں پوری محنت، جاں فشانی اور جتن و لگن کے ساتھ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا، اور بجا طور پر یہ انھیں کا حق تھا۔

مولانا موصوف - ماشاء اللہ - بہت سی خوبیوں کے مالک ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے حسن صوری کے ساتھ جمالِ معنوی سے بھی بہرہ ور کیا ہے۔ بہترین عالم دین، شان دار قاری، باذوق قلم کار، نکتہ رس ادیب اور اچھے شاعر تو ہیں ہی؛ اس پر مستزاد یہ کہ ان کا مزاج تعمیری، فکر صالح اور روش عالمانہ اور دین دارانہ ہے۔ عمر کے لحاظ سے تو ابھی جواں سال ہیں لیکن تحریر ایک تجربہ کار، منجھے منجھائے پختہ عمر قلم کار کی طرح پختہ، بے جھول، شستہ اور رواں دواں ہوتی ہے۔ مولانا کا وطن مالوف مشرقی اتر پردیش کا مردم خیز قصبہ چریا کوٹ، ضلع مئو ہے جو عہد ماضی میں اہل علم و اَدب کا مرکز رہ چکا ہے۔ مولانا موصوف سر دست 'سیاسیات کے حوالے سے کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ کی مشہور یونیورسٹی'' دلاص'' میں مذہب مالکی اور زبانِ اُردو کی تعلیم و تدریس کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں، ساتھ ہی ساؤتھ افریقہ کی تاریخ میں ''چراغِ اُردو'' کے نام سے پہلا مستقل ماہانہ اُردو اخبار نکال کر اپنی تحریری سرگرمیاں بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ مقام حیرت و مسرت ہے کہ افریقہ کی سرزمین صدیوں سے ارباب علم و فضل کی آماجگاہ رہی ہے مگر کبھی بھی وہاں کوئی اُردو اخبار اشاعت پذیر نہ ہوا؛ شاید یہ سعادت انہی کے حصے میں آنا تھی۔ مولانا کی یہ کوشش انقلاب آفریں اور تاریخ ساز کہی جائے گی؛ اس کے لیے وہ نہ صرف مجھ سے بلکہ پوری اُردو داں برادری سے بندھائیوں کے مستحق ہیں۔ اب تک اُن کے اشہبِ قلم سے درج ذیل کتابیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں، اور درجنوں زیر ترتیب ہیں :

سیرت عائشہ، بزم گاہِ آرزو، اے میرے عزیز!، برکات الترتیل، مرنے کے بعد کیا بیتی؟، بولوں سے حکمت پھوٹے، وقت ہزار نعمت، موت کیا ہے؟، چالیس حدیثیں، اپنے لخت جگر کے لیے۔

انوار ساطعہ کے زیر نظر نسخہ میں مولانا موصوف نے عبارت کی تسہیل و تجدید اور تذہیب وتہذیب کے ساتھ آیات کریمہ، اَحادیث طیبہ، اور عربی و فارسی عبارتوں کی تخریج و تحقیق کا کام بھی کیا ہے؛ ساتھ ہی جن عربی و فارسی عبارتوں کو مصنف نے بلا ترجمہ ذکر کیا تھا ان کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے، اور ہر طرح سے کتاب کو سہل، عام فہم اور مفید عام وخاص بنانے کی کوشش کی ہے۔ مولانا اپنی کوششوں میں کس حد تک کامیاب ہیں اسے باذوق قارئین دورانِ مطالعہ خود محسوس کریں گے۔

اخیر میں دعا ہے کہ مولا تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب پاک - صلی اللہ علیہ وسلم - کے صدقے میں اسے شرفِ قبول سے نوازے، اور مولانا موصوف کو دونوں جہان کی سعادتوں سے بہرہ ور کرے، ان کی خدمات کو قبول فرمائے، اور انھیں بیش از بیش خدمات جلیلہ ومقبولہ کی توفیق بخشے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔ وصلی الله علی خیر خلقه محمّد وآله وصحبه أجمعين.

نفیس احمد مصباحی بارہ بنکوی

استاذ: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی، الہند

مورخہ: ٦ر جمادی الاولیٰ: ١٤٢٨ھ / ٢٣ر مئی - ٢٠٠٧ء - بروز چہار شنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے حقیقی انعام فرمانے والے! تیرا ہزار ہا ہزار شکر کہ تو نے ایک ایسا مقبولِ جہاں محبوب -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- مبعوث فرمایا کہ جس کا وجود باجود اہل ایماں کے لیے نور ساماں اور باعث آرامِ جاں ہے۔

لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ . (۱)

(بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔)

پھر لاکھوں کروروں درود و سلام اس امام رُسل اور ہادیِ سُبل کی روح پرفتوح پر کہ جس کی تعلیم وہدایت کے فیضان سے آج ہر زندہ دل اپنے مرحومین کی روحوں کے لیے فاتحہ و درود کے ذریعہ راحت رسانی کا سامان کر رہا ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ . (۲)

اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ، اے ہمارے رب! بے شک تو ہی نہایت مہربان رحم والا ہے۔

امابعد! امیدوارِ فضل کردگار احقر العباد عبد السمیع انصاری عرض گزار ہے کہ اہل اسلام کو اپنی اس نازک صورت حال پر رونا چاہیے کہ اختلافِ بے جا کی زہر آفرینیوں سے مذہب اسلام کسی گل پژمردہ کی طرح کملایا جاتا ہے، اور کسی طوفانی ہوائے شدید کی طرح عناد و فساد چہار سو سے اُٹھا چلا آتا ہے، نہ تو زبانیں سچی رہیں اور نہ ہی سینے صاف۔ سیکڑوں فتنے اور ہزاروں اختلاف۔ کوئی جناب باری تعالیٰ کی ذات والا صفات پر امکانِ کذب کا دھبّہ لگا رہا ہے، حالاں کہ اس کی شان تو یہ ہے :

(۱) سورۂ توبہ؛۹/۱۲۸۔
(۲) سورۂ حشر؛۵۹/۱۰۔

وَ مَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثاً. (۱)

اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچّی!۔

اور وہ حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات - صلی اللہ علیہ وسلم - جنھوں نے خود اپنی زبان مبارک سے فرمایا :

أَيُّكُمْ مِثْلِي . (۲)

یعنی تم میں میری طرح کون ہے؟

مزید فرمایا :

إِنِّي لَسْتُ كَأَحَدِكُمْ . (۳)

میں تم سا نہیں یعنی تم میں کا کوئی ایک بھی میری طرح نہیں۔

پھر حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - کا کیا کہنا! آپ کی ازواجِ مطہرات نے وہ شان والا پائی ہے کہ جن کی بابت خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ . (۴)

اے نبی کی بیبیو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

---

(۱) سورۂ نساء؛ ۴/۸۷۔

(۲) صحیح بخاری: ۷/۱۷ حدیث: ۱۸۲۹-۲۱/۳۵ حدیث: ۶۳۴۵-۲۲/۲۰۱ حدیث: ۶۷۰۱...... صحیح مسلم: ۵/۴۰۰ حدیث: ۱۸۴۶...... سنن بیہقی: ۴/۲۸۲...... سنن نسائی: ۲/۲۴۲...... معجم کبیر طبرانی: ۱۹/۱۵۶ حدیث: ۳۸۵...... معجم اوسط طبرانی: ۳/۲۸۸ حدیث: ۱۳۲۷...... مستخرج ابی عوانہ: ۶/۱۱۰ حدیث: ۲۲۴۱...... مسند شامیین: ۸/۲۸۳ حدیث: ۲۸۴۷...... مسند جامع: ۴۱/۳۳۴ حدیث: ۱۳۴۴۹۔

(۳) سنن ترمذی: ۳/۲۵۵ حدیث: ۷۰۹...... سنن نسائی: ۶/۴۷۳ حدیث: ۱۷۳۲...... مسند احمد: ۱۰/۵۸ حدیث: ۴۵۲۲...... مشکوۃ المصابیح: ۱/۴۴۸ حدیث: ۱۹۸۶...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴/۴۷۲ حدیث: ۶۹۳۱...... سنن نسائی: ۲/۲۴۲...... معجم طبرانی: ۱۸/۳۱۴ حدیث: ۲۰۸۳۷...... سنن دارمی: ۵/۲۰۱ حدیث: ۱۷۵۷...... مسند ابی یعلی موصلی: ۳/۴۲۱ حدیث: ۱۳۷۷...... مسند حمیدی: ۷/۱۴ حدیث: ۲۹۰۱...... صحیح ابن حبان: ۱۵/۱۴۷ حدیث: ۳۶۴۳...... صحیح ابن خزیمہ: ۷/۴۰۴ حدیث: ۳۰۱۷...... مسند اسحٰق بن راہویہ: ۵/۱۹۲ حدیث: ۲۳۲۰...... التوحید ابن مندہ: ۱/۱۵۱ حدیث: ۱۱۷...... منتقی ابن جارود: ۱/۴۴۷ حدیث: ۳۸۱...... کنز العمال: ۸/۵۱۴ حدیث: ۲۳۹۰۰...... مجمع الزوائد: ۲/۲۲۲...... المسند الجامع: ۱۴/۵۸ حدیث: ۴۳۷۳۔

(۴) سورۂ احزاب؛ ۳۳/۳۲۔

پھراس دور میں ایک ادنیٰ درجہ کا آدمی ہے یہ بک رہا ہے کہ ''رسول اللہ میرے بھائی ہیں''۔
واضح ہونا چاہیے کہ بھائی جتنے بھی ہوں سب اپنے باپ کے کل ترکہ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔اس جملہ سے- معاذ اللہ- حضور فخر الانبیاء- صلی اللہ علیہ وسلم- کے ساتھ دعویٔ برابری کا وہم ہوتا ہے۔
کس کس اختلاف کو بیان کیا جائے ،کوئی کہتا ہے کہ نمازِ وتر ایک رکعت پڑھنی چاہیے، تین رکعت کوئی ضروری نہیں۔اور تراویح کی بیس (۲۰) رکعتیں بدعت اور آٹھ (۸) سنت ہیں۔ ہمارے ملک میں عہد قدیم ہی سے تین رکعت وتر اور بیس رکعت تراویح پر اجماع و اتفاق تھا مگر اب اس میں پھوٹ ڈالی جارہی ہے، اور ایک یہی نہیں بہت ساری باتوں میں طرح طرح کی شاخیں نکالی جارہی ہیں۔
وہ محفل میلاد؛ جس کے بارے میں عالم عامل، محدث کامل اور فقیہ فاضل حافظ ابوالخیر سخاوی -رحمۃ اللہ علیہ- نے لکھا ہے کہ اہل اسلام دنیا کے ہر خطہ میں میلاد النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- پڑھتے اور اس کے ذریعہ عظیم وجلیل برکتیں حاصل کرتے ہیں۔مگر اس دور میں کوئی اسے کفر وشرک تو کوئی بدعت سے تعبیر کررہا ہے-(نعوذ باللہ منہا)-
یوں ہی وہ اُداس وحزیں مردے جو ایک تنگ وتاریک غار میں پڑے آس لگائے بیٹھے ہیں کہ کاش! میری اولاد مجھے کچھ دے (یعنی کچھ صدقہ وخیرات کرے)، یا بھائی بہن فاتحہ و درود بھیجیں۔تو اب کچھ لوگ دھڑلّے سے فتوے چھوڑ رہے ہیں کہ یہ سب کے سب بدعت کے کام اور حرام ہیں۔عوام جو کہ تاریخیں متعین ہونے کی وجہ سے کچھ کرگزرتے تھے اب بالکل شترِ بے مہار (بے لگام اونٹ سے) ہوگئے۔بدعت کا نام کیا سنا کہ نیکیوں کے کام سے یکسر دست بردار ہوگئے، مردوں کے لیے خیرات وامداد بند ہوگئی۔
تیرہویں صدی کے لوگوں کے احوال ہی کیا کم غضب تھے اور اب تو چودہویں صدی شروع ہوگئی ہے دیکھیے کیا کیا قیامتیں ٹوٹتی ہیں، اور دین ودنیا میں کیا کچھ خرابیاں درآتی ہیں۔
دہلی کے تین غیر مقلد علما اور دیوبند وگنگوہ وسہارنپور کے عالموں کی حسن توجہ نیز مطبع ہاشمی میرٹھ کی کوشش سے چار ورق پر مشتمل ایک فتویٰ -۱۳۰۲ھ-(1884ء) میں شائع کرکے اکثر علاقوں میں پھیلایا گیا، جس کی پیشانی پر لکھا ہوا تھا۔(فتویٰ مولود وعرس وغیرہ)۔اس کتاب میں جہاں اس فتوے کا ذکر آئے گا، وہاں -فتویٰ اوّل انکاری- لکھا جائے گا۔

اس فتوے کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ محفل میلا د شریف - علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام - بدعت وضلالت ہے، یوں ہی ہندوستان میں مردوں کے لیے جو فاتحہ و درود کا رواج ہے وہ بھی حرام اور کارِ گناہ ہے۔

ابھی کچھ دن بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ چوبیس صفحے کا ایک دوسرا فتویٰ اسی مطبع ہاشمی سے چھپ کر شائع ہوا جس کی پیشانی پر یہ لکھا گیا - فتویٰ میلا د شریف یعنی مولود معہ دیگر فتاویٰ - اس فتویٰ کا اس کتاب میں جہاں ذکر آئے گا، وہاں - فتویٰ ثانی انکاری - لکھا جائے گا۔ اس فتوے میں زیادہ تر میلا د شریف کی مذمت کی گئی ہے، ساتھ ہی وہ پہلا چار ورقی فتویٰ بھی اس میں شائع ہوا ہے۔

مجھ سے بعض پیر بھائیوں نے تاکید تمام کے ساتھ یہ فرمایش کی کہ ان فتووں کی وجہ سے کچے دل لوگ شک وشبہہ میں پڑے جاتے ہیں اور دشمنانِ دین جگہ جگہ ان فتاوے کو نہ صرف دکھاتے ہیں بلکہ پڑھ پڑھ کر مسلمان بھائیوں کو بے دردی سے چڑھاتے ہیں، اور نفس کی پیروی میں فتنہ وفساد کی آگ ہر طرف بھڑکاتے ہیں۔ ایسے نازک موقع پر آپ کو چاہیے کہ آپ ان کی خبر لیں اور افراط وتفریط سے ہٹ کر اس سلسلہ میں خالص سچی بات رقم فرما دیں ورنہ کچے دل عوام گمرہی کے بھنور میں پھنس جائیں گے اور پھر کبھی انھیں ساحل ہدایت نصیب نہ ہوگا۔

پھر کیا تھا حق وصواب کی توفیق دینے والے پروردگار نے (کہ جس کے قبضہ قدرت میں بنی آدم کا دل ہے) میرے دل میں بھی وہی بات ڈال دی کہ اس سلسلہ میں ضرور بالضرور کوئی حکم فیصل لکھ دینا چاہیے تاکہ عوام کے شکوک وشبہات دور ہوں اور وہ جنگ ودنگے سے بچ جائیں۔ تب میں نے - **انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ** - نامی یہ رسالہ لکھا۔ اس کے اندر چار انوار ہیں۔

**نور اول میں پانچ لمعے ہیں:-**

لمعہ اولیٰ میں مفتیانِ فتاویٰ انکاری کی کچھ عبارتیں نقل ہیں۔

لمعہ ثانیہ میں انوار ساطعہ پر نظر ثانی کی وجہ بیان ہوئی ہے۔

لمعہ ثالثہ میں براہین قاطعہ کا حال مذکور ہے۔

لمعہ رابعہ میں علما ومشائخ اور مسلم الثبوت مفتیانِ فتاویٰ انکاری کا ذکر ہے۔

لمعہ خامسہ میں بدعت حسنہ کی تحقیق ...... حدیث خیر القرون کی تشریح اور اس سلسلے میں علماے کرام کے اقوال ...... کچھ ان چیزوں کا بیان کہ جن میں باہم انکار واختلاف پایا جاتا ہے مثلاً اذانِ جمعہ

اوراعرابِ قرآن وغیرہ...... عقلی ونقلی دلیلوں کی روشنی میں بدعت حسنہ کا ثبوت......حدیث من أحدث في أمرنا ، اور کچھ دیگر احادیث بدعت کی تشریح......اثر عبداللہ بن مسعود کی تشریح اور صحابہ کرام کی ایجاد کردہ کچھ نئی چیزوں کی وضاحت......کچھ ان چیزوں کا بیان جو کہ زمانۂ رسالت میں نہ تھیں مثلاً عیدگاہ کا منبر، جمعہ کی پہلی اذان، رجع القہقریٰ، طواف رخصت۔ مقام حیرت وتعجب ہے کہ جو شخص مشائخ کا مقلد اوران کے معمولات پر عمل پیرا ہے آخر فاتحہ ومیلادشریف کو وہ غلط کیسے کہتا ہے ...... من سن في الإسلام سنة حسنة کی تحقیق......اور بدعت حسنہ کے اثبات میں فقہا ومحدثین کے اقوال۔

**نور دوم میں چھ لمعے ہیں:-**

لمعہ اولیٰ میں جوازِ فاتحہ اورانکاریوں کے دلائل کا جواب مذکور ہے۔

لمعہ ثانیہ میں جمعرات کی فاتحہ کا بیان ہے۔

لمعہ ثالثہ میں عیدین، شب براءت اور عشرۂ محرم میں فاتحہ کا جواز ہے۔

لمعہ رابعہ میں تیجے کی فاتحہ کا ثبوت ہے۔

لمعہ خامسہ میں چالیسویں، بیسویں اور دسویں کی فاتحہ، نیز مسجدوں میں نمازیوں کی امداد کی نیت سے گھڑوں کے بھیجنے کا ذکر ہے۔

لمعہ سادسہ میں اموات کے سلسلہ میں کچھ نصیحتیں مذکور ہیں۔

**نور سوم میں نو لمعے ہیں :-**

لمعہ اولیٰ میں مذہب جمہور کے مطابق محفل میلاد مبارک کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔

لمعہ ثانیہ میں خاندانِ عزیزیہ کے مشائخ کرام کا ذکر ہے جو کہ محفل میلاد شریف میں شامل ہوا کرتے تھے۔ اور میرے مرشد ومولا حضرت حاجی شاہ امداد اللہ صاحب- عم فیوضہ- بھی محفل میلاد شریف میں شریک ہوا کرتے ہیں۔

لمعہ ثالثہ میں یہ اعتراض اور پھر اس کا جواب نقل ہے کہ محفل میلاد شریف کو کنہیا کے جنم اور نصاریٰ کے بڑے دن سے مشابہت ہے۔

لمعہ رابعہ میں یہ اعتراض وجواب مذکور ہے کہ محفل میلاد بدعت سیئہ ہے۔ نیز مولوی اسماعیل کے مقرر کردہ اصول کے مطابق محفل میلاد کے سنت ہونے کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے؛ کیوں کہ اس کی اصل بھی ثابت ہے اور نظیر ومثل بھی۔

لمعہ خامسہ میں یہ اعتراض وجواب منقول ہے کہ محفل میلاد خاص بارہویں ربیع الاول کو کیوں منعقد کرتے ہیں اور ہر سال کیوں مناتے ہیں۔ نیز چند دلیلوں سے دن متعین کرنے اور دائمی عمل کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔

لمعہ سادسہ میں یہ اعتراض وجواب تحریر ہے کہ قیام' شرک ہے اور روح کا وہاں حاضر جاننا بھی شرک۔ پھر روحوں کے چلنے پھرنے کا قوی دلیلوں سے اثبات۔ نیز یہ کہ حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-محفل میلاد شریف سے باخبر ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی اس کی تحقیق بھی کہ قیام کی تعیین اس لیے نہیں کہ روح مبارک تشریف لاتی ہے بلکہ قیام کی نظیریں چند وجوہ سے شریعت میں پائی گئی ہیں۔

لمعہ سابعہ میں یہ اعتراض بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم-غائب ہیں۔ اور حاضر کے الفاظ ان کے لیے بولنا کفر ہے۔ پھر ٹھوس دلیلوں سے اس کا جواب، ساتھ ہی عہد صحابہ سے لے کر اب تک ''ندائے یارسول اللہ'' کا ثبوت۔

لمعہ ثامنہ میں متفرق اعتراضات نقل کرنے کے بعد اس کے جواب دیے گئے ہیں۔

لمعہ تاسعہ میں ان عالی مرتبت فقہا و محدثین کے اسمائے گرامی نقل کیے گئے ہیں جنھوں نے محفل میلاد مبارک کے جواز کا قول فرمایا ہے۔

**نور چہارم** میں معاصرین علمائے کرام اور فضلاے عظام کی روشن روشن تقریظوں اور کچھ شفقت ناموں کا تذکرہ ہے۔

مولف کتاب' اہل اسلام کی خدمت میں بصد التجا عرض پرداز ہے کہ میں ایک مریض وناتواں اور عدیم الفرصت آدمی ہوں، دم مارنے کی مہلت نہیں، جنگ وجدال اور ضیاعِ وقت سے بچتا ہوں کیوں کہ میں کوئی وارستہ مزاج لااُبالی نہیں۔ محض اصلاحِ دین کے لیے اپنے کاروبار کو چھوڑ کر یہ رسالہ ترتیب دے رہا ہوں۔ لہٰذا اہل اسلام سے گزارش ہے کہ وہ اللہ واسطے اسے انصاف کی نظر سے دیکھیں، نفسانیت کو ہرگز دخل نہ دیں، اگر حق سمجھ میں آجائے تو فوراً قبول کرلیں اور اپنے پرانے قول سے رجوع کو بالکل کسرِشان نہ سمجھیں، اور اگر ایسا کرنے پر دل رضامند نہ ہوتو اتنا ضرور کریں کہ دوسرے گروہ کو برا بھلا کہنے سے اپنی زبان روک رکھیں۔ ع :

مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں

جولوگ سلف صالحین کی اتباع میں ان امورِ حسنہ کے قائل ہیں ان کے پاس اپنی تقویت کے حوالے سے بہت دلائل ہیں اور ان کے جملہ شرعی مسائل' دلیلوں سے ثابت ہیں۔

**نور اول میں پانچ لمعے ہیں:-**

## لمعہ اولیٰ-مفتیانِ فتاویٰ انکاری کی کچھ عبارتیں :

**قال** : (وہ کہتے ہیں کہ) محفل میلاد کا انعقاد اور حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-کے ذکر ولادت کے وقت کھڑے ہونا قرون ثلاثہ (تیسری صدی) سے ثابت نہیں لہٰذا یہ بدعت ہے۔یوں ہی عیدین اور عیدین کے علاوہ جمعرات وغیرہ کو جو ہاتھ اٹھا کر فاتحہ کرنے کا رواج ہے، اس کا بھی ثبوت نہیں ملتا۔ہاں میت کے لیے دعاے مغفرت اور دن خاص کیے بغیر میت کو ثواب پہنچانے کی غرض سے فقرا و مساکین (کو کچھ صدقہ وغیرہ دے کر) اگر یہ امور محض اللہ کے لیے انجام دیے جائیں تو نفع کی امید ہے۔اور یہی حال تیجہ، دسواں، چہلم وغیرہ، پانچ آیت اور چنوں اور شیرینی وغیرہ کا بھی ہے کہ حدیث اور دینی کتابوں میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔خلاصہ یہ کہ یہ نو پید اور خود ایجاد کردہ بدعتیں ہیں جسے شریعت پسند نہیں کرتی۔

(مولوی حفیظ اللہ صاحب)......(مولوی شریف حسین صاحب)......(مولوی الٰہی بخش صاحب)......(مولوی محمد یعقوب صاحب، مدرس اول مدرسہ دیوبند)...... (مولوی محمد محمود صاحب، مدرس مدرسہ دیوبند)۔

یہ عبارت فتویٰ اول انکاری کے صفحہ ۳-اور فتویٰ ثانی انکاری کے صفحہ ۱۶ پر رقم ہے۔

**قال** : سبھی جوابات صحیح ہیں۔قال رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم-**کل بدعة ضلالة و کل ضلالة في النار**۔

(کتبہ: فقیر محمد عبدالخالق دیوبندی-عفی عنہ-)

(فتویٰ اوّل انکاری صفحہ ۳-فتویٰ ثانی انکاری صفحہ ۱۷)

**قال** : ایسی مجلس ناجائز ہے اور اس میں شریک ہونا گناہ ہے، اور فخر-عالم علیہ السلام-کو حاضر و ناظر جان کر خطاب کرنا کفر ہے، ایسی محفل میں جانا اور شریک ہونا ناجائز ہے اور فاتحہ و تیجہ بھی خلاف سنت ہے کہ یہ ہنود کا طریقہ ہے، البتہ بلا کسی قید کے مردوں کو ایصال ثواب کرنا درست ہے اور کوئی حرج بھی نہیں۔فقط-واللہ تعالیٰ اعلم-

(رشید احمد-عفی عنہ-)

(فتویٰ اول انکاری صفحہ ۴-فتویٰ ثانی انکاری صفحہ ۱۷)

**قــال** : چراغاں، قیام، تقسیم شیرینی اور لایعنی قیدوں کے بغیر مجلس میلاد کا التزام بھی گمرہی سے خالی نہیں ہے اور یہی حال تیجہ اور کھانے پر فاتحہ کا بھی ہے کہ یہ قرون ثلاثہ میں نہیں پائے گئے۔ (فتویٰ اول انکاری صفحہ۴-فتویٰ ثانی انکاری صفحہ۱۷)

**قــال** : مجلس مولود جیسا کہ اس زمانہ میں اپنے مخصوص ومشہور طریقہ پر رائج ہے یعنی ایک جگہ جمع ہونا، چھوٹوں، بڑوں بلکہ عورتوں اور امردلڑکوں کا خلط ملط ہونا، راگ کے ساتھ اشعار پڑھنا، بالکل موضوع اور بے اصل روایتیں پڑھنا۔ بے دین اور دنیا کے طلبگار لوگوں نے روپیہ کمانے اور عوام الناس کی تسخیر کے لیے ان کو گڑھ کر اپنی باتوں کو چکنی چپڑی کرنا چاہا اور ہر کس وناکس کو اس میں دعوت دینا خواہ ان کے لباس اور پہناوے خلاف شرع ہوں اور ان کی داڑھیاں منڈی ہوئی ہوں۔ (فتویٰ ثانی انکاری صفحہ۸)

**قــال** : یا یہ کہ یہ قیام، روح پاک-صلی اللہ علیہ وسلم-کی تعظیم کے لیے ہے جو کہ عالم ارواح سے عالم شہادت میں تشریف لائی تو بھی محض حماقت ہے، کیوں کہ اس بنیاد پر قیام کرنا صرف ولادت شریف ہونے کے وقت ہونا چاہیے، اب ہر روز کون سی ولادت مکرر ہو رہی ہے، لہٰذا یہ ہر روز ولادت کا اعادہ تو بالکل ہندؤوں کی طرح ہوا جو کہ ہر سال سانگ کنہیا کا یوم ولادت مناتے ہیں یا رافضیوں کی مانند ہوا جو ہر سال اہل بیت کی شہادت کی نقل اُتارتے ہیں۔-معاذ اللہ- سانگ آپ کی ولادت کا ٹھہرا اور یہ خود قابل مذمت وملامت حرکت ہے جو کہ فسق وحرام ہے بلکہ یہ لوگ تو اس قوم سے بھی بڑھ کر ہوئے کہ وہ تو تاریخ متعینہ پر کرتے ہیں مگر ان کے یہاں کوئی قید نہیں جب چاہیں یہ فرضی خرافات بناتے رہتے ہیں۔ (فتویٰ ثانی انکاری صفحہ۱۴)

**قــال** : میں اس مجلس مولود کی کتاب وسنت میں کچھ اصل نہیں جانتا اور نہ ہی پیشوائے دین علمائے امت میں کسی سے منقول ہے، جو کہ اسلاف کے آثار پر چلنے والے ہیں، بلکہ یہ بدعت ہے، جسے بیہودہ لوگوں نے ایجاد کیا اور خواہش نفسانی ہے جسے ٹکڑ گدوں، پیٹ کے کتوں اور بہت کھانے والوں نے (رائج کیا) **نجانا اللّٰہ منهم وأعاذنا الله من شرورهم**۔ اللہ ہمیں ان سے بچائے اور ان کے شر سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔ (فتویٰ ثانی انکاری صفحہ۱۸)

مولوی محمد حسین صاحب (لکھتے ہیں کہ) فقیر اگر چہ اس فتویٰ میں شریک نہیں مگر میلاد شریف کی بہت کچھ مذمت کرتا ہے، وہ اس فتویٰ سے بہت پہلے شائع شدہ اپنے ''حربۂ فقیر'' میں لکھتے ہیں۔

ہزاروں فاسق وفاجر ہیں جمع محفل میں ◉ عجیب نفس کی لذت ہے محفل میلاد

جوچشم دل بھی ہے بینا تو دیکھ شیطاں کو ● کہ اس کے زیرحکومت ہے محفل میلاد
حرام فعل ہو یاہو حلال ان کے لیے ● قضاے جملہ حاجت ہے محفل میلاد
چڑھی ہے داڑھی تو مونچھے بڑھی ہیں اکثر کی ● بھری انھیں سے بکثرت ہے محفل میلاد
بہت ندائے رسولِ خدا میں شاغل ہیں ● یہ مشرکوں کی علامت ہے محفل میلاد

اگر چہ یہ عبارتیں اس لائق نہ تھیں کہ اس کتاب میں درج کی جاتیں لیکن اس معذرت کے لیے لکھی گئی ہیں تا کہ آپ کو اندازہ ہوسکے کہ میں نے ان مقالات پریشاں سے تنگ آ کر قلم اٹھایا ہے۔ارباب عدل وانصاف مجھے معذور رکھیں۔

## لمعہ ثانیہ-انوارساطعہ پرنظر ثانی کی وجہ :

واضح رہے کہ جب مانعین حضرات کی درازنفسی بڑھی، میلاد شریف منانے والوں کو ٹکڑ گدے اور پیٹ کے کتے لکھا، ہندؤوں سے بھی بدتر ٹھہرایا اور میلاد شریف کو خرافات اور سانگ بتایا-یہ سارے کلمات لمعہ اولیٰ میں فتاویٰ مطبوعہ ہاشمی صفحہ نمبر کی تعیین کے ساتھ نقل ہو چکے ہیں-ان کے علاوہ بعض منکرین کے ناشائستہ الفاظ سے بھرے رسالے بھی دیکھنے میں آئے، تو اسی وجہ سے میں نے-۱۳۰۲ھ- (1884ء) میں مطبوعہ ''انوارساطعہ'' کے اندر کہیں کنایۃً بطورِ ظرافت اور کہیں صراحۃً بطورِ ملامت کچھ کلمات لکھ دیے ہیں مگر ان کی برابری نہیں کی ان سے کم ہی لکھا ہے اور وہ بھی اس لیے' چوں کہ شرعی طور پر ہم اس انتقام کے مجاز ہیں۔سورۂ شوریٰ میں ہے :

وَ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا . (۱)

اور برائی کا بدلہ اسی کی برابر برائی ہے۔

بخلاف ان لوگوں کے کہ جنھوں نے پہلے تو اپنا سلیقۂ زبان درازی ظاہر فرمایا اور اس پیش دستی کی ان کے پاس ہرگز کوئی شرعی دلیل نہیں، اس کے جواب میں میں نے جو کچھ لکھا وہ کچھ بھی نہیں تھا اور وہ بھی میرے طرز کے خلاف تھا کیوں کہ طعن وتشنیع میری عادت نہیں اور ہر کسی سے مہر وسلامتی کا رویہ رکھتا ہوں۔یہی وجہ ہے کہ-۱۳۰۲ھ-(1984ء) میں مطبوعہ ''انوارِساطعہ'' پر میں نے اپنا نام نہیں لکھا لیکن بالآخر لوگوں میں اور شہر بہ شہر خود بخود اس کا چرچا ہوگیا یہاں تک کہ

(۱) سورۂ شوریٰ؛۴۲؍۴۰۔

ملک عرب میں بھی میرا ہی نام ظاہر ہوا۔ (چنانچہ) مکہ مکرمہ - زادہا اللہ شرفا وتعظیما - سے جناب مرشدی ومستندی، سیدی وملتحدی، ملاذیومی وغدی، نعیم روحی وجسدی، مرشد العلما والفضلا، شیخ العرفا والکملا، شریعت آگاہ، طریقت پناہ، معرفت دستگاہ، حقیقت اکتناہ المولیٰ الحافظ المہاجر فی سبیل اللہ شیخنا المدعو بحاجی شاہ امداد اللہ - مدظلہ العالی مدی الایام واللیالی - کا -۱۳۰۴ھ- (1986ء) میں یہ ارشاد موصول ہوا کہ ''انوارِ ساطعہ'' کے مسائل ودلائل مجھے پسند آئے لیکن خلاف مرضی بات یہ ہے کہ آپ نے معاصر وہم قافلہ علما کے بارے میں کچھ نامناسب الفاظ لکھ دیے ہیں اور یہ ارباب تحقیق (کی شان) سے بعید ہے۔ میں نے یہ عذر پیش کیا کہ آغاز اُدھر ہی سے ہوا تھا لیکن قبول نہ ہوا اور ہوتا بھی کیوں کر کہ آپ تو اپنے مقام ومرتبہ کے لحاظ ہی سے نصیحت فرمائیں گے یعنی خودی کو مٹائے ہوئے، اپنے نفس پر جابر وقاہر، لوگوں کی ایذاؤں پر صابر وشاکر۔ آیت وَ الْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ (۱) آپ کا دستور وشیوہ، اور زبان پر یہ آیت کریمہ جاری۔ وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (۲)

الحاصل! میں نے حضرت کا فرمان مان لیا اور مولوی خلیل الرحمٰن کو ایک خط لکھا جو ان دنوں وہیں قیام پذیر ہو کر حضرت سے مثنوی شریف پڑھا کرتے تھے، جس کا مضمون یہ تھا کہ حضرت سے عرض کر دیں کہ جو تیز وتند الفاظ کسی کی نسبت لکھ دیے گئے ہیں انھیں میں نکال دوں گا، اور فریق ثانی جو کچھ زبان درازی کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں اس پر صبر کر کے انتقام نہ لوں گا۔ اس کے جواب میں حضرت مرشدی کا جو کرامت نامہ وتقدس شمامہ صادر ہوا، اسے نقل کرتا ہوں:

عزیزی ومحبی مولوی عبدالسمیع صاحب - دام محبتکم -

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد دعاے از دیاد علم واخلاص مکشوف باد کہ باطلاع مضمون خط شما کہ بہ خلیل الرحمٰن نوشتہ بودید نہایت محظوظ شدم چوں کہ آخر کار معاملہ بخدائے علیم بذات الصدور افتادنیست لازم آں کہ از کتاب انوار ساطعہ خود کلامے کہ دراں تیز قلمی وغیظ نفسانی شدہ باشد کہ ایں از طرز تحریر اصحاب تحقیق وارباب تہذیب بعید است واسماے برادران طریقت خود وعبارت و اسمائے دیگر کہ از فور نفسانی صادر شدہ باشد اخراج نمایند ومضمونے کہ فیما بینکم وبین اللہ تعالیٰ

---

(۱) آل عمران: ۳/۱۳۴۔
(۲) شوریٰ: ۴۲/۴۳۔

باخلاص و برائے اظہار امر حق باشد باقی دارند - انشاء اللہ تعالیٰ - مقبول خواہد شد و اگر کسے بتردید آں چیزے نویسد شما در پے تحریر جواب الجواب نشوید چرا کہ قصد شما اظہارِ حق بود و ظاہر شد و بس و فی الحقیقت نفس مطلب کتاب موافق مذہب و مشرب فقیر و بزرگان فقیر است خوب نوشتید - جزاکم اللہ خیرا الجزاء - اللہ تعالیٰ ما و شما و جمیع مومناں را در ذوق و محبت خود داشتہ حسن خاتمہ نصیب کند - آمین -

علم و اخلاص کی بے پایاں برکتوں سے حصہ وافر عطا ہونے کے بعد آپ پر یہ بات آشکار ہونی چاہیے کہ خلیل الرحمٰن کے نام مرسلہ آپ کے مکتوب کے مضمون کو پڑھ کر میں کافی محظوظ ہوا۔ چوں کہ آخر کار معاملہ اللہ رب العزت کے حضور پیش ہونا ہے، اس لیے انوار ساطعہ کے اندر جو کچھ تیز کلامی اور غیظ نفسانی کے پہلو در آئے ہیں جو اصحاب تحقیق اور ارباب تہذیب کے شایان شان نہیں، نیز اس کے اندر ہوائے نفسانی کی وجہ سے جو کچھ اپنے برادران طریقت کے اسما، عبارتیں اور بعض دیگر نام بھی مندرج ہو گئے ہیں انھیں اس سے خارج کر دینا چاہیے۔ اور صرف وہی مضامین باقی رکھنے چاہئیں جو اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ اظہار حق کی خاطر قلم بند ہوئے ہیں۔ انشاء اللہ۔ اس کی برکت سے قبولیت عامہ نصیب ہوگی، اور اگر کوئی اس کی تردید میں کچھ پیش کر دے تو آپ اس کے جواب الجواب کے پیچھے نہ پڑیں کیوں کہ آپ کا مقصد اظہار حق تھا اور وہ حاصل ہو گیا اور بس۔ سچی بات یہ ہے کہ کتاب کا نفس مفہوم و مطلب آپ نے فقیر اور بزرگان دین کے مذہب و مشرب کے موافق خوب قلم بند کیا ہے۔ اللہ آپ کو اس کی بہتر جزا عطا فرمائے، اور ہمیں آپ کو اور جملہ مومنین کو اپنی سچی محبت اور ذوق و شوق میں مگن رکھ کر حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔

الراقم الآثم :

فقیر امداد اللہ - عفی عنہ -

محررہ؛ ۲۲ر شوال ۱۳۰۴ھ - از: مکہ معظّمہ محلّہ حارۃ الباب

ایک خط اور مولوی خلیل الرحمٰن صاحب کا مکہ معظّمہ سے آیا جس میں یہ لکھا تھا کہ حضرت مرشدی ارشاد فرماتے ہیں کہ ''انوارِ ساطعہ'' کی جب دوبارہ طباعت ہو تو پانچ یا چھ کاپی ہمارے پاس ضرور روانہ کر دیں۔

الحاصل حضرت مرشدی و مستندی کا صحیفہ مبارکہ آ جانے کے بعد مجھے نظر ثانی کی فرصت نہ ملی۔

اسی وجہ سے یہ بات ملتوی رہی۔لیکن جب چاروں طرف سے''انوارِساطعہ'' کے مطالبے کے خطوط آنے لگے تو مجبور ہوکر یہ ٹھہرا کہ اب دوبارہ اس کی طباعت ہوجانی چاہیے۔چنانچہ-۱۴۰۶ھ-(1988ء)میں نظرثانی شروع کردی۔

مکہ معظّمہ سے بعض آنے والوں کی زبانی 'حضرت مرشدی ومولائی کا ارشاد(محض) چار پانچ مقام (کی تصحیح) کے لیے تھا مگر میں نے یہ کیا کہ ہر مقام سے جس لفظ کو ملال کا باعث یا بارِ سماعت سمجھا اس کو نکال دیا یہاں تک کہ مانعین کی طعن سے بھری ہوئیں عبارتیں جوابوں کے ساتھ خارج کردی گئیں یعنی نہ تو بعینہٖ ان کے الفاظ''انوارِساطعہ'' میں نقل کیے جائیں گے اور نہ ہی ان کے ترکی بہ ترکی دے گئے جواب کی عبارتیں ہی۔ہاں! صرف اس پر اختصار ہوا ہے کہ فریق ثانی کی بعض عبارتوں کو بغیر جواب کے لمعہ اولیٰ میں نمونہ کے طور پر نقل کردیا گیا ہے، کیوں کہ حضرت مرشدی ومولائی کی رضا جوئی مجھے بہ دل وجاں منظور ہے، اور مرشد کے حکم کی تعمیل میں کوتاہی کرنا سراسر قصور ہے۔

مجھے حیرت ہے ان لوگوں پر جنھوں نے شہر میرٹھ کے مطبع حدیقۃ العلوم سے ایک اشتہار شائع کیا کہ فلاں فلاں عالم نے جناب حاجی صاحب (حضرت مرشدی ومستندی) سے صرف سلسلہ تصوف میں بیعت کی ہے شریعت میں نہیں۔الیٰ آخرہ۔

اگر وہ لوگ یہ گفتگو اپنی ذات ہی تک محدود رکھتے تو میں بھی خاموشی اختیار کرلیتا لیکن جب یہ بات چھپ کر مشہور ہوگئی اور کسی صاحب نے اس کی تلافی بھی نہیں کی تو (مجھے اپنی صفائی کے لیے)اس کا دفعیہ کرنا ضروری ہوا۔

واضح ہونا چاہیے کہ تصوف کی چار منزلیں ہیں: شریعت،طریقت،معرفت،حقیقت۔

جب تصوف میں بیعت مان لی تو گویا چاروں میں بیعت مان لی، پھر ایک منزل سے خارج ہونا عجیب فسانہ ہے۔ إِنَّ هٰذَا لَشَيْئٌ عُجَابٌ. (۱)

بے شک یہ عجیب بات ہے۔

(میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ لوگ) حضرت کی بیعت شریعت سے کیوں انکار کرتے ہیں، جب کہ حضرت تو اتباعِ شریعت کا بڑا اہتمام کرتے اور اہل سنت کے اصولی وفروعی مسائل میں پوری تحقیق

(۱) سورۂ ص:۳۸/۵۔

فرماتے تھے، اور پھر وہ عارف بھی ہیں اور عالم بھی۔ اور عالم شریعت ہونے کے لیے علم فلسفہ وغیرہ کی ضرورت تو نہیں ہوتی۔ لہٰذا اگر حضرت کو منطق و معقولات میں مشق و مزاولت نہیں تو کیا ہوا؟ منطق ایک آلہ ہی تو ہے جس سے انسان خطائی الفکر سے محفوظ رہتا ہے۔

میر سید شریف - رحمۃ اللہ علیہ - نے خود صراحت فرمائی ہے کہ وہ نفوس قدسیہ جنھیں تائید الٰہی حاصل ہوتی ہے اور حقیقتوں کے علم میں فکر و نظر کے محتاج نہیں ہوتے۔ یعنی انھیں منطق سے کوئی کام نہیں ہوتا، اللہ - سبحانہ وتعالیٰ - ان کے ذہن میں حدس (دانائی) پیدا فرما دیتا ہے کہ وہ بلا فکر و نظر 'یکلخت آغاز سے انجام کو پہنچ جاتے ہیں۔ جس کو اس کی آزمائش درکار ہوا سے حضرت کے مثنوی شریف کے درس میں شرکت کرنی چاہیے، اس پر یہ آشکار ہو جائے گا کہ جن مطالب میں بڑے بڑے اہل عقل و خرد حیران و سرگرداں ہیں اسے آپ ایک اشارہ میں حل فرما دیتے ہیں۔ سچی بات یہ کہ حق تعالیٰ نے آپ کی ذات کو علم شریعت و طریقت کا جامع بنایا ہے۔ اور یہ ناتواں' شریعت و طریقت بہر طور حضرت سے (سچی) عقیدت رکھتا ہے؛ اسی لیے حضور کے حکم کی تعمیل و بجا آوری ضروری سمجھی، اور نظر ثانی کر کے اس کتاب سے طعن و تشنیع والی عبارتیں نکال دیں۔ لیکن جب برائے ترمیم اس وجہِ خاص کے لیے قلم اٹھایا تو پھر ایسا بھی ہوا کہ کچھ وہ چیزیں جو ہمارے اصلی مطلب سے ہٹ کر تھیں - مثلاً مسجد دیوبند کی تعمیر اور سماع وحقہ وغیرہ کے مسائل - گھٹا دی گئیں اور کچھ ایسے فوائد جن سے اپنے مطلوب و مقصود کی تائید ہو رہی تھی بڑھا دیے گئے اور بعض مضامین جن کی عبارت' مانعین کی سمجھ میں نہ آتی تھی وہ دوسرے طریقے سے انھیں سمجھائی گئیں - و اللّٰہ ولي التوفيق و بيده أزمة التحقيق -

## لمعہ ثالثہ - براہین قاطعہ کے احوال :

واضح رہے کہ جب - ۱۳۰۲ھ - (مطابق: 1984ء) میں "انوارِ ساطعہ" طبع ہو کر چاروں طرف پھیلی، تو دور دور سے طالبانِ حق نے کچھ قیمتہً اور کچھ ہدیۃً منگا کر اس کا مطالعہ کیا، اور دور دراز شہروں سے شکریے کے بہت سے مضامین یوں لکھے آئے کہ الحمد للہ! ہمیں اس کتاب کے ذریعہ بہت سے شکوک و شبہات، اوہام اور مغالطوں سے نجات و امان ملی۔

پھر دو سال بعد یعنی - ۱۳۰۴ھ - (1986ء) میں "براہین قاطعہ بجواب انوار ساطعہ" نامی ایک کتاب مطبع ہاشمی میرٹھ سے اس وضاحت کے ساتھ شائع ہوئی کہ یہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے

حکم سے چھپی ہے۔ دیباچہ میں جہاں کہ مولف کا نام لکھا جاتا ہے' ان کے مرید مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی کا نام لکھا تھا اور کتاب کے اختتام پر تصدیق جواب اور تائید و تحسین کتاب کے طور پر مولوی رشید احمد صاحب موصوف کی تقریظ زیب قرطاس ہے۔

میرے کچھ احباب نیز دہلی و پنجاب وغیرہ کے بعض علما نے خطوط لکھے کہ تم ''براہین قاطعہ'' کا جواب کیوں نہیں لکھتے۔ یعنی اس کتاب میں تحقیق حق تو اپنی جگہ صرف دلی بخار نکالا کیا گیا ہے، نہ تو کوئی دلیل ہی معقول ہے اور نہ کوئی جواب ہی موزوں و درست ہے، صرف غیر شائستہ اور بے ڈھنگے کلمات سے پوری کتاب بھر دی گئی ہے۔ غلیظ ترین الفاظ میں شاید کوئی ایسا لفظ ہو جس کا استعمال اس کتاب میں نہ ہوا ہو، اگر ساری کتاب کا (دیانت داری سے) انتخاب کیا جائے تو غالبًا آدھی کتاب گالی گلوج اور غیظ و غضب سے بھری ملے گی۔ (اس لیے) اس کا جواب لکھنا بہت ضروری ہے۔ میں نے کہا چند وجوہ کے باعث میرے لیے خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ خواہ اس کتاب یا کسی اور بے ڈھنگے رسالے کا جواب الجواب لکھنے سے باقتضاے رفع نزاع (میرے لیے) حضرت مرشدی جناب حاجی صاحب - ادام اللہ ارشادہ - (کی ذات) مانع ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت کا رقعہ مبارکہ' لمعہ ثانیہ میں منقول ہو چکا ہے۔ مزید برآں یہ کہ علامہ ذی جاہ المشتہر بالالسنۃ والافواہ استاذنا الحاج المہاجر مولانا رحمت اللہ الہندی الکیرانوی ثم المکی - خصہ اللہ بإنعامه الجلي والخفي - نے بھی ایک رحمت نامہ کچھ اسی مضمون کا روانہ فرمایا جسے بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے :

> مولوی صاحب شفیق عالم مولوی عبد السمیع صاحب سلامت ... سلام مسنون کے بعد آپ سے دیرینہ محبت اور بے تکلفی کی بنیاد پر اپنا مقصد (نگارش) ظاہر کر رہا ہوں کہ آپ کی اور مولوی رشید احمد صاحب کی مخالفت حد کو پہنچ گئی اور تحریر بھی اب بڑی سخت ہوگئی ہے، اس لیے مدرسہ فقیر کے مدرس دوم حافظ عبد اللہ صاحب کو سرکار چھتاری کے ذریعہ مقرر کردہ وظیفہ - جو دو سال سے وصول نہیں ہوا - لینے کے لیے دہلی سے چھتاری بھیجنا ضرور تھا، اور ان کو تاکید کی گئی ہے کہ جاتے یا آتے آپ سے میرٹھ میں ملاقات کریں، تو وہ آپ سے مل کر زبانی بھی کہیں گے کہ اس مقدمہ کو جتنا ہو سکے دبایا جائے ہرگز بڑھاوا نہ دیا جائے۔ فقط والسلام
>
> راقم آثم :
>
> محمد رحمت اللہ - از: مکہ معظّمہ

تو جب پیر اور استاد، دونوں کا ایک ہی ارشاد، قابل ادب واحترام ملک عرب سے آئے تو بھلا بندہ اس باب میں اب کیسے قلم اُٹھائے!۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ شروع میں جب مانعین نے میلاد شریف کرنے والوں کو احمق، گمراہ اور کنہیا کا جنم دن منانے والوں سے بھی بڑھ کر لکھا اور اس کی چوٹ دور دور یعنی روم وشام، مصرو یمن، حرمین شریفیں اور بیت المقدس وغیرہ کے علما ومشائخ، اگلے پچھلے احیاء واموات غرضیکہ تمام ذوات قدسیہ تک پہنچتی تھی، توان سب کی براءت اور مذہب حق کی نصرت کے لیے میں نے یہ رسالہ ''انوارِساطعہ'' لکھا تھا، اور اسی اخلاصِ نیت اور امدادِحق کے باعث یہ طالبانِ حق میں کافی مشہور ومقبول ہوا، اور دور دور تک اس کی شہرت ہوگئی۔

اب (اس کے جواب میں) یہ جو ''براہین قاطعہ'' چھپی ہے، وہ پوری کی پوری لعن طعن سے بھری پڑی ہے۔ نہ تو مضمون ہی سنجیدہ نہ ہی تقریر موزوں۔ تاحد نگاہ خاص میری ذات ہی کی توہین وتحقیر۔ لیکن میں اپنی ذات کا انتقام لینے نہیں اُٹھا نہ ہی ان کے بھونڈے الفاظ کا جواب دینے چلا ہوں۔ حضور خیر الانام -صلی اللہ علیہ وسلم- کی حدیث پاک سے ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جب تک بندہ اپنی برائیوں کو سن کر چپ رہتا ہے، فرشتے اس کی طرف سے جواب دیتے ہیں اور جب یہ خود جواب دینے لگتا ہے تو وہ انتقام والا فرشتہ خاموش ہو کر اپنی راہ لے لیتا ہے۔ اس لیے مجھے منظور نہیں کہ میں بذات خود اپنے نفس کا انتقام لوں اور اب بہتر یہی ہے کہ ان کے جواب سے اپنے قلم کو تھام لوں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ جب ''براہین قاطعہ'' چھپ کر ادھر ادھر شائع ہوئی اور اس کے مقلدین نے ''انوارساطعہ'' کو برا بھلا کہنا شروع کیا تو میں نے اپنا رسالہ ''انوارِساطعہ'' علماے عصر کی خدمت میں بھیج دیا تاکہ وہ اسے شروع سے اخیر تک حرفاً حرفاً ملاحظہ فرمائیں، اگر مضمون درست اور دلیل ٹھوس پائیں تو اپنی تصدیق وتقریظ سے اسے مزین فرمائیں۔ چناں چہ بڑے بڑے شہروں کے نامور اکابر فضلا اور دور دور کے مشاہیر علما نے اس کتاب کو بالاتفاق پسند کیا اور اپنی (گراں قدر) تقریظ رقم فرما کر اس نحیف کو سربلند کیا۔ ان کی تقریظوں سے ہویدا ہوا کہ ''انوارِساطعہ'' کا دعویٰ ودلیل سب درست وبجا ہے۔ وہ تقریظیں -انشاء اللہ- ہم نورِ چہارم میں درج کریں گے اور اہل نظر ان کے فصیح وبلیغ مضامین پر مطلع ہوں گے۔ تو اب ہمیں ''براہین قاطعہ'' کا جواب دینے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ہمارے مضامین پر سلف وخلف اور معاصر علماے ذی شرف کا کثرت سے

اجماع واتفاق کافی حجت ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ مولف براہین قاطعہ نے بہت سے مضامین ایسے لکھ دیے ہیں جس سے اکثر اہل اسلام کو وحشت ونفرت سی ہوگئی ہے۔

مثلاً براہین قاطعہ کے صفحہ۳ پر ہے :

جو کوئی یوں کہے کہ خدا تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے، اس پر طعن کرنا جہالت ہے۔

صفحہ۴ پر ہے :

رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- جملہ بنی آدم کے بھائی ہیں-الیٰ آخرہ-

قید ایمان کی بھی شرط نہ رکھی، جو کہ بعض لوگ آیت کریمہ إِنَّمَا الْمُؤمِنُونَ إِخْوَةٌ سے ثابت کرتے ہیں۔

اسی پر ہے :

وتر کی ایک رکعت کو قوت ہے۔

صفحہ۵ پر ہے :

جو کوئی تراویح کی بیس رکعت کی بجائے آٹھ رکعت کو سنت جانے وہ قابل اعتراض نہیں۔

صفحہ۲۶ پر ہے :

دیوبند کے عالموں سے رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم-کو ہندی کلام کرنا آ گیا۔

صفحہ۱۸ پر ہے :

حرمین شریفین کے علما کو رشوت دے کر جو چاہو فتویٰ لکھوالو-الیٰ آخرہ-

تو گویا وہ آیت کریمہ: وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ (۱) کے مصداق ہیں۔

صفحہ۹۹ پر ہے :

عوام کا مذہب معین نہیں ہوتا-الیٰ آخرہ-

یعنی سب لا مذہب ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ دنیا میں زیادہ تر عوام ہیں اور جو خواص ہیں وہ

---

(۱) اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں۔(سورۂ مائدہ:۴۴/۵)

کہتے ہیں کہ ہم کوخود بصیرت حاصل ہے جیسا کہ فرقہ غیر مقلدین کی زبان پر جاری ہے،تو خواص اپنی علمیت اورعوام اپنی ناواقفیت کے باعث تقلید سے نکل گئے تو تقلید ائمہ' جس پر مدت سے اجماع چلا آرہاہے' کدھر گئی۔ایسا مسئلہ ایسے فتنہ وفساد کے وقت میں لکھنا مخلوق میں آگ لگانا ہے۔

صفحہ۱۳۲پر ہے :

مسئلہ اختلافی بلاضرورت بھی جائز ہے۔

یعنی ایک امام کی تقلید واجب نہیں جس کا جی چاہا بلاضرورت کسی امام کا مسئلہ لے لیا۔

صفحہ۲۷۰پر ہے :

جس کوایک نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہواس کے ذمہ سے حج ساقط ہو جاتا ہے۔

مکاراور حیلہ جو آدمیوں کے لیے اچھی دستاویز لکھ دی، وہ کہہ دیا کریں گے کہ ہم سے جہاز اوراونٹوں کے سفر میں بے شک نماز ادا نہ ہوگی،تو اس بنیاد پر ہم کو حج کے لیے جانا ضروری نہیں۔ اس میں کیا حکمت ہے کہ ایک فرض ادا کرنے کو جائیں اوردوسرا قضا ہو جائے۔

صفحہ۱۲۷پر ہے :

ہندوستان کےلوگ مردوں ( کی طرف سے ) صدقہ رسماً ادا کرتے ہیں۔

دوسری جگہ صفحہ۱۳۴پر لکھا :

**الریاء شرک -الخ-**

توان کےصدقہ کورسمی اورریائی بتا کران کومشرک ٹھہرایا۔

صفحہ۱۰۹پر ہے :

اور ہندوستان کےلوگ تاریخ کےتعین میں ہندوؤں سے مشابہت کرتے ہیں۔

تشبہ کودوسری جگہ صفحہ۱۱۳پرلکھا کہ :

(ایسا کرنا) کفر ہے۔

گویا تیجہ وچالیسواں کرنے والے کافر ٹھہرے۔یہ کیسی بے انصافی اورزورزبانی ہے کہ سب کےمتعلق رسم وریااورتشبہ بالہنود کاحکم دے دیا۔

صفحہ۱۴۱پر ہے :

محفل مولد شریف کرنے والے کنہیا کا جنم کرنے والوں سے بھی بڑھ کر ہیں،وہ تو سال بھر میں ایک بار کرتے ہیں اور یہ جب چاہتے ہیں فرضی خرافات اورولادت کا

سانگ کر لیتے ہیں۔

الحاصل! بہت سے مقامات پر ایسی ایسی دل آزار تقریریں رقم کیں کہ جس سے اہل اسلام، علما اور غیر عالم سبھی کبیدہ خاطر ہو گئے۔ کوئی قلم سے کوئی زبان سے ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق ان کے مسائل کی تردید کر رہا ہے۔ جب اس کتاب کی یہ حالت ہے تو مجھے جواب لکھنے کی کیا حاجت ہے۔ ہاں! براہین قاطعہ کے جس کسی شبہہ کا ازالہ ضروری سمجھا جائے گا تو چوں کہ انوارِ ساطعہ پر نظر ثانی ہو ہی رہی ہے' اس کا حل بھی پیش کر دیا جائے گا۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ مولف براہین قاطعہ کو اگر چہ بظاہر میرے مسائل و دلائل پر شدت سے انکار ہے مگر اسی انکار میں خاص اقرار (کے پہلو بھی نظر آرہے ہیں) چنانچہ صفحہ ۲۳ کی سولہویں سطر میں انوارِ ساطعہ کی مندرجہ روایات کی بابت آپ لکھتے ہیں :

آپ کی سب روایات منقولہ مسلّم ہیں۔

صفحہ ۱۸ کی اٹھارہویں سطر (پر لکھا)

جمع بین العبادتین کا کوئی منکر نہیں - الیٰ آخرہ -

ہم کہتے ہیں کہ فاتحہ اور کھانا کھلانے میں جمع بین العبادتین ہی تو ہے۔

صفحہ ۸۶ کی پانچویں سطر (پر لکھا)

ہر روز ثواب پہنچانا درست ہے (حتی کہ) عیدین اور شب براءت کو بھی - الیٰ آخرہ -

پھر ان ایام میں کھانا و فاتحہ' ایصال ثواب کے لیے ہی تو ہوتا ہے۔

صفحہ ۱۱۹ کی پہلی سطر (میں لکھا)

جو فقرا کے واسطے بطور صدقہ ہو تو فقرا کو نفس طعام مباح ہے، اگر چہ دن متعین کرنا بدعت ہے - الخ -

صفحہ ۱۲۹ کی چودھویں سطر (پر لکھا)

اگر چہ طعام صدقہ ہے اور اس کا ثواب پہنچے گا مگر یہ کام تعیین کی وجہ سے مکروہ ہوگا - الیٰ آخرہ -

صفحہ ۷۰ کی بارہویں سطر پر لکھا :

مانعین اس عمل کے بدعت ہونے کے قائل ہیں نہ اس کے کہ ثواب نہیں پہنچے گا۔

دیکھیے ہندوستان میں رائج تعیین (ایام) میں بھی ایصالِ ثواب ہو جانا تسلیم کیا اور تعیین کو

بدعت کہا، جس کو ہم بدعت حسنہ کہتے ہیں۔ اس پر دلائل اس کتاب میں مذکور ہیں۔

صفحہ ۱۳۴ کی تیرہویں سطر (پر لکھا)

طرز اشغال گو متقدمین سے لے کر آج تک بدلتے چلے آتے ہیں اور نسبت کا رنگ بھی بدلتا رہتا ہے مگر اصل مطلق واحد ہے۔ الیٰ آخرہ۔

فاتحہ اموات اور محفل میلاد شریف میں ہمارا یہی جواب ہے کہ اصل مطلق واحد ہے گو رنگ اور طریقہ بدل گیا ہے۔

صفحہ ۱۷۳ کی چودہویں سطر (پر لکھا)

مانعین نہ فرحت میلاد کو برا کہیں اور نہ ذکر ولادت کو منع کریں بلکہ ایسے امر مستحسن ہیں - الیٰ آخرہ۔

صفحہ ۱۷۸ کی نویں سطر (پر لکھا)

سچ ہے کہ فرحت، ولادتِ فخر عالم میں جس قدر کی جائے بوجہ مشروع وہ تھوڑا ہے - الیٰ آخرہ۔

صفحہ ۱۹۶ کی ساتویں سطر (پر لکھا)

بدعت حسنہ سنت ہی ہوتی ہے اس کو باعتبار ظہور اور شیوع کے کہا جاتا ہے۔ الیٰ آخرہ۔

تو ہم کہتے ہیں کہ کھانے پر فاتحہ اور میلاد شریف دونوں سنت ہیں کیوں کہ ان کی اصلیں قرونِ ثلاثہ سے ثابت ہیں گو کہ ان امور کا اس انداز میں ظہور ورواج بعد میں ہوا۔ تو بس اس ظہورِ خارجی اور شیوع کے سبب ان کو بدعت حسنہ کہنا چاہیے نہ کہ بدعت وضلالت۔

صفحہ ۱۹۱ کی پندرہویں سطر (پر لکھا)

کھانے اور شیرینی کی بحث تو چند دفعہ ہو چکی کہ اصل اس کی مباح اور تخصیص وتاکد مروج سے کراہت پیدا ہوئی۔

یہ ذکر ہے کھانے اور محفل میلاد شریف کی شیرینی کا۔

صفحہ ۲۰۰ کی دوسری سطر (پر لکھا)

قیام مباح تو تھا مطلقاً اور تعظیم شان ذکر فخر عالم - علیہ السلام - کے واسطے مستحب بھی تھا مگر جہلا کی تقیید وتخصیص اور عوام کے سنت اور وجوب سے بدعت ہوا تھا۔

صفحہ ۲۰۰ کی چوتھی سطر (پر لکھا)

اور مولد کبیر وغیرہ میں جو مستحسن کہا ہے۔ (یعنی قیام مولد شریف کو) تو اصل مطلق کے فرد کی وجہ سے کہا ہے بظن غالب وہاں عروض اس قید اور تاکد کا نہ ہوا تھا بخلاف ہمارے زمانے کے۔ الخ۔

صفحہ ۲۴۲ کی پانچویں سطر (پر لکھا)

تاویل حلبی کی یہ ہے کہ وہ ذکر مطلق کے فرد کی وجہ سے قیام کرتے تھے اور تقیید مطلق کا درجہ اس قیام میں نہیں تھا اور نہ عوام کا اندیشہ تھا لہٰذا جائز جانتے تھے اور وہ امر نہیں رہا مگر وہ ہو گیا۔

دیکھیے قیام کو بھی مان لیا باقی یہ بات کہ اب مکروہ ہو گیا تو ان حضرات کے اجتہاد سے مکروہ ہوا، جس کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔

دوسرے وہ جو بعض اشعار وقصائد میں ''ندائے یارسول اللہ'' ہوتی ہے، اس کی بابت براہین قاطعہ کے صفحہ ۲۲ کی سولہویں سطر میں لکھا :

اگر ذات فخر عالم کو حاضر وناظر بالذات کوئی عقیدہ کرے تو مشرک ہوتا ہے اور اگر یہ عقیدہ نہیں بلکہ محض محبت میں کہتا ہے یا بوجہ اس کے کہ اگر ضمن صلاۃ وسلام میں ہے تو ملائک آپ تک پہنچا دیں گے اور جو بدون اس کے ہے وقت عرض اعمال کے پیش ہو جائے گا۔ الخ۔

دیکھیے کہ انھوں نے انوارِ ساطعہ کے سارے مطالب تسلیم کر لیے ہیں اور وہ جو ہر ایک بات میں تسلیم کے باوجود کچھ کچھ انکار کی شاخ بھی درج کی ہے تو اس کی حقیقت طالبانِ حق انوارِ ساطعہ میں ملاحظہ کریں۔ ہر حجت کی کیفیت اپنے اپنے مقام پر کھول کر رکھ دی گئی ہے۔

علاوہ ازیں اہل عقل ودانش بخوبی سمجھتے ہیں کہ یہ شاخ اس لیے نکالی گئی ہے کہ جب انوارِ ساطعہ کی تردید کا نام لیا جا رہا ہے تو کچھ تو شاخ نکالیں گے ہی وہ، ورنہ لوگ کہیں گے کہ یہ کیسا رد لکھا ہے کہ ہر بات کو مان لیا ہے۔

براہین قاطعہ سے ایک بڑا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ اکثر ناواقف لوگ مجھ سے الجھا کرتے تھے کہ میلادِ سرورِ کائنات - علیہ افضل التسلیمات - نیز مردوں کی فاتحہ 'بدعت ہے۔ بدعت حسنہ کوئی چیز نہیں جو بدعت ہے وہ ضلالت ہے اور جو ضلالت ہے' جہنم جانے کا ذریعہ ہے۔ ہر چند ہم ثبوت دیتے کہ بدعت دو قسم کی ہوتی ہے ایک بدعت سیئہ مذمومہ اور دوسری حسنہ محمودہ، لیکن وہ کسی قیمت پر ماننے

کو تیار نہ تھے۔ جب میں نے انوارِ ساطعہ میں بدعت کی تقسیم کا قاعدہ شرعی دلیلوں کی روشنی میں رقم کیا تو مولف براہین قاطعہ نے اسے تسلیم کرلیا۔ صفحہ ۳۰ کی تیرہویں سطر پر ان کی عبارت یوں ہے :

> جو امر بعد فخر عالم - علیہ السلام - کے حادث ہوا مطلقاً خواہ محمود ہو خواہ مذموم یعنی اس کے جواز کی دلیل شرع میں موجود ہو یا نہ ہو، اس کی دو قسم کرتے ہیں قسم اول محمود کہ جس کی دلیلِ جواز شرع میں ہے اور دوسری مذموم کہ دلیل اس کے جواز کی نہیں، پس قسم اول کا بدعت حسنہ نام رکھتے ہیں اور ملحق بالسنہ جانتے ہیں اور دوسری قسم بدعت ضلالت ہے - الخ -

واضح ہو کہ اگر چہ مولف براہین قاطعہ یعنی مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کا اس قاعدہ کو فی نفسہٖ تسلیم کرنا ان کی ذات وصفات کو دیکھتے ہوئے (مخالفین یا موافقین میں) کسی بشر کے نزدیک قابل اعتماد واستناد نہ تھا لیکن چوں کہ ان کا یہ سارا مسودہ' درحقیقت ان کے پیرومرشد مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے افادات وافاضات کا عکس وآئینہ ہے، اور پھر آخر کتاب میں جملہ مسائل ودلائل کی تصدیق کرتی ہوئی ان کی تقریظ بھی جلوہ گر ہے، لہٰذا اُس کتاب کے ہر مضمون کو مشہور قاعدہ ''نور القمر مستفاد من نور الشمس'' کی روشنی میں مولوی رشید احمد صاحب ہی کا مضمون سمجھنا چاہیے کہ (ان کی ذات) ہمارے اضلاع ونواح میں جملہ مانعین کے نزدیک مستند ومعتبر ہے۔ الحمد للہ! مانعین کو اپنے ایک ایسے مسلم الثبوت کی زبانی ہمارے قاعدہ کی کامل تصدیق ہوگئی، اور ہمیں ان کی لایعنی سمع خراشی سے نجات بھی مل گئی۔

براہین قاطعہ سے دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ بعض اصحاب علم ونظر اگر تقسیم بدعت کے قائل بھی ہوتے تھے تو یوں کہتے تھے کہ بدعت حسنہ اگر ہے تو بس قرونِ ثلاثہ تک کی ایجاد' درست اور لاکلام ہے ورنہ ان صدیوں کے بعد کی ایجاد بالکل ہی ضلالت وحرام ہے۔ میں نے انوار ساطعہ میں اس کا نہ صرف ردِ کامل کیا بلکہ شرعی دلیلیں بھی بطور ثبوت پیش کی ہیں کہ بھلائی وسعادت کے کام ایجاد کرنا جائز ہے گر چہ قرونِ اولیٰ کے بہت بعد ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ براہین قاطعہ کے مولف نے اسے بھی تسلیم کرلیا ہے۔

صفحہ ۲۹ کی پہلی سطر میں یہ عبارت ہے :

> جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلاثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ کسی وجود خارجی کی وجہ سے اس صدی میں ہوا یا نہ ہوا اور خواہ اس کے جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو' وہ سب سنت ہے - الیٰ آخرہ -

پھر اسی صفحہ کی گیارہویں سطر کے بعد لکھتے ہیں :

دیکھو کہ تقلیدِ شخصی کی دلیل قرونِ ثلاثہ میں موجود ہے گو اس کا وجودِ خارجی کبھی ہو، اس سے ہم کو بحث نہیں - الی آخرہ -

پھر چار سطر کے بعد لکھا :

لہٰذا بالتعیین تقلیدِ شخصی کے وجوب لغیرہ کا وجود قرونِ ثلاثہ کے بعد ہوا، اگر چہ اس کا وجودِ شرعی قرونِ ثلاثہ میں ثابت تھا - الیٰ آخرہ -

دیکھیے مولف براہین قاطعہ نے اس مقام پر اقرار کرلیا کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ جس امر کا وجود خارجی قرون ثلاثہ میں نہ ہوا ہو وہ منع ہو بلکہ دلیل جواز کے لیے قرونِ ثلاثہ میں صرف اس کا وجود پایا جانا کافی ہے۔ جس امر کی دلیل کا وجود اُن قرون میں پایا گیا پھر وہ کسی وجود خارجی کی وجہ سے خواہ کسی زمانہ قریب یا بعید میں موجود ہو تو وہ سب کا سب سنت ہے۔

صفحہ ۱۹۶ میں لکھا :

بدعت حسنہ سنت ہی ہوتی ہے، اس کو بدعت اس کے ظہور وشیوع کے اعتبار سے کہا جاتا ہے۔

چنانچہ اوپر بھی یہ عبارت نقل ہو چکی ہے۔ تو وہ جو بعض ناواقف منکرین جھگڑا کرتے تھے کہ محفل میلاد شریف نہ تو رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - نے منعقد فرمائی نہ کسی صحابی وتابعی نے اور نہ تابعین کے اَتباع نے، اس بنیاد پر یہ محفل بدعت سیئہ ہے تو ان کے اس دعویٰ ودلیل اور سب قیل وقال کی براہین قاطعہ کی اس تقریر سے بالکل تردید ہو گئی، اس لیے کہ اس محفل کا وجودِ خارجی کے ساتھ ان صدیوں میں موجود ہونا کچھ ضروری نہیں، صرف دلیل جواز کا پالیا جانا کافی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ کوئی تھوڑی سمجھ کا آدمی دلیل کا معنی یہ نہ سمجھے کہ اگر اس فعل خاص کا نام صراحۃً اور اس کی کل کیفیات کا بیان بعینہٖ تشریحاً قرون ثلاثہ میں ہوگا تب وہ فعل ان صدیوں کے بعد جائز ہوگا ورنہ ناجائز۔ تو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا ہر گز مراد نہیں، اور اس کا تصفیہ بھی مولف براہین قاطعہ نے کر دیا ہے۔ کیوں کہ انوارِ ساطعہ میں یہ مضمون لکھا گیا ہے کہ تعمیر مدرسہ کو بھی تم بدعت حسنہ یعنی ملحق بالسنہ اور سنت حکمیہ مانتے ہو تو پھر ایسے ہی محفل میلاد شریف اور فاتحہ اموات بھی ہے۔ اگر یہ امور اُن صدیوں میں اس ہیئت کے ساتھ ثابت نہیں تو تعمیر مدرسہ بھی مروجہ ہیئت وکیفیت کے ساتھ قرون ثلاثہ سے ثابت نہیں۔

تو اس کا جواب براہین قاطعہ کے صفحہ ۱۸۵ کی تیسری سطر میں یہ دیا :

تعمیر مدرسہ کی مثال محض کم فہمی ہے ،صفہ کہ جس پر اصحاب صفہ طالب علم دین اور فقراے مہاجرین رہتے تھے مدرسہ ہی تو تھا، نام کا فرق ہے لہٰذا اصل سنت وہی ہے ہاں مکان کی ہیئت تبدیل ہوگئی -الیٰ آخرہ-

اب ہم صاحب براہین قاطعہ کی دلیل کا پول کھولتے ہیں ۔ واضح ہو کہ صفہ' مسجد نبوی میں ایک سایہ دار مکان تھا اوراس کی اصل یہ تھی کہ تحویل قبلہ سے پہلے مسجد شریف کی شمالی جانب قبلہ تھا، تحویل قبلہ کا حکم ہو جانے کے بعد قبلہ اولیٰ کی دیوار قائم رکھی گئی تا کہ بے گھر فقیر و مسکین یہاں رہا کریں۔ ''جذب القلوب'' میں ذہبی کے حوالے سے یوں ہی مذکور ہے۔

''منتخب اللغات'' میں ہے :

جمع از غریبان اہل اسلام کہ خانہ نہ داشتند در موضعے از مسجد کہ بالا لیش پوشیدہ بودند می گزرانند۔

یعنی بے خانماں غرباے اہل اسلام کا ایک گروہ مسجد کے اندر ایک چھت دار جگہ پر زندگی گزارتا تھا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب کہیں سے صدقات آتے تو حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- اصحاب صفہ کو بھیج دیتے۔

مشکوٰۃ کے -باب فضل الفقراء- میں حضرت ابو ہریرہ -رضی اللہ عنہ- سے روایت ہے کہ میں نے ستر اصحاب صفہ (اس حال میں ) دیکھے کہ کسی کے پاس اوپر اوڑھنے کے لیے چادر بھی نہ تھی، بس ایک ایک کپڑا تھا، کسی کے پاس نیچے باندھنے کو فقط ایک تہبند تھا، کسی کے پاس اوپر اوڑھنے کو ایک کملی، جسے وہ گلے میں باندھ لیتے تھے، کملی یا تہبند کسی کی آدھی پنڈلی تک پہنچتا تھا اور کسی کے ٹخنوں تک ۔ وہ لوگ اپنے کپڑوں کو سجدہ وغیرہ کی حالت میں سمیٹ لیا کرتے تھے کہ کہیں ستر عورت کھل کر دوسروں کو نہ نظر آ جائے -انتہیٰ -

قرآن میں ان کا کام یہ بیان ہوا ہے :

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ .(۱)

رضاے رب کی خاطر' وہ اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں۔

---

(۱) سورۂ انعام؛ ۵۲/۶ -سورۂ کہف؛ ۲۸/۱۸۔

مفسر قتادہ نے کہا کہ یہ آیت اصحاب صفہ کے حق میں نازل ہوئی ہے، وہ ایک نماز پڑھ کر بیٹھے رہتے کہ اب دوسری نماز پڑھیں گے۔ اس صورت میں یدعون ربھم کے معنی یہ ہوئے کہ نماز پڑھتے ہیں، اور حضرت ابن عباس اور مجاہد سے بھی یہی معنی مروی ہیں۔ جب کہ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یدعون ربھم سے مراد یہ ہے کہ وہ خدا سے دعا کرتے ہیں۔ اور امام نخعی -رحمۃ اللہ علیہ- نے اس کے معنی یہ بتائے ہیں کہ اس کو یاد کرتے ہیں۔ تفسیر کبیر اور معالم التنزیل میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی سورۂ انعام میں مذکورہ بالا آیت کے لیے یہی معنی اختیار کیے ہیں، فرماتے ہیں :

مناجات می کنند پروردگار خویش را بامداد و مسامی طلبند روے اورا -انتہیٰ -

یعنی وہ اپنے رب سے صبح وشام مناجات کرتے ہیں خاص اس کی رضا کی خاطر۔

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں :

پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح وشام چاہتے ہیں اس کا منہ -انتہیٰ -

صبح وشام سے مراد دوام ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ ہمیشہ مناجات الٰہی میں لگے رہتے اور اللہ کو پکارتے ہیں۔

اب مدرسہ کا مسئلہ معلوم کرنا چاہیے کہ فی زمانہ سبھی علما مدرسے کی تعمیر کو جائز فرماتے ہیں، کسی نے اپنی اصطلاح کے موافق سنت حکمیہ اور ملحق بالسنہ کہا اور کسی نے بدعت حسنہ قرار دیا اور رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے اصحاب صفہ کو اس کی نظیر اور دلیل ٹھہراتے ہیں، اب اصحاب عدل وانصاف خیال فرمائیں کہ اصحاب صفہ کی حقیقت اور ان کے کام، اور طلبہ مدرسہ کی کیفیت اور ان کے کاموں میں کتنا کچھ فرق ہے۔ اور اسی طرح مقام صفہ اور تعمیر مدرسہ میں حقیقۃً صفۃً اور وضعاً کس قدر خلاف ہے، کسی چیز میں اشتراک نہیں، نہ نام، نہ تعمیر مکان اور نہ ان کے کاموں ہی میں، بجز اس کے کہ صفہ بھی ایک مکان تھا جس میں مسلمان طالب دین رہتے تھے اور مدرسہ بھی ایک مکان ہے جس میں مسلمان طالب دین رہتے ہیں اور دونوں میں یہی ایک مشترکہ علت دیکھ کر موافق ومخالف تمام علما' مدرسہ کو جائز رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسی علت و بنیاد پر مولف براہین قاطعہ اور ان کے مرشد وتقریظ نگار نے تعمیر مدرسہ کا جواز مسلم رکھا۔ تو ثابت ہوگیا کہ کسی نئے اور نیک کام کی ایجاد کے جواز واستحسان کے لیے اتنی ہی دلیل کافی ہے۔ جیسے آج کل کے مدارس کی ہیئت وکیفیت کے جواز کے لیے صفہ کا وجود دلیل کافی سمجھا گیا گو ہیئت کی تبدیلی بدرجہ کمال ہے۔ جب یہ قاعدہ صاحب

براہین قاطعہ نے اس تشریح و توضیح سے خود تسلیم کر لیا تو اب ہم کو ان کی کتاب کے رد و جواب کی کیا حاجت رہی۔

ہماری ''انوارِ ساطعہ'' کا مقصود اصلی اور مطلوب حقیقی دو چیزیں ہیں: محفل سید کائنات - علیہ افضل الصلوٰۃ -، اور فاتحہ اموات۔ اور یہ دونوں مسئلے مولف براہین قاطعہ کی تقریر سے ثابت ہو گئے۔

ہم کہتے ہیں کہ فاتحہ اموات، دسویں اور چالیسویں وغیرہ کے طور پر، ایصالِ ثواب ہی تو ہے۔ اور محفل میلاد شریف، روایت معجزات ہی تو ہے گو ہیئت تبدیل ہو گئی اور نام بدل گیا۔ جس طرح مدرسہ، مولف براہین قاطعہ کے اقرار کے مطابق، صفہ ہی تو ہے گو ہیئت بدل گئی، اور نام بدل گیا۔

نادان لوگ ہیئت کذائیہ ہی میں بلا وجہ سمع خراشی کیا کرتے تھے، مولف براہین نے صفہ کے نام و ہیئت کی تبدیلی، مدرسہ کے باب میں تسلیم کر کے ہم کو اس قسم کے جھگڑالوؤں سے نجات بخش دی کہ پرانی ہیئت کی تبدیلی اور ہیئت کذائیہ کا الحاق کسی نزاع کا باعث نہیں۔ اس بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ اگر بغور دیکھا جائے تو براہین قاطعہ درحقیقت ہمارے مخالف نہیں بلکہ ہمارے مدعا کے عین موافق ہے، اور ہم نے جن اصول و دلائل اور نظیروں کو انوارِ ساطعہ کے دعوؤں کے اثبات کے لیے جا بجا قائم کیا ہے، اہل نظر بلا تأمل ملاحظہ فرمائیں گے کہ ہماری ہر دلیل، دلیل صفہ کی دلیل سازی سے کہیں بلند و اعلیٰ ہے۔

معلوم رہے کہ اس کتاب میں جہاں ''براہین قاطعہ'' کا نام آئے گا تو فصل اور تمیز کے لیے اسے، مولوی رشید احمد گنگوہی کے چھپوانے اور شائع کرنے کی وجہ سے ''براہین قاطعہ گنگوہی'' لکھا جائے گا۔ اس لیے کہ براہین قاطعہ کے نام سے ایک اور رسالہ بھی ہے جس کا جواب ''دلائل ساطعہ قاطعہ براہین قاطعہ'' ہے۔

## لمعہ رابعہ - مفتیانِ فتاویٰ انکاری کے مسلم الثبوت علما و مشائخ کا تذکرہ :

واضح رہے کہ ان فتاویٰ کے (لکھنے والے) مفتیان کرام ہیں وہ ان دو عالموں - مولوی اسماعیل صاحب دہلوی اور مولوی اسحٰق صاحب دہلوی - کے معتقد ہیں، بعضوں کو ان صاحبوں کے خاندان میں واسطہ در واسطہ رابطہ شاگردی حاصل ہے، بعضوں کو مریدی و طالبی، اور بعضوں کو محض تقلید اور پیروی۔ تو مولوی اسماعیل صاحب کا خاندانِ طریقت یہ ہے کہ وہ سید احمد صاحب کے مرید ہیں اور وہ شاہ عبد

العزیز صاحب کے اور وہ شاہ ولی اللہ صاحب کے۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب کا سلسلہ اوپر کی طرف خاندانِ مجددیہ میں یوں چلتا ہے کہ وہ اپنے باپ شاہ عبدالرحیم صاحب کے مرید ہیں اور وہ سید عبداللہ سے اور وہ سید آدم بنوری سے اور وہ امام ربانی مجدد الف ثانی سے - الخ -

اپنے دوسرے سلسلہ کے بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب نے ''انتباہ'' میں یہ لکھا ہے :

اس فقیر نے شیخ ابوطاہر سے علم حدیث لیا، خرقہ تصوف پہنا اور خلافت پائی اور انھوں نے شیخ احمد قشاشی سے اور انھوں نے شیخ احمد شناوی سے اور انھوں نے اپنے باپ علی ابن عبد القدوس سے اور انھوں نے شیخ عبد الوہاب شعراوی سے اور انھوں نے شیخ جلال الدین سیوطی سے اور انھوں نے شیخ کمال الدین امام کاملیہ سے اور انھوں نے شیخ الاسلام ابوالخیر ابن الجزری شیخ القرا والمحدثین سے - الیٰ آخرہ -

الحاصل! یہ اوپر سلاسل مذکورہ میں درج ہوئے' بزرگواران' مفتیانِ فتاویٰ انکاری کے مقتدا اور پیشوا ہیں، اور ہم نے ان اسما کو ان کے مسلم الثبوت مشائخ کی کتابوں مثلاً ''انتباہ'' اور ''قول جمیل''، وغیرہ سے نقل کیا، اور یہ اس لیے کہ ہم جو قول یا دلیل پیدا کریں گے تو یا تو خود ان بزرگواروں کی تصانیف میں ہوگی یا ان بزرگواروں کی مسلم الثبوت کتابوں میں۔

## لمعہ خامسہ - بدعت حسنہ کا اثبات :

واضح ہو کہ یہ مسئلہ اصول دین متین سے ایک اصل عظیم ہے، اگر یہ ثابت ہو گیا تو سمجھ لیں کہ اکثر اختلافی مسائل طے ہو گئے۔ اس بنیاد پر پہلے ہم - اللہ کی قوت و مدد سے - اسی سے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔ اے حق کے طلب گارو! بیدار دل ہو کر سنو کہ بدعت حسنہ کے متعلق چند اقوال ہیں :

پہلا قول یہ ہے کہ جو امر قرونِ ثلاثہ یعنی صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ میں ایجاد ہوا وہ سنت ہے اور جو ان کے بعد ہوا وہ بدعت، اور ہر بدعت' گمراہی ہے۔

یہ مولوی اسماعیل صاحب کے مقلدوں کا قول ہے جو بارہا اپنے اعتراضوں میں پیش کرتے رہتے ہیں۔ اور رسالہ ''تذکیر الاخوان'' میں مولوی اسماعیل صاحب نے جو نظیر کی قید لکھی ہے تو اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اسی رسالہ کے ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ نظیر کا سمجھنا مجتہد کا کام ہے۔ تو اگر کوئی کام از روئے نظیر و مثل ان مجتہدین مطلق کے وقت میں ایجاد ہوگا تو جائز ہوگا ورنہ نہیں۔ چنانچہ اسی بنیاد پر مفتیانِ فتاویٰ انکاری میلاد و فاتحہ کو بدعت ٹھہرا چکے ہیں اور ان کی عبارتیں

لمعہ اولیٰ میں نقل ہو چکی ہیں کہ محفل میلاد کا انعقاد اور قیام چوں کہ قرونِ ثلاثہ سے ثابت نہیں ہوا، لہٰذا یہ بدعت ہے۔ (فتویٰ انکاری ثانی: ۱۷)

مولوی اسحٰق صاحب کے ''مائۃ مسائل'' کے پندرہویں سوال میں ہے :

معہٰذا در مولود ہم اختلاف است زیرا کہ در قرون ثلاثہ کہ مشہود لہم بالخیر است ایں امر معمول نہ بود بعد قرون ثلاثہ ایں امر حادث شدہ بنابریں علما در جواز آں مختلف شدہ اند - انتہیٰ -

یعنی اس کے ساتھ یہ بھی کہ مولود کے سلسلہ میں اختلاف ہوا ہے کیوں کہ قرون ثلاثہ - جس کی بہتری کی شہادت و دلیل موجود ہے - میں یہ امر رائج العمل نہیں تھا، قرون ثلاثہ کے بعد اس کی ایجاد ہوئی ہے، اسی بنیاد پر اس کے جواز کے بارے میں علما اختلاف رائے رکھتے ہیں۔

اس عبارت سے بھی ظاہر ہے کہ جو علما میلاد شریف سے منع کرتے ہیں وہ اس کام کے ان صدیوں میں نہ ہونے کے باعث منع کرتے ہیں نہ کہ نظیر نہ پائی جانے کی وجہ سے۔

''تحقیق الحق'' کے صفحہ ۳۷ میں ''تفہیم المسائل، قرۃ العیون'' سے نقل کیا ہے :

جو چیز ان تینوں صدی کے بعد ایجاد ہوئی وہ بدعت سیئہ، سراسر ظلمت اور موجب ضلالت ہے۔

''نصاب الفقہ'' میں ہے :

ہر آنچہ بدعت حسنہ مجتہدان قرارداد اند ہماں صحیح است اگر دریں زمان چیزے رابدعت حسنہ قرار دہند خلاف ست زیرا کہ در مصفی گوید کل بدعت ضلالۃ - انتہیٰ -

یعنی ہر وہ بدعت حسنہ جو مجتہدین کی متعین کردہ ہے وہ تو صحیح ہے۔ لیکن اس دور میں جس چیز کو بدعت حسنہ قرار دیا جائے تو وہ اس مقررہ قاعدے کے خلاف ہے کیوں مصفی میں کہا گیا ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

یہ مضمون مانعین کے چند رسائل میں موجود ہے۔ الحاصل! یہ لوگ ''تذکیر الاخوان'' کا مطلب اسی طرف پھیرتے ہیں کہ مجتہدین اربعہ تک جو ہوگیا' ہوگیا، آگے سب بدعت ضلالت ہے اور راقم الحروف کے نزدیک ''تذکیر الاخوان'' کی عبارت کے معنی وہ ہیں جو لمعہ رابعہ میں میلاد شریف کے مباحث میں لکھے جائیں گے، لیکن یہاں گفتگو اس سلسلے میں کی جاتی ہے جو ان کے مقلدین کا - فی زمانہ - قرارداد ہے۔ اور بعض لوگ اس گروہ کی یہ بات بھی زبان پر لاتے ہیں کہ بدعت حسنہ کوئی چیز

نہیں جو چیز بدعت ہوئی اس میں حسن کہاں؟ یہ بات ''رسالہ قنوجیہ'' وغیرہ میں درج ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جو چیز صحابہ اور تابعین کے بعد نکالی جائے وہ بدعت اور نامشروع ہے۔ یہ ''مائۃ مسائل'' کے ۸۴ ویں سوال میں لکھا ہے :

امریکہ منقول نہ باشد از آں حضرت وصحابہ وتابعین غیر مشروع است - الٰی آخرہ -

یعنی ہر وہ کام جو حضور - صلی اللہ علیہ وسلم -، صحابہ کرام اور تابعین سے منقول نہ ہو وہ خلاف شریعت ہے۔

تمامی مسئلہ ہذا میں لکھا ہے :

عدم نقل از حضرت وصحابہ وتابعین دلالت بر بدعت وکراہت فعل دارد - الٰی آخرہ -

یعنی حضور - صلی اللہ علیہ وسلم -، صحابہ کرام اور تابعین عظام سے اس کا نقل نہ ہونا اس کی بدعت اور کراہت کی دلیل ہے۔

پہلے قول میں تبع تابعین تک کی بات سنت معلوم ہوتی تھی اور اس قول میں صرف تابعین تک' کا قول مستند ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ صحابہ کا فعل تو سنت میں داخل ہے لیکن صحابہ کے بعد جو قول وفعل حادث ہو وہ بدعت اور ضلالت ہے۔ چنانچہ ''مکتوبات مجددیہ'' کی جلد اول کے مکتوب نمبر ۱۸۶ میں ہے :

ہر چہ در دین محدث ومبتدع گشتہ کہ در زمان خیر البشر وخلفاے راشدین او نہ بودہ - علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات - اگر چہ آں چیز در روشنی مثل فلق صبح بود ایں ضعیف را با جمعے کہ با او ہستند گرفتار عمل آں محدث بگرداند۔

یعنی ہر وہ چیز جس کی دین میں نئی ایجاد وساخت ہوئی مگر وہ حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - اور خلفاے راشدین کے زمانے میں رائج نہ تھی گر چہ وہ چیز سپیدۂ سحر کی طرح روشن ہی کیوں نہ ہو تو ایک بڑے گروہ کے اس پر عمل پیرا ہونے کے باوجود وہ عمل' محدث ہی شمار کیا جائے گا۔

اسی مکتوب کے آخر میں لکھا ہے :

**فعليكم بالاقتصار على متابعة سنة رسول الله - صلى الله عليه وسلم - والاكتفاء على اقتداء أصحابه الكرام .**

یعنی تمھیں رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کی سنت کی اتباع اور صحابہ کرام کی اقتدا پر اکتفا کرنا چاہیے۔

اب دیکھیے ! اگر اس کلام سے استدلال کیا جائے تو تابعی کا قول وفعل بھی نامستند اور واجب الاجتناب رہے گا۔

چوتھا قول یہ ہے کہ تابعین تو تابعین ہیں خود صحابہ کا بھی کچھ اعتبار نہیں ہے۔ ان کی باتوں کو بھی بدعت کہتے ہیں۔ ان علما کے نزدیک بدعت کے معنی یہ ہیں :

البدعة ما لم يكن في عهد رسول الله –صلى الله عليه وسلم– (۱)

یعنی بدعت وہ ہے جو کہ رسول اللہ –صلی اللہ علیہ وسلم– کے زمانہ میں نہ رہی ہو۔

پھر حضور –صلی اللہ علیہ وسلم– کے بعد اگر صحابہ بھی ایجاد کریں تو ان علما کے نزدیک وہ بدعت ضلالت ہے، اور غیر مقلدوں کا اسی پر عمل ہے کہ وہ خلفاے راشدین کے فعل کو بھی بدعت اور ناجائز کہتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ حضور –صلی اللہ علیہ وسلم– سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا :

تم میری اور خلفاے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔ (۲)

تو اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ "مسک الختام شرح بلوغ المرام" میں ہے کہ سنت خلفاے راشدین سے ایسا طریقہ مراد ہے جو حضور –صلی اللہ علیہ وسلم– کے طریقہ کے موافق ہو اور قواعد شریعت سے (یہ بات) معلوم ہے کہ کسی خلیفہ راشد کو (حق) نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے سوا کوئی طریقہ ایجاد کرے جس پر رسول اللہ –صلی اللہ علیہ وسلم– تھے – انتہیٰ ملخصاً –

"مفاتیح اسرار التراویح" میں ہے :

سنۃ الخلفاء سے ان کی وہی سنت مراد ہے جس میں وہ سنت نبوی کے متبع اور موافق ہیں نہ کہ وہ جس کے وہ خود موجد ہیں – الیٰ آخرہ –

پس ان بزرگواروں کے نزدیک بعض امور زائد کرنے کی وجہ سے، تو صحابہ کرام بھی بدعتی ٹھہرتے ہیں – نعوذ باللہ منہا –

---

(۱) الاتصاف فیما قیل فی المولد من الغلو والاجحاف: ۱/۱۸۔

(۲) عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين . (نصب الرایۃ لاحادیث الہدایہ: ۱/۲۴۸ – فصل فی البئر –...... کشف الخفاء: ۲/۲۰۶...... تلخیص حبیر: ۵/۴۹۸...... تخریج احادیث الاحیاء: ۹/۱۶ حدیث: ۴۰۱۶...... مشکل الآثار طحاوی: ۳/۱۸۳ حدیث: ۹۹۸...... الاوسط لابن منذر: ۱/۱۶۵ حدیث: ۱۲۸...... السنۃ محمد بن نصر مروزی: ۱/۵۸ حدیث: ۵۷...... الشریعۃ آجری: ۳/۲۹۲...... جامع بیان العلم وفضلہ ابن عبدالبر: ۳/۱۴۶ حدیث: ۱۰۸۰...... غریب الحدیث ابراہیم حربی: ۴/۳۵۲ حدیث: ۱۳۶۵۔

چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحب ''مصابیح التراویح'' میں لکھتے ہیں :

منکرین گیارہ رکعت کو سنت جانتے ہیں اور بیس کو بدعت۔

اب طالبانِ حق غور سے سنیں کہ یہ چاروں بیان کیے گئے اقوال بعض علما کے نزدیک شاذ اور مختلف فیہ ہیں۔ چوتھے قول کو تیسرا رد کرتا ہے، تیسرے کو دوسرا اور دوسرے کو پہلا۔ اور پہلا قول جو ہمارے معاصرین پیش کیا کرتے ہیں اور زیادہ تر اسی کو مستند ٹھہراتے ہیں تو اس میں جو خلل ہے اب اس عاجز سے اس کا بیان سنیے۔

واضح ہو کہ متقدمین و متاخرین میں کسی نے سنت کی تعریف یہ نہیں لکھی کہ سنت وہ شے ہے جو قرونِ ثلاثہ میں پائی جائے یا یہ کہ جو قرونِ ثلاثہ میں حادث ہو وہ سب سنت ہے۔ اور نہ کسی نے حدیث یا قول صحابہ یا تابعین و تبع تابعین سے یہ بات صراحۃً ثابت کی ہے۔ ہم نے بارہا اس مذہب والوں کو مہلت دی کہ مہینہ دو مہینہ برس دو برس میں کسی کتاب سے خود یا اپنے مددگاروں سے تلاش کرا کر کوئی ایسی معتبر حدیث ہم کو دکھا دو جس میں خاص یہ الفاظ ہوں کہ قرونِ ثلاثہ کے بعد جو بات نکلے گی وہ بدعت ہوگی اور جو عین قرون ثلاثہ میں ایجاد ہوگی وہ سنت ہوگی، اور اگر حدیث نہ ملی تو خاص یہی الفاظ جماعت صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین کی زبانی معتبر اسناد اور معتمد کتاب سے ارشاد فرمائے ہوئے ہم کو دکھاؤ، اس لیے کہ تمہارے نزدیک اعتماد و استناد قرون ثلاثہ پر ہی منحصر ہو گیا ہے، چنانچہ براہین قاطعہ گنگوہی کے صفحہ ۱۴۱ کی دوسری سطر میں اس کی تصریحی عبارت یوں ہے :

یہ ضرور اور واجب ہے کہ تمہید قواعد جواز و عدم جواز کی محدود بزمان ہے بعد قرون ثلاثہ کے جو کوئی قاعدہ تجویز ہو وہ ہر حال میں مردود ہوگا - انتہیٰ -

اسی لیے تو ہم قاعدہ کا بھی خاص قرون ثلاثہ ہی سے ثبوت مانگتے ہیں کہ طبقات مذکورہ میں سے کس طبقہ میں یہ قاعدہ جاری کیا گیا، اور اگر بعد میں یہ قاعدہ ایجاد ہوا یا اسی دور میں ہوا اور اس پر نکیر بھی واقع ہوئی تو یہ قاعدہ تمہاری قرارداد کے مطابق بدعت سیئہ ہوا جاتا ہے، اور تم: **مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ** کے مصداق ہوے جاتے ہو۔

الغرض! بارہا دلیل کا مطالبہ کیا گیا لیکن کوئی نہ لا سکا یہاں تک کہ مولف براہین قاطعہ بھی اس مقام پر ظاہری جوش و خروش دکھا کر حرف مدعا میں خاموش ہو گئے اور اپنی نئی پرانی کسی کتاب سے حسب شرائط مطلوبہ کوئی سند نہ لا سکے، اور لائیں بھی تو کہاں سے کہ سب کے سب فقط ایک حدیث پڑھ دیتے ہیں :

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ .(۱)

یعنی سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر اس سے لگا ہوا پھر اس سے لگا ہوا۔

---

(۱) التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر:۶/۴۲ حدیث:۲۶۶۴۔

اس مفہوم کی دوسری حدیثیں یوں ہیں :

- خیر کم قرني ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم . (بخاری:۹/۱۳۲حدیث:۲۴۵۷......مسند احمد:۸/ ۴۹۴ حدیث: ۳۹۵۹......سنن کبریٰ بیہقی: ۱۰/۴۷......سنن کبریٰ نسائی: ۳/۱۳۵حدیث:۴۷۵۱......معجم کبیر طبرانی: ۱۳/ ۱۴۸حدیث: ۱۴۹۸۵......دلائل النبوۃ بیہقی: ۸/۳۵حدیث: ۲۹۳۹......مستخرج ابوعوانہ: ۱۲/ ۴۸۹حدیث: ۵۱۸۰......مشکل الآثار: ۵/۴۴۳حدیث: ۲۰۵۲...... مسند ابن راہویہ: ۱/ ۲۵......مسند شاشی: ۲/۳۲۳حدیث: ۷۲۶......مسند ابن الجعد:۳/ ۱۹۱حدیث: ۱۰۵۳...... المقاصد الحسنۃ: ۱/۱۱۳......کنز العمال: ۱۱/۵۲۷ حدیث: ۳۲۴۵۷......مسند جامع:۳۳/ ۲۶۹حدیث:۱۰۹۰۵......تحفۃ الاشراف:۱۰/۳۰حدیث:۱۰۸۲۷)
- خیر الناس قرني ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم . (بخاری:۹/۱۳۲حدیث:۲۴۵۸......صحیح مسلم:۱۲/ ۳۵۸حدیث:۴۶۰۱......سنن ترمذی: ۸/ ۱۶۰حدیث: ۲۱۴۷......مشکوٰۃ المصابیح:۲/ ۳۵۷حدیث: ۳۷۶۷...... مسند احمد: ۷/ ۴۴۸حدیث: ۳۴۱۳......سنن کبریٰ بیہقی: ۱۰/۱۲۲......بغیۃ الحارث: ۱/۳۱۰حدیث: ۱۰۴۰......سنن کبریٰ نسائی:۳/۴۹۴ حدیث:۶۰۳۰ ...... مستدرک: ۱۱/ ۱۹۸حدیث: ۴۸۵۹......معجم کبیر طبرانی:۲/۴۱۳حدیث: ۲۱۴۳......صحیح ابن حبان:۲۷/۴۹۵ حدیث:۶۸۵۱ ......مسند عبد بن حمید:۱/۴۳۷حدیث:۳۸۶......معرفۃ الصحابہ: ۵/۱۵۷حدیث: ۱۵۶۸......مشکل الآثار: ۵/۴۴۵حدیث:۲۰۵۴......موارد الظمآن: ۱/ ۵۶۹......مسند بزار: ۵/ ۱۸۵حدیث: ۱۵۷۷......اخلاق وآداب السامع:۴/۸۰حدیث:۱۳۷۳......الکفایۃ فی علم الروایۃ خطیب بغدادی: ۱/۱۱۴حدیث: ۹۹ ...... مسند شاشی: ۲/ ۳۲۴حدیث: ۷۲۷......المطالب العالیہ:۱۲/۴۲حدیث: ۴۲۶۰......تثبیت الامامۃ وترتیب الخلافۃ ابونعیم اصبہانی:۱/۶ حدیث:۴......مسند الحارث:۴/۱۳۸حدیث:۱۰۲۳......معجم ابن الاعرابی: ۱/۱۳۵حدیث:۱۳۴......معجم الصحابہ: ۱/ ۴۱۸حدیث: ۲۴۹......معرفۃ علوم الحدیث: ۱/ ۸۱حدیث: ۶۷ ...... مجمع الزوائد ومنبع الزوائد: ۴/۳۲۳......المقاصد الحسنۃ: ۱/۱۱۳......نظم المتناثر: ۱/۱۹۹حدیث: ۲۴۰......کنز العمال: ۱۱/ ۵۲۶حدیث:۳۲۴۴۹......مسند جامع:۱۰/۱۴۰حدیث:۳۱۹۰......تحفۃ الاشراف:۹/۸۷حدیث:۹۴۰۳)
- خیر الناس قرني الذی أنا فیه ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم . (مسند احمد:۳۷/۳۸۲حدیث: ۱۷۷۰۱...... مجمع الزوائد ومنبع الزوائد:۴/۳۲۳......کنز العمال:۱۱/۵۲۶حدیث:۳۲۴۵۲)
- خیر أمتي القرن الذی أنا فیه ثم الذین یلونهم . (تثبیت الامامۃ وترتیب الخلافۃ ابونعیم اصبہانی:۱/۳حدیث:۱)
- خیر أمتي قرني ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم . (بخاری:۱۱/۴۸۱حدیث:۳۳۷۷......مسند ابویعلی موصلی: ۱۵/۲۲۷حدیث: ۷۲۵۴......مسند طیالسی: ۱/۳۰۸حدیث: ۲۹۳ ...... اخبار اصبہان: ۵/۳۸حدیث: ۱۲۷۹......الامثال رامہرمزی:۱/۶۷حدیث:۷۳......الکفایۃ فی علم الروایۃ خطیب بغدادی:۱/۱۱۲حدیث:۹۷...... مسند ابن الجعد:۳/۱۹۳حدیث: ۱۰۵۵......مجمع الزوائد ومنبع الزوائد:۴/۳۲۳......کنز العمال: ۱۱/۵۳۵حدیث: ۳۲۴۹۹......مشکوٰۃ المصابیح:۳/۳۰۸حدیث:۶۰۰۱)

اس استدلال کا حال یہ ہے :

**اولاً:** اس حدیث کے راوی حضرت عمران بن حصین صحابی - رضی اللہ عنہ - شک بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - نے اپنے قرن کے بعد دو قرن بیان فرمائے ہیں یا تین ۔ صحیح مسلم میں ہے :

**قَالَ عِمْرَانُ فَلاَ أَدْرِي أَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ - صلی الله علیه وسلم - بَعْدَ قَرْنِهِ قَرْنَيْنِ أَوْ ثَلاَثاً .**(۱)

یعنی حضرت عمران کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - نے اپنی صدی کے بعد دو یا تین صدیوں کا ذکر فرمایا۔

---

بقیہ :

- **خیر أمتي القرن الذین یلوني ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم .** ( صحیح مسلم:۱۲/۳۵۶ حدیث:۴۵۹۹......مسند ابویعلی موصلی:۱۰/۳۶۱ حدیث:۴۹۷۵......صحیح ابن حبان:۲۹/۴۷۶ حدیث:۷۳۴۶...... معجم ابن الاعرابی:۵/۴۳ حدیث:۲۰۳۵......مسند جامع:۲۸/۳۲۷ حدیث:۹۳۹۰)
- **خیر أمتي القرن الذی بعثت فیهم ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم .** ( صحیح مسلم:۱۲/۳۵۹ حدیث: ۴۶۰۲......سنن ابوداؤد:۱۲/۲۶۲ حدیث: ۴۰۳۸......سنن ترمذی:۸/۱۶۱ حدیث: ۲۱۴۸......مسند احمد:۱۴/۳۶۷ حدیث: ۶۸۲۶......مصنف عبدالرزاق:۱۱/۸۷ حدیث: ۱۹۹۹۶......معجم کبیر طبرانی:۱۳/۱۱۷ حدیث: ۱۴۹۳۱...... معرفة الصحابہ: ۱/۴۲ حدیث: ۳۱......مسند طیالسی: ۲/۴۳۳ حدیث: ۸۸۲...... مشکل الآثار: ۵/۴۴۴ حدیث: ۲۰۵۳......امالی بن بشران: ۱/۳۵۶ حدیث: ۳۳۷......مسند بزار: ۸/۴۴۸ حدیث: ۳۰۴۵......تثبیت الامامة و ترتیب الخلافة ابونعیم اصبہانی:۱/۴ حدیث: ۲......مسند ابن ابی شیبہ: ۱/۲۲۴ حدیث: ۲۱۴......معرفة علوم الحدیث: ۱/۸۷ حدیث:۷۲......مجمع الزوائد ومنبع الزوائد: ۴/۳۲۳......نظم المتناثر: ۱/۱۹۹ حدیث: ۲۴۰......کنز العمال: ۱۱/۵۳۴ حدیث:۳۲۴۹۴......مسند جامع:۶/۵۰۰ حدیث:۱۹۱۳......تحفة الاشراف:۱۰/۲۹ حدیث:۱۰۸۲۴)
- **إن خیر کم قرني ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم.** ( صحیح مسلم:۱۲/۳۶۰ حدیث:۴۶۰۳)
- **خیر هذه الأمة القرن الذی بعثت فیهم ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم .** (مسند احمد:۳۷/۳۰۷ حدیث:۱۷۶۲۶......معجم کبیر:۱۳/۱۱۸ حدیث:۱۴۹۳۲......مسند رویانی:۱/۶۳ حدیث:۵۵)
- **خیر هذه الأمة قرني ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم .** (معجم کبیر طبرانی:۹/۷ حدیث: ۱۰۱۸۳......مشکل الآثار:۵/۴۴۸ حدیث:۲۰۵۷......مسند شاشی:۲/۳۲۶ حدیث:۷۲۹)

(۱) صحیح بخاری:۹/۱۳۲ حدیث: ۲۴۵۷-۱۱/۴۸۱ حدیث: ۳۳۷۷......صحیح مسلم: ۱۲/۳۶۰ حدیث: ۴۶۰۳......سنن بیہقی:۱۰/۱۲۳......سنن نسائی:۳/۱۳۵ حدیث:۴۷۵۱......مستخرج ابی عوانہ:۱۲/۴۸۹ حدیث:۵۱۸۰......مسند شاشی: ۲/۳۲۷ حدیث:۷۳۰......مسند ابن جعد:۳/۱۹۱ حدیث:۱۰۵۳......مسند جامع:۳۳/۲۶۹ حدیث:۱۰۹۰۵۔

بخاری شریف میں بھی یوں ہی ہے۔
مسلم میں عبداللہ بن مسعود سے بھی اس حدیث کی روایت آئی ہے اور اس میں بھی شک ہے :

قَالَ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ فَلاَ أَدْرِيْ فِي الثَّالِثَةِ أَوْ فِي الرَّابِعَةِ قَالَ ثُمَّ يَتَخَلَّفُ مِنْ بَعْدِهِمْ ...(۱)

یعنی وہ جو ''پھر اس کے بعد والے'' کا ذکر آیا ہے تو مجھے نہیں معلوم کہ تیسری صدی تک کہا یا چوتھی صدی تک۔ پھر فرمایا کہ کچھ ایسے لوگ ہوں گے....

اس سلسلہ کی حضرت ابو ہریرہ-رضی اللہ عنہ-کی روایت میں بھی شک ہے :

قَالَ أَبُوهُرَيْرَةُ فَلاَ أَدْرِيْ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلاَثاً .

یعنی مجھے نہیں معلوم کہ حضور نے ایسا دومرتبہ فرمایا یا تین مرتبہ۔

بخاری ومسلم کے علاوہ دیگر محدثین بھی شک بیان کررہے ہیں کہ حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-نے اپنے قرن کے بعد دوقرون بیان فرمائے یا تین۔ جب اپنے بعد تین قرن بیان فرمانے کا شک ہے تو چار قرن کا احتمال بھی صحیح روایتوں سے پیدا ہوگیا (تو چاہیے تو یہ تھا کہ) چار قرن تک کی بات اس فریق کے نزدیک سنت ہو پھر قرون اربعہ کے بعد جو پیدا ہو وہ بدعت ضلالت وسیئہ ہو۔ لہٰذا قرونِ ثلاثہ کا قاعدہ صحیح روایتوں کی روشنی میں مشکوک ٹھہرا۔

**ثانیا**: یہ کہ اس حدیث میں لفظ قرن واقع ہوا ہے اور یہ کئی معنوں میں مشترک ہے۔ قرن، سیدالقوم کو بھی کہتے ہیں-کذا فی القاموس-

بعضوں نے کہا کہ قرن مطلق زمانہ کو کہتے ہیں۔

بعض نے کہا مقید زمانہ کو کہتے ہیں۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے دس برس یا چالیس برس یا ستر برس یا سو برس یا ایک سو بیس برس۔

شرح مسلم میں ہے :

قَالَ الْحَسَنُ وَغَيْرُه : الْقَرْنُ عَشْرُ سِنِيْنَ ، وَ قَتَادَةُ سَبْعُوْنَ ، وَ النَّخَعِيُّ أَرْبَعُوْنَ ، وَ زُرَارَةُ بْنُ أَبِي أَوْفٰى مِائَة وَ عِشْرُوْنَ ، وَ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ مِائَة ، وَ قَالَ ابْنُ الأَعْرَابِيُّ : هُوَ الْوَقْتُ -انتهىٰ-(۲)

---

(۱) مسلم شریف:۳۵۸/۱۲حدیث:۴۶۰۱۔
(۲) شرح نووی علی مسلم:۳۱۴/۸۔

یعنی حسن وغیرہ فرماتے ہیں کہ صدی بیس سال کی ہوتی ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ستر سال کی۔ نخعی نے چالیس سال فرمایا ہے۔ زرارہ بن ابی اوفی نے ایک صدی کے ایک سو بیس سال شمار کیے ہیں۔ عبدالملک بن عمیر نے سو سال۔ اور ابن الاعرابی نے وقت ہی کو صدی قرار دیا ہے۔

بعض نے کہا کہ اس سے اہل زمانہ مراد ہیں۔ قرن ایک طبقہ کے آدمیوں کو کہتے ہیں :

أَنَّ الْقَرْنَ كُلّ أُمَّةٍ هَلَكَتْ فَلَمْ يَبْقَ مِنْهَا أَحَدٌ .(۱)

یعنی مکمل ایک طبقہ کے لوگ قرن کہلاتے ہیں۔

اس تقریر پر بعضوں نے کہا کہ حدیث میں "**قرني**" سے اصحاب، "**الذين يلونهم**" سے ان کی اولاد، اور دوسرے "**الذين يلونهم**" سے اولاد کی اولاد مراد ہیں۔

بعض نے کہا کہ اول وہ جنھوں نے آپ کا جمال با کمال دیکھا پھر جس نے ان کو دیکھا پھر جس نے ان کو دیکھا۔

بعض نے کہا کہ اس لفظ سے اول صحابہ مراد ہیں، دوسرے تابعی اور تیسرے تبع تابعی۔ یہ سب اقوال شرح مسلم میں موجود ہیں، تو لفظ قرن معانی کثیرہ میں مشترک ٹھہرا، اور لفظ مشترک قطعیت اور یقین کا فائدہ نہیں دیتا۔ اور اس کا حکم توقف ہے جیسا کہ علم اصول میں یہ قاعدہ مقرر ہے۔

**ثالثا**: یہ کہ لفظ مشترک میں غور وخوض کر کے متعدد معنوں میں سے کسی ایک معنی کو جب دلائل وقرائن کے ذریعہ ترجیح دے کر عمل کے لیے لے لیا کرتے ہیں تو اس کا حال بھی مختلف ہوتا ہے کوئی کسی کو ترجیح دیتا ہے کوئی کسی کو۔ مولوی عبدالجبار اور امداد علی صاحب اپنے رسائل میں عینی شرح بخاری سے نقل کرتے ہیں :

**هذا إنما كان في زمن النبي -صلى الله عليه وسلم- و الخلفاء الراشدين إلى انقضاء القرون الثلاثة وهي تسعون سنة و أما بعد فقد تغيرت الأحوال و كثرت البدع -إلى آخره-**

قرون ثلاثہ یعنی نوے ہجری ختم ہونے تک' نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- اور خلفاے راشدین کے زمانے میں ایسا ہی تھا، پھر اس کے بعد حالات بدل گئے اور بدعتوں کی بہتات ہوگئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ سن نوے ہجری پر قرون ثلاثہ کی نوبت تمام ہو چکی۔

(۱) شرح نووی علی مسلم: ۳۱۴/۸۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ''ازالۃ الخفاء'' - مطبوعہ بریلی - کے صفحہ ۵۷ میں لکھتے ہیں :

**و أما ما يستدل به على خلافتهم من حديث القرون الثلاثة فقد أخرج أحمد عن إبراهيم عن عبيدة عن عبد الله قال قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم- خير الناس قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم يأتي بعد ذالک قوم تستبق شهادتهم ايمانهم و ايمانهم شهادتهم .** وبنائے ایں استدلال بر توجیہ صحیح ست کہ اکثر احادیث شاہد آن ست قرن اول از زمان ہجرت آنحضرت است -صلی اللہ علیہ وسلم- تا زمان وفات وے صلی اللہ علیہ وسلم وقرن ثانی از ابتدائے خلافت حضرت صدیق تا وفات حضرت فاروق - رضی اللہ عنہما - وقرن ثالث قرن حضرت عثمان - رضی اللہ عنہ - و ہر قرنے قریب بہ دوازدہ سال بودہ است - انتہیٰ ۱۲ -

یعنی خلافت راشدہ کے سلسلے میں حدیث خیر القرون سے جو استدلال کیا گیا ہے تو اس کا معاملہ یہ ہے کہ امام احمد نے ابراہیم، عبیدہ اور عبداللہ کے حوالے سے تخریج کی ہے کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے فرمایا: سب سے بہتر زمانہ تو میرا زمانہ ہے، پھر اس سے ملا ہوا پھر اس سے ملا ہوا، اور اس کے بعد پھر ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ ان کی شہادتیں ان کی قسموں پر اور ان کی قسمیں ان کی شہادتوں پر بازیاں لے جائیں گی۔ اس استدلال کی بنیاد صحیح توجیہ پر ہے کہ اکثر حدیثیں اس پر روشنی ڈالتی ہیں کہ ہجرت رسول -صلی اللہ علیہ وسلم- سے لے کر وصالِ حبیب -صلی اللہ علیہ وسلم- تک کا زمانہ قرن اول، خلافت حضرت صدیق اکبر - رضی اللہ عنہ - کے آغاز سے لے کر حضرت عمر فاروق - رضی اللہ عنہ - کی وفات تک کا زمانہ قرن ثانی، اور حضرت عثمان - رضی اللہ عنہ - کا زمانہ قرن ثالث کہلاتا ہے اور ہر زمانہ قریبا بارہ سال کی مدت پر محیط رہا ہے۔

مجمع البحار کی جلد سوم صفحہ ۵۴۶ میں حضرت عثمان - رضی اللہ عنہ - کی وفات سے متعلق لکھا ہے :

وَ قُتِلَ لِثَانِي عَشَرَ مِنْ ذِی الْحِجَّة لِسَنَةِ خَمْسٍ وَّ ثَلاثِیْنَ .

یعنی حضرت عثمان غنی - رضی اللہ عنہ - ۱۲ ذی الحجہ - ۳۵ھ - (654ء) میں شہید کیے گئے۔

لہٰذا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تقریر کے مطابق ۳۵ ہجری میں قرون ثلاثہ کا خاتمہ ہو گیا۔

جناب مولانا احمد علی صاحب محدث مرحوم سہارن پوری فرماتے تھے کہ خیر القرون کے یہ معنی

نہایت موزوں اور چسپاں ہیں۔اسلام کی شوکت جبھی تک خوب رہی ، پھر خانہ جنگی شروع ہوگئی، اور قرون ثلاثہ کی خیریت کم ہوگئی۔

تکملہ مجمع البحار کے صفحہ ۱۴۴ میں ہے :

**و قد ظهر أن مدة ما بين البعثة إلى آخر من مات من الصحابة مائة و عشرون سنة بالتقريب و إن اعتبرت وفاته كان مائة و اما قرن التابعين فإن اعتبر من سنة مائة كان نحو سبعين و اما من بعدهم فان اعتبر من سنة مائة كان نحو خمسين فظهر أن عدة القرن يختلف باعتبار أعمار أهل كل زمان و اتفق أن آخر أتباع التابعين من عاش إلى عشرين و مائتين -الیٰ آخره-**

یعنی یہ بدیہی بات ہے کہ بعثت رسول سے لے کر آخری صحابہ کی وفات تک کا زمانہ قریبا ۱۲۰ سال پر محیط ہے۔اور اگر وفات کا اعتبار کرلیا جائے تو سو سال مزید۔اور تابعین کے دور کا اگر سن ۱۰۰ سے اعتبار کیا جائے تو قریبا ستر سال پر محیط ہوگا پھر ان کے بعد اگر سن ۱۰۰ سے مانا جائے تو قریبا پچاس سال ہوگا لہٰذا یہ بات واضح ہوگئی کہ صدیوں کا شمار ہر دور کے لوگوں کی عمروں کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے۔اور یہ متفقہ بات ہے کہ تبع تابعین کا سلسلہ ۲۲۰ میں ختم ہوا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ قرون ثلاثہ کی مدت ۲۲۰ ہجری کے بعد تمام ہوئی۔

اب دیکھیے کہ قول اول کے مطابق تو یہ چاہیے تھا کہ جن چیزوں کو مجتہدین بدعت حسنہ قرار دے کر بقیاس واجتہاد جائز فرما چکے ہیں وہ بھی سب بدعت ضلالت اور سیئہ ٹھہریں کیوں کہ مجتہدین اربعہ کا افتا واجتہاد نوے سال کے بعد شائع ہوا ہے اس سے پہلے نہیں۔اور قول ثانی کے موافق خود صحابہ کرام کی باتیں حضرت عثمان - رضی اللہ عنہ - کے عہد کے بعد بدعت ٹھہرتی ہیں۔اور قول ثالث کے موافق اکثر مذاہب مبتدعین مثلا روافض وخوارج ، مرجیہ وقدریہ اور معتزلہ سب سنت میں داخل ہوئے جاتے ہیں کیوں کہ یہ سب مذاہب دوسوبیس (۲۲۰) سال سے پہلے ایجاد ہو چکے تھے اور ان لوگوں کے نزدیک جو چیز خیر القرون میں ایجاد ہوئی سنت ہے تو ان سب مبتدعین کی بدعتیں سنت ہوئیں۔

**اعتـــراض:** بعض لوگ ان اعتراضات سے بچنے کے لیے جو یہ قید لگاتے ہیں کہ جو چیز قرون ثلاثہ میں بلانکیر رائج ہوئی وہ سنت ہے اور جس پر انکار ہوا وہ بدعت۔

**جواب**: اس کا جواب یہ ہے کہ اس فقرہ کی سند بھی ہم قرون ثلاثہ سے طلب کرتے ہیں۔ حدیث صحیح یا جماعت صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین سے دلیل لاؤ کہ کس نے یہ فقرہ روایت کیا ہے؟۔

**اولاً**: تمہارا یہ فقرہ ہی بالکل غیر مستند اور غیر مسلم ہے۔

**ثانیاً**: اگر تم اس کو مان لوگے تو تمہاری بہت ساری چیزیں جن کو تمہارے پیشوا، مقتدا، واعظین، مدرسین اور محدثین استعمال کرتے چلے آرہے ہیں، بدعت ضلالت اور سیئہ مظلمہ ہو جائیں گی۔

اب لیجیے دو چار باتیں سنتے چلیے۔

شرح بخاری میں ہے کہ جدید اور محدَث چیزوں میں سے کتابی شکل میں احادیث کا جمع کرنا، قرآن کی تفسیر کرنا، مسائل فقہ کو جمع کرنا، اور اعمال قلوب سے متعلق چیزوں کو جمع کرنا بھی ہے، تو پہلی بات پر عمر، ابوموسیٰ اور ایک جماعت - رضی اللہ عنہم - نے انکار کیا مگر اکثر نے اس کی اجازت دی۔ دوسری بات پر تابعین شعبی وغیرہ کی ایک جماعت نے انکار کیا۔ اور تیسری بات پر امام احمد اور ایک جماعت نے انکار کیا - الیٰ آخرہ -

اب قرآن کریم کی کتابت میں اختلاف دیکھیے۔ احیاء العلوم وغیرہ میں ہے کہ حضرت حسن بصری اور ابن سیرین انکار کرتے تھے کہ قرآن شریف میں تخمیس و تعشیر لکھے جائیں۔ اور شعبی و ابراہیم زبر زیر لکھنے کو مکروہ جانتے تھے، اور ہدایہ وغیرہ میں ہے کہ زبر زیر لکھنے کو ہمارے جملہ ائمہ متقدمین مکروہ جانتے تھے۔

شرح بخاری میں سند صحیح کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود انکار فرماتے تھے کہ **قل أعوذ برب الفلق** اور **قل أعوذ برب الناس** قرآن میں لکھی جائیں، اور یہ بھی روایت ہے کہ وہ جہاں لکھی دیکھتے تھے، ان دونوں سورتوں کو چھیل دیتے تھے۔

فقہ حنفی کی کتابوں میں ہے کہ حضرت امام اعظم، ابو یوسف اور محمد - رحمۃ اللہ علیہم اجمعین - قرآن، حدیث اور فقہ کی پڑھائی کو درست نہیں جانتے تھے، یوں ہی اجرت پر وعظ اور اذان و امامت بھی۔

جس وقت مدرسہ (باقاعدہ) معین ہوا تو اس پر علما نے انکار کیا۔ ''کشف الظنون'' میں ہے کہ جب علمائے ماوراء النہر کو خبر پہنچی کہ بغداد میں مدرسے قائم ہو گئے ہیں تو وہ بہت غمگین ہوئے کہ اب تک ابرار طالب آخرت (متقی و پرہیزگار لوگ) خالصاً للہ پڑھتے پڑھاتے تھے، نتیجتاً ان میں کچھ کاملین نکل آتے تھے، اب جب کہ اُجرت متعین ہوگئی تو علما دنیا کے طلب گار ہو بیٹھے۔

مواہب وغیرہ میں ہے کہ ابن ابی شیبہ نے ابن عمر - رضی اللہ عنہما - سے روایت کی کہ انھوں نے فرمایا :

**الأذان الأول يوم الجمعة بدعة .**

یعنی بروز جمعہ پہلی اذان بدعت ہے۔

حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - کے زمانہ میں صرف وہی ایک اذان تھی جو خطبہ سے پہلے کہی جاتی تھی اب جو اس کے پہلے ایک اور اذان کا اضافہ ہو گیا تو ابن عمر - رضی اللہ عنہما - نے اس کو بدعت فرمایا۔

تفسیر عزیزی پارۂ الم میں ہے کہ ابراہیم نخعی، اعمش، ابوموسیٰ اشعری، حسن بصری، سعید بن مسیّب، عبد اللہ بن عمر، امیر المومنین عمر فاروق، اور عبد اللہ ابن مسعود - رضی اللہ عنہم - قرآن شریف کی بیع کو برا جانتے تھے اور اس پر نکیر فرماتے تھے۔

الحاصل! صحابہ و تابعین کے اختلاف اور نکیر کو کہاں تک شمار کیا جائے۔ اگر یاروں کا گڑھا ہوا یہ قاعدہ صحیح مان لیا جائے تو تمام روئے زمین پر کوئی آدمی سنی نہ نکلے گا کسی نہ کسی بدعت میں ضرور گرفتار ہوگا کیوں کہ ایسی باتیں بہت کم ہیں جن پر کسی کا انکار نہ ہوا ہو، اور چند باتیں جو ہم نے اوپر لکھی ہیں وہ محض ایک جھلک ہیں۔ لباس وطعام، نکاح ومعاملات اور مسجد وفرش کی تعمیر سے متعلق بہت ساری چیزیں ہیں جن پر انکار ہوا ہے مگر منکریں اب انھیں بلا انکار استعمال کیے جا رہے ہیں۔

یہ قاعدہ یاد رکھیں کہ منکرین اس بات کو مان چکے ہیں کہ ایک آدمی کا انکار بھی معتبر ہے اور اجماع کو توڑ دیتا ہے۔ پھر منکرین میلاد اپنی عبادات ومعاملات میں سوائے متفق علیہ فرائض کے دکھا دیں کہ ان کی کون کون سی بات ایسی اجماعی ہے کہ جس میں کسی ایک کا بھی قرون ثلاثہ میں اختلاف وانکار نہ ہوا ہو۔ لہٰذا واضح ہونا چاہیے کہ اس فقرہ اور اس قاعدہ کے ماننے میں تمام اہل اسلام کے عقائد واعمال درہم برہم ہوئے جاتے ہیں۔

**رابعا:** اگر صحابہ کرام - رضی اللہ عنہم اجمعین - نبی کریم - صلی اللہ علیہ وسلم - کی اس حدیث سے یہ قاعدہ سمجھ جاتے تو تین صدیوں تک کسی چیز کی ایجاد پر ہرگز انکار نہ فرماتے۔ حالاں کہ صحابہ نے اپنے زمانہ میں بہت ساری ایجادات پر انکار فرمایا ہے۔ اس حدیث خیر القرون کے راوی عبد اللہ بن مسعود بھی ہیں - جیسا کہ صحیحین میں ہے - تو اب دیکھیے کہ انھوں نے جہر کے ساتھ ذکر اللہ

کرنے والی ایک جماعت کو دھمکایا اور ان کے فعل کو بدعت قرار دیا ہے۔ کتب فقہ و حدیث میں یہ روایت موجود ہے حالاں کہ وہ لوگ ان کے ہم عصر تھے یا صحابہ تھے یا تابعین، اس حدیث کے موافق ان کا یہ فعل اگر سنت ہوتا تو اس حدیث کے راوی عبد اللہ صحابی ان کو کیوں منع فرماتے۔

**خـــامســـا**: صحابہ اور تابعین اس حدیث کے یہ معنی کس طرح سمجھتے، وہ تو کلام کا مغز سمجھنے والے تھے، استدلال کا کوئی قاعدہ اس حدیث شریف سے نہیں بن پڑتا اس لیے کہ مراد شارع سمجھنے کے لیے قواعد یہ ٹھہرے ہیں کہ مدعا یا عبارۃ النص یا اشارۃ النص یا دلالۃ النص یا اقتضاء النص سے ثابت ہوگا اور عبارۃ النص کے اندر یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ مدعا کے الفاظ ظاہر ہوں اور کلام اسی مدعا کے لیے واقع ہوا ہو۔

منار میں ہے :

**و أما الاستدلال بعبارة النص فهو العمل بظاهر ما سيق الكلام له .**(۱)

یعنی عبارت النص سے استدلال کے لیے کلام و مدعا' ظاہر ہونے چاہئیں۔

یہاں ظاہر ہے کہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔

مسلم شریف کی حدیث ہے :

**سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ –صلى الله عليه وسلم– أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ قَالَ قَرْنِي .**(۲)

یعنی نبی کریم –صلی اللہ علیہ وسلم– سے پوچھا گیا کہ آدمیوں میں کون سے آدمی اچھے ہیں؟

آپ نے فرمایا: میری صدی کے۔

یہاں لوگوں نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ کس کی ایجاد بدعت ہوگی اور کس کی سنت۔ اور نہ ہی حضور –صلی اللہ علیہ وسلم– نے اپنی طرف سے اس قاعدہ کو یہاں بیان فرمایا۔ کم سے کم پڑھا آدمی بھی جان سکتا ہے کہ احکام و معانی' الفاظ سے پیدا ہوا کرتے ہیں۔ پھر اس حدیث میں بدعت، سنت اور احداث کے الفاظ کہاں ہیں۔ لہٰذا یہ استدلال' عبارۃ النص سے نہ ہوا۔ اور اقتضاء النص سے بھی نہیں کیوں کہ اقتضا کی تعریف تلویح کے صفحہ ۱۳۵ پر یہ ہے :

---

(۱) منار: ۱۵۰...... کشف الاسرار: ۱/۱۸۱ – الاستدلال بعبارۃ النص –

(۲) صحیح بخاری: ۲۰/۳۴۵ حدیث: ۶۱۶۶ ...... صحیح مسلم: ۱۲/۳۵۷ حدیث: ۴۶۰۰ ...... سنن بیہقی: ۱۰/۴۵ ...... معجم طبرانی: ۸/۹ حدیث: ۱۰۱۸۴ ...... مسند ابو یعلی موصلی: ۱۰/۴۰۱ حدیث: ۵۰۱۵ ...... صحیح ابن حبان: ۱۸/۱۵۷ حدیث: ۴۴۰۵ ...... معرفۃ الصحابہ اصبہانی: ۱/۴۱ حدیث: ۳۰ –

**دلالة اللفظ على معنى خارج يتوقف عليه صدقُه أو صحتُه – إلى آخره –**(۱)

یعنی لفظ کی دلالت ایک ایسے معنی خارجی پر ہو رہی ہو جس پر اس کا صدق اور اس کی صحت موقوف ہو۔

تو قرونِ ثلاثہ کی 'خیریت' کے صدق وصحت کے لیے یہ بات کب لازم ہے کہ اگر ان کی ایجاد سنت ہو جائے تو ان کی 'خیریت' بھی ثابت ہو جائے، اور نہیں تو نہیں۔ لہٰذا یہ اقتضاء النص بھی نہ ہوا۔

اب رہی بات دلالۃ النص اور اشارۃ النص کی؛ تو اگر 'خیر القرون' کے لفظ 'خیر' سے یہ بات ثابت کرنا چاہیں تو یہ قاعدۂ شرعی پیش کریں کہ اچھا (اگر کوئی) آدمی اصول شرع کے مطابق یا غیر موافق جو کچھ ایجاد و احداث کر دیا کرے تو کیا وہ سب کچھ خیر ہوتا ہے؟ حالاں کہ یہ بالاتفاق غیر مسلم ہے۔ عنقریب قرونِ ثلاثہ کے چند ایسے واقعے قول پنجم - بدعت - میں ہم بیان کریں گے کہ وہ کسی کے نزدیک معمول بہ نہیں ہیں۔

لہٰذا واضح ہو گیا کہ مرادِ شارع جاننے کے وہ چاروں طریقے یہاں نہیں چل پائیں گے اور جہاں پر ان چار طریقوں سے سوا استدلال کیا جائے تو اس کی بابت ''نور الانوار'' میں لکھا ہے :

**فهو من الاستدلالات الفاسدة .**

یعنی ایسے سارے استدلال فاسد اور باطل قرار پائیں گے۔

اس سے قطع نظر ہم کہتے ہیں کہ اگر لفظ خیر سے ان کا استدلال ہے کہ جب وہ لوگ خیر ہیں تو ان کی ایجاد بھی خیر ہی ہوگی۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ لفظ 'خیر' تو بہت سی حدیثوں میں آیا ہے۔ مثلا عشرۂ مبشرہ میں سے ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابوعبیدہ بن الجراح سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - سے پوچھا :

**يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَحَدٌ خَيْرٌ مِّنَّا أَسْلَمْنَا وَ جَاهَدْنَا مَعَكَ قَالَ نَعَمْ قَوْمٌ يَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِكُمْ يُومِنُونَ بِي وَ لَمْ يَرَوْنِي .** (۲)

---

(۱) تلویح علی التوضیح: ۲/۳۵-التقسیم الرابع فی کیفیۃ دلالۃ ....-

(۲) مشکوۃ المصابیح : ۳/۲۷۲حدیث: ۶۲۹۱ ...... مسند احمد: ۳۴/ ۳۳۷حدیث: ۱۶۳۶۳......مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۴/ ۳۳۶حدیث: ۱۶۳۶۲......مستدرک حاکم: ۱۶/۳۱۳حدیث: ۷۰۹۳......معجم طبرانی: ۴/۱۲حدیث: ۳۴۵۷......سنن دارمی: ۸/۴۲۱حدیث: ۲۸۰۰......مسند ابی یعلی موصلی: ۴/۱۰۵حدیث: ۱۵۲۶......مسند حمیدی: ۴/۱۰۵حدیث: ۱۵۲۶......مشکل الاثار طحاوی: ۵/۴۴۰......معجم الصحابہ: ۲/۳۸حدیث: ۳۲۰......معرفۃ الصحابہ: ۱۹/۴۹۷حدیث: ۶۱۲۸......کنز العمال: ۱۴/ ۴۶حدیث: ۳۷۸۹۵......المسند الجامع: ۱۱/۷۷حدیث: ۳۲۴۸......روضۃ المحدثین: ۳/۴۶۳حدیث: ۱۲۳۸۔

یعنی یارسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم-! بھلا کوئی ہم سے بھی اچھا ہوسکتا ہے کہ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کے ساتھ ہو کر جہاد کیے۔ آپ نے جواب دیا: ہاں! تمہارے بعد تم سے اچھے وہ لوگ ہوں گے جو بن دیکھے مجھ پر ایمان لے آئیں گے۔

مشکوٰۃ کے اندر موجود اس حدیث کو احمد اور دارمی نے روایت کیا ہے۔

اب دیکھیے کہ اس میں خیر القرون کی طرح لفظ 'خیر' موجود ہے تو چاہیے کہ بعد کے آدمیوں کا نکالا ہوا فعل بھی سنت ہو اور بدعت میں داخل نہ ہو۔

ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے فرمایا :

طُوبىٰ لِمَنْ رَآنِي وَ طُوبىٰ سَبْعَ مَرَّاتٍ لِّمَنْ لَمْ يَرَنِي وَ آمَنَ بِي . (۱)

یعنی خوش حالی ہوا سے جسے میری زیارت نصیب ہوئی اور ان لوگوں کو سات بار خوشحالی نصیب ہو جنھوں نے مجھے دیکھا تو نہیں مگر مجھ پر ایمان لائے۔

یہ حدیث بھی مشکوٰۃ کے اندر موجود ہے۔

حدیث میں آیا ہے :

مَثَلُ أُمَّتِي مَثَلُ الْمَطَرِ لا يُدْرىٰ أَوَّلُهُ خَيْرٌ أَمْ آخِرُهُ . (۲)

یعنی میری امت کی مثال مینہ کی سی ہے، نہیں معلوم کہ اس کا اول بہتر ہے یا اس کا آخر۔

(۱) مشکوٰۃ المصابیح: ۳/۲۷۲ حدیث: ۶۲۸۱ ...... مسند احمد: ۴۵/۱۸۲ حدیث: ۲۱۱۸۷ ...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۵/۱۸۲ حدیث: ۲۱۱۸۷ ...... معجم طبرانی: ۷/ ۲۹۸ حدیث: ۷۹۳۴ ...... مسند ابی یعلی موصلی: ۷/ ۴۱۱ حدیث: ۳۲۹۷ ...... مسند حمیدی: ۷/۴۱۱ حدیث: ۳۲۹۷ ...... مسند عبد بن حمید: ۲/ ۳۸۸ حدیث: ۱۷۷ ...... مسند طیالسی: ۳/۳۱۵ حدیث: ۱۲۱۵ ...... الاحادیث المرفوعہ من التاریخ الکبیر بخاری: ۱/۳۶۲ حدیث: ۳۶۲ ...... کنز العمال: ۱/ ۶۷ حدیث: ۲۴۷۔

(۲) سنن ترمذی: ۱۰/ ۹۶ حدیث: ۲۷۹۵ ...... سنن نسائی: ۱۰/۹۶ حدیث: ۲۷۹۵ ...... مسند احمد: ۲۴/ ۴۲۴ حدیث: ۱۱۸۷۸ ...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۴/۴۲۴ حدیث: ۱۱۸۷۸ ...... معجم طبرانی: ۹/۲۵۹ حدیث: ۴۲۰۶ ...... مسند ابو یعلی موصلی: ۸/۲۴۳ حدیث: ۳۶۱۷ ...... مسند حمیدی: ۸/۲۴۳ حدیث: ۳۶۱۷ ...... صحیح ابن حبان: ۲۹/ ۴۸۲ حدیث: ۷۳۴۹ ...... مسند شہاب قضاعی: ۵/ ۳۷ حدیث: ۱۲۴۵ ...... مسند طیالسی: ۲/ ۲۱۶ حدیث: ۶۷۵ ...... مشکوٰۃ المصابیح : ۳/ ۳۷۱ حدیث: ۶۲۷۷ ...... مجمع الزوائد: ۴/ ۳۵۶ ...... المقاصد الحسنہ : ۱/ ۱۹۹ ...... الدرر المنتثرہ من الاحادیث المشتہرہ: ۱/ ۱۷ ...... کشف الخفا: ۲/ ۱۹۷ حدیث: ۲۲۶۶ ...... کنز العمال: ۱۲/ ۱۶۲ حدیث: ۳۴۴۸۵ ...... المسند الجامع: ۵/ ۷۰ حدیث: ۱۵۴۱ ...... تحفۃ الاشراف: ۳/ ۱۰۴ حدیث: ۳۹۱۔

محدثین لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ میری پوری کی پوری امت خیر ہے جیسے مینہ اول سے آخر تک اچھا ہوتا ہے۔ لہٰذا ان احادیث کے سبب چاہیے کہ آخر امت کی ایجاد بھی سنت ہو جس طرح خیر القرون کی ایجاد کو سنت کہتے ہو۔ اور اگر افضلیت سے خیریت جزئی نہیں بلکہ خیریت کلی مراد لو گے تو صحابہ کی خیریت کلی صرف تابعین اور تبع تابعین ہی پر ہونی چاہیے کہ بعد کی دو مفضول صدی کی ایجاد بھی جائز نہ ہو۔ اور اگر عام مراد لیتے ہو کہ خیریت خواہ کلی ہو خواہ جزئی تو خیریت جزئی میں وہ سب افراد شامل ہیں جن کی نسبت احادیث میں لفظ خیر وارد ہوا ہے تو چاہیے کہ ان کی ایجاد بھی درست ہو۔

واضح ہو کہ یہاں تک کلام' ان کے جملہ اولیٰ کہ - جو امر قرون ثلاثہ میں ہوگا وہ سنت ہے - پر تھا۔ اب ہم ان کے دوسرے جملہ پر کلام شروع کرتے ہیں کہ جو چیز قرون ثلاثہ کے بعد پیدا ہوگی وہ سب بدعت اور ضلالت ہوگی۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل ہی بے اصل ہے۔

**اوّلاً:** اس لیے کہ یہ حدیث' امام بخاری - رحمۃ اللہ علیہ - ابواب شہادت میں عمران بن حصین سے روایت کرتے ہیں :

خَيْرُكُمْ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ......إنَّ بَعْدَكُمْ قَوْماً يَخُوْنُوْنَ وَ لاَ يُؤْتَمَنُوْنَ وَ يَشْهَدُوْنَ وَ لاَ يُسْتَشْهَدُوْنَ وَ يُنْذِرُوْنَ وَ لاَ يَفُوْنَ وَ يَظْهَرُ فِيْهِمِ السِّمَنُ .(۱)

دوسری روایت عبداللہ بن مسعود سے ہے جس میں **ثم الذين يلونهم** کے بعد یہ ہے :

ثُمَّ يَجِيْءُ أقْوَامٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أحَدِهِمْ يَمِيْنَهُ وَ يَمِيْنُهُ شَهَادَتَهُ .(۲)

یہ دونوں روایتیں بخاری کے - باب فضائل اصحاب - میں بھی ہیں۔

صحیح مسلم میں **ثم الذين يلونهم** کے بعد ہے :

ثُمَّ يَجِيْءُ أقْوَامٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أحَدِهِمْ يَمِيْنَهُ وَ يَمِيْنُهُ شَهَادَتَهُ .(۳)

اس کی دوسری روایت یہ ہے :

ثُمَّ يَتَخَلَّفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أحَدِهِمْ يَمِيْنَهُ وَ يَمِيْنُهُ شَهَادَتَهُ.(۴)

---

(۱) صحیح بخاری:۹/۱۳۲حدیث:۲۴۵۷......صحیح مسلم:۱۲/۳۶۰حدیث:۴۶۰۳۔
(۲) صحیح بخاری:۹/۱۳۳حدیث:۲۴۵۸......صحیح مسلم:۱۲/۳۵۷حدیث:۴۶۰۰۔
(۳) صحیح مسلم:۱۲/۳۵۷حدیث:۴۶۰۰۔
(۴) صحیح مسلم:۱۲/۳۵۸حدیث:۴۶۰۱۔

اس کی تیسری روایت میں ہے :

ثُمَّ یَخْلِفُ قَوْمٌ یُحِبُّونَ السَّمَانَةَ یَشْهَدُونَ قَبْلَ أَنْ یُسْتَشْهَدُوا .

چوتھی روایت میں ہے :

ثُمَّ یَكُونُ بَعْدَهُمْ قَوْمٌ یَشْهَدُونَ وَ لَا یُسْتَشْهَدُوْنَ وَ یُنْذِرُوْنَ وَ لَا یَفُونَ وَ یَظْهَرُ فِیْهِم السِّمَنُ .(۱)

نسائی کے-باب الوفاء بالنذر-میں بھی اسی طرح ہے۔اورابوداؤد کے-باب فضائل-میں ہے :

ثُمَّ یَظْهَرُ قَوْمٌ .....الی آخره ..... وَ یَفْشُو فِیْهِمُ السِّمَن . (۲)

ترمذی کے-باب فضائل-میں یہ الفاظ ہیں :

ثُمَّ یَأْتِي قَوْمٌ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ تَسْبِقُ أَیْمَانُهُم شَهَادَاتِهِمْ أَوْ شَهَادَاتُهُمْ أَیْمَانَهُمْ(۳)

ابن ماجہ کے-ابواب شہادت-میں ہے :

ثُمَّ یَجِيْءُ قَوْمٌ تَبْدُرُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ یَمِیْنَهُ وَ یَمِیْنُهُ شَهَادَتَهُ .(۴)

اس کی دوسری روایت یہ ہے :

ثُمَّ یَفْشُو الْكَذِبُ حَتّٰی یَشْهَدَ الرَّجُلُ وَ مَا یُسْتَشْهَدُ وَ یَحْلِفُ وَ مَا یُسْتَحْلَفُ.(۵)

یہ حدیث کی چھ مشہور ومعروف کتابوں-صحاح ستہ-کی روایتیں ہیں۔جن کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ ان قرون خیر کے بعد ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے کہ گواہی دینے پر بڑے حریص ہوں گے،اور انھیں کوئی پروانہ ہوگی کبھی قسم سے پہلے گواہی اور کبھی گواہی سے پہلے قسم کھائیں گے، اپنا بدن موٹا کرنا پسند کریں گے،خیانت کریں گے،کوئی انھیں امانت دار نہ جانے گا،وعدے کر کے پورے نہیں کریں گے اور ان کا جھوٹ ظاہر و باہر ہوگا،بلا گواہی طلب کیے وہ گواہی دیں گے اور قسم کھانے کا مطالبہ کیے بغیر قسمیں کھائیں گے۔

(۱) صحیح مسلم:۱۲/۳۶۰حدیث:۴۶۰۳۔
(۲) سنن نسائی:۱۲/۱۳۲حدیث:۳۷۴۹۔
(۳) سنن ترمذی:۱۲/۳۵۷حدیث:۳۷۹۴۔
(۴) سنن ابن ماجہ:۷/۱۷۵حدیث:۲۳۵۳۔
(۵) سنن ترمذی:۸/۲۷۰حدیث:۲۲۲۵۔

دیکھیے! ان روایتوں میں کہیں بدعت اور احداث کا ذکر نہیں ۔ یہ بات آخر کس طرح سمجھ میں آئی؟ ان لوگوں کا قاعدہ ایسا جامع و مانع کلیہ ہے کہ جس کے سبب اہل اسلام میں پھوٹ، خانہ جنگی، تفسیق و تضلیل، سب وشتم، غیبت و کینہ اور فساد باہم ڈال رکھا ہے، پھر اس حدیث میں کسی راوی نے لفظ بدعت واحداث روایت نہیں کیا ہے اور نبی کریم - صلی اللہ علیہ وسلم - جو کہ دانائے لغت اور حکم شریعت (کھول کر) بیان کرنے والے تھے، جو بدعتوں سے بچنے کے لیے جا بجا لفظ **كل بدعة ، وكل محدثة ، ومن أحدث في أمرنا** اور **من ابتدع بدعة ضلالة** وغیرہ الفاظ ظاہرہ منصوصہ فرماتے تھے، اس حدیث میں انھوں نے لفظ صریح منصوص نہ فرمایا۔ اگر یہ قاعدہ ایسا زبردست امتیاز دینے والا، سنت و بدعت کے درمیان خط فاصل کھینچنے والا اور حقیقت سنت و بدعت کی تعریف و تشریح کرنے والا ہوتا تو ضرور بالضرور آپ - صلی اللہ علیہ وسلم - یا راویانِ حدیث صحابہ میں سے کوئی تو اِحداث و بدعت کا نام صراحۃً بیان فرما دیتا، تعجب ہے کہ یہاں تو اس کا نام بھی نہیں اور ان حضرات نے دھوم مچا کے رکھ دی۔

**ثانیا:** اگر لفظ کذب سے استدلال کریں جو گرچہ صرف ایک روایت میں وارد ہوا ہے۔ صحیحین وغیرہ کی بہت ساری ایسی روایتیں ہیں جن میں لفظ کذب نہیں آیا - جیسا کہ اوپر روایتیں گزریں - تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر محاورہ داں جانتا ہے کہ کذب کے معنی جھوٹ ہیں اور بدعت کے معنی نئی بات۔ پھر کہاں جھوٹ بولنا اور کہاں نئی بات!۔

تعجب کی بات ہے مولوی عبد الجبار صاحب فرماتے ہیں :

بدعتی 'بدعت کو ثواب کا باعث جانتے ہیں تو یہ کذب ہوا - الخ -

دیکھیے یہ کیسی بڑی جرأت ہے کہ صحابۂ کرام - رضوان اللہ علیہم اجمعین - سے لے کر شاہ عبد العزیز صاحب اور مولوی اسحٰق صاحب تک فقہا و محدثین تو بدعت حسنہ کو مسلم رکھتے آئے - جسے عنقریب بیان کیا جائے گا - پھر یہ سب لوگ - معاذ اللہ - اس قول کے موافق جھوٹ کے مرتکب ہو کر ان کے نزدیک کذّاب ٹھہرے کہ انھوں نے بدعت کو حسن اور مستحسن قرار دیا، کسی نے فرمایا :

نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ . (۱)

یعنی کیسی عمدہ ترین بدعت ہے یہ۔

---

(۱) موطاامام مالک: ۱/ ۳۴۰ حدیث: ۲۳۱...... صحیح بخاری: ۷/ ۱۳۵ حدیث: ۱۸۷۱...... معجم طبرانی: ۱۱/ ۵۴ حدیث: ۱۳۳۸۷...... شعب الایمان: ۷/ ۲۷۱ حدیث: ۳۱۲۲...... الصیام فریابی: ۱/ ۱۵۷ حدیث: ۱۴۸...... المدخل: ۱/ ۱۹۱

کسی نے فرمایا :

**بدعة حسنة .** (۱)

کسی نے فرمایا :

**من البدعة ما یکون واجبا و منھا ما یکون مستحبا و مستحسنا .**

یعنی بدعتوں میں کچھ بدعتیں ایسی ہیں جوکبھی واجب اورکبھی مستحب ومستحسن ہوتی ہیں۔

اس مقام پر براہین قاطعہ گنگوہی کے صفحہ ۳۸ کی عبارت یوں ہے :

بدعت بھی جھوٹ میں داخل ہے،کذب عام ہےاور بدعت خاص ایک فرد کذب کی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس قول پر بھی وہ اعتراض سابق بحال رہا کہ صحابہ سے لے کر آج تک بدعت حسنہ کو جائز کرنے والے علما' کذب میں داخل رہے،اور ایک دوسرا تیشہ بھی بےخبری سے اپنے پاؤں میں مارلیا یعنی آپ نے عام خاص کا لفظ جما کر یہ چاہا کہ حدیث میں: **یفشوا الکذب** اور **یظھر الکذب** کے معنی یہ ہوجائیں کہ **یظھر البدعة** حالاں کہ اس میں تو بالکل اپنے ہاتھ قلم کر چکے؛ کیوں کہ جب کذب کو عام مان لیا تو عام کا وجود خاص کو مستلزم نہیں ہوتا یہ قاعدہ کلیہ ہر عاقل کے نزدیک مسلم الثبوت ہے تو جھوٹ ظاہر ہونے کے لیے یہ لازم نہیں کہ خاص بدعت ہی میں ظاہر ہو،ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ افراد خیانت اور دروغ حلفی وغیرہ میں ظاہر ہوجائے۔اور مولف براہین اس قاعدہ کو جانتا ہے،چنانچہ صفحہ ۵۵ کی بارہویں سطر میں اس کی عبارت یوں ہے :

---

بقیہ حدیث: ۱۹۰......فضائل الاوقات بیہقی: ۱/۲۷۴ حدیث: ۲۲۴......فوائد محمد بن مخلد: ۱/۶ حدیث: ۵......قیام رمضان مروزی: ۱/۲۰ حدیث: ۱۶ ......نصب الرایہ: ۳/ ۲۲۸......تلخیص حبیر: ۲/۱۲۲ حدیث: ۵۵۱......تحفۃ الاشراف: ۹/ ۴۵۴ حدیث: ۱۰۵۹۴......روضۃ المحدثین: ۱/۵۰۰ حدیث: ۵۰۰۔

**نعم البدعة ھذہ** کے الفاظ بھی درج ذیل کتابوں میں ملتے ہیں۔ (سنن بیہقی: ۲/۴۹۳۔مصنف عبدالرزاق: ۴/ ۲۵۹ حدیث: ۷۷۲۴......صحیح ابن خزیمہ: ۴/ ۲۴۷ حدیث: ۱۰۳۶......معرفۃ السنن والآثار: ۴/ ۲۰۶ حدیث: ۱۴۴۲......کنز العمال: ۸/۴۰۸ حدیث: ۲۳۴۶۶)

(۱) فیض القدیر: ۳/۷۷۰ حدیث: ۴۳۶۴......جامع العلوم والحکم: ۲۸/ ۲۸......حاشیہ ردمحتار: ۱/۴۲۰......درمختار: ۵/ ۳۰۵......دررالحکام شرح غررالاحکام: ۱/۲۸۳......البحر الرائق: ۳/۹۳......ردالمحتار: ۳/۲۰۲......مواہب الجلیل شرح مختصرخلیل: ۳/۳۱۰......الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید قیروانی: ۲/۲۳۰......حاشیۃ الدسوقی: ۲/۲۲۰......حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر: ۱/۴۲۳......اعانۃ الطالبین: ۲/۸۶......حواشی الشروانی: ۴/۱۰۸......حاشیتا قلیوبی و عمیرہ: ۴/۷۹......تحفۃ المحتاج: ۱۵/۲۱۹......نہایۃ المحتاج: ۷/۱۱۴......حاشیۃ الجمل: ۵/۴۷۵......حاشیۃ البجیرمی علی الخطیب: ۱/۳۶۳......حاشیۃ البجیرمی علی المنہج: ۴/۱۰۷......کشف الخفاء: ۱/۹۴ حدیث: ۲۵۳......سیرت حلبیہ: ۱/۱۲۲۔

عام کا وجود خاص کے وجود کے بغیر ہوسکتا ہے مثلاً حیوان بغیر انسان کے۔ اس کو ہر عاقل جانتا ہے- الٰی آخرہ-

اب آپ دیکھیں کہ حضرت جی کی زبانی خود ثابت ہو گیا یعنی آپ صفحہ ۳۸ پر فرماتے ہیں کہ کذب عام ہے اور بدعت خاص۔ اور یہاں یعنی صفحہ ۵۵ پر فرماتے ہیں کہ عام کا وجود خاص کے وجود کے بغیر ہوسکتا ہے؛ لہٰذا یہ نتیجہ نکل آیا کہ کذب کا وجودٗ بدعت کے وجود کے بغیر ہوسکتا ہے یعنی یہ ممکن ہے کہ قرونِ ثلاثہ کے بعد کذب شائع ہو مگر بدعت نہ ہو۔ تو انہی کی زبانی ان کا مدعا غلط ثابت ہو گیا۔

یہ لوگ اس وقت اپنے مطلب میں کامیاب ہو سکتے تھے جب کہ کذب اور بدعت میں مساوات وترادف کی نسبت ثابت کرتے تو کذب کا ثبوت بدعت کو مستلزم ہو جاتا- **و إذ لیس فلیس** - (اور جب ایسا نہیں تو حکم بھی ایسا نہ ہوگا)

**ثالثا**: یہ کہ محدثین کے درمیان یہ بات متفقہ ہے کہ بعض حدیثیں بعض کی شرح ہوتی ہیں۔ جس روایت میں لفظ کذب واقع ہوا ہے کہ پھر جھوٹ ظاہر ہوگا تو اس کی وہی شرح ہے جو صحیحین وغیرہ کی حدیث میں گزری کہ وہ لوگ خیانت و بدعہدی کریں گے، بلاقسم کھلائے قسم کھانے کو تیار ہوں گے اور بلا گواہی طلب کیے گواہی دینے کو تیار رہوں گے۔ اس میں یہ نہیں آیا کہ وہ دین میں نئی باتیں نکالا کریں گے؛ تو لازم ہوا کہ جھوٹ سے یہی باتیں مراد لی جائیں نہ کہ بدعت۔

**رابعا**: یہ کہ یہ لوگ اپنے اس دعوی پر کہ- جو چیز بعد قرون ثلاثہ پیدا ہوگی وہ بدعت ضلالت ہوگی- اِس حدیث کو بطورِ سند پیش کرتے ہیں؛ تو اس صورت میں مانعین کے دعویٰ کے مطابق حدیث کے اندر لفظ **یظھر** کے معنی ظہورِ وجودی کے ہوں گے یعنی پھر تین صدی کے بعد جھوٹ پیدا ہوگا تو اس کا منشا یہ ہے کہ اس سے پہلے نہ ہوگا حالاں کہ بدعتوں کا وجود عین انھیں قرون میں ہوا ہے۔ یعنی معتزلہ اور قدریہ ومرجیہ- بدعتی فرقے - قرون ثلاثہ گزرنے کے پہلے ہی پیدا ہو گئے تھے۔ پھر اگر **کذب** سے **بدعت** مراد لیں اور **یظھر** اور **یفشو** سے **یوجد**، پھر تو بڑا اعتراض یہ پڑے گا کہ حدیث واقع کے مطابق نہیں قرار دی جاسکتی۔

**خامسا**: یہ کہ بعض علما نے لکھا ہے کہ قرون ثلاثہ کے بعد اہل اسلام میں جو یونانیوں کا علم فلسفہ رائج ہوا تو اس کو پڑھنے اور اس میں غور وخوض کرنے سے مسلمانوں کے عقائد عقلی طور پر بدل گئے۔ سلف کے عقیدوں کے برخلاف لوگوں میں فلسفیانہ عقائد جڑ پکڑ گئے، معتزلی وغیرہ بدعتیوں کو علم فلسفی سے طاقت پیدا ہوئی، اور مبتدعین اور اہل سنت کے درمیان اعتقادی مباحثے پھیل گئے۔

بھلا اگر کوئی لفظ حدیث **ثم یظهر الكذب** سے یہ مراد لے تو بھی صحیح ہوسکتا ہے کیوں کہ فلسفیانہ مسائل جھوٹے ہوتے ہیں ؛ مگر کہاں فلسفیانہ دلائل اور یونانیوں کے مجادلے اور کہاں محفل میلاد شریف اور مردوں کا درود وفاتحہ۔ بھلا فلسفیوں کے مسائل کو ان اعمال سے کیا علاقہ ؟ اور بدعتوں کے وجود کا حصر گرچہ فلسفیانہ عقائد میں نہیں لیکن صدق حدیث کے لیے ان افراد میں وجود کذب پایا جانا بس ( کفایت ) کرتا ہے۔ یہ کہاں سے لازم آیا کہ حدیث شریف کی تصدیق اسی وقت پوری ہو جب کہ قرون ثلاثہ کے بعد حادث ہونے والا ہر ہر فرد بدعت اور ضلالت ہو جائے !۔

**سادسا**: یہ لوگ جو مطلب ثابت کرتے ہیں یہ اس وقت ثابت ہوتا جب کہ حدیث کے الفاظ یہ ہوتے: **ثم لا يظهر إلا الكذب.** یعنی قرون ثلاثہ کے بعد جھوٹ کے سوا اور کچھ ظاہر نہ ہوگا۔ یا یہ ہوتے کہ: **ثم كل شيء يظهر فيكون كذبا** یعنی جو کچھ بھی ظاہر ہوگا سب کا سب جھوٹ ہی جھوٹ ہوگا۔ لیکن حدیث میں ایسے الفاظ تو نہیں، نہ تو کوئی کلمہ مفید حصر ہے اور نہ ہی مفید کلیت۔ تو حدیث کے معنی یہ ہوگئے: **ثم يظهر الكذب** یعنی پھر جھوٹ کا ظہور ہوگا۔ تو جھوٹ کے ظہور کو سچ ہونے کے لیے بعض افراد محدثات میں کذب کا پایا جانا کافی ہوگا، یہ کیا ضروری ہے کہ پھر جو چیز ظاہر ہو وہ سب جھوٹی ہی ہو۔

لہٰذا حدیث کا اصل مطلب یہ ہوا کہ لوگوں میں سب سے اچھے میری صدی کے لوگ ہیں پھر ان کے بعد والے، پھر ان کے بعد والے۔ اور پھر ان کے بعد کھلا ہوا جھوٹ ظاہر ہوگا یعنی جس طرح قرون ثلاثہ میں اچھائی غالب تھی اسی طرح بعد میں چل کر جھوٹ غالب ہوگا۔ لیکن غلبہ خیر کے معنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ قرون اولیٰ میں جو کچھ ہوگا سب خیر ہی ہوگا اس لیے کہ قدریہ ومرجیہ اور خارجی ورافضی وغیرہ فرقوں کی تمام بدعتیں قرون ثلاثہ ہی میں ظاہر ہوئیں ؛ اور خیر القرون میں ہونے کے باوجود کوئی اہل سنت وجماعت ان کو خیر نہیں کہتا۔ پھر اسی طرح اس کے مقابلہ میں قرون ثلاثہ کے بعد جھوٹ کا حال بھی سمجھنا چاہیے یعنی بعد میں جھوٹ ظاہر ہونے کے معنی یہ نہیں کہ جو کچھ ظاہر ہوگا سب کا سب جھوٹ ہی ہوگا جس طرح ایسا نہ ہوا کہ جو چیز خیر القرون میں ایجاد ہو وہ سب خیر ہو۔

اس تقریر سے یہ بھی صاف ظاہر ہوگیا کہ بعض چیزیں جن کو خدا کے نیک بندے قرون ثلاثہ کے بعد ایجاد کریں درست اور صحیح ہوں گی، اور بعض باتیں جو خلاف شرع ایجاد ہوں گی وہ بری اور گمراہی کا سبب ہوں گی، جس طرح عین قرون ثلاثہ کی نکلی ہوئی بعض بدعتیں خراب اور ضلالت ہیں۔ مذہب منصور اور قول جمہور یہی ہے۔

شیوع وظہور کذب میں یہ بھی ضرور نہیں کہ اس کا تحقق' بدعت کے شائع ہونے ہی سے ہو بلکہ یوں بھی ہوسکتا ہے کہ خیانت کار پہلے اگر ایک تھا تو اب لاکھوں ہیں، جھوٹی قسمیں اٹھانے والے قرون اولیٰ میں اگر دو چار ہوں گے تو اس وقت کڑوڑوں ہیں۔ اسی طرح اور گناہوں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ہر ہر گناہ اب زوروں پر ہے، اور قرونِ ثلاثہ میں پیدا ہونے والے بدعتی لوگ اب بہت زیادہ بلکہ اضعافاً مضاعفۃً (کئی گنا) ہوکر پھیل گئے ہیں، تو مذکورہ بالا صحیح حدیثوں کے سچ ہونے کے لیے اتنا افشا وظہور کافی ہے۔ یہ کیا ضرور ہے کہ جب بعد کے صالحین کے تمام نیک کاموں کو کذب میں داخل کرو تب ہی حدیث کا مضمون صحیح ہو- حاشا وکلا - انصاف شرط ہے۔
**و اللّٰہ یھدی من یشاء إلی صراط مستقیم۔**

براہین قاطعہ گنگوہی کے صفحہ ۳۲ - اور- ۳۳ میں جو یہ بات لکھی ہے :

بدعت کے سلسلہ میں یہ چاروں اقوال گزشتہ اور قول پنجم - جو آیا چاہتا ہے- پانچوں قول ایک ہیں- الیٰ آخرہ-

یہ ایک عجیب افسانہ ہے۔ ذرا مردِ دانا خیال کر کے دیکھے کہ تیسرے قول کو جو لوگوں نے حضرت مجدد کے قول سے استدلال کیا ہے کہ- جو چیز خلفاے راشدین کے وقت میں نہ تھی خدا ہم کو اس بدعت میں گرفتار نہ کرے- یہ دوسرے اقوال کے ساتھ کس طرح جمع ہوسکتا ہے۔ حالاں کہ خود حضرت مجدد کے مکتوبات - مطبوعہ دہلی - جلد ثانی کے صفحہ ۳۸ مکتوب نمبر ۲۳ میں یہ عبارت' اقوال باقیہ کے خلاف ہے :

گزشتگان در بدعت حسنیٰ دیدہ باشند کہ بعض افراد آں را مستحسن داشتہ اند اما ایں فقیر درایں مسئلہ باایشاں موافقت ندارد و ہیچ فرد بدعت را حسنہ نمی داند۔

یعنی پہلے دور کے لوگوں نے جب بدعت حسنہ کو دیکھا تو بعض افراد نے اس کو مستحسن قرار دیا۔ لیکن فقیر کا موقف اس سلسلے میں اس کے موافق نہیں اور بدعت کے کسی فرد کو حسنہ نہیں سمجھتا۔

دیکھیے کہ وہ خود اپنے منہ سے فرمارہے ہیں کہ جو علما بدعت حسنہ کو مستحسن کہتے ہیں میں ان کے ساتھ موافقت نہیں کرتا پھر پانچوں قول آخر کس طرح باہم موافق ہوں گے؟۔

پھر مکتوب مذکور میں آٹھ سطر کے بعد لکھتے ہیں :

ایں جا فتویٰ متقدمین ومتاخرین متمشی نباید ساخت چہ ہر وقت را احکام علاحدہ است - الیٰ آخرہ-

یعنی اس سلسلہ میں متقدمین ومتاخرین کے فتاوے قابل قبول نہ سمجھے جائیں کیوں کہ ہر دور میں احکام کے تقاضے مختلف اور جداگانہ ہوتے ہیں۔

دیکھیے کہ یہاں خود اپنی زبان سے بدعت حسنہ کے جواز پر تمام متقدمین ومتاخرین کا فتویٰ تسلیم فرما کر فرماتے ہیں کہ اب وہ فتویٰ نہیں چل سکتا کیوں کہ ہر زمانے کا حکم جدا ہوتا ہے۔ بھلا اگر تمام متقدمین ومتاخرین مفتیانِ دین کا قول حضرت مجدد کے موافق ہوتا تو اختلاف زمانہ کا یہ عذر کیوں پیش فرماتے۔ نہیں نہیں! ناانصافی کا کوئی علاج نہیں۔ حق یہی ہے کہ پانچوں قول جدا ہیں ہر ایک عالم نے اپنے نزدیک زمانے کی کچھ مصلحت سمجھ کر ایک قول اختیار کیا لیکن فتویٰ، جمہور علماے اہل سنت کے قول کے سوا عمومی طور پر نہ دیا جائے گا- اس کا بیان عنقریب آرہا ہے-

بعض لوگوں کا یہ فرمانا کہ بدعت حسنہ کوئی چیز نہیں۔ تو یہ عقلی ونقلی دلیلوں کے بالکل خلاف ہے۔ خلاف عقل اس لیے کہ دو مفہوم کلی یا تو دونوں متساوی ہوں گے جیسے انسان اور ناطق یعنی جسے ناطق کہیں گے وہی انسان ہوگا اور جس کو انسان کہیں گے وہی ناطق ہوگا۔ یا وہ دونوں متباین ہوں گے جیسے انسان اور پتھر کہ جو چیز پتھر ہوگی اس کو انسان نہ کہا جائے گا اور جو انسان ہوگا اسے پتھر نہ کہیں گے تو دونوں بالکل جدا جدا ہیں یہ کچھ اور ہے اور وہ کچھ اور۔ یا وہ دونوں مفہوم عام خاص مطلق ہوں گے جیسے حیوان وانسان کہ حیوان تو ہر جاندار کو کہہ سکیں گے خواہ وہ انسان ہو یا گھوڑا، ہاتھی یا اونٹ وغیرہ مگر انسان، آدمی کے سوا کسی کو نہیں کہہ سکتے تو انسان خاص مطلق ہوا اور حیوان عام مطلق۔ یا وہ دونوں مفہوم عام خاص من وجہٍ ہوں گے جیسے کبوتر اور سفید رنگ، اس میں تین مادے ہوتے ہیں دو افتراق کے اور ایک اجتماع کا، افتراق کا اس طور پر کہ جیسے قلعی میں سفید رنگ موجود ہے لیکن کبوتر سفید نہیں، اور سرمئی کبوتر میں کبوتر تو موجود ہے لیکن سفید رنگ نہیں، اور سفید رنگ کے کبوتر میں دونوں موجود، کبوتر بھی اور سفید رنگ بھی۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب حدیث رسول کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- پڑھنی چاہیے۔ آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے ارشاد فرمایا :

مَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةَ ضَلاَلَةٍ لاَ يَرْضَاهَا اللّٰهُ وَ رَسُولُهُ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لاَ يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيئاً.(۱)

(۱) سنن ترمذی:۹/۲۸۸حدیث: ۲۶۰۱......مشکوٰۃ المصابیح: ۱/ ۳۶حدیث: ۱۶۸......کنز العمال: ۱/ ۱۸۰حدیث: ۹۰۸......مسند جامع:۳۳/ ۱۱۵حدیث:۱۰۸۱۳۔ مگر سنن ترمذی اور مسند جامع کے الفاظ ذرا سا مختلف ہیں :

من ابتدع بدعةَ ضلالةٍ لا تُرضِي اللهَ و رسولَه كان عليه مثل آثام من عمل بها لا ينقص ذلك من أوزار الناس شيئا .

یعنی جس نے اللہ ورسول کی مرضی کے خلاف کوئی بری چیز ایجاد کی تو اس کے اوپر اس کے اپنے گناہ کے علاوہ ان لوگوں کے گناہ کا بوجھ بھی ہوگا جو اس کی ایجاد کردہ چیز پر عمل پیرا ہیں اور ان کے گناہ سے کچھ کم بھی نہ کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ لفظ حدیث: **بدعةَ ضلالةٍ** کی روایت' صیغہ اضافت کے ساتھ ہم کو اپنے اساتذہ سے پہنچی ہے۔

اسی طرح مولانا احمد علی صاحب محدث مرحوم سہارنپوری نے اپنے مطبع کی کتابوں یعنی مشکوٰۃ شریف مطبوعہ-۱۲۷۱ھ(1854ء)- اور ترمذی شریف مطبوعہ-۱۲۸۲ھ(1865ء)- میں ضبط کیا ہے۔

صاحب مجمع البحار نے بھی تکملہ کے صفحہ ۱۶ میں لکھا ہے :

**يُروى بالإضافة و يجوز نصبها على النعت .**

یعنی 'بدعۃ ضلالۃ' کی اضافت کے ساتھ بھی ایک روایت کی گئی ہے، اور اس کو منصوب پڑھنا بھی درست ہے موصوف ہونے کی بنیاد پر۔

دیکھیے کہ اگر چہ موصوف کو بھی جائز رکھا لیکن اصحاب حدیث کی روایت کو اضافت کے ساتھ ہی لکھا، جب بدعت اور ضلالت میں اضافت ثابت ہوگئی تو اب اضافت کا قاعدہ سمجھنا چاہیے۔ بدعت ضلالت میں اگر یہ اضافت بیانی ہے-جیسا کہ فریق ثانی اکثر بیان کرتے ہیں-تب تو ہمارا عین مدعا ثابت ہے اس لیے کہ اضافت بیانی میں عموم خصوص من وجہٍ ہوتا ہے۔

**قال المولى الجامي في بيان الإضافة : و إما بمعنى من البيانية في جنس المضاف الصادق عليه و على غيره بشرط أن يكون المضاف أيضا صادقا على غير المضاف إليه فيكون بينهما عموم و خصوص من وجه .**

بیان اضافت کے سلسلہ میں مولانا جامی فرماتے ہیں: یعنی اضافت یا تو من بیانیہ کے معنی میں ہوگی جب کہ مضاف الیہ اس جنس مضاف سے ہو جو خود مضاف اور اس کے سوا دوسری چیزوں پر صادق ہو، اس شرط کے ساتھ کہ خود مضاف بھی مضاف الیہ کے علاوہ پر صادق ہو تو اس طرح مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہوگی۔

اوپر بیان ہو چکا کہ عموم خصوص من وجہٍ میں دو مادّے افتراق کے اور ایک مادہ اجتماع کا ہوتا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ کوئی شے ایسی ہوگی جو بدعت بھی ہو اور ضلالت بھی جیسے مذہب قدریہ وجبریہ وغیرہ، اور کوئی شے ایسی ہوگی جو ضلالت تو ہو مگر بدعت نہ ہو جیسے کفر وارتداد- معاذ اللہ- اور کوئی شے

ایسی ہوگی جو بدعت تو ہو مگر ضلالت نہ ہو جیسے مدرسہ، محفل میلاد شریف وغیرہ اور جلائے قلب وصفائے باطن کے لیے مشائخ کرام کے ایجاد کردہ اذکار۔ ایسی ہی چیزوں کا نام بدعت حسنہ ہے۔

دوسری تقریر یہ کہ بدعت اور ضلالت دو مفہوم کلی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں باہم متباین نہیں کیوں کہ ضلالت' بدعت پر محمول ہوتی ہے۔ اور متساوی بھی نہیں کیوں کہ شرک وکفر پر بھی ضلال کا اطلاق جابجا قرآن میں موجود ہے :

وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا (۱) ....... وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا . (۲)

اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ دور کی گمراہی میں پڑا............اور جو نہ مانے اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت کو، تو وہ ضرور دور کی گمراہی میں پڑا۔

یہاں شرک وکفر پر لفظ ضلال کا اطلاق ہوا ہے، حالاں کہ یہاں کوئی بدعت نہیں کیوں کہ بدعت کی حقیقت اور ہے اور کفر کی کچھ اور۔ بدعت' سنت کا مقابل ہے جب کہ کفر' ایمان کا مقابل۔ اور بدعت عام مطلق بھی نہیں ورنہ **کل بدعة ضلالة** کا کلیہ صحیح نہ ہوگا۔ جس طرح **کل حیوان إنسان** صحیح نہیں، اور خاص مطلق بھی نہیں اس لیے کہ خاص مطلق کی عام مطلق کی طرف اضافت ممتنع ہے۔ کتب نحو' شرح جامی اور مسالک بہیّہ وغیرہ میں یہ مسئلہ موجود ہے یعنی ایسا کہنا جائز نہیں کہ: **سبت الیوم** اور **فقه العلم**، بلکہ یوں کہا جائے گا: **یوم السبت** اور **علم الفقه** — تو **من ابتدع بدعة ضلالة** کی اضافت صحیح نہیں ٹھہرتی۔

اب باقی رہی نسبت عام خاص من وجہٍ، تو اس میں وہی دو مادے افتراق کے ہوں گے اور ایک اجتماع کا — جیسا کہ پہلی تقریر میں ہم ثابت کر چکے ہیں — تو ایک بدعت ایسی نکلے گی جو ضلالت نہیں لہٰذا ایسی بدعت اگر ضابطہ اباحت میں داخل ہو تو مباح ہوگی، اور کلیہ استحباب میں شامل ہو تو مستحب ہوگی، اور اگر قاعدۂ ایجاب کے تحت مندرج ہو تو واجب ہوگی، انھیں تین قسم کی بدعتوں کو بدعت حسنہ کہتے ہیں کیوں کہ واجب، مستحب اور مباح وہی چیزیں ہو سکتی ہیں جن میں رنگ حَسَن موجود ہوا اور اسی حسن کے سبب ایسی بدعتوں کو صفت حسنہ نصیب ہوئی ہے۔

وہ جو صاحب مجمع البحار نے لکھا ہے کہ **یجوز نصبها علی النعت** تو اس صورت میں حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ جس نے ایسی بدعت ضلالت نکالی — الی آخرہ —

(۱) سورہ نساء: ۱۱۶/۴۔ (۲) سورۂ نساء: ۱۳۶/۴۔

ہم کہتے ہیں کہ اس میں بھی بدعت حسنہ کا ثبوت ہے اس لیے کہ نکرہ کو نکرہ کے ساتھ صفت کرنے کے سلسلہ میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ وہ تخصیص کا فائدہ دیتا ہے، تو صفت ضلالت نے اپنے موصوف' بدعت کو - جو عام یعنی ضلالت وہدایت دونوں کو شامل تھا - خاص کر دیا اور بعض افراد - یعنی بدعت ضلالت کو - بعض افراد - یعنی بدعت ہدایت وحسنہ سے - تمیز دے دی۔ جیسے رجل عالم میں صفت عالم نے رجل کو غیر عالم سے تمیز دے دی۔

نعت وصفت کی صورت میں دووجہ سے یہ معنی کرنے ضروری ہوئے۔ ایک تو یہ کہ اصل توصیف نکرہ میں افادۂ تخصیص ہونا نحو کا قاعدہ مطرد ہے۔ دوسرے یہ کہ صفت کے ساتھ پڑھنا روایت اضافت کے مطابق ہوجائے جو اصحاب حدیث میں شائع ہے، تو جس طرح روایت اضافت میں لفظ بدعت عام من وجہ رہا تھا اسی طرح صفت ونعت میں بھی عام من وجہ رہے۔ اثبات بدعت حسنہ کے سلسلہ میں یہ تقریر عاجز کو اپنے بعض اساتذہ سے پہنچی ہے -تغمدهم الله بغفرانه -

اب ہم دوسری تقریر شروع کریں یعنی بدعت حسنہ کو لاشئ محض قرار دینا اور اس کے وجود کا انکار کرنا نقل کے مخالف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر - رضی اللہ عنہ - کے عہد کرامت مہد میں سابق کی بہ نسبت کیفیت نماز تراویح میں جب کچھ زیادہ لحوق ہوا تو آپ نے اسے پسند کیا اور فرمایا :

نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ . (۱)

یعنی کیا ہی اچھی بدعت ہے!۔

زبان عرب میں لفظ نعمت افعال مدح سے مانا گیا ہے، اس سے وہ کسی چیز کی تعریف کیا کرتے تھے تو آپ نے قدر سابق پر اس کیفیت زائدہ کی تعریف فرمائی کہ یہ نئی بات اچھی ہے۔

دیکھو! حضرت امیر المومنین عمر - رضی اللہ عنہ - جن کی اقتدا کا حکم ہمیں از روے حدیث ہے - انھوں نے بدعت کو اچھا فرمایا تو معلوم ہو گیا کہ بدعت محمود بھی ہوتی ہے۔

(۱) موطا اِمام مالک: ۱/ ۳۴۰حدیث: ۲۳۱......صحیح بخاری: ۷/ ۱۳۵حدیث: ۱۸۷۱......معجم طبرانی: ۱۱/ ۵۴حدیث: ۱۳۳۸۷......شعب الایمان: ۷/ ۲۷۱حدیث: ۳۱۲۲......الصیام فریابی: ۱/ ۱۵۷حدیث: ۱۴۸......المدخل: ۱/ ۱۹۱ حدیث: ۱۹۰......فضائل الاوقات بیہقی: ۱/ ۲۷۴حدیث: ۲۲۴......فوائد محمد بن مخلد: ۱/ ۶حدیث: ۵......قیام رمضان مروزی: ۱/ ۲۰حدیث: ۱۶......نصب الرایہ: ۳/ ۲۲۸......تلخیص حبیر: ۲/ ۱۲۲حدیث: ۵۵۱......تحفۃ الاشراف: ۹/ ۴۵۴حدیث: ۱۰۵۹۴......روضۃ المحدثین: ۱/ ۵۰۰حدیث: ۵۰۰۔

ایسے ہی ابن عمر - رضی اللہ عنہما - سے روایت ہے کہ انھوں نے لوگوں کو جس طرح صلوٰۃ ضحیٰ پڑھتے دیکھا اور لوگوں نے اس کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا :

إِنَّهَا مُحْدَثَةٌ وَ إِنَّهَا لَمِنْ أَحْسَنِ مَا أَحْدَثُوا . (۱)

یعنی بلاشبہہ یہ ایک نئی چیز ہے لیکن کیا ہی عمدہ اور بہترین چیز ہے۔

تو امر محدَث اور بدعت کو حسنہ کہنا قول صحابی کے نص سے ثابت ہے۔ اُس وقت سے لے کر اب تک صحابہ کرام کی اقتدا میں تمام مجتہدین اعلام اور ائمہ اسلام جملہ محدثات حسنہ کو جائز رکھتے اور بدعت حسنہ فرماتے چلے آئے ہیں - اس سلسلہ میں اقوال فقہا و محدثین کی نقلیں عنقریب آنے والی ہیں - لہٰذا عقلاً اور نقلاً ہر طرح ثابت ہوگیا کہ بدعت حسنہ کا وجود ثابت ہے اور بدعت حسنہ کا اطلاق درست اور صحیح ہے۔

**پانچواں قول مذہب جمہور:** واضح ہو کہ جملہ علمائے اہل تحقیق کے نزدیک سیئہ اور حسنہ ہونے کی بنیاد زمانہ پر نہیں یعنی ایسا نہیں کہ قرون ثلاثہ کے اندر جو کچھ خیر و شر ہوگیا وہ سب سنت اور مقبول ہے اور جو کچھ بھلا یا برا قرون ثلاثہ کے بعد ہوا وہ سب برا اور مردود ہے - جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے - صرف ایک ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں :

**پہلا قصہ:** حضرا میر المومنین عمر اور حضرت عبداللہ - رضی اللہ عنہما - نہانے کی حاجت والے (جنبی) کو تیمّم سے منع فرماتے تھے۔ یہ حدیث صحیح مسلم کے صفحہ ۱۶۱ میں موجود ہے۔ اب دیکھیے کہ یہ صحابی کا حکم ہے اور صحابی بھی کیسے! خلفاے راشدین سے۔ لیکن ائمہ مذاہب سے کسی نے اس قول پر عمل نہ کیا۔

**دوسرا قصہ:** حضرت معاویہ - رضی اللہ عنہ - صحابی تھے جن کا بیٹا یزید طبقہ وسطی تابعین سے تھا یعنی جس طبقہ میں حسن بصری اور ابن سیرین ہیں یہ اسی طبقہ میں تھا - کذا فی التقریب - خیر القرون کے اس تابعی نے دیکھیے کہ کیسا سعادت مندی کا کام کیا! - خدا کسی کو نصیب نہ کرے - کہ امام حسین - رضی اللہ عنہ - پر مظالم (ڈھانے کا بوجھ) اس کی گردن پر ہے۔

**تیسرا قصہ:** حضرت حسن بصری - رحمۃ اللہ علیہ - تابعی تھے اور ان کا شاگرد واصل بن عطا تبع تابعین سے تھا جو مذہب معتزلی کا موجد اور امام ہوا، اس نے یہ مذہب نکالا کہ جو مسلمان گناہ کبیرہ کرے اسے نہ تو مومن کہنا چاہیے اور نہ کافر، بلکہ یہ ان دونوں کے درمیان ایک درجہ ہے۔ یہ عقیدہ اس

---

(۱) فتح الباری ابن حجر: ۴؍۱۷۳ - صلاۃ الضحیٰ فی السفر -

نے اہل سنت و جماعت کے بالکل خلاف ایجاد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے بندوں کی صرف دو قسم فرمائی ہے :

فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَ مِنْکُمْ مُؤْمِن . (۱)

تو تم میں کوئی کافر اور تم میں کوئی مسلمان۔

کوئی تیسری قسم نہیں فرمائی۔ تو جب واصل بن عطا نے اپنا وہ عقیدہ بیان کیا تو ان کے استاد حضرت امام حسن بصری نے ارشاد فرمایا :

قد اعتزل عنا (۲) .

یعنی اب یہ ہم سے الگ ہو گیا۔

تو اُسی دن سے اس فرقہ کا نام معتزلہ پڑ گیا۔ وہ سخت قسم کے بدعتی ہیں مگر اپنا نام ''اصحاب العدل والتوحید'' رکھتے ہیں- شرح عقائد وغیرہ میں یوں ہی مذکور ہے-

یہ تین قصے قرون ثلاثہ کے بیان کیے گئے ہیں اور ایسے بہت سے قصے ہیں۔ غرض کہ ان مثالوں سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ خواہ کوئی فعل ہو یا قول یا اعتقاد، اس کا حسنہ اور سیئہ ہونا زمانہ پر موقوف نہیں، بلکہ اس کا مدار شریعت کی مخالفت اور عدم مخالفت پر ہے، اپنے اس دعویٰ پر بھی دو صحیح حدیث لکھے دیتا ہوں۔

حدیث اول :

قال نبينا الآمر الناهي –عليه و علىٰ آله الصلوٰة و السلام– مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ .(۳)

---

(۱) سورۂ تغابن؛۶۴/۲۔

(۲) شرح عقائد نسفیہ:۶

(۳) صحیح بخاری:۲۰۱/۹حدیث:۲۴۹۹......صحیح مسلم:۱۱۸/۹حدیث:۳۲۴۲......سنن ابوداؤد:۲۱۰/۱۲حدیث:۳۹۹۰...... سنن ابن ماجہ:۱۷/۱حدیث:۱۴......مشکوٰۃ المصابیح:۳۱/۱حدیث:۱۴۰–مسند احمد:۴۹۷/۵۲ حدیث:۲۴۸۴۰...... مصنف ابن ابی شیبہ:۲۸۲/۵۳ حدیث:۲۵۱۲۴ ......سنن بیہقی:۱۱۹/۱۰......مستخرج ابوعوانہ:۴۸۳/۱۲حدیث: ۵۱۷۵......سنن دارقطنی:۳۳۴/۱۰حدیث:۴۵۹۰......صحیح ابن حبان:۵۰/۱حدیث:۲۶......معرفۃ السنن والآثار:۸۷/۱۰حدیث:۳۷۵۷......مسند شہاب قضاعی:۹۷/۲حدیث:۳۴۵......الاعتقاد بیہقی:۲۳۳/۱حدیث:۲۰۸......سنن صغیر بیہقی:۴۴۷/۸حدیث:۳۲۸۰......الفوائد الشہیر بالغیلانیات:۱۰/۳حدیث:۹۵۶......منتقی ابن جارود:۸۳/۳ حدیث:۹۷۴......کنز العمال:۲۱۹/۱ حدیث:۱۱۰۱......المسند الجامع:۲۱۰/۵۱حدیث:۱۷۱۰۴......تحفۃ الاشراف: ۴۷/۱۴حدیث:۱۷۴۵۵......تخریج احادیث الاحیاء:۱۸۵/۱حدیث:۱۸۵۔

یعنی حضور اکرم -صلی اللہ علیہ وسلم- نے فرمایا کہ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات نکالی جو دین سے نہیں یعنی کتاب وسنت کے مخالف ہے، تو اس کی وہ بات رد ہے۔

یہ صحیحین کی حدیث ہے۔

شارحین حدیث نے لفظ ما لیس منه کی شرح میں لکھا ہے :

**فيه إشارة إلى أن إحداث ما لا ينازع الكتاب و السنة ليس بمذموم .**

یعنی اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جو چیز کتاب وسنت سے نہ ٹکرائے تو اس کی ایجاد مذموم نہیں ہے۔

محدث دہلوی نے لفظ ما لیس منه کی شرح میں لکھا :

مراد چیزے ست کہ مخالف ومغیر دین باشد۔

یعنی اس سے ایسی چیز مراد ہے جو خلاف دین اور اس کو بدل دینے والی ہو۔

نواب قطب الدین خاں صاحب نے ترجمہ مشکوٰۃ شریف میں لکھا ہے :

لفظ ما لیس منه میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو چیز کتاب اور سنت کے مخالف نہ ہو اس کا نکالنا برا نہیں۔

عربی وفارسی اور اردو کی ان شرحوں کی ایک ایک نظیر بس کرتی ہے۔ ان شارحین حدیث کو اس طرح کا معنی بیان کرنے کی وجہ یہ پڑی کہ ابوداؤد میں ہے :

مَنْ صَنَعَ أَمْراً عَلىٰ غَيْرِ أَمْرِنَا فَهُوَ رَدٌّ .(۱)

یعنی جس نے کوئی کام ہمارے طریقہ کار کے علاوہ کیا تو وہ رد ہے۔

حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کا کام تو کتاب وسنت ہے۔ اور کتاب وسنت کے غیر وہی طریقہ ہوگا جو بالکل اس کے مخالف اور اس کو بدل دینے والا ہوگا۔ الحاصل! اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں :

ایک تو یہ کہ حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- نے لفظ مَن ارشاد فرمایا، یہ لفظ عربی میں عام ہے اس میں کسی قرن کی قید نہیں یعنی آپ نے یوں نہیں فرمایا کہ جو کوئی پہلی صدی، دوسری صدی، تیسری صدی یا بالکل آخری زمانہ میں کوئی نئی بات نکالے بلکہ عام فرمایا کہ جب کبھی کوئی نکالے وہ رد ہے۔

---

(۱) سنن ابوداؤد: ۱۲/۲۱۰ حدیث: ۳۹۹۰...... مسند احمد: ۴۹/۴۶۷ حدیث: ۲۳۳۱۱...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۹/۴۶۷ حدیث: ۲۳۳۱۱۔ کنز العمال: ۱/۲۲۰ حدیث: ۱۱۰۹۔

دوسری بات یہ کہ اس نکالی ہوئی نئی بات کا مردود ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ وہ بس کتاب وسنت کے مخالف ہو، اور یہی ہم نے دعویٰ کیا تھا کہ امورِ محدثہ کا حسنہ اور سیئہ ہونا کتاب وسنت کی مخالفت اور عدم مخالفت پر موقوف ہے نہ کہ زمانے پر۔ اور یہ مسئلہ اصول میں طے شدہ ہے کہ جب کسی امر مقید پر کوئی حکم ہوتا ہے تو وہ حکم قید کی طرف راجع ہوتا ہے، اس حدیث میں **فھو رد** حکم ہے لہٰذا یہ اصل احداث کی طرف نہیں بلکہ اس کی قید **ما لیس منہ** کی طرف لوٹے گا یعنی جو نئی بات دین کے مخالف اور اس کو بدل دینے والی ہو وہ رد ہے، نہ یہ کہ جو کوئی عمدہ، نیک اور اصول دین کے موافق بات نکالی جائے وہ بھی رد ہے۔

دیکھو! اب قاعدۂ اصول کے مطابق معنیٰ کرنے سے اسی حدیث سے ثابت ہو گیا کہ بدعت حسنہ یعنی اچھی بات کی ایجاد کرنا برا نہیں ورنہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- احداث کو لفظ **ما لیس منہ** کے ساتھ مقید نہ فرماتے بلکہ یوں فرماتے: **من أحدث في أمرنا فھو رد** لفظ **ما لیس منہ** بڑھانے کی کیا حاجت تھی۔

شرح جواہر التوحید میں ہے:

> **و من الجھلة من یجعل کل أمر لم یکن في زمن الصحابة بدعة مذمومة و إن لم یقم دلیل علی قبحه تمسکا بقوله -صلی الله علیه وسلم- إیاکم و محدثات الأمور و لا یعلمون المراد بذلک أن یجعل في الدین ما ھو لیس منه -انتھیٰ-**

اس تقریر سے ان لوگوں کا جواب حاصل ہو گیا جو بلا سمجھے بوجھے حدیثیں پڑھا کرتے ہیں کہ **شر الأمور محدثاتھا** اور پڑھا کرتے ہیں: **و إیاکم و محدثات الأمور و کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة** حصول جواب کی وجہ یہ ہے کہ حدیثیں سب ارشادِ رسول مقبول -صلی اللہ علیہ وسلم- ہی ہیں وہ باہم مخالف نہیں ہو سکتیں، جب مقام مذمت میں احداث کو آپ **ما لیس منہ** کے ساتھ مقید فرما چکے- یعنی وہ محدث بات مردود ہے جو کہ طریقۂ اسلامی کے علاوہ ہو اور مخالف ہو- تو جس قدر منع اور بدعت کی حدیثیں ہوں گی وہ احداث و بدعت مخالف اسلام کی طرف لوٹیں گی نہ کہ احداث خیر اور بدعت حسنہ کی طرف۔ اور اس تقریر سے اس حدیث کے معنیٰ بھی بلا تکلف صحیح ہو گئے:

مَا أحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً إلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ . (۱)

اس لیے کہ جو بدعت مخالف سنت ایجاد ہوگی ظاہر ہے کہ وہ سنت کو مٹا دے گی ۔ چنانچہ مولوی قطب الدین خاں صاحب نے بھی ''مظاہر الحق'' میں اس حدیث کے ترجمہ میں لکھا ہے :

نہیں نکالی کسی قوم نے بدعت یعنی جو بدعت کہ مزاحم سنت کے ہو ........

دیکھیے اس حدیث میں بھی ان لوگوں کے مستند علما سے خاص اسی بدعت کی برائی ثابت ہوئی جو مخالف سنت ہو ۔ باقی رہی حدیث :

تَـفْتَـرِقُ أُمَّتِـي عَلىٰ ثَلاثٍ وَّ سَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُم فِي النَّارِ إلَّا وَاحِدَةٍ قَالُوا وَ مَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ مَا أنَا عَلَيْهِ وَ أصْحَابِي .(۲)

یعنی میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور ایک کے سوا سب جہنمی ہوں گے ۔ پوچھا گیا یارسول اللہ! وہ نجات یافتہ لوگ کون ہوں گے؟ فرمایا: جس ملت پر میں ہوں اور میرے صحابہ ۔

---

(۱) مسند احمد: ۳۲۵/۳۴ حدیث: ۱۶۳۵۶ ...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۲۵/۳۴ حدیث: ۱۶۳۵۶ ...... الابانۃ الکبریٰ ابن بطہ: ۲۳۸/۱ حدیث: ۲۳۲ ...... مجمع الزوائد: ۱۱۴/۱ ...... کنز العمال: ۲۱۹/۱ حدیث: ۱۰۹۸ ...... المسند الجامع: ۴۱/۳۴ حدیث: ۱۱۱۰۳ ۔ اور سنن دارمی وغیرہ میں یوں بھی آیا ہے : مَا ابْتَدَعَ قَومٌ بِدْعَةً فِي دِيْنِهِم إلَّا نَزَعَ اللّٰهُ مِن سُنَّتِهِم مِثْلَهَا ، ثُمَّ لا يُعِيدُها إلَيْهِم إلىٰ يَوم القِيامَة .

(۲) سنن ترمذی: ۲۳۵/۹ حدیث: ۲۵۶۵ ...... سنن نسائی: ۲۳۵/۹ حدیث: ۲۵۶۵ ...... ابانۃ الکبریٰ: ۲۸۱/۱ حدیث: ۲۷۴ ...... مستدرک: ۴۳۰/۱ حدیث: ۴۰۸ ۔

یہ حدیث الفاظ کے ذرا ذرا سے فرق کے ساتھ کئی طریقوں سے مروی ہے ۔ مشتے از خروارے ملاحظہ فرمائیں :

- تـفتـرق هذه الأمة على ثلاث و سبعين فرقة ، كلهم في النار إلا واحدة قالوا و ما تلك الفرقة؟ قال ما أنا عليه اليوم و أصحابي . (معجم اوسط: ۱۱۳/۱۱ حدیث: ۵۰۴۳)
- إن بـني إسرائيل افترقوا على إحدى و سبعين فرقة ، و النصارىٰ على ثنتين و سبعين فرقة كلهم عـلـى الـضلالة إلا السواد الأعظم ، قالوا يارسول الله! و من السواد الأعظم؟ قال من كان على ما أنا عليه و أصحابي . (معجم کبیر: ۱۶۴/۷ حدیث: ۷۵۵۳ ...... الابانۃ الکبریٰ: ۴۱/۲ حدیث: ۵۳۱)
- افترقت بنو إسرائيل على إحدى و سبعين ملة ، و لن تذهب الليالي و لا الأيام حتى تفترق أمتي عـلـى مثـلها أو قال عن مثل ذلك و كل فرقة منها في النار إلا واحدة و هي الجماعة . (مسند عبد بن حمید: ۱۵۹/۱ حدیث: ۱۵۰ ...... الابانۃ الکبریٰ: ۲۸۲/۱ حدیث: ۲۷۵ ...... مسند سعد بن ابی وقاص: ۸۲/۱ حدیث: ۷۲ ...... مسند الجامع: ۲۷۷/۱۳ حدیث: ۴۱۶۵)
- إن بـني إسرائيل افترقت على إحدى و سبعين فرقة و إن أمتي ستفترق على ثنتين و سبعين فرقة كلها في النار إلا واحدة و هي الجماعة . (سنن ابن ماجہ: ۴۹۴/۱۱ حدیث: ۳۹۸۳)

- إن أهل الكتاب افترقوا في دينهم على ثنتين و سبعين ملة و إن هذه الأمة ستفترق على ثلاث وسبعين ملة يعني الأهواء كلها في النار إلا واحدة وهي الجماعة . (مسند احمد:۲۹۲/۳۴ حديث:۱۶۳۲۹......مصنف ابن ابی شیبہ:۲۹۲/۳۴ حديث:۱۶۳۲۹......معجم طبرانی:۳۰۲/۱۴ حديث:۱۶۲۵۰...... دلائل النبوۃ بیہقی:۱۲/۸ حديث:۲۹۲۳......مسند الشامیین:۳۶۷/۳ حديث:۹۷۹......السنۃ لابن ابی عاصم:۴/۱ حديث:۲......مسند الجامع:۲۱/۳۶ حديث:۱۱۶۷۷)
- سئل النبي –صلى الله عليه وسلم– كم تفرقت بنو إسرئيل؟ فقال: على واحدة–أو اثنين– و سبعين فرقة قال و أمتي أيضا ستفترق مثلهم أو يزيدون واحدة ، كلها في النار إلا واحدة . (مصنف عبدالرزاق:۱۵۶/۱۰ حديث:۱۸۶۷۵)
- سيأتي على أمتي ما أتى على بني إسرائيل مثلا بمثل حذو النعل بالنعل ، و إنهم تفرقوا على اثنين و سبعين ملة ، و سيفترق أمتي على ثلاث و سبعين ملة تزيد عليهم واحدة كلها في النار إلا واحدة ، قيل يارسول الله و ما تلك الواحدة؟ قال هو ما نحن عليه اليوم أنا و أصحابي . (الإبانۃ الکبریٰ:۳/۱ حديث:۱)
- إن بني إسرائيل افترقوا على بضع و سبعين ملة ، ثم إن أمتي ستفترق على –أو عن– مثلها كلها في النار إلا واحدة و هي الجماعة . (الابانۃ الکبریٰ:۲۷۹/۱ حديث:۲۷۲)
- ستفترق أمتي على ثلاث و سبعين ملة ، كلها في النار إلا واحدة ما أنا عليها اليوم و أصحابي . (الابانۃ الکبریٰ:۲۸۰/۱ حديث:۲۷۳)
- إن أهل الكتاب تفرقوا في دينهم على اثنين و سبعين ملة ، و تفترق هذه الأمة على ثلاث و سبعين كلها في النار إلا واحدة و هي الجماعة . (مستدرک:۴۲۸/۱ حديث:۴۰۷)
- ان بني إسرائيل افترقت على موسىٰ سبعين فرقة كلها ضالة إلا فرقة واحدة الإسلام و جماعتهم ، ثم إنها افترقت على عيسىٰ بن مريم على إحدىٰ و سبعين فرقة كلها ضالة إلا واحدة الإسلام و جماعتهم ، ثم إنكم تكونون على اثنين و سبعين فرقة كلها في النار إلا واحدة الإسلام و جماعتهم . (معجم طبرانی:۴۰۰/۱۱ حديث:۱۳۳۸۱......مجمع الزوائد:۳۰۲/۳......نظم المتناثر:۴۶/۱)
- افترقت بنو إسرائيل على إحدى و سبعين فرقة ، و إن أمتي ستفترق على اثنين و سبعين فرقة كلهم في النار إلا واحدة ، قالوا يارسول الله و من هذه الواحدة؟ قال الجماعة . (تفسیر ابن ابی حاتم:۱۴۹/۱۴ حديث:۳۹۶۳......شرف اصحاب الحدیث:۴۴/۱ حديث:۳۵......مسند الجامع:۱۵۳/۴ حديث:۱۲۲۱)
- إن هذه الأمة ستفترق على إحدى و سبعين فرقة ، كلها في النار إلا واحدة و هي الجماعة . (السنۃ لابن ابی عاصم:۶۷/۱ حديث:۵۵)
- تفترق إمتي على ثلاث و سبعين فرقة ، كلها في النار إلا واحدة ، فقيل من هي الناجية؟ فقال ما أنا عليه و أصحابي . (الغرباء للآجری:۱۰/۱ حديث:۸)
- إن أهل الكتابين افترقوا في دينهم على ثنتين و سبعين ملة و إن هذه الأمة ستفترق على ثلاث و سبعين ملة في الأهواء ، كلها في النار إلا واحدة و إنها الجماعة . (المذکر والتذکیر:۱۶/۱ حديث:۱۴)

تواب اس حدیث کی مراد یہ نہیں کہ اگر کوئی جزئی عمل خصوصی طور پر آپ نے یا آپ کے اصحاب نے نہ کیا تو اس کا کرنے والا جہنمی ہوگا اس لیے کہ یہ بالاتفاق ثابت ہے کہ مدرسہ نہ تو آپ نے بنایا اور نہ آپ کے اصحاب نے، تو چاہیے یہ کہ اس ہیئت کذائی کے ساتھ مدرسہ کی تعمیر کرنے والا مستحق نار ہو- معاذ اللہ- بلکہ مراد یہ ہے کہ آپ کے اور آپ کے اصحاب کے اصول کے خلاف جو ہوگا وہ فی النار ہوگا، اور بدعت حسنہ کی ایجاد مخالف اصول نہیں بلکہ جناب رسالت مآب -صلی اللہ علیہ وسلم- نے: من سن في الإسلام سنة حسنة فرما کر اعمال حسنہ کی ایجاد کی ترغیب دی ہے جیسا کہ آگے آئے گا- انشاء اللہ تعالیٰ-

یوں ہی بہت سے ایسے امور خیر جو کہ زمانہ نبوت میں نہ تھے صحابہ کرام- رضوان اللہ علیہم اجمعین- نے ایجاد فرمائے، اور ان پر احداث حسن اور نعمت البدعۃ وغیرہ کا اطلاق کیا۔ تو جو لوگ میلاد شریف یا فاتحہ مروجہ طریقہ کے مطابق کرتے ہیں وہ اس احداث حسن میں خاصی طرح ما أنا علیه و أصحابي کے مصداق ہیں کہ آپ اور آپ کے اصحاب نے احداث حسن کی اجازت دی ہے۔ اور ہم بھی انہیں کے نقش قدم پر چل کر احداثات حسن کو جائز رکھتے ہیں۔ فیا أخي خذ ما آتیتک و کن من الشاکرین. (تو اے برادرِ عزیز! جو نعمت گراں بہا میں تجھے دے رہا ہوں' ہاتھ بڑھا کر لے لے اور شکر گزاروں میں سے ہو جا۔)

بعض مانعین کہتے ہیں کہ مخالف' احداث کرنے سے مراد یہ ہے کہ جس کام کو حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- نے نہیں کیا وہی کام مخالف سنت، بدعت اور مکروہ ہے، اور اس کو ایجاد نہ کرنا چاہیے۔ اور صحابہ نے جن امور پر انکار کیا ہے وہ سب امورِ خیر تھے ان میں اس کے سوا کوئی اور بات نہ تھی کہ ان کی ہیئت حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- سے نہ پائی گئی۔ مثلاً عبداللہ بن مسعود نے ذکر کرنے والی ایک جماعت کو مسجد سے نکال دیا، یہ ہیئت خاصہ جدیدہ پر انکار تھا ورنہ اصل ذکر اللہ تو خود مامور بہ ہے۔

---

- إن بني إسرائيل افترقت على إحدى و سبعين فرقة كلهم في النار إلا واحدة فقيل يا رسول الله و ما هذه الواحدة ؟ فقبض يده و قال : الجماعة ، فاعتصموا بحبل الله جميعا و لا تفرقوا. (شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ للالکائی: ۱/۱۵۲ حدیث: ۱۲۸)
- تفترق إمتي على ثلاث و سبعين فرقة كلهن في النار إلا واحدة قالوا و ما تلك الفرقة قال: ما أنا عليه اليوم و أصحابي . (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۱/۱۱۴)
- عن أنس عن النبي -صلى الله عليه وسلم- تفترق إمتي على بضع و سبعين فرقة كلها في الجنة إلا واحدة و هي الزنادقة . (کشف الخفاء: ۱/۱۵۰)

اور حضرت علی نے قبل نماز عید نفل پڑھنے سے منع فرمایا حالاں کہ خود نماز پڑھنا منع نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے نماز چاشت کو - جو ان کی شرطوں کے موافق نہ تھی - بدعت فرمایا۔ اور اسی طرح قنوت جو ان کے زمانہ میں پڑھتے تھے اس کو بھی بدعت فرمایا۔ - ان کی باتیں ختم ہوئیں -

میں کہتا ہوں: یہ تقریر اگر چہ قائلین قولِ چہارم کے مشرب کے مطابق ہے۔ لیکن بعض لوگ مزید بے خبری کے عالم میں یہ بات کہنے لگتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو کام حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - نے نہیں کیا اس کو مخالف سنت ، مکروہ اور بدعت کہنا صحیح نہیں۔ کیوں کہ جس سے نص شارع خاموش ہو اس کو مخالف شرع نہیں کہتے۔ دار قطنی نے ابو ثعلبہ سے روایت کیا کہ نبی کریم - صلی اللہ علیہ وسلم - نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض چیزیں فرض فرمائی ہیں تو ان کو ضائع مت کرو ، بعض چیزیں حرام فرمائیں تو ان کی حرمت نہ توڑو۔ اور کچھ حدیں مقرر فرمائی ہیں تو ان حدوں سے آگے نہ بڑھو۔ اور بعض چیزوں سے دانستہ سکوت فرمایا ہے تو ان میں بحث نہ کرو۔ یہ حدیث مشکوٰۃ کے - باب الاعتصام - میں ہے۔

حضرت ابن عباس - رضی اللہ عنہما - نے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ نے حلال کر دیا وہ حلال ہے اور جو حرام کر دیا وہ حرام ، اور جس میں سکوت فرمایا اور کچھ نہ بیان کیا وہ معافی میں ہے یعنی اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مواخذہ نہ ہوگا۔ یہ مشکوٰۃ کے - باب ما یحل اکلہ - میں ہے۔

ان احادیث سے علما نے ایک اصل عظیم پیدا کی ہے کہ اشیا میں اصل اباحت ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جس چیز میں اللہ و رسول کی طرف سے سکوت ہو اس کو مباح جاننا چاہیے نہ کہ بدعت ، مکروہ اور حرام۔

شاہ ولی اللہ صاحب کتاب "مصفی شرح موطا" مطبوعہ کے صفحہ ۱۷۸ پر - تطوع قبل عید - کے تحت لکھتے ہیں :

> ماخذ دیگراں استصحاب مشروعیت اصل صلوٰۃ است و نیافتن دلیلے کہ دلالت کند بر منع زیرا کہ نکردن آں حضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - دریں حال دلالت بر کراہت نمی نماید ترک فعل خیر نزدیک حضور دواعی آں دلیل کراہت نمی تواند شد - انتہیٰ -

یعنی دوسروں کا ماخذ اصل صلوٰۃ کی مشروعیت کا استدلال ہے ، اور ایسی دلیل کا نہ پانا جو اس کے عدم جواز پر دلالت کرے ؛ کیوں کہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کا کسی چیز کا نہ کرنا اس کی کراہت پر دلالت نہیں کرتا۔ کسی اچھے کام کے اسباب کے موجود ہونے کے باوجود چھوڑ

دینا اس کی کراہت پر دلیل نہیں۔

اس میں شاہ ولی اللہ صاحب نے کھول کر فرمادیا کہ دواعی موجود ہونے کے باوجود اگر کسی فعل خیر کو رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - نہ کریں تو یہ کراہت کی دلیل نہیں ہوسکتی۔

اور وہ جو علماے حنفیہ، طلوع فجر کے بعد نوافل پڑھنے میں کراہت ثابت کرتے ہیں تو اس میں یہ علت ہے کہ آں حضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نماز پر بہت حریص تھے۔ (آپ فرماتے ہیں) :

**جُعِلَتْ قُرَّةُ عَينِي فِي الصَّلوٰةِ .(۱)**

یعنی میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے۔

دیگر اوقات میں یہ بات دیکھی کہ نماز بعض وقتوں میں جائز اور بعض میں نہیں، تو اس بنیاد پر علما نے اس حرص کے باوجود نوافل کا اس وقت میں پھر کبھی نہ پڑھنا، اس وقت کو وجہ کراہت ٹھہرایا۔

الحاصل! یہ بات علی العموم صحیح نہیں کہ جو فعل خیر آپ نے نہ کیا وہ بدعت اور مخالف سنت ہوتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ بدعت اور مخالف سنت وہی کام ہوگا جو شارع - علیہ السلام - کے امر و نہی کے خلاف ہوگا اور اس طرح کا کام جو کوئی ایجاد کرے وہ اس ارشاد پاک میں داخل ہوگا :

**مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ .** (تخریج گزرچکی)

اور وہ فعل، مکروہ اور بدعت وضلالت کہلائے گا۔

حجۃ الاسلام امام غزالی - علیہ الرحمہ - احیاء العلوم جلد دوم صفحہ ۲۷۱ پر - آداب سماع - کے تحت فرماتے ہیں :

**و قول القائل : إن ذلک بدعة لم يكن في الصحابة ؟ فليس كل ما يحكم بإباحته منقولا عن الصحابة -رضي الله عنهم- و إنما المحذور ارتكاب بدعة تراغم سنة مأثورة و لم ينقل النهي عن شيء من هذا.(۲)**

---

() مشکوۃ المصابیح:۳/۱۴۰حدیث:۵۲۶۱......مسند احمد:۲۸/۴۷حدیث:۱۳۵۲۶......مصنف ابن ابی شیبہ:۲۸/۴۷ حدیث: ۱۳۵۲۶......مصنف عبدالرزاق: ۴/۳۲۱ حدیث: ۷۹۳۹......معجم کبیر طبرانی:۱۵/۳۵۴حدیث: ۱۷۳۸۸ ......تفسیر ابن ابی حاتم:۱۲/۱۳حدیث:۳۲۹۶......الآثار لابو یوسف:۱/۲۸۷حدیث:۲۷۹......دلائل النبوۃ اصبہانی: ۲/۱۸۲......کنز العمال: ۷/۲۸۷حدیث:۱۸۹۱۲......روضۃ المحدثین:۶/۳۶۷حدیث:۲۶۴۲......تخریج احادیث الاحیاء:۶/۳۴۸حدیث:۲۶۹۹......سنن بیہقی:۷/۷۸......سنن نسائی:۵/۲۸۰حدیث:۸۸۸۸......المقاصد الحسنہ: ۱/۹۹......مسند الجامع:۱/۴۵۳حدیث:۳۰۰......تحفۃ الاشراف:۳/۸۷حدیث:۲۷۹۔

(۲) احیاء علوم الدین:۲/۱۴۱- باب ما یحمد من آثار الوجد و ما یذم -

واضح ہو کہ حجۃ الاسلام نے اس مقام پر یہ بیان فرمایا ہے کہ جب صوفی وجد صادق کی حالت میں کھڑا ہو جائے تو ضروری ہے کہ جماعت بھی اس کی موافقت میں کھڑی ہو جائے اور اگر اسی طرح یہ عادت جاری ہو جائے کہ صاحب وجد کا عمامہ اتر جائے تو سب لوگ اپنا عمامہ الگ کر دیں ،اس کا کپڑا بدن سے الگ ہو جائے تو لوگ بھی اس کی موافقت میں اپنے کپڑے بدن سے ڈال دیں تو یہ باتیں البتہ حقوقِ صحبت اور حسن معاشرت میں داخل ہیں،اور اگر کوئی یہ کہے کہ یہ تو بدعت ہے اور صحابہ سے منقول بھی نہیں۔تو ہم کہیں گے کہ بہتیری مباح باتیں صحابہ سے منقول نہیں۔ممنوع ومحذور وہی بدعت ہے جو کسی سنت مامور بہا کو مٹا دے،اوران اشیاے مذکورہ کے لیے کوئی ممانعت نقل نہیں ہوئی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر اسی احیاء العلوم کے صفحہ ۹۲ میں ہے،ملاحظہ فرمائیں :

**و أما مجرد السواد فليس بمكروه، لكنه ليس بمحبوب إذ أحب الثياب إلى الله تعالىٰ البيض . و من قال إنه مكروه و بدعة أراد به أنه لم يكن معهودا في العصر الأول ، و لكن إذا لم يرد فيه نهي فلا ينبغي أن يسمى بدعة و مكروها و لكنه ترك للأحب .** (۱)

حجۃ الاسلام امام غزالی فرماتے ہیں کہ محض سیاہ لباس پہننا مکروہ نہیں لیکن محبوب بھی نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب سفید لباس ہے۔اور جس نے یہ کہا کہ مکروہ اور بدعت ہے تو اس کی مراد یہ ہے کہ عصر اول میں اس کا کوئی دستور نہ تھا لیکن جب کہ اس میں شارع-علیہ السلام- سے کوئی نہی وارد نہیں تو اس کو بدعت ومکروہ نہ کہنا چاہیے۔ہاں اسے چھوڑ دینا بہت بہتر ہے یعنی اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند سفید لباس ہے۔

حضرت حجۃ الاسلام کی دونوں مقام کی تقریریں صاف بیان کر رہی ہیں کہ صدر اول میں دستور نہ ہونا یا منقول نہ ہونا بدعت وکراہت کا سبب نہیں ہوسکتا جب تک کہ شارع-علیہ السلام- سے صریح نص موجود نہ ہو۔تو جملہ اہل اسلام کو معلوم ہونا چاہیے کہ حدیث: **من أحدث في أمرنا** کے ذیل میں جو شارحین حدیث لکھ رہے ہیں کہ ایسی چیز کی ایجاد جو کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو بری نہیں،اس کا صاف معنی یہی ہے کہ جس چیز کی نہی کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ میں موجود نہیں اس کا نکالنا برا نہیں اور جس کی نہی موجود ہے وہ ایجاد واحداث مردود ہے۔

(۱) احیاء علوم الدین:۲/۱۷۱ -فمن ذالک منکرات المساجد-

اور وہ صحابہ کی نظیریں جنھیں معارضین پیش کرتے ہیں تو ان میں یہی بات تھی کہ صحابہ نے اپنے نزدیک ان کو رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی نہی کے مقابل سمجھا تھا۔ مثلاً عبداللہ بن مسعود کا انکار فرمانا تو اس میں دو طرح کی روایتیں ہیں ایک اس طرح :

**أخرج الطبراني بسنده عن قيس بن أبي حازم قال : ذُكِرَ لابنِ مَسْعُودٍ قَاصٌّ يَجْلِسُ بِاللَّيْلِ وَ يَقُولُ لِلنَّاسِ قُولُوا كَذَا -الحديث-(۱)**

اس روایت میں لفظ قاص ہے۔ یعنی ایک قصہ گو آدمی رات کے وقت قصہ کہنے بیٹھتا تھا اور قصہ گوئی کے دوران لوگوں سے کہتا جاتا تھا کہ ایسا کہو ایسا کہو۔ یہ خبر عبداللہ بن مسعود- رضی اللہ عنہ- کو پہنچی تو آپ وہاں تشریف لے گئے اور اس کو دھمکایا کہ تم نے یہ کیا بدعت نکال رکھی ہے!۔

واضح ہو کہ یہ انکار کرنا ہیئت جدیدہ کے عارض ہونے کے سبب نہ تھا بلکہ قصہ گوئی کے لیے اس کا وہ مجمع کرنا جو خلاف شرع تھا، گو ذکر اللہ بھی کبھی کبھی درمیان میں ہوتا ہو۔ اصحاب رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- ایسے قصہ گویوں کو جو بے اصل قصے بیان کرتے' مسجد سے نکال دیا کرتے تھے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ- رحمۃ اللہ علیہ- آداب تذکیر قول جمیل میں فرماتے ہیں :

**و لا يذكر القصص المجازفة فإن الصحابة أنكروا على ذلک أشد الإنكار و أخرجوا أولئک من المساجد و ضربوهم .**

یعنی بے بنیاد قصے نہ بیان کیے جائیں کیوں کہ صحابہ کرام نے سختی سے اس کا انکار فرمایا ہے بلکہ ایسوں کو مارا بھی اور مسجد سے نکال بھی دیا ہے۔

''نصاب الاحتساب'' میں ہے :

**و القصص عندهم بدعة و كانوا يخرجون القصاص من الجامع .**

یعنی ان کے نزدیک قصے بدعت ہیں اور وہ قصہ گویوں کو جامع مسجد سے نکال بھگاتے تھے۔

حضرت پیرانِ پیر ''غنیۃ الطالبین'' میں فرماتے ہیں :

**و كان ابن عمر وغيره من الصحابة -رضي الله عنهم- يخرجون القصاص من الجامع** ان قرینوں سے صحیح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ قاص ایسا ہی قصہ گو تھا اور اگر وہ مرد واعظ حقانی ہوتا اور وعظ کرتے کرتے درمیان میں لوگوں سے ذکر اللہ بھی کراتا جاتا تو ایسا ہرگز منع نہ تھا۔

---

(۱) معجم کبیر طبرانی: ۳۰/۸ حدیث: ۵۵۱۔

قاضی خان میں ہے :

**العالم إذا قال في المجلس صلوا على النبي –عليه الصلوٰة و السلام– فإنه يثاب على ذلک ، و كذا الغازي إذا قال كبروا يثاب عليه .**

یعنی جب کوئی عالم کسی مجلس میں حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- پر درود پڑھنے کا حکم کرتا ہے تو وہ اس کی وجہ سے ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ یوں ہی غازی بھی کہ جب تکبیر پڑھنے کے واسطے کہے تو وہ اس کی وجہ سے ثواب پائے گا۔

دوسری روایت اس طرح ہے کہ وہ لوگ جہراً ذکر اللہ کرتے تھے اس لیے ان کو نکال دیا تو اس کی وجہ بھی وہی ہے کہ عبداللہ بن مسعود -رضی اللہ عنہ- ذکر جہر کو مخالف شریعت سمجھتے تھے- جیسا کہ کتب فقہ میں روایت ملتی ہے- اور مانعین جہر، قرآن کی اس آیت کو بطور سند پیش کرتے ہیں :

**أُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْيَةً .** (۱)

اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔

ساتھ ہی بخاری کے -کتاب الجہاد- میں ابوموسیٰ اشعری سے روایت کردہ حدیث کو پیش کرتے ہیں کہ وہاں صحابہ بلند آواز سے لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر کہتے تھے تو حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- نے ارشاد فرمایا :

**يَـا أَيُّهَـا الـنَّـاسُ! ارْبَـعُـوا عَـلٰى أَنْفُسِكُمْ فَإِنَّكُم لاَ تَدْعُونَ أَصَمَّ وَ لاَ غَائِباً إِنَّهُ مَعَكُمْ إِنَّهُ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ .**(۲)

یعنی اے لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو، تم کسی بہرے یا غائب سے نہیں دعا کر رہے ہو، وہ تو ہمہ وقت تمہارے ساتھ ہے اور تمہیں سنتا ہے۔

---

(۱) سورۂ اعراف؛ ۷/۵۵۔

(۲) صحیح بخاری: ۱۰/۱۶۹ حدیث: ۲۷۷۰...... صحیح مسلم: ۱۳/۲۲۰ حدیث: ۴۸۷۳...... مسند احمد: ۴۰/۹۷ حدیث: ۱۸۷۸۰...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۰/۹۷ حدیث: ۱۸۷۸۰...... سنن بیہقی: ۲/۱۸۴...... مصنف عبدالرزاق: ۵/۱۶۰ حدیث: ۹۲۴۶ ...... سنن نسائی: ۴/۳۹۸ حدیث: ۷۶۷۹...... مسند ابویعلی موصلی: ۱۵/۶۲ حدیث: ۷۰۹۳...... مسند حمیدی: ۱۵/۶۲ حدیث: ۷۰۹۳...... مسند طیالسی: ۲/۹ حدیث: ۴۸۹...... مشکل الآثار طحاوی: ۱۲/۴۹۲ حدیث: ۵۰۶۰...... الاسما والصفات بیہقی: ۱/۳۷ حدیث: ۶۳ ...... مسند بزار: ۷/۴۷۷ حدیث: ۲۵۸۹...... التوحید لابن خزیمہ: ۱/۶۷ حدیث: ۵۷...... التوحید لابن مندہ: ۱/۴۲۱ حدیث: ۳۱۱...... الدعوات الکبیر بیہقی: ۱/۱۴۶ حدیث: ۱۲۵...... الناسخ والمنسوخ نحاس: ۱/۴۶۵ حدیث: ۳۷۲ ...... عمل الیوم واللیلۃ ابن سنی: ۲/۴۹۸ حدیث: ۵۲۰...... مسند رویانی: ۲/۱۲۲ حدیث: ۵۲۹...... کنز العمال: ۲/۹۱ حدیث: ۳۲۸۷...... مسند الجامع: ۲۷/۱۸۶ حدیث: ۸۸۸۲۔

اس سے بعض صحابہ یہ سمجھ گئے کہ ذکر جہر منع ہے۔ اسی بنیاد پر حضرت عبداللہ بن مسعود نے ان لوگوں کو منع فرما دیا۔ چنانچہ حموی میں ہے :

في فتاویٰ القاضي الجهر بالذكر حرام ، و قد صح عن ابن مسعود انه سمع قوما اجتمعوا في مسجد يهللون و يصلون عليه الصلوٰة و السلام جهرا فراح إليهم و قال ما عهدوا ذلك على عهده عليه الصلوٰة و السلام و ما أراكم إلا مبتدعين فما زال يذكر ذلك حتى أخرجهم من المسجد .

یعنی فتاویٰ قاضی میں مذکور ہے کہ جہراً ذکر کرنا حرام ہے۔ اور حضرت ابن مسعود سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے لوگوں کو مسجد میں اکٹھا ہوکر زور زور سے تہلیل کرتے اور درود و سلام پڑھتے دیکھا تو ان کی طرف گئے اور کہا کہ نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کے زمانے میں تو ایسا نہیں ہوا کرتا تھا، اس سلسلے میں میں تمھیں بدعتی پا رہا ہوں۔ تو یہ لوگ ایسا ہی ذکر کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے ان کو مسجد سے نکال دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ان لوگوں کو صرف احداث ہیئت جدیدہ کے لیے نہیں بلکہ یہ سمجھ کر نکالا تھا کہ ان کا یہ ذکر جہر کرنا نہی رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے مخالف ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جو احداث شارع -صلی اللہ علیہ وسلم- کے حکم کے خلاف ہو وہ منع ہے، اور جو مخالف نہیں وہ منع نہیں۔ چنانچہ یہی ذکر جہر جن لوگوں کے نزدیک مخالف نہیں وہ سب جائز کہتے ہیں۔

عمدۃ الفقہا و المحدثین جناب مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی -جن سے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے بھی حدیث پڑھی ہے- اپنے رسالہ ''دلائل الاذکار'' -مطبوعہ دہلی- کے صفحہ ۷۹ میں فرماتے ہیں :

ان النبي -صلى الله عليه وسلم- كان يجهر مع الصحابة -رضوان الله عليهم أجمعين- بالأذكار و التهليل و التسبيح بعد الصلوٰة -انتهى-

---

بقیہ: یہ حدیث ان الفاظ میں بھی ملتی ہے :

- يـاأيها الناس غضوا من أصواتكم فإنكم لا تدعون أصم و لا غائبا إن الذي تدعون دون ركابكم . (سنن ابوداؤد:۳۲۲/۴حدیث:۱۳۰۵......شعب الایمان:۲۲۳/۲حدیث:۶۸۱......کنز العمال:۸۳/۲حدیث:۳۲۴۴)
- يـاأيها الناس إنكم لا تدعون أصم و لا غائبا إن الذي تدعون بينكم و بين أعناق أكتافكم . (مشکل الآثار طحاوی:۴۹۳/۱۲)

یعنی نبی کریم-صلی اللہ علیہ وسلم-نماز کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ جہراً تسبیح وتہلیل اوراذ کار فرمایا کرتے تھے۔

درمختار کے حاشیۂ شامی میں ہے :

**أجمع العلماء سلفا و خلفا على استحباب ذكر الجماعة في المساجد و غيرها إلا أن يُشوِّش جهرُهم على نائم أو مصلٍّ أو قارىء -انتهىٰ- (۱)**

یعنی اسلاف واخلاف سبھی علما کا اس پر اجماع ہے کہ مسجد اور غیر مسجد کے اندر جماعت کے ساتھ ذکر مستحب ہے، جب کہ ان کا جہراً ذکر کرنا کسی قاری، نمازی اور سونے والے کے لیے باعث خلل نہ ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ جماعت کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کے استحباب پر علما کا اجماع ہے۔ اور یہ علما' حدیث بخاری کی نہی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ چوں کہ وہ موقع جہاد تھا، وہاں کفار سے اپنا حال چھپانا منظور تھا اس لیے جہر کو آپ نے منع فرمایا نہ اس لیے کہ جہر منع ہے۔اور اسی طرح آیت میں بھی ایک نکتہ بیان فرماتے ہیں۔

دوسرا انکار حضرت علی -کرم اللہ وجہہ- کا ہے کہ آپ نے ایک شخص کو نماز عید سے پہلے نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔واضح ہو کہ یہ منع فرمانا صرف اسی وجہ سے نہ تھا کہ اس وقت نماز آپ سے منقول نہیں اور جب منقول نہیں تو بدعت ٹھہرے جیسا کہ فریق ثانی اس مغالطہ میں پڑا ہوا ہے۔ بلکہ حضرت علی-کرم اللہ وجہہ-کا منع فرمانا ایک دلیل ہے جس پر علماے حنفیہ کا عمل ہے یعنی رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی صریح نہی موجود ہے۔

شرح مجمع میں ہے :

**روي أنه -عليه السلام- قَالَ لاَ صَلٰوۃَ فِي الْعِيْدَيْنِ قَبْلَ الإمَامِ .**

یعنی نبی کریم-صلی اللہ علیہ وسلم- سے مروی کہ آپ نے فرمایا: عیدین کی نماز میں' جماعت سے پہلے کوئی نماز نہیں۔

بس یہی ہمارا دعویٰ ہے کہ احداث اس شے کا منع ہے جو شارع -علیہ السلام- کے امر و نہی کے مخالف ہو۔تو جن لوگوں تک شارع -صلی اللہ علیہ وسلم- کی نہی پہنچ گئی انھوں نے عید سے پہلے نفلی نماز پڑھنے کو منع کر دیا لیکن جن تک نہیں پہنچی تو انھوں نے صرف حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- کے نہ

(۱) ردالمحتار:۹۳/۵-فروع افضل المساجد-

کرنے کے سبب منع کا حکم نہیں دیا، اور یہ کہا کہ :

ترک فعل خیر نزدیک حضورِ دواعی آں دلیل کراہت نمی تواند شد۔

یعنی دواعی موجود ہونے کے باوجود کسی فعل خیر کو ترک کرنا اس کی کراہت کی دلیل نہیں ہوسکتا۔

-جیسا کہ مصفی شرح موطا سے اوپر نقل ہوا-

تیسرا انکار نماز چاشت پر حضرت عبداللہ بن عمر کا ہے تو یہ انکار مانعین کے لیے فائدہ مند نہیں اس لیے کہ وہ اس کو بدعت حسنہ فرماتے تھے۔

مواہب لدنیہ اور خاتم المحدثین زرقانی کی شرح مواہب کے صفحہ ۱۴ پر شعبی سے روایت ہے :

سمعت ابن عمر يقول ما ابتدع المسلمون أفضل من صلوٰة الضحىٰ و روي ابن أبي شيبة بإسناد صحيح عن الحكم بن عبد الله بن اسحق بن الأعرج قال سألت ابن عمر عن صلوٰة الضحىٰ فقال بدعة و نعمت البدعة و روي عبد الرزاق بإسناد صحيح عن سالم عن أبيه قال لقد قتل عثمان و ما أحد يسبحها و ما أحدث الناس شيئا أحب إلي منها و روي سعيد بن منصور عن مجاهد عن ابن عمر انها محدثة و انها لمن أحسن ما أحدثوا. (۲)

یعنی میں نے ابن عمر کو کہتے سنا کہ مسلمانوں نے نمازِ چاشت کی شکل میں کیسی عمدہ ترین بدعت ایجاد کی ہے۔ابن ابی شیبہ سند صحیح کے ساتھ حکم بن عبداللہ بن اسحٰق بن اعرج سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے نمازِ چاشت کی بابت ابن عمر سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: یہ بدعت ہے مگر بہترین بدعت ۔عبد الرزاق صحیح سندوں کے ساتھ سالم اور ان کے والد سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا اس وقت تک لوگ چاشت کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔اور میرے نزدیک اس سے بہتر اور کوئی چیز لوگوں نے نہیں ایجاد کی ۔سعید بن منصور نے مجاہد سے اور انھوں نے ابن عمر سے روایت کیا کہ نمازِ چاشت بلاشبہہ ایجاد کردہ چیزوں میں ہے لیکن وہ بہترین ہے ان چیزوں میں جو لوگوں نے ایجاد کی۔

سعید بن منصور کی یہ آخری روایت شرح بخاری' فتح الباری وغیرہ میں بھی موجود ہے۔(۱)

لہٰذا بدعت حسنہ ثابت کرنے والوں کا مدعا ثابت اور رد کرنے والوں کا باطل ہوگیا۔اور بعض علما نے یہ خیال کیا ہے کہ ان کا انکار اصل نماز پر نہ تھا کیوں کہ وہ تو ان کے نزدیک بدعت حسنہ

---

(۱) روضۃ المحدثین: ۱/۵۰۰ حدیث: ۵۰۰......فتح الباری ابن حجر: ۴/۱۷۳-صلاۃ الضحی فی السفر-

(۲) مواہب لدنیہ: ۴/۲۱۵۔مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکاتِ رضا۔

اور افضل و احسن کام تھا، اس پر وہ انکار کس طرح فرماتے، بلکہ اگر انھوں نے انکار کیا ہے تو اس بات پر کہ چونکہ لوگ اس کو نماز فرائض کی طرح مسجدوں میں جمع ہو کر اہتمام کے ساتھ پڑھتے تھے اور یہ بات خلاف اصل تھی کیوں کہ صحیح حدیث میں حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- سے منقول ہے :

فَعَلَيْكُم بِالصَّلوٰةِ فِي بُيُوتِكُم فَإِنَّ خَيْرَ صَلوٰةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ . (۱)

یعنی تمھیں اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھنی چاہیے کیوں کہ فرض نماز کے علاوہ ایک انسان کی سب سے بہتر نماز وہ ہے جو اس کے گھر میں ادا کی جائے۔

یہ بھی صحیح حدیث ہے :

---

(۱) صحیح بخاری: ۱۹/۰۷حدیث: ۵٦۴۸......صحیح مسلم : ۱۸۳/۴حدیث: ۱۳۰۱......سنن ابوداؤد: ۲۳۷/۴حدیث: ۱۲۳۵......مسند احمد: ۱۱۲/۴۴حدیث: ۲۰٦۴۵......مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۱۲/۴۴حدیث: ۲۰٦۴۵......معجم کبیر طبرانی: ۶۱/۵ حدیث: ۴۷٦۳......سنن دارمی: ۱۸۲/۴حدیث: ۱۴۱۷......مستخرج ابوعوانہ: ۵۴/۵حدیث: ۱۷٦۹......مشکل الآثار طحاوی: ۹۰/۲حدیث: ۵۰۳۔

یوں بھی یہ حدیث آئی ہے :

- أفضل الصلوٰة صلوتكم في بيوتكم إلا صلوٰة المكتوبة . (موطا امام مالک: ۳۸۷/۱حدیث: ۲٦۷......سنن نسائی: ۴۰۹/۱حدیث: ۱۲۳۹......مشکل الآثار طحاوی: ۹۱/۲حدیث: ۵۰۴)
- أفضل صلاتكم في بيوتكم إلا المكتوبة . (سنن ترمذی: ۲۴۹/۲حدیث: ۴۱۲......سنن نسائی: ۲۴۹/۲حدیث: ۴۱۲......صحیح ابن حبان: ۳۷/۱۱حدیث: ۲۵۷۹......صحیح ابن خزیمہ: ۴۲۳/۴حدیث: ۱۱۳۹)
- اجعلوا من صلوتكم في بيوتكم . (موطا امام مالک: ۳۸۷/۱حدیث: ۲٦۷......صحیح بخاری: ۲۱۰/۲حدیث: ۴۱۴......صحیح مسلم: ۱۷۸/۴حدیث: ۱۲۹٦......سنن ابوداؤد: ۲۳۲/۳حدیث: ۸۷۹......مسند احمد: ۴٦۰/۹حدیث: ۴۴۲۴......مصنف ابن ابی شیبہ ۴٦۰/۹حدیث: ۴۴۲۴......سنن بیہقی: ۱۸۹/۲......مسند ابویعلی موصلی: ۱۲۷/۱۰حدیث: ۴۷۴۲......مسند حمیدی: ۱۲۷/۱۰حدیث: ۴۷۴۲......صحیح ابن خزیمہ: ۴۲۷/۴حدیث: ۱۱۴۱)
- فصلوا أيها الناس في بيوتكم فإن أفضل الصلوٰة صلوٰة المرء في بيته إلا المكتوبة . (صحیح بخاری: ۱٦۵/۳حدیث: ٦۸۹......مسند احمد: ٦۷/۴۴حدیث: ۲۰٦۰۰......مصنف ابن ابی شیبہ: ٦۷/۴۴حدیث: ۲۰٦۰۰......سنن بیہقی: ۱۹۴/۲......معجم کبیر طبرانی: ٦۰/۵حدیث: ۴۷٦۱......شعب الایمان: ۲۸۱/۷حدیث: ۳۱۳۲......مستخرج ابوعوانہ: ۵۳/۵حدیث: ۱۷٦۸......صحیح ابن حبان: ۴۵۹/۱۰حدیث: ۲۵۳۸......صحیح ابن خزیمہ: ۴۲۴/۴حدیث: ۱۱۴۰......مشکل الآثار: ۸۹/۲حدیث: ۵۰۲)

صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ . (۱)

یعنی اے لوگو! اپنے گھروں میں بھی نمازیں پڑھا کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ فرض نماز کے سوا اور نوافل آدمی کو گھر میں پڑھنا چاہیے۔ اور امام ترمذی نے فرمایا کہ نفل نماز گھر میں پڑھنے کی روایتیں حضرت عمر، جابر، ابوسعید، ابوہریرہ، ابن عمر، عائشہ، عبداللہ بن سعید اور زید بن خالد سے روایت کی گئی ہیں۔ تو ممکن ہے کہ حضرت ابن عمر کے اجتہاد کا یہ تقاضا ہو کہ نفل نمازوں کے لیے حکم یہ ہوا ہے کہ: صلّوا في بيوتكم (اپنے گھروں میں پڑھو) اور یہاں لوگوں نے یہ کیا کہ دائمی طور پر مسجد ہی میں پڑھنے لگے اور یہ فرمان نبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کے خلاف ٹھہرا۔

بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابتداے اسلام میں جملہ فرائض ونوافل چوں کہ ایک دوسرے سے بخوبی جدا اور ممیّز نہیں ہوئے تھے، اس لیے مسجدوں میں اکٹھا ہو کر نماز چاشت پڑھنے سے لوگوں کو یہ شبہہ ہوتا کہ کہیں وہ اس کو بھی فرض وواجب نہ سمجھ بیٹھیں۔ چنانچہ حضرت غوث الثقلین -قدس سرہ- ''غنیۃ الطالبین'' میں فرماتے ہیں :

و إنما أرادوا بذلک لئلا تشبه بصلاة الفرض فيعتقد الناس وجوبها –الیٰ آخرہ–

یعنی ایسا اس لیے ہوا تا کہ اس پر فرض نماز کا شبہہ نہ ہو اور لوگ اسے فرض وواجب نہ گمان کر بیٹھیں۔

ان عبارتوں سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اگر نماز چاشت پر انکار ہوا ہے تو ایسا ارشادِ نبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کی دائمی مخالفت اور اشتباہِ فرض ونفل کے اندیشے کے سبب تھا۔ لہٰذا معارضین کا یہ سمجھنا کہ یہ انکار فقط عدم ثبوت کے سبب تھا بالکل مخدوش اور ساقط الاعتبار ہو گیا۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۴۲۲/۳ حدیث: ۸۵۰...... صحیح مسلم: ۴۸۴/۳ حدیث: ۱۱۲۸...... سنن ابوداؤد: ۲۶۳/۳ حدیث: ۹۰۰...... سنن ترمذی: ۲۵۰/۲ حدیث: ۴۱۳...... سنن نسائی: ۲۵۰/۲ حدیث: ۴۱۳...... مسند احمد: ۳۱۸/۹ حدیث: ۴۲۸۲...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۱۸/۹ حدیث: ۴۲۸۲...... سنن بیہقی: ۱۸۵/۳ ...... مصنف عبد الرزاق: ۳۹۳/۱...... سنن نسائی: ۴۰۸/۱ حدیث: ۱۲۹۰...... مستدرک: ۵۹/۳ حدیث: ۱۰۰۰...... معجم کبیر طبرانی: ۲۱۲/۵ حدیث: ۵۱۴۱...... مستخرج ابوعوانہ: ۱۸۵/۳ حدیث: ۱۰۲۳...... مسند ابویعلی موصلی: ۲/۱۴ حدیث: ۶۶۱۵...... مسند حمیدی: ۲/۱۴ حدیث: ۶۶۱۵...... صحیح ابن خزیمہ: ۷۵/۷ حدیث: ۱۷۵۹۔

چوتھا انکار حضرت عبداللہ ابن عمر کا قنوت پر جواُن کے زمانے میں لوگ پڑھتے تھے، آپ نے اس کو بدعت فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- نے صبح کی نماز میں ایک مہینہ قنوت پڑھا تھا پھر چھوڑ دیا۔

عن أنس أنَّ النَّبِيَّ -صلى الله عليه وسلم- قَنَتَ شَهْراً ثُمَّ تَرَكَهُ . (۱)

یعنی حضرت انس-رضی اللہ عنہ-فرماتے ہیں کہ رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- نے ایک ماہ قنوت فرما کر اسے ترک کر دیا۔

اب ائمہ دین میں اختلاف پڑ گیا بعض نے کہا کہ قنوت کا چھوڑ دینا بیان جواز کے لیے تھا نسخ ہونا اس سے ثابت نہیں ہوتا، اور جس کام کو رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- نے کیا اسے بدعت نہیں کہا جا سکتا۔

بعض نے کہا کہ جب آپ نے چھوڑ دیا تو منسوخ ہو گیا :

و العمل بالمنسوخ لا يجوز اتفاقا .

یعنی حکم منسوخ پر عمل کرنا متفقہ طور پر درست نہیں۔

دارِقطنی نے سعید بن جبیر سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے حضرت ابن عباس-رضی اللہ عنہما-کو یہ فرماتے سنا :

إن القنوت في صلاة الفجر بدعة . -ذكره الزرقاني-

یعنی نماز فجر میں قنوت پڑھنا بدعت ہے۔

علامہ عینی شرح ہدایہ کے صفحہ ۵۳۱ پر لکھتے ہیں :

و كان أحد من روي أيضا عن الرسول -صلى الله عليه وسلم-عبد الله ابن عمر -رضي الله عنهما- ثم أخبرهم ان الله -عزوجل- نسخ ذلک حتى أنزل على رسوله -عليه السلام- ليس لک من الأمر شيء - الآية- فصار ذلک عند ابن عمر منسوخا فلم يكن هو يقنت بعد رسول الله -صلى الله عليه وسلم- و كان ينكر على من يقنت -انتهىٰ-

(۱) صحیح مسلم:۳/۴۴۳حدیث: ۱۰۹۲...... سنن ابوداؤد: ۴/۲۳۴حدیث:۱۲۳۳...... مسنداحمد: ۲۶/۶۸حدیث: ۱۲۵۲۱......مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۶/۶۸حدیث: ۱۲۵۲۱......سنن بیہقی: ۲/۲۰۱......سنن نسائی: ۱/۲۲۷حدیث: ۶۶۶......تہذیب الآثار طبری:۶/۱۷۴حدیث:۲۶۸۲......سنن دارقطنی: ۴/۳۹۹حدیث: ۱۷۱۲......معرفۃ السنن والآثار:۳/۲۰۰حدیث:۱۰۱۷......نصب الرایہ:۳/۱۸۴......مسندالجامع:۲/۱۹۵حدیث:۴۹۳۔

یعنی سرکار دوعالم -صلی اللہ علیہ وسلم- سے اس قسم کی روایت کرنے والوں میں حضرت عبد اللہ بن عمر بھی آتے ہیں۔ پھر انھوں نے بتایا کہ اللہ -عز وجل- نے اسے منسوخ فرما کر اپنے پیارے رسول -صلی اللہ علیہ وسلم- پر یہ آیت نازل فرمادی ہے: **لیس لک من الأمر شییء**۔ تو گویا اس کا حکم حضرت عبداللہ بن عمر کے نزدیک منسوخ ہوگیا یہی وجہ ہے کہ وہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے بعد قنوت نہیں پڑھتے تھے بلکہ جو پڑھتا اسے منع بھی فرماتے تھے۔

گزشتہ تحقیقات سے ثابت ہوگیا کہ حضرت عبداللہ کے ہم عصر جو صحابہ یا تابعین قنوت پڑھا کرتے تھے، وہ بھی اپنے طور پر استدلال قائم کرتے تھے اور اسے منسوخ نہیں سمجھتے تھے، اور حضرت عبداللہ بن عمر نے جو اس قنوت کو منع کیا تو انھوں نے منسوخ سمجھا اور منسوخ پر عمل بالاتفاق خلاف شرع اور ناجائز ہے کیوں کہ وہ عمل پہلے مامور بہ تھا اب منسوخ ہونے کی وجہ سے منہی عنہ ہوگیا۔ اسی بنیاد پر حضرت ابن عمر کے نزدیک اسے مقابل نہی سمجھ کر اس کا پڑھنا بدعت ٹھہرا۔ اور ہمارا دعویٰ بھی یہی ہے کہ جو امر، شارع -صلی اللہ علیہ وسلم- کے امر و نہی کے خلاف ایجاد ہوگا وہی بدعت وضلالت ہوگا ورنہ نہیں۔ اور اگر یہ لوگ اسی بات پر جم جائیں کہ جو کام حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- نے جس ہیئت سے نہیں کیا وہی مخالف سنت اور بدعت وضلالت ہے تو بہت سے کام ان کو چھوڑنے پڑ جائیں گے۔ انہیں میں سے یہ کہ عیدگاہ میں منبر بنانا حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- سے ثابت نہیں۔

امام قسطلانی ''مواہب لدنیہ'' میں ابن خزیمہ سے روایت کرتے ہیں:

**خطب -علیه الصلوٰة و السلام- یوم عید علی رجلیه هذا یشعر بأنه لم یکن في المصلیٰ في زمانه -علیه السلام- منبر و وقع في المدونة للإمام مالک ان أول من خطب الناس في المصلی علی منبر عثمان بن عفان .**

یعنی نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- نے روز عید اپنے قدموں پر کھڑے ہوکر خطبہ دیا، اس سے اشارہ ملتا ہے کہ آپ کے زمانے میں عیدگاہ کے اندر کسی مخصوص شکل کا کوئی منبر نہ ہوتا تھا۔ اور مدونہ میں حضرت امام مالک سے وارد ہوا ہے کہ عیدگاہ میں منبر پر سب سے پہلے خطبہ حضرت عثمان بن عفان -رضی اللہ عنہ- نے دیا۔

تو جب حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- نے عیدگاہ میں منبر پر خطبہ نہ پڑھا اور نہ ہی خلیفہ اول و دوم نے پڑھا بلکہ حضرت عثمان کے دور میں ابن صلت نے اینٹ اور مٹی سے منبر تیار کیا جس پر آپ نے خطبہ پڑھا تو چاہیے کہ منکرین، عیدگاہ کے منبر کو بھی اُڑا دیں، اور چاہیے تھا کہ صحابہ بھی انکار فرماتے

(۱) مواہب لدنیہ: ۴؍۲۴۰، ۲۴۱۔ مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکاتِ رضا

کہ اس ہیئت کا منبر عیدگاہ حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - کے عہد مبارک میں تو نہ تھا۔

یوں ہی چاہیے کہ مانعین، جمعہ کی اذانِ اول کو بھی بالکل موقوف کر دیں کیوں کہ صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہے کہ پہلے صرف ایک اذان ہوا کرتی تھی یعنی جس وقت امام منبر پر بیٹھتا تھا۔ یہ حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - کا دستور تھا اور یہی خلیفہ اول و دوم کے عہد میں بھی باقی رہا۔ مگر اس کے بعد جب لوگ زیادہ ہو گئے تو حضرت عثمان - رضی اللہ عنہ - نے ایک اذان زیادہ فرمادی اور حکم دیا کہ مقام زورا - جو خارج مسجد کے باہر بازار میں ایک اونچا مقام تھا - پر ایک اذان دی جایا کرے۔

شرح مواہب لدنیہ زرقانی کے صفحہ ۴۵۲ پر ہے کہ ہشام ابن عبد الملک نے حضرت عثمان - رضی اللہ عنہ - کے اسی سال بعد حکم دیا کہ عثمان - رضی اللہ عنہ - کی ایجاد کردہ یہ پہلی اذان مسجد کے اندر کہی جائے۔ چنانچہ اب تک یہی مروج ہے کہ اذانِ اول بھی مسجد میں کہی جاتی ہے۔ اور اذان ثانی جو کہ حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - کے وقت میں تھی وہ خطیب کے سامنے کہی جاتی ہے اور خطبہ مکمل ہونے کے بعد تکبیر کہی جاتی ہے۔

پھر اگر یہی قاعدہ صحیح ہے کہ جو کام حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - نے کیا ہے وہی سنت ہے اور اس کے سوا سب بدعت و ضلالت ہے تو چاہیے کہ یہ اذان بھی - معاذ اللہ - ضلالت ہو، حالاں کہ یہ شرقا غربا اہل اسلام میں رائج ہے۔

اسی طرح طواف رخصت میں الٹے پاؤں پھرنے کا مسئلہ فتاویٰ اور کتب حنفیہ کے متون وشروح میں مندرج ہے کہ جب حاجی طوافِ رخصت کریں تو دعا کریں اور روتے ہوئے الٹے پاؤں پیچھے پھریں، حالاں کہ یہ الٹے پاؤں پھرنا رسول اللہ -- صلی اللہ علیہ وسلم - سے ثابت نہیں ہے۔ فقیہ شامی نے اسے - باب الحج - میں ذکر کیا ہے، اور علامہ زیلعی نے اس الٹے پاؤں ہٹنے کی دلیل یہ بیان کی ہے :

**و العادة جارية في تعظيم الأكابر و المنكر لذلك مكابر .** (۱)

یعنی جب علامہ زیلعی حنفی کو رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - سے اس فعل کی دلیل نہ ملی تو آپ نے یہ کہا کہ تعظیم میں یوں ہی عادت جاری ہے کہ بزرگوں کے سامنے سے پیٹھ پھیر کر نہیں پھرا جاتا، تو بس بیت اللہ سے رخصت ہونے میں بھی پشت دے کر نہ پھرنا چاہیے، اور جو اس کا انکار کرے وہ جھگڑالو انسان ہے۔

---

(۱) ردالمحتار: ۳۳۱/۸ - مطلب فی طواف الزیارۃ - ...... تبیین الحقائق: ۳۹۹/۴ - باب الاحرام - ...... دررالحکام شرح غرر الاحکام: ۹۹/۳ - تقدیم الاحرام علی المواقیت -

علامہ طرابلسی نے کہا :

**و قد فعله الأصحاب – يعني أصحاب مذهبنا – (۱)**

یعنی ہمارے اصحاب مذہب نے ایسا ہی کیا ہے۔

توفقہائے حنفیہ اپنے اصحاب مذہب کے فعل کی اتباع کا حکم دیتے ہیں، اور رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم-تک اس کی اسناد نہیں پہنچتی۔

تعجب ہے کہ جو لوگ مشائخ صوفیہ کے اشغال و اعمال عمل میں لائیں، تقلید شخصی کو واجب اور حق کو چار امام میں منحصر جانیں، اور اجماع امت کو درست کہیں اور پھر یہ بات زبان پر لائیں کہ قرون ثلاثہ کے بعد جو کچھ حادث ہوگا وہ بدعت وضلالت اور فی النار ہوگا!-معاذ اللہ-

یہ نہیں جانتے کہ یہ جو کچھ حضرات صوفیہ کرام نے ایجاد فرمایا ہے مثلاً حبس نفس، اذکار کی مخصوص کیفیتیں، دوضربی، سہ ضربی، چہارضربی، قیام وقعود وغیرہ کے مخصوص طریقے، رگ کیماس کا دبانا اور تصور شیخ کرنا۔ یوں اور بھی بہت سارے امور جن کی تصریح کتابوں میں ملتی ہے۔ یہ سب قرون ثلاثہ کے بعد ایجاد ہوئے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ''انتباہ'' میں لکھتے ہیں :

> اگر چہ اوائل امت را با واخر امت در بعض امور اختلاف بودہ است پس صوفیہ صافیہ ارتباط ایشاں در زمن اول بصحبت وتعلیم وتادب بآداب وتہذیب نفس بودہ است نہ بخرقہ و بیعت و در زمن سید الطائفہ جنید بغدادی رسم خرقہ ظاہر شد و بعد ازاں رسم بیعت پیدا گشتہ-الیٰ آخرہ-
>
> یعنی اگر چہ امت کے پچھلوں کا پہلوں سے بعض امور کی بابت کچھ اختلاف واقع ہوا ہے۔تو پاکیزہ نفس صوفیہ کا اول زمانے میں ربط وتعلق، صحبت وتعلیم، صالح ادب اور تہذیب نفس سے رہا ہے، بیعت وخرقہ سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کے زمانے میں رسم خرقہ جاری ہوئی اور پھر اس کے بعد بیعت کی رسم پیدا ہوئی۔

مولوی اسماعیل صاحب ''صراط مستقیم'' میں لکھتے ہیں :

> محققان ہر وقت از اکابر ہر طریق را تجدید اشغال کوشش ہا کردہ اند-الیٰ آخرہ-
>
> یعنی ہر دور کے محقق اکابرین نے اشغال ووظائف کی تجدید میں کوششیں کی ہیں۔

---

(۱) ردالمحتار:۸/۳۱۱-مطلب فی طواف الزیارۃ-

حضرت مرشدی ومستندی-ادام اللہ ارشادہ-''ضیاء القلوب''میں فرماتے ہیں :

وذکر اسم ذات در لطائف ستہ از تجویز قطب ربانی حضرت مجدد الف ثانی-قدس سرہ-است-انتہیٰ-

یعنی لطائف ستہ میں اسم ذات کا ذکر'قطب ربانی حضرت مجدد الف ثانی-قدس سرہ-کا تجویز کردہ ہے۔

پس گیارہویں صدی تک کی ایجادتو مذکورہ عبارتوں سے ثابت ہوئی تو تیرہوی صدی تک کی سند بھی آگے دی جائے گی۔

اسی طرح تقلید کا مسئلہ کہ تقلید شخصی واجب ہے،اورحق'مذاہب اربعہ میں منحصر ہے،یہ بھی قرون ثلاثہ کے بعد ایجاد ہوا۔

شاہ ولی اللہ صاحب''حجۃ اللہ البالغۃ''میں تحریر فرماتے ہیں :

**أهل المائة الرابعة لم يكونوا مجتمعين على التقليد الخالص على مذهب واحد.**(۱)

یعنی چوتھی صدی ہجری کے لوگ تقلید خالص کے سلسلے میں کسی ایک مذہب پر جمع نہیں ہوے تھے۔

اورتین سطر کے بعد لکھا :

**إذا وقعت لهم واقعة استفتوا فيها أي مفتي وجدوا من غير تعيين مذهب .**

معلوم ہوا کہ چوتھی صدي تک لوگ تقلید خالص کے سلسلے میں مذہب واحد پرا کٹھا نہ ہوئے تھے،جب کوئی مسئلہ پیش آتا بلاتعیین مذہب کسی مفتی سے پوچھ لیتے۔مولوی قطب الدین خاں صاحب''تفسیر الحق''میں تفسیر مظہری کے حوالے سے نقل کرتے ہیں :

**أهل السنة و الجماعة قد افترق بعد القرون الثلاثة أو الأربعة على أربعة مذاهب .**

یعنی اہل سنت وجماعت تیسری یا چوتھی صدی بعد چار مذاہب میں تقسیم ہوگئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کی تقسیم قرون ثلاثہ کے بہت بعد ہوئی اور چوتھی صدی تک بھی تقلید شخصی کے وجوب پراجماع نہ ہوا تھا،جس مذہب والے سے چاہتے تھے مسئلہ پوچھ کر عمل کر لیتے تھے۔اور ظاہر ہے کہ چارا ماموں میں حضرت امام احمد بن حنبل-رحمۃ اللہ علیہ-بھی ہیں،ان کی وفات-۲۴۱ھ-(855ء) میں ہوئی اور وہ تبع تابعین میں نہیں،صاحب تقریب نے انھیں طبقہ

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ:۷۷۔

عاشرہ (دسویں طبقہ) میں لکھا ہے۔تو ظاہر ہے کہ ان کے اجتہاد پر فتویٰ دینے والے اور حق کو چار میں منحصر کرنے والے ان سے بھی بعد میں ہوئے۔

اسی طرح اجماع کا مسئلہ کہ کسی اصولی نے تصریح نہ فرمائی کہ قرون ثلاثہ کے بعد کا اجماع' کذب و بدعت ہوگا۔حضرت امام ابوشکور سالمی-رحمۃ اللہ علیہ-''تمہید'' میں لکھتے ہیں :

**إجماع الأمة معتبرة بالإجمال لا بالتفصيل بدليل قوله تعالىٰ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيكُم شَهِيْداً، و لم يفصل بين الصحابة -رضي الله عنهم- وغيرهم و الأمة اسم عام يتناول الكل من الأول إلى الآخر .**

یعنی اجمال کے ساتھ اجماع امت معتبر ہے نہ کہ تفصیل کے ساتھ ۔اس پر دلیل اللہ رب العزت کا یہ قول ہے: وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيكُم شَهِيْداً، (یعنی:اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمھیں کیا تمام امتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو،اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ)-اور اس میں صحابہ یا غیر صحابہ کا کچھ امتیاز و فصل نہیں۔کیوں کہ لفظ'امت'اسم عام ہے جو اول تا آخر ہر ایک کو شامل ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ صحابہ سے لے کر آخر امت تک جس طبقہ کے اہل اسلام کسی بات پر اجماع کر لیں گے وہ معتبر ہو جائے گا اور اس کو بدعت و ضلالت نہ کہا جائے گا۔لہٰذا جو لوگ قائل ہیں کہ جو کچھ قرون ثلاثہ کے بعد ہوگا وہ کذب اور ضلالت ہی ہوگا ان کے اوپر یہ مسائل اور ان کے سوا اور نظیریں سخت مشکل پڑیں گی۔ یہ کیا کہ جن مسائل کے خود قائل ہو رہے ہو- حالاں کہ وہ بھی قرون ثلاثہ کے بعد ایجاد ہوئے ہیں- ان کو مستثنیٰ کر کے ان میں کسی کو واجب اور کسی کو مستحب کہہ رہے ہو۔ اور فاتحہ اموات اور میلاد شریف کو- معاذ اللہ- ضلالت محض کہہ رہے ہو۔ یہ تو بڑی ناانصافی ہے۔

ہم پر کوئی اعتراض نہیں ہے اس لیے کہ ہم ان سب امور کو بلا فرق تسلیم کر رہے ہیں کیوں کہ یہ امور شارع -علیہ السلام- کے کسی امر و نہی کے مخالف نہیں ہیں۔ ہمارے اصول کے مطابق بعض بدعتیں واجب بھی ہوتی ہیں-جیسا کہ اوپر گزرا،اور مزید آرہا ہے-۔

الحاصل! جتنی نظیریں اور مثالیں یہاں مذکور ہوئیں ان سب کا یہ خلاصہ ہے اور جس کی بصیرت قلبی پر تعصب و عناد کا پردہ نہیں پڑا اس دیدہ ور پر سپیدۂ صبح کی طرح واضح ہو گیا کہ حدیث شریف: **من أحدث في أمرنا** سے ایسی ایجادات مراد ہیں جو شارع -علیہ السلام- کے امر و نہی کے مخالف ہوں۔اور اس سے زمانے کی کوئی قید ہرگز مراد نہیں۔

اب دوسری حدیث شریف' حق طلب ناظرین کے لیے پیش ہے :

**مَنْ سَنَّ فِي الإسْلاَمِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ لَه مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَ لاَ يَنْقُصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيءٌ .** (۱)

---

(۱) صحیح مسلم: ۱۳/۱۶۳حدیث: ۴۸۳۰......سنن ابن ماجہ : ۱/ ۲۴۰ حدیث: ۲۰۳......مسند احمد: ۳۹/ ۱۸۶حدیث: ۱۸۳۸۷ ...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۹/ ۱۸۶حدیث: ۱۸۳۸۷...... مصنف عبد الرزاق:۱۱/۴۶۶حدیث: ۲۱۰۲۵......معجم کبیرطبرانی:۳/۷......حدیث:۲۳۸۴......سنن دارمی:۲/۶۶ حدیث:۵۲۱......مشکل الآ ثارطحاوی:۱/ ۲۵۱حدیث:۲۰۸......مسندالجامع:۱۰/۸۸حدیث:۳۱۴۸......تحفۃالاشراف:۱۱/۸۰حدیث:۱۱۸۰۰۔

یوں بھی یہ حدیث ملتی ہے :

- **من سن في الإسلام سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من أجورهم شيء.** (صحیح مسلم:۵/۱۹۸حدیث:۱۶۹۱......مسنداحمد:۳۹/۱۶۶حدیث:۱۸۳۶۷......مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۹/۱۶۶ حدیث: ۱۸۳۶۷......سنن بیہقی: ۴/۱۷۵......سنن نسائی: ۲/ ۴۰حدیث: ۲۳۳۵......شعب الایمان: ۷/۳۲۱ حدیث: ۳۱۶۹......صحیح ابن حبان: ۱۴/۱۱۹حدیث: ۳۳۷۷......صحیح ابن خزیمہ: ۹/ ۹۷حدیث: ۲۲۷۸......مسندطیالسی: ۲/ ۲۴۱ حدیث: ۶۹۸......مشکل الآ ثارطحاوی: ۱/ ۲۵۰حدیث: ۲۰۷......کنزالعمال: ۱۵/ ۷۸۰حدیث:۴۲۰۷۸......المسند الجامع:۱۰/۸۴حدیث:۳۱۴۷......مشکوٰۃ المصابیح:۱/۴۵ حدیث:۲۱۰)
- **من سن سنة خيرٍ فاتُّبِع عليها فله أجره و مثلُ أجور من اتبعه غير منقوصٍ من أجورهم شيئا.** (سنن ترمذی:۹/۲۸۵حدیث:۲۵۹۹......سنن نسائی:۹/۲۸۵حدیث:۲۵۹۹......مسندالجامع:۱۰/۸۷......تحفۃالاشراف:۴/۱۷۳حدیث:۳۲۴۳)
- **من سن سنة حسنة فعُمل بها كان له أجرها و مثل أجر من عمل بها لا ينقص من أجورهم شيئا .** (سنن ابن ماجہ:۱/۲۳۶حدیث:۱۹۹)
- **من سن سنة هدى فاتُّبِع عليها كان له مثلُ أجورهم من غير أن ينقص من أجورهم شيء.** (مسند احمد: ۲۱/۱۹۶حدیث: ۱۰۱۵۲......مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۱/۱۹۶حدیث: ۱۰۱۵۲......مسندالجامع: ۴۴/۲۴۰ حدیث: ۱۴۵۴۷)
- **من سن خيرا فاستُنَّ به كان له أجره كاملا .** (مسنداحمد:۲۱/۳۷۵حدیث:۱۰۳۳۱......مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۱/ ۳۷۵ حدیث: ۱۰۳۳۱......مشکل الآ ثارطحاوی: ۴/ ۸۷حدیث: ۱۳۳۲......مجمع الزوائدومنبع الفوائد: ۱/ ۱۰۰......کنزالعمال:۱۵/۷۸۹حدیث:۴۳۱۲۳......المسند الجامع:۱۱/۱۵۲حدیث:۳۳۰۵)
- **من سن سنة صالحة في الإسلام فعُمل بها بعده كان له مثل أجورهم من غير أن ينقص من أجورهم شيء.** (مسنداحمد:۳۹/۱۸۶حدیث:۱۸۳۸۷......مصنف ابن ابی شیبہ:۳۹/۱۸۶حدیث:۱۸۳۸۷......مصنف عبدالرزاق:۱۱/۴۶۶ حدیث:۲۱۰۲۵......المسند الجامع:۱۰/۹۰ حدیث:۳۱۴۹)
- **من سن في الإسلام سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها في حياته و بعد مماته حتى يترك.** (مسندالشامیین:۷/۳۴۳ حدیث:۲۵۰۰......کنزالعمال:۱۵/۷۹۰حدیث:۴۳۱۲۶)

یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ اس کے معنی اپنی طرف سے نہیں لکھتا ہوں، بلکہ مجمع البحار اور امام نووی کی شرح مسلم - جو کہ ان لوگوں کے پیشواؤں کے نزدیک بھی نہایت معتبر و مستند ہیں - سے لکھ رہا ہوں۔ اس حدیث کے معنی ان میں یہ لکھے ہیں :

جس نے اسلام میں کوئی نیک طریقہ جاری کیا، پھر اس کے بعد اس طریقہ حسنہ پر عمل کیا تو اس شخص کے واسطے اس قدر اجر و ثواب لکھا جائے گا کہ جس قدر اس پر عمل کرنے والوں کو اس کے بعد ہوگا، اور ان لوگوں کے ثواب میں سے کچھ کاٹ کر اس کو نہ دیا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنے لامتناہی خزانہ سے ثواب عطا فرمائے گا۔ اور وہ طریقہ جو اس نے جاری کیا ہے خواہ ایسا ہو کہ اس سے پہلے ایجاد کیا گیا تھا لیکن کسی سبب سے بند ہو گیا تھا اس نے پھر اس کو جاری کر دیا یا یہ کہ اس سے پہلے وہ طریقہ ایجاد ہی نہیں ہوا تھا اس نے خود ہی اپنی طرف سے اس کو ایجاد اور جاری کیا، اور وہ طریقہ خواہ کسی علم کی تعلیم ہو یا عبادت ہو یا کوئی ادب کا طریقہ۔(۱)

مجمع البحار کی جلد دوم صفحہ ۱۴۷۔ اور شرح مسلم کی جلد دوم صفحہ ۳۴۱ میں یہ مضمون تحریر ہے، جس کا جی چاہے وہاں دیکھ لے۔ اس حدیث کو پیش کرنے سے ہمارے دو مطلب ثابت ہوئے۔

ایک تو یہ کہ بدعت حسنہ کا برا ہونا تو کیا بلکہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - نے اس پر وعدۂ ثواب دیا ہے، اور ثواب بھی کیسا کہ جب وہ آدمی مر جائے گا اور اس کے بعد اللہ کی دوسری مخلوق اس پر عمل کرے گی تو اس کے مرنے کے بعد بھی ان سب کے برابر اس کو ثواب پہنچتا رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ علماے شریعت نے طرح طرح کے اصول و قواعد علم ظاہر دین کی تہذیب کے لیے ایجاد فرمائے، اور اولیاے طریقت نے قسم قسم کے مجاہدات و اشغال' دل کی صفائی اور تزئین کے واسطے قرون ثلاثہ کے بعد پیدا کیے - رحمۃ اللہ علیہم وعلینا اجمعین - اسی لیے امام شامی نے جلد اول کے شروع ہی میں لکھا کہ یہ حدیث قواعد اسلام سے ہے۔ اور اس حدیث کے معنی ان الفاظ میں لکھے ہیں :

**و كل من ابتدع شيئا من الخير كان له مثلُ أجر كلِّ من يعمل به إلى يوم القيامة .** (۲)

یعنی جو بھی کوئی بہتر چیز ایجاد کرے اسے قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کے برابر اس کا ثواب ملتا رہے گا۔

(۱) شرح النووی: ۹/۳۳۳ حدیث: ۴۸۳۰۔

(۲) ردالمحتار: ۱/۱۴۲ - مقدمہ -

اس حدیث سے دوسرا مطلب یہ نکلا کہ اس بدعت حسنہ کی ایجاد میں بھی وہی لفظ 'من' ارشاد فرمایا- جوعربی زبان میں ایک عام لفظ ہے- یہ نہ فرمایا کہ قرون ثلاثہ میں جوکوئی طریقہ حسنہ جاری کرے گا اس کوثواب ملے گا اور جو بعد میں کرے گا اسے عذاب دیا جائے گا اور بدعتی وجہنمی ہوگا -نعوذ باللہ منہا- بلکہ یوں ارشادفرمایا کہ جوکوئی جب کبھی کوئی نیک طریقہ جاری کرے گا اس کا ثواب ملے گا۔ چنانچہ علامہ شامی نے بھی من سنّ سنة حسنة کے معنی وہی کلی عام کیے ہیں۔یعنی انھوں نے لکھا ہے: من ابتدع شيئا...-إلى آخره-

مولوی اسحاق نے بھی ''مائۃ مسائل'' میں یہی لکھا ہے :

سوال: بدعت حسنہ محدودا ست بوقت من الاوقات یا غیر محدودست الی یوم القیامۃ۔

جواب: غیر محدودا ست عند القائل بہ تقسیم ہا لحديث من سن فی الاسلام سنة حسنة-الیٰ آخرہ-

دیکھو! سائل نے سوال کیا تھا کہ بدعت حسنہ کے لیے وقت یا زمانہ کی کوئی قید ہے کہ فلاں زمانہ تک توبدعت حسنہ کی ایجاد جائز ہے اور فلاں زمانہ میں جائز نہیں۔ یا ایسا کہ اس کی کچھ قید نہیں بلکہ اس کی ایجاد قیامت تک کے لیے جائز ہے؛ کوئی ایجاد کرے اور کسی زمانے میں ایجاد ہو۔

تو مولوی اسحٰق صاحب نے جواب دیا کہ غیر محدود ہے یعنی اس میں زمانے کی کچھ قید نہیں قیامت تک بدعت حسنہ جائز ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ عند القائل بہ تقسیم ہا کی قید کیوں لگائی ،تو یہ بات تین وجھوں سے کسی وحشت کا باعث نہیں :

ایک تو یہ کہ جو بدعت کی تقسیم نہیں کرتے وہ بدعت حسنہ کوسنت میں داخل کرتے ہیں تو بدعت حسنہ کا لفظ وہی کہے گا جو تقسیم بدعت کا قائل ہوگا اور جو قائل نہ ہوگا وہ بدعت حسنہ کوسنت کہے گا۔

دوسری وجہ یہ کہ جب ان کی سند میں صحیح حدیث لکھ دی تو وہ قائلین کے پایۂ اعتبار میں ٹھہر گئی اوران کے قول کی صحت مسلم ہوگئی۔

تیسری وجہ یہ کہ جب مولوی صاحب نے یہ فرمادیا کہ جو تقسیم بدعت کے قائل ہیں ان کے نزدیک قیامت تک بدعت حسنہ جائز ہے،اب ہم تمھیں بتلائے دیتے ہیں کہ بدعت حسنہ کوکس کس نے جائز کیا ہے۔تو معلوم ہونا چاہیے کہ ان سب مفتیانِ دین کے نزدیک تا قیامت بدعت حسنہ جائز ہے،اور یہ کچھ قرون ثلاثہ پر منحصر نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں فقہاومحدثین کے اقوال کہ سیئہ وضلالت وہی بدعت ہے جوقرآن وحدیث

اور اجماع کے مخالف ہے ۔ اور جو بدعت ایسی نہیں وہ درست ہے ۔
سیرت حلبی وغیرہ کتب مشہورہ ومعتبرہ میں ہے کہ امام شافعی - رحمۃ اللہ علیہ - نے فرمایا :

**ما أحدث و خالف كتابا أو سنة أو إجماعا أو أثرا فهو البدعة الضالة ، و ما أحدث من الخير و لم يخالف شيئا من ذلك فهو البدعة المحمودة .** (۱)

اس روایت کو بیہقی نے بھی اپنی اسناد کے ساتھ امام شافعی سے روایت کیا ہے کہ بدعت دو طرح کی ہوتی ہے مذمومہ اور غیر مذمومہ ۔
مولوی اسماعیل صاحب نے ''تقویۃ الایمان'' کے دوسرے حصہ مسمّٰی بہ ''تذکیر الاخوان'' میں فرمایا ہے :

جو مجتہدوں نے اپنے اجتہاد سے نکالا وہ سنت میں داخل ہے ۔ انتہیٰ ۔

تو امام شافعی کا قول ضرور مسلم ہونا چاہیے کیوں کہ یہ مجتہد ہیں اور بقول مولوی اسماعیل صاحب' مجتہد کا نکالا ہوا حکم سنت میں داخل ہوتا ہے ۔
دوسرے یہ کہ یہ خیر القرون میں ہیں ۔ تیسرے یہ کہ خاص عربی ہیں ، لغت عرب ، صحابہ وتابعین کے محاورات اور حدیث کی اصطلاحات (اچھی طرح) جاننے والے ہیں ۔ اس بنیاد پر بدعت کی مذمت میں جتنی حدیثیں آتی ہیں انھیں امام شافعی کی اس تفسیر کے مطابق ان بدعتوں پر محمول کرنا چاہیے جو کتاب وسنت کے خلاف ہیں ۔ اور محققین علماے محدثین اور فقہاے دین نے اسی پر عمل کیا اور فتویٰ دیا ہے ۔ انھیں میں سے ایک یہ بھی ہے جسے حجۃ الاسلام امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' میں فرمایا :

**و إنما المحذور بدعة تراغم سنة مأثورة .** (۲)

یعنی وہی بدعت منع ہے جو کسی ایسی سنت کو مٹاتی ہو جس کے قائم رکھنے کا حکم دیا گیا ہو ۔
''احیاء العلوم'' کی جلد اول میں ہے :

**و لا يمنع ذلك من كونه محدثا فكم من محدث حسن .** (۳)

یعنی نئی بات ہونے کی وجہ سے اسے منع نہ کیا جائے گا کیوں کہ بہت سی نئی باتیں عمدہ اور نیک ہیں ۔

---

(۱) اعانۃ الطالبین: ۱/۳۱۳ ...... سیرت حلبیہ: ۱/۱۲۲ ۔
(۲) احیاء علوم الدین: ۲/۱۴۱ - وما یحمد من آثار الوجد و ما یذم ۔
(۳) احیاء علوم الدین: ۱/۲۸۶ - وہی عشرۃ ۔

علامہ امام صدر الدین شافعی نے فرمایا :

هٰذه بدعة لا بأس بها و لا تكره البدع إلا إذا راغمت السنة ، و أما إذا لم تراغمها فلا يكره . (۱)

یعنی ایسی بدعت میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ بدعت اسی وقت مکروہ ہوتی ہے جب کسی سنت سے متصادم ہو، ورنہ نہیں۔

شمنی وغیرہ محققین نے بدعت سیئہ مذمومہ کی تعریف اس طرح فرمائی ہے :

ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله –صلى الله عليه وسلم – من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة و استحسان و جعل دينا قويما و صراطا مستقيما .

دیکھیے کہ اس میں مخالفت کی قید ہے اور کسی زمانہ، قرون اور غیر قرون کو نہیں لیا بلکہ یہ قرار دیا کہ ہم کو جو شرعی دلائل کتاب وسنت اور اجماع وقیاس وغیرہ امور حقہ رسول اللہ –صلی اللہ علیہ وسلم- سے پہنچے ہیں ان کے خلاف اور ان کو مٹانے والی جو چیز ایجاد ہوگی وہ بدعت سیئہ ہے، بشرطیکہ وہ مخالف بات شبہہ کے باعث ایجاد ہو۔ یہ اس لیے کہ فقیہ شامی نے لکھا ہے :

اگر کوئی براہِ عناد اَدلہ قطعیہ کے خلاف کچھ ایجاد کرے تو وہ قطعا کافر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز مخالف ایجاد ہوگی وہی بدعت سیئہ ہے- مخالفت کی تحقیق ہم اوپر کر چکے- اور جو نئی چیز مخالف نہیں وہ حسنہ ہے، خواہ کبھی ایجاد ہو۔

علامہ ابن اثیر نے ''جامع الاصول'' میں لکھا ہے :

الابتداع إن كان في خلاف ما أمر الله به و رسوله فهو في حيز الذم و الإنكار و إن كان واقعا تحت عموم ما ندب إليه و حض عليه رسوله فهو في حيز المدح و إن لم يكن مثاله موجودا كنوع من الجود و السخاء و فعل المعروف فهذا فعل من الأفعال المحمودة لم يكن الفاعل قد سبق إليه و لا يجوز أن يكون ذلک في خلاف ما ورد الشرع به لأن رسول الله–صلى الله عليه وسلم – قد جعل له في ذلک ثوابا فقال من سن سنة حسنة كان له أجرها و أجر من عمل بها و قال في ضده من سن سنة سيئة كان عليه وزرها

(۱) سبل الہدیٰ والرشاد: ۱/۳۶۵۔

ووزر من عمل بها و ذلک إذا کان في خلاف ما أمر الله به و رسوله -إلی آخره-.

یعنی کسی شے کی ایجاد اگر اللہ و رسول کے حکم کے خلاف ہو تو وہ مذموم اور بری ہے ورنہ اگر اس امر عام کے تحت داخل ہو جس کو رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- نے پسند فرمایا اور اس پر (لوگوں کو) آمادہ کیا ہے تو وہ قابل ستائش ہے؛ اگر چہ اس کی مثال موجود نہ ہو، جیسے جود و سخاوت اور کارِ خیر کی کوئی صورت؛ کیوں کہ یہ ان افعالِ محمودہ سے ہے جنھیں پہلے کسی نے انجام نہیں دیا۔ اور یہ نہیں ہوسکتا کہ یہ شریعت میں وارد ہونے والے حکم کے خلاف ہو کیوں کہ رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- نے اس میں اجر و ثواب رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: جس نے کوئی اچھی راہ نکالی تو اسے اس کی ایجاد ساتھ ہی اس پر عمل کرنے والے کا بھی ثواب ملے گا۔ اور اس کی ضد میں فرمایا کہ جس نے کوئی بری راہ نکالی تو اسے اپنے گناہ کے علاوہ اس پر عمل پیرا ہونے والوں کا گناہ بھی دیا جائے گا۔ اور یہ اسی وقت ہوگا جب کہ اس کی ایجاد اللہ و رسول کے حکم کے خلاف ہو۔

اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ جو چیز مخالف شرع ' ایجاد ہو وہ بدعت سیئہ اور جو مخالف نہ ہو وہ بدعت محمودہ اور حسنہ ہے۔

فتاویٰ عالم گیری کی جلد خامس میں ہے :

و کم من شیيء کان إحداثا و هو بدعة حسنة .(۱)

یعنی بہت ساری چیزیں نئی ایجاد ہوئیں اور وہ بدعت حسنہ ہیں۔

شیخ عز الدین بن عبد السلام نے ''کتاب القواعد'' کے اخیر میں فرمایا :

البدعة اما واجبة کتدوین أصول الفقه و الکلام في الجرح و التعدیل و اما محرمة کمذهب الجبریة و القدریة و اما مندوبة کإحداث المدارس و کل إحسان لم یکن في عهد الأول و اما مکروهة کزخرفة المساجد یعنی عند الشافعي و أما عند الحنفیة فمباح و أما مباحة کالتوسع في لذیذ المآکل و المشارب .

یعنی بدعت کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں کبھی واجب ہوتی ہے جیسے تدوین اصول فقہ اور علم جرح و تعدیل۔ کبھی حرام ہوتی ہے جیسے جبریہ و قدریہ مذاہب باطلہ کا وجود۔ کبھی مستحب ہوتی ہے جیسے مدرسوں اور ہر اس اچھے کام کی ایجاد جو پہلی صدی میں نہ تھے۔ کبھی مکروہ ہوتی ہے جیسے

---

(۱) الفتاویٰ الہندیہ: ۴۳/۷۲- آداب المسجد-

شوافع کےنزدیک مسجدوں کی تزئین وآرایش جب کہ احناف کےنزدیک یہ مباح ہے۔اورکبھی بدعت مباح ہوتی ہے جیسےلذیذ کھانے پینے میں فراخی سے کام لینا۔

بدعت کی یہ تقسیم کہ بعض بدعتیں واجب ہیں،بعض حرام،بعض مستحب-یعنی مستحق ثواب-بعض مکروہ،اوربعض مباح ہیں-یعنی ان کے کرنے میں نہ ثواب ہےاورنہ عذاب-تو گویابدعت کی یہ تقسیم علامہ برکلی نے''طریقہ محمدیہ''،مناوی نے''شرح جامع صغیر''،ملاعلی قاری حنفی نے''مرقات''،شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے''اشعۃ اللّمعات''،سید جمال الدین محدث نے''حواشی مشکوٰۃ''،علامہ ابن حجر نے......،اورعلامہ ابن عابدین نے''شرح درمختار'' میں بحث امامت میں' پانچ قسم پر مسلم اورقائم رکھی۔

جب یہ قاعدہ مسلم ہو چکا تو اب ایک دومسئلہ جواس قاعدہ پر متفرع ہوتے ہیں لکھتا ہوں۔

**مسئلہ اولیٰ:** علامہ شرنبلالی نے فقہ حنفی کے حاشیہ دررغرر میں لکھا ہے کہ نماز کی نیت اصل دل میں ہوتی ہے،منہ سے ادا کرنا مستحب ہے۔ان کی عبارت یوں ہے :

> **(و التلفظ بها مستحب) يعنى طريق حسن أحبه المشائخ لا أنه من السنة ؛ لأنه لم يثبت عن رسول الله –صلى الله عليه وسلم– من طريق صحيح و لا ضعيف و لا عن أحد من الصحابة و التابعين و لا عن أحد من الأئمة الأربعة بل المنقول انه –صلى الله عليه وسلم– كان إذا قام إلى الصلوٰة كبر فهٰذه بدعة حسنة .** (۱)

یعنی نماز کی نیت زبان سے کرلینا مستحب یعنی اچھا طریقہ ہے،مشائخ نے جواسے پسندفرمایا ہے،تواس لیے نہیں کہ یہ سنت ہے کیوں کہ صحیح وضعیف کسی طور پر بھی رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- سے یہ ثابت نہیں،نہ کسی صحابی وتابعی سے،اورنہ ہی ائمہ اربعہ میں کسی سے ثابت ہے۔ بلکہ منقول یہ ہے کہ نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم-جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر فرماتے تھے۔تو یہ بدعت حسنہ ہے۔

اب علامہ شرنبلالی کی یہ تقریر غور سے دیکھنی چاہیے کہ یہ بات مان کرکہ زبان سے نیت کرنا حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- سے،صحابہ وتابعین اورمجتہدین سے ثابت نہیں اس کے باوجود حکم دیا کہ یہ بدعت حسنہ اورمستحب ہے۔

(۱) دررالحکام شرح غررالاحکام:۲۸۳/۱-باب شروط الصلوٰۃ-

واضح ہو کہ ائمہ مجتہدین میں امام احمد بھی ہیں جنھوں نے تابعی نہ تبع تابعی بلکہ تبع تابعین سے علم سیکھا - کما فی التقریب - جب تلفظ بالنیّۃ ان سے بھی منقول نہیں تو ظاہر ہوا کہ قرون ثلاثہ کے بعد اس کا ظہور ہوا۔ اس کے قرون ثلاثہ کے بعد ظاہر ہونے پر دوسری دلیل یہ ہے کہ شرنبلالی نے تلفظ بالنیّۃ کی بابت لکھا کہ أحبّہ المشائخ۔ اور مشائخ سے وہ متاخرین علما مراد ہیں جو امام اعظم کے شاگردوں کا دور ختم ہونے کے بعد ہوئے ہیں۔

درمختار میں زبان سے نیت کرنے کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ہمارے علما کی سنت ہے۔

شامی نے لکھا ہے کہ یہ طریقہ حسنہ ہمارے علما کا ہے۔

اس سے بھی پتا چلا کہ ظہورِ تلفظ قرون ثلاثہ کے بعد ظاہر ہوا ہے۔

فقیہ حلبی نے شرح کبیر منیہ میں اس طرح لکھا ہے کہ یہ ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں۔ اور پھر اس کے بعد لکھا :

**و هذه بدعة و لكن عدم النقل و كونه بدعة لا ينافي كونها حسنا .**

یعنی اس پر نقل نہ ہونے اور اس کے بدعت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ نیک نہ ہو۔

اب دیکھیے کہ علماے دین اس کو بدعت مان کر بھی اس کے حسن و نیک ہونے کا حکم صادر فرمارہے ہیں اور یہ علما دونوں فریقوں کے نزدیک مسلم الثبوت ہیں۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے :

**فإن قصد و ذكر بلسانه كان أفضل .**

یعنی دل میں نیت کرنے کے ساتھ ساتھ اگر وہ زبان سے بھی کہہ لے تو یہ بڑی اچھی بات ہے۔

ملتقی الابحر میں ہے :

**و ضم التلفظ إلى القصد أفضل .** (۱)

یعنی زبانی طور پر بھی نیت کر لینا افضل ہے۔

ہدایہ میں ہے :

**و يحسن ذلك لاجتماع العزيمة .** (۲)

(۱) مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر: ۱/۲۳۲- باب شروط الصلوٰۃ-
(۲) تبیین الحقائق: ۱/۲۷۷- باب شروط الصلوٰۃ-

یعنی زبان سے بھی نیت کر لینا بہتر ہے تاکہ مکمل قصد وارادہ پورے طور پر پالیا جائے۔
ایسا ہی کافی میں بھی ہے۔
درر شرح غرر میں ہے :

و التلفظ بها مستحب . (۱)

یعنی زبان سے کہہ لینا مستحب ہے۔
یہ وہ کتابیں ہیں جو مذہب حنفی کے علما کے نزدیک نہایت درجہ معتبر ہیں۔
اب شافعی مذہب (کے دلائل اس سلسلے میں) سننا چاہیے۔
علامہ قسطلانی شافعی ''مواہب لدنیہ'' میں بیان کرتے ہیں :

و الذي استقر عليه أصحابنا استحباب النطق بها .

یعنی ہمارے اصحاب اس پر متفق ہیں کہ زبان سے نیت کہہ لینا مستحب ہے۔
غنیۃ الطالبین، حضرت غوث اعظم حنبلی کی تالیف ہے، بیانِ وضو میں وہ لکھتے ہیں :

ينوي بطهارته رفع الحدث و محلها القلب فإن ذكر ذلك بلسانه مع اعتقاده بقلبه كان قد أتى بالأفضل .

الحاصل! زبان سے نیت کرنا ایسا عمل ہے جو تمام ہندوستان، فارس اور عرب وغیرہ میں جاری ہے۔
علامہ شامی نے لکھا ہے :

قد استفاض ظهور العمل به في كثير من الأعصار في عامة الأمصار .(۲)

یعنی زبان سے نیت کرنے کا عمل ہر چہار جانب عام ہے۔
براہین قاطعہ گنگوہی کے صفحہ ۱۴۱ پر بھی تلفظ بالنیۃ کو مستحسن مان لیا ہے۔ عبارت یہ ہے :
اور نیت کا لفظ جو بدعت نہ ہوا تو اس کی دلیل جواز کی موجود تھی کہ حج میں تلفظ نسائی کی حدیث میں وارد ہوا ہے - الی آخرہ -
اس استدلال کا حال تمام لوگوں کو محفوظ رکھنا کارآمد ہوگا اس لیے کہ حج میں جو تلفظ مامور بہ اور عند الفقہا معمول بہ ہے وہ یہ ہے :

---

(۱) درر الحکام شرح غرر الاحکام: ۱/۲۸۳ - باب شروط الصلوٰۃ - ...... حاشیہ رد المحتار: ۱/۸۶ - درمختار: ۱/۲۰۰ - کتاب الطہارۃ -
(۲) رد المحتار: ۳/۲۹۱ - مطلب فی ستر العورۃ -

**اللهم إني أريد الحج فيسره لي و تقبله مني .** (۱)

یعنی اے اللہ! میں حج کا ارادہ کرتا ہوں تو اسے میرے لیے آسان کر دے، اور میری طرف سے اسے قبول فرما۔

چنانچہ ہدایہ ووقایہ اور درمختار وغیرہ میں موجود ہے۔

پھر بعض علمانے نماز میں بھی تجویز کیا کہ یہ کہا جائے :

**اللّٰهم إني أريد أن أصلي صلوٰة كذا فيسرها لي و تقبلها مني .** (۲)

یعنی اے اللہ! میں فلاں وقت کی نماز پڑھنے کا ارادہ کرتا ہوں تو اسے میرے لیے آسان کر، اور میری طرف سے اسے قبول فرما۔

لیکن جمہور علمانے اس کا رد فرمایا ہے کیوں کہ حج میں موانع اور صعوبتیں پیش آتی ہیں اس لیے اس میں ایسا مستحب ہے۔ لیکن نماز میں کیا صعوبت ہے کہ دعا کی جائے: یا اللہ میں نماز کا ارادہ کرتا ہوں اسے میرے لیے سہل کر دے۔ اس بنیاد پر نیت نماز کے لیے ایسا کہنا مخدوش رہا جیسا کہ فقیہ شامی نے لکھا ہے بلکہ یہ ٹھہرا کہ کہا جائے :

**نويت فجر اليوم و ظهر اليوم وغيره .**

یعنی میں نے آج کی نماز فجر یا نماز ظہر کی نیت کی۔

اہل اسلام میں جو کثرت سے مشہور و مستفیض اور زبان زد خاص وعام ہے وہ یہ ہے جسے علامہ محمد بن احمد زاہد ملقب بالزین نے ''ترغیب الصلوٰۃ'' میں لکھا ہے :

**نويت أن أصلي فرض فجر الوقت ركعتين لله تعالىٰ و توجهت إلى الكعبة و اقتديت بهذا الإمام .**

---

(۱) الاختیار لتعلیل المختار: ۱/۱۱......حاشیۃ ردالمحتار: ۱/۴۴۸......درمختار: ۲/۵۳۰......تحفۃ الفقہا: ۱/۱۲۵......المبسوط: ۴/۴۱۹ - کتاب المناسک - ...... بدائع الصنائع: ۲/۲۷۲ - فصل فی سنن حکم التکبیر - ...... تبیین الحقائق: ۴/۲۶۱ - باب الاحرام - ......العنایہ شرح الہدایہ: ۳/۴۱۲ - باب الاحرام - ......الجوہرۃ النیرہ: ۲/۸۲ - کتاب الحج - ......فتح القدیر: ۵/۶۵ - باب الاحرام - ......درر شرح غرر: ۳/۴۶ - تقدیم الاحرام علی المواقیت - ......البحرالرائق: ۶/۳۹۴ - استعمال الطیب فی بدنہ - ......مجمع الانہر: ۲/۴۰۹ - فصل بیان الاحرام - ......ردالمحتار: ۳/۲۹۲ - مطلب فی ستر العورۃ -

(۲) البحرالرائق: ۳/۹۴ - باب شروط الصلوٰۃ - ...... بدائع الصنائع: ۲/۲۷۲ - فصل فی سنن حکم التکبیر - ......تحفۃ الفقہا: ۱/۱۲۵......درمختار: ۲/۵۳۰۔

سنتوں کی نیت یوں کرے :

نـويـت أن أصـلـي سنة الفجر ركعتين لله تعالىٰ متابعة للرسول و توجهت إلى الكعبة .

چنانچہ ہمارے اضلاع میں بھی اسی کے قریب عمل جاری ہے۔ فرض کی نیت میں کہتے ہیں :

نیت کی میں نے دو رکعت نماز فجر فرض کی، اللہ تعالیٰ کے واسطے، منہ میرا کعبہ شریف کی طرف۔ اور سنتوں میں فرض کی بجائے سنت رسول اللہ کہتے ہیں، اور باقی بدستور۔

اب دیکھیے کہ قرون ثلاثہ سے نماز میں نہ تو یہ الفاظ اور نہ ان کے سوا اور کچھ الفاظ ثابت ہیں مگر محققین اہل سنت نے اس کو تسلیم کیا۔ اور مولف براہین نے اس طرح تسلیم کیا کہ ان الفاظ کی دلیل شرع میں موجود ہے۔ یعنی حج میں تلفظ پایا گیا۔ اب یہاں سے مانعین یہ یاد رکھیں کہ بدعت حسنہ کے جواز کے لیے ایسی دلیل بس ہوا کرتی ہے کہ اگر خاص نماز میں منقول نہیں تو حج میں سہی گو وہ عبادت اور ہے اور یہ اور۔ اور پھر تلفظ میں بھی مطابقت شرط نہیں کہ حج میں اور ہے اور نماز میں اور۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اپنی مانی ہوئی باتوں کے لیے ایسی ایسی دلیلیں تسلیم کریں اور ہم جو اثبات فاتحہ و میلاد شریف میں اس سے بہت اعلیٰ دلائل پیش کریں وہ غیر منظور ہوں۔ بجز اس کے کچھ علاج نہیں کہ حق سبحانہ اپنی قدرت کاملہ سے شانِ ہدایت کا جلوہ دکھائے۔

**مسئلہ ثانیہ:** آخر چھٹی صدی ہجری میں جو محفل میلاد شریف منعقد ہوئی، اس کو جلیل القدر علما اور اکابر فضلا نے مستحسن سمجھا اور شریک بھی ہوئے۔ اور امام نووی کے استاد حضرت ابو شامہ - رحمۃ اللہ علیہ - نے اس محفل کو نہ صرف پسند کیا بلکہ اسے بدعت حسنہ بھی قرار دیا اور مزید یہ فرمایا :

و من أحسن ما ابتدع فی زماننا هذا.... ما يفعل كل عام في اليوم الموافق ليـوم مـولد النبي -صلى الله عليه وسلم- من الصدقات و المعروف و إظهار الزينة و السرور - الى آخره- (۱)

یعنی ہمارے زمانے کی نوایجاد چیزوں میں یہ چیز کتنی خوبصورت ہے کہ لوگ ہر سال میلاد النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کے موقع پر صدقات وخیرات اور زینت ومسرت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

علامہ ابن حجر ہیتمی - رحمۃ اللہ علیہ - نے فرمایا :

---

(۱) سبل الہدیٰ والرشاد: ۱/۳۶۵..... سیرت حلبیہ: ۱/۱۲۲۔

**و عمل المولد و اجتماع الناس له كذلك أى بدعة حسنة - كذا في السيرة الحلبية -** (۱)

یعنی میلاد النبی منانا اور اس کے لیے لوگوں کا ایک جگہ اکٹھا ہونا سب کا سب بدعت حسنہ ہے۔ سیرت حلبیہ میں یوں ہی رقم ہے۔

**مسئلہ ثالثہ:** آٹھویں صدی کے آخر میں اذان کے بعد جو سلام کا رواج پڑا تو اس کی بابت درمختار میں ہے:

**التسليم بعد الأذان حدث في ربيع الآخر سنة سبع مائة و إحدى و ثمانين ...... و هو بدعة حسنة .** (۲)

یعنی اذان کے بعد سرکار دو عالم - صلی اللہ علیہ وسلم - پر سلام پڑھنے کی بدعت (ربیع الآخر -۷۸۱ھ - (1379ء) میں ایجاد ہوئی، اور یہ بدعت حسنہ ہے۔

درمختار کے شارح امام شامی - رحمۃ اللہ علیہ - نے بھی اسے تسلیم کیا اور مزید کنز الدقائق کی شرح نہر الفائق اور قول بدیع سے نقل فرمایا ہے:

**و الصواب(من الأقوال) أنها بدعة حسنة .** (۳)

یعنی سچی بات یہی ہے کہ اذان کے بعد سلام بدعت حسنہ ہے۔

آپ دیکھیں کہ آٹھویں صدی تو قرونِ ثلاثہ کے بہت بعد ہے، اس صدی میں پیدا شدہ نئی چیزوں کو بھی فقہا نے بدعت حسنہ قرار دیا ہے۔ اب فقہا کے ان اقوال کو امام شافعی کے قول کی روشنی میں دیکھنا چاہیے، ان سب علما نے بدعت کو حسنہ اور سیئہ کے دو خانوں میں تقسیم کیا ہے، اور بدعت حسنہ کو خواہ وہ قرونِ ثلاثہ یا ان کے بعد ایجاد ہوئی ہو مستحب اور حسن مانا ہے، تو گویا مولوی اسحٰق صاحب کے فرمانے کے مطابق ان سب فقہا کے نزدیک بدعت حسنہ کی ایجاد تا قیام قیامت ثابت ہوئی کیوں کہ وہ کہتے ہیں:

غیر محدود است عند القائل بہ تقسیم ہا۔

یعنی قائل کے نزدیک اس کی تقسیم کسی زمانے تک محدود نہیں۔

---

(۱) سیرت حلبیہ: ۱/۱۳۷۔

(۲) درمختار: ۱/۴۲۰۔

(۳) ردمختار: ۳/۲۰۳۔

اور (دور کیوں جائیے) خود مولوی اسحٰق اور مولوی اسماعیل صاحبان کے بزرگ بھی بدعت کی تقسیم کے قائل ہیں۔ (یہ دیکھیں) شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سوالات عشرۂ محرم کے سوال اول کے جواب میں لکھتے ہیں :

ساختن ضرائح وصورت قبور وعلم وغیرہ ایں ہمہ بدعت ست وظاہر است کہ ایں بدعت حسنہ کہ دراں ماخوذ نباشد نیست بلکہ بدعت سیئہ است وحالِ بدعت سیئہ ایں است کہ درحدیث شریف وارد ست: **شر الأمور محدثاتها و كل بدعة ضلالة**۔

یعنی تعزیہ اور پرچم وقبور کے نقشے وغیرہ بنانا بدعت ہے، اور ظاہر بات ہے کہ یہ بدعت حسنہ نہیں کہ جس میں مواخذہ نہ ہو بلکہ یہ بدعت سیئہ ہے اور بدعت سیئہ کے سلسلے میں حدیث شریف میں آیا ہے: **شـر الأمـور مـحـدثـاتهـا و كل بدعة ضلالة** یعنی دین میں نئی چیزوں کی ایجاد برا کام ہے، کیوں کہ ہر نئی چیز گمراہی ہے۔

شاہ صاحب موصوف نے ''تحفہ اثناعشریہ'' میں بھی بدعت حسنہ کا ثبوت پیش کیا ہے- جسے مطبوعہ مطبع حسینی دہلی کے صفحہ ۵۹۷ پر دیکھا جاسکتا ہے- اور تفسیر عزیزی پارۂ الم- مطبوعہ مطبع ولی محمد لکھنوی- کے صفحہ ۲۱۲ میں قرآن شریف کی بیع کو بدعت حسنہ قرار دیا ہے۔ اب تیرہویں صدی میں مولوی اسماعیل صاحب کہ جنھوں نے ''تذکیر الاخوان'' میں یہ کلام کیا تھا کہ :

جو کوئی دین کے عقیدے اور عبادت اور رسم میں وقت یا جگہ یا وضع یا ہیئت، گنتی، قید اپنی طرف سے مقرر کرے سو وہ بدعت اور باطل اور مردود ہے۔

اللہ کا شکر کہ یہ قاعدہ ایجاد کر کے آخر کار خود اس سے مخالفت کی راہ اختیار کر لی، اس کا ثبوت ''صراطِ مستقیم'' میں لکھی ان کی یہ عبارت ہے :

اشغال مناسبہ ہر وقت وریاضت ملائمہ ہر قرن جدا جدا می باشد لہٰذا محققان ہر وقت از اکابر ہر طریق درتجدید اشغال کوشش ہا کردہ اند بناء علیہ مصلحت دید وقت چناں اقتضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت ست تعین کردہ شود۔

یعنی ہر وقت اور ہر دور کے اشغال وریاضت الگ الگ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے محقق اکابرین نے اشغال ووظائف کی تجدید میں کوششیں کی ہیں۔ اس بنیاد پر وقت و مصلحت کا تقاضا یہ ہوا کہ اس کتاب کے ایک باب کو وقت کی مناسبت کے مطابق خاص اشغال جدیدہ کے لیے متعین کر دیا جائے۔

اس عبارت میں قرونِ ثلاثہ کی کوئی قید نہیں لگائی بلکہ ہر صدی میں اشغال کی ایجاد اور مشائخ کے تعینات کو مسلم رکھا اپنی تیرہویں صدی کے واسطے ایک باب میں بذات خود کچھ نئے اشغال لکھے۔ اس باب میں دیکھیں کہ ذکر اللہ اور عبادت الٰہی میں کیا کچھ وقت، ہیئت و کیفیت اور عدد کی قیدیں ہیں۔ اور ''صراط مستقیم'' کے آخر ورق میں بھی لکھا ہے :

تجدید اشغالے کہ ایں کتاب محتوی براں است فرمودند۔

یعنی مرشد صاحب نے نئے نئے اشغال نکالے اور ظاہر ہے کہ تجدید میں احداث ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ انجام کار ان کو بھی یہی بات حق و درست لگی کہ ''ایجاد بدعت حسنہ الی یوم القیامہ جائز است''۔ خیر! اللہ تعالیٰ ان کی تقلید کرنے والوں کو بھی ہدایت نصیب فرمائے۔

اب اہل سنت و جماعت خوب غور و فکر سے ملاحظہ فرمائیں کہ یہ جو فتویٰ انکاری کے مفتیوں نے میلاد شریف اور مردوں کی فاتحہ کو جمعرات اور عیدین وغیرہ میں ممنوع لکھا تھا، اس کی بنیاد اسی ایک دلیل پر تھی کہ جو کام قرونِ ثلاثہ کے بعد ہوتا ہے وہ بدعت سیئہ ہوتا ہے اور ہم اس دلیل کا ضعف اور ہلکا پن آپ کو بتا چکے، اور جب ارباب تحقیق و اصحاب تدقیق کے اقوال کی روشنی میں ان کی دلیل گھٹنے ٹیک گئی تو یقیناً اب ان کے فتویٰ کی شکست فاش ہوگئی، اور وہ جملہ امور آج بھی یوں ہی مستحسن و مباح رہے جس طرح پہلے تھے۔ لہٰذا مذہب صحیح اور مشرب اہل تنقیح یہی ہے جسے علامہ حلبی نے ''انسان العیون'' کی جلد اول میں لکھا ہے :

و قد قال ابن الحجر الهيثمي ان البدعة الحسنة متفق على ندبها . (۱)

یعنی حافظ ابن حجر ہیثمی نے فرمایا کہ بدعت حسنہ کے مندوب و مستحب ہونے پر اتفاق کیا گیا ہے۔

یعنی محققینِ فقہا و محدثین' بدعت حسنہ کو بالاتفاق اور بالاجماع جائز و درست قرار دیتے، اور اسی کی طرف رغبت دلاتے ہیں۔ لہٰذا فتوی انکاری کے اندر مندرجہ جملہ امور یعنی میلاد شریف، عیدین، جمعرات اور مردوں وغیرہ کی فاتحہ' فرقۂ ناجیہ اہل سنت و جماعت کے محققین کے اجماع و اتفاق سے مستحسن و درست ٹھہرے نہ کہ برے۔ اور مخالفین و مانعین جو اپنی سخن پروری کی وجہ سے انکار کیے جاتے ہیں تو ان کے انکار سے کوئی حرج و فرق نہیں پڑنے والا۔

حضرت ابوشکور رحمۃ اللہ علیہ ''تمہید'' میں فرماتے ہیں :

(۱) انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون: ۱۲۲/۱۔

و اما خلاف الذین خالفوا لغرضهم لا یعد خلافا.

یعنی جولوگ اپنے مقصد کی برآری کے لیے کوئی اختلاف کرتے ہیں تو ان کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

لہٰذا جو اپنی کسی غرض کے تحت (ان کے جواز کا) قول نہیں کرتے، تو ان کے اختلاف کر دینے کی وجہ سے ہمارے مستحسن و جائز امور میں کوئی قباحت کیوں آنے لگے: رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ أَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ . (۱)

اے ہمارے رب! ہم میں اور ہماری قوم میں حق فیصلہ کر، اور تیرا فیصلہ سب سے بہتر ہے۔

## نور دوم میں چھ لمعے ہیں :

## لمعہ اولیٰ - کھانے اور شیرینی پر فاتحہ کا جواز :

جو عبادت، انسان کی زبان یا جوارح و ارکان سے صادر ہو اس کو عبادتِ بدنی کہتے ہیں۔ جیسے قرآن یا تسبیح و تہلیل وغیرہ پڑھنا۔

جس عبادت میں مالیت صرف ہو اس کو عبادتِ مالی کہتے ہیں جیسے روٹی گوشت، اور روپیہ پیسہ وغیرہ راہِ خدا میں خرچ کرنا۔

اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے کہ ان دونوں قسم کی عبادتوں کا ثواب اگر کسی کو بخشا جائے تو وہ اس تک پہنچتا ہے۔ علم فقہ کی حد درجہ معتبر اور مشہور کتاب "ہدایہ" میں ہے :

إن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰة أو صوما أو صدقة أو غيرها عند أهل السنة و الجماعة . (۲)

یعنی اہل سنت و جماعت کے نزدیک کارِ خیر مثلاً نماز و روزہ اور صدقہ وغیرہ کا ایصال ثواب جائز ہے۔

عقائد کی مشہور و مستند درسی کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے :

(۱) سورۃ الاعراف: ۷/۸۹۔

(۲) عنایہ شرح ہدایہ: ۴/۲۶۸......حاشیۃ رد المحتار: ۲/۲۶۳......تبیین الحقائق: ۵/۱۳۱......فتح القدیر: ۶/۱۳۱......البحر الرائق: ۷/۳۷۹......ردالمحتار: ۶/۴۰۴۔

و في دعاء الأحياء للأموات و صدقتهم عنهم نفع لهم خلافا للمعتزلة .(۱)

یعنی زندوں کا مردوں کے لیے دعا اور ان کی طرف سے صدقہ کرنا ان کے لیے نفع بخش ہے۔ مگر معتزلی ایسا نہیں مانتے۔

یہ مسئلہ حدیثوں سے بھی ثابت ہے۔ ''تذکرۃ الموتیٰ'' میں قاضی ثناء اللہ - رحمہ اللہ - ان حدیثوں کو نقل کر کے فرماتے ہیں :

لہٰذا جمہور فقہا حکم کردہ اند کہ ثواب ہر عبادت بہ میت می رسد۔

یعنی ان حدیثوں کی روشنی میں فقہاے کرام نے یہ حکم دیا ہے کہ ہر عبادت کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے۔

حضرت ملا علی قاری ''شرح فقہ اکبر'' میں عباداتِ بدنیہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :

فذهب أبو حنيفة و أحمد و جمهور السلف إلى وصولها -إلى آخره-

یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل اور جماہیر امت نے ایصال ثواب کو جائز قرار دیا ہے۔

لہٰذا اسی بنیاد پر اہل اسلام کی یہ عادت ہے کہ جب کسی میت کے نام سے کچھ کھانا یا شیرینی دینا چاہتے ہیں تو الحمد شریف اور درود پاک پڑھ کر اس میت کے لیے دعا کرتے ہیں اور اللہ سے درخواست کرتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے پڑھا اور جو کچھ خیرات دی گئی ہے اس کا ثواب فلاں میت کو پہنچے، عوام میں اسی کا نام فاتحہ ہے۔ وہ (روزمرہ) یوں کہا کرتے ہیں کہ آج فلاں میت یا فلاں بزرگ کی فاتحہ ہے۔

دراصل فاتحہ، الحمد شریف کا نام ہے اور چوں کہ الحمد شریف کی اس وقت تلاوت ہوتی ہے اس لیے اس پورے عمل کا نام ''فاتحہ'' قرار پایا۔ (اسی کو کہتے ہیں) تسمية الكل باسم الجزء . یعنی کسی خاص جز کی مناسبت سے پورے کا وہی نام دے دیا جائے۔ اور منکرین نے اس کا نام فاتحہ مرسومہ رکھا ہے۔

اب آپ دیکھیں کہ اس فاتحہ کے اندر جو کچھ دعا و درود اور الحمد شریف پڑھی گئی وہ عبادت بدنیہ ہے جو کہ ثابت الاصل ہے، یوں ہی جو کچھ کھانا یا شیرینی اس وقت دی گئی یا دی جائے گی وہ عبادت مالیہ ہے اور یہ بھی حدیث وفقہ اور عقائد سے ثابت ہے، اور انھیں دونوں عبادتوں کا ثواب میت کو پہنچایا جاتا ہے۔ پھر منکرین کے اس انکار کا کیا معنی کہ اس کی کچھ اصل نہیں۔

---

(۱) شرح عقائد نسفیہ: ۱۶۵۔

اگر یہ کہا جائے کہ عبادت بدنیہ اور عبادت مالیہ جدا جدا کر دیا جائے کیوں کہ دونوں کا جمع کرنا ثابت نہیں تو یہ وہی مثال ٹھہرے گی کہ جب کوئی مفتی شریعت حکم دے کہ بریانی کھانا جائز ہے اس لیے کہ اس میں گوشت ہے اور گوشت حلال چیز ہے، برنج ہے وہ بھی حلال، اور زعفرانی رنگ ہے وہ بھی حلال ہے تو ان مباحات کا مجموعہ مباح ہے۔

اب اس کے جواب میں کوئی بے ہودہ سر پھوڑنے کو تیار ہو جائے کہ صاحب! یہ سب جدا جدا تو بے شک ثابت ہیں لیکن ہم تو جب مانیں کہ اس مجموعہ کا ذکر' قرآن یا حدیث میں دکھاؤ، یہ حرف کہاں لکھا ہوا ہے کہ بریانی کھانا درست ہے۔ تو جس طرح اس بے ہودہ کو اہل خرد' عقل کا یتیم اور ہنسے جانے کے قابل سمجھیں گے بالکل یہی معاملہ ان صاحبوں کی اس بات کا بھی ہے۔

علاوہ بریں جس طرح یہ لوگ صریح روایت کے وجود پر اثبات جمع کو موقوف رکھتے ہیں یوں ہی منع کو بھی وجودِ روایت پر موقوف رکھنا چاہیے، یعنی اگر عبادت مالیہ اور عبادت بدنیہ جمع کرنے کی ممانعت میں کوئی حدیث یا آیت وارد ہوئی ہو تو منع کریں ورنہ ان کو خاموش رہنا چاہیے۔ حالاں کہ ہم دعوے سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ جمع بین العبادتین (دو عبادتوں کو اکٹھا کرنے) کی ممانعت کے سلسلہ میں کوئی حدیث یا آیت نہیں آئی ہے اور اگر ہے تو انھیں پیش کرنا چاہیے۔ ھاتوا برھانکم إن کنتم صادقین۔

ہم جمع بین العبادتین کے لیے عقلی اور نقلی قاعدے از روے شرع دکھا دیں گے۔ ایک تو یہی کہ جب ممانعت ثابت نہیں تو (اشیا میں) اصل اباحت ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک بندے کی سعادت یہ ہے کہ وہ اپنے معبود کی عبادت میں لگا رہے۔

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الانْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ . (۱)

اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی لیے بنائے کہ میری عبادت کریں۔

بعض عبادتیں زبان سے ہوتی ہیں، بعض بدن کے دوسرے حصوں سے اور بعض مال سے۔ (ظاہر ہے) جو کوئی ہر قسم کی عبادت کرے گا وہ صرف ایک عبادت کرنے والے کے مقابلے میں ضرور افضل ہوگا۔

معراج کی شب رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- نے جناب باری میں ان الفاظ سے تحفہ گزارا:

التحیات للّٰہ و الصلوات و الطیبات .

(۱) سورۂ الذاریات: ۵۶/۵۱۔

مفسرین اور محدثین نے اس کے معنی یہ لکھے ہیں: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو زبان سے ادا ہوں اور بدنی و مالی عبادتیں بھی۔ تو جب تینوں قسم کی عبادتیں اللہ کے لیے خاص ہوئیں تو اس شخص کے نصیبہ کا کیا کہنا جو اِن تینوں کو ادا کرے۔ اور فاتحہ مرسومہ میں یہ باتیں حاصل ہیں۔ **الحمد للّٰہ ربِّ العٰلمین ، الرحمٰن الرحیم ، مٰلک یوم الدین** کہنے سے حمد وثنا اور شکر الٰہی زبانی طور پر ادا ہوتی ہے۔ اور **اھدنا الصراط المستقیم** سے لے کر اخیر تک یہ دعا ہوئی۔ نیز درود پڑھنا، عاجز وذلیل بن کر اپنے رب تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اُٹھانا اور مردوں کے لیے دعاے مغفرت کرنا یہ بھی عبادت بدنی اور لسانی ہوئی، اور شیرینی یا کھانا اللہ کے نام پر دینا عبادت مالی ہوئی۔ تو نمازی جو پانچوں وقت اپنی نماز میں: **التحیات للّٰہ و الصلوات و الطیبات** کہتا ہے' اس کا مجموعہ فاتحہ میں موجود ہے۔ تو زہے قسمت اس میت کی جس کو یہ 'عطر مجموعہ' پہنچے۔

تیسرے یہ کہ ''نصاب الاحتساب'' کے پندرہویں باب میں ''التجنیس والمزید'' مولفہ امام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ سے نقل کیا ہے :

**روي أن عليا –رضي الله عنه– تصدق بخاتم و هو في الركوع فمدحه اللّٰه تعالیٰ بقوله يؤتون الزكوٰة و هم راكعون .**

یہ روایت تفسیر معالم التنزیل، مدارک، بیضاوی اور رازی وغیرہ میں بھی وارد ہے۔ لکھتے ہیں کہ ظہر کے وقت مسجد نبوی کے اندر ایک آدمی نے سوال کیا، جب اس کو کچھ نہ ملا تو اس نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا: اے اللہ! تو گواہ رہنا کہ میں نے مسجد النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- میں سوال کیا اور کسی نے کچھ بھی نہ دیا۔ حضرت علی -کرم اللہ وجہہ- حالت رکوع میں تھے، آپ نے اپنے داہنے ہاتھ کی خنصر انگلی جس میں انگوٹھی تھی سائل کی طرف کر دی، اس نے جناب نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کے سامنے' آگے بڑھ کر علی -کرم اللہ وجہہ- کی انگشت سے انگوٹھی نکال لی - انتہیٰ -

اب دیکھیے ،صدقہ ایک مالی عبادت ہے اور نماز بدنی عبادت۔ اور صاحب ہدایہ کی عبارت تجنیس کے حوالے سے گزر چکی کہ اللہ تعالیٰ نے اس جمع بین العبادتین کرنے پر سورۂ مائدہ میں تعریف فرمائی ہے۔ اور کنز الدقائق کے مصنف' امام ابو البرکات نسفی - رحمہ اللہ- جو پایے کے حنفی عالموں میں سے ہیں اپنی تفسیر مدارک میں اس مقام پر فرماتے ہیں کہ یہاں فعل تو ایک کا ہے مگر صیغہ جمع کیوں فرمایا گیا؟ تو جواب دیا کہ اس میں تمام لوگوں کو رغبت دلائی گئی ہے کہ یہ ثواب کچھ ایک کے لیے خاص نہیں جو کوئی بھی اس قسم کا کام کرے گا اسے ایسا ہی ثواب ملے گا۔ عبارت یہ ہے :

و ورد بلفظ الجمع و إن كان السبب واحدا ترغيبا للناس في مثل فعله لينالوا مثل ثوابه . (۱)

یہی مضمون علامہ قاضی بیضاوی شافعی نے بھی لکھا ہے۔ اور مدارک میں یوں ہے :

و الآية تدل على جواز الصدقة في الصلوٰة . (۲)

یعنی اس آیت سے معلوم ہوا کہ حالت نماز میں صدقہ دینا جائز ہے۔

اس بنیاد پر عبادت مالی اور بدنی کا جمع کرنا نص قرآنی سے جائز بلکہ قابل مدح وثنا ہے۔ حالاں کہ نماز ایک ایسی بدنی عبادت ہے کہ اس میں حرکت اجنبی سے جو متعلق نماز نہ ہو بچنا چاہیے تو جب نماز میں حرکت کے باوجود جمع بین العبادتین جائز ہوا تو خارج نماز - جو حرمت صلوٰۃ بھی مرد مکلّف کے ذمہ نہیں - بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ باقی رہا یہ اختلاف کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی - کرم اللہ وجہہ - کی شان میں ہے، بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر - رضی اللہ عنہ - کے لیے اور بعضوں کے اس سلسلہ میں اور بھی اقوال ہیں یہ ہم کو مضر نہیں جب نص قرآنی میں: و يُؤتُونَ الزَّكوٰةَ وَ هُمْ رَاكِعُوْنَ آ گیا۔

قال أبو البركات النسفي - رحمه الله - الواو للحال اى يؤتونها في حال ركوعهم . (۳)

یعنی حضرت ابوالبرکات نسفی - علیہ الرحمہ - فرماتے ہیں کہ یہاں پر واو حالیہ ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ وہ حالت رکوع میں دیا کرتے ہیں۔

تو آیت کا مورد جو بھی ہو جمع بین العبادتین آیت سے ثابت ہے لیکن یہ جمع اس طرح ہے کہ اصل عبادت بدنی کرنا تھا اس میں مالی عبادت بھی عمل میں لایا ہم اس کی سند دیں کہ عبادت مالی کرنے میں بدنی عبادت بھی کی گئی ہے۔

محدث دارمی نے ''کتاب الاضاحی'' میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم - صلی اللہ علیہ وسلم - نے دو مینڈھے قربانی کیے جب ان کو ذبح کے لیے قبلہ رولٹایا آپ نے یوں پڑھا :

---

(۱) تفسیر نسفی: ۱/۲۹۴۔
(۲) تفسیر نسفی: ۱/۲۹۴۔
(۳) تفسیر نسفی: ۱/۲۹۴۔

إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الأَرْضَ حَنِيْفاً وَّ مَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ إِنَّ صَلاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لاَ شَرِيْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَ أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ اللّٰهُمَّ إِنَّ هٰذَا مِنْكَ وَ لَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَّ أُمَّتِهٖ ثُمَّ سَمَّى اللّٰهَ وَ كَبَّرَ وَ ذَبَحَ . (۱)

یعنی پہلے حضور-صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ آیتیں پڑھیں پھر فرمایا: اے اللہ! یہ قربانی تیرے فضل وکرم سے اور تیری ہی رضا مندی کے لیے محمد اور اس کی امت کی طرف سے ہے۔ پھر آپ نے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر اس کو ذبح فرمایا۔

مسلم شریف کی حدیث میں ایک دوسری قربانی کے موقع پر آپ سے یوں دعا مانگنا بھی آیا ہے :

اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ . (۲)

یعنی اے اللہ محمد، آل محمد اور امت محمدیہ کی جانب سے اسے قبول فرما۔

لفظ أول المسلمين کی جگہ من المسلمين کی بھی روایت ہے۔ نیز لفظ حنيفا سے پہلے علی ملة إبراهيم بھی مروی ہے۔ اور جس طرح احادیث میں آیا ہے یوں ہی آیتوں کا پڑھنا فقہائے کرام نے باب اضحیہ میں لکھا ہے۔ اور محمد بن احمد زاہد نے مزید یہ بھی لکھا ہے :

اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّي هٰذِهِ الأُضْحِيَّةَ فَاجْعَلْهَا قُرْبَاناً لِوَجْهِكَ الكَرِيْمِ خَالِصاً وَ عَظِّمْ أَجْرِيْ عَلَيْهَا .

---

(۱) سنن ابوداؤد: ۷/۴۵۸ حدیث: ۲۴۱۳...... سنن ابن ماجہ: ۹/۲۷۳ حدیث: ۳۱۱۲...... مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۳۲۸ حدیث: ۱۴۶۱...... مسند احمد ۳۰/۴۰ حدیث: ۱۴۴۹۱...... سنن کبریٰ بیہقی: ۹/۲۸۵...... مستدرک حاکم: ۴/۲۶۱...... شعب الایمان: ۱۵/۳۸۸ حدیث: ۷۰۸۹...... سنن دارمی: ۶/۴۷ حدیث: ۱۹۹۸...... صحیح ابن خزیمہ: ۱۰/۳۲۹ حدیث: ۲۶۸۰...... معرفۃ السنن والآثار: ۱۵/۱۷۰ حدیث: ۵۸۷۵...... الدعاء طبرانی: ۳/۳۰ حدیث: ۸۷۵...... الدعوات الکبیر بیہقی: ۲/۳۸ حدیث: ۴۵۱...... سنن صغیر بیہقی: ۴/۱۹۹ حدیث: ۱۴۲۵...... نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ: ۵/۴۳۲-باب الحج عن الغیر -...... مسند جامع: ۹/۶۲ حدیث: ۲۷۳۵۔

(۲) صحیح مسلم: ۱۰/۱۴۹ حدیث: ۳۶۳۷...... سنن ابوداؤد: ۷/۴۵۵ حدیث: ۲۴۱۰...... مسند احمد بن حنبل: ۵۰/۷ حدیث: ۲۳۳۵۱...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۰/۷ حدیث: ۲۳۳۵۱...... سنن بیہقی: ۹/۲۶۷...... مستخرج ابوعوانہ، ۱۵/۲۳۶ حدیث: ۶۲۹۳...... صحیح ابن حبان: ۲۴/۳۶۹ حدیث: ۶۰۱۴...... معرفۃ السنن والآثار بیہقی: ۱۵/ ۱۳۸ حدیث: ۵۸۴۹...... سنن صغیر بیہقی: ۴/۱۹۷۔

یعنی اے اللہ! خالص اپنی رضا کے لیے اس قربانی کو میری طرف سے قبول فرما اور میرے اجر وثواب کو بڑھا۔

کیا نہیں دیکھتے کہ اہل اسلام میں عقیقہ کے وقت یہ دعا پڑھنا شائع وذائع ہے :

**اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ عَقِیْقَۃُ ابْنِیْ فُلَانٍ دَمُھَا بِدَمِہٖ وَ لَحْمُھَا بِلَحْمِہٖ وَ عَظْمُھَا بِعَظْمِہٖ وَ جِلْدُھَا بِجِلْدِہٖ وَ شَعْرُھَا بِشَعْرِہٖ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا فِدَاءً لِابْنِیْ مِنَ النَّارِ .**

اس کے بعد وہی آیت مذکورہ **إني وجهت وجهي تا من المسلمين** پڑھ کر کہتے ہیں :

**اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَ لَکَ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ أَکْبَرُ .**

اسے غور سے دیکھیں، یہ کیا ہے؟ آخر اسی عبادت بدنیہ اور مالیہ کا اجتماع ہی تو ہے۔ اور جمع بین العبادتین منع کیوں کر ہو! ۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

**فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ .** (۱)

تو نیکیوں میں سبقت کرو۔

تفسیر روح البیان میں ہے :

**و المراد جميع أنواع الخيرات .** (۲)

یعنی ''خیرات'' سے ہر قسم کی نیکیاں مراد ہیں۔

کچھ ایسا ہی تفسیر عزیزی میں بھی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ہر قسم کی بدنی و مالی خیرات وعبادات جس سے جتنی بن پڑیں کرے کہ شرع نے اس کا حکم دیا ہے۔ اور شاہ عبد القادر صاحب نے اس آیت کے فائدہ کے تحت لکھا ہے :

بہتری اُسی کو ہے جو نیکیوں میں زیادہ ہو۔

اور ظاہر بات ہے کہ دو قسم کی عبادت کرنے والے ایک قسم کی عبادت کرنے والے سے (یقیناً) افضل ہوں گے۔ تو جمع بین العبادتین کرنے کے نتائج ودلائل یہ ہیں۔ اب اگر کسی نے ان سب کو ترک کر دیا اور بدعت کہہ کر چھوڑ دیا جیسے کہ یہ منکرین چھوڑے بیٹھے ہیں تو ان پر عوام الناس کی وہی مشہور مثل صادق آئے گی۔ ''مر گئے مردود فاتحہ نہ درود''۔

---

(۱) البقرہ،۲: ۱۴۸- المائدہ،۵: ۴۸۔
(۲) تفسیر روح البیان: ۱/۲۵۴ لبنان۔

صاحب ''سیف السنہ'' کا صفحہ ٦ کے اندر 'ردِ فاتحہ کی دلیل میں یہ بات پیش کرنا کہ حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- سے کھانے میں سوائے بسم اللہ پڑھنے کے اور کوئی چیز ثابت نہیں' بالکل ہی بے محل ہے، اس لیے کہ یہ بسم اللہ تو کھانا شروع کرنے سے پہلے اہل فاتحہ بھی پڑھتے ہیں۔ کلام اس میں ہے کہ کھانا سامنے رکھا ہوا موجود ہو اور پھر انسان کچھ پڑھے، یہ ثابت ہے یا نہیں۔ تو ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ ثابت ہے، (اور اس سلسلہ کی) چند حدیثیں مشکوٰۃ شریف کے باب المعجزات میں موجود ہیں۔

ان میں سے مسلم و بخاری سے مروی ام سلیم کی وہ حدیث بھی موجود ہے کہ حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کے فاقہ کا حال معلوم کر کے انھوں نے جو کی چند روٹیاں پکا کر دوپٹہ کے پلہ میں باندھ دیں- لمبا قصہ ہے یہ- آخر کار یہ کہ حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- نے ان روٹیوں کو ملیدہ کی طرح تڑوایا اور برتن میں جو کچھ گھی لگا ہوا تھا اس میں ٹپکا دیا۔ پھر حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- نے اس پر دعا کے کچھ الفاظ پڑھے ،اور دس دس آدمیوں کو بلا کر کھلانا شروع کیا ،اَسّی آدمیوں کو پیٹ بھر بھر کر کھلا دیا، پھر حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- اور ام سلیم کے جملہ اہل خانہ نے کھایا اور پھر بھی بچ رہا۔ تو دیکھیے اس میں کھانا سامنے ہے اور اس پر دعا یا جو کچھ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے چاہا اس کا پڑھنا بھی ہے۔

انھیں میں سے بخاری و مسلم کے حوالے سے حضرت انس کی وہ حدیث ،جس میں آپ فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے ایک بادیہ (کٹورے) میں کھجور، گھی اور اقط کی ترکیب سے بنا ہوا کھانا بھیجا۔

'اقط' ایک ترش شے سی ہوتی ہے یا پکائی ہوئی چھاچھ کو خشک کر لیتے ہیں ،عربی میں یہی اقط کہلاتی ہے۔ جیسے دودھ کو پنیر مایہ سے جما کر پنیر بناتے ہیں اور عربی میں اسے جُبن کہتے ہیں۔

الحاصل جب اس طرح کی دہی، کھجور اور گھی کا (بنا ہوا) کھانا آپ کے سامنے آیا تو آپ نے اس پر کچھ پڑھا جو کچھ اللہ کو منظور تھا، پھر آپ دس دس آدمی کو بلاتے گئے اور کھلاتے گئے ،قریباً تین سو آدمیوں کو فارغ کر دیا اور مجھ سے فرمایا اے انس! اٹھا لے ،تو جب میں نے اپنا بادیہ اٹھایا تو حیرت میں رہ گیا کہ جب میں لایا تھا اس وقت اس میں زیادہ کھانا تھا یا اب پہلے سے زیادہ ہے۔

انھیں میں سے غزوۂ تبوک کی وہ حدیث بروایت مسلم' مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے کہ جب لوگوں کو بھوک لگی ،تو حضرت عمر نے رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- سے دعا کرانی چاہی۔ آپ نے دسترخوان بچھوایا اور فرمایا کہ جو کچھ جس کے پاس کھانا بچا ہوا ہے' لے آؤ ،تو کسی نے مٹھی جوار، کسی نے مٹھی کھجور، اور کسی نے روٹی کا ٹکڑا یعنی جو جس کے پاس تھا لا کر ڈال دیا، اور نہایت معمولی سا

ذخیرہ جمع ہوا، پھر آپ نے اس پر دعا فرمائی اور (اعلانِ عام) فرمایا کہ تم سب اپنے برتنوں کو بھر لو، سب نے اپنے پاس موجود تمام برتن بھر لیے اور خوب (سیر ہو کر) کھایا، اور پھر بھی کھانا بچ رہا۔

شارحین لکھتے ہیں کہ اس وقت لشکر میں لاکھ آدمی موجود تھے، تو اس حدیث صحیح سے معلوم ہوا کہ لاکھ آدمی اس بات پر شاہد تھے کہ کھانا سامنے رکھے ہوئے پر حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- نے دعا مانگی۔ باقی رہی یہ بات کہ حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- نے وہ دعا مانگی جو آپ کو ضرورت تھی، اور صاحب فاتحہ وہ دعا کرتا ہے جس کی اسے حاجت ہوتی ہے مگر دعا ہونے میں تو دونوں برابر ہیں یعنی دعا کے معنی شریعت میں یہ ہیں :

**السوال من اللّٰه الكريم .**

اور یہ دونوں جگہ ایک ہیں۔ ان مقامات میں یہ بات کسی راوی نے روایت نہیں کی کہ حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- نے دعا کرنے میں ہاتھ نہیں اٹھائے بلکہ سرکار -صلی اللہ علیہ وسلم- کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب بھی دعا کرتے ہاتھ اٹھا کر کرتے تھے۔ جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی -رحمہ اللہ- نے ''جامع صغیر'' میں نقل کیا ہے :

**كَانَ إِذَا دَعَا جَعَلَ بَطْنَ كَفَّيْهِ إِلٰى وَجْهِهٖ .** (۱)

یعنی آپ جب دعا کرتے تھے تو ہاتھ اٹھانے میں ہتھیلی منہ کی طرف کرتے تھے۔

حضور کا ارشاد بھی یہی ہے کہ جب تم سوال کرو تو ہاتھ اٹھا کر ہتھیلی پھیلا کر سوال کرو۔ لہٰذا احادیث فعلیہ وقولیہ ہر طرح سے کھانے کی موجودگی میں دعا کے وقت ہاتھوں کو اٹھا کر دعا مانگنا ثابت ہوا۔ اب اہل انصاف کو چاہیے کہ سخن پروری کو چھوڑ کر ان دلائل میں خوب غور وخوض اور حق کی پیروی کریں ورنہ (کم از کم) اتنا تو کریں کہ فاتحہ پڑھنے والوں کو صلوات نہ سنائیں ع :

مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں۔

---

(۱) مسند احمد: ۳۳/۳۳۲ حدیث: ۱۵۹۶۸...... معجم اوسط: ۱۱/۴۶۲ حدیث: ۵۳۸۴...... کنز العمال: ۷/۲ حدیث: ۱۸۰۱۵۔
یوں بھی آیا ہے :
كان إذا دعا جعل ظاهر كفيه مما يلِيَ وجهه و باطنها مما يلي الأرض . (مسند احمد: ۲۴/۳۳۸ حدیث: ۱۱۷۹۲...... مسند ابو یعلی موصلی: ۸/۵۴ حدیث: ۳۴۴۰...... مسند جامع: ۲/۲۵۶ حدیث: ۵۴۲)
اور یوں بھی آیا ہے :
أنه كان إذا دعا جعل راحتيه إلي وجهه . (معرفۃ الصحابہ اصبہانی: ۹/۴۵۲ حدیث: ۳۰۶۳...... الآحاد و المثانی ابن ابی عاصم: ۷/۲۵۱ حدیث: ۲۲۸۳...... فوائد تمام: ۳/۴۷ حدیث: ۱۳۷۲)

**تنبیہ** : ہاں! اگر کوئی کم سمجھ، عوام میں ایسا ہو کہ وہ عبادت مالی کے ثواب کو یوں سمجھے کہ بغیر فاتحہ پڑھے نہیں پہنچے گا تو اس عقیدہ کو غلط کہنا چاہیے اور اس کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا چاہیے کیوں کہ اس نے حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- کے مطلق فرمان کو اعتقاداً مقید کر دیا لیکن لوگوں کا برتاؤ اور طور طریقہ دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کا اپنا عقیدہ نہیں۔ اس لیے کہ جب میت کی طرف سے کچھ کپڑے یا روپئے مسجد یا مدرسہ میں دیتے ہیں تو اس پر فاتحہ پڑھ کر نہیں دیتے۔ ہاں! ہندوؤں کی رسم یہ ہے کہ وہ کھانا یا کپڑا یا جو کچھ میت کے لیے کرتے ہیں ان سب پر سنکلپ کرتے ہیں۔ چنانچہ ''تحفۃ الہند'' مطبوعہ فاروقی کے صفحہ ۸۵ پر ہے :

> جب اہل اسلام نے ایسا نہ کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ عبادت مالی کا ثواب بغیر کچھ پڑھے پہنچ جاتا ہے، اسی طرح جب ختم قرآن شریف یا قل ہو اللہ وغیرہ پڑھ کر میت کو بخشتے ہیں یا قبرستان میں جا کر اس پر فاتحہ پڑھتے ہیں تو اس صورت میں یہ لازم نہیں سمجھتے کہ اس وقت کچھ صدقہ بھی ضرور چاہیے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک عبادت بدنی کا ثواب بغیر عبادت مالی کے پہنچ جاتا ہے۔ جب عقیدہ یہ ٹھہرا تو بعض صورتوں میں-مثلاً کھانا کھلانے اور تقسیم شیرینی وغیرہ-ان کے حق میں فاتحہ پڑھنا کچھ نقصان دہ نہیں۔ اسی لیے بزرگانِ دین کا اس طریقہ پر عمل رہا ہے-ہم عنقریب اسے نقل کریں گے- باقی رہی یہ بات کہ بعض لوگ جو زیادہ احتیاط برتتے ہیں کہ صاف و پاکیزہ مکان میں قبلہ رو بیٹھتے ہیں تو یہ بات کچھ فرض نہیں بلکہ اس کے آداب سے ہے۔

شاہ عبد العزیز صاحب-رحمۃ اللہ علیہ-تعزیہ کے پاس درود و فاتحہ پڑھنے کے سلسلے میں ہوئے سوالاتِ عشرۂ محرم میں فرماتے ہیں :

> فاتحہ و درود فی نفسہٖ درست ست لیکن دریں قسم جائے نوعے بے ادبی می شود زیرا کہ نجاست معنوی دارد و فاتحہ و درود جائے باید خواند کہ محل پاک باشد از نجاست ظاہری و باطنی۔
>
> یعنی فاتحہ و درود پڑھنا فی نفسہٖ درست ہے، ہاں! نجاست معنوی کی شکل میں یہاں بے ادبی کا ایک پہلو پایا جا سکتا ہے، اور فاتحہ و درود ایسی جگہ پڑھے جائیں جو ہر قسم کی ظاہری اور باطنی نجاستوں سے پاک ہو۔

اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ فاتحہ پاکیزہ جگہ میں پڑھنی چاہیے۔ اور مولوی اسمٰعیل صاحب ''صراطِ مستقیم'' میں اپنے مرشد سید احمد صاحب کی تعلیم کے مطابق لکھتے ہیں :

اول طالب را باید کہ باوضو دوزانو بطور نماز بنشیند و فاتحہ بنام اکابر ایں طریقہ یعنی حضرت خواجہ معین الدین سنجری وحضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیر ہما خواندہ التجا بہ جناب حضرت ایزد پاک بتوسط ایں بزرگان نماید- الی آخرہ-

یعنی پہلے طالب ارادت کو چاہیے کہ باوضو اور نماز کی طرح دوزانو ہو کر بیٹھ جائے اور اس سلسلہ کے بزرگان دین یعنی خواجہ معین الدین سجزی اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہ کے نام فاتحہ پڑھ کر پھران بزرگان دین کے توسط سے پروردگار عالم کی بارگاہ میں التجا کرے۔

تو پاک مکان میں قبلہ کی طرف منہ کر کے آداب کے ساتھ فاتحہ پڑھنا ان بزرگواروں کے کلام سے ثابت ہو گیا۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ فاتحہ یعنی الحمد شریف کو ایصال ثواب کے لیے کیوں اختیار کیا گیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ الحمد شریف کو تمام سورتوں پر بڑی فضیلت حاصل ہے۔ سیرت حلبی اور تفسیر عزیزی میں ہے :

اگر سورۂ فاتحہ کو ترازو کے ایک پلہ میں اور پورا قرآن دوسرے پلہ میں رکھا جائے تو فاتحہ یعنی الحمد شریف غالب آجائے گی۔ (سات حصہ)

تفسیر روح البیان میں ہے :

جس نے الحمد شریف پڑھی اس کو اللہ تعالیٰ کل قرآن پڑھنے کا ثواب دے گا اور گویا اس نے جملہ مومنین ومومنات پر صدقہ کیا- انتہی -

اس لیے اہل اسلام میں یہ رسم پڑھ گئی کہ جب کوئی اپنی میت کے لیے کچھ کھانا یا شیرینی دیتا ہے تو الحمد پڑھ دیتا ہے اس کے پڑھنے کا ثواب یہ ہوتا ہے گویا کہ تمام مومنین ومومنات پر صدقہ کیا گیا۔ خدا کی قدرت دیکھیے کہ اصحاب فاتحہ (فاتحہ پڑھ کر) کن کن درجات کو پہنچ رہے ہیں اور منکرین اس فعل سے منع کر کے کیا کیا خیرات جاریہ بند کرا رہے ہیں۔

اب رہا مسئلہ ہاتھ اُٹھانے کا تو اس کا جواب یہ ہے کہ فاتحہ میں چوں کہ دعا بھی کی جاتی ہے، اور نماز کے باہر جو دعا کی جاتی ہے اس میں ہاتھ اُٹھانا مستحب ہے۔

حصن حصین میں ہے :

آداب الدعاء بسط الیدین –ت مس– و رفعهما –ع–

یعنی دونوں ہاتھوں کو پھیلانا دعا کے آداب سے ہے، یہ روایت ترمذی اور حاکم کی ہے۔ اور

صحاحِ ستہ میں ہے کہ دونوں ہاتھوں کو اُٹھانا بھی آدابِ دعا ہی میں شامل ہے۔
مشکوٰۃ شریف میں حضورِ اکرم -صلی اللہ علیہ وسلم- کا یہ فرمان نقل ہوا ہے :

إِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوْا بِبُطُونِ أَكُفِّكُمْ . (۱)

یعنی جب تمہیں اللہ سے سوال کرنا ہو تو ہاتھوں کی ہتھیلیاں اُٹھا کر سوال کیا کرو۔
نیز اسی میں یہ حدیث رسول بھی ہے :

إِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِي مِنْ عَبْدِهِ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْراً. (۲)

یعنی بے شک اللہ شرم وکرم والا ہے، بندہ جب اس کی جناب میں ہاتھ اُٹھا کر دعا کرتا ہے تو اسے خالی پھیر دینا اس کی شانِ کریمی کو گوارا نہیں ہوتا۔

---

(۱) سنن ابوداؤد: ۲۸۵/۴ حدیث:۱۲۷۱......اخبار اصبہان:۱۸۷/۹ حدیث:۱۷۹۰......المطالب العالیہ : ۴۴۰/۹ حدیث: ۳۴۳۰......صلاۃ الوتر مروزی:۱۱۲/۱ حدیث: ۷۵......معجم الصحابہ ابن قانع:۹۳/۶ حدیث: ۱۵۷۸...... کنزالعمال:۸۴/۲، ۸۵ حدیث: ۵۵، ۳۲۵۴......مسند جامع: ۳۵/۴۷ حدیث: ۱۱۳۳۳......تحفۃ الاشراف: ۱۰/ ۱۶۳ حدیث: ۱۱۲۰۹......الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم: ۷/ ۶۹ حدیث: ۲۱۷۷......مستدرک : ۱۹/۵ حدیث: ۱۹۲۴......معجم طبرانی:۱۹۷/۹ حدیث: ۱۰۶۲۸......مسند عبدابن حمید:۳۳۳/۲ حدیث: ۷۱۷......معرفۃ الصحابہ ابونعیم اصبہانی:۲۵۲/۱۷ حدیث:۵۴۴۱......مسند الشامیین طبرانی:۲۶۱/۵ حدیث:۱۶۱۲۔

یوں بھی یہ حدیث آئی ہے :

- سلوا اللّٰه ببطون أكفكم ولا تسالوه بظهورها فاذا فرغتم فامسحوا بها وجوهكم . (سنن ابوداؤد:۴/ ۲۸۴ حدیث:۱۲۷۰......الدعوات الکبیر بیہقی: ۲۰۰/۱ حدیث: ۱۷۲......مجمع الزوائد: ۴۲۳/۴...... کنزالعمال: ۸۰/۲ حدیث: ۳۲۲۹ - ۱۶/ ۴۰ حدیث:۴۳۸۴۴...... مجمع الزوائد:۱۶۹/۱۰......نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ: ۱۴۲/۵...... تلخیص حبیر فی تخریج احادیث الرافعی:۴۹۱/۱......المسند الجامع:۱۸۸/۲۱......تحفۃ الاشراف:۱۹۳/۷ حدیث: ۶۴۴۸......سنن بیہقی:۲۱۲/۲)

دوسرے الفاظ میں بھی یہ حدیث ملتی ہے مثلا :

- اذا دعوت اللّٰه فادع اللّٰه ببطون كفيك و لاتدعه بظهورهما،فإذا فرغت فامسح بهما وجهك . (الاوسط لابن منذر:۲۵۰/۸، ۲۵۱ حدیث: ۲۶۷۷......صلاۃ الوتر مروزی:۱۱۱/۱......حدیث:۷۴...... تلخیص حبیر فی تخریج احادیث الرافعی:۴۹۱/۱ حدیث:۳۷۳......سنن ابن ماجہ:۳۲۹/۱۱ حدیث:۳۸۵۶)

(۲) سنن ابوداؤد:۲۸۷/۴ حدیث:۱۲۷۳......سنن ترمذی:۴۶۸/۱۱ حدیث:۳۴۷۹......سنن ابن ماجہ:۳۲۸/۱۱ حدیث ۳۸۵۵......سنن کبریٰ بیہقی:۲۱۱/۲......مصنف عبدالرزاق:۲۵۱/۲ حدیث:۳۲۵۰......معجم کبیر طبرانی:۶۹/۶ حدیث: ۶۰۲۵......مسند ابویعلی موصلی:۴۳۴/۴ حدیث: ۱۸۲۶......صحیح ابن حبان:۲۴۲/۴ حدیث: ۸۷۷......مسند شہاب قضاعی:۱۹۱/۴ حدیث:۱۰۳۱۔

تو چوں کہ فاتحہ میت کی امداد ہے اس لیے ہاتھ اُٹھا کر دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حدیث شریف کے مضمون کے مطابق ان ہاتھوں کو مرادوں سے بھر دے اور انھیں خالی نہ پھیرے۔

مولوی اسحٰق صاحب نے ''مسائل اربعین'' کے ۲۳ویں مسئلے کہ میت کی تعزیت میں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ کے جواب میں تحریر فرمایا ہے :

اما دست برداشتن برائے دعا وقت تعزیت ظاہراً جواز است زیرا کہ در حدیث شریف رفع یدین در دعا مطلقاً ثابت شدہ پس دریں وقت ہم مضائقہ ندارد ولیکن تخصیص آں برائے دعا وقت تعزیت ماثور نیست - انتہی -

یعنی وقت تعزیت دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا جائز ہے کیوں کہ حدیث شریف سے دعا میں دونوں ہاتھ اٹھانے کا حکم مطلقاً ثابت ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔ مگر خاص بوقت تعزیت دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کا ثبوت نہیں ملتا۔

دیکھیے! یہ بات تسلیم کر کے کہ اس ہیئت خاص سے منقول نہیں یہی حکم دیا کہ ہاتھ اٹھانے میں کچھ مضائقہ نہیں کیوں کہ مطلق دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے۔ اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ میت کی فاتحہ کے لیے گرچہ کسی خاص وقت کی کوئی روایت نہیں ملتی لیکن جب حدیثوں میں مطلق دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کا حکم آیا ہے تو اس فاتحہ میں بھی ثابت ہو گیا کیوں کہ یہ بھی تو ایک دعا ہے۔

اب دیکھیے کہ مفتیانِ فتاویٰ انکاری میں سے کوئی اس فاتحۂ مذکورہ کو 'شریعت کی نگاہ میں ناپسند ایجاد' کہتا ہے تو کوئی اِسے ہندوؤں کی رسم لکھتا ہے۔ افسوس صد افسوس! جس چیز کے اصول صحیح حدیثوں سے نکلتے ہوں اُسے حرام یا رسم ہنود یا گمرہی کہنا کچھ انہی جیسے باانصاف آدمیوں کا کام ہو سکتا ہے، پہلے کے علما و صلحا تو اِسے مسلم رکھتے (اور سمجھتے) آئے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی - رحمہ اللہ - کے معاصر ایک بڑے عالم، صالح و متقی حضرت مولانا عبداللہ گجراتی وصیت نامہ میں لکھتے ہیں :

تخصیصات در اوضاع و تراکیب ماکولات و تعینات در مقروّات بفاتحہ و نیاز ہائے بزرگاں از رسوم صالحہ است - انتہی -

یعنی کھانے پینے کے اطوار و ترکیب کی تخصیص اور بزرگان دین کی فاتحہ و نیاز کے لیے کچھ پڑھنے کو متعین کر دینا اچھی رسموں میں سے ہے۔

''جامع الاوراد'' میں ہے :

اگر بر طعام فاتحہ کردہ بہ فقرا دہد البتہ ثواب می رسد۔

یعنی اگر فاتحہ کیا ہوا کھانا فقیروں کو دے تو اس کا ثواب اسے پہنچے گا۔

اسی ''جامع الاوراد'' میں ہے :

چوں کہ قرآن ختم کند اول پنج آیت خواندہ دست برائے فاتحہ بردارد و ثواب ختم بہ ارواح ہر کہ خواہد بہ طفیل آں حضرت-صلی اللہ علیہ وسلم- بخشند۔

یعنی پہلے ختم قرآن کرے، پھر پانچ آیتوں کو پڑھ کر فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اس کا ثواب حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- کے صدقے میں کسی بھی مردے کی روح کو بخش دے۔

یہ وصیت نامہ اور جامع الاوراد کی عبارتیں ''صمصام قادری'' میں ہیں۔

-۱۲۶۷ھ-(1850ء) میں مطبع محمدی کی چھپی ''زبدۃ النصائح'' میں مولانا برہان الدین مرحوم کی یہ عبارت صفحہ ۵۶ پر موجود ہے :

ہمیں است مضمون فاتحہ مرسومہ پس ثواب درود والحمد وقل و ہم ثواب بذلِ طعام منذور بروح آں جناب خواہد رسید۔

یعنی فاتحہ مرسومہ کا مضمون یہی ہوتا ہے۔تو درود، سورہ فاتحہ، قل شریف اور نذر کیے ہوئے کھانے کا ثواب نبی کریم-صلی اللہ علیہ وسلم- کی جناب میں پہنچ جائے گا۔

اب اس فرقے کے بزرگوں کے احوال سنیے۔مجموعہ زبدۃ النصائح کے صفحہ ۱۳۲ پر شاہ ولی اللہ صاحب کا استفتا تحریر ہے۔سائل نے یہ سوال کیا تھا کہ کسی کے نام کا مرغا یا بکرا ذبح کیا ہوا درست ہے یا نہیں اور ملیدہ یا شیر برنج وغیرہ نیازِ اولیا درست ہے یا نہیں۔شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کے جواب میں ذبیحہ کو تو حرام فرمایا اور ملیدہ وشیر برنج کی نسبت یہ الفاظ لکھے :

اگر ملیدہ وشیر برنج بنا بر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پزند وبخورانند مضائقہ نیست و طعام نذر اللہ اغنیارا خوردن حلال نیست و اگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شد پس اغنیارا ہم خوردن جائز است-انتہی کلامہ-

یعنی اگر ملیدہ وشیر برنج بزرگان دین کے ارواح کے ایصال ثواب کے لیے تیار کرے اور کسی کو کھلا دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔اور منت ونذر کا کھانا امیروں کے لیے حلال نہیں۔ ہاں! بزرگوں کے نام کا فاتحہ ہو تو اس کا کھانا اہل ثروت کے لیے بھی درست ہے۔

دیکھیے کھانے پر فاتحہ دینے کا ثبوت خاص شاہ ولی اللہ صاحب کے فتویٰ سے ہو رہا ہے۔نیز

آپ اپنی کتاب ''الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ'' میں فرماتے ہیں :

پس دہ مرتبہ درود خوانده ختم تمام کنند و بر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموما بخوانند و حاجت از خدائے تعالیٰ سوال نمایند۔ الی آخرہ۔

یعنی دس بار درود شریف پڑھے، پورا ختم کر کے جو کچھ بھی شیرینی ہو اس پر خواجگانِ چشت کے نام عمومی طور پر فاتحہ پڑھے، اور اپنی ضرورت کا سوال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرے۔

جائز اور مباح ہونا تو اور بات ہے یہاں تو امر و حکم فرمایا جا رہا ہے کہ اس طرح پڑھیں۔

غرضیکہ مولانا عبد اللہ گجراتی اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے کلام سے معلوم ہو گیا کہ کھانے اور شیرینی پر فاتحہ اچھی رسموں میں سے ہے جو صالحین کا مقرر کردہ اور علما کا معمول بہا ہے۔ چنانچہ شاہ عبد العزیز صاحب بھی ''تفسیر عزیزی'' پارۂ الم میں' اس کی تصدیق فرماتے نظر آ رہے ہیں :

وسرش آنست کہ نزد عوام طریق ذبح جانور بہر گونہ کہ مقرر است متعین است برائے رسانیدن جان جانور برائے ہر کہ منظور باشد چنانچہ فاتحہ وقل و درود خواندن طریق متعین است برائے رسانیدن ماکولات و مشروبات بأ رواح۔

یعنی اس کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ عوام کے نزدیک جانور ذبح کرنے کا جو طریقہ معمول بہا ہے اسی طریقے پر اپنے منظور نظر کو جانور کی قربانی کا ثواب پہنچانے کا قصد کرے جیسا کہ ماکولات و مشروبات کے صدقے پر فاتحہ وقل اور درود شریف پڑھ کر مردے کی روح کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔

دیکھیے یہاں سے معلوم ہو گیا کہ شاہ صاحب کے وقت تک بھی ایصال ثواب کے موقع پر فاتحہ وقل متعین تھا کیوں کہ آپ مثال دے رہے ہیں کہ جس طرح اہل اسلام میں قل اور فاتحہ پڑھ کر ماکولات و مشروبات کا ثواب پہنچا دینا معین ہے اسی طرح عوام جانتے ہیں کہ جب اللہ کا نام لے کر جانور ذبح کیا تو اس کی جان' ہمارے چاہے کے مطابق میراں اور سدو وغیرہ کو پہنچ جاتی ہے، حالاں کہ یہ غلط ہے، جان کسی کو نہیں پہنچ سکتی بلکہ ماکولات و مشروبات کا ثواب پہنچ سکتا ہے۔ اس مضمون کو بیس سطر پہلے ایک دوسری عبارت سے یوں واضح کیا ہے :

کنہ ایں مسئلہ آنست کہ جان را برائے غیر جان آفریں نیاز کردن درست نیست و ماکولات و مشروبات و دیگر اموال را نیز اگر چہ از راہِ تقرب بغیر اللہ دادن حرام و شرک ست، اما ثواب آں چیز ہا را کہ عائد بدہندہ می شد از آں غیر ساختن جائز است زیرا کہ

انسان را می رسد کہ ثواب عمل خود را بغیر نہ بخشد چنانچہ می رسد کہ مال خود را بغیر خود بدہد و جان جانور مملوک آدمی نیست تا او را بکسے تواند بخشید۔

یعنی اس مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ جان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام قربان کرنا درست نہیں ہے۔ اور کھانے پینے نیز دیگر اشیا کا بھی غیر اللہ کے تقرب کے لیے خیرات کرنا حرام وشرک ہے۔ اوران چیزوں کا ثواب جو کہ دینے والے پر عائد ہوتا ہے اس کا کسی اور کے نام کر دینا جائز ہے کیوں کہ انسان کو حق پہنچتا ہے کہ اپنے عمل کا ثواب کسی اور کو نہ بخشے نیز اسے یہ بھی حق پہنچتا ہے کہ اپنے مال کو کسی اور کے نام کر دے۔ لیکن جانور کی جان جب آدمی کی ملکیت ہے ہی نہیں تو وہ غیر کو کیسے بخش سکتا ہے۔

الحاصل! ماکولات ومشروبات وغیرہ میں اس نیک رسم کا شاہ صاحب کے وقت تک بھی متعین ومعمول ہونا ثابت ہے۔ اور اگر تفسیر کی اس عبارت میں کوئی شخص اپنی فہم کے مطابق ہیر پھیر کرنے لگے، تو لیجیے شاہ عبد العزیز صاحب کے فتاوے اور مکتوب کی دوسری عبارتیں سنیے جو واضح طور پر جواز کی دلیل فراہم کررہی ہیں۔ سوالاتِ عشرۂ محرم کے نوے سوال کہ جو نذر و نیاز تعزیہ کے سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھتے ہیں ان کا کھانا کیسا ہے؟ کے جواب میں لکھتے ہیں :

طعامے کہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند و براں فاتحہ وقل و درود خوانند تبرک می شود خوردن آں بسیار خوب ست لیکن بہ سبب بردن طعام پیش تعزیہ ہا و نہادن آں طعام پیش تعزیہ ہا تمام شب تشبہ بہ کفار و بت پرستان می شود پس ازیں جہت کراہیت پیدا می کند- واللہ اعلم-

یعنی جس کھانے کا ثواب حسنین کریمین کو نیاز کرنا مقصود ہو تو اس پر فاتحہ وقل اور درود شریف پڑھنے سے اب وہ متبرک ہو جاتا ہے، اور اس کا کھالینا بہت اچھا ہے؛ لیکن تعزیہ کے سامنے وہ کھانا لے جانے اور پوری شب اس کے سامنے رکھنے کی وجہ سے کفار اور بت پرستوں سے تشبّہ لازم آتا ہے تو اب اس سبب سے اس کھانے میں کراہت پیدا ہو جاتی ہے۔

دیکھیے کھانے کے اوپر فاتحہ کا پڑھنا شاہ صاحب کے کلام میں صاف لکھا ہوا ہے۔ اور رئیس مراد آباد علی محمد خان صاحب کو لکھے ہوئے مکتوب میں آپ کی یہ عبارت خود موجود ہے :

پس بر ماحضر از طعام یا شیرینی فاتحہ خواندہ تقسیم آں بحاضرین مجلس می شود۔

یعنی جو کھانا یا شیرینی موجود ہو اس پر فاتحہ پڑھ کر شرکائے مجلس میں اسے تقسیم کر دیا جائے۔

اس خط کی عبارت بقدر حاجت یہاں نقل کی گئی ہے، اور زیادہ تر میلاد شریف کے مباحث میں بیان ہوگی - انشاء اللہ تعالیٰ -

الحاصل! حضرت شاہ صاحب اور ان کے والد بزرگوار شاہ ولی اللہ صاحب اور دیگر علماے ربانی کی عبارت سے شیرینی اور کھانے پر فاتحہ پڑھنا بخوبی ثابت ہوگیا۔ اور سب سے زیادہ فاتحہ وغیرہ منع کرنے میں مولوی اسمٰعیل صاحب مشہور ہیں جن کا حال یہ ہے کہ وہ تاریخ اور دن کی پابندی کو منع کرتے ہیں مگر کسی آیت یا حدیث سے ممانعت ثابت نہیں کر پاتے، صرف کچھ مصلحتیں بیان کرتے ہیں۔ بیسویں اور چالیسویں وغیرہ کی تاریخ کے تعین کی جگہوں میں ہم ان کی عبارتیں لکھیں گے۔ لیکن کھانے پر فاتحہ پڑھنے کو وہ بھی منع نہیں کرتے۔ ''صراطِ مستقیم'' میں لکھتے ہیں :

> نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام و فاتحہ خوانی خوب نیست چہ ایں معنی بہتر وافضل ست - الی اخرہٖ -
>
> یعنی یہ گمان نہ کیا جائے کہ کھانا کھلانے اور فاتحہ خوانی کا ثواب مردوں کو پہنچانا کوئی اچھی چیز نہیں؛ اس لیے کہ یہ افضل و بہتر عمل ہے۔

(گزشتہ سطروں میں) نقل کردہ بزرگوں کی عبارتوں سے اہل عقل وانصاف کے نزدیک فاتحہ مرسومہ کا اثبات بالکل بے غبار ہوگیا۔ اب اگر بعض منکرین فاتحہ کرنے والوں پر زبردستی الزام دھریں کہ ان لوگوں کا تو عقیدہ ہی کچھ یہی ہے کہ بن فاتحہ کھانے کا ثواب نہیں پہنچتا اور فاتحہ و پنج آیت وغیرہ پڑھنے کو یہ صرف امر خیر اور کارِ ثواب نہیں بلکہ فرض وواجب جانتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ (یہ کوئی نئی بات نہیں) منکرین ایسے ایسے زبردستی کے افترا باندھتے رہتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز - رحمۃ اللہ علیہ - جو ہر سال اپنے باپ کا عرس کیا کرتے تھے ان پر مولوی عبدالحکیم صاحب پنجابی نے یہ اعتراض کیا کہ کیا تم نے عرس کو فرض سمجھ رکھا ہے کہ سال بہ سال کرتے رہتے ہو؟ تو شاہ صاحب نے اس کا جواب لکھا جو ''زبدۃ النصائح'' مطبوعہ - ۱۲۶۷ھ - (1850ء) کے صفحہ ۴۲ پر یوں ہے :

> ایں طعن مبنی است بر جہل احوال مطعون علیہ زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ را ہیچ کس فرض نہ می داند آری زیارت و تبرک بہ قبورِ صالحین و امداد ایشاں بامداد ثواب و تلاوت قرآن و دعاے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب ست باجماع علما و تعین روز عرس برائے آنست کہ آں روز مذکر انتقالِ ایشاں می باشد از دار العمل بدار الثواب۔

یعنی آپ کا یہ طنز مطعون علیہ کے احوال سے بے خبری پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ مروجہ و مقررہ فرائض شرعیہ کے علاوہ کوئی کسی اور عمل کو فرض نہیں جانتا، البتہ قبور صالحین کی زیارت اور ان سے تبرک حاصل کرنا، اور قرآن کی تلاوت، دعاے خیر اور کھانا و شیرینی کی تقسیم کا انھیں ایصال ثواب کر کے ان کی امداد کرنا باجماع علما مستحب اور مستحسن کام ہے۔ اور عرس کا دن متعین کرنے سے مقصود یہ ہے کہ چونکہ اس دن ان کے دنیا سے آخرت کی طرف رخت سفر باندھنے کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

اس عبارت کے بعد شاہ صاحب نے عرس کی اصلیت درمنثور اور تفسیر کبیر وغیرہ کا حوالہ دیتے ہوئے احادیث سے ثابت فرمائی ہے :

عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ أَنَّهُ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ عَلٰى رَأسِ كُلِّ حَوْلٍ فَيَقُولُ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ وَ الْخُلَفَاءُ الأَرْبَعَةُ هٰكَذَا يَفْعَلُوْنَ – انتهى –(۱)

یعنی نبی کریم-صلی اللہ علیہ وسلم- ہر سال کے آغاز پر شہیدوں کی قبروں کی زیارت کے لیے جایا کرتے اور فرماتے: تمھیں تمہارے صبر پر سلامتی ہو، آخرت کا گھر کیسا بھلا گھر ہوتا ہے۔ اور خلفاے راشدین بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

اس تقریر سے چند باتیں ثابت ہوئیں۔

ایک تو یہ کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے عرس کے تعین کی اصلیت حدیث سے ثابت فرمائی یعنی درمنثور اور تفسیر کبیر کے حوالے سے ابن منذر، ابن مردویہ اور ابن جریر کی روایتیں نقل فرمائی ہیں ان میں یہ بات ہے کہ رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم-شہدا کی قبروں پر ہر برس کے سرے پر تشریف لے جاتے تھے اور آپ کے بعد خلفاے راشدین بھی یوں ہی کرتے رہے۔

الغرض! عرس کی اصلیت ثابت ہوگئی۔ صحاح ستہ میں نہ ہونے کی وجہ سے اس حدیث کو رد کر دینا صحیح نہیں کیوں کہ صحیح حدیثیں صرف صحاح ستہ ہی میں منحصر نہیں۔ اور ابن جریر وغیرہ پر جرح کر کے اس روایت کو رد کرنا بھی بے جا ہے۔ خود شاہ عبدالعزیز صاحب نے ان کی روایات لیں ہیں جو ان کے حالات سے واقف تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان روایات کی تقویت'

---

(۱) تفسیر درمنثور: ۴/۶......تفسیر ابن کثیر: ۴۵۳/۴......تفسیر طبری: ۴۲۶/۱۶......تفسیر قرطبی: ۳۱۲/۹......تفسیر رازی: ۹/ ۱۷۵......تفسیر نیسا پوری: ۴۲۶/۴......تفسیر کشاف: ۲۴۶/۳......تفسیر ابوالسعود: ۴۹۸/۳۔

شاہ صاحب کو پہنچی ہے۔اور اس حدیث کو مجمل ٹھہرانا بھی درست نہیں اس لیے کہ نبی کریم-صلی اللہ علیہ وسلم- کے زمانہ میں سال کی ابتدا نہ محرم الحرام سے ہوتی تھی اور نہ ربیع الاول سے، بلکہ (یہ تو) حضرت عمر فاروق کے زمانہ میں صحابہ کرام کے باہم مشورہ سے محرم الحرام سے شروع سال ٹھہرایا گیا۔اس بنیاد پر **يـأتي قبور الشهداء علی رأس كل حول** سے مراد یہ دونوں حول نہیں ہو سکتے بلکہ لغت عرب کے اعتبار سے حول کا اطلاق شروع واقعہ سے پورا سال گزر جانے پر ہوتا ہے؛ لہٰذا یہ مجمل نہیں بلکہ از روے لغت یہ ثابت ہو گیا کہ شہدا کی موت کے دن سے برسویں دن ہر سال حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-تشریف لے جاتے تھے اور یہی معنی عرس کا ہے۔عرس میں کچھ پڑھنا، ایصال ثواب کرنا اور مباح کام کرنا جائز ہے ہاں !محرمات سے بچنا ضروری ہے، اور منہیات شریعت وطریقت سے خالی سماع بھی مباح ہے۔

حضرت قطب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی -رحمۃ اللہ علیہ-''مکتوبات قدوسی'' کے صدو ہشتادودوم (ایک سو بیاسیویں) مکتوب میں جناب مولانا جلال الدین-رحمۃ اللہ علیہ-کو لکھتے ہیں :

اعراسِ پیراں برسنت پیراں بہ سماع وصفائی جاری دارند۔

یعنی پیروں کے عرس بزرگوں کے طریقے کے مطابق صفائی اور قوالی کے ساتھ جاری رکھیں۔

صفائی کا لفظ بتا رہا ہے کہ اُسے منکرات سے خالی ہونا چاہیے، اور خاندانِ عزیزیہ میں بھی ہر سال منکرات سے خالی'عرس جاری رہا ہے۔اب جو کوئی شاہ صاحب کے خاندان میں ہو کر اپنے بزرگوں کا کلام رد کرے، اسے اختیار ہے۔

دوسری بات یہ کہ صالحین کی قبروں کی زیارت برکت کا ذریعہ ہوتی ہے۔

تیسری بات یہ کہ پرانے زمانے سے حاسدین زبردستی طعنے کستے اور افترا باندھتے چلے آئے ہیں کہ ان لوگوں نے اس کام کو فرض واجب جان رکھا ہے، چنانچہ شاہ عبدالعزیز بھی شاکی ہیں اور فرماتے ہیں :

ایں طعن مبنی است بر جہالت-الی آخرہ-

یعنی اس قسم کا طعنہ جہالت کی پیداوار ہوتا ہے۔

بس اسی طرح جو لوگ فاتحہ، محفل میلاد شریف اور قیام کرنے والوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ ان چیزوں کو فرض وواجب جانتے ہیں تو ان کا بھی یہی جواب ہے جو شاہ صاحب نے فرمایا۔

چوتھی بات یہ کہ فتوی انکاری میں مولوی امیر باز خاں سہارنپوری امرِ مستحب کے التزام کو شیطان کا حصہ ثابت کرتے ہیں تو شاہ عبدالعزیز صاحب کے کلام اوران کے دائمی معمول سے معلوم ہوگیا کہ مستحب کو دائمی طور پر کرتے رہنا (بجائے خود) مستحب ہے۔

پانچویں بات یہ کہ ایک وقت میں جمع بین العبادتین یعنی قرآن ودعا اور شیرینی وطعام تقسیم کرنا برا نہیں بلکہ مستحسن وخوب ہے اور خوب بھی کیسا کہ جس پر علما کا اجماع ہے۔ اب بھلا ان حضرات کی تحقیقات کے مقابلہ میں مفتیانِ فتاویٰ انکاری کی نکیر کب قابل قبول ہوسکتی ہے؟۔

**تتمہ ضروری :**

گنگوہی کی ''براہین قاطعہ'' میں بھی درحقیقت فاتحہ کو تسلیم کرلیا گیا، گو بظاہر انکار ہے۔ صفحہ ۶۱ کی آخری سطر میں لکھا ہے :

> جمع بین العبادتین کا کوئی منکر نہیں بلکہ اُس جمع میں انکار ہے کہ اُس سے ہیئت منکرہ پیدا ہوجائے۔

آپ دیکھیں کہ جب جمع بین العبادتین مان لیا تو کھانے پر فاتحہ کو مان لیا۔ 'ہیئت منکرہ' کی شاخ پر اب چار دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ اول یہ کہ صفحہ ۶۳ میں لکھتے ہیں :

> فاتحہ میں افسادِ طعام ہے کہ ٹھنڈا ہوتا ہے اور کھانے اور پڑھنے والے دونوں کی شہوت کھانے سے متعلق ہوتی ہے تو گویا خلوص اور کھانے والوں کی نیت کا بھی فساد ہے۔

معلوم نہیں یہ کیسے بے صبروں کی رعایت کرکے فاتحہ کو رد کیا جارہا ہے کہ جن کی کھانے کی خواہش اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ گرم بھبکتا ہوا کھانا جو دیگ سے اتر کر آیا ہے اس کے ٹھنڈے ہونے تک بھی نہیں ٹھہر سکتے، حالاں کہ گرم کھانا منع ہے۔ فتاویٰ عالم گیری میں ہے :

> و لا یؤ کل طعام حار . (۱)
>
> یعنی گرم کھانا نہ کھایا جائے۔

احیاء العلوم میں ہے کہ کھانے والا صبر کرے اور جب ٹھنڈا ہوکر کھانے کے قابل ہوجائے تب کھائے۔

عبارت یہ ہے :

(۱) فتاویٰ عالم گیری: ۴۳/ ۲۴۸۔

بل يصبر إلى أن يسهل أكله . (۱)

یعنی وہ کھانا کھانے کے قابل ہو جانے تک صبر کرے۔

واضح ہو کہ فاتحہ کے تین طریقے ہیں۔ کہیں کسی طرح ہوتا ہے اور کہیں کسی طرح۔

اول یہ کہ شیرینی اور کھانے پر فاتحہ وغیرہ کہ خود مالک طعام نے پڑھ کر کھانے والوں کو دے دیا۔ اور اگر خود قادر نہیں ہے تو دوسرے سے پڑھوا کر دے دیا یا تقسیم کر دیا۔

دوسرا یہ کہ جماعت کو کھانا کھلا دیا پھر جماعت میں جو پڑھے لکھے لوگ ہیں انھوں نے کچھ سورتیں اور کچھ رکوع پڑھے اور کھانے اور قرآن ودرود وغیرہ کا ثواب میت کو پہنچا دیا اور اس کی مغفرت کے لیے دعا کر دی۔ یہ دو طریقے بہت رائج ہیں۔

تیسرا یہ کہ کھانا حاضرین کے سامنے رکھ کر میت کے وارث نے کہہ دیا کہ کچھ کلمہ کلام پڑھ کر میت کی روح کو بخش دو، تب وہ الحمد وقل پڑھ کر ہاتھ اٹھاتے ہیں اور میت کے لیے دعا کرتے ہیں اور کھانا کھا لیتے ہیں۔

چوتھا طریقہ نہ ہم نے سنا اور نہ دیکھا۔

تو مولف ''براہین قاطعہ'' کی یہ دلیل پہلے اور دوسرے طریقہ کے فاتحہ کو منع کرنے میں تو چل ہی نہیں سکتی، کیوں کہ پہلی صورت میں تو کھانا آکلین (کھانے والوں) کے سامنے آیا بھی نہیں کہ (دیکھتے ہی) کھانے کے لیے بیتاب ہو جائیں۔ اور دوسری صورت میں جو آیا تھا وہ تو چین سے کھا چکے۔ البتہ تیسری صورت پر براہین قاطعہ کی تحریر کا کچھ دھوکہ گزرتا ہے مگر سچی بات یہ ہے کہ اس پر بھی یہ دلیل نہیں چل سکتی اس لیے کہ درحقیقت کھانے کا مالک وہ ہے کہ جس نے کھانا تیار کیا ہے جب وہ کسی کی تملیک کر دے تب وہ مالک ہوگا اور جب وہ کھانے کی اباحت کا حکم کر دے تب وہ مباح ہوگا۔ مالک کی خود مرضی یہ ہے کہ پہلے کچھ پڑھ کر بخش دو، اس بنیاد پر اس فعل سے پہلے مالک کی طرح سے وہ لوگ ابھی کھانے کے مجاز نہیں۔ پھر ناحق ان کی شہوت بے ہنگام ان کو کیوں بے چین کیے دے رہی ہے۔

اور وہ جو ''افسادِ طعام'' لکھا ہے تو ہم نہیں جانتے کہ الحمد وقل پڑھنے تک کھانے میں کیا فساد لازم آئے گا۔ ہم نے طعام ولیمہ شادی اور ختنہ وغیرہ کی مجلسیں دیکھی ہیں جس میں نہ تو الحمد وقل پڑھا جاتا ہے نہ ہی ایصال ثواب کیا جاتا ہے، اور یہ مانعین فاتحہ والے مولوی صاحبان بھی ان میں

(۱) إحياء علوم الدين: ۳۶۳/۱۔

موجود ہوتے ہیں لیکن نہ کسی پر وہاں احتساب کرتے دیکھا اور نہ یہی کہ یہ حضرات خود ایسا کرتے ہوں کہ جب آدمی روٹی آگے رکھ گیا تو اسے روکھی کھا گئے، جب سالن لایا تو اسے اوپر سے پی گئے اور دال لایا تو اسے بغیر روٹی چاٹ گئے بلکہ ہوتا یہ ہے کہ جب تمام مجلس میں اس سرے سے اُس سرے تک کھانا پہنچ جاتا ہے اور پھر مالک اذن دیتا ہے کہ شروع کیجیے تب لوگ کھاتے ہیں، اس میں بعض کھانے ٹھنڈے بھی ہوجاتے ہیں مگر کسی عالم نے اس کی تحریم وکراہت میں نہ فتویٰ لکھا اور نہ کوئی رسالہ چھاپا، (لے دے کے بس) ایک الحمد وقل کے پیچھے پڑ گئے۔

خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب بندہ **اَصْلِحُوا بَينَ أخَوَيكُمْ** کے تحت مناسب یہ جانتا ہے کہ جس مقام پر ایسے کھانے والے شہوت طعام سے بے چین ہوں اس موقع پر اول کھلا دیا کریں تاکہ ان کا خلوص نیت نہ بگڑنے پائے اور فاتحہ وغیرہ بعد کو پڑھ دی جائے۔ لیکن معلوم رہے کہ اول تو تین طریقہ فاتحہ سے صرف ایک طریقہ میں یہ بات پیش آتی ہے اور اس میں بھی جب اسی قسم کی شہوت طعام والے چن چن کر جمع کیے جائیں وہ بھی موسم قحط سالی میں تو ظاہر ہے کہ یہ صورت نہایت نادر اور قلیل الوقوع ہے، بلکہ شاید صورت فرضی امکانی ہو اور عالم وقوع میں بھی نہ آئے۔ ایسی صورت کو پیش نظر کر کے علی العموم فاتحہ کو منع کرنا تفقہ فی الدین کی شان سے بعید ہے۔

''براہین قاطعہ'' کے صفحہ ۶۹ پر دوسری دلیل یہ ہے :

فاتحہ یا کچھ قرآن پڑھ کر ثواب میت کو پہنچائے تو دل سے نیت ایصال ثواب کی کرے۔

صفحہ ۶۵ میں لکھا :

فاتحہ کی دعا لغو اور لغو کا ترک مناسب ہے۔ **و الذین هم عن اللغو معرضون** – الخ-

ان کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ دل کی نیت سے ثواب پہنچ جاتا ہے، منہ سے دعا مانگنا لغو ہے۔

**الجواب**: نماز صحیح ہونے کے لیے دل کی نیت کافی ہوتی ہے، (بایں ہمہ) مگر زبان سے بھی نیت کر لینے کو فقہائے کرام نے مستحب لکھا ہے حالاں کہ قرون ثلاثہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ تو اسی طرح گو کہ مردہ کو ثواب فقط نیت ہی سے پہنچ جاتا ہے لیکن دل و زبان کی موافقت کے لیے زبانی دعا کر لینا بھی جائز ہونا چاہیے۔

**ثانیا**: یہ کہ فقہا صراحۃً ایصال ثواب کی دعا کا حکم کرتے ہیں۔ فقیہ شامی نے شرح لباب

سے نقل کیا ہے کہ انسان کو مردہ (کے ایصال ثواب) کے لیے فاتحہ، الم تا مفلحون، آیۃ الکرسی اور آمن الرسول وغیرہ پڑھنا چاہیے اور پھر یہ کہے :

اللهم أوصل ثواب ما قرأنا إلى فلان . (۱)

یعنی اے اللہ میرے پڑھنے کا ثواب فلاں کو پہنچا دے۔

دیکھیے کہ جب میت کی نیت سے قرآن پڑھا تھا تو ایصال ثواب کے لیے بس تھا مگر پھر دعا مانگنے کی ہدایت کی، اور کیوں نہ کرتے کہ دعا کی لذت کو اہل دعا خوب جانتے ہیں: بڑی مشہور (حدیث) ہے :

الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ . (۲)

یعنی دعا عبادت کا مغز ہے۔

فقیہ شامی نے متاخرین شافعیہ سے بھی دعا کرنا نقل کیا ہے :

وصول القراءة للميت إذا كانت بحضرته أو دعا له عقبها و لو غائبا لأن محل القراءة تنزل الرحمة و البركة و الدعاء عقبها أرجى للقبول. (۳)

قراءت کا میت کو پہنچنا ثابت ہے جب کہ میت کے سامنے قراءت کی جارہی ہو یا اگر سامنے نہ ہو بلکہ میت غائب ہو تو پڑھ کر اس کے لیے دعا کر دی جائے۔ کیوں کہ قراءت کے وقت رحمت و برکت کا نزول ہوتا ہے۔ اور قراءت کے بعد دعا کرنے میں قبولیت کی بہت زیادہ امید ہوتی ہے۔

اس مقام پر بات میں بات یہ نکل آئی کہ فاتحہ کو جائز کرنے والوں نے اسی قبولیت کے پیش نظر میت کے واسطے الحمد اور پنج آیت وغیرہ کا پڑھنا مقرر کیا ہوگا۔

**ثالثا:** اوپر نقل ہو چکا کہ نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- نے اُمت کو قربانی یعنی عبادت مالی کے ایصال ثواب میں شریک فرمایا حالاں کہ حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کی نیت بس تھی مگر پھر بھی آپ

---

(۱) ردالمحتار: ۶/۴۰۴۔

(۲) سنن ترمذی: جز۱۱/۲۲۰ حدیث: ۳۲۹۳...... المعجم الاوسط: ۷/۲۹۴ حدیث: ۳۳۲۴...... کشف الخفاء: ۱/۴۰۳ حدیث: ۱۲۹۴...... کنز العمال: ۲/۶۲ حدیث: ۳۱۱۴...... المسند الجامع: ۳/۴۸۴ حدیث: ۱۰۸۸...... تحفۃ الاشراف: ۳/۶۶ حدیث: ۱۶۵...... تخریج احادیث الاحیاء: ۲/۴۷۵ حدیث: ۹۷۵ - ایضا - ۳/۱۵۱ حدیث: ۱۵۱ ...... الدعاء للطبرانی: ۱/۷ حدیث: ۵۔

(۳) ردالمحتار: ۶/۴۰۴۔

نے زبان سے تصریح فرمائی :

اللّٰھُمَّ إِنَّ ھٰذَا مِنْکَ وَ لَکَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَّ أُمَّتِہٖ .

مسلم شریف کی روایت میں ہے :

اللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ . (۱)

عقیقہ میں سبھی مسلمان پڑھتے ہیں :

اللّٰھُمَّ تَقَبَّلْھَا مِنِّي وَ اجْعَلْھَا فِدَاءً لابْنِي مِنَ النَّارِ .

یہ صریح نصیں ہیں کہ صدقہ کی چیز سامنے رکھی ہوئی ہے اور اس کی قبولیت کی دعا کی جارہی ہے اور جس کو اس کے ثواب میں شریک کرنا ہے زبان سے اس کا نام بھی لیا جارہا ہے۔ اور قربانی کے لیے آچکا ہے :

إِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالىٰ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَّقَعَ بِالأَرْضِ . (۲)

یعنی قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ کے نزدیک مقام قبول میں پہنچ جاتا ہے۔

مگر اس پر بھی رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- نے دعاے قبولیت فرمائی کہ :

اللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ .

اب اگر فاتحہ کے کھانے کی طرف اشارہ کرکے کہا جائے کہ اے اللہ! اس کھانے کو قبول فرما اور اس کا ثواب فلاں فلاں کو پہنچا تو یہ کس طرح بدعت ٹھہرے گا۔ اور نبی کریم-صلی اللہ علیہ وسلم- کی مانگی ہوئی اور فقہا کی جائز رکھی ہوئی دعا کو ہمارا منہ نہیں جو کہہ دیں کہ لغو ہے اور اس کو: وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ میں داخل کردیں۔ ہاں! مولف براہین قاطعہ کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔ اور جس دلیل سے مولف براہین قاطعہ نے نیت نماز کے تلفظ کو جائز رکھا ہے اسے حج پر قیاس کرتے ہوئے-جیسا کہ بدعت کی تحقیق میں گزرا- دیکھیں کہ ہمارا یہ ثبوت کس قدر اعلیٰ ہے، مگر اس سے انصاف شرط ہے۔

تیسری دلیل براہین قاطعہ کے صفحہ ۲۹ پر ہے :

---

(۱) صحیح مسلم: ۱۰/۱۴۹ حدیث: ۳۶۳۷۔

(۲) سنن ترمذی: ۵/۴۴۴ حدیث: ۱۴۱۳......ابن ماجہ: ۹/۲۸ حدیث: ۳۱۱۷ ...... سنن بیہقی: ۹/۲۶۱......مستدرک : ۱۷/۳۸۲ حدیث ۷۶۳۱......شعب الایمان بیہقی: ۱۵/۳۸۱ حدیث ۷۰۸۲۔

دعـاء الـخـفـية أن يـفـعله في نفسه قال شارح المنية ليس فيها رفع لأن في الـرفـع إعـلانـا . اور یہاں ایصالِ ثواب میں دعا خفیہ ہے کہ دل میں غرض ایصالِ ثواب کی ہے-الیٰ آخرہ-

یہ دلیل آپ نے اس پر گزاری کہ جو فاتحہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں' کراہت کا باعث ہے، اس لیے کہ یہ دعا خفیہ ہے اور خفیہ دعا میں ہاتھ اٹھانے کا حکم نہیں آیا۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی کسی کی طرف سے کھلاتا ہے، یا فاتحہ کی شیرینی بانٹتا ہے تو اس کی شہرت سب میں ہوتی ہے کہ یہ فاتحہ فلاں ولی اللہ کی ہے یا یہ کھانا فلاں میت کا ہے، یہ کوئی ڈھکا چھپا کام نہیں ہوتا کہ دل ہی دل میں رہ جائے، اعلان نہ ہو اور کوئی نہ جانے۔دعائے خفیہ کا موقع وہ ہوتا ہے جو خود مولف براہین قاطعہ کی عبارت منقولہ میں موجود ہے، جس کا ترجمہ کرکے دیکھنا چاہیے یعنی دعائے خفیہ وہ ہوتی ہے جس کو آدمی زبان سے نہیں بلکہ دل ہی دل میں کرتا ہے تو ایسی دعا میں ہاتھ نہیں اُٹھانا اس لیے کہ جی ہی جی میں دعا مانگنا اخفا اور پوشیدگی کو مقتضی ہے اور ہاتھ کے اٹھانے میں اعلان ہوگا یعنی سب جان لیں گے کہ یہ شخص دعا مانگ رہا ہے۔اب اربابِ انصاف خیال فرمائیں کہ فاتحے کے کھانوں میں تو صاحب طعام و شیرینی کو اس قدر اخفا منظور نہیں ہوتا کہ کوئی معلوم نہ کرے کہ اس نے کس کی روح کو ثواب پہنچایا ہے۔جب یہ بات نہیں تو دعا خفیہ نہ رہی بلکہ دعا رغبت ہوئی کیوں کہ وہ دعا کرتا ہے کہ یا اللہ ہم سے یہ قراءت اور کھانا قبول کرا اور اس کا ثواب میت کی روح کو پہنچا دے۔اور دعائے رغبت میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔

عینی (نے) شرح ہدایہ میں محمد ابن الحنفیہ سے روایت کی ہے :

في دعاء الرغبة يجعل بطون كفيه نحو السماء . (۱)

یعنی دعائے رغبت میں دونوں ہتھیلیاں آسمان کی طرف اٹھائی جائیں۔

اس سے گیارہ سطر پہلے ایک سوال کیا کہ :

ما وجه رفع اليدين عند كل دعاء ؟

یعنی ہر دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانے کی کیا وجہ ہے۔؟

تو اس کا جواب علامہ سید سمرقندی کی روایت سے دیا کہ

يرفع يديه حتى يرى بياض إبطيه . (۲)

(۱) بحرالرائق:۴/۲۱۵-۲۲/۲۰۶......تحفۃ الفقہا:۱/۲۰۴......بدائع الصنائع:۴/۴۷۱۔

(۲) درمختار:۴/۸۰۔

قال النبي –عليه السلام– إنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ فَيَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ إذَا رَفَعَ يَدَيْهُ أنْ يَّرُدَّهُمَا صِفْراً . إلى آخره .

اوپر یہ حدیث مشکوٰۃ کے حوالے سے گزر چکی ہے۔ نیز یہ حدیث بھی کہ :

إذَا سَألْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوْهُ بِبُطُوْنِ أكُفِّكُمْ .

دعا میں دونوں ہاتھ اٹھانے کا مضمون کتب فقہ غنیۃ المستملی وغیرہ میں بھی تصریحاً موجود ہے، تو بخوبی ثابت ہوگیا کہ دعاے فاتحہ دعاے رغبت ہے اور دعاے رغبت میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے نہ کہ بدعت۔ اور طواف کے وقت جو حضور –صلی اللہ علیہ وسلم– نے ہاتھ نہ اٹھایا، اول تو وہ موقع چلنے پھرنے اور دوڑنے وغیرہ کا ہوتا ہے اور فاتحہ' سکون وقرار کی جگہ ہے، ایک دوسرے پر قیاس نہیں ہوسکتا۔ دوسرے یہ کہ موقع طواف میں خاصۃً ہاتھ اٹھانا یہود کا فعل ہے :

نقل عن جابر أنه فعل اليهود . (۱)

حضرت جابر سے منقول ہے کہ (طواف کے دوران ہاتھ اٹھانا) یہود کا کام ہے۔

دعاے فاتحہ میں ہاتھ اٹھانے کو نہ تو کسی نے فعل یہود کہا اور نہ ہندوؤں کی سنکلپ میں رفع یدین کا دستور، کیوں کہ وہ لوگ ہاتھ کے چلو میں پانی لیے ہوتے ہیں- اس کی تفصیل عنقریب آ رہی ہے- اس لیے ایسے دلائل واہیہ سے دعاے فاتحہ میں رفع یدین کو غیر مشروع قرار دینا فہم ودرایت کے خلاف ہے۔

چوتھی دلیل: براہین قاطعہ کے صفحہ ۶۹ (پر رقم ہے)

اور تشبّہ ہنود کا بھی اس میں مقرر ہے کیوں کہ تمام ہنود میں رسم ہے اور ان کا یہ شعار ہے کہ طعام پر بید پڑھواتے ہیں جس کا دل چاہے ہنود سے تحقیق کر لے۔

مولوی عبید اللہ اپنے ''تحفۃ الہنود'' میں لکھتے ہیں :

ہر سال جس تاریخ میں کوئی مرا اس ہی تاریخ میں ثواب کرتے ہیں اور اس کو ضرور جانتے ہیں۔ اور پنڈت اس کھانے پر بید پڑھتا ہے۔ انتہیٰ۔

**جــــواب:** اکثر مانعین' فاتحہ کو تشبّہ بالہنود کا دھبہ لگاتے ہیں جب کہ درحقیقت اہل اسلام اس سے پاک ہیں۔ اوپر بھی اس کا کچھ ذکر گزر چکا ہے، اب یہاں تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) اخبار مکہ للأ زرقی: ۲/ ۱۳۱ حدیث: ۵۲۹۔

واضح ہو کہ ہنود کا مذہب ''وید'' ہے جسے وہ کتابِ آسمانی اور کلام الٰہی سمجھتے ہیں ۔ وید کے اندر یہ بات ہرگز نہیں کہ میت کسی کی عبادت بدنی یا مالی سے کامیاب ہوتی ہے ۔ بلکہ انسان اسی عمل کا نفع پاتا ہے جو بذات خود کرجاتا ہے ۔

भस्मान्त छशरारम्! (यजुर्वेद अध्याय 4 मंत्र 15)

یعنی یجروید اڈھیائے ۴۰۔منتر ۱۵ میں ہے کہ جسم کا پھونک دینا آخری کام ہے ۔

شارحین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ جو کام انسان کے ساتھ کرنے تھے وہ سب ہو چکے بس آخری یہی کام ہے کہ جلا دیا جائے ، اگر جلا دینے کے بعد کوئی اور کام بھی باقی ہوتا تو وہ بیان ہوتا اور جلانے کو آخری کام نہ قرار دیا جاتا ۔

اور اس کی زیادہ تر تشریح' منوسمرتی ادھیائے ۴۔اشلوک ۲۳۹ میں ہے جس کی عبارت یوں ہے :

नामृनाह सहायर्थाम्पता माताच तिष्ठतः नपुत्र दारन्ना त्तापी धम्मं
स्तिष्ठात केवलः (मनुस्मृति)

جس کے معنی یہ ہیں کہ پرلوگ میں یعنی اس عالم میں جو مرنے کے بعد پیش آتا ہے' نہ باپ مدد کرسکتا ہے نہ ماں ، نہ بیٹا ، نہ جورو ، نہ قومی بھائی ، البتہ تنہا دھرم مددگار ہوتا ہے ۔ انتہیٰ ۔ منوسمرتی ۔

اس سے صاف روشن ہے کہ محض آدمی کا دھرم کام آتا ہے اور مرنے کے بعد کسی کی مدد سے کام نہیں چلتا ۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ لوگ جو کچھ ایصال ثواب میت کے لیے کرتے ہیں تو یہ ان کا اصل مذہب نہیں ۔ پھر اس کو شعارِ ہنود قرار دینا بہت بڑی غفلت ہے ۔

اپنے گردونواح پر نظر کرتے ہیں تو ہم ہندوؤں کے تین مَتھ پاتے ہیں : ایک آریہ سماج ۔ دوسرا سراؤ گی ۔ اور تیسرا برہمنوں کا برتاؤ ۔

اب آریہ سماج جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اصل وید پر چلتے ہیں تو وہ اعمال بدنی و مالی کچھ بھی میت تک پہنچنے کو نہیں مانتے ، اور اسی طرح سراؤ گی قوم بھی ۔ باقی رہے وہ جو برہمنوں کے مَتھ پر چلتے ہیں تو ان کے حالات ''تحفۃ الہند'' کے حوالے سے لکھتا ہوں جسے مولف براہین قاطعہ نے بھی بطورِ سند پیش کیا ہے ۔

تحفۃ الہند مطبوعہ فاروقی کے صفحہ ۸۵ کی پہلی سطر میں ہے کہ ہندوؤں کے دین میں ثواب پہنچانے کا یہ طریقہ ہے کہ مثلاً کھانا یا کپڑا وغیرہ جس چیز کا ثواب پہنچانا ہو تو اس کا سنکلپ یعنی نیت

یوں کریں کہ ثواب پہنچانے والا داہنے ہاتھ میں پانی لے کر شاستری زبان میں یہ کہے کہ اب جو فلانا مہینا، فلانی تاریخ، فلانا دن ہے تو میں فلانا شخص، فلانی میری قوم، فلانی میری چیز، فلانے شخص کے لیے صدقہ کرتا ہوں، پھر اس پانی کو زمین پر ڈال دے۔

واضح رہے کہ اس عاجز راقم الحروف نے ہندوؤں سے تحقیق کیا اور سنکلپ کی کتاب اس عاجز کے پاس بھی موجود ہے، ان سب تحقیقات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا مضمون شاستری زبان میں پڑھتے ہیں اس کے علاوہ دیوتا وغیرہ کا نام بھی لیتے ہیں جن کا بیان طویل ہے، لیکن وید جس کے کلام الٰہی ہونے کا وہ لوگ اعتقاد رکھتے ہیں، نہیں پڑھتے۔ ہاں! کسی بڑی سنکلپ شادی وغیرہ میں کوئی ایک منتر پڑھ دیتے ہیں جس کا مضمون یہ ہوتا ہے کہ آؤ میرے مکرم، اور وہ سنسکرت کے یہ الفاظ پڑھ کر ارواح کو اپنے نزدیک بلاتے ہیں۔

اب بھلا اہلِ اسلام کی فاتحہ کو اس سے کیا مناسبت!

راقم نے ایک پنڈت سے پوچھا، کیوں جی! تمہارے وید میں تو میت کے ایصال کے لیے کچھ بھی حکم نہیں ہے تو تم نے یہ کہاں سے نکالا؟ جواب ملا کہ اگرچہ وید میں نہیں لیکن اس سے نفع ہوتا ہے، بالفرض اگر میت کو نہ پہنچا تو اس کے خیرات کرنے والے وارث کو ثواب پہنچے گا، جس بہانے سے خیرات نکلے بہتر ہے۔ اس وقت مجھ کو یقین کامل ہو گیا کہ یہ باتیں ان کی بنائی ہوئی ہیں اور مولوی عبید اللہ صاحب کے تحفۃ الہند کے صفحہ ۸۶ پر لکھنے کی تصدیق بھی ہو گئی کہ ''یہ برہمنوں کے بڑوں نے اپنی اولاد کی گزربسر کے لیے خوب تدبیر کی ہے کہ سنکلپ کیا ہوا مال برہمنوں کے علاوہ کوئی اور نہ لے''۔

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ یہ سب احکام ان کے مذہبی نہیں تو معلوم ہو گیا کہ یہ اور مذاہب سے انھوں نے لیے۔ گمانِ غالب یہ ہے کہ جب ہندوؤں نے مسلمانوں کو میت کے لیے ایصالِ ثواب مالی و بدنی کرتے دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ وہ کہتے ہیں:

**اللّٰهم أوصل ثواب ما قرأت و ما انفقت إلى فلان .**

یعنی اے اللہ! تو میرے پڑھے اور خرچ کیے کا ثواب فلاں کو پہنچا دے۔

مسلمانوں کو اس ملک پھیلے ہوئے ہزار برس سے زیادہ ہو گئے تو غالبًا ہندوؤں نے اہل اسلام کی یہ باتیں سیکھ کر کچھ کچھ اس کے قریب اپنے مذہب میں سنکلپ وغیرہ جاری کر دیا، کچھ اِدھر سے لیا اور کچھ خود اپنا ایجادہ کردہ، سب مل ملا کر ان میں یہ شکل پیدا ہو گئی، اور ان کے پیٹو پیشواؤں نے شاستر میں بھی اس کو درج کر دیا۔

ہمیں مانعین بے تحقیق کے حال پر افسوس ہوتا ہے جو ہندوؤں کو ایصالِ ثواب کے قاعدے میں اصل الاصول قرار دے کر مسلمانوں کو ان کا پیرو اور تشبہ کرنے والا بتاتے ہیں۔ نہیں نہیں! ہم کو ان سے کچھ مناسبت نہیں، وہ لوگ سنکلپ کے وقت چلو میں پانی لیے ہوتے ہیں اور سنکلپ کیا ہوا مال برہمن کے علاوہ کسی اور کو نہیں دیتے، گرچہ وہ برہمن مالدار و دولت مند اور دوسرا آدمی نہایت درجہ محتاج اور تنگ دست ہو۔ اور میت کا گھوڑا، پوشاک، برتن، زیور وغیرہ مہابرہمن کو دیتے ہیں۔ مہابرہمن وہ ہوتا ہے جو میت کا صدقہ لیتا ہے۔ یہ مضامین تحفۃ الہند کے صفحہ ۸۵ اور ۸۶ پر موجود ہیں۔ اور یہ کتاب مولف براہین قاطعہ کے نزدیک نہایت معتمد ہے۔ اب براہین قاطعہ سے یہ بات نقل کرتا ہوں کہ تشبہ کون سا منع ہے۔

(براہین قاطعہ کے) صفحہ ۱۷۴ کی تیرہویں سطر میں ہے :

> جس شے شعار میں تشبہ ہے اس میں من کل الوجوہ تشبہ ہو تو منع ہے۔ مثلاً تمام وردی نصاریٰ میں سے ایک کلاہ پہنی تو کلاہ من کل الوجوہ مشابہ ہو اگر اس کلاہ میں بعض وجہِ تشابہ کی ہوگی تو حرام نہ ہوگی۔ انتہیٰ۔

الحمدللہ! کہ ہم کو جواب دینے کی ضرورت نہیں، خود ان کی زبانی قصہ طے ہوا۔ آپ حضرات اہل اسلام کا مرسومہ طریقہ اور ہندوؤں کا مروجہ طریقہ ملا کر دیکھیں کہ من کل الوجوہ تشبہ کہاں ہے؟۔ اول تو ان کے وید میں میت کے لیے ایصال ثواب آیا ہی نہیں اور قوم ہنود کے بہت سے لوگ اسے جائز ہی نہیں سمجھتے۔ خیر اگر بعض ہنود نے اوروں کی دیکھا دیکھی یا قومی مصلحت کوشی وغیرہ کے سبب یہ کام کیا تو اب مشکل یہ ہے کہ ان کے یہاں صدقہ لینے والا اور پڑھنے والا خاص قوم (سے ہوتا ہے) اور سنکلپ یعنی ایصال ثواب میں خواہ کسی چیز کا ایصال ہو، رفع یدین نہیں بلکہ چلو پانی ہاتھ میں لیے رہتے ہیں اور یہاں اہل اسلام میں کوئی بھی کام مذکورہ امور سے نہیں لہٰذا تشبہ کا دعویٰ بالکل باطل ٹھہرا بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ اہل اسلام فاتحہ میں جو کچھ کرتے ہیں اپنے اصول دین کے موافق کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ مالی و بدنی ہر قسم کا ایصالِ ثواب شرعاً ثابت ہے اور یوں ہی جمع بین العبادتین بھی۔ اس سلسلے میں شرعی دلائل نقل ہو چکے۔ اور دعا میں دونوں ہاتھ اٹھانے کے متعلق احادیث قولی و فعلی نقل کی جا چکیں۔ اور قربانی جو ایک مالی چیز ہے اور سامنے موجود ہے اس پر یہ زبانی دعا کہ یا اللہ اس کو محمد اور اس کی آل و امت کی طرف سے قبول فرما یعنی جن جن کو ثواب میں شریک

کرنا تھا ان کا نام زبانِ مبارک سے لیا اس سلسلے میں بھی احادیث گزر چکیں، نیز دعا و عقیقہ کے احوال بھی بیان کیے جا چکے۔ تو اہل اسلام یہ امور قواعد شرعیہ کی روشنی میں کرتے ہیں اور اگر کبھی کسی شخص کو بادی النظر میں کوئی چیز مشترک و متشابہ معلوم ہونے لگے تو چاہیے وہ اسے یکلخت تشبہ نہ قرار دے بلکہ اسے توافق مِلّتین کے قبیل سے سمجھے۔ جیسا کہ اہل اسلام اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں، اور ہنود بھی وجودی باری تعالیٰ کا اقرار کرتے ہیں مگر اصطلاح شرع میں اس کا نام تشبہ تو نہیں اس کو توافق ملتین کہتے ہیں اور یہ ممنوع نہیں۔

الحاصل! براہین قاطعہ میں جو فاتحہ مروجہ میں جمع بین العبادتین مان کر چار خارجی وجوں سے کراہت عارضی قائم کی تھی وہ حرارتِ عارضی کی طرح شرعی دلیلوں سے ٹھنڈک پا کر برابر ہو گئیں۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔

**لطیفہ**: مولف براہین قاطعہ نے صفحہ ۱۱۳ کی ساتویں سطر میں لکھا ہے :

> تشبہ کے لفظ میں اخذ بہ تکلف ہے سو قصد اور فعل مکلّف کا اس میں ہونا چاہیے، پس اس کی یہ صورت ہے، اگر کسی نے کوئی کام نادانستہ کیا اور پھر اس کو خبر ہوئی تو ازالہ کرے ورنہ اب بعد علم کے متشبہ ہوگا پہلے متشبہ نہ تھا اور اپنے فعل میں عاصی بھی نہیں تھا۔ انتہیٰ۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جن امور میں کفار کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے اگر آدمی نہ جانتا ہو کہ ان میں تشبہ ہے اور اس حالت نادانستگی میں یہ فعل کرتا رہے تو جب تک اس کو علم تشبہ حاصل نہ ہو اس وقت تک وہ معافی میں ہے نہ وہ متشبہ ہے کہ جو حکم من تشبہ بقوم میں داخل ہو، اور نہ عاصی ہے۔ تو اس تقریر کے موافق تمام فاتحہ و میلاد شریف کے کرنے والے بری ہو گئے وہ ہرگز ان امور کو تشبہ بالہنود نہیں جانتے، جب ان کو ثبوت تشبہ نہیں ہوا تو بہ اقرارِ مولف براہین قاطعہ متشبہ اور عاصی بھی نہ ہوئے۔

## لمعہ ثانیہ - جمعرات کی فاتحہ :

شیخ عبدالحق - رحمۃ اللہ علیہ - نے ''اشعۃ اللمعات'' میں لکھا ہے :

> و در بعض روایات آمدہ است کہ روح میت می آید خانہ خود در اشب جمعہ پس نظر می کند کہ تصدق می کنند از وے یا نہ۔(۱)

---

(۱) اشعۃ اللمعات: ۱/۷۶۳ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ پاکستان۔

یعنی بعض روایتوں میں آیا ہے کہ میت کی روح جمعہ کی رات کو اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اہل خانہ نے اس کے لیے کچھ صدقہ کیا ہے یا نہیں۔

''خزانۃ الروایات'' میں ہے :

**عن بعض العلماء المحققين أن الأرواح تتخلص ليلة الجمعة و تنتشر فجاء وا إلى مقابرهم ثم جاء وا في بيوتهم .**

یعنی بعض محققین علما فرماتے ہیں کہ روحیں شب جمعہ آزاد ہو کر پھیل جاتی ہیں اور پھر اپنی قبروں اور اپنے گھروں کا رخ کرتی ہیں۔

صدر بن رشید تبریزی نے ''دستور القضاۃ'' میں لکھا ہے :

**من الفتاوىٰ النسفية أن أرواح المومنين يأتون في كل ليلة الجمعة و يوم الجمعة فيقومون بفناء بيوتهم ثم ينادي كل واحد منهم بصوت حزين يا أهلي و يا أولادي و يا أقربائي اعطفوا علينا بالصدقة و اذكرونا و لا تنسونا و ارحمونا فى غربتنا قد كان هذا المال الذي في أيديكم في أيدينا فيرجعون منهم باكيا حزينا ثم ينادي كل واحد منهم بصوت حزين اللهم قنطهم من الرحمة كما قنطونا من الدعاء و الصدقة .**

یعنی فتاویٰ نسفیہ میں ہے کہ مومنوں کی روحیں ہر جمعہ کی رات اور دن میں آتی ہیں اور گھر کے صحن میں کھڑی ہو کر درد انگیز آوازیں لگاتے ہوئے کہتی ہیں اے اہل وعیال اور اے میرے احباب واقارب! کچھ صدقہ کر کے ہم پر مہربانی کرو، ہمیں یاد رکھو، بھول نہ جاؤ، اس بے کسی کے عالم میں ہم پر رحم کرو، یہ مال جس پر تم آج قبضہ جمائے بیٹھے ہو کل ہمارے ہاتھوں میں تھا۔ اور پھر روتے بلکتے غمزدہ لوٹ جاتی ہیں، اور ان میں ہر کوئی پُر درد لہجہ میں دعا کرتا ہے اے اللہ! آج جس طرح انھوں نے ہمیں صدقہ ودعا سے محروم رکھا تو تو بھی انھیں اپنی رحمت سے دور رکھ۔

علی بن احمد غوری نے بھی ''کنز العباد'' میں اسے نقل فرمایا ہے۔

ان منکرین حضرات کا یہ قاعدہ ہے کہ جس کتاب میں ان کے خلاف عقائد بیان ہوتے ہیں اس کو غیر معتبر کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس کی روایتیں ضعیف ہیں۔ اسی لیے میں انھیں خبر دار کرتا ہوں کہ شیخ عبد الحق - رحمۃ اللہ علیہ - سے مولوی اسحٰق صاحب نے بھی ''مائۃ مسائل'' میں چند مقام پر سند پکڑی ہے، نیز ''خزانۃ الروایات'' سے بھی۔ مائۃ مسائل کے مسئلہ ہشتادسویم (۸۳) میں اور

مسائل اربعین کے مسئلہ سی و پنجم (۳۵) اور بست سویم (۲۳) میں ''خزانۃ الروایات'' سے سند پکڑی ہے۔ ساتھ ہی مائۃ مسائل کے مسئلہ سیز دہم (۱۳) میں ''دستور القضاۃ'' سے بھی سند پکڑی ہے۔ تو یہ کتابیں ان کے بزرگواروں کے نزدیک مسلم الثبوت اور قابل سند ہیں۔ غرض کہ ان معتبر کتابوں کے مطابق معلوم ہوا کہ جو لوگ کچھ خیر خیرات اور دعا درود وغیرہ نہیں کرتے، ان کے گھر سے مردوں کی روحیں غمگین و نا امید ہو کر ان کو کوستی اور بد دعائیں دیتی نکلتی ہیں۔ اس بنیاد پر سلف میں دستور تھا کہ جمعرات کو صدقے دیا کرتے تھے، لیکن آخری صدی کے بعض علما نے اسے چھوڑوا دیا۔

مولوی اسماعیل صاحب کے تابعین کہتے ہیں کہ اگر وہ میت بہشتی ہے تو اس کی روح بہشت کو چھوڑ کر کیوں آتی ہوگی اور اگر دوزخی ہے تو دوزخ سے نہیں چھوٹتی ہوگی۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ سب کے سب خیالی اعتراضات بے اصل ہیں۔ یہ لوگ اپنے پیشوا مولوی اسماعیل صاحب کے دادا پیر جناب شاہ عبد العزیز صاحب- رحمۃ اللہ علیہ- کی تفسیر کیوں نہیں دیکھتے کہ انھوں نے سورۂ جن میں آیت کریمہ: مِنَّا الْقَاسِطُوْنَ کے تحت جنات کی جو چار قسمیں لکھی ہیں تو اس میں فرقہ چہارم کے بارے میں لکھا کہ وہ جن، بعض ارواحِ خبیثہ کو اپنے ساتھ لے کر اپنا ہم رنگ کر لیتے ہیں پھر وہ روحیں بھی لوگوں کو ستاتی پھرتی ہیں۔ صفحہ ۱۸۵ پر اصل عبارت یہ ہے :

> چہارم فرقہ دیگر اند کہ بطریق دزدان بعضے ارواح آدمیان را کہ با خبیثان در اخلاق بد مثل نخوت و تکبر و کینہ داری و تلطخ بہ نجاسات مناسبتے بہم می رسانند کشیدہ می برند و برنگ خود رنگین می کنند و آں ارواح را طریق در آمدن در مسام ابدان و برہم کردن مزاج ہا و تغیر کردن صورت ہا تعلیم می نمایند تا بایں وسیلہ اذی و رنج بآدمیان رسانند و فرقۂ آدمیان را فاسد نمایند۔

> یعنی جناتوں کا چوتھا فرقہ وہ ہے جو چوروں کی طرح بعض خبیث خصلت، کینہ پرور، مغرور و متکبر اور نجاست آلودہ آدمیوں کی روحوں تک رسائی حاصل کرتا ہے، ان سے اپنا تعلق بڑھاتا ہے اور انھیں اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔ پھر ان روحوں کو انسانی جسم میں سرایت کرنے، ان کے مزاج بگاڑنے اور صورتیں تبدیل کرنے کے ہنر سکھاتا ہے، تاکہ ان طریقوں سے وہ آدمیوں کو رنج و الم پہنچا سکے اور ان میں فتنہ و فساد بپا کر سکے۔

سورۂ عبس میں آیت کریمہ: ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ کے تحت صفحہ ۵۸ پر لکھتے ہیں :

خلقت آدمی از خاک است و بحکم کل شيء يرجع إلى أصله او را با اصل خودش

راجع باید ساخت بخلاف آتش کہ مادۂ خلقت شیاطین و جنیان است پس چوں بدن آدمی رابعدازموت بآں سوزند ارواح لطیفہ او با دود آتش آمیزش نمودہ مشابہت تام با شیاطین و جنیان پیدا کنند و ازیں است کہ اکثر ارواح وکسانیکہ سوختہ می شوند بعدازموت حکم شیاطین می گیرند و با آدمیاں می چسپند و ایذا می دہند پس در دفن کردن ارجاع شے بہ حقیقت خود است و در سوختن قلب حقیقت - انتہیٰ -

یعنی انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے اور کل شيء یر جع إلی أصله (یعنی ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے) کے اصول کے مطابق وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ برخلاف آگ کے کہ اس سے شیاطین اور جناتوں کی خلقت وجود میں آئی ہے تو انسان کی موت کے بعد جب اس کا بدن آگ سے جلایا جاتا ہے تو لطیف روحیں آگ کے دھوئیں کے ساتھ مل کر شیاطین و جنات کے ساتھ مکمل مشابہت اختیار کر لیتی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اکثر روحیں اور جلائے ہوئے آدمی مرنے کے بعد شیاطین کے زمرے میں شامل ہو جاتے ہیں اور آدمیوں کے ساتھ چپک کر ان کی ایذا رسانی کا سبب بن جاتے ہیں جب کہ دفن کر دینے کی صورت میں وہ اپنی اصلیت کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور جلا دینے سے ان کی حقیقت بدل جاتی ہے۔

دیکھیے! یہ لوگ روحوں کی حرکت کو محال سمجھتے تھے، ان کی مسلم الثبوت کتاب' شاہ صاحب کے کلام سے بری روحوں کی سیر و حرکت سبھی ثابت ہوگئی۔ ان کے اعتراض کو توڑنے کے لیے تو یہی حجت بس ہے۔ بقیہ اور جماعت اسلام اور طالبانِ دلیل حق کے لیے یہ لکھا جاتا ہے کہ روحوں کی حرکت حدیث معراج سے بھی ثابت ہے کہ جمیع انبیا - علیہم السلام - کی روحیں بیت المقدس میں جمع ہوئیں، اور اوپر شرح مشکوٰۃ، خزانۃ الروایات اور دستور القضاۃ وغیرہ کے حوالے سے ہم یہ روایتیں نقل کر چکے کہ روحیں جمعرات کو اپنے گھروں پر آتی ہیں۔ اور اسی طرح لمعہ ثالثہ میں تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ کے بیان کے ساتھ یہ روایت آئے گی کہ شب براءت اور عید کو بھی روحیں آتی ہیں، نیز مولد شریف کے مباحث میں بھی روحوں کی سیر کا بیان آئے گا - انشاء اللہ - اور اب (لگے ہاتھوں) دو ایک روایتیں اور بھی نقل کی جاتی ہیں۔

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی - رحمۃ اللہ علیہ - نے ''عوارف المعارف'' کے چھپنویں باب میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے :

**روي سعيد بن المسيب عن سلمان قال أرواح المؤمنين تذهب في برزخ من الأرض حيث شاء ت بين السماء و الأرض حتى يردها إلى جسدها .**

یعنی حضرت سعید بن میبّب - رضی اللہ عنہ - نے حضرت سلمان - رضی اللہ عنہ - سے روایت کی کہ مومنوں کی روحیں عالم برزخ میں زمین و آسمان کے اندر جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں پھر وہ اپنے جسموں میں پلٹا دی جاتی ہیں۔

قاضی ثناء اللہ نے "**تذکرۃ الموتیٰ والقبور**" میں لکھا ہے :

**ابن ابی الدنیا از مالک روایت کرد کہ ارواحِ مومنین ہر جا کہ خواہند می روند - الیٰ آخرہ -**

یعنی ابن ابی الدنیا نے مالک سے روایت کی ہے کہ مومنوں کی روحیں جہاں چاہتی ہیں جاتی رہتی ہیں۔

اس سے پہلے اسی فصل میں شہدا کے بارے میں لکھا ہے :

**حق تعالیٰ در حق شہدا می فرماید بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۔ اقول شاید باید مراد آں کہ حق تعالیٰ ارواح شاں را قوت اجساد می دہد و ہر جا کہ خواہند سیر کنند و ایں حکم مخصوص شہدا نیست انبیا و صدیقان از شہدا افضل اند و اولیا ہم در حکم شہدا اند کہ جہادِ نفس کردہ اند کہ جہاد اکبر است یعنی رجعنا من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر ازاں کنایت است و لہٰذا اولیاء اللہ گفتہ اند أرواحنا أجسادنا أجسادنا أرواحنا یعنی ارواح ما کار اجساد می کنند و گاہے اجساد از غایت لطافت برنگ ارواح می برآید می گویند کہ رسولِ خدا را سایہ نہ بود - صلی اللہ علیہ وسلم - ارواح ایشاں در زمین و آسمان و بہشت ہر جا کہ خواہند می روند و دوستان و معتقدان را در دنیا و آخرت مددگاری می فرمایند و دشمناں را ہلاک می نمایند۔ انتہیٰ۔**

یعنی اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ میں کہتا ہوں: اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ان روحوں کو جسموں کی سی طاقت دے دی ہے اور جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی رہتی ہیں، اور یہ حکم کوئی صرف شہیدوں کے ساتھ ہی خاص نہیں، انبیا اور صدیقین، شہدا سے بھی افضل ہوتے ہیں اور اولیائے کرام جہادِ نفس کرنے کی وجہ سے شہیدوں کے ہم درجہ ہوتے ہیں کہ اسے جہادِ اکبر کہا گیا ہے۔ (وہ حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - کا فرمان کہ) ہم اب چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف پلٹ رہے ہیں، سے یہی جہادِ اکبر مراد ہے۔ اولیاء اللہ کہا کرتے ہیں کہ: **أرواحنا أجسادنا أجسادنا أرواحنا**

یعنی ہماری روحیں جسموں کے سے کام کیا کرتی ہیں اور کبھی ہمارے جسم ایسے لطیف ہو جاتے ہیں
کہ روحوں کا روپ دھار لیتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کا سایہ نہ تھا۔
اِن کی روحیں زمین وآسمان اور بہشت میں جہاں چاہتی ہیں گشت کرتی رہتی ہیں اور دنیا و
آخرت میں اپنے چہیتوں اور عقیدت مندوں کی امداد واعانت اور دشمنوں کو ہلاکت کے گھاٹ
اتارتی رہتی ہیں۔

ان روایتوں سے ارواح کی دنیا میں بھی سیر ثابت ہوتی ہے، اور یہی اہل سنت و جماعت کا بھی مذہب ہے۔

امام عبداللہ یافعی یمنی -قدس سرہ- ''روض الریاحین'' کی ایک سواڑسٹھویں حکایت کے اخیر میں لکھتے ہیں :

**مذهب أهل السنة أن أرواح الموتىٰ ترجع في بعض الأوقات من عليين أو سجين إلى أجسادهم في قبورهم عند ما يريناا اللّٰه تعالىٰ و خصوصاً في ليلة الجمعة و يومها ويجلسون و يتحدثون -إلى آخره-**

یعنی اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ جب اللہ دکھانا چاہتا ہے تو مردوں کی روحیں بسا اوقات
علیین یا سجین سے قبروں میں ان کے جسموں کی طرف پلٹ کر آجاتی ہیں، خاص کر شب جمعہ
اور روز جمعہ میں آکر بیٹھتی اور باتیں بھی کرتی ہیں۔

''الاشباہ والنظائر'' کے احکام الجمعہ میں ہے :

**و فيه تجتمع الأرواح و تزار القبور ؛ كذا في الدر المختار و شرحه .** (۱)

یعنی جمعہ کے دن روحیں اکٹھا ہوتی ہیں اور پھر قبروں کی زیارت کی جاتی ہے۔

الغرض! شب جمعہ اور روز جمعہ میں روحوں کا قبروں تک آنا ان معتبر کتابوں سے ثابت ہوگیا۔ باقی قبروں سے اپنے گھروں میں آنا اور ''خزانۃ الروایات'' کے حوالے سے بیان کیا جاچکا کہ :

**جاء وا أولا إلى مقابرهم ثم جاء وا في بيوتهم .**

یعنی پہلے تو وہ قبروں کو آتی ہیں اور پھر اپنے گھروں کا رخ کرتی ہیں۔

(۱) الاشباہ والنظائر: ۲/ ۲۷۱ ...... درمختار: ۲/ ۱۷۹۔

اس روایت کے مطابق پہلی صدی کے خاتمہ اور دوسری صدی کے آغاز پر ایک عجیب قصہ رونما ہوا، جسے استیناس کے طور پر لکھا جاتا ہے۔

امام ابو محمد عبداللہ یافعی یمنی - طیب اللہ ثراہ - ''روض الریاحین'' میں لکھتے ہیں :

**عن بعض الصالحين قال كان لي ابن استشهد فلم أره في المنام إلا ليلة توفي في عمر بن عبد العزيز -رضى الله تعالىٰ عنه- يرائ لي تلک الليلة فقلت يا بني أ لم تک ميتا فقال لا و لكني استشهدت و أنا حي عند الله أُرزق فقلت له ما جاء بک فقال نودي في أهل السماء ألا لا يبقى نبي و لا صديق ولا شهيد إلا و يحضر الصلوٰة على عمر بن عبد العزيز فجئت لأشهد الصلوٰة ثم جئتكم لأسلم عليكم .**

یعنی بعض صالحین سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک بیٹا شہید ہو گیا تھا، میں نے کبھی اسے خواب میں نہ دیکھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - کی وفات کے دن وہ دکھائی دیا، میں نے کہا بیٹے کیا تم مرے نہیں؟ کہا نہیں میں تو شہید ہوا تھا اور اللہ کے یہاں زندہ ہوں اور رزق بھی پاتا ہوں، میں نے پھر اس کے آنے کا سبب پوچھا تو کہنے لگا کہ آسمان میں آواز لگائی گئی تھی کہ خبردار! کوئی نبی وصدیق اور شہید باقی نہ رہے' سب عمر بن عبد العزیز کے جنازہ پر نماز پڑھیں تو دراصل میں ان کی نماز پڑھنے آیا تھا پھر تمھیں سلام کرنے کو بھی حاضر ہو گیا۔

الحمدللہ! کہ ہم میت کے ایصال ثواب اور خیرات کی رغبت کی غرض سے جو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ اہل اسلام کی روحیں آتی ہیں خواہ وہ بالکل نیک و پرہیزگار ہوں خواہ بے چارے عاصی وگنہ گار، تو ان کا آنا کتب اسلامیہ کی روایتوں سے بخوبی ثابت ہو گیا۔ مذہباً، روایۃً، کشفاً اور درایۃً۔

ان صاحبوں کی ناانصافی دیکھیے کہ اپنے پیرومرشد قبلہ کے منہ سے جو بات نکلی وہ تو پتھر کی لکیر ہو جاتی ہے اور دوسرا شخص کیسے ہی ٹھوس دلائل سے ثابت کرے، اس پر ایمان لانے کے روادار نہیں ہوتے۔

اب دیکھیے! مولوی اسماعیل صاحب نے جو ''صراطِ مستقیم'' کے آخر ورق میں اپنے پیرومرشد کی تعریف میں لکھا ہے :

غوث الثقلین اور خواجہ بہاء الدین نقشبندی کی روحیں ان کی طرف متوجہ ہو گئیں اور

ایک مہینہ تک ان میں چھینا جھپٹی اور لڑائی ہوتی رہی،یعنی ایک کہتی تھی کہ ہم سید احمد صاحب کو اپنی طرف لیں تو دوسری کہتی تھی کہ ہم اپنی طرف لیں،آخر کار دونوں پاک روحوں نے آپس میں صلح کر کے یہ بات ٹھہرائی کہ اچھا سید احمد صاحب میں ہمارا تمہارا دونوں کا ساجھا رہے گا۔تب ایک دن دونوں روحیں ان پر ظاہر ہوئیں اور ایک پہر تک قوی توجہ دی،اتنی دیر میں حضرت کو دونوں طریقوں کی نسبت نصیب ہو گئی-انتہیٰ-

اب دیکھیے کہاں حضرت غوث اعظم کا مزار پاک بغداد شریف میں،اور کہاں خواجہ عالی شاہ نقش بند کا مزار بخارا میں! پھر پتا نہیں ان کی روحیں علیین کے کس طبقہ اور جنت کے کس درجہ میں ہوں گی اور یہ بھی کہ ان دونوں مقدس حضرات کے مریدوں میں سیکڑوں کامل اولیاء اللہ کیا بلکہ ہزاروں لاکھوں مقبولین ہوں گے اس پر بھی ان کی ہوس نہ بجھی اور سید احمد صاحب کی ان کو خواہش پیدا ہوئی کہ ان کو اپنی نسبت مریدی میں لیجیے اور اسی آرزو میں علیین یا بہشت سے ہندوستان میں وہ روحیں توجہ دینے اُتر آئیں،ہم اس کورد نہیں کرتے،لیکن ان دانش مند مصنفوں کے حال پر افسوس کرتے ہیں کہ یہ مولوی اسماعیل صاحب کی تحریر کو مسلم رکھتے ہیں حالاں کہ عقلی طور پر اس میں چند باتیں خلاف عادی معلوم ہوتی ہیں،اور ہم روحوں کا اپنے گھروں پر آنا کچھ تو مقتضائے عقل ہونے کی وجہ سے (مانتے ہیں) کہ چونکہ اپنا گھر ہر کسی کو عزیز ہوتا ہے،جب روحوں نے دنیا کی سیر کی تو اپنے گھر کی سیر کیوں نہ کریں،اور روح کے لیے مکان کی دوری رکاوٹ نہیں بن سکتی کیوں کہ وہ مجردات سے ہے۔اگر (ایسا) ثابت کرتے ہیں،اس پر حدیثیں پیش کرتے ہیں اور فقہا-رحمہم اللہ-کی روایتوں کی سند گزارتے ہیں تو اس پر انکار کرتے ہیں اور اس عقیدے کی بنیاد پر ہم کو اور ساتھ ہی ان مفتیانِ دین کو جو یہ روایتیں اپنے فتاویٰ میں درج کر گئے ہیں' بدعتی کہنے لگتے ہیں۔یہ وہی مثل ہے کہ جس طرح فرقہ معتزلہ خود کو' اصحاب العدل والتوحید' کہلاتے ہیں اور اہل سنت و جماعت کو بدعتی اور خواہشوں کے پیرو کہتے ہیں۔اور اہل انکار کا سید احمد صاحب کے قصہ میں یہ کہنا بھی ہے کہ یہ ان کو مکاشفہ ہو گیا تھا-اس کی تحقیق لمعہ سادسہ میں میلاد شریف کے تحت روحوں کی سیر میں آئے گی-

مولف ''براہین قاطعہ گنگوہی'' کا صفحہ ۸۰ میں روح میت کی بددعا دینے پر یہ اعتراض کرنا چند وجوہ سے مخدوش ہے :

اگر زندہ نے مردہ کو ثواب نہ پہنچایا تو کوئی ظلم اس نے میت پر شرعاً نہیں کیا ہاں احسان

بھی نہیں کیا پس احسان نہ کرنے پر بددعا ظلم ہے میت باوجودیکہ ظلمت نفس وشیطان سے
چھوٹا حقیقۃ الامر خیروشر اس کو برزخ میں واضح ہوگئی وہ اب بھی بزعم مولف بعد اتیان
کشف ویقین آخرت کی شرنفس میں مبتلا ہے یہ روایت قطعاً متہم ومتروک ہے-انتہیٰ ملخصاً-

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حدیث کی قوت وضعف اور صحت وسقم پہچاننے کے لیے میزان شرعی' اسناد ہے، اگر مولف براہین کو اسناد معلوم نہ تھی تو مفتیان شرع متین کی نقل پر اعتماد کیا ہوتا جو چند فتاویٰ حنفیہ میں رقم ہیں۔جمعرات کو روحوں کے آنے اور صدقہ نہ کرنے کی صورت میں بددعا دینے کی روایت''فتاویٰ نسفیہ''میں موجود ہے جو علامہ سمرقندی' امام نجم الدین عمر بن محمد نسفی کی تالیف ہے۔ اس میں وہ سب مسائل جمع کردیے ہیں جو ان کی حیات میں ان سے استفتے کیے گئے تھے -۵۳۷ھ-(1142ء) میں ان کی وفات ہوئی، معتمدین علماے سلف سے تھے اسی لیے خلف نے ان کی روایت پر اعتماد کیا اور اپنے اپنے فتاویٰ میں درج کیا، اور کیوں نہ کرتے صاحب درمختار لکھتے ہیں کہ ہمارے ذمہ یہ بات واجب ہے کہ متقدمین جو فتویٰ دے گئے ہیں ہم اس کا اتباع کریں۔ اصل عبارت یہ ہے :

**فعلینا اتباع ما رجحوہ و ما صححوہ .** (۱)

یعنی ان کے راجح ترین اور صحیح ترین مسائل کی پیروی ہم پر لازم ہے۔

درمختار کے محشی' امام شامی اس مقام پر لکھتے ہیں :

**فإنہ لا یسعنا مخالفتھم .** (۲)

یعنی اب ہمیں ہرگز گنجائش نہیں کہ ان کی قرارداد کی مخالفت کریں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مولف براہین نے اس روایت کو رد کیا تو کس طرح کہ بالکل اوہام وخیالات سے رجماً بالغیب۔اور ایسا درست نہیں، جن لوگوں نے دین کی روایتوں کی خیالی باتوں سے تردید کی ہے، فقہا و محدثین اہل سنت نے انھیں اچھے الفاظ سے یاد نہیں کیا ہے۔مثلاً صحیحین میں جو یہ حدیث ہے کہ :

جب ملک الموت نے موسیٰ-علیہ السلام- سے کہا کہ میں روح قبض کرنے آیا ہوں، حکم الٰہی قبول کیجیے، تو حضرت موسیٰ نے (انھیں) ایسا تھپڑ مارا کہ ملک الموت کی آنکھ

---

(۱) درمختار:۱/۸۳۔
(۲) ردالمحتار:۱/۱۹۴۔

پھوٹ گئی ، جناب باری میں جا کر عرض کی کہ خداوندا! تو نے مجھے ایسے شخص کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا - الیٰ آخرہ - (۱)

اس حدیث پر بعض عقلی خیالات والوں نے طعن کیا کہ بھلا موسیٰ - علیہ السلام - بے قصور تھپڑ کیوں مارتے اور وہ بھی ایسا کہ آنکھ پھوٹ گئی ۔ اس بنیاد پر یہ حدیث صحیح نہیں ہے ۔ لیکن محدثین نے اس حدیث کو تسلیم کیا اور اعتراض کرنے والوں کو ملحد رکھا ، عبارت یہ ہے :

**أنكر بعض الملاحدة هذا الحديث و قالوا كيف يجوز علىٰ موسىٰ فقء عين ملك الموت .** (۲)

یعنی بعض ملحد اس حدیث کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے لیے یہ کیسے درست ہوا کہ وہ ملک الموت کی آنکھ نکال دیں ۔

اور یہ قرار دیا کہ حدیث کو عقلی باتوں سے رد نہیں کرنا چاہیے بلکہ (جہاں تک ممکن ہو) اس میں تاویل کرنی چاہیے ۔ اس حدیث میں تاویل ہوسکتی ہے کہ حضرت موسیٰ کے پاس ملک الموت بشکل انسان آئے اور انھوں نے جانا کہ یہ کوئی دشمن قتل کو آیا ہے تو اس کو دفع کرنے کے لیے تھپڑ مارا ، اتفاق سے آنکھ نکل پڑی - الیٰ آخرہ -

اس نظیر سے ہم کو ثابت یہ کرنا ہے کہ دینی روایتوں کو ایسے خیالی شاخسانوں سے رد نہ کیا جائے کہ محدثین ایسے کو ملحد کہتے ہیں ۔

---

(۱) صحیح مسلم : ۱۲/۵/۷ حدیث : ۴۳۷۵ ...... مشکوٰۃ المصابیح : ۳/۲۴۱ حدیث : ۵۷۱۳ ...... مسند احمد : ۱۶/۳۶۷ حدیث : ۷۸۲۵ ...... مستخرج ابوعوانہ : ۱/۳۸۹ حدیث : ۳۴۷ ...... صحیح ابن حبان : ۲۵/۴۸۹ حدیث : ۶۳۳۰ ...... صحیفۃ ہمام : ۱/۶۱ حدیث : ۶۰ ...... کنز العمال : ۱۱/۵۱۰ حدیث : ۳۲۳۸۴ ...... المسند الجامع : ۴۴/۴۳۰ حدیث : ۱۴۷۱۰ ۔

مکمل متن حدیث یوں ہے : **جاء ملك الموتِ إلى موسى –عليه السلام– فقال له أجب ربك ، قال فلطم موسىٰ –عليه السلام– عين ملك الموت ففقأها ، قال فرجع الملك إلى الله تعالىٰ فقال إنك أرسلتني إلى عبدٍ لك لا يريد الموت و قد فقأ عيني ، قال فرد الله إليه عينه و قال ارجع إلى عبدي فقل الحياة تريد فإن كنت تريد الحياة فضع يدك على مَتْنِ ثورٍ فما تَوَارَتْ يدُك من شعرَةٍ فإنك تعيش بها سنةً قال ثم مَهْ قال ثم تموتُ ، قال فالآن من قريبٍ ربِّ أمِتني من الأرض المقدسة رَميةً بحجرٍ ، قال رسول الله –صلى الله عليه وسلم– والله لو أني عنده لأريتكم قبره إلى جانب الطريق عند الكثيب الأحمر .**

(۲) الدیباج علی مسلم : ۵/۳۵۶ ۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اتہام حدیث اور اسے متروک کہنے کے لیے عقلی تکّا چلایا بھی تو کیا کہ روحیں بددعا کیوں دیتیں، اور یہ نہ سمجھے کہ روح کو بدن انسانی کے آب وگل سے کچھ تو تعلق ہے، (ذرا غور فرمائیں کہ) فرشتے جو تکدّر آب وگل سے بالکل مجرد ہیں وہ بھی بخیل ودیوس کو بددعا دیتے ہیں تو روح کا بددعا دینا کیا بعید ہے!۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ - رضی اللہ عنہ - کی یہ روایت ہے کہ ہر صبح کو دو فرشتے آسمان سے اُترتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! خرچ کرنے والے آدمی کو بدلہ عطا فرما اور (اس کا مال) بڑھا اور جو خرچ نہ کرے اس کا جمع کیا ہوا مال تلف کر اور ہلاک فرما - انتہیٰ - (۱)

ظاہر ہے کہ جب دنیا میں روح جسم کے ساتھ تھی تو اس وقت اس کے متعلق احکام الٰہی اور تھے اور جب بدن سے جدا ہو کر اس عالم میں داخل ہوئی تو اب اس پر احکام وآثار اُس عالم کے نافذ ہوئے۔ پھر کیا عجب کہ جس طرح فرشتے خرچ نہ کرنے والے آدمی کو باذنِ الٰہی بددعا دیتے ہیں اسی طرح روحیں بھی اس عالم میں جا کر ایسے آدمی کو - جو مال دبا کر بیٹھ رہا اور اپنے مورث کو صدقہ وفاتحہ سے یاد نہیں کرتا - باذنِ الٰہی بددعا دیتی ہوں تو یہ کون سا محال امر ہے کہ جس کے بارے میں مفتیانِ دین کی روایت کو قطعاً متروک ومتّہم کہہ دیا جائے۔

---

(۱) متن حدیث : مَا مِنْ يَوم يُصْبِحُ العبَادُ فيه إلَّا مَلكانِ ينزلانِ فيقولُ أحدُهما اللهم اعطِ منفقا خلفاً و يقول الآخر اللهم اعط ممسكا تَلَفاً .

صحیح بخاری: ۲۷۰/۵ حدیث: ۱۳۵۱......صحیح مسلم: ۱۸۲/۵ حدیث: ۱۶۷۸......مسند احمد ۱۹۷/۴۴ حدیث: ۲۰۷۲۸......سنن کبریٰ بیہقی: ۱۸۷/۴......مصنف عبد الرزاق: ۴۴۴/۱۰ حدیث: ۱۹۶۵۱......سنن کبریٰ نسائی: ۳۷۵/۵ حدیث: ۹۱۷۸......مستدرک: ۹۰/۲۰ حدیث: ۸۸۲۹......معجم کبیر طبرانی: ۳۳/۲۰ حدیث: ۱۲۸۲......تہذیب الآثار طبری: ۴۸۲/۵ حدیث: ۲۴۹۸......شعب الایمان: ۴۱۵/۷ حدیث: ۳۲۵۹......صحیح ابن حبان: ۱۶۰/۱۴ حدیث: ۳۳۹۸......مسند عبد بن حمید: ۲۲۳/۱ حدیث: ۲۰۹......موارد الظمآن: ۲۰۸/۱......امالی ابن بشران: ۸۲/۱ حدیث: ۷۶......الزہد لاحمد بن حنبل: ۱۰۵/۱ حدیث: ۱۰۴......الزہد لہناد بن سری: ۱۸۱/۲ حدیث: ۶۲۰......الزہد لوکیع: ۴۲۹/۱ حدیث: ۳۷۲......الزہد والرقائق لابن مبارک: ۱۰۶/۳ حدیث: ۱۰۵۸......العظمۃ اصبہانی: ۲۵/۲ حدیث: ۵۰۵......المطالب العالیہ: ۲۶۴/۳ حدیث: ۱۰۰۸......جامع معمر بن راشد: ۳۱۳/۱ حدیث: ۲۵۰......حدیث ابو محمد فاکہی: ۶۸/۱ حدیث: ۶۷......مسند ابن ابی شیبہ: ۴۰/۱ حدیث: ۳۶......مکارم الاخلاق خرائطی: ۱۳۴/۲ حدیث: ۵۹۵......مجمع الزوائد: ۱۹/۲......کنز العمال: ۳۵۱/۶ حدیث: ۱۶۰۱۳......مسند الجامع: ۴۰۱/۳۳ حدیث: ۱۱۰۰۰......تحفۃ الاشراف: ۱۱/۱۲ حدیث: ۱۳۶۱۳۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس دعا کو ظلم ٹھہرانا بالکل بے اصل ہے، اس کا مخدوش ومردود ہونا کچھ تو تیسری وجہ سے بھی سمجھ لیا گیا علاوہ ازیں ظاہر ہے کہ اگر وارثین دعا اور تصدق کرتے تو شرعی مسئلہ کی روشنی میں انھیں بھی ثواب ملتا اور میت کو بھی ۔ جب کچھ نہ کیا تو دونوں محروم رہے ۔ پھر اگر ایک امر واقعی روحوں کی زبان سے صادر ہوا کہ الٰہی جیسے ہم ناامید پھرے انھیں بھی اپنی رحمت سے محروم رکھنا، تو یہ کس طرح ظلم ٹھہرتا ہے!

اگر کوئی یہ کہے کہ امر واقعی کی دعا کیا کی جائے یہ تو تحصیل حاصل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فقیہ شامی - رحمۃ اللہ علیہ - نے اس مسئلہ کو خوب محقق کر دیا ہے کہ تحصیل حاصل کی دعا جائز ہے ۔ ملتقطاً ان کی عبارت یہ ہے :

و لو كان الدعاء بتحصيل الحاصل منهيا لما ساغ الدعاء ........ له -صلى الله عليه وسلم- لا بوسيلة و لا بلعن الشياطين . (۱)

یعنی اگر تحصیل حاصل کی دعا منع ہوتی تو نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کے واسطہ ووسیلہ کی دعا اذان کے بعد نہ کی جاتی کہ یا اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ عطا اور مقام محمود عطا فرما کیوں کہ یہ وعدہ خداوند تعالیٰ خود فرما چکا ہے، اور اسی طرح شیطان پر لعنت کرنی بھی جائز نہ ہوتی کیوں کہ وہ بلا دعا کیے ہی لعنت میں گھرا ہوا ہے ۔

اگر دعائے ارواح کے یہ معنی ہوں کہ اے وارثو! جس طرح تم نے ہمارے ساتھ ترک احسان کیا اور ہم محروم پھرے خدا کرے کہ جب تم مرو تو تمہارے ساتھ تمہارے ورثہ (بھی یوں ہی) ترک احسان کریں اور (ہماری طرح) تم بھی رحمت وثواب سے ناامید پھرو ۔ تو اب اس مضمون میں اتلاف حق فرض وواجب کی کوئی دعا نہیں جسے ظلم قرار دیا جائے بلکہ ترک احسان پر ترک احسان کی دعا ہے ۔ اور جہاں میت کی وصیت پر وارثوں نے حرص ولالچ کی وجہ سے عمل نہ کیا ہوگا تو ان مواقع میں تو روحوں کی بد دعا کسی طرح مخل نہ ہوگی ۔

پھر (کم از کم) معترضین نے یہی خیال کیا ہوتا کہ روح آنے سے متعلق تمام حدیثوں میں تو بد دعا کا کوئی ذکر نہیں کسی ایک میں بھی تو یہ وہی خاص موقع ہوگا جس میں اتلاف وصیت صدقات ہے، باقی اور مواقع میں فقط یہ بات کہ روحیں امیدوار آئیں اور ناکام چلی گئیں غرضیکہ ان لوگوں پر لازم تھا کہ اس روایت میں یہ تاویل یا اس کے مثل اور بھی جو کچھ صحیح محمل نکلتے پیدا کرتے لیکن (خدارا) پہلے کے مفتیانِ دینِ متین کی روایتوں کو رد نہ کرتے ۔

(۱) ردالمحتار: ۴/ ۱۲۱ ۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ جب ان لوگوں کو کوئی اور توجیہ نہ سوجھی اور (ہر چند) ان کو یہی معلوم ہوا کہ یہ بد دعا قبیح ہے تو یہ کیا دلیل قائم کی کہ عالم برزخ میں جب خیر و شر واضح ہو گیا تو پھر کشف و یقین کے بعد روحوں سے برا فعل یعنی بد دعا کرنا کس طرح صادر ہوتا۔

ہم کہتے ہیں اگر چہ برزخ میں خیر و شر کا انکشاف ہے لیکن سب سے زیادہ انکشافِ حقائق قیامت کے دن ہوگا، پھر اس روز خدائے عالم الغیب والشہادۃ کے سامنے لوگ اپنے جرائم سے مُکر جائیں گے، اور جھوٹ کا سہارا لیں گے، تب ان کو نامۂ اعمال دکھائے جائیں گے (اس پر بھی یہ) کہیں گے کہ فرشتوں نے زبردستی ہمارے نام لکھ دیے، تو ان کے ہمسائے بلائے جائیں گے، وہ گواہی دیں گے تو وہ ان کو بھی جھٹلائیں گے، تب اللہ رب العزت ان کے منہ پر مہر لگا کر پوچھے گا، تو سارے اعضا بول اُٹھیں گے کہ بیشک اس نے یہ گناہ کیے- کذا فی التفاسیر-

امام رازی نے آیت کریمہ: **أَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَ لاَ أَبْصَارُكُمْ وَ لاَ جُلُودُكُمْ** (سورۂ فصلت؛ ۲۲/۴۱) کے تحت ابن عباس - رضی اللہ عنہما - سے روایت کیا کہ زنا کاروں کی پیشاب گاہ اس روز گواہی دے گی۔ اور نبی کریم - صلی اللہ علیہ وسلم - سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: آدمی کے اعضا میں اول ران اور ہتھیلی گواہی دے گی۔(۱) یعنی اس لیے کہ چھونے کا عمل ہاتھ سے شروع ہوتا ہے پھر وقت مباشرت' نوبت ران تک پہنچ جاتی ہے۔(۲)

خلاصہ یہ ہے کہ جب مجرموں کی گواہی دیں گے تو وہ مجرم بعد میں اپنے اعضا کو دھمکائیں گے کہ تم نے گواہی کیوں دی؟ اور اپنے اعضا کو بد دعا دیں گے :

**بُعْداً لَكُنَّ وَ سُحْقًا .** (۳)

یعنی خدا تمھیں اپنی رحمت سے دور اور ہلاک کرے۔

بد دعا کا یہ مضمون صحیح مسلم کی حدیث میں ہے۔

---

(۱) تفسیر رازی: ۳۸۶/۱۳۔

(۲) **أول ما يتكلم من الآدمي فخذه و كفه** ۔(مسند احمد: ۴۹۵/۴۰ حدیث: ۱۹۱۷۳...... الاوائل لابن ابی عاصم: ۴۹/۱ حدیث: ۴۸...... مستدرک حاکم: ۳۱۴/۸ حدیث ۳۶۰۳...... اور معجم الکبیر طبرانی میں یوں ہے: **إن أول ما يتكلم من الإنسان حين يختم على الأفواه فخذه من الرجل اليسار .** (۳۰۲/۱۲)۔ اور اوائل طبرانی کی بیسویں حدیث کے الفاظ کچھ یوں ہیں: **أول ما يتكلم من الإنسان يوم القيامة و يشهد عليه بعمله فخذه و كفه .** (۴۱/۱)

(۳) مسلم شریف: ۲۲۰/۱۴ حدیث: ۵۲۷۱۔

''روح البیان'' میں ہے کہ جو مسلمان گنہ گار ہوں گے ان کے اعضا بھی گناہ پر شہادت دیں گے لیکن جن اعضا سے انھوں نے نیک کام کیا ہے جب وہ اچھی شہادت دینے لگیں گے تو وہ بخش دیے جائیں گے۔

الحاصل! مذکورہ روایتوں سے یہ ثابت ہوگیا کہ قیامت کے روز جو کہ نہایت درجہ انکشاف حقائق خیر و شر کا دن ہوگا اس دن بھی آدمی ایسے ایسے برے کام کریں گے کہ خاص اللہ تعالیٰ کے سامنے مُکر جائیں گے، جھوٹ بولیں گے، فرشتوں، آسمان و زمین کے ٹکڑوں اور ہمسایوں سب کو جھٹلائیں گے، اور پھر جب اعضا گواہی دیں گے حالاں کہ انھوں نے باذن الٰہی گواہی دی ہے اور سچی گواہی دی ہے تو بندہ اس پر بھی ان کو کوسے گا اور بددعا دے گا - کما رواہ مسلم -

جب مذکورہ بالا ایسے ایسے کام ایسے مقام کشف و عیاں میں ہوں گے تو بھلا عالم برزخ میں روحوں کا بددعا دینا کس طرح محال و مستبعد ٹھہرا جس سے فتاویٰ کی روایتوں کو جھٹلا دیا!۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ حدیث صحیح ہے :

یُبْعَثُ کُلُّ عَبْدٍ عَلیٰ مَا مَاتَ عَلَیْهِ . (۱)

یعنی آدمی اسی خصلت پر اٹھایا جائے گا جس پر مرا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے :

یُبْعَثُ النَّاسُ عَلیٰ نِیَّاتِهِمْ . (۲)

یعنی آدمی اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے۔

---

(۱) صحیح مسلم: ۱۴/۴۴ حدیث:۵۱۲۶......مسند احمد: ۶۵/۲۹ حدیث:۱۴۰۱۶-۴۶۲/۲۹ حدیث:۱۴۴۱۳......مسند ابن ابی شیبہ: ۶۵/۲۹ حدیث:۱۴۰۱۶-۴۶۲/۲۹ حدیث:۱۴۴۱۳......مصنف عبد الرزاق: ۵۸۶/۳ حدیث:۶۷۴۶......مستدرک حاکم: ۳۶۱/۸ حدیث:۳۶۴۶-۶/۹ حدیث:۳۷۷۲......معجم الاوسط طبرانی: ۴۰۷/۱۹ حدیث:۱۱۱۳۰......شعب الایمان: ۴۰۳/۱ حدیث: ۳۷۲......مسند ابی یعلی موصلی: ۴۶۵/۴ حدیث:۱۸۵۷......مسند حمیدی: ۴۶۵/۴ حدیث:۱۸۵۷......صحیح ابن حبان: ۱۵۷/۳۰ حدیث ۷۴۳۷-۱۶۸/۳۰ حدیث:۷۴۴۳......مسند عبد بن حمید: ۱۳۴/۳ حدیث: ۱۰۱۵......مشکل الآثار طحاوی: ۲۶۱/۱ حدیث ۲۱۷......اخبار اصبہان: ۷۸/۶ حدیث: ۴۰۲۰۹......الفقیہ والمتفقہ خطیب البغدادی: ۱۲۵/۱ حدیث ۱۱۲......القضا و القدر بیہقی: ۹۷/۱ حدیث ۸۴......المطالب العالیہ عسقلانی: ۳۱۶/۹ حدیث ۳۳۳۱......مسند الحارث: ۳۱۵/۱ حدیث:۲۰۴۔

(۲) مسند ابی یعلی موصلی: ۱۰/۱۳ حدیث ۶۱۱۷......مسند حمیدی: ۱۰/۱۳ حدیث: ۶۱۱۷......مسند شہاب القضاعی: ۴۰۹/۲ حدیث: ۵۴۷......سنن ابن ماجہ: ۲۷۶/۱۲ حدیث ۴۲۱۹......اور صحیحین وغیرہ میں: یبعثون علی نیاتھم کے الفاظ آئے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو صفات محمودہ یا مذمومہ انسان کے جوہر روح میں راسخ ہوجاتی ہیں وہ بعد موت بھی قائم رہتی ہیں حتی کہ انہی صفات کے ساتھ اس کا حشر ہوگا۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو اب جاننا چاہیے کہ آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں یعنی بالکل خاک، جن کے اندر غصہ نام کو بھی نہیں ہوتا اور عفوودرگزر ان کا جبلی کام ہوتا ہے۔ اور بعض وہ جو اپنے منافی طبیعت پر آزردہ ہوکر خفگی ظاہر کردیتے ہیں بس یہ دونوں آدمی بعد موت بھی اپنی اسی جبلت پر ہوں گے اور ظاہر ہے کہ پہلی قسم کے آدمی بہت کم ہیں اور دوسری قسم کے بہت زیادہ۔ اور یہ قاعدہ کلیہ مسلم ہے کہ **للأکثر حکم الکل** یعنی اکثر پر کل کا اطلاق کردیا جاتا ہے۔ تو جس طرح وہ لوگ دنیا میں دیکھتے تھے کہ ان کے ایک نمک پروردہ یا دوست نے جس پر ان کو بھروسا تھا سخت ضرورت کے وقت، صاف جواب دے دیا اور احسان ومروت کے حقوق بالکل فراموش کردیے تو بے اختیار بددعا نکل جاتی تھی کہ جیسا تو نے میرے ساتھ کیا تیری مشکل کی گھڑی میں بھی خدا ایسا ہی کرے۔ اب جب وہ مرگیا اور عالم برزخ میں گیا تو وہی جبلت ان کے ساتھ گئی، اس لیے ان کا وہی مادۂ فطری وہاں ظاہر ہوگیا کہ جب ان کے اقربائے احسان اس کا مال مار کر بیٹھ رہیں گے اور دعا وصدقہ میں ذرہ بھر ان کو یاد نہ کریں گے تو وہ بے ساختہ ان کو بددعا دیں گے، جس طرح کفار وفساق جو کچھ صفات تکذیب وغیرہ دنیا سے ساتھ لے گئے تھے وہی محشر میں علی الاعلان ظاہر کریں گے- جیسا کہ روایات سابقہ میں گزر چکا-

ساتویں وجہِ الزامی یہ ہے کہ اس روایت کو فقط روحوں کی بددعا کی وجہ سے رد کرتے ہیں اور مولوی اسماعیل صاحب کی ''صراطِ مستقیم'' کے آخری ورق پر لکھی ہوئی تحریر رد نہیں کرتے جو لکھتے ہیں :

> روح مقدس جناب حضرت غوث الثقلین و جناب حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند متوجہ حال حضرت ایشاں گردیدہ وتاقریب یک ماہ فی الجملہ تنازعے در مابین روحین درحق حضرت ایشاں ماندہ زیرا کہ ہر واحد ازیں ہر دو امام تقاضائے جذب حضرت ایشاں بہ تمامہ بسوئے خودمی فرمود۔
>
> یعنی حضرت غوث الثقلین اور جناب حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کی روحیں ان کے حال کی طرف متوجہ ہوئیں اور قریباً ایک مہینہ تک حضرت کے بارے میں ان دونوں روحوں کے درمیان تنازع چلتا رہا کیوں کہ دونوں میں سے ہر ایک ان کی روح کو پورے طور پر اپنے طرف متوجہ کرنا چاہتے تھے۔

دیکھیے یہاں اپنے پیرومرشد کی بابت دو اماموں کی روحِ مقدس میں لڑائی ثابت کرتے ہیں

اورلفظ'تنازع' لکھتے ہیں۔''منتخب اللغات''میں ہے :

تنازع دشمنی وخصومت کردن۔

یعنی جھگڑااوردشمنی'تنازع کہلاتا ہے۔

''صراح''میں لکھاہے :

الخصام پیکارکردن باہم والاسم الخصومۃ۔

یعنی آپس میں برسرپیکارہونا۔اورخصام کااسم خصومت ہے۔

مولف براہین کولازم تھا کہ پہلے''صراط مستقیم'' کی اس تحریرکوردکرتے پھرفتاویٰ نسفیہ کی روایت کی تردید میں قدم رکھتے،لیکن اس کوصفحہ۸۳ میں ایک طویل عبارت سے قوت دیتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے :

انبیا-علیہم السلام-کوبھی کثرت امت کی خواہش ہوئی ہے۔فخرعالم-صلی اللہ علیہ وسلم- نے ولودعورتوں سے نکاح کی تاکیدفرمائی ہے،اسی واسطے اُن دونوں اماموں نے جب سیداحمد صاحب کادرجہ دیکھا اور جانا کہ ان کے بہت مرید ہوں گے تودونوں نے انھیں اپنی اپنی طرف کھینچنا چاہا-انتہیٰ ملخصاً-

یہ جواب نہایت رکیک ہے سیدصاحب کوکثیرالمرید ہونے کے باعث جوولودعورت یعنی کثیرالاولادعورت کے نکاح سے تشبیہ دی،تویہ خیال نہ کیا کہ ایسے شخص کے مرید کرنے کی تمنا درست ہے لیکن تنازع حرام،جس طرح ولودعورت کی طرف رغبت صحیح ہے لیکن اس میں لڑائی ومخاصمت حرام،یہ تونص قطعی کا معارضہ ہے،حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے :

وَ لَا تَنَازَعُوْا ۔ (۱)

شاہ ولی اللہ اس کاترجمہ کرتے ہیں :

بایک دیگرنزاع مکنید۔

شاہ عبدالقادرلکھتے ہیں :

آپس میں مت جھگڑو۔

توجب اس مکاشفہ تحریری کوحرمت تنازع کے باعث ردنہ کیا توچاہیے کہ مفتیانِ دین کی روایتوں کوبھی ردنہ کریں۔اس کے باوجودمولف براہین نے اس قسم کی دعا کی حرمت پرکوئی نص

(۱) انفال؛۸؍۴۶۔

شرعی روایت نہیں کی جس طرح کہ ہم نص قطعی آیت **لاتنازعوا** پیش کرتے ہیں لہٰذا ان کا دعویٰ بلا دلیل شرعی نامسموع، اور ان کا یہ خیال ان سات مذکورہ بالا وجہوں کی وجہ سے مدفوع ہے۔

دوسرا اعتراض روحوں کے آنے پر براہین کے صفحہ ۸۰ پر یہ ہے کہ :

یہ روایتیں مخالف صحاح کے ہیں کیوں کہ مشکوٰۃ میں نسائی اور احمد سے منقول ہے کہ جب میت کی روح برزخ میں جاتی ہے تو ارواح جمع ہوکر اپنے اقارب کا حال پوچھتی ہیں تو وہ جو پہلے مرلیا تھا اس کو کہتا ہے کہ وہ تو مجھ سے پہلے مرلیا تھا اگر ہر ہفتہ ارواح اپنے گھر جاتی ہیں تو ان کو کیا حاجت استفسار کی ہے۔

**جواب** : استفسار کی حاجت کیوں نہیں مثلاً ایک شخص ہر ہفتہ اپنے گھر آتا ہے اور شب باش ہوکر چلا جاتا ہے تو اس شخص کے چھ روز چلے آنے کے بعد اگر کوئی اس کے گھر سے آئے گا تو وہ اپنے اقربا کا حال پوچھے گا یا نہ پوچھے گا؟ سبھی عقلمند جانتے ہیں کہ وہ ضرور پوچھے گا تو اسی طرح روح' شب جمعہ اپنے گھر گئی تھی تو جو آدمی چارشنبہ یا روز پنجشنبہ کو مرے گا اور اس کی روح عالم برزخ میں جائے گی تو وہ روح پانچ چھ روز کی غیبوبت کا حال اس روحِ تازہ سے ضرور پوچھے گی کہ فلاں آدمی کس طرح ہے اور فلاں کس طرح؟ اور اسی طرح اگر اس کا کوئی قریبی روز شنبہ یا شام جمعہ کو مر گیا ہوگا اور اپنے شومیِ اعمال سے وہ دوزخ میں گیا' ارواح مومنین میں نہ پہنچا، پھر کوئی دوسرا عزیز مومن مخلص چارشنبہ کو مرکر ارواح مومنین میں پہنچا تو وہ ضرور یہ بیان کرے گا کہ وہ قریبی آدمی جو مجھ سے چار پانچ روز پہلے مرا کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا؟ تب وہ روحیں کہیں گی کہ بس وہ دوزخ میں گیا۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ روح ہر ہفتہ گھر پر آتی، اپنے ایک عزیز کو ہمیشہ غیر موجود پاتی چوں کہ اس وقت آدمیوں سے اس کو پوچھنا ممکن نہ تھا ہمیشہ یہ خیال کرکے چپ چلی جاتی کہ شاید وہ کہیں پردیس میں گیا ہے لیکن جب اس گھر میں کوئی مخلص مومن مرا اور اس کی روح ارواحِ مومنین میں پہنچی تب اس عزیز کا حال دریافت کیا تو جواب دیا کہ وہ تو مجھ سے پہلے مر چکا ہے، کیا تمہارے پاس نہیں آیا؟ تب وہ روح جان لیتی ہے کہ اس عزیز کو ہر ہفتہ مکان پر موجود نہ دیکھ کر جو یہ سمجھتی کہ وہ کہیں پردیس میں ہوگا تو پردیس میں نہیں بلکہ وہ دوزخ میں پہنچ گیا ہے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ روح کا اپنے گھر آنا منقول ہو، ہمارا دعویٰ یہ تو نہیں کہ وہ اپنے سب اقربا عزیزوں اور دوست آشناؤں کے گھر بھر جاتی ہے تو جائز ہے کہ وہ روحیں اپنے ان دوست آشنا اور عزیزوں کا حال پوچھتی ہوں گی جو اس کے خاص گھر میں نہیں رہتے تھے۔ لفظ حدیث میں نہ تو اپنے

خاص گھر میں رہنے والوں کی قید ہے اور نہ یہ کہ خاص اپنے ذوی القربیٰ کا حال پوچھے گا بلکہ جائز ہے کہ اپنے بعض دوست داروں اور غم گساروں کا حال دریافت کریں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں :

فَيَسْأَلُوْنَهُ مَاذَا فَعَلَ فُلَانٌ مَاذَا فَعَلَ فُلَانٌ ......فَيَقُولُ قَدْ مَاتَ أَمَا أَتَاكُمْ فَيَقُولُونَ قَدْ ذَهَبَ بِهٖ إِلٰى أُمِّهِ الْهَاوِيَةِ . (۱)

یعنی اس نئے مردے سے پہلے مردے پوچھتے ہیں فلانے کا حال کیا ہے فلانے کا حال کیا ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ وہ تو مر چکا کیا تمہارے پاس نہیں آیا؟ تب وہ کہتی ہے کہ اس کا مطلب یہ کہ وہ دوزخ میں پہنچ گیا - انتہیٰ -

اب سخت دلوں کو نرم کرنے کے لیے ایک قصہ 'نوسو برس پہلے لکھی گئی (۲) ایک نہایت معتبر کتاب سے (پیش کیا جاتا ہے) جس کے مصنف چار واسطے سے امام ابو یوسف کے شاگرد ہیں لاکھوں حدیثیں انھیں یاد تھیں۔ نصر بن محمد جن کا نام 'امام الہدیٰ' جن کا خطاب اور جو فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی کنیت اور لقب سے مشہور ہیں۔ وہ اپنی کتاب ''تنبیہ الغافلین'' میں - باب فضل جمعہ - میں فرماتے ہیں :

میں نے اپنے والد سے سنا وہ فرماتے تھے کہ مجھ تک صالح مزی کا یہ قصہ پہنچا کہ وہ جمعہ کی رات کو جامع مسجد میں نماز فجر پڑھنے آئے، راستہ میں ایک مقبرہ ملا، دل میں آیا کہ صبح صادق کے وقت مسجد چلے جائیں گے (یہ سوچ کر) مقبرے میں ٹھہر گئے، دو رکعت نماز پڑھی اور ایک قبر سے کچھ سہارا لگا لیا اور آنکھوں میں نیند بھر آئی، کیا دیکھتے ہیں کہ سب اصحاب قبور قبروں سے نکل کر حلقہ بنا کر بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔

(میں نے اس وقت) ایک نوجوان کو دیکھا کہ میلے کپڑے میں اُداس و مغموم بیٹھا ہے، اتنے میں خوان پوشوں سے ڈھکے بہت سے خوان آئے، ہر آدمی اپنا اپنا خوان لے کر چلتا بنا آخر وہی جوان بے چارہ رہ گیا اس کے پاس کچھ بھی نہ آیا، وہ غم کا مارا اُداسی کے

---

(۱) سنن کبریٰ نسائی: ۱/۶۰۳ حدیث: ۱۹۵۹......مستدرک: ۳/۳۲۹ حدیث: ۱۲۵۰-۹/۱۹۷ حدیث: ۳۹۲۷......معجم کبیر طبرانی: ۴/۱۷۶ حدیث ۳۷۹۱......صحیح ابن حبان: ۱۳/۲۳ حدیث: ۳۰۷۸......السنۃ لعبد اللہ بن احمد: ۳/۳۸۴ حدیث: ۱۳۳۸۔ معجم اوسط، موارد الظمآن اور مسند شامیین وغیرہ میں بھی الفاظ کے ذرا سے فرق کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے۔

(۲) انھوں نے علم سیکھا ابو جعفر ہندوانی سے، انھوں نے ابو قاسم صفار سے، انھوں نے نصر بن یحییٰ سے، انھوں نے محمد بن سماعہ سے اور انھوں نے امام ابو یوسف سے، اور وہ شاگرد تھے امام اعظم - رحمۃ اللہ علیہ - کے۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ

عالم میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا، جب قبر میں داخل ہونے لگا تو صالح مزی کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا: اے اللہ کے بندے! تو اُداس کیوں ہے؟ تو اس نے کہا تم نے دیکھا نہیں کہ کس قدر خوان آئے ہوئے تھے؟ میں نے کہا ہاں! اس نے کہا یہ تحفہ تحائف تھے جو ان کے واسطے ان کے خیر خواہوں نے بھیجے تھے۔ وہ جو بھی صدقہ و دعا وغیرہ کرتے ہیں ان کو جمعہ کی رات پہنچتا ہے۔ میں ملک ہندکا رہنے والا ہوں، اپنی ماں کو لے کر حج کے واسطے آیا ہوا تھا، بصرہ پہنچا تو میرا انتقال ہوگیا میری ماں نے میرے بعد نکاح کرلیا اور دنیا میں مشغول ہوکر مجھے بھول گئی، نہ منہ سے کبھی نام لیتی ہے اور نہ زبان سے کبھی دعا کرتی ہے، اب میں غمگین نہ ہوں تو کیا کروں، میرا کوئی نہیں جو مجھے یاد کرے۔

تب صالح مزی کہتے ہیں کہ میں نے اس سے پوچھا تیری ماں کہاں ہے؟ اس نے پتا بتادیا۔ میں نے صبح کی نماز پڑھی اور اس کا گھر ڈھونڈتا ہوا اس تک پہنچا، اس نے اندر سے آواز دی، تو کون ہے؟ میں نے کہا صالح مزی۔ اس نے مجھے بلایا اور میں چلا گیا، میں نے کہا بہتر یہ ہے کہ میری اور تیری بات کوئی دوسرا نہ سنے، تب میں اس کے نزدیک گیا .........میں نے کہا اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے۔ تیرا کوئی بیٹا ہے؟ بولی نہیں، میں نے کہا کبھی ہوا تھا، تب وہ سانس بھرنے لگی اور بولی، ایک جوان بیٹا تھا مگر مرگیا تب میں نے وہ مقبرہ والا قصہ اس سے بیان کردیا، اس کے آنسو بہنے لگے اور کہنے لگی، اے صالح مزی! میرا وہ بیٹا میرا کلیجا تھا۔ پھر اس نے مجھے ہزار درہم دیے اور کہا کہ میرے نورِ چشم کی طرف سے خیرات کردیجیے گا اور اب جب تک دم میں دم ہے' میں اس کو دعا و خیرات میں نہ بھولوں گی۔ صالح مزی فرماتے ہیں کہ پھر میں نے وہ ہزار درہم خیرات کردیے، اور اگلے جمعہ کی رات پھر اس مقبرے میں گیا، دو رکعت پڑھی اور ایک قبر کے سہارے سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے ان لوگوں کو قبروں سے نکلتے دیکھا اور اس جوان کو دیکھا کہ وہ سفید کپڑے پہنے ہوئے نہایت ہشاش بشاش میرے پاس آکر کہنے لگا اے صالح مزی! اللہ تیرا بھلا کرے، مجھ کو ہدیہ اور تحفہ پہنچ گیا، میں نے کہا تم جمعہ کو پہچانتے ہو؟ کہا جانور تک پہچانتے ہیں اور یہ کہا کرتے ہیں :

**سلام لیوم صالح یعنی یوم الجمعة —انتھیٰ—**

مبارک دن یعنی روز جمعہ کو سلام۔

اے بھائیو! اگر ایسے امام الہدیٰ کا نقل کیا ہوا یہ درد آمیز قصہ تمہارے دل کو خوف الٰہی سے

نہ ہلا دے تو کمالِ حسرت کی بات ہے۔ پتھر بھی اللہ کے خوف سے نرم ہوجاتے ہیں :

إِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الأَنْهَار . (۱)

اور پتھروں میں تو کچھ وہ ہیں جن سے ندیاں بہ نکلتی ہیں۔

پرانے زمانے ہی سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ پہلے کے لوگ اپنے اپنے مردوں کے لیے جمعہ کی رات کو کھانے پر فاتحہ دے کر حفاظ، ملا، قراے مقابر اور فقرا وغیرہ کو بھیج دیا کرتے تھے۔

حضرت سعدی - رحمۃ اللہ علیہ - کو چھ سو برس سے زیادہ گزر گئے، ان کے کلام سے بھی اس کا پتا ملتا ہے۔ اپنے کلیات کے قصیدہ - درباب تنبیہ حال موت - میں فرماتے ہیں کہ جب آدمی مرتا ہے تو لوگ چند روز اس کو روتے ہیں اور جمعرات کو حلوہ بھی بھیجتے ہیں، لیکن جب کئی برس ہوجاتے ہیں پھر سب بھول جاتے ہیں اور وہ آدمی بے نام ونشان ہوجاتا ہے۔ ان کے اشعار بطورِ التقاط لکھے جاتے ہیں۔

یک ہفتہ یا دو ہفتہ کم وبیش صبح وشام ❁ با گریہ دوست ہمدم وہمداستاں شود

حلوا سہ چار صحن شب جمعہ چند بار ❁ بہر ریا بخانہ ہر گور خواں شود

وانگہ کہ چند سال براں حال بگذرد ❁ آں نام نیز بگذرد وبے نشاں شود

اگلے لوگ جمعرات کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ دو آنے کا مزدور، جس کے پاس کچھ بھی دینے کو نہ ہوتا تھا وہ بھی جو سیر بھر آٹا بال بچوں کے واسطے لاتا، شام کو پکواتا اور اس میں نیت کرتا تھا کہ یارب العالمین! یہ جو بال بچوں کا نفقہ میرے ذمہ تیرے حکم سے واجب ہے اور واجبات الٰہیہ کی ادائیگی سے آدمی ثواب کا مستحق ہوتا ہے، آج جو یہ سیر بھر کی روٹیاں اپنے بال بچوں کو دیتا ہوں، اس نفقہ واجبہ میں میری نیت یہ ہے کہ اس میں مجھ کو جو ثواب ہوتا ہے وہ میرے فلانے عزیز میت کو پہنچے۔ غرض کہ نادار اور تنگ دست آدمی اسی روزمرہ کے نفقہ واجبہ عیال میں سے ایصال ثواب کی نیت کرتے تھے اور فاتحہ درود پڑھنے کے بعد وہ کھانا اپنے بال بچوں کو کھلا دیا کرتے تھے، مردوں کو محروم نہ رکھتے تھے، اور مالدار لوگ تو بہت کچھ دیا کرتے تھے۔ اب جیسے لوگوں کی ہمتیں پست ہوگئیں اور اس بخیلی کے ساتھ یہ بہانہ بھی ہاتھ آگیا کہ اس کو تو مولوی لوگ بدعت کہتے ہیں تو لوگ بالکل ہی اسے چھوڑ بیٹھے، ''اونگھتے کو ٹھیلنے کا بہانہ'' مثل مشہور ہے۔ ہم نے معتبر کتابوں کی روایتیں

(۱) سورہ بقرہ: ۲/ ۷۴۔

تمھیں سنادیں، چاہیے کہ اب سے سستی نہ کرو اور صدقات وخیرات اور فاتحہ ودرود سے اپنے عزیزوں کو یاد کرو۔(۱)

ایک مسئلہ سناتا ہوں کہ جس قدر تم اموات کے نام دوگے یا پڑھ کر بخشو گے سب مردوں کو پہنچے گا اور اسی قدر تم کو بھی ملے گا، تمہارے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی، تم اور مردے دونوں ثواب سے بہرہ مند ہوگے، خزانۂ الٰہی میں کچھ کمی نہیں وہ دونوں کو دیتا ہے :

إِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ . (۲)

بے شک تمہارے رب کی مغفرت وسیع ہے۔

گھاٹا صرف تمہاری نیت کا ہے۔

## لمعہ ثالثہ - عیدین، شب براءت اور عشرۂ محرم میں فاتحہ :

**في خزانة الروايات عن ابن عباس –رضى الله عنهما– يقول إذا كان يوم عيد أو يوم جمعة أو يوم عاشوراء أو ليلة من نصف شعبان تأتي أرواح الأموات و يقومون على أبواب بيوتهم فيقولون هل من أحد يذكرنا هل من أحد يترحم علينا هل من أحد يذكر غربتنا يا من سكنتم بيوتنا و يا من سعدتم بما شقينا و يا من أقمتم في أوسع قصورنا و نحن في ضيق قبورنا و يا من استذللتم أيتامنا و يا من نكحتم نسائنا هل من أحد يتفكر في غربتنا و فقرنا كتبنا مطوية و كتبكم منشورة .**

واضح ہو کہ یہ ''خزانۃ الروایات'' پرانی کتاب ہے جس نسخہ سے یہ عاجز نقل کر رہا ہے وہ قریباً چار سو برس پہلے کا لکھا ہوا ہے، اب دیکھیے تصنیف کب ہوئی ہوگی۔ اس کے مصنف کے بارے میں صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے :

---

(۱) **فائدہ**: فتاویٰ عالمگیری میں مسائل قربانی کے حوالے سے مرقوم ہے کہ اگر کوئی غریب، صاحب اہل وعیال آدمی قربانی کرے اور اسے زیادہ وسعت نہ ہو تو اس کے لیے افضل ہے کہ قربانی کا گوشت تقسیم نہ کرے بلکہ سب اپنے پاس رہنے دے، اپنے اہل وعیال کو فراغت سے کھلائے۔ یوں ہی غریب آدمی فاتحہ کا کھانا اپنے بال بچوں کو کھلا دیتے تھے۔ بعض ناواقف اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ جب بال بچوں کو کھلا دیا تو یہ کیا ثواب ہوا؟ تو اس کا جواب وہی ہے جو رسالہ ہذا میں مذکور ہے۔ نیز صحیحین کی حدیث ہے: **إذا أنفق المسلم نفقة على أهله و هو تحسبها كانت له صدقة .** یعنی مسلمان جو کچھ اپنے بال بچوں پر بہ نظر قربت وثواب خرچ کرتا ہے وہ عند اللہ صدقہ ہے۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ

(۲) سورہ نجم: ۳۲/۵۳۔

یہ قاضی جگن ہندوستان کے حنفی المذہب اور گجرات کے رہنے والے تھے،تمام عمرفتویٰ دینے اور لکھنے میں گزاری-انتہیٰ - (۱)

تو اب اس کامعتبر ہونا ظاہر ہوگیا نیز ہم فاتحہ جمعرات کے بیان میں یہ ذکرکر چکے ہیں کہ مولوی اسحٰق صاحب نے ''مائۃ مسائل'' اور ''مسائل اربعین'' میں اس کتاب ''خزانۃ الروایات'' کی سند پکڑی ہے،تواب اس کتاب کاقدیم اورمعتمد ہوناواضح ہوگیا۔

اس کے علاوہ علی بن احمد غوری نے بھی اس روایت کو''کنزالعباد'' میں ''کتاب الروضۃ'' کے-باب خامس واربعین- سےنقل کی ہے۔ اب دیکھیں کہ اس روایت کا ترجمہ کیا ہے :

''خزانۃ الروایات'' میں حضرت عبداللہ بن عباس -رضی اللہ عنہما- کے حوالے سے مذکور ہے کہ عید، جمعہ یاعاشوراکے دن یانصف شعبان کی رات مردوں کی روحیں آتی ہیں اوراپنے گھروں کے دروازوں پرکھڑی ہوکرفریادکرتی ہیں، ہےکوئی ہمیں یادکرنے والا؟ ہےکوئی ہم پررحم کرنے والا؟ ہےکوئی ہماری بےکسی کا ذکرکرنے والا؟اے کہ تم ہمارےگھروں میں سکونت پذیرہو، ہمارے مال سے عیش کے دن گزاررہے ہو، ہمارے کھلے کشادہ محلوں میں اقامت گزیں ہواور،ہم اپنی تنگ قبروں میں پڑے ہوئے ہیں۔اے کہ تم نے ہمارےیتیموں پرذلت کے دروازے کھول دیےاور ہماری عورتوں کواپنی بیویاں بنالیے،تو کیا کوئی ہماری غربت وبےکسی کی فکرکرنے والا ہے؟ ہمارے صحیفے تولپیٹے جاچکے،مگرتمہارےتوابھی تک کھلے پڑے ہیں۔

واضح ہو کہ جس طرح یہ روایت ''خزانۃ الروایات'' اور''کنزالعباد'' میں ہے اس طرح ''دقائق الاخبار'' میں بھی ہے،اوردقائق الاخبارامام غزالی کی طرف منسوب ہے۔

آیت کریمہ تنزل الملائکۃ والروح میں مفسرین کے چنداقوال ہیں۔بعضوں نے کہا کہ روح ایک فرشتہ ہے۔بعضوں نے کہا کہ وہ حضرت جبرئیل مراد ہیں،بعضوں نے کہ وہ روح 'حضرت عیسیٰ ہیں جوفرشتوں کےساتھ اُترتے ہیں اوربعضوں نے کہا کہ روح سے محمد-صلی اللہ علیہ وسلم- مراد ہیں۔اور دقائق الاخبار کے مطابق بعضوں نے کہا کہ اس سے بنی آدم کی روحیں مراد ہیں۔اس کی عبارت یوں ہے :

**و يقال روح الأقرباء من أموات المومنين يقولون ربنا ائذن لنا بالنزول إلى منازلنا حتى نرىٰ أولادنا و عيالنا فينزلون في ليلة القدر .**

(۱) کشف الظنون:۱/۷۰۲-باب الخاءالمعجمہ -

یعنی کہا گیا ہے کہ اس سے مسلمان مردوں کے رشتہ داروں کی روحیں مراد ہیں جو بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتی ہیں کہ مولیٰ ! ہمیں اپنے گھروں میں اترنے کا اذن عطا فرماتا کہ ہم اپنے اہل وعیال کو دیکھ سکیں تو شب قدر میں وہ اترتی ہیں۔ (۱)

تفسیر عزیزی میں مذکورہ بالا آیت کی تشریح کے تحت لکھا ہوا ہے :

فرودمی آید ملائکہ از آسمان ہا و ارواح از مقام علیین دراں شب۔

یعنی اس شب' آسمان سے فرشتے اور مقام علیین سے روحیں اترتی ہیں۔

پھر تینتیس سطر کے بعد ہے :

ہمراہ جبرئیل - علیہ السلام - جمیع ملائکہ و ارواح نزول می کنند۔

یعنی وہ تمام فرشتے اور روحیں حضرت جبرئیل کی معیت میں اترتی ہیں۔

اب ہوش کے کانوں سے سننا چاہیے کہ باپ کو اولادِ صالح کی دعا سے نفع پہنچتا ہے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے :

وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَهُ . (۲)

یعنی وہ نیک بیٹا جو اپنے باپ کے لیے دعا کرتا ہے۔

اس حدیث میں تم (جیسے) لوگوں کو اشارہ ہوا کہ تم جن کی اولاد ہو اُن کے حق میں دعا کرو اور فاتحہ و درود پڑھو۔

دوسری بیہقی شریف کی حدیث ہے :

---

(۱) میں کہتا ہوں کہ شب قدر میں مردوں کی روحوں کا اترنا محض اقربا کے دیدار کے لیے ہوتا ہوگا اور جو دوسری راتوں کا ذکر گزرا تو وہ صدقہ و خیرات کے انتظار کے لیے ہوگا۔ ۱۲ منہ

(۲) صحیح مسلم: ۸/۴۰۵ حدیث: ۳۰۸۴...... سنن ابوداؤد: ۸/۶۷ حدیث: ۲۴۹۴...... سنن ابن ماجہ: ۱/۲۸۰ حدیث: ۲۳۷ ...... مسند احمد: ۱۸/۳۱ حدیث: ۸۴۸۹...... سنن کبریٰ بیہقی: ۶/۲۷۸...... سنن کبریٰ نسائی: ۴/۱۰۹ حدیث: ۶۴۷۸ ...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸/۳۱ حدیث: ۸۴۸۹...... معجم اوسط طبرانی: ۸/۹۶ حدیث ۳۶۰۶...... معجم صغیر طبرانی: ۱/ ۴۳۱ حدیث: ۳۹۶...... شعب الایمان بیہقی: ۷/۴۵۰ حدیث: ۳۲۹۳...... سنن دارمی: ۲/۱۱۴ حدیث: ۵۷۰...... مستخرج ابوعوانہ: ۱۱/۴۴۷ حدیث: ۴۷۰۷...... مسند ابویعلی موصلی: ۱۳/۲۲۱ حدیث: ۶۳۲۶...... صحیح ابن حبان: ۱/۱۸۱ حدیث: ۹۳...... صحیح ابن خزیمہ: ۹/۱۳۲ حدیث: ۲۲۹۷...... مشکل الآثار طحاوی: ۵/۲۸۹ حدیث: ۱۹۱۹...... موارد الظمآن: ۱/۲۲۰...... امالی ابن بشران: ۲/۳۰۴ حدیث: ۷۵۷...... الادب المفرد بخاری: ۱/۵۹ حدیث: ۳۹...... منتقیٰ لابن جارود: ۱/۴۲۱ حدیث ۳۵۷...... فوائد العراقیین: ۱/۱۰۸ حدیث ۸۱۔

مَـا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ إِلَّا كَالْغَرِيْقِ الْمُتَغَوَّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوة تلحقه من أبٍ أو أخٍ أو صَديقٍ فإذَا لَحِقَتْهُ كَانَ أحَبَّ إلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَ مَا فِيْهَا . (۱)

یعنی قبر کے اندر مردے کی مثال کسی ڈوبتے فریادی کی سی ہوتی ہے۔ یوں ہی مردے بھی اپنے متعلقین مثلاً باپ بھائی اور دوست کے صدقوں کے منتظر ہوتے ہیں، جب کچھ صدقہ وخیرات انھیں پہنچتا ہے تو یہ ان کے لیے دنیا اور مافیہا سے بہتر ہوتا ہے۔

اس حدیث میں یہ اشارہ ہوا کہ ماں باپ بھی اپنی اولاد کو دعاے خیر میں یاد رکھیں، یوں ہی بھائی' بھائی کو اور دوست' دوست کو۔ کیوں کہ اس حدیث سے اشارہ مل گیا کہ مردہ ان سب کی طرف امید لگائے رہتا ہے۔ غرض دونوں حدیثوں کے مضمون سے یہ بات ثابت ہو گیا کہ احباب واقربا کو چاہیے کہ اپنے (مرحومین) دوست ورشتہ دار کو یاد رکھیں۔

لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ دنیا کے جنجال میں پھنس کر اپنے مردہ عزیزوں کو بالکل بھول جاتے ہیں، روزانہ بھلا کیا یاد کریں گے اگر تیوہاروں یعنی عید بقرعید شب براءت اور محرم کو یاد کرلیں تو وہی غنیمت ہے، کیوں کہ تیوہاروں میں کھانے کی کثرت ہوتی ہے، طرح طرح کی چیزیں پکتی ہیں اور دوست آشناؤں میں تحفہ ہدیہ بھیجا جاتا ہے۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ زندہ آدمیوں کو تو تحفہ تحائف بھیجیں جب کہ وہ خود بھی پکوا کر کھا سکتے ہیں اور میت کو- جو کہ بالکل بے بس و بے کس ایک تنگ وتاریک غار میں پڑی ہوئی ہے، اس کے اعمال بھی منقطع ہو چکے، کچھ کر بھی نہیں سکتے - ذرا بھی یاد نہ کرنا کس قدر غفلت کی بات ہے، اور جو کوئی ملا عالم ہو کر اس (نیک) کام سے لوگوں کو روکے وہ مردوں پر ظلم وزیادتی کا کتنا (بھاری بوجھ) اپنی گردن پر لادتا ہے۔ یا اللہ! ایک پہلے دور کے عالم وفاضل تھے کہ خیرات وحسنات کی رغبت دلایا کرتے تھے، (اور ایک یہ ہیں۔)

''خزانۃ الروایات'' کے مصنف لکھتے ہیں :

میں آغاز جوانی سے کتب فقہ اور فتویٰ ومسائل میں کوشش کرتا رہا اور جب استفتے پیش ہوتے تھے تو جب تک ان کتابوں سے اس کے جواب نہ نکال لیتا چین نہیں آتا تھا، اور میں مطالعہ کتب اور مباحثوں میں برابر لگا رہتا تھا، مشکلیں حل کرتا تھا اور یوں پوری عمر فتویٰ دینے میں گزار دی اور جس قدر فتوے دیتا وہ سب اس کتاب میں لکھ دیا کرتا تھا- انتہیٰ -

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح : ۲/۳۰ حدیث: ۲۳۵۵......شعب الایمان بیہقی: ۱۶/۴۲۳ حدیث ۷۶۶۲- ۱۹/۲۸۸ حدیث : ۸۹۸۷......کنز العمال: ۱۵/۴۹۷ حدیث: ۴۲۹۷۱......تخریج احادیث احیاء علوم الدین: ۹/۴۰۷ حدیث: ۴۴۰۷۔

آپ دیکھیں کہ یہ شخص سیکڑوں برس پہلے کا عالم وفقیہ، ہندوستان کا قاضی اور فتویٰ جاری کرنے والا اپنا فتویٰ اس کتاب میں لکھتا ہے اور روایت کرتا ہے کہ تیوہاروں میں روحیں آتی ہیں -جیسا کہ اس کی روایت گزری -تو معلوم ہوا کہ عیدین وغیرہ تیوہاروں میں فاتحہ کا دستور قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے اور یہ بزرگوں کا حکم کیا ہوا، جائز رکھا ہوا اور حدیث سے نکالا ہوا ہے، کوئی جاہلوں کا ایجاد کردہ نہیں، جاہل کسی دینی اور شرعی قاعدہ کا موجد نہیں ہوسکتا اور نہ کوئی کسی جاہل کا اتباع کرے گا۔ اہل اسلام کی یہ سب نیک رسمیں علما وصالحین کی تلقین فرمائی ہوئی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ عیدین وغیرہ میں جو فاتحہ دیتے ہیں تو حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کے نام کا جدا نکالتے ہیں۔ اور یہ مسئلہ بھی امام ربانی مجدد الف ثانی کے کلام میں موجود ہے، جن سے مانعین بھی عقیدت رکھتے ہیں، وہ اپنے مکتوبات کی تیسری جلد میں لکھتے ہیں :

بایدکہ ہر گاہ صدقہ بہ میت نیت کند اول باید کہ بہ نیت آں سرور -علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام- ہدیہ جدا سازد و بعد ازاں تصدق کند کہ حقوق آں سرور -علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام- فوق حقوق دیگران ست و نیز بریں تقدیر احتمال قبول صدقہ است بطفیل آں سرور -علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام- انتہیٰ -

یعنی جب بھی میت کے ایصال ثواب کے لیے صدقہ کی نیت کی جاتی ہے تو چاہیے یہ کہ پہلے نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کے نام کا الگ سے ہدیہ دیا کرے پھر اس کے بعد کسی اور کے نام صدقہ کرے کیوں کہ سرورِ دوعالم -صلی اللہ علیہ وسلم- کے حقوق دوسرے لوگوں کے حقوق سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہیں، ساتھ ہی حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کے طفیل' صدقہ کی قبولیت کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

سبحان اللہ! ایک (دور میں) ایسے ایسے دین دار علما تھے جو ہدایت کے کیا کیا طریقے تعلیم فرماتے تھے اور ایک اب پیدا ہوئے ہیں کہ عہد قدیم اور سلف صالحین سے چلے آتے معمولات و خیرات کو بند کرتے جاتے ہیں۔

مولوی اسحٰق صاحب نے 'مائۃ مسائل'' میں یہ جو تحریر فرمایا ہے :

آمدن ارواح دریں شبہا از احادیث صحیحہ مرفوعہ متصل الاسناد ثابت نگشتہ۔

یعنی اس رات روحوں کا آنا صحیح ومرفوع اور متصل الاسناد احادیث سے ثابت نہیں ہے۔

''مسائل اربعین'' میں ان حدیثوں کی بابت لکھا :

بعض علماے محدثین ایں روایات را تضعیف ہم فرمودہ اند و بیان غرابت آن آوردہ-انتہیٰ-

یعنی بعض علماے محدثین نے ان روایتوں کا ضعف بیان کیا ہے اوران کی غرابت دکھائی ہے۔

تو میں کہتا ہوں کہ اس کلام سے بس اسی قدر ثابت ہوا کہ یہ حدیثیں صحیح متصل الاسناد نہیں اور بعض محدثوں نے ان کو ضعیف بھی کہا ہے تو اصول حدیث میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حدیث صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث موضوع ہو۔ چنانچہ ملاعلی قاری اور صاحب مجمع البحار اپنے رسائل موضوعات حدیث میں لکھتے ہیں :

**قال الزركشي بين قولنا لم يصح و قولنا موضوع بون بعيد كثير فإن الوضع إثبات الكذب و الاختلاف و قولنا لم يصح لا يلزم منه إثبات العدم .**

-إلیٰ آخرہ- (۱)

یعنی اِمام زرکشی فرماتے ہیں کہ ہم جوکسی حدیث کو کہتے ہیں کہ صحیح ہے اورکسی کو کہتے ہیں کہ موضوع ہے تو اس میں کھلا ہوا فرق ہے۔اس لیے موضوع کہنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ روایت جھوٹ پرمبنی ہے لیکن جب ہم کہتے ہیں کہ ’’صحیح نہیں‘‘ تو اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ یہ حدیث جھوٹی بنائی ہوئی ہے۔

ہاں! البتہ صحیح نہ ہونے سے یہ ضرور ثابت ہوجاتا ہے کہ ضعیف ہے تو لؤاب حدیث ضعیف کا حکم سنو۔تفسیر روح البیان' جلد دوم-مطبوعہ مصر- کے صفحہ۲۳۲ میں ہے :

**و إن كانت ضعيفة الأسانيد فقد اتفق المحدثون على أن الحديث الضعيف يجوز العمل به في الترغيب والترهيب .**

یعنی اگر حدیثیں ضعیف ہیں تو محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نیک کام کی رغبت دلانے اور برے کام سے ڈرانے کے لیے ضعیف حدیثوں پر عمل کرنا جائز ہے۔(۲)

اس کلام کو صاحب روح البیان نے امام نووی، حلبی اورابن فخر الدین رومی وغیرہم کے حوالے سے نقل فرمایا ہے۔یوں ہی علامہ ابن حجر کی تالیف ’’فتح المبین‘‘ میں منقول ہے :

---

(۱) تذکرۃ الموضوعات:۱/۷۔

(۲) تفسیر روح البیان:۵/۲۴۱۔

**و قد اتفق العلماء على جواز العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال . (۱)**

یعنی علماے کرام کا اتفاق ہے کہ فضائل اعمال کے سلسلے میں ضعیف حدیثوں پر عمل درست ہے۔

میر سید شریف - رحمہ اللہ - ''اصولِ حدیث'' میں لکھتے ہیں :

**و يجوز عند العلماء التساهل في أسانيد الضعيف في فضائل الأعمال.(۲)**

یعنی فضائل کے سلسلے میں وارد ہوئی حدیثوں کی اسناد کی بابت علما کرام نے تساہل کو روا رکھا ہے۔ (۳)

اعضاے وضو کے دھونے کے بارے میں جو دعائیں وارد ہوئی ہیں وہ سب کی سب ضعیف ہیں تو اس سے متعلق صاحب درمختار نے لکھا :

**فيعمل به في فضائل الأعمال . (۴)**

یعنی فضائل اعمال کے سلسلے میں اس پر عمل کیا جائے گا۔

نسائی کا یہ طریقہ تھا کہ جس راوی کو علماے حدیث نے بالاتفاق چھوڑ دیا ہو اس کی حدیث کو وہ نہ لیتے تھے باقی ہر قسم کی ضعیف حدیثیں لے لیتے تھے۔ اور ابوداؤد کا مذہب یہ تھا کہ وہ حدیث ضعیف کو امام مجتہد کی رائے سے افضل جانتے تھے اور یہ نسائی وابوداؤد کے مصنّفین صحاح ستہ کے دو امام ہیں۔

شرح سفر السعادۃ میں ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ امام اعظم - رحمۃ اللہ علیہ - کے سب اصحاب اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث ضعیف' قیاس اور اجتہاد پر مقدم ہے۔ تو حدیث ضعیف کی یہ شان نہیں کہ ہر طرح اس کو رد کیا کریں اور کسی موقع پر اسے قبول نہ کریں۔

---

(۱) الاربعین النوویہ: ۱/۱...... تفسیر روح البیان: ۵/۲۴۱۔

(۲) المختصر فی اصول الحدیث: ۲/۱...... تذکرۃ الموضوعات: ۱/۵۔

(۳) اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام طبرانی نے ایک حدیث نقل کی ہے جس کا ایک راوی رشدین بن سعد ضعیف تھا مگر اس حدیث کا حکم یہ بیان کیا ہے : **و قد قبل منه ما حدث في فضائل الأعمال .** (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۴/۳۹۴) یعنی تحقیق کہ اس نے جو روایت کیا فضائل اعمال میں اس کو قبول کر لیا گیا ہے۔

(۴) درمختار: ۱/۱۳۸...... شرح مسند ابی حنیفہ: ۱/۲۶۔

شاہ ولی اللہ صاحب ''انتباہ'' میں لکھتے ہیں :

**و ورد في فضائل رجب الأحاديث بأسانيد ضعيفة لا بأس بالعمل بها فإن وجد في نفسه قوة فليعمل بها .**

یعنی ماہِ رجب کے فضائل کے سلسلے میں ضعیف سندوں سے کچھ حدیثیں وارد ہوئی ہیں مگر ان پر عمل میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس میں کچھ قوت پالی جائے تب تو اس پر ضرور عمل پیرا ہونا چاہیے۔

مولوی قطب الدین خان صاحب نے ''مظاہر الحق'' میں چھ رکعت صلوٰۃ الاوّابین کے بارے میں لکھا ہے :

اگر چہ ترمذی وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے مگر فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے۔انتہیٰ -

میں کہتا ہوں کہ صلوٰۃ الاوابین کی حدیث ایسی ضعیف ہے کہ جس کی بابت مشکوٰۃ میں (امام ترمذی کا قول) ہے :

**لا نعرفه إلا من حديث عمر بن أبي خثعم و سمعت محمد بن إسماعيل يقول هو منكر الحديث و ضعفه جدا.**(۱)

یعنی اس کا پتا ہمیں صرف عمر بن ابی خثعم کی حدیث سے ملتا ہے اور میں نے محمد بن اسماعیل کو کہتے سنا کہ عمر بن ابی خثعم منکر الحدیث ہے اور انھوں نے اس کو بہت ضعیف کہا۔

تو مولوی قطب الدین خان صاحب نے شرح ملا علی قاری سے اس درجہ کی حدیث پر عمل کرنا بھی ثابت کیا ہے، اور اعمال میں حدیث ضعیف کے مقبول ہونے کی بہت سی مثالیں مسائل فقہیّہ میں ثابت ہیں۔طوالت کے باعث صرف انھیں عبارات منقولہ پر اکتفا کر کے اب حدیث ضعیف کے سلسلے میں اصول حدیث اور اصول فقہ میں جو قاعدہ کلیہ بیان ہوا ہے اسے نقل کرتا ہوں کہ حدیث ضعیف کو صفات باری تعالیٰ ،حرام وحلال اور اعتقادیات کے سلسلے میں نہیں لیا جاتا البتہ وہ معجزات ،احوال قیامت، پند ونصیحت اور فضائل اعمال میں مقبول ہے۔اور فضائل اعمال کے معنی شارح درمختار علامہ شامی نے یہ لکھے ہیں :

(۱) مشکوٰۃ المصابیح:۱/۲۶۰ حدیث:۱۱۷۳۔

کسی عمل کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے حدیث ضعیف کو لے لینا جائز ہے۔
انتہیٰ۔(۱)

ضعیف پرعمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ عمل ایسا ہو کہ ایک عام قاعدۂ شرعیہ میں داخل ہو اور شرط لگانے میں حکمت یہ ہے کہ حدیث ضعیف کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ وہ جھوٹی بے اصل ہے بلکہ اس کے صادق ہونے کا بھی امکان ہے۔تو اگر وہ حدیث ضعیف نفس الامر میں عنداللہ صحیح تھی تو اس پرعمل ہونا بہت اچھا ہوا،اور اگر نفس الامر میں ثابت نہ تھی تو اس پرعمل کرنے سے کوئی نقصان لازم نہیں آیا کیوں کہ وہ عام شرعی قاعدہ کلیہ میں داخل ہے۔مثلاً یہی وضو کے اعضا دھونے والی دعائیں جوضعیف حدیثوں سے ثابت ہوئی ہیں اگر یہ نفس الامر میں عنداللہ صحیح ہیں تو ان احادیث کا حق ادا ہوگیا اور ثواب موعود مل گیا۔اور یہ حدیثیں عنداللہ صحیح نہیں تو ہرعضو پر جدا جدا دعا پڑھنے سے گنہ گار بھی نہیں ہوا کیوں کہ اس نے دعا ہی تو پڑھی ہے کوئی گناہ تو نہیں کیا اور مطلق دعا کا مانگنا شرع سے ثابت ہے۔اور ایک ضعیف حدیث میں بھی حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

جس شخص کو میری طرف سے کوئی حدیث پہنچی اور اس نے اس پرعمل کیا تو اس کو ثواب ملے گا اگرچہ فی الواقع وہ حدیث میری نہ ہو۔

چنانچہ یہ مضمون فقیہ شامی نے علامہ ابن حجر سے نقل کیا ہے۔

(فیعمل به في فضائل الأعمال) لأنه إن كان صحيحا في نفس الأمر فقد أعطِي حقُّه من العمل و إلا لم يترتب على العمل به مفسدةُ تحليلٍ و لا تحريمٍ و لا ضياعِ حق للغير ، و في حديث ضعيف [مَنْ بَلَغَهُ عَنِّي ثَوَابُ عَمَلٍ فَعَمِلَهُ حَصَلَ لَهُ أجرُهُ وَ إنْ لَمْ أكُنْ قُلْتُهُ] -أو كما قال- (۲)

اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب نے جو ماہِ رجب میں ہزاری روزہ اور اس کی رات کو جاگنے کا حکم دیا ہے تو وہ بھی اسی قاعدہ پر مبنی ہے۔یعنی اگرچہ دن اور رات کی یہ تخصیص ضعیف حدیث سے ثابت ہوئی لیکن مطلق روزہ رکھنا اور شب میں عبادت کرنا تو دین میں ثابت ہے۔

(۱) ردالمحتار:۱/۳۴۷۔
(۲) ردالمحتار: ۱/۳۴۷۔

اسی طرح مولوی قطب الدین خان صاحب نے جو چھ رکعت اوابین کے بارے میں لکھا ہے تو اس میں بھی یہی قاعدہ ہے یعنی اگر چہ یہ حدیث بہت ضعیف اور منکَر ہے لیکن کوئی اگر اس تعین زمان اور تخصیص رکعات پر اس ضعیف حدیث کے موافق عمل کرے گا تو کچھ برائی نہ ہوگی کیوں کہ مطلق نفل کا پڑھنا تو ہر وقت جائز ہے۔

یہاں ایک اور مسئلہ سمجھنا چاہیے کہ فقہا - رحمہم اللہ - حدیث ضعیف سے ثابت ہونے والے عمل کو مستحب لکھا کرتے ہیں، چنانچہ اسی صلوٰۃ الاوابین کو حدیث منکر ہونے کے باوجود فقہا مستحب اور مندوبات میں لکھتے ہیں۔ اسی طرح وضو میں گردن کا مسح حدیث ضعیف سے ثابت ہوا ہے مگر اس کو بھی مستحب لکھتے ہیں۔ اور ماہِ رجب کے روزے کو ''فتاویٰ عالم گیری'' میں مرغوبات ومندوبات کے ذیل میں لکھا ہے۔

جب یہ قواعد وفوائد ذہن نشیں ہو گئے تو اب ہم فقہا ومحدثین کے اس قاعدۂ مقررہ کو اس متنازع فیہ مسئلہ - یعنی روحوں کے آنے - میں جاری کر کے دکھاتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں ہماری پہلی گفتگو یہ ہے کہ وہ جو فاضل مذکور نے لکھا ہے کہ بعض محدثین نے روحوں کے آنے والی حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ بعض محدثین کے ضعیف کہنے سے لازم نہیں آتا کہ کل کے نزدیک ضعیف ہو۔ ملا علی قاری وغیرہ لکھتے ہیں :

**لاحتمال أن يكون الحديث موضوعا من طريق صحيحا من آخر .** (۱)

کیوں کہ ایسا ممکن ہے کہ حدیث ایک جہت سے تو موضوع ہو مگر دوسری جہت سے صحیح ہو۔

تو اس بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ چوں کہ صاحب ''خزانۃ الروایات'' نے روحوں کے آنے کی یہ حدیثیں اپنے فتاویٰ میں درج فرمائیں جن کی سند اسی فاضل نے اپنی تصنیفات میں لی ہے - اور اس کے فضائل کئی وجہوں سے ہم اوپر بیان کر آئے ہیں - تو ضرور یہ بات ان کی صحت وقوت اور مفتی بہ ہونے پر دلیل ہے۔ مفتیانِ دین کا ایک حدیث کو لے لینا قوت کی دلیل ہوتی ہے۔ اور اگر بالفرض ہم اس فاضل کے کہنے کے مطابق ان احادیث کا ضعیف ہونا تسلیم کر لیں تو فروعِ مسائل اور فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا فقہا ومحدثین سے بالاتفاق اور بالاجماع ثابت ہے، لہٰذا جو آدمی ان حدیثوں پر عمل کرے کہ کچھ صدقہ اور فاتحہ ودرود تیوہاروں میں کرے تو بلاشبہہ یہ کام جائز بلکہ

---

(۱) یعنی جس محدث نے کسی حدیث کو موضوع کہا ہے اس کو خراب اسناد سے پہنچی ہے؛ اس لیے وہ موضوع کہتا ہے، اور دوسرا محدث جو اس کو پسند کرے تو اس کے نزدیک اچھی اسناد سے ثبوت ہوا ہے۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ

مستحب ہوگا، اس لیے کہ اگر واقعی وہ روحیں آئی تھیں تو-سبحان اللہ-اصل مدعا ثابت ہوا کہ وہ خوش وخرم گئیں، اور اگر وہ بددعا کرتیں تو یہ آدمی ان کی بددعا سے بچ گیا اور اس کو ثواب پہنچ گیا۔ اور اگر بالفرض روحیں آتی نہیں تو بھی یہ صدقہ اور فاتحہ ودرود تو ان کو پہنچ ہی جائے گا، ان کا پہنچ جانا تو اہل سنت وجماعت کے نزدیک اصل قاعدہ شرعی سے ثابت ہے، لہٰذا اس بنیاد پر تیوہاروں میں صدقہ اور فاتحہ ودرود کرنے کو نہ صرف جائز بلکہ مستحب کہنا چاہیے، اس کی چند نظیریں فقہا کے کلام سے صلوٰۃ الاوابین، گردن کا مسح اور رجب کے روزے کے حوالے سے ہم پیش کر چکے ہیں، اس کے علاوہ بھی کتب فقہ میں اس کی بہت سی نظیریں موجود ہیں جس کی نظر متون وشروح اور فتاویٰ پر ہے اس سے یہ مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ دلوں میں انصاف دے۔ آمین یارب العالمین۔

## لمعہ رابعہ- تیجہ کا طریقہ :

اس عمل میں پانچ چیزیں ہیں: کلمہ طیبہ پڑھنا، شمار کے لیے دانہ ہائے نخود کا معین کرنا، ختم قرآن کرنا، برادری اور دوست آشناؤں کا قرآن اور کلمہ پڑھنے کے لیے جمع ہونا اور اس کام کے لیے تیسرا دن ٹھہرانا۔

**پہلی چیز** : کلمہ طیبہ کا اختیار کرنا اس لیے ہوتا ہے کہ حدیث میں وارد ہوا ہے :

لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ . (۱)

یعنی لا الہ الا اللہ دروازۂ بہشت کی کنجی ہے۔

امام ابواللیث سمرقندی نے حضرت انس سے روایت کی ہے :

عن النبي –صلى الله عليه وسلم– أنه قيل له يا رسول الله! هل للجنة ثمن قال نعم لا إله إلا الله .

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا یارسول اللہ! کیا جنت کی کچھ قیمت بھی ہے ؟ فرمایا ہاں! کلمہ لا الہ الا اللہ۔

---

(۱) صحیح بخاری:۴/۴۵۶ ملتقطاً......الاسماء والصفات بیہقی:۱/۲۲۱ حدیث:۲۰۷ ملتقطاً۔
مسند بزار کے الفاظ یوں ہیں :
مفتاح الجنة شهادة أن لا إله إلَّا اللّٰه . (بحر زخار مسند بزار:۷/۱۳۵ حدیث:۲۳۱۰)

جب یہ معلوم ہوا کہ کلمہ طیبہ جنت کی کنجی اور اس کی قیمت ہے تو ثواب پہنچانے کے لیے ایسی چیز نہایت درجہ بہتر و افضل ہے۔اس کے علاوہ ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے :

جو کوئی میت کی نیت سے ایک لاکھ بار لا الہ الا اللہ پڑھے اور اس کا ثواب میت کو بخش دے تو اگر وہ عذاب دیے جانے کے قابل بھی ہوگا تو اسے عذاب نہ دیا جائے گا اور اگر قابل عذاب نہ ہوگا تو اس کے درجات بلند کر دیے جائیں گے۔

اور ایک روایت میں ستر ہزار بار لا الہ الا اللہ کا پڑھنا آیا ہے۔(۱)

چنانچہ بزرگانِ دین اس پر عمل پیرا بھی رہے ہیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات کی جلد ثانی میں حکم فرماتے ہیں :

بہ یاران و دوستاں فرمایند کہ ہفتاد ہزار بار کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ بروحانیت مرحومی خواجہ محمد صادق و بروحانیت مرحومہ ہمشیرۂ او ام کلثوم بخوانند و ثواب ہفتاد ہزار بار را بروحانیت یکے بخشند و ہفتاد ہزار بار دیگر را بروحانیت دیگرے از دوستان دعا و فاتحہ مسئول است۔انتہیٰ۔

یعنی مجدد الف ثانی نے اپنے ارادت مندوں سے فرمایا کہ مرحوم خواجہ محمد صادق اور ان کی مرحومہ بہن ام کلثوم کے ایصال ثواب کے لیے ستر ہزار بار کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ پڑھیں۔اور ایک بار ستر ہزار ایک کے ایصال ثواب کے لیے اور دوسری بار ستر ہزار دوسرے کے ایصال ثواب کے لیے بخشیں؛ کیوں کہ دوستوں ہی سے دعا و فاتحہ کی امید کی جاتی ہے۔

حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی-رحمۃ اللہ علیہ-سے بھی اس باب میں ایک قصہ منقول ہے جس کو مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے اپنی کتاب ''تحذیر الناس'' مطبوعہ بریلی کے صفحہ ۴۰ پر لکھا ہے :

حضرت جنید کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا آپ نے سبب پوچھا تو بروئے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔حضرت جنید نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار بار کبھی کلمہ پڑھا تھا یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدۂ مغفرت ہے' اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کو اطلاع نہ کی۔ بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔آپ نے پھر سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں تو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے

(۱) من قال لا إله إلا الله سبعين ألفا غفر الله تعالىٰ له و من قيل له غفر له أيضا . (مرقاۃ المفاتیح:۲/۳۹۹)

مکاشفہ کی صحت تو مجھے حدیث سے معلوم ہوئی اور اس حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہوگئی ۔انتہیٰ ۔

دیکھیے ان روایات احادیث اور سلف صالحین کے دستور العمل سے کلمہ طیبہ کی تخصیص عمدہ طور پر ظاہر ہوگئی لہٰذا اسے بدعت وضلالت کہنے کی تردید ہوگئی ۔

**دوسری چیز**: دانہ نخود کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ دانہ نخود اگر چھوٹا بڑا نہ ہو، متوسط ہو، پہلے کے وزن سے کہ وہ اسی روپے سے زیادہ تھا تو ساڑھے بارہ سیر نخود، از روے شمار ایک لاکھ دانہ ہو جاتا ہے ۔اس عاجز نے بھی اس کو آزمایا ہے اور مولف براہین قاطعہ نے بھی صفحہ ۸۹ کی سولہویں سطر میں اس کی تصدیق کی ہے اور یہ لکھا ہے :

فی الواقع اول میں دانہ نخود کے اختیار کی یہی وجہ تھی - الیٰ آخرہ -

اور حدیث کے دوشمار، ستر ہزار اور ایک لاکھ کے مطابق احتیاطاً سو ہزار یعنی ایک لاکھ پر عمل مقرر کیا گیا اور ہر کسی کی اتنی قدرت نہ تھی کہ اس قدر تسبیحیں جمع کرتا یا جنگل اور بازار وغیرہ سے جامن یا کھجور وغیرہ کی گٹھلیاں چنتا اور جابجا سے سمیٹتا پھرتا ،نخود میں یہ فائدہ ہوا کہ سہل الحصول ہیں جہاں سے چاہا جس نے چاہا بے تکلف مول لے لی ،اس میں شمار کی شمار بھی قائم رہی اور فراغت اور کام ختم ہوجانے کے بعد ان کو تقسیم بھی کر دیا یہ دوسری منفعت حاصل ہوگئی کہ اس کا ثواب بھی میت کو پہنچ گیا ،اور اس قسم کے تعینات سے ممانعت اور کراہت ثابت نہیں ہوسکتی ۔اس کی دلیل یہ ہے کہ ابوداوٗد ،ترمذی ،نسائی ،ابن حبان اور حاکم سے اس حدیث کی روایت بطولہ ثابت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :

آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم - نے ایک عورت کو دیکھا کہ گٹھلیاں یا کنکریاں لیے ہوئے ذکر اللہ شمار کر رہی تھی (مگر آپ نے اس کو منع نہ فرمایا)... (۱)

---

(۱) متن حدیث : عن عائشة بنت سعد عن أبيها أنه دخل مع رسول الله –صلى الله عليه وسلم– على امرأة و بين يديها نوى أو حصى تُسبح به ..........

سنن داوٗد:۴/۲۹۷ حدیث:۱۲۸۲......سنن ترمذی:۱۱/۴۸۳ حدیث:۳۴۹۱......مشکوٰۃ المصابیح:۲/۲۱ حدیث:۲۳۱۱......مستدرک: ۵/۶۵ حدیث: ۱۹۶۷ ......شعب الایمان: ۲/۱۶۶ حدیث: ۶۲۴ ......مسند ابویعلی موصلی: ۲/۱۹۰ حدیث:۶۸۳......مسند بزار:۳/۴۸۱ حدیث:۱۰۷۱......الدعا طبرانی:۴/۳۹۶ حدیث:۱۶۳۲......الدعوات الکبیر بیہقی:۱/۲۸۹ حدیث:۲۵۷......مسند سعد بن ابی وقاص:۱/۸۴ حدیث:۷۴......کنز العمال:۱/۴۷۰ حدیث:۲۰۴۳......مسند الجامع:۱۳/۱۸۹ حدیث:۴۰۹۵......تحفۃ الاشراف:۵/۲۶۴ حدیث:۳۹۵۴ ۔

اس قدر ثبوت سے فقہا - رحمہم اللہ - نے یہ مسئلہ نکال لیا کہ :

**لا بأس باتخاذ السبحة .** (۱)

یعنی تسبیح ہاتھ میں لیے رہنے میں کوئی حرج نہیں۔

حالاں کہ کنکریوں اور گٹھلیوں کی گنتی اور تسبیح میں بڑا فرق ہے، یعنی دانوں کا گول کرنا، پھر دانے بھی عقیق یمن کے عقیق البحر کے صندل زیتون سنگ مقصود استخوان شتر شیشہ و خاک شفا وغیرہ کے ہوتے ہیں، ان میں سوراخ کرنا پھر ان کے شمار سو دانے پر رکھنا پھر ان میں تاگا پرونا، ان میں ایک دانے کو سب دانوں کا امام مقرر کرنا، یہ سب امور مسلم الثبوت اور اہل اسلام کے عمل میں ہیں، حالاں کہ ثبوت صرف کنکریوں پر شمار کرنے کا ہوا ہے مگر ان فروعات زائدہ کے جواز پر صاحب بحر الرائق، حلیہ اور علامہ شامی اس طرح اشارہ کرتے ہیں :

**لا تزيد السبحة على مضمون هٰذا الحديث إلا بضم النوى في خيط و مثل ذلک لا يظهر تاثيره في المنع .**

یعنی تسبیح میں اس حدیث کے مضمون سے کوئی بات زیادہ نہیں؛ سوا اس کے کہ گٹھلیاں ایک تاگے میں پروئی ہوئی ہیں اور ممنوع ہونے میں ایسی باتیں کوئی تاثیر نہیں رکھتیں۔

اب دیکھیے **ضم النوى في الخيط** کا لفظ لکھ کر تسبیح کی جملہ تخصیصات و تعینات - جو اوپر بیان ہوئیں - کی طرف فقہا اِشارہ کر گئے۔ **بقولهم مثل ذالک** - الی آخرہ - یعنی ایسی ایسی باتوں کو منع میں کچھ دخل نہیں کیونکہ تسبیح سے مقصود ذکر کا شمار ہے اور شمارِ ذکر کا جواز حدیث سے پا لیا گیا۔ تو اب دانہ ہائے نخود پر شمار کرنا بھی فقہا کے نکالے ہوئے قاعدۂ شرعیہ کی روشنی میں جائز ہوا، بلکہ تسبیح کے مقابلہ میں دانہ ہائے نخود کے شمار کو حدیث میں مذکور قصہ سے زیادہ مشارکت ہے، کیوں کہ (اس کے مقابلے میں) تسبیح کے اندر بہت سی زائد قیدیں ہیں - جیسا کہ ہم ذکر کر آئے -

**تیسری چیز** : قرآن کا پڑھنا ہے۔ جو لوگ قرآن خوانی کو منع کرتے ہیں وہ دو ایک علما کی عبارتیں پیش کرتے ہیں اور اسے نہایت مستحکم جان کر اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں۔

پہلی سند: یہ ہے کہ ''سیف السنہ'' کے صفحہ ۱۴ پر ''سفر السعادہ'' کی عبارت اس طرح نقل کی ہے :

---

(۱) بحر الرائق: ۴/۱۵۴۔

عادت نبوی نہ بود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند نہ بر سر گور ونہ غیر آں دریں مجموع بدعت است ۔ انتہیٰ ۔

یعنی حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - کی عادت یہ نہ تھی کہ مردوں کے لیے جمع ہو کر قرآن خوانی اور ختم قرآن کریں نہ تو قبر کے پاس اور نہ کہیں اور ہی، تو اس طرح کی چیزیں بدعت ہیں ۔

میں کہتا ہوں کہ حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - صحابہ کے جنازوں کی نماز بذات خود پڑھتے تھے اور یہ نماز ان کی نجات کے لیے کافی ہوتی تھی ۔ فتح القدیر میں ابن حبان اور حاکم سے روایت کی گئی کہ حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی تم میں مر جایا کرے مجھ کو ضرور خبر کیا کرو فإن صلوتی علیه رحمة . بے شک میرا نماز پڑھنا اس پر رحمت ہے، اور یہ قرآن شریف سے بھی ثابت ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَ صَلِّ عَلَيۡهِمۡ إِنَّ صَلوٰتَکَ سَکَنٌ لَّهُمۡ . (۱)

اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو، بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے ۔

اس کی تفسیر ابن عباس نے یہ کی ہے کہ ان لوگوں پر دعا کیجیے بے شک آپ کی دعا ان کے لیے رحمت ہے ۔

امام رازی نے ''تفسیر کبیر'' میں لکھا ہے :

روح محمد - صلی اللہ علیہ وسلم - بہت قوی نورانی اور روشن تھی جب آپ ان کے لیے دعائے خیر کرتے تھے تو آپ کی قوت روحانی سے ان کی روحوں پر فیضان ہوتا تھا، اس پرتوِ نورانی سے ان کی روحیں چمک جاتی تھیں اور ظلمت مٹ کر نورانیت آجاتی تھی - انتہیٰ - (۲)

ظاہر ہے کہ نماز جنازہ میں میت کے واسطے دعا ہوتی ہے اور حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - کی دعا کا حال قرآن، قول صحابی اور تفسیر امام نیز حدیث سے معلوم ہو چکا کہ اس میں کیا کچھ مقبولیت اور فیضانِ الٰہی ہے ۔ ہم اپنے موتی پر جس قدر چاہیں ختم قرآن کریں، کلمہ اور فاتحہ و درود پڑھیں لیکن اس ایک دعا کی برابری - جو لب ہائے سراپا رحمت - صلی اللہ علیہ وسلم - سے کمال مقبولیت و محبوبیت کے ساتھ نکلتی تھی - نہیں ہو سکتی ۔ اور حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - نماز کے علاوہ اور طرح بھی مشکل کشائی فرماتے تھے ۔

---

(۱) سورۂ توبہ: ۱۰۳/۹ ۔
(۲) تفسیر رازی: ۱۴۱/۸ ۔

حضرت جابر فرماتے ہیں :

جب سعد ابن معاذ دفنائے گئے تو حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- نے سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھا، ہم بھی آپ کے ساتھ دیر تک وہی پڑھتے رہے، پھر آپ نے اللہ اکبر پڑھا ہم بھی پڑھتے رہے، پھر حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- سے اس کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اس کو قبر نے دبالیا تھا، اس تسبیح وتکبیر کی برکت سے اس پر قبر ہر طرف سے فراخ ہوگئی۔

یہ امام احمد کی روایت ہے اور مشکوٰۃ میں بھی ایسا ہی ہے۔(۱)

بھلا جہاں اس طور پر مشکل کشائی اور دستگیری ہوتی ہو، اگر وہاں ختم قرآن نہ کیا تو کیا حرج ہے؟ (اور پھر اگر) حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- نے مل کر قرآن نہ پڑھا تو کیا، قبر پر میت کے لیے مل کر ذکر اللہ تو کیا! ۔فقہا کے نزدیک جواز کے لیے بس ایک اشارہ کافی ہوتا ہے۔

اگر بالفرض عہد نبوی میں نہ پائے جانے کے سبب ختم قرآن کو ''سفر السعادہ'' کے قول کی طرح' بدعت کہیں، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن وہ بدعت حسنہ ہے، اسے ناجائز ومکروہ کہنا ہرگز صحیح نہیں۔ کیوں کہ بہتیرے نیک کام حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کے بعد کیے گئے اور بالاتفاق جائز رکھے گئے، اسی کا نام علماے دین نے بدعت حسنہ رکھا ہے۔ ہم پہلے بھی اس کی تحقیق کر چکے ہیں مگر اس مسئلہ کے کچھ خاص جزیئے یہاں بھی پیش کرتے ہیں :

فتاویٰ قنیہ میں ہے :

---

(۱) دلائل النبوۃ بیہقی : ۸۱/۴ حدیث:۱۳۷۷......مشکل الآثار طحاوی:۱۷۶/۹ حدیث:۳۵۲۸......البدایۃ و النہایۃ: ۱۶۴/۴۔ الفاظ حدیث یہ ہیں :

فجلس رسول الله -صلى الله عليه وسلم- على قبره و هو يدفن ، فبينما هو جالس إذ قال : ”سبحان الله“ مرتين ، فسبح القوم ثم قال ”الله أكبر الله أكبر“ فكبر القوم ثم قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم عجبت لهذا العبد الصالح شدد عليه في قبره حتى كان هذا حين فرج له .

مسند احمد بن حنبل: ۳۹۳/۲۹ حدیث: ۱۴۳۴۴......مصنف ابن ابی شیبہ :۳۹۳/۲۹ حدیث: ۱۴۳۴۴......مشکوٰۃ المصابیح:۲۹/۱ حدیث:۱۳۵......مسند جامع:۳۸۳/۹ حدیث:۲۹۹۰۔ ان کتابوں کے الفاظ حدیث ذرا مختلف ہیں :

عن جابر بن عبد اللّٰه الأنصاري ، قَالَ : خَرَجْنَا مَعَ رَسولِ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم- يَوْماً إلىٰ سَعْدِ بن مُعاذٍ حَيْنَ تُوُفِّيَ قال : فلَمَّا صَلّٰى عَلَيْهِ رسول الله -صلى الله عليه وسلم- و وُضِعَ في قَبرِه و سُوِّيَ عَليه ، سبَّحَ رسولُ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم- فَسَبَّحْنَا طَويلا ، ثم كبَّر فكبَّرْنا ، فقيل : يا رسول الله ، لِمَ سَبَّحْتَ ، ثم كبَّرتَ ؟ قال : لَقَد تَضَايَقَ عَلى هذا العبد الصالح قبرُهُ ، حتى فرَّجَهُ اللّٰهُ -عزوجل- عَنهُ .

**وضع اليد على القبر بدعة و القراء ة عليه بدعة حسنة .**

یعنی قبر پر ہاتھ رکھنا تو بدعت ہے مگر صاحب قبر کے لیے کچھ پڑھنا بدعت حسنہ ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' میں فرمایا ہے :

**لا بأس بقراء ة القراٰن على القبور .**

قبروں پر قرآن کریم کی تلاوت میں کوئی حرج نہیں۔

اس جگہ امام مالک نے ایک عجیب قصہ لکھا ہے۔علی بن موسیٰ کہتے ہیں کہ میں ایک جنازہ پر امام احمد بن حنبل کے ساتھ تھا، دفن کے بعد ایک اندھا قرآن پڑھنے لگا، امام احمد نے فرمایا: اُو آدمی! یہ کام بدعت ہے۔جب ہم مقبرہ سے نکلے تو محمد بن قدامہ نے امام احمد سے پوچھا کہ آپ بشر بن اسماعیل کو کیسا جانتے ہیں، فرمایا وہ ثقہ یعنی معتبر ہیں۔انھوں نے پوچھا آپ نے ان سے کچھ علم سیکھا ہے؟ امام نے فرمایا ہاں! جب ان کے اقرار سے معلوم ہوا کہ وہ امام احمد کے استاد ہیں تب محمد بن قدامہ بولے کہ مجھ کو خبر دی بشر بن اسماعیل نے اور ان کو عبدالرحمٰن سے یہ خبر پہنچی کہ جب ان کے باپ علا ابن الحاج کا انتقال ہوا تو انھوں نے وصیت فرمائی کہ جب میں دفن کیا جاؤں تو میری قبر کے سرہانے پنج آیت اور آمن الرسول پڑھو۔اور یہ کہا کہ میں نے ابن عمر کو سنا ہے کہ وہ بھی اس بات کی وصیت کیا کرتے تھے۔اس وقت امام احمد نے فرمایا کہ مقبرہ میں جاؤ اور اس اندھے کو کہہ دو کہ قرآن پڑھتا رہے۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے :

**قراء ة القرآن عند القبور عند محمد -رحمه الله تعالیٰ- لا تُكره و مشائخنا -رحمهم الله تعالیٰ- أخذوا بقوله و هل ينتفع و المختار أنه ينتفع ، هكذا في المضمرات .** (۱)

یعنی قبروں کے پاس قرآن پڑھنے کے بارے میں امام محمد نے فرمایا کہ مکروہ نہیں اور ہمارے مشائخ نے انھیں کے قول کو لیا ہے۔اور پھر یہ کہ اس پڑھنے کا کچھ فائدہ ہے؟ تو مذہب مختار یہی ہے کہ اسے فائدہ پہنچے گا۔مضمرات میں ایسا ہی ہے۔

فتح القدیر میں ہے :

(۱) فتاویٰ ہندیہ:۴/۴۸۲-الباب السادس فی القبر والدفن-

و اختلف في إجلاس القارئين ليقرء وا عند القبر و المختار عدمُ الكراهة . (۱)

یعنی قبر کے پاس قاریوں کو بٹھا کر پڑھانے کے سلسلہ میں اختلاف ہے مگر مختار یہی ہے کہ ایسا کرنا مکروہ نہیں۔

مولوی اسحٰق صاحب نے ''مائۃ مسائل'' کے سوال ہشتادوسوم (۸۳) میں لکھا ہے :

حافظاں را برائے قراءت قرآن نشاندن نزد قبر دریں مسئلہ علما را اختلاف است مختار ہمیں است کہ جائز است - الیٰ آخرہ -

یعنی قبر کے پاس حافظوں کو متعین کر کے قرآن پڑھانے کے سلسلہ میں علما کا اختلاف ہے مگر مختار یہی ہے کہ ایسا درست ہے۔

تو اگر چہ صاحب سفر السعادہ نے قرآن خوانی کو بدعت لکھا مگر امام محمد، امام احمد بن حنبل اور کتب فتاویٰ نیز مولوی اسحٰق صاحب کے کلام سے خوب ثابت ہو گیا کہ قبر پر قرآن پڑھنا مکروہ نہیں نہ جمع ہو کر نہ الگ الگ ۔ اور میت کو اس سے نفع ہوتا ہے۔

حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کے ختم قرآن نہ کرنے سے منع اور کراہت لازم نہیں آتی ، اس لیے کہ آپ زیادہ تر افکارِ جہاد، امت کی اصلاح اور نو آموز مسلمانوں کی تعلیم و ترتیب وغیرہ میں مصروف رہتے تھے، اس قدر فرصت کہاں پاتے تھے۔ اور پھر یہ بھی کہ آپ کی ایک دعا اور صرف نمازِ جنازہ پڑھ دینا ہی ہمارے ختمات قرآن اور اجتماعات اذکار سے کہیں زیادہ افضل و اکمل ہوتا تھا۔ اور آپ کے بعد انصار نے اموات پر قرآن پڑھنا شروع کر دیا اور ان کے پیچھے تمام امت میں رائج ہو گیا - اس کا بیان بس آیا ہی چاہتا ہے - تو قبر پر قرآن پڑھنے کی یہ روایتیں تو ہم نے بیان کر دیں ، اب قبر کے علاوہ اور جگہ جمع ہو کر اگر پڑھیں تو اس کا کیا حکم ہے ؟ اس کو ہم مانعین کی دوسری سند میں بیان کریں گے۔

دوسری سند: مانعین اپنے رسائل میں ''نصاب الاحتساب'' کی عبارت نقل کرتے ہیں :

إن ختم القرآن جهرا بالجماعة و يسمى بالفارسية سيپاره خواندن مكروه - انتہیٰ -

یعنی جماعت کے ساتھ زور زور سے ختم قرآن کرنا - جسے فارسی سیپارہ میں پڑھنا کہتے ہیں - مکروہ ہے۔

(۱) فتح القدیر: ۳/ ۴۳۱ - فصل فی الدفن -

اس کا جواب یہ ہے کہ نماز کے اندر امام کی قراءت سننا اور اس وقت چپ رہنا تو بالاتفاق فرض ہے۔ لیکن اگر خارج نماز کسی جگہ قرآن پڑھا جاتا ہو تو اس کے سننے اور سامعین کے خاموش رہنے میں اختلاف ہے، بعض اس میں بھی چپ رہنے کو فرض کہتے ہیں جب کہ بعض مستحب۔ جو علما مستحب کہتے ہیں ان کے نزدیک اکٹھا ہو کر بلند آواز سے قرآن پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور جو فرض کہتے ہیں ان کے نزدیک جائز نہیں۔

فتاویٰ قنیہ میں ہے :

**یکرہ للقوم أن یقرأ القرآن جملة لتضمنها ترک الاستماع و الإنصات المامور بها کذا في فتاویٰ أبي الفضل الکرماني و قیل لا بأس به کذا روي عن عین الأئمة الکرباسي و عن نجم الأئمة الحکیمي .**

یعنی لوگوں کے لیے ایک ساتھ مل کر قرآن پڑھنا مکروہ ہے، کیوں کہ اس میں قرآن کا سننا نہیں پایا جاتا اور اس موقع پر خاموش رہنے کا حکم ہے۔ فتاویٰ ابوالفضل کرمانی میں یوں ہی ہے۔ اور عین الائمہ کرباسی اور نجم الائمہ حکیمی کی روایت کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں۔

جواز اور عدم جواز کی یہ دونوں روایتیں شرح منیہ میں حلبی اور دوسرے فقہا نے بھی روایت کی ہیں۔ ان روایتوں سے دو فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ علماے سلف میں جو لوگ منع کرتے ہیں انھوں نے (اس کی ممانعت پر) وہ دلیل قائم نہیں فرمائی جو اس زمانہ کے مانعین قائم کرتے ہیں کہ حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - کے وقت قرآن جمع ہو کر نہیں پڑھا گیا اس لیے منع ہے۔ بلکہ یہ دلیل بیان کی ہے کہ جب سب پکار کر پڑھیں گے تو قرآن شریف کا سننا جو فرض ہے، وہ ترک ہو جائے گا۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جن عالموں نے منع کیا تو انھوں نے جہر سے پڑھنے کو منع کیا ہے، چنانچہ ''نصاب الاحتساب'' کی عبارت میں بھی - جس کو مانعین بطورِ سند لاتے ہیں - لفظ جہر صراحۃً موجود ہے، پھر یہ صاحب، علی العموم ختم قرآن کو کیوں منع کرتے ہیں؟ یہ بھی فرمائیں کہ پکار پکار کر نہ پڑھیں تا کہ بالاتفاق جائز ہو اور اگر پکار کر پڑھیں گے تو بعضوں کے نزدیک جائز ہوگا بعضوں کے یہاں نہیں۔ چنانچہ صاحب خزانۃ الروایات نے ''مفید المستفید'' سے یہ فیصلہ نقل کیا ہے :

بدیں عبارت در سپارہ خواندن اختلاف است اگر خوانند چناں خوانند کہ یک دیگر نشنوند۔

یعنی اس عبارت میں سپارہ پڑھنے کے سلسلہ میں اختلاف ہوا ہے، وہ اگر پڑھیں تو اس طرح پڑھیں کہ کوئی دوسرا نہ سنے۔

مولوی اسحٰق صاحب 'خاص' ''مائۃ مسائل'' میں تراسیویں سوال کے جواب میں لکھتے ہیں :

حافظاں را برائے قراءت قرآن نشاندن نزد قبر دریں مسئلہ علما را اختلاف است مختار ہمیں است کہ جائز است بشرطیکہ بہ آواز بلند جمع شدہ قراءت نہ کنند- انتہیٰ -

یعنی قبر کے پاس حافظوں کو متعین کر کے قرآن پڑھانے کے سلسلہ میں علما کا اختلاف ہے مگر مختار یہی ہے کہ ایسا درست ہے۔ ہاں ایسے موقع پر بلند آواز سے نہیں پڑھنا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ جمع ہوکر اگر آہستہ قرآن پڑھیں خواہ قبر پر یا غیر قبر پر تو یہ کسی کے نزدیک منع نہیں۔ دیکھیے ! قرآن کا ایک جگہ جمع ہوکر پڑھنا حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے۔ امام مسلم نے روایت کی ہے کہ :

جس گھر میں لوگ اس لیے جمع ہوتے ہیں کہ آپس میں کلام اللہ کی تلاوت کریں تو ان کے دلوں میں طمانینت وقرار اُترتا ہے، رحمت انھیں ہر طرف سے گھیر لیتی ہے اور ان کے گرد اگرد فرشتے پھرتے رہتے ہیں۔ (۱)

تو یہ کیسی عظیم و جلیل فضیلت و سعادت ہے۔

علاوہ ازیں قاضی ثناء اللہ - رحمہ اللہ - ''تذکرۃ الموتیٰ والقبور'' میں لکھتے ہیں :

حافظ شمس الدین ابن عبد الواحد گفتہ از قدیم در ہر شہر مسلمانان جمع می شوند د برائے اموات قرآن می خوانند پس اجماع شدہ - انتہیٰ -

یعنی حافظ شمس الدین ابن عبد الواحد کہتے ہیں کہ زمانہ قدیم ہی سے ہر شہر میں مسلمان اکٹھا ہوکر مردوں کے لیے قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو گویا کہ اس پر اجماع ہوگیا ہے۔

---

(۱) متن حدیث : و ما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم إلا نَزَلت عليهم السكينة و غشيتهم الرحمة و حَفَّتُهم الملائكة .

صحیح مسلم:۲۱۲/۱۳ حدیث: ۴۸۶۷ ......سنن ابوداؤد:۲۴۸/۴ حدیث:۱۲۴۳......سنن ابن ماجہ:۲۶۱/۱ حدیث:۲۲۱ ......مشکوٰۃ المصابیح:۴۴/۱ حدیث:۲۰۴......مسند احمد:۱۵۹/۱۵ حدیث:۷۱۱۸......شعب الایمان:۲۰۹/۴ حدیث: ۱۶۴۶......سنن دارمی: ۳۹۵/۱ حدیث: ۳۶۴...... اخلاق حملۃ القرآن آجری: ۲۵/۱ حدیث: ۲۰...... امالی ابن بشران:۲۱۶/۲ حدیث:۶۷۴ ......کنز العمال:۵۱۸/۱ حدیث:۲۳۱۶......مسند الجامع:۱۵۷/۴۳ حدیث:۱۴۰۹۵ ......تحفۃ الاشراف:۲۹۳/۱۱ حدیث:۱۲۵۱۰۔

کتب عربیہ میں اس کی عبارت یوں ہے :

**یجتمعون و یقرئون القرآن لموتاھم من غیر نکیر فکان ذلک اجماعا .**

یعنی بلا اختلاف لوگ اکٹھا ہوکر اپنے مردوں کے لیے قرآن پڑھتے ہیں۔ تو اس پر اجماع ہو چکا ہے۔

''غیر نکیر'' کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ پہلے اس میں کوئی اختلاف نہ کرتا تھا۔

ملا علی قاری، امام سیوطی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی سبھی لکھتے ہیں :

**عن سفیان قال کان الأنصار إذا مات لھم المیت اختلفوا إلی قبرہ و یقرؤون القرآن .**

یعنی حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ جب انصار سے کسی کا انتقال ہوتا تو وہ اس کی قبر پر قرآن پڑھنے کے لیے جاتے تھے۔

علامہ عینی شرح ہدایہ کے - باب الحج عن الغیر - میں لکھتے ہیں :

**إن المسلمین یجتمعون في کل عصر و زمان و یقرؤون القرآن و یھدون ثوابہ لموتاھم و علی ھذا أھل الصلاح و الدیانۃ من کل مذھب من المالکیۃ و الشافعیۃ وغیرھم و لا ینکر ذلک منکر فکان إجماعا -انتھیٰ-**

یعنی ہر دور اور زمانے میں مسلمان قرآن پڑھنے کے لیے جمع ہوتے رہے ہیں جس کا ثواب وہ اپنے مردوں کو ہدیہ کر دیتے۔ اسی لیے مذہب مالکی وشافعی وغیرہ میں سے کوئی بھی اہل دیانت وفراست اس کا منکر نہیں، گویا اس پر اجماع ہو چکا ہے۔

ان روایات سے یہ معلوم ہو گیا کہ مذاہب اربعہ اہل سنت و جماعت کے تمام علمائے دین دار محقق اور صلحا ہر شہر میں عہد قدیم ہی سے جمع ہوکر مردوں کے لیے قرآن پڑھتے رہے ہیں اور ان پر کوئی انکار بھی نہیں کرتا تھا۔ مطلب یہ کہ کوئی بڑا محقق اور مستند عالم کہ جس کا انکار انکار شمار کیا جائے ایسا کوئی نہیں جو اسے منع کرتا ہو۔ اور اگر کم درجہ کے علما میں سے کسی نے انکار کیا تو اس کی تردید ہوئی اور اس کے قول پر عمل نہیں ہوتا تھا۔ امت محمدیہ-علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام- کا باجماع واتفاق اسی پر عمل رہا ہے کہ قرآن جمع ہوکر پڑھنا جائز ہے' چاہے قبر پر پڑھا جائے یا کسی اور جگہ۔

**چوتھی چیز:** عزیزوں اور دوست آشناؤں کا کلمہ وقرآن پڑھنے کے لیے اکٹھا ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک لاکھ کلمہ وارثِ میت پڑھ نہیں سکتا، اور اگر کوئی ہمت بھی کرے گا تو مدتوں

میں تمام ہوگا اور یہاں میت کا کام ابھی تمام ہوا جاتا ہے اس کے حق میں جلدی چاہیے، لہٰذا ضروری ہوا کہ ایسی حالت میں دوست آشنا و رشتۂ میت کی مدد کریں کہ ان کے ساتھ مل کر جلد ہی کام تمام کر دیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى . (۱)

نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔

نیز یہ بھی ہے کہ جب وارثانِ میت نے یہ جلسہ ذکر منعقد کیا تو جس قدر مومنین نیکیوں کے طلب گار ہیں سب کا اس میں شریک ہونا حدیث نبوی-صلی اللہ علیہ وسلم- کے مطابق خیر وسعادت کا باعث ہوگا۔رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- نے فرمایا :

إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا . (۲)

یعنی جب تم جنت کی کیاریوں سے گزرو تو اس سے کچھ چر لیا کرو۔

چرنے سے مراد ہے کہ پیٹ بھر کر ثواب حاصل کر لو۔لوگوں نے پوچھا کہ بہشت کے باغات اور سبزہ زار کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا :

حِلَق الذكر .

یعنی جہاں ذکر کرنے والوں کی جماعتیں حلقہ مارے بیٹھی ہیں۔

اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور مشکوٰۃ میں بھی ایسا ہی ہے۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ اس جلسہ میں جو قرآن اور کلمہ پڑھا جاتا ہے، یہ ذکر اللہ ہے یا نہیں؟ اگر کہتے ہو نہیں، تو کیا گل بکاؤلی اور فسانۂ عجائب' ذکر اللہ ہوگا! اور اگر کہو کہ ہاں یہ مجلس، مجلس ذکر ہے تو ہم کہیں گے کہ مخبر صادق -صلی اللہ علیہ وسلم- کے ارشاد کے مطابق یہ مجلس باغ اور سبزہ زار جنت ہے، پھر اس میں چرنے سے منع کیوں کرتے ہو؟۔

اوپر گزرا کہ اہل اسلام کا بلا کسی انکار کے اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ مسلمان جمع ہو کر میت کے لیے پڑھیں تو یہ اجماع ثابت الاصل ہے اور اس کو حدیث جریر بن عبد اللہ کے مطابق "ممنوع اجتماع إلى أهل الميۃ" میں داخل کرنا عقل وفہم سے بہت دور ہے۔

---

(۱) سورہ مائدہ؛ ۵/۲۔

(۲) سنن ترمذی: ۱۱/۴۱۴ حدیث: ۳۴۳۱......مشکوۃ المصابیح: ۱/۱۶۰ حدیث ۷۲۹......سنن نسائی: ۱۱/۴۱۴ حدیث ۳۴۳۱...... مسند احمد: ۲۵/۱۱۱ حدیث: ۱۲۰۶۵......مسند ابن ابی شیبہ: ۲۵/۱۱۱ حدیث: ۱۲۰۶۵ ......شعب الایمان بیہقی: ۲/۹۹ حدیث: ۵۵۷......مسند ابی یعلی موصلی: ۷/۴۵۲ حدیث: ۳۳۳۸......مسند حمیدی: ۷/۴۵۲ حدیث: ۳۳۳۸۔

افسوس! ایک وہ لوگ تھے کہ کسی چیز کو مکروہ سمجھتے ہوئے اگر اس میں کچھ خیر و بہتری نظر آتی تو اس خیر کے باعث اس کی کراہت سے چشم پوشی کر لیتے تھے۔ (آپ دیکھیں کہ) عیدگاہ میں عید کی نماز کے بعد نفل پڑھنا ممنوع ہے۔ اور حضرت سیدنا علی - کرم اللہ وجہہ - نے ایک شخص کو عیدگاہ میں نفل پڑھتے دیکھا مگر اسے منع نہ فرمایا۔ لوگوں نے عرض کی یا امیر المومنین! آپ اس آدمی کو منع نہیں فرماتے، آپ نے جواب دیا کہ مجھ کو خوف آتا ہے کہ کہیں میں ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤں جن کو اللہ تعالیٰ نے جھڑکا ہے :

أ رَأَيْتَ الَّذِيْ يَنْهىٰ عَبْداً إِذَا صَلّٰى . (۱)

بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے۔

حضرت علی کا یہ قصہ درمختار اور فقہ کی دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے، اور درمختار میں اس مقام پر یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ عیدگاہ کے رستہ میں تکبیر نہ کہے اور نہ نماز کے بعد نفل پڑھے، پھر یہ لکھا :

**أما العـــوام فـــلا يُمنعون من تكبير و لا تنفل أصـلا لقـلة رغبتهم في الخيرات . (۲)**

یعنی مگر عوام نیکیوں میں کم دلچسپی لینے کی وجہ سے تکبیر اور نماز عید کے بعد نفل سے نہیں روکے جائیں گے۔

فقیہ شامی نے اس کی شرح یوں لکھی ہے :

**لا سـرا و لا جهـرا في التكبير و لا قبل الصلوٰة بمسجد أو بيت أو بعدها بمسجد في التنفل . (۳)**

ان دونوں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ عام آدمیوں کو عید کے دن تکبیر سے منع نہ کیا جائے خواہ زور سے کہیں یا آہستہ، اور نفلوں سے بھی منع نہ کریں خواہ قبل نماز عید پڑھیں یا بعد، مسجد میں پڑھیں یا اپنے گھر میں، اس لیے کہ عام آدمی تو یوں ہی حسنات و خیرات کی طرف رغبت نہیں رکھتے تو وہ جس طرح بھی خدا کا نام لے لیں غنیمت ہے۔

---

(۱) سورۂ علق: ۹۶/ ۹، ۱۰۔
(۲) درمختار: ۲/ ۱۸۵۔
(۳) ردالمحتار: ۶/ ۱۵۵۔

اب دیکھیے کہ صحابہ کا بھی وہ ایک دور تھا کہ حضرت علی نے یہ خیال فرمایا کہ اگرچہ کراہت کی صورت اس نماز میں پائی جارہی ہے کہ عید کی نماز کے بعد عین عیدگاہ ہی میں نماز پڑھنا طریقہ سنت کے خلاف ہے لیکن پھر بھی یہ فعل خیر ہی تو ہے، اللہ تعالیٰ کی یاد کررہا ہے اور اس کی حضوری میں ہے، منع نہ فرمایا، منع کرنے میں خوف الٰہی محسوس کیا اور کیوں نہ کرتے کہ اللہ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جن کے دلوں میں خوف الٰہی ہوتا ہے۔ اور ایک یہ بھی دور ہے کہ کسی معین دن میں برادرانِ اسلام کے اجتماع کو (کچھ لوگ) اپنے خیال میں مکروہ جان کر کلمہ وقرآن سے منع کرنے میں بھی خدا سے ذرا نہیں ڈرتے۔

**پانچویں چیز:** تیسرا دن معین کرنا۔ تو واضح ہو کہ کسی خاص مصلحت کی وجہ سے کسی دن کا متعین کرلینا شریعت میں وارد ہوا ہے۔ شقیق بلخی - رحمۃ اللہ علیہ - جو کبار تابعین مقبولین سے ہیں وہ عبداللہ بن مسعود صحابی کے ایک شاگرد کی روایت بیان کرتے ہیں :

> عبداللہ بن مسعود ہر جمعرات کے دن وعظ فرماتے تھے، جب لوگوں نے کہا کہ روز وعظ فرمایا کیجیے تو آپ نے فرمایا مجھ کو روز روز وعظ کہہ کر تمھیں تنگ کردینا پسند نہیں آتا، جس طرح میں وعظ کہتا ہوں اسی طرح رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- بھی ہم کو وعظ فرماتے تھے۔(۱)

یہ حدیث صحیحین کی روایت سے مشکوٰۃ میں موجود ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود - رضی اللہ عنہ - نے وعظ کے لیے جمعرات کا ایک دن مقرر کرلیا تھا اور ان کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے بھی دن مقرر کررکھا تھا حالاں کہ وعظ کے لیے کسی دن کی قید کلام اللہ سے معلوم نہیں ہوئی، کیوں کہ قرآن شریف میں وارد ہے :

وَ ذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرىٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ . (۲)

---

(۱) متن حدیث: كان عبد الله يذكّر الناسَ في كل خميس فقال له رجل يا أبا عبد الرحمن لوَدِدت أنك ذكّرتنا كل يوم قال أما أنه يمنعني من ذلك أني أكره أن أملّكم و إني أتخوّلكم بالموعظة كما كان النبي -صلى الله عليه وسلم- يتخولنا بها مخافة السآمة علينا .
صحیح بخاری: ۱/۱۶ حدیث: ۶۸ ...... مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۴۵ حدیث: ۲۰۷۔

(۲) سورہ ذاریات: ۵۱/۵۵۔

اور سمجھاؤ کہ سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے۔

اس میں دن کی قید نہیں ہے، تو ظاہر ہے کہ آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - اور صحابہ نے جو دن متعین کیا تو کچھ مصلحت ہی کے تحت جمعرات کا دن مقرر کیا تھا، ہمارے دور میں اکثر علما نے (وعظ کے لیے) جمعہ کا دن معین کر رکھا ہے کیوں کہ اس کی حکمت و مصلحت یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لیے اطراف و جوانب سے خواندہ و ناخواندہ ہر قسم کے آدمی جمع ہوتے ہیں ایسے مجمع میں وعظ کہنے سے فائدۂ عام ہوتا ہے جب کہ جمعرات کے دن اس فائدہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

**تنقیح**: یہ حدیث ارباب تفقہ فی الدین کے لیے بہت بڑی اصل ہے کہ اگر کوئی دن کسی امر خیر کے لیے کچھ مصلحت کی بنیاد پر معین کر لیا جائے تو جائز ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث سے دن خاص کرنے پر سند پکڑی ہے اور ترجمہ یہ قرار دیا :

**باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة .**

اب ہم اس مقام پر مولوی اسماعیل صاحب کا قول یاد دلاتے ہیں جو ''تذکیر الاخوان'' حصہ دوم تقویت الایمان میں ہے :

> جو امر قرون ثلاثہ میں بلانکیر جاری نہ ہوا اور نہ اس کی مثل و نظیر پائی گئی وہ بدعت ہے۔ انتہیٰ۔

اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی چیز اس زمانہ میں بعینہٖ نہیں ہوئی لیکن اس کی نظیر اس وقت پائی گئی تو وہ بدعت نہیں ہوگی۔

براہین قاطعہ گنگوہی کے صفحہ ۲۹ پر ہے :

> جس کے جواز کی دلیل قرون ثلاثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ کسی وجود خارجی کی وجہ سے ان قرون میں ہوا یا نہ ہوا اور خواہ اس کے جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو وہ سب سنت ہے۔ انتہیٰ۔

دوسرا قول براہین قاطعہ کے صفحہ ۵۶ (میں ہے کہ)

> قرآن و حدیث و قول صحابی سے اگرچہ جزئیہ ہی ہو فقہا کلیہ نکال لیتے ہیں اور پھر اس کلیہ سے جملہ ابواب فقہ کے صدہا مسائل جزئیہ ثابت کرتے ہیں۔ انتہیٰ۔

اب ہم منکرین کے ان مسلمہ اقوال کو مسئلہ متنازع فیہا میں جاری کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ جس طرح وعظ، امر بالمعروف اور علم حاصل کرنا ایک نیک کام ہے اور کسی موقع پر فرض، اور کبھی

سنت ومستحب ہے اسی طرح محتاجوں کو کچھ دینا یا کھلانا بھی نیک کام ہے اور اس کے مراتب بھی جداگانہ ہیں بعض مقام پر سنت ومستحب اور بعض موقع پر فرض ہے جیسا کہ عالم گیری میں ہے :

**و يفترض على الناس إطعام المحتاج في الوقت الذي يعجز عن الخروج و الطلب . (۱)**

یعنی کسی محتاج کو ایسے وقت میں کھلانا آدمیوں کے ذمہ فرض ہوجاتا ہے جب کہ وہ نکل کر کمائی کرنے سے عاجز ہو۔

تو تیجہ ودسواں اور چالیسواں میں بعض محتاج ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کی خبر گیری فرض ہوتی ہے اور بعضوں کی سنت یا مستحب۔ تو اطعام کے سلسلے میں وارث میت بعض افراد میں تو فرض پر عمل پیرا ہوگا اور بعض میں سنت ومستحب پر، جس طرح واعظ کہ جہاں امر بالمعروف مستحب تھا وہاں مستحب کا کرنے والا ہوا، اور جہاں فرض تھا وہاں فرض کا۔ تو حضرت ابن مسعود کا علم کی تعلیم اور امر بالمعروف کے لیے دن معین کرنا صدقات وفاتحہ کے دن متعین کرنے کی نظیر ہے، یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور قرآن کریم کی تلاوت کرنا ہمیشہ سے جائز اور ثابت الاصل ہے جس طرح وعظ کرنا ہمیشہ سے ثابت ہے۔ لیکن تیسرا دن اور اسی طرح بیسواں اور چالیسواں وغیرہ مصلحت کے پیش نظر مخصوص کیے گئے ہیں جس طرح ابن مسعود- رضی اللہ عنہ- نے وعظ کے لیے جمعرات کو مخصوص کیا تھا۔ تو جب کہ اس یوم فاتحہ کے تعین کی نظیر اس زمانہ میں پائی گئی تو یہ تعین بدعت نہ ہوا، اور وہ ابن مسعود- رضی اللہ عنہ- کا تعین گرچہ ایک قضیہ جزئیہ ہے لیکن از روئے فقہ اس سے ایک کلیہ پیدا ہوا جو اوپر مذکور ہوچکا کہ بعض مصلحتوں کی بنیاد پر کسی امر خیر کے لیے کسی دن کو معین کر لینا جائز ہے، یہ ایک مفہوم کلی ہے جس کے نیچے بہت سے متغائر بالتشخص اور متحد بالحقیقت افراد داخل ہیں۔ اور یہ اپنے مقام پر ثابت ہوچکا ہے کہ نوع کا طبعی مقتضی نہیں بدلتا پس جب کہ ایک فرد تعین کا حکم حدیث صحیح سے شروع میں معلوم ہوچکا تو باقی افراد کی تعیین میں بھی وہی حکم جواز جاری ہوگا۔ اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ جب یہ ثابت ہوچکا کہ تعیین یوم کے نوع کا ایک فرد اس وقت موجود تھا تو فی الحقیقت یہ سب افراد تعیین معنوی وشرعی وجود کے اعتبار سے اس وقت موجود تھے گو ان کا وجود خارجی اور ظہور تا قیام قیامت آئندہ کسی وقت میں ہوجائے۔

(۱) فتاویٰ عالمگیری، جز:۴۳، ۲۶۶۔

زبان سے نماز کی نیت کا مسئلہ یاد رکھنا چاہیے کہ تلفظ صرف حج میں ثابت ہوا تھا پھر وضو اور نماز وروزہ، خواہ فرض ہوں یا واجب وسنت، سب میں جاری ہوگیا۔ فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ جب ایک فردِ عبادت میں حکم ثابت ہوگیا تو سب میں ثابت ہوگیا۔
اور عبداللہ بن مسعود - رضی اللہ عنہ - کا یہ قول :

لاَ يَجْعَلُ أحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئاً مِّنْ صَلوتِهِ يَرَى أنَّ حَقّاً عَلَيْهِ أنْ لَّا يَنْصَرِفَ إلَّا عَنْ يَمِيْنِهِ . (۱)

یعنی تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ بنائے کہ وہ یہ سمجھے کہ سلام کے بعد صرف داہنی سمت مڑنا ضروری ہے۔

نماز کے بعد دہنی طرف سے واجب جان کر پھرنے کی نہی کو شامل تھا نہ کہ اس کے سوا کچھ اور۔ لیکن طیبی - رحمۃ اللہ علیہ - نے اس میں ایک کلیہ پیدا کرلیا کہ :

من أصر علی مندوب . إلی آخره .

یعنی جو کوئی کسی امر مستحب پر وجوباً عمل کرے گا اس میں شیطان کا حصہ ہوگا۔

افسوس ان صاحبوں پر آتا ہے کہ اپنے مطلب میں یہ شد و مد سے تحریر کرنا کہ قولِ صحابی سے اگر چہ جزئیہ ہو فقہا کلیہ نکال لیتے ہیں اور پھر اس کلیہ سے جملہ ابواب فقہ کے صدہا مسائل جزئیہ ثابت کرتے ہیں - جیسا کہ قریب گزرا - پھر کیا وجہ ہے کہ دن معین کرنے کے سلسلے میں فعل رسول - صلی اللہ علیہ وسلم - کے ساتھ عبداللہ بن مسعود کا عمل بھی موجود ہے اور متفق علیہ حدیث صحیح سے اس کا ثبوت بھی ہے، اس سے کلیہ پیدا کر کے تعیین یوم کے بہت سے مسائل کیوں نہیں طے کر لیتے !۔
اب ہم اس بیان کو شروع کریں کہ کس مصلحت کے پیش نظر تیجہ کا دن متعین کیا گیا ہے، تو دراصل یہ تعیین، وارثان میت سمیت جملہ کلمہ وقرآن پڑھنے والوں کے لیے فائدہ بخش ہے۔ وارثوں کے لیے اس طرح مفید ہے کہ تعین وتقرر کی قید کی وجہ سے دل پر خوب خیال چڑھا رہتا ہے کہ یہ کام کرنا ضروری ہے تو ان سے یہ کام فوت بھی نہیں ہوتا۔ اور جو لوگ دن معین نہیں کرتے ان کا کام کبھی

(۱) صحیح بخاری:۳/۳۵۸ حدیث:۸۰۵......مشکوٰۃ المصابیح:۱/۲۰۷ حدیث:۹۴۶......سنن دارمی:۴/۱۵۵ حدیث:۱۴۰۱......صحیح ابن حبان:۸/۴۸۲ حدیث:۲۰۳۱......مسند احمد:۷/۴۸۶ حدیث:۳۴۵۱......سنن کبریٰ:۲/۲۹۵......معجم کبیر طبرانی: ۸/۴۵۴ حدیث: ۱۰۰۱۱......اخبار اصبہان: ۱۰/ ۱۳۹ حدیث: ۲۰۳۵......مسند شاشی: ۱/۴۷۷ حدیث: ۴۰۱......مسند جامع:۲۷/۲۹۸ حدیث:۹۰۴۴۔

کا کبھی ہوتا ہے بلکہ بہت سے لوگوں سے چھوٹ بھی جاتا ہے۔ جو لوگ جمعرات کی تعیین میں فاتحہ اموات کی نیت سے روٹیاں کھلا دیتے ہیں وہ تو کھلا دیتے ہیں، اور تخصیص کو بدعت کہنے والے ہفتہ کے ہفتہ بلکہ مہینہ گزر جاتے ہیں روٹی گھر سے نہیں نکال پاتے۔ اور اس تاریخ کے تعین کا دوسرے لوگوں کو فائدہ اس معنی کر ہے کہ اگر دن غیر مقرر رہتا تو کوئی کسی دن پڑھنے آتا اور کوئی کسی دن، (اور اس طرح خوش اسلوبی کے ساتھ یہ) کام جلد نہ ہوتا۔ اور دن مقرر ہونے سے ٹھیک ایک وقت پر سب جمع ہو جاتے ہیں اور خوش انجامی کے ساتھ کام تمام ہو جاتا ہے۔

**اعتراض:** اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگر تم کو ایصالِ ثواب اور امدادِ میت جلدی منظور ہے تو دفن کے ایک دن بعد کیوں نہیں ختم کرا لیتے۔

**جواب:** اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم دوسرا دن مقرر کرتے، اس پر بھی تمھیں اعتراض ہوتا کہ دوسرا دن کیوں مقرر کیا، تعیین تو بدعت ہے۔ اس کے علاوہ اس میں مصلحت یہ دیکھی گئی کہ روز دفن برادری کے آدمی اور دوست آشنا دیر تک تجہیز و تکفین میں رہتے ہیں، دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی میت کی قبر کھودنے اور غسل و تکفین وغیرہ میں کم و بیش ایک ایک پہر اور بعض جگہ دو دو پہر لگ جاتے ہیں، تو اگر دوسرے دن بھی چھ گھڑی یا پہر بھر کی محنت ختم قرآن اور کلمہ طیبہ کے لیے دی جاتی تو لوگوں کا پے در پے آنا کسی قدر دشوار ہوتا اس لیے بیچ میں ایک دن آسائش کے لیے دے کر تیسرا دن معین کیا گیا۔

دوسری مصلحت یہ ہے کہ وارثان میت کی تعزیت کے واسطے شریعت میں تین روز مقرر کیے گئے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے :

**و لا بأس لأهل المصيبة أن يجلسوا في البيت أو في مسجد ثلثة أيام و الناس يأتونهم و يعزونهم .** (۱)

یعنی مصیبت زدوں کو گھر یا مسجد میں تین دن تک بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ لوگ اس میں ان کے پاس آئیں اور ان کی تعزیت کریں یعنی اہل ماتم کو تسلی و تشفی دیں۔

تو تیسرے دن کے معین کرنے میں یہ بھی مصلحت سمجھی گئی کہ ان ایام میں اہل تعزیت کی آمد و رفت رہتی ہی ہے، لوگوں کو بلانے اور جمع کرنے میں چنداں مشقت نہ ہوگی، مومنوں کا اجتماع آسانی سے ممکن ہوگا۔ اور یہ بھی ہے کہ جو قرب و جوار کے موضعوں اور قصبوں میں ان کے دوست

(۱) فتاویٰ عالمگیری: ۴/۴۹۰۔

واقربا رہنے والے ہیں وفات کی خبر ملنے پر وہ بھی اکثر فاتحہ اور ختم قرآن وکلمہ کی امداد میں شریک ہو جائیں گے تو تیسرے دن کی تعیین اسی مصلحت پر مبنی ہے، اور جو کچھ کلمہ وقرآن اس میں پڑھا جاتا ہے اس کی تفصیلی وضاحت اوپر ہو چکی۔ اور یہ تعیین کچھ ہماری مقرر کی ہوئی نہیں بلکہ زمانۂ قدیم ہی سے علمائے دین اور مفتیان شرع متین کی مقرر کی ہوئی ہے۔ اس پر ایک مختصر دلیل یہ ہے کہ ملا علی قاری، سیوطی اور علامہ عینی وغیرہم کے کلام سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ جملہ مذاہب کے علما وصلحا ہر شہر اور ہر دور میں جمع ہو کر ختم قرآن کرتے رہے ہیں اور اس پر امت کا اجماع ہے۔

تو اس بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ کل شہروں اور ملکوں میں ہندستان تو بڑا ملک ہے، جس میں بہت سے شہر ہیں تو یہاں کے علما وصلحا نے بھی جمع ہو کر پڑھنے کا طریقہ اپنے ملک ہندوستان میں ضرور جاری کیا ہوگا۔ تلاش وجستجو کے بعد یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے دور دور شہروں میں یہی طریقہ قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔ اور ہم اپنے آباؤ اجداد سے اور وہ اپنے آباؤ اجداد سے یوں ہی سنتے اور دیکھتے آئے ہیں، سیکڑوں برس کی کتابوں میں ان کا ذکر ہے۔ تو یہ لابدی قرار داد پہلے کے علما وصلحا کی ہے البتہ جب عوام اس تیجہ کی تقریب میں بعض باتیں خلاف شرع کرنے لگے تو ایک خاص وجہ کے سبب علما اس کو منع کرنے لگے۔ چنانچہ ''شرح سفر السعادۃ'' میں شیخ عبد الحق - رحمۃ اللہ علیہ - کا کلام صاف اس امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے :

اما ایں اجتماع مخصوص روز سویم وارتکاب تکلفات دیگر وصرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ بدعت است وحرام - انتہیٰ -

یعنی خصوصی طور پر تیجہ کے دن اکٹھا ہونا اور دوسرے تکلفات کے ساتھ ساتھ یتیموں کا مال بلا وصیت خرچ کرنا بدعت وحرام ہے۔

اہل انصاف دیکھیں کہ شیخ کے اس کلام سے جو صاحب سیف السنہ وغیرہ تیجہ کے دن قرآن وکلمہ پڑھنے کا انکار ثابت کرتے ہیں' کیسی ناانصافی ہے، اس سے اکٹھا ہو کر پڑھنے کی قباحت نہیں ثابت ہوتی بلکہ خاص زمانۂ شیخ میں بعض منہیات کے ساتھ جو اجتماع مخصوص ہوتا تھا، (اس کی قباحت ثابت ہوتی ہے) جس کی طرف لفظ ''ایں اجتماع مخصوص'' سے اشارہ ہوتا ہے۔ نیز شیخ محدث دہلوی اپنے ترجمہ مشکوٰۃ فارسی کے ''باب البکاء علی المیت'' میں لکھتے ہیں :

باک نیست بہ نشستن تا سہ روز در خانہ یا در مسجد وانچہ مردم دریں زمان از تکلّفات کنندہ ہمہ بدعت وشنیع ونامشروع است۔

یعنی گھر یا مسجد میں تین دن تک بیٹھ رہنے میں کوئی حرج نہیں اور جوان دنوں میں کچھ ایسے تکلّفات لوگ کرتے ہیں وہ بدعت، برے اور غیر شرعی ہیں۔

غرض کہ ان کے کلام سے اس اجتماع مخصوص کی برائی، یتیموں کے حق ضائع کرنے اور تکلفات کرنے کی ممانعت پائی گئی، اور اس سے پہلے سفر السعادہ کی جو عبارت ختم قرآن کے بدعت ہونے کے بارے میں تھی تو ہم اس کا جواب تیسرے امر میں دے چکے۔ ہاں موتی کے سلسلہ میں تکلّفات کرنے ممنوع ہیں۔ چنانچہ بعض آدمیوں نے بعض شہروں میں کچھ نئے نئے تکلّفات ایجاد کیے تھے جن کا ذکر ''نصاب الاحتساب'' میں ہے :

**يقطعون أوراق الأشجار و يتخذون منه شيئا على صورة الأشجار و يزيدون بها حول القبر و يلبسون القبر ثياب الحرير إذا كان الميت من أهله أى كأن يلبس ذلک و يحضرون المجامر المصورة بتماثيل ذوات الأرواح كالبازي و نحوه و انه مكروه و يبسطون الفرش و يقوم الشاعر فيمدح الميت بما لم يفعله و انه كذب و يحضرون المصاحف في المقابر و يضعونها في المجلس و لا يقرؤون و ينتظرون حضور الصدر فإن فتح المصحف و أخذ الناس في القراء ة ثم حضر الصدر يغضب عليهم و هل هو الأمر النفس الأمارة بالسوء -انتهیٰ كلامه-**

**و في حاشيته خزانة الروايات : الناس يهيئون الريحان و الورد في الأطباق و ماء الورد في القماقم .**

یعنی درختوں کے پتوں کو اس طرح تراشتے ہیں کہ اس میں عین درختوں ہی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، قبر کے اگل بگل ان پتوں کو سجاتے ہیں، اگر وہ مردہ اپنی زندگی میں ریشم پہنتا تھا تو قبر پر بھی ریشمی غلاف چڑھاتے ہیں، ایسی انگیٹھیاں لاتے ہیں جس میں باز وغیرہ جانوروں کی تصویریں بنی ہوتی ہیں، جو کہ مکروہ ہیں، پھر فرش بچھاتے ہیں اور ڈوم بھاٹ کھڑا ہو کر اس مردہ کی جھوٹی تعریفیں کرتا ہے، قبروں پر مصحف لے جاتے ہیں اور اسے پڑھتے نہیں، رئیس کے آنے کا انتظار کرتے ہیں اور اگر اس سے پہلے قرآن پڑھنے لگیں تو وہ رئیس خفا ہو جاتا ہے، یہ سب نفس امارہ کی شامت ہے۔

اور خزانۃ الروایات کے حاشیہ میں یوں ہے کہ لوگ گلدستوں میں پھول پھلواری تیار کرتے

ہیں اور قمقموں میں عرق گلاب بھرتے ہیں۔

اب سوچنے کا مقام ہے کہ ورثہ میت تو مصیبت زدہ ہوتے ہیں انھیں مصیبت کے دنوں میں خوشی کا سامان کرنا اور مکروہ و حرام سے کچھ زینت دینے کو کون عاقل انسان گوارا کرے گا چنانچہ مفتیان دین نے اس کو منع کیا اور تمام عالم نے اسے مان لیا۔ اب دیکھیے یہ باتیں کوئی نہیں کرتا البتہ ایک معین دن میں جمع ہو کر کلمہ کلام پڑھ دیتے ہیں، اب جو بعض علما تشدد کرتے ہیں اور محض دن معین ہونے کی وجہ سے کلمہ و قرآن کو بھی مکروہ کہہ دیتے ہیں تو یہ صحیح نہیں۔ ان کی دو دلیلیں ہیں :

ایک تو یہ کہ نماز میں سورت کا معین کر لینا مکروہ ہے تو ایصال ثواب کے لیے تیسرا دن معین کر لینا بھی مکروہ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم کسی امر کو قیاس کرتے ہیں تو کہا کرتے ہو کہ قیاس کرنا مجتہد کا کام ہے اور اپنے مقصد کے لیے خود قیاس کرتے ہو تو جائز ہے۔ یہ ناانصافی نہیں تو اور کیا ہے؟ اس سے قطع نظر یوم فاتحہ وغیرہ کے تعین کو نماز پر قیاس کرنا خود صحیح نہیں۔ اس لیے امام شافعی کے نزدیک تو تعین سورت مکروہ ہی نہیں اور حنفیوں کے نزدیک جو مکروہ ہے تو امام طحاوی اور اسبیجانی وغیرہ کے کلام سے اس کی کراہت دو سبب سے ہے :

ایک تو یہ کہ اس کو پڑھنے والا یہ اعتقاد کرے کہ اسی ایک سورت کا پڑھنا واجب ہے دوسری سورت پڑھوں گا تو اس میں نماز نہ ہوگی یا ہوگی تو مکروہ ہوگی۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ جاہل لوگ جب اسی ایک سورت کو پڑھتے دیکھیں گے تو (ڈر ہے کہ) کہیں وہ یہ اعتقاد نہ کر لیں کہ نماز میں یہی ایک سورت واجب ہے دوسری نہیں، یہ مضامین فتح القدیر، شامی اور برہان وغیرہ میں موجود ہیں۔ اور غالبا کراہت کی وجہ وہی بیان کردہ پہلا سبب ہے یعنی تعین سورت کا واجب جاننا۔ چنانچہ حدیث صحیح سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

صحیحین میں ہے کہ ایک آدمی امام تھا وہ ہر رکعت میں قل ہو اللہ ضرور پڑھا کرتا۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ جب مقتدی لوگ اس سے الجھے تو اس نے جواب دیا کہ میں تو اس سورت کو چھوڑنے والا نہیں، اگر تمہارا جی نہ چاہے تو میرے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ بالآخر یہ مرافعہ آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- تک کیا گیا آپ نے اس سے پوچھا کہ تو ان کی بات کیوں نہیں مانتا اور ہر رکعت میں اس کا التزام کیوں کر رہا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھ کو یہ سورت پیاری لگتی ہے۔ آپ نے فرمایا :

أَخْبِرُوهُ أَنَّ اللّٰهَ يُحِبُّهُ . (۱)

یعنی اسے یہ خوش خبری سنادو کہ اللہ تعالیٰ اس کو محبوب رکھتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں یوں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

حُبُّکَ إِيَّاهَا أَدْخَلَکَ الجَنَّةَ . (۲)

یعنی اس سورت کی محبت نے تجھے جنت میں داخل کر دیا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ تعین سورت کو واجب جاننے کا اعتقاد ہی کراہت کا باعث تھا جب اس شخص نے اپنا وہ اعتقاد ہونا بیان نہ کیا بلکہ یہ کہا کہ مجھ کو اس سورت سے محبت ہے تو حضور۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے اس تعین اور التزام ودوام کو منع نہ فرمایا اور یہ بھی نہ فرمایا کہ عقیدۂ عوام کے اشتباہ سے بچنے کے لیے اس تعین کو کبھی کبھی چھوڑ بھی دیا کرو کیوں کہ جب وہ بالمشافہ کہہ چکا کہ میں محبت کے سبب پڑھتا ہوں یعنی واجب نہیں جانتا تو جس طرح کبھی چھوڑ دینے سے شبہہ دور ہونے کا تصور ہوسکتا تھا وہ زبانی تصریح سے ہو گیا، یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ تعین سوم میں بھی وہ علت کراہت نہیں پائی جاتی ۔سب جانتے ہیں کہ اموات کے لیے ایصال ثواب ایک امر مستحب ہے کوئی فرض وواجب کا اعتقاد نہیں کرتا، جب اصل ایصال واجب وفرض نہ ہوا تو تیسرے دن کی تعین کو کون نادان فرض وواجب کہہ دے گا! علاوہ ازیں یہ جو تیسرے دن کی تخصیص جاری ہے وہ اوپر بیان ہو چکا کہ بعض مصلحتوں کی وجہ سے ہے کہ ہر کام بآسانی انجام پذیر ہو جاتا ہے۔اور خود فقہ میں بھی تعین سورت کے باب میں امام طحاوی نے تصریح فرمائی ہے :

**أما إذا لازمها لسهولتها عليه فلا يكره بل يكون حسنا كذا في البرهان .**

یعنی اگر سہولت کے پیش نظر ایسا کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں بلکہ ایسا کرنا بہتر ہے۔برہان میں بھی یوں ہی مذکور ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۲۲/ ۳۶۶ حدیث: ۶۸۲۷ ...... صحیح مسلم: ۴/ ۲۴۴ حدیث: ۱۳۴۷......سنن ترمذی: ۱۰/ ۱۳۹ حدیث: ۲۸۲۶ ......سنن کبریٰ نسائی: ۱/ ۳۴۱ حدیث: ۱۰۶۵......شعب الایمان بیہقی: ۶/ ۶۰ حدیث: ۲۴۳۶......مستخرج ابی عوانہ: ۸/ ۲۲۵ حدیث: ۳۲۰۶......صحیح ابن حبان: ۴/ ۷۹ حدیث: ۷۹۴۔

(۲) صحیح بخاری: ۳/ ۲۳۳ ......سنن ترمذی: ۱۰/ ۱۳۹ حدیث: ۲۸۲۶......سنن نسائی: ۱۰/ ۱۳۹ حدیث: ۲۸۲۶ ...... مسند احمد: ۲۵/ ۲۸ حدیث: ۱۱۹۸۲......مسند ابن ابی شیبہ: ۲۵/ ۲۸ حدیث: ۱۱۹۸۲......سنن دارمی: ۱۰/ ۳۳۷ حدیث: ۳۴۹۸......مستخرج ابی عوانہ: ۸/ ۲۲۶ حدیث: ۳۲۰۷......صحیح ابن حبان: ۴/ ۷۷ حدیث: ۷۹۳۔

قہستانی میں ہے :

**فلو قرأ للسنة أو اليسر فلا بأس به .**

یعنی اگر ادائیگی سنت یا آسانی کی وجہ سے ایسا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

تو اس تعلیل فقہی کے مطابق تعین سوم مکروہ نہ ٹھہرا۔ رہی یہ بات کہ کہیں جاہل لوگ اسے دیکھ کر یہ اعتقاد نہ کرلیں کہ ایصال ثواب تیسرے دن ہی ہوتا ہے، پہلے اور بعد میں نہیں ہوسکتا۔ تو یہ علت بھی یہاں نہیں پائی جاتی کیوں کہ جو لوگ فرض وواجب اور سنت ومباح کی کنہ وحقیقت کو نہیں سمجھتے ان کا تو کچھ علاج ہی نہیں وہ تو نماز روزہ میں بھی امور مستحبہ کو فرض، فرض کو افضل واولیٰ، مکروہ کو مفسد وحرام اور مباح کو واجب جو چاہتے ہیں کہہ دیتے ہیں انھیں اس سلسلہ میں کوئی تمیز نہیں، اگر ان کی خاطر امور شرعیہ میں تبدیلی کی جائے تو عجب نہیں کہ کل شریعت کچھ اور ہی ہوجائے۔ تو ایسے کٹر جاہل عوام سے قطع نظر کرکے یہ دیکھنا چاہیے کہ جو لوگ اس درجہ کے عوام ہیں کہ ان کو فرضیت واباحت میں فرق معلوم ہے تو حضرت سلامت یہ مسئلہ خاص اس درجہ کا ہے کہ اس درجہ کے عوام سب جانتے ہیں کہ یہ کوئی حج وزکوٰۃ کی طرح فرض تو نہیں ہے بلکہ واجب بھی نہیں، ایصال ثواب فی نفسہٖ مستحب ہے۔ اور یہ تعین ایک مصلحت کے غرض سے ہے، بزرگانِ دین کا مقرر کیا ہوا ایک کام بطور وراثت چلا آرہا ہے۔

یہ شبہہ تو کسی کم سے کم عقل والے کو بھی نہیں پڑسکتا کہ وہ یوں گمان کرے کہ ثواب صرف آج پہنچے گا پھر (بعد میں یا پہلے) نہ پہنچے گا۔ اس لیے کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ وارثانِ میت تیسرے دن کے علاوہ اور دنوں میں بھی فاتحہ ودرود کرتے ہیں تو وہ کس طرح اعتقاد کریں گے کہ ثواب صرف روز سوم ہی کو پہنچا کرتا ہے۔ اور وہ تعین سورت کے سلسلے میں جو شبہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے وہ بھی جاتا رہا۔ تو کراہت کی تمام علتیں ختم ہوگئیں اور تعین سوم کو مکروہ کہنے کی کوئی وجہ باقی نہ رہی۔

خلاصہ یہ کہ تعین سویم میں کوئی یہ تعین نہیں کہ قراءت قرآن وغیرہ کا ثواب آج ہی پہنچتا ہے اس لیے کہ لوگ اور دنوں میں بھی پڑھ کر بخشتے ہیں اور نہ یہ تعین ہے کہ میت کی طرف سے کھانا کھلانا یا نقدی اور کھانے پینے کی چیزوں کی تقسیم آج ہی ہوتی ہے اس لیے کہ یہ امور بھی اور دنوں میں کرتے رہتے ہیں۔

میت کی طرف سے محتاج کو دینے کا سلسلہ روز میت سے جو شروع ہوتا ہے تو چالیس روز تک اور کہیں اس سے کم وبیش جاری رہتا ہے جہاں روز سوم کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ

تعین سوم نہ ایصال ثواب مالی کے لیے ہے اور نہ بدنی کے لیے بلکہ یہ تعین مسلمانوں کو اکٹھا کرنے کی مصلحت کے پیش نظر ہے کہ تعین کے مطابق سب حاضر ہو جائیں اور بے تعین ایسا اجتماع ممکن نہیں ہوسکتا۔ جب کہ سورت نماز کے تعین میں یہ حکمت و مصلحت مفقود ہے۔ لہٰذا یہ قیاس مع الفارق نا قابل سماعت ہے۔

مانعین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ سویم میں کفار و ہنود کی مشابہت ہے، اور حدیث میں ہے :

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ . (۱)

یعنی جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی تو وہ بھی انھیں میں سے ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ تشبہ مصدر ہے جس کا ماخذ شِبہ بالکسر ہے شبہ کے معنی مانند' تو تشبہ کے معنی کسی کے مانند ہو جانا ہوا، جب تشبہ کا معنی معلوم ہو گیا تو اب ان مصنفوں کی زباں زوری سمجھنی چاہیے کہ سویم کرنے والے کس بات میں ہندوؤں کی مانند ہو جاتے ہیں؟ ہم قرآن پڑھتے ہیں وہ قرآن نہیں پڑھتے، ہم کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں جو کفر شکن ہے اور وہ نہیں پڑھتے - سبحان اللہ - کیا عقل سلیم پائی ہے کہ کفر کو کاٹنے والا کلمہ پڑھنے کو اہل کفر کی رسم سے مشابہ قرار دیتے ہیں۔

ہمارے احباب اور برادری جمع ہو کر کلمہ و کلام پڑھتے ہیں اور ان کی برادری جمع ہو کر کچھ نہیں پڑھتی، صرف وارث میت سے اس کی دکان کھلوا دیتی ہے اور قلم سیاہی کتاب وغیرہ کو ہاتھ لگوا کر سوگ دفع کرا دیتی ہے، ان کے یہاں اگر کچھ پڑھتا ہے تو صرف ایک طرف کوئی برہمن پنڈت پڑھتا ہے، وارثانِ میت، بھائی برادری اور دوست آشنا کچھ نہیں پڑھتے، ان کا اجتماع کسی اور قسم کا ہے اور ہمارا اجتماع وہ ہے جو امت محمدیہ - علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام - کے اہل صلاح و دیانت کے اجماع سے جائز ہے - جیسا کہ شارح ہدایہ علامہ عینی کی عبارت گزر چکی - اور ہندوؤں کا اصل مذہب یہ ہے جو کتاب سَنْسکار وِدِہی مطبوعہ بنارس کے صفحہ ۱۵۰ میں ہے جس کا مضمون اردو زبان میں یہ ہے :

(۱) سنن ابوداؤد: ۱۱/ ۴۸ حدیث ۳۵۱۲...... مسند احمد: ۱۰/۴۰۴ حدیث: ۴۸۶۸......مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۰/۴۰۴ حدیث: ۴۸۶۸......مصنف عبد الرزاق: ۱۱/ ۴۵۴ حدیث: ۲۰۹۸۶......معجم اوسط طبرانی: ۱۸/ ۱۴۰ حدیث: ۸۵۶۲......شعب الایمان بیہقی: ۳/ ۲۵۱ حدیث: ۱۲۰۲......مسند عبد بن حمید: ۲/ ۴۶۷ حدیث: ۸۵۰...... مسند شامیین طبرانی: ۱/ ۲۷۷ حدیث: ۲۱۱ ......مسند شہاب قضاعی: ۲/ ۱۴۱ حدیث: ۳۷۲......مشکل الآثار طحاوی: ۱/ ۲۳۸ حدیث: ۱۹۸......

مردے کو جلا کر سب چلے آئیں اور نہا دھو کر بدن کو صاف اور پاک باہر سے کرلیں جس کے گھر میں موت ہوئی ہے اس کے کنبہ کے لوگوں کو تسلی دے کر اپنے اپنے گھر چلے جائیں، چوتھے دن مردہ کی راکھ اور ہڈیاں زمین میں گاڑ دیں یا باغ یا کھیت میں ڈلوا دیں اور جب تک رنج دور نہ ہو تب تک اچھے عالموں فاضلوں کی صحبت سے رنج کو دور کریں ان کو خورد ونوش سے خوش کریں مراد یہ کہ اہل مصیبت اگر کھانا رنج کے باعث نہ کھاتے ہوں تو علما وغیرہ ان کو کھلا پلا کر خوش کریں، یہی پنڈ دان اور شراد جاننا اور مرنے والا آدمی جو کچھ دھن دھرم کے لیے چھوڑ گیا ہو اس کو علم اور ملک کی ترقی میں لگا دیں - الیٰ آخرہ -

غرض کہ مرنے والے کے لیے ان کے دین میں اس کے بعد کچھ اور نہیں لکھا اور اب جس طرح بعض فرقہ ہنود عمل میں لاتے ہیں وہ یہ ہے - جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں - نیز تیسرے دن میت کی ہڈیاں جلی ہوئی چن کر لاتے ہیں پھر گنگا وغیرہ میں بہاتے ہیں۔ اور اہل اسلام کوئی عمل ان میں سے نہیں کرتے پھر کس بات میں ہنود کے مانند ہو گئے اور کیا تشبہ پیدا ہو گیا۔ انصاف شرط ہے۔

اور اگر کوئی اس کا نام مشابہت رکھے کہ ان کے تیسرے دن رسوم کفر ہوتے ہیں اور تمہارے یہاں رسم اسلام یعنی کلمہ وقرآن ہوتا ہے تو انصاف کرنا چاہیے کہ یہ مشابہت کیا ہوئی یہ تو مخالفت ہوئی یعنی ہم وہ کام کرتے ہیں جو کفار کے مخالف ہیں، اور کافر وہ کام کرتے ہیں جو اسلام کے مخالف ہیں وہ اپنے کام کرتے ہیں اور ہم اپنے۔

مثال کے طور پر مغرب، عشا اور صبح صادق کے وقت ہم لوگوں نے اذان کہی اور نماز پڑھی، انھوں نے ان تین وقتوں میں ناقوس یعنی سنکھ بجایا اور پوجا کیا۔ اب کوئی بیہودہ اس کو مشابہت قرار دینے لگے کہ ان وقتوں میں تم نے اپنے طور کی عبادت کی انھوں نے اپنے طور کی پس اتحاد اوقات میں تشبہ پیدا ہو گیا تو ہر عقلمند اس کی ہرزہ سرائی اور اس کی کم عقلی پر قہقہہ مارے گا۔ اسی طرح جب حاجی لوگ بیت اللہ - زادہا اللہ شرفا - سے واپس ہوتے وقت آب زم زم لائیں تو کوئی یاوہ گو کہنے لگے کہ یہ ہندوؤں کے ساتھ تشبہ ہو گیا کہ وہ بھی اپنی اپنی عبادت گاہ سے واپس ہوتے ہوئے گنگا کا پانی لاتے ہیں اور تم آب زم زم لے آئے، تو سمجھنا چاہیے کہ یہ خرافات بیہودہ تشبیہیں نکالنا سخت بے عقلی کی دلیل ہے۔

مولف براہین قاطعہ نے جو صفحہ ۱۰۱ کی پہلی سطر میں زم زم کا پانی لانے کو اس غرض سے امر طبعی و عادی لکھا کہ جو چیز امور دینیہ سے نہیں بلکہ امور طبعیہ سے ہے اس میں تشبہ منع نہیں تو یہ ناظرین کے لیے قابل دید اور سامعین کے لیے قابل شنید ہے۔ اس لیے کہ کسی شے کو مقتضائے طبع قرار دینا اس وقت صحیح ہے کہ انسان کی طبیعت اپنی حیات جسمانی میں اس کی محتاج ہو، تو پانی کا پینا پیاس وغیرہ کے لیے مقتضائے طبع ضرور ہے لیکن تعظیماً حصول برکات کے لیے پینا تو مقتضائے طبع و عادت نہیں بلکہ مقتضائے دین ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ اس امر دینی کے اشتراک کو یعنی تبرکا پانی لانے کو تمام علمائے ہند نے سلفا وخلفا بلا نکیر جائز رکھا ہے لہٰذا واضح ہونا چاہیے کہ ظاہراً کسی وجہ سے کسی امر میں بوئے تشبہ پیدا ہو جانا شرعا ہرگز ممنوع نہیں، اور تماشہ یہ ہے کہ صرف تیسرے دن کی مشارکت میں بھی قوم ہنود کی مشابہت نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہندوؤں میں بعض قومیں مثلاً سرواگی بالکل سیوم یعنی تیجے کے قائل نہیں تو ان کے ساتھ تو کچھ بھی مشابہت نہیں، ان کے یہاں تیجہ صرف اس امر سے عبارت ہے کہ تیسرے دن کاروبار کرنے لگیں اور میت کا سوگ ختم کریں تو تعزیت کے واسطے اور سوگ ختم کرنے کے لیے شرع میں بھی تین دن معین ہیں۔ ہنود کی بعض قومیں مثلاً بشنی اگروال جو سیوم کو مانتے ہیں اور اموات کے لیے ثواب رسانی کے کام کرتے ہیں، اگر اہل اسلام کو مشابہت لازم آتی تو ان کے ساتھ لازم آتی، تو غور سے دیکھیے کہ ان کے ساتھ بھی مشابہت نہیں کیوں کہ ان لوگوں کے قوانین گردش کواکب سے متعلق ہیں، تیسرے دن وہ تیجہ اس وقت کرتے ہیں کہ گرہ سامنے نہ ہو اور اگر پنچک کی گرہ جو پانچ نچھتر ہیں سامنے آجاتے ہیں تو جس وقت تک وہ گرہ ٹل نہیں جاتی تیجا نہیں ہوتا پھر کبھی چار دن اور کبھی پانچ دن میں کیا جاتا ہے، اور مسلمان تیسرے دن سے آگے نہیں ٹلاتے، ان کو کواکب سے کچھ بحث نہیں، انھوں نے شرع سے یہ اصل پیدا کر کے کہ کسی امر خیر کے لیے بر بنائے مصلحت دن معین کر لینا جائز ہے' دن معین کیا ہے۔ تعین اہل اسلام دوسری چیز ہے اور تعین ہنود دوسری چیز۔ تو تشبہ کا معاملہ دن کی مشارکت کے باعث بھی ٹوٹ گیا۔

یہ شرعی مسئلہ ہے کہ جب ہمارے اور کفار کے درمیان کسی امر میں تفاوت اور امتیاز پیدا ہو جاتا ہے تو حکم تشبہ باطل ہو جاتا ہے۔ حدیث وفقہ پڑھنے والوں کو یہ بات یاد ہوگی کہ یہود عاشورا کا روزہ رکھتے تھے حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- نے مسلمانوں کو بھی حکم دیا کہ تم بھی رکھو، اور یہود کے ساتھ لازم آنے والی مشابہت کی مخالفت کے لیے آپ کا اتنا فرمانا کافی ہوگیا کہ تم ایک دن پہلے

یا بعد میں بھی ایک روزہ رکھو :

صُومُوْا يَومَ عَاشُوْرَاءَ وَ خَالِفُوا فِيْهِ الْيَهُودَ وَ صُومُوا قَبْلَهُ يَوماً أَوْ بَعْدَهُ يَوماً . (۱)

یعنی یوم عاشورا کا روزہ رکھو اور اس سے ایک دن پہلے یا بعد میں ایک روزہ اور رکھ کر یہودیوں کی مخالفت کرو۔

اس کو امام احمد نے مسند میں، بیہقی نے سنن میں اور امام سیوطی نے جامع صغیر میں روایت کیا ہے اور بیہقی نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ اگر میں اگلے برس زندہ رہا تو ایک روزہ پہلے اور ایک روزہ پیچھے کا حکم دوں گا ، اور ائمہ کبار حنفیہ سے امام ابو جعفر طحاوی - رحمۃ اللہ علیہ - شرح معانی الآثار میں ابن عباس - رضی اللہ عنہما - سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے :

خَالِفُوا الْيَهُودَ وَ صُومُوا يَومَ التَّاسِعِ وَ الْعَاشِرِ .

یعنی یہود کی مخالفت کرتے ہوئے نویں اور دسویں محرم کو روزہ رکھو۔

نیز یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس - رضی اللہ عنہما - نبی کریم - صلی اللہ علیہ وسلم - سے یہ کلام نقل فرماتے تھے :

صُومُوهُ وَ صُومُوا قَبْلَهُ يَوماً أَوْ بَعْدَهُ يَوماً وَ لاَ تَتَشَبَّهُوا بِالْيَهُوْدِ .

یعنی تنہا عاشورہ کا روزہ رکھنے میں یہود کی مشابہت نہ کرو بلکہ اول یا آخر روزہ رکھ کر یہود کی مخالفت کرو۔

فقیہ شامی شرح درمختار میں لکھتے ہیں کہ عاشورہ کا روزہ نویں یا گیارہویں کا روزہ ملائے بغیر رکھنا مکروہ ہے۔ اور محیط سے اس کی دلیل یہ لکھی :

لأنه تشبه باليهود . (۲)

یعنی اکیلا دسویں محرم کا روزہ رکھنا فعل یہود کے ساتھ تشبہ ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ اور اول و آخر روزہ ملانے سے وہ کراہت تشبہ جاتی رہتی ہے۔ اور اسی طرح روز شنبہ اکیلا روزہ مکروہ لکھا کہ یہ فعل یہود ہے لیکن جب یکشنبہ یا جمعہ کا روزہ اس میں ملا لیا تو اب مکروہ نہیں کیوں کہ تشبہ بالیہود باقی نہ رہا۔

---

(۱) مسند احمد: ۵/ ۷۹حدیث: ۲۰۴۷...... سنن کبری بیہقی: ۴/ ۲۸۷...... جامع صغیر سیوطی: حدیث: ۵۰۶۸...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/ ۷۹حدیث: ۲۰۴۷۔

(۲) ردالمختار: ۷/ ۳۲۸ - سبب صوم رمضان -

کنزالعباد میں ہے کہ اگر اہل مصیبت گھر یا مسجد کے اندر بیٹھ جائیں کہ لوگ اس کی تعزیت کو آئیں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں لیکن دروازہ پر نہ بیٹھے: **فإن ذلک عمل أهل الجاهلية** (کیوں کہ یہ جاہلیت کا عمل ہے)

دیکھیے کہ ذرا سی تبدیلی میں حکم بدل گیا۔الحاصل !ان نظیروں سے ثابت ہو گیا کہ جب مشبہ اور مشبہ بہ میں تمیز آ جائے تو حکم تشبہ باقی نہیں رہتا۔اس مقام پر مولف براہین قاطعہ صفحہ ۱۱۰ کی آخری سطر میں ایک عجیب سی بات لکھتے ہیں کہ :

تنہا عاشورا کا روزہ کسی کے نزدیک مکروہ نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ مولف کی دینی کتابوں سے سخت بے خبری کی دلیل ہے۔اس کا مکروہ اور منہی عنہ ہونا ہم حدیث وفقہ سے ثابت کر چکے ہیں نیز یہ بھی کہ تشبہ مٹانے کے لیے اول وآخر روزہ ملا نالینا کافی ہے۔اب دیکھیے کہ وہ اصل روزۂ عاشورا جس کو یہود رکھا کرتے تھے اس میں مسلمان شریک رہے لیکن ایک روز اول وآخر ملا دینے سے مغائرت پیدا ہوئی تو تشبہ کا حکم بھی باطل ہو گیا۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ جب اہل اسلام کا تیجہ ہمیشہ سے تیسرے دن برقرار رہا اور ہنود کا تیجہ ادل بدل ہوتا رہا یعنی کبھی تیسرے دن کبھی چوتھے دن اور کبھی پانچویں دن ۔ پھر اس میں بھی ہمارے افعال کچھ اور،ان کے افعال کچھ اور ہیں کہ ہمارے مندرجہ بالا پانچوں امور قواعد شرعیہ کی روشنی میں نکالے گئے ہیں تو پھر تشبہ کس بات میں ہوا!۔

**فائدہ** : مولف براہین قاطعہ نے اس مقام پر ہمارا مدعا بالکل نہ سمجھا اس لیے صفحہ ۱۰۸ میں یہ لکھا :

> مولف انوار ساطعہ نے حدیث **من تشبہ بقوم فھو منھم** میں تشبہ بجمیع اجزائہ من کل الوجوہ سمجھا ہے کہ سب اجزا وہیئت مشابہ ہو جائے تو اس وقت تشبہ محظور ہے ورنہ درست ہے،اسی وجہ سے لکھتا ہے کہ کس بات میں تشبہ ہنود کی ہوگئی-انتہیٰ بلفظہٖ-

اس کے بعد مولف براہین نے فضول اور بکواس باتوں سے تین ورق سیاہ کیے ہیں اس لیے کہ ہماری یہ مراد ہے ہی نہیں بلکہ ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ فاتحہ سویم میں پانچ چیزیں ہیں،اہل اسلام (کے نزدیک)ان پانچوں میں سے کسی چیز کے اندر اہل ہنود سے مشابہت نہیں۔

نہیں معلوم ان صاحبوں کی فہم وذکا اور تفقہ کیسا ہے کہ احکام کی تعلیل میں ژرف نگاہی اور موشگافی ہرگز نہیں فرماتے ۔مفتی قاطع السنہ یعنی صاحب سیف السنہ اوران کے آبائے اولین اور

برادرانِ معاصرین سب کے سب بے سمجھے بوجھے اس مسئلہ میں حکم تشبہ لگا رہے ہیں، اور حدیث نبوی: من تشبه بقوم فهو منهم کو نہایت درجہ بے محل پڑھ رہے ہیں۔ فَمَالِ هٰؤُلاَءِ الْقَوْمِ لاَ يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثاً۔(۱)

انھیں تشبہ کا نہ تو لغوی معنی معلوم ہے نہ ہی اصطلاحی۔ اس لیے کہ تشبہ کا لغوی معنی مانند کے ہوتا ہے اور آپ دیکھ اور سن چکے کہ ہنود کا تیجہ کن امور پر مشتمل ہے اور اہل اسلام کا کن امور کو شامل ہے؟ پھر دونوں فریق کا ایک دوسرے کی رسموں میں مانند ہونا کہاں ہوا!۔

اب اس کے شرعی معنی سنیے۔ صاحب بحر الرائق' شرح جامع صغیر قاضی خان سے نقل کرتے ہیں:

**أن التشبه بأهل الكتاب لا يكره في كل شيىء و إنا نأكل و نشرب كما يفعلون .** (۲)

یعنی کفار کے ساتھ تشبہ ہر بات میں مکروہ نہیں کیوں کہ ہم بھی اسی طرح کھاتے پیتے ہیں جیسے وہ کھاتے پیتے ہیں۔

''درمختار'' میں ان کے ساتھ مشابہت کا ارادہ کرنے کی قید لگائی ہے۔ اور جس چیز میں مشابہت کی جاتی ہے وہ شرعاً مذموم بھی ہو، تو اس وقت تشبہ مکروہ ہے۔ اس کی عبارت یہ ہے:

**أي إن قصده فإن التشبه بهم لا يكره في كل شيىء ، بل في المذموم و فيما يقصد به التشبه .** (۳)

یعنی ہر چیز میں تشبہ مکروہ نہیں ہوتا بلکہ صرف مذموم اور ان چیزوں میں برا ہوتا ہے جن میں تشبہ کا قصد وارادہ کیا جاتا ہے۔

شامی نے اس حکم کو مسلم رکھا ہے۔(۴)

رسالہ ''اثبات رفع یدین'' میں مولوی اسماعیل صاحب کی تحریر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مشابہت کے مکروہ ہونے میں قصد کو معتبر رکھا ہے، یعنی جب ان پر یہ اعتراض کیا گیا کہ ان ملکوں

---

(۱) سورۂ نساء: ۴/۷۸۔
(۲) البحر الرائق شرح کنز الدقائق: ۴/۴۷-القراءۃ من مصحف فی الصلوٰۃ۔
(۳) درمختار: ۱/۲۶۷۔
(۴) ردالمحتار: ۴/۴۵۱۔

میں رفع یدین کرنے میں روافض کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے تو اس کے جواب میں لکھتے ہیں :

**لا نتحری تشبه الفرق الضلالة بل اتفقت الموافقة .**

یعنی رفع یدین کرنے میں ہم گمراہ فرقوں کا تشبہ نہیں کرتے بلکہ اتفاقاً موافقت لازم آجاتی ہے ۔ انتہیٰ ۔

اب دیکھیے کہ سوم میں مسلمانوں کی غرض نہ تو قصد مشابہت اور نہ ہنود کے ساتھ موافقت کا ارداہ ہوتا ہے کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو انہی کی طرح یہ بھی تیجہ کو کبھی روز سوم کبھی چہارم اور کبھی پنجم میں کرتے - جیسا کہ اوپر گزرا - اور نہ تیسرے دن کلمہ وقرآن کا پڑھنا قرآن وحدیث سے مذموم وممنوع ، پھر منع کا حکم دینا کیسا ؟ ۔ علی قاری - رحمہ اللہ - شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں :

**انا ممنوعون من التشبه بالكفرة و أهل البدعة المنكرة في شعارهم لا منهيون عن كل بدعة و لو كانت مباحة سواء كانت من أفعال أهل السنة أو من أفعال الكفرة و أهل البدعة .**

یعنی کافروں اور بدعتیوں سے مشابہت ہم کو اسی بات میں منع ہے جو ان کے دین کا خاص تمغہ اور ان کے فریق کی پختہ علامت ہے ۔ اور مباح بدعتوں میں منع نہیں اگر چہ وہ بدعتیں اہل سنت وجماعت کے افعال سے ہوں یا کافروں اور بدعتیوں کے ۔

اب غور کرنے کا مقام ہے کہ جو تشبہ حدیث میں منع ہے اس کے شرعاً یہ مذکورہ معنی ہیں پھر ہم کو قوم ہنود سے کسی بات میں مشابہت نہیں نہ قرآن پڑھنے میں اور نہ چنوں پر کلمہ پڑھنے میں یہاں تک کہ تیسرے دن کے تعین میں بھی شرکت نہیں کیوں کہ ان کے تعین تو گرہ مذکورہ پیش آنے کی وجہ سے بدلتے رہتے ہیں ، لہٰذا ہمیں لغوی وشرعی کسی طرح کا بھی ان کے ساتھ تشبّہ نہیں - والحمد للہ علی ذلک -

## لمعہ خامسہ - چالیسواں ، بیسواں ، دسواں ، اور مسجد میں مٹی کا گھڑا رکھنا :

پہلے دستور تھا کہ مٹی کا گھڑا - جس کو فارسی میں سبو اور عربی میں جرّہ کہتے ہیں - میت کی طرف سے مساجد میں بھیجا کرتے تھے ، نہ صرف ایک بلکہ چند گھڑے ، علاوہ ازیں وہ گھڑے بھی بھیج دیتے تھے جن سے غسل میت ہوتا تھا ۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ جب سعد بن عبادہ کی والدہ انتقال کر گئیں تو انھوں نے پوچھا یا رسول اللہ ! کون سا صدقہ بہتر ہے ؟ آپ نے فرمایا : پانی ۔ تو انھوں نے ایک کنواں تیار کرایا اور کہا :

هٰذِهٖ لِأُمِّ سَعْدٍ . (۱)

یعنی اس چاہ کا ثواب سعد کی ماں کو پہنچے۔

مشکوٰۃ کے اندر یہ حدیث موجود ہے۔

پھر ہر کوئی کنواں یعنی چاہ کھدوانے اور بنوانے کی قدرت تو نہیں رکھتا اس لیے مسلمانوں میں یہ قاعدہ جاری ہو گیا تھا کہ کورے گھڑے مسجد میں بھیجا کرتے تھے کہ حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- نے پانی کو اچھا صدقہ فرمایا ہے۔ اگر کنواں نہ بنایا (تو کیا) ہمارا گھڑا بھرا ہوا مسجد میں رہے گا کوئی پیاسا اس سے پانی پیئے گا، کوئی غسل و وضو کے کام میں لائے گا تو (میت کو اس کا) ثواب ہوگا۔ گھڑا بھیجنے کی اصل یہی ہے، اور مسجد میں گھڑا بھیجنا اہل اسلام کی اعانت پر مبنی ہے۔ اور جس شخص کے مدنظر یہ (مقصد) نہ ہو بلکہ وہ اس میں جاہلیت کی رسمیں ادا کرے، پٹہ باندھے اور نقاشی کرے تو ایسا درست نہیں۔

اور وہ جو چالیس روز تک مسجد کے ملاؤں اور مساکین کو کھانا بھیجتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہا نے لکھا ہے :

يستحب أن يتصدق عن الميت إلى ثلاثة أيام .

یعنی میت کی طرف سے تین روز تک صدقہ دینا مستحب ہے۔

بعضوں نے لکھا ہے:

إلى سبعة أيام .

یعنی سات دن تک۔

بعضوں نے لکھا ہے:

إلى أربعين .

یعنی چالیس دن تک۔

یہ روایتیں خزانۃ الروایات اور شرح برزخ وغیرہ میں ہیں۔

ينبغي أن يواظب على الصدقة للميت إلى سبعة أيام و قيل إلى أربعين فإن الميت يشوق إلى بيته .

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۴۳۱ حدیث: ۱۹۱۲...... سنن ابوداؤد: ۴/۴۹۷ حدیث: ۱۴۳۱۔

یعنی بہتر تو یہی ہے کہ میت کی طرف سے سات دن اور بعضوں کے مطابق چالیس دن تک برابر صدقہ دیا جاتا رہے کیوں کہ میت اپنے گھر کی مشتاق اور آرزومند ہوتی ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے ''تفسیر عزیزی'' میں لکھا ہے :

موت کے بعد اپنے ابنائے جنس کی طرف لگاؤ باقی رہتا ہے، اور زندوں کی مدد مردوں کو خوب پہنچتی ہے، وہ اپنے اقربا وغیرہ کے صدقات کے امیدوار ہوتے ہیں۔

غرض کہ اس قسم کی روایات کے سبب لوگ چالیس دن تک برابر میت کی طرف سے محتاج کو روٹی وغیرہ دیتے ہیں۔ رہی بات چہلم وغیرہ کی تو اس کی صورت یہ ہے کہ جو صاحب اس کو منع کرتے ہیں ان کی چند دلیلیں ہیں پہلے ان کا حال معلوم کرلیں پھر جائز ہونے کی وجہ سنیں۔

**پہلی دلیل** : سیف السنہ کے صفحہ ۱۴۴ پر شرح منہاج نووی شافعی کی یہ عبارت ہے :

**الاجتماع على المقبرة في اليوم الثالث و تقسيم الورد و العود و إطعام الطعام في الأيام المخصوص كالثالث و الخامس و التاسع و العاشر و العشرين و الأربعين و الشهر السادس و السنة بدعة ممنوعة .**

یعنی تیسرے دن قبر پر جمگھٹا لگانا، عود و گلاب بانٹنا، اور مخصوص دنوں مثلاً تیسرے، پانچویں، نویں، دسویں، بیسویں، چالیسویں، چھٹویں مہینے اور برسی پر کھانا کھلانا بدعت ممنوعہ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شرح منہاج میں دو چیزوں کا ذکر ہے، ایک تیسرے دن مردے کی قبر پر جمع ہونا اور پھر وہاں گلاب کے پھول اور اگر کی بتیاں وغیرہ حاضرین مجلس پر تقسیم کرنا تو اس کا ذکر تو ''نصاب الاحتساب'' کے حوالے سے تیجہ کے بیان میں گزر چکا کہ لوگوں نے نہایت تکلّفات بے جا ایجاد کرلیے تھے نیز وہ میت کی قبر پر تکلّفات بھی کرتے تھے تو اس کا ممنوع ہونا تو صحیح ہے۔ چنانچہ اس کی ممانعت کی تصریح ہم خود کرآئے ہیں، اور جن بعض آدمیوں نے ایسی رسمیں ایجاد کی تھیں انھوں نے علما کے منع کرنے سے چھوڑ دیں، اب اس رسم کا وجود نہیں۔

شرح منہاج سے دوسری بات یہ نکلی کہ تیسرے، پانچویں، نویں، دسویں، بیسویں، چالیسویں دن، چھٹے مہینے اور برسویں دن بدعت ممنوعہ ہے۔ تو اس سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ ان ایام میں وہ مردے کی قبر پر لے جاکر کھانا کھلاتے تھے۔ فتاویٰ بزازیہ میں قبر پر کھانا لے جانے کی تصریح ہے :

**و يكره نقل الطعام إلى القبر في المواسم .**

لفظ مواسم' موسم کی جمع ہے، اور لغت میں' کسی ایک چیز کے وقت کو، اور جمع ہونے کی جگہ کو

موسم کہتے ہیں - کذا فی المنتخب وغیرہ -

تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ان ایام مقررہ میں مردے کی قبر پر کھانا لے جانا مکروہ ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ تیسرے، نویں، دسویں دن، چھماہی وبرسی اور ایام عید وشب براءت وغیرہ میں - جو کہ یہ ایام' فاتحہ اموات کے واسطے معین ہیں - اہل اسلام سے بعض آدمیوں نے بعض شہروں میں قبروں پر کھانا لے جانا اور اسی جگہ جا کر کھلانا رسم بنالیا تھا تو اس کو اہل فتویٰ نے منع کیا، اور نصاب الاحتساب سے بھی اس کی تصدیق ہوجاتی ہے جس میں لکھا ہے :

**و يشربون الشربة عند القبور و في الحديث الأكل في المقابر يقسي القلب .**

یعنی قبروں کے پاس شربت پیتے ہیں جب کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ قبروں کے پاس کھانا پینا دل کو سخت کر دیتا ہے۔

تو علماے دین نے ممنوع ومکروہ ہونے کی وجہ حدیث شریف کی مخالفت' بیان کی ہے کہ احادیث سے قبروں پر کھانا پینا منع ہے۔ یہ نہیں لکھا کہ یہ کھانا دن خاص کر لینے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان ملکوں میں دسویں بیسویں اور چالیسویں وغیرہ کی جو فاتحہ کرتے ہیں وہ مقابر پر نہیں کرتے (بلکہ اپنے گھروں پر کرتے ہیں) لہٰذا وہ جائز ہوئی۔

**دوسری دلیل**: فتاویٰ بزازیہ کی عبارت ہے جو کہ مستملی شرح منیۃ المصلّی میں منقول ہے:

**و يكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول و الثالث و بعد الأسبوع و نقل الطعام إلى المقابر في المواسم و اتخاذ الدعوة لقراءة القرآن و جمع الصلحاء والقراء للختم أو قراءة سورة الأنعام أو الإخلاص .**

یعنی پہلے اور تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد یعنی آٹھویں دن کھانا تیار کرنا مکروہ ہے۔ اور موسموں میں قبروں کو کھانا لے جانا بھی مکروہ ہے۔ یوں ہی قرآن مکمل ختم کرنے، یا سورۂ انعام یا اخلاص پڑھنے کے لیے قاریوں اور صلحا کو جمع ہونے کی دعوت دینا بھی مکروہ ہے۔

اس عبارت سے تین مسئلے پیدا ہوئے۔

**پہلا مسئلہ**: یہ کہ میت کا کھانا پہلے اور تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد یعنی آٹھویں دن تیار کرنا مکروہ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں دسویں بیسویں اور چالیسوں کا نام بھی نہیں، پھر یہ عبارت چہلم وغیرہ کی ممانعت پر کس طرح دلیل ہوسکتی ہے۔ اور اجتہاد کر کے قیاس قائم کرو کہ جس

طرح بزازیہ میں ان ایام کو منع کیا، ہم ان ایام کو منع کرتے ہیں۔ تو اس کی بھی ہم دو وجھوں سے تردید کرتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ خود شارح منیۃ المصلی نے عبارت بزازیہ نقل کر کے اس کو رد کیا ہے اور اس کھانے کا مکروہ ہونا مسلم نہیں رکھا اور یہ لکھا ہے :

**و لا يخلو عن نظر لأنه لا دليل على الكراهة .**

یعنی اس کھانے کو مکروہ کہنا بحث سے خالی نہیں کیوں کہ کراہت پر کوئی دلیل ہے ہی نہیں۔

پس جب کہ خود شارح منیۃ المصلّی نے کراہت کو مسلم نہ رکھا تو ہم بھی مسلم نہیں رکھتے۔ معلوم نہیں جن حضرات نے بزاریہ کی یہ عبارت شرح منیہ سے نقل فرمائی تو ایک سطر کے بعد شرح منیہ پر اعتراض لکھا تھا کیوں نقل نہ فرمایا۔

مانعین کے استدلال کی تردید کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر مخصوص ایام کے کھانے کی کراہت بزازیہ کے مطابق مسلم بھی رکھیں تو وہ کراہت خاص اس کھانے کے لیے ہوسکتی ہے جس کو وارثان میت بعض ملکوں میں فخر یہ طور پر کرتے ہیں اور جس طرح شادی عروسی وغیرہ میں فخر وشان کے ساتھ کھانا کھلانے کا دستور ہے اسی طرح میت کا کھانا بھی تکلف وزینت کے ساتھ امیروں، مالداروں اور عزیز کنبے والوں کو کھلاتے ہیں۔ عنقریب اِسے محدث دہلوی اور فقیہ شامی کے کلام سے تیسری دلیل میں نقل کیا جائے گا۔ لیکن اس کی ممانعت بھی ایسی ہے کہ اس عبارت سے سمجھ لو جو سمجھ سکو۔ فتاویٰ عالم گیری کی پانچویں جلد۔ باب الہدایا والضیافات۔ میں ہے :

**لا يباح اتخاذ الضيافة ثلاثة أيام في أيام المصيبة و إذا اتخذ لا بأس بالأكل منه .** (۱)

یعنی مصیبت کے دنوں میں تین دن تک مہمانی کرنا مباح نہیں اور اگر ضیافت کی جائے تو کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

اس سلسلہ میں بعض علما زیادہ تشدد کرتے ہیں بعض کچھ کم۔ اور فتاویٰ قاضی خاں جلد اول۔ فصل فی المسجد۔ میں یہ مسئلہ لکھا ہے مگر کراہت کو مقید کیا ہے کہ مکروہ اس وقت ہے جب کہ ترکہ سے کھانا پکایا جائے اور وارث ابھی نابالغ اور کچی عمر کا ہو یا بڑا ہو مگر غائب ہو۔ عبارت یہ ہے :

**و يكره اتخاذ الضيافة في المصيبة من التركة إن كان الوارث صغيرا أو كبيرا غائبا .**

(۱) فتاویٰ عالم گیری: جز۳۴۰/۴۳۔

صاحب بزازیہ نے جو منع کیا ہے تو اس قسم کے کھانے کو منع کیا ہے جو شادی کی طرح ہو، اس کی دلیل خود صاحب بزازیہ کا کلام ہے جو شرح منیۃ المصلی میں اسی مقام پر لکھا ہوا ہے :

**و إن اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا .** (۱)

یعنی غریب اور فقیر لوگوں کے لیے کھانا تیار کریں تو اچھی بات ہے۔

اگر صاحب بزازیہ کے نزدیک مذکورہ کھانے کی کراہت' تعین ایام کے باعث ہوتی تو یوں لکھتے: **و إن اتخذوا الطعام في غير الأيام المخصوصة كان حسنا** تو معلوم ہوگیا کہ صاحب بزازیہ کے نزدیک کراہت تخصیص ایام کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ وہ لوگ غریبوں کو نہیں کھلاتے تھے، اپنے دوست آشنا اور مالداروں کو رسما کھلاتے تھے، اس واسطے صاحب بزازیہ نے کہا کہ اگر غریبوں کے واسطے کھانا تیار کریں تو اچھی بات ہے۔

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے استاذ جناب مولانا شیخ محمد محدث تھانوی مرحوم نے اپنی کتاب ''انوارِ محمدی'' -مطبوعہ مطبع ضیائی میرٹھ- میں مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کے لکھے ہوئے چند خاص فتاوے جمع کیے ہیں، ان میں صفحہ ۴۶ پر ایک یہ فتویٰ بھی ہے :

سوال: ہشتم آنکہ خوردن طعام روز سیوم ودہم وچہلم وغیرہ از اہل میت۔

جواب: محتاج را منع نیست۔انتہیٰ۔

دیکھیے مولوی اسماعیل صاحب نے فتاویٰ بزازیہ کی تصدیق کردی، یعنی جو کھانا فقرا کے لیے ہو وہ صحیح ہے۔

مولف براہین قاطعہ کی صفحہ ۱۲۱ پر یہ بات اہل علم کے لیے قابل دید ہے، آپ فرماتے ہیں :

پہلی روایت بزازیہ کی کتاب الجنائز کی ہے، اور دوسری کتاب الاحسان کی، پھر کس طرح استثنا درست ہو- انتہیٰ -

کیوں صاحب! اگر ایک ہی مسئلہ دو باب میں ہو تو ایک کا دوسرے سے استثنا درست کیوں نہ ہوگا؟ حدیث وفقہ کی کتابیں اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہیں لیکن ہم آپ کی خوش نودی کے لیے ایک ہی جگہ دونوں مطلب دکھائے دیتے ہیں، لیجیے فتاویٰ قاضی خان کی -کتاب الحظر والاباحۃ- ملاحظہ کیجیے :

---

(۱) مرقات المفاتیح: ۴۲۵/۵۔

و یکرہ اتخاذ الضیافة في أیام المصیبة لأنها أیام تأسف فلا یلیق بها ما یکون للسرور و إن اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا . (۱)

دیکھیے یہاں دونوں مسئلہ ( ایک ہی جگہ )موجود ہے ۔یعنی ایام مصیبت میں ضیافت برادرانہ تکلفی شادی کی طرح نہ کرے کیوں کہ وہ سرور میں ہوتی ہے لہٰذا مصیبت میں ایسا نہ چاہیے، پھر استثنا کیا یعنی دوسرا مسئلہ بیان کیا کہ اگر فقرا کے لیے کھانا پکائے گا تو اچھا ہے۔ اب مردِ منصف کو چاہیے کہ خدا سے ڈر کر ان دلائل پر نظر کرے اور زبان زوری اور سخن پروری سے تائب ہو- و ماعلینا الا البلاغ -

**دوسرا مسئلہ**: منجملہ تین مسئلوں کے بزازیہ کی عبارت سے یہ معلوم ہو گیا کہ میت کی قبر پر کھانا لے جانا مکروہ ہے۔ یہ بات ہم پر حجت نہیں، کیوں کہ ان ملکوں میں یہ رسم ہی نہیں۔

**تیسرا مسئلہ**: یہ نکلا کہ قاریوں اور حافظوں کو ختم قرآن کے واسطے جمع کرنا مکروہ ہے۔ تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ اگر اہل اسلام جمع ہو کر اللہ کے لیے قرآن پڑھیں اور میت کو بخش دیں۔تو اس کا حکم ائمہ مجتہدین ،علمائے محققین ،اجماع اہل صلاح و دیانت اور مولوی اسحاق صاحب کے کلام سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ ہرگز مکروہ نہیں، لہٰذا صاحب بزاز کی یہ مراد ضرور بالضرور یہ ہے کہ بعض ملکوں کی رسم کے موافق اگر حافظوں کو مزدوری دے کر قرآن پڑھوائیں تو یہ البتہ مکروہ ہے۔اس کی تصدیق کتب فقہ میں موجود ہے۔

شامی نے - باب الاجارہ - میں لکھا ہے :

قال تاج الشریعة في شرح الهدایة : إن قراء ة القرآن بالأجرة لا یستحق الثواب لا للمیت و لا للقارئ ......و عن شیخ الإسلام إن القاري إذا قرء القرآن لأجل المال فلا ثواب له فأي شيئٍ یهدیه إلی المیت- انتهیٰ کلام الشامي ملخصا-(۲)

یعنی تاج الشریعہ نے شرح ہدایہ میں فرمایا کہ اجرت کے ساتھ قرآن پڑھنے سے ثواب نہیں ملتا نہ تو پڑھنے والے کو نہ ہی مردے کو۔ اور شیخ الاسلام نے فرمایا کہ قاری نے جب مال کی نیت سے قرآن پڑھا تو اسے کوئی ثواب ہی نہ ملا تو آخر وہ میت کو کیا چیز ہدیہ کر رہا ہے!۔

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۴۲۵/۵۔
(۲) ردالمحتار: ۲۹۴/۲۴، ۲۹۷- مطلب فی الاستئجار علی الطاعات-

یہ جولشکروں ، چھاؤنیوں اور بعض شہروں میں قرآن اس طرح پڑھواتے ہیں کہ روپیہ کے تین قرآن یا چار قرآن کے حساب سے یا کچھ سپارہ کا روزمرہ ٹھہرا کر اس کا ٹھیکہ کردیتے ہیں، تو اس طرح قرآن شریف میت کے واسطے پڑھوانا منع ہے۔اور سیف السنہ کے صفحہ۱۲ پر جو عبارتیں طریقہ محمدیہ اور قرطبی کی نقل کی ہیں ان میں بھی وہی مزدوری کے طور پر قرآن پڑھنا مراد ہے۔اس لیے کہ اس وقت بعض ملکوں میں وہی دستور تھا اور خود طریقہ محمدیہ کی عبارت سیف السنہ میں ہے:

**و الماخوذ منها حرام للآخذ و هو عاص بالتلاوة و الذكر لأجل الدنيا .**

یعنی قرآن کریم پڑھنے پر اجرت لینا حرام ہے۔اور پڑھنے والا ذکر وتلاوت دنیا کے واسطے کرنے کی وجہ سے گنہ گار ہوگا۔

بعض علما نے قبر پر قرآن پڑھنے کی اجرت جو جائز رکھی ہے تو انھوں نے قبر پر آنے اور جانے کی محنت اور اس قدر پابند ہوکر بیٹھنے کی اُجرت سمجھ کر جائز کیا ہے، کوئی قرآن کی اجرت نہیں وہ تو گویا قاریوں (کے لیے ورثہ ) کی طرف سے ہدیہ ہے۔لہٰذا فتاویٰ بزازیہ کی عبارت سے ان باتوں کی کراہت ثابت ہوئی ہے،مزدوری دے کر قرآن ختم کرانا،مردے کی قبر پر پہلے، تیسرے اور آٹھویں دن کھانا لے جانا اور احباب واغنیا کی ضیافت کے لیے بطورِ فرحت وسرور کھانا پکانا مکروہ ہے۔اور جس طرح ہمارے ملکوں میں رائج ہے یعنی دسویں ،بیسویں اور چالیسویں کا کھانا جو-خالصاللہ-پکا کر مصلّیوں اور ملاؤں کو اپنے گھر بلا کر کھلا دیا جاتا ہے، تو عبارت بزازیہ سے اس کی حرمت وکراہت ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتی بلکہ استحسان اور عمدگی ظاہر ہوگئی ہے۔کیوں کہ اس نے اور قاضی خاں نے یہ لکھ دیا ہے :

**و إن اتخذوا طعاما للفقراء كان حسنا .**

یعنی اگر غریبوں اور فقیروں کے لیے کھانا تیار کیا جائے تو یہ بہت اچھی بات ہے۔

صاحب سیف السنہ اور ان کے والد بزرگوار نے یہ فقرہ مخالف مطلوب ہونے کی وجہ سے نقل نہ کیا۔گویا **لا تقربوا الصلوٰة** پڑھ کر **و أنتم سكارىٰ** پر زبان بند کرلی۔

## تحقیق انیق

عاصم بن کلیب نے اپنے باپ سے روایت کی اور انھوں نے ایک انصاری صحابی-رضی اللہ عنہ-سے :

**قال خرجنا مع رسول الله -صلى الله عليه وسلم- في جنازة فرأيت رسول الله -صلى الله عليه وسلم- و هو على القبر يوصي الحافر يقول أوسع من قبل رجليه أوسع من قبل رأسه فلما رجع استقبله داعي امرأته فأجاب و نحن معه فجيء بالطعام فوضع يده ثم وضع القوم فأكلوا فنظرنا إلى رسول الله -صلى الله عليه وسلم- يلوك لقمة في فيه ثم قال أجد لحم شأة أخذت بغير إذن أهلها فأرسلت المرأة تقول يارسول الله -صلى الله عليه وسلم- إني أرسلت إلى النقيع و هو موضع يباع فيه الغنم ليشتري لي شأة فلم توجد فأرسلت إلى جار لي قد اشترى شأة أن يرسل بها إلي بثمنها فلم يوجد فأرسلت إلى امرأته فأرسلت إلي بها فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم- أطعمي هذا الطعام الأسرى -رواه أبوداوود و البيهقي في دلائل النبوة كذا في المشكوٰة في باب المعجزات-**(۱)

یعنی ایک انصاری صحابی نے کہا کہ ہم رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- کے ساتھ ایک جنازہ پر نکلے۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- قبر پر گورکن سے فرمارہے ہیں کہ پاؤں کی طرف سے قبر کو فراخ کرو اور سر کی طرف سے کشادہ کرو۔ دفن کے بعد جب آپ واپس ہوئے تو اس میت کی بیوی نے آدمی بھیجا کہ کھانا تیار ہے نوش جاں فرمائیے۔ آپ نے قبول فرمایا اور ہم بھی آپ-صلی اللہ علیہ وسلم- کے ساتھ تھے۔ کھانا سامنے آیا، آپ نے دست مبارک کھانے کی طرف بڑھایا پھر پوری قوم نے بھی بڑھادیا اور سبھوں نے کھایا۔ پھر ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- دہن مبارک میں لقمہ چبارہے ہیں مگر نگلتے نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: مجھے محسوس ہورہا ہے کہ یہ گوشت ایک ایسی بکری کا ہے جو مالک کی اجازت کے بغیر لی گئی ہے، تو عورت نے مالک کے ہاتھ یہ کہہ کر بھیجا کہ یارسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- میں نے نقیع میں آدمی بھیجا- جہاں بکریاں بکتی ہیں- تاکہ بکری مول آجائے مگر نہ ملی تب میں نے اپنے ہم سایہ کے پاس آدمی بھیجا کہ جو اس نے بکری خریدی ہے وہ مجھے بقیمت بھیج دے،

(۱) سنن ابوداؤد: ۹/۱۶۲حدیث: ۲۸۹۴......دلائل النبوۃ بیہقی: ۷/ ۷۹حدیث: ۲۵۶۹......مشکوٰۃ المصابیح: ۳/ ۲۹۲ حدیث:۵۹۴۲......مسنداحمد:۶/۴۶ حدیث:۲۱۴۷۱......مصنف ابن ابی شیبہ:۶/۴۶ حدیث:۲۱۴۷۱......سنن بیہقی:۵/۳۳۵......سنن دارقطنی :۱۱/۶۲ حدیث:۴۸۲۶۔

اتفاق سے وہ ہم سایہ بھی گھر نہ تھا پھر میں نے اس کی بیوی کے پاس بھیجا تو اس نے شوہر کی اجازت کے بغیر بکری میرے پاس بھیج دی۔تب رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے فرمایا کہ یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی وغیرہ لکھتے ہیں کہ وہ قیدی کفار تھے جو کہ دائرۂ تکلف شرعی سے خارج تھے۔اور اس کا شوہر نہ ملا کہ اس سے اذن لیا جاتا تا کہ مسلمان اسے کھا لیتے۔

اس حدیث کو بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔اور مشکوٰۃ کے -باب المعجزات- میں بھی ہے۔

''شرح کبیر منیہ'' میں علامہ ابراہیم حلبی نے کہا کہ اس حدیث کو صحیح سند کے ساتھ امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

الحاصل! اس حدیث صحیح سے ثابت ہوا کہ اہل میت کی دعوت قبول کرنا جائز ہے،اور چوں کہ نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- بھی جماعت کے ساتھ کھانا کھانے کے لیے بیٹھے تھے تو یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی غنی بھی - جو صدقہ کا مصرف نہیں - ایسی دعوت میں شریک ہو جائے (تو اس کے لیے بھی) درست ہے۔تو جواز کی بنیاد اس بات پر رہی کہ اگر اہل میت ریا وسُمعہ کے لیے نہیں بلکہ خالص قربت وثواب کی نیت سے کھانا تیار کرے تو وہ جائز ہے۔

مولانا شاہ عبد الغنی محدث - رحمۃ اللہ علیہ - جن سے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے حدیث پڑھی تھی - ''انجاح الحاجۃ شرح ابن ماجۃ'' میں لکھتے ہیں :

**و أما صنعة الطعام من أهل الميت إذا كان للفقراء فلا بأس به لأن النبي -صلى الله عليه وسلم- قبل دعوة المرأة التي مات زوجها -كما في سنن أبي داود-**

یعنی اہل میت کا ثواب کی نیت سے فقیروں کے لیے کھانا تیار کرنا کسی حرج کا باعث نہیں۔ کیوں کہ نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- نے اس بیوہ عورت کی دعوت قبول فرمائی تھی۔سنن ابی داؤد میں بھی ایسا ہی ہے۔(یعنی وہ حضرت عاصم بن کلیب والی مذکورہ حدیث)

ملا علی قاری نے ''شرح مشکوٰۃ'' میں لکھا :

**هذا الحديث بظاهره يرد على ما قرره أصحاب مذهبنا من أنه يكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول و الثالث و بعد الأسبوع .**

یعنی عاصم بن کلیب والی یہ حدیث کھلے طور پر ہمارے مذہب والوں کے اس قرار داد کی تردید کررہی ہے کہ پہلے تیسرے اور ہفتہ کے بعد کھانا تیار کرنا مکروہ ہے۔

اس کے بعد علی قاری نے اپنے مذہب والوں کی وجہ بیان کی کہ بھلا وہ حدیث کے خلاف حکم کیوں دیتے! اُن کا حکم ایسے مقامات پر محمول ہے کہ جس کے وارثوں میں کوئی چھوٹا لڑکا نابالغ ہو یا یہ کہ بالغ ہو لیکن غائب ہو وہاں موجود نہ ہو یا موجود تو ہو لیکن اس کی رضامندی معلوم نہیں ہوتی اور یہ کھانا خاص ترکہ کے مال سے تیار کیا جائے اور کسی ایک معین وارث نے اپنے مال سے نہ کیا ہو۔ مرقات میں علی قاری کی عبارت یوں ہے :

یحمل علی کون بعض الورثة صغیرا أو غائبا أو لم یعرف رضا ہ أو لم یکن الطعام من عند أحد معین من مال نفسه .

آخر عبارت میں لکھا :

و نحو ذلک . (۱)

یعنی جیسے یہ عذر ہم نے بیان کیے ایسے ہی اور عذر مثلاً ریا و سُمعہ وغیرہ جب پیش آئیں گے تو ان کے سبب میت کا کھانا منع کیا جائے گا۔ اور ہمارے اصحاب مذہب کی غرض یہی ہے، نہ یہ کہ اگر محض ثواب کے لیے اور موانع مذکورہ سے خالی ہو کر' اہل میت' دعوت کریں تب بھی مکروہ ہوگا۔ حَاشَا وکلَّا نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- اور صحابہ کرام -رضوان اللہ علیہم اجمعین- نے جس فعل کو کیا ہو وہ ہرگز مکروہ نہیں ہوسکتا۔

الحاصل! محدثین کے اجماع سے عاصم بن کلیب کی یہ حدیث میت کے لیے کھانا جائز ہونے کے سلسلہ میں ایک اصل عظیم ہے۔ اور دسواں و بیسواں وغیرہ کی تعیین کے سلسلہ کی ایک اصل عظیم پہلے گزرچکی کہ جس طرح وعظ کے لیے بعض مصالح کی بنیاد پر دن متعین کیا گیا اسی طرح صدقہ اموات کے لیے بھی کچھ مصلحتوں کے باعث دن کا تعین ہوا۔ لہٰذا ہندوستان میں یہ جو فاتحے مروج ہیں' اہل سنت و جماعت کے نزدیک شرعی دلیلوں کے موافق بالکل صحیح ہیں۔ اور جو لوگ جریر بن عبد اللہ -رضی اللہ عنہ- کی حدیث کی وجہ سے ان کا رد کرتے ہیں جسے امام احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے :

---

(۱) مرقات المفاتیح: ۴۲۵/۵۔

**كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت و صنعهم الطعام من النياحة .** (۱)

یعنی اہل میت کے یہاں جمع ہو کر کھانا بنانے کو ہم سوگ میں شمار کرتے تھے۔

تو یہ دلیل کئی اعتبار سے مخدوش ہے۔

**اولا:** یہ کہ مقدمہ شرح مسلم میں ہے کہ جب کوئی صحابی یوں کہے کہ ہم ایسا کیا کرتے تھے یا ایسا کہا کرتے تھے تو اس کی دو صورت ہے: اگر وہ یہ کہے کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے زمانہ میں ہم ایسا کرتے تھے تو وہ حدیث مرفوع ہے ورنہ موقوف۔ اس قول کو جمہور محدثین اور اصحاب فقہ واصول کا قول لکھا ہے۔ پھر لکھا کہ **هذا هو المذهب الصحيح الظاهر**۔ لہٰذا جریر بن عبد اللہ کا قول موقوف ہوا کیوں کہ زمانہ رسول کی طرف اس کی نسبت نہیں ہوئی۔ اور حدیث موقوف حجت نہیں ہو سکتی، جیسا کہ میر سید شریف "اصول حدیث" میں فرماتے ہیں :

**الموقوف و هو مطلقا ما روي عن الصحابي من قول أو فعل متصلا كان أو منقطعا و هو ليس بحجة على الأصح .**

یعنی حدیث موقوف اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی روایت مطلقاً کسی صحابی سے قولا یا فعلا، متصلا یا منقطعا ہو۔ اور اصح مذہب کے مطابق حدیث موقوف حجت نہیں ہوتی۔

ملا محمد طاہر نے "مجمع البحار" جلد ثالث کے خاتمہ میں لکھا :

**و الموقوف ما روي عن الصحابي من قول أو فعل متصلا أو منقطعا و هو ليس بحجة .**

یعنی حدیث موقوف اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی روایت کسی صحابی سے قولا یا فعلا، متصلا یا منقطعا ہو۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ وہ حجت نہیں ہوتی۔

لہٰذا جریر بن عبد اللہ کی یہ حدیث موقوف حجت نہیں، اور پھر یہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی حدیث صحیح مرفوع کے معارض بھی ہے۔

**ثانیا:** حدیث جریر کے معنی یہ ہوئے کہ ہم اس بات کو نیاحت میں شمار کرتے تھے کہ لوگ اہل میت کے پاس جمع ہوں اور وہ ان کے لیے کھانا تیار کریں۔ "انجاح الحاجہ شرح ابن ماجہ" میں اس کی تفسیر یوں لکھی ہے :

---

(۱) سنن ابن ماجہ: ۵/۹۹ حدیث: ۱۶۰۱ ...... مسند احمد: ۱۴/۱۴۹ حدیث: ۶۶۱۱ ...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴/۱۴۹ حدیث: ۶۶۱۱ ...... معجم طبرانی: ۲/۴۴۶ حدیث: ۲۲۳۰ ...... مرقاۃ المفاتیح: ۵/۴۲۵۔

نعد وزره كوزر النوح .

یعنی اس کا گناہ ایسا شمار کیا کرتے تھے کہ جیسا نوحہ میں گناہ ہوتا ہے۔

نوحہ کا مسئلہ یہ ہے کہ شرح کبیر منیہ میں ہے :

و يحرم النوح .

یعنی نوحہ کرنا حرام ہے۔

ابوداؤد میں ہے :

لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم- النَّائِحَةَ وَ الْمُسْتَمِعَةَ . (۱)

یعنی رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے نوحہ کرنے والے اور اسے رغبت سے سننے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

تو معلوم ہوا کہ اس اجتماع اور کھانے میں آدمی حرام کا مرتکب اور لعنت کا مستحق ہوتا ہے۔ بھلا اگر یہ بات صحیح ہوتی تو ارباب فتاویٰ بزازیہ اور قاضی خان وغیرہ کس طرح فتوے دیتے کہ اگر غریبوں کے واسطے اہل میت کھانا تیار کریں تو اچھی بات ہے۔ اور پھر رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- اپنے اصحاب کے ساتھ اس بیوہ کی دعوت پر کیسے تشریف لے جاتے۔ کیوں کہ ان دونوں صورتوں میں اہل میت کے پاس اجتماع اور کھانے کا تیار کرنا -جن کو منکرین حرام اور مستحق لعنت لکھتے ہیں- دونوں باتیں موجود ہیں۔ اور اس مقام پر مولف براہین قاطعہ نے بڑی شوخی سے کام لیا کہ صفحہ ۹۰ کی ساتویں سطر پر جریر بن عبداللہ کی حدیث کے تحت لکھا :

اس حدیث میں اجتماع کو مطلق فرمایا، کوئی قید نہیں کہ کس واسطے جمع ہونا تھا خواہ محض تعزیت مکررہ کے واسطے خواہ قرآن پڑھنے، اور مطلق کو بالرائے مقید کرنا حرام ہے، اور طعام بھی مطلق ہے۔

---

(۱) سنن ابوداؤد: ۳۹۷/۷ حدیث: ۲۷۲۱......مسند احمد: ۲۴۱/۲۳ حدیث: ۱۱۱۹۶......معجم کبیر طبرانی: ۳۵۰/۹ حدیث: ۱۱۱۴۶......شعب الایمان: ۱۲۰/۲۱ حدیث: ۹۸۰۰......معرفۃ السنن والآثار: ۳۰۹/۶ حدیث: ۲۳۴۶......مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۴۴۲/۱......المسند الجامع: ۴۶۸/۱۳ حدیث: ۴۳۰۵......تحفۃ الاشراف: ۳۳۶/۵ حدیث: ۴۱۹۴۔

یوں بھی آیا ہے :

❁ لعن الله النائحة والمستمعة . (کنز العمال: ۶۱۲/۱۵ حدیث: ۴۲۴۳۵-۴۰۲/۱۶ حدیث: ۴۵۱۰۹......التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر: ۴۰۶/۲ حدیث: ۸۰۴)

بھلا جب اجتماع مطلق رہا تو جمیع اجتماعات کو شامل اور طعام بھی مطلق رہا تو سب افراد کو شامل، تو ذرا مولف براہین کی کج فہمی دیکھیے، مذکورہ بالا صورتیں کہاں کہاں پہنچے گی ملاحظہ کرنے کے لائق ہے۔

**ثالثاً:** فقہا - رحمہم اللہ - نے اس اجتماع اور طعام کو موت کے وقت مکروہ رکھا ہے۔ جیسا کہ علامہ حلبی نے ''شرح کبیر'' میں حدیث جریر کے بارے میں لکھا:

**و إنما يدل على كراهة ذلک عند الموت فقط .**

یعنی یہ صرف موت کے وقت اس کی کراہت پر دلالت کر رہا ہے۔

حدیث عاصم بن کلیب میں حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - کا دعوت قبول کرنا میت دفن کرنے کے بعد تھا، تو اس صورت میں تعارض اَدلہ کا شبہہ بھی دفع ہو گیا۔ اور ہمارے ارباب مذہب نے جو بعد دفن بھی چند روز تک کھانا کھلانے کو منع کیا ہے تو فتاویٰ قاضی خان اور مرقاتِ علی قاری کے حوالے سے اس کا بیان گزر چکا کہ اس منع کی شکلیں اور ہیں، محض قربت و ثواب کی نیت سے منع نہیں بلکہ فتاویٰ میں ہے کہ موت کے دن سے سات یا چالیس روز تک میت کی طرف سے برابر صدقہ کیا جائے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا۔ اور فقیروں کے لیے کھانے کا حسن ہونا بھی گزر چکا۔

**رابعاً:** علی قاری نے اس اجتماع اور کھانا بنانے کی تشریح ''مرقات'' میں یوں کی ہے:

**فينبغي أن نقيد كلامهم بنوع خاص من اجتماع يوجب استحياء أهل بيت الميت فيطعمونهم كرها .** (۱)

یعنی ہمیں چاہیے کہ اس اجتماع کے منع کو مطلق نہ رکھیں بلکہ حدیث جریر کو ارباب فتاویٰ ایک خاص قسم کے اجتماع کے ساتھ مقید کر دیں کہ آدمی خواہی نخواہی جمع ہو جائیں اور وارثانِ میت ان کو جبراً اور اکراہاً شرما شرمی میں کھلائیں تو یہ اجتماع یقیناً مستحق لعنت اور درجہ حرمت میں ہوگا، جس کا گناہ نوحہ کے برابر گنا گیا ہے۔ اس صورت میں حدیث جریر کے اندر **الاجتماع** کا الف لام عہد کے لیے ہوگا۔

مولف براہین نے سیوم کے اجتماع اور نخود کی تقسیم یوں ہی دسویں، بیسویں اور چالیسویں وغیرہ کے اجتماعات اور کھانوں کو جو حدیث جریر بن عبداللہ میں داخل کیا ہے، اور (صرف یہی نہیں)

---

(۱) مرقات المفاتیح: ۴۲۵/۵۔

ان کے اگلے پچھلے تمام ہم مشرب داخل کرتے ہیں اور اس کو بڑی قوی دلیل جیسے لوہے کی لاٹ سمجھ رہے ہیں، تو مذکورہ بالا تحقیقات سے معلوم ہو چکا کہ یہ بالکل بے اصل ہے کیوں کہ سیوم میں قرآن پڑھنے کے لیے اجتماع ہوتا ہے جو بالا جماع جائز ہے - جیسا کہ عینی وغیرہ کے حوالے سے گزر چکا - اور تیجہ میں شیرینی ونخود کی تقسیم اور دیگر فاتحے میں کھانا کھلانا کوئی استحیاء اور شرماشرمی سے نہیں ہوتا، جسے ملا علی قاری نے جریر بن عبداللہ کی حدیث سے ثابت کیا کہ لوگ خواہی نخواہی وارثان میت کے گرد جمع ہو گئے اور حلقہ مار کر بیٹھ رہے بلکہ خود ورثہ میت نے مولویوں اور مصلیوں کو دعوت کر کے قربت وثواب کی نیت سے بلایا ہے۔ جو لوگ اس جلسہ میں غربا ہیں ان کے دینے میں صدقہ کا ثواب اور جو کوئی غنی ہے ان میں فعل معروف کا ثواب موجود ہے۔ جس طرح نبی کریم - صلی اللہ علیہ وسلم - جماعت صحابہ کے ساتھ اس بیوہ عورت کے گھر موجود تھے۔

**خامسا:** حدیث جریر میں اجتماع اور کھانا تیار کرنا دونوں فعل ہیں اور فعل ہمیشہ کسی زمانہ میں ہوگا تو وہ زمانہ اس اثر میں محدود نہیں بلکہ میت کی وفات کے وقت سے لے کر جب تک وارثانِ میت زندہ ہیں اس وقت تک کو شامل ہے، تو اس صورت میں جرح عظیم لازم آئے گا اس لیے کہ مولف براہین نے اجتماع مطلق لیا کہ لوگ خواہ کسی واسطے جمع ہوں اور تقیید بالرائے حرام ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ زمانہ بھی مطلق ہے خواہ کبھی آدمی جمع ہو جائیں، تو اس صورت میں دو قباحتیں لازم آئیں گی :

**پہلی قباحت** تو یہ کہ موت میت کے بعد سے ہمیشہ کے لیے اہل میت کے گھر اجتماع اور کھانا کھلانا خواہ کسی وجہ سے ہو ممنوع اور حرام ہو گیا، اور یہ بڑے حرج کی بات ہے، اسی وجہ سے علامہ حلبی نے اس کو وقت موت کے ساتھ مخصوص کر دیا کہ وہ وقت افسوس اور غسل وتکفین وغیرہ میں مشغولی کا ہوتا ہے اور بعد دفن کا حکم اس سے خارج رہا۔ شرح حدیث جریر کے سلسلہ میں ان کی عبارت یہ ہے :

**و إنما يدل على كراهة ذلک عند الموت فقط .**

یعنی یہ حدیث جریر صرف موت کے وقت ہی کھانا بنانے اور اجتماع کی کراہت تحریمہ پر دلالت کر رہی ہے۔

**دوسری قباحت** یہ ہے کہ جب زمانہ مطلق رہا تو جمیع افراد یعنی ایام معینہ اور غیر معینہ سب کو شامل ہوگا۔ کیوں کہ **المطلق يجري على إطلاقه** مسلم الثبوت قاعدہ کلیہ ہے، تو جس طرح

ایام معینہ کے فاتحے میں اجتماع اور کھانا بنانا ہوگا اسی طرح ایام غیر معینہ کے اطعام مساکین میں بھی یہی دونوں باتیں موجود ہوں گی **الاجتماع إلى أهل الميت و صنعهم الطعام** تو جس دلیل سے ایام معینہ کے کھانے کو منع کرتے ہو اسی دلیل سے ایام غیر معینہ میں اطعام مساکین بھی مکروہ وحرام اور مانند نوحہ ٹھہرے گا۔ مانعین اچھے اعتراض کا جھونکا لائے کہ اپنی مشت خاک بھی اُڑا لے گئے۔

الحاصل! صاحب شرح کبیر منیہ کی نظر بہت صحیح ہے، اور اس نظر پر جو فقیہ شامی نے نظر فرمائی ہے اس کا بعض مضمون علمائے متقدمین مثلاً علی قاری وغیرہ کی قرارداد کے مخالف ہے مثلاً یہ عبارت :

**فإنه واقعة حال لا عموم لها مع احتمال سبب خاص بخلاف ما في حديث جرير على أنه بحث في المنقول في مذهبنا و مذهب غيرنا كالشافعية**

یہ کیا ضرور ہے کہ فعل رسول -صلی اللہ علیہ وسلم- صحیح اسناد سے پہنچا ہو کہ -جس کی بابت ارشاد ہے: **مَا أتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ** - بلا معارض مرفوع صحیح واقعہ حال ٹھہرا کر ترک کر دیا جائے اور اس کے مقابل میں ایک صحابی کا اثر جو انہی پر موقوف ہے قانون کلی تجویز کر دیا جائے۔

طرفہ ماجرا یہ ہے کہ دونوں میں کوئی تعارض بھی نہیں جو حدیث عاصم بن کلیب میں ثابت ہوا وہ بہ نظر قربت وثواب ہے اس کو ہمارے اصحاب جائز رکھتے ہیں اور جو حکم اثر جریر بن عبداللہ میں ہے وہ استحیا وسمعہ اور ریا موانع مذکورہ بالا کے سبب ہے، اس کو ہمارے ارباب فتاویٰ منع کرتے ہیں؛ لہٰذا منقول فی المذہب میں بحث نہ ہوئی اور شافعیہ وغیرہ کا مذہب ہم پر حجت نہیں اسی وجہ سے عاجز راقم نے سابق انوار ساطعہ میں صرف کبیری کی نظر کو ذکر کیا اور شامی کی نظر کو بیان نہ کیا تھا کہ وہ منظور فیہ تھی اور اس مضمون کے بعد جو فقیہ شامی نے وجہ کراہت کے سلسلہ میں نکیریں بیان فرمائی ہیں وہ ہمارے اور علامہ حلبی وغیرہ کے خلاف نہیں بلکہ عین موافق ہیں۔ یعنی ورثہ کا صغیر یا غائب ہونا اور سامان فرحت وسرور جیسے طبلہ بجانا اور تغنّی وغیرہ کے برے کام کرنا جو اموات سے متعلق ضیافت میں ہوتا ہے مکروہ تحریمی کے سبب ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ثواب کی نیت سے کھانا پکانا اور اکٹھا ہونا صرف یہی دو امر مندرجہ حدیث جریر میں کراہت وتحریم کا سبب ہوں۔ شامی کی یہ اخیر والی تعلیلیں فقہائے احناف کے بالکل موافق ومطابق ہیں۔ اور ''شفاء السائل'' میں شاہ عبدالغنی دہلوی موصوف کا بیان بھی یہی ہے :

وطعام پختن مثل شادی وجمع شدن درخانہ میت مثل اجتماع شادی مکروہ است۔

یعنی شادی کی طرح کھانا پکانا اوراہل میت کے گھر اکٹھے ہوکرشادی کی طرح خوشی منانا مکروہ ہے۔

اپنی دوسری کتاب ''انجاح الحاجہ شرح ابن ماجہ'' میں بھی اسی مطلب کی ترجمانی کی ہے :

**و أما إذا كان للأغنياء و الأضياف ممنوع مكروه لحديث أحمد و ابن ماجة كنا نرى الاجتماع و صنعة الطعام –إلى آخره–**

یعنی جب وہ کھانا مخصوص اغنیاہی کے لیے ہوااوران لوگوں کے لیے جوخواہی نہ خواہی آ کر جمع ہوگئے ہیں تووہ ممنوع ومکروہ ہے۔

تو شاہ صاحب موصوف نے صاف بیان فرمادیا کہ ممنوع ومکروہ وہ شکل ہے جس میں شادی کے کھانے کی طرح مالداروں اورمہمانوں کا جمگھٹا ہو،ان کے نزدیک حدیث جریر کا یہی محمل ہے۔ اور جوثواب کی نیت سے ہووہ جائز ہے،یہ ان کے نزدیک عاصم بن کلیب کی حدیث کا محمل ہے۔ جیسا کہ انجاح الحاجہ کے حوالے سے اوپر نقل کیا گیا۔اور یہی مذہب ہے۔

**تیسری دلیل** چالیسویں وغیرہ کے سلسلے میں مانعین کی یہ عبارت ہے کہ ''سیف السنۃ'' کے صفحہ ۱۵ پر تحریر ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ''مقالۃ الوصیۃ'' یعنی وصیت نامہ میں فرمایا ہے :

دیگر از عادت شنیعہ ما مردم اسراف است در ماتم وچہلم وششماہی و فاتحہ سالینہ –الیٰ آخرہ–

یعنی ہماری دوسری بری عادتوں میں سے ماتم ،چالیسویں ،چھماہی اور برسی کے فاتحہ کے مواقع پر اسراف سے کام لینا بھی ہے۔

میں کہتا ہوں اگر یہ لوگ عاقل ہوتے تو شاہ ولی اللہ کے کلام کوکبھی پیش نہ کرتے اس لیے کہ اس میں چہلم وغیرہ کے کھانے کونہیں منع کیا اس میں تو اسراف کرنے کو بری عادت سے تعبیر کیا ہے۔ اسراف' بے اندازہ خرچ کرنے کو کہتے ہیں،اورقرآن شریف میں ہے :

وَ لاَ تُسْرِفُوا إِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ . (۱)

اور بے جا خرچ نہ کرو، بے شک بیجا خرچ کرنے والے اسے پسند نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا منشا اس بند کرنے سے اسراف بند کرنا ہے،چنانچہ اس کی برائی انھوں نے بیان کی ہے اورہم بھی اس کو برا کہتے ہیں۔لوگوں کے اندر مختلف مقامات پر طرح طرح کی فضول

(۱) سورہ انعام، ۶/۱۴۱......سورہ اعراف، ۷/۳۱۔

خرچیوں کی عادت پڑ گئی تھی؛ چنانچہ علامہ شامی نے ضیافت اموات کی قباحت کی بابت لکھا ہے :

ما يحصل عند ذلك غالبا من المنكرات الكثيرة كإيقاد الشموع و القناديل التي توجد في الأفراح و كدق الطبول و الغناء بالأصوات الحسان و اجتماع النساء و المُردان و أخذ الأجرة على الذكر و قراءة القرآن -إلى آخره- (۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کے کھانوں کے موقع پر محفل شادی سے کہیں زیادہ اونچے پیمانہ پر قندیلیں اور شمعیں روشن کی جاتی ہیں، طبلے بجتے ہیں، خوش آوازی سے گانے گائے جاتے ہیں، عورتیں اور بلا داڑھی کے لڑکے اکٹھا ہوتے ہیں، قرآن کریم پڑھنے پر مزدوری لیتے ہیں۔

یہ عبارت شامی نے -باب الجنائز- میں لکھی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض جگہوں پر ایسے اسرافات بھی جاری ہو گئے تھے اور اسی طرح وہ حصے جو بطور تورہ بندی خاص اپنے احباب اور برادران اغنیا میں تقسیم کرتے ہیں اور غریبوں کو نہیں کھلاتے وہ بھی فی الجملہ اسراف اور خودنمائی میں داخل ہیں۔

چنانچہ شیخ عبد الحق -رحمۃ اللہ علیہ- کی یہ عبارت جسے مولوی اسحٰق صاحب نے ''مسائل اربعین'' کے سوال نمبر ۳۶ میں ''جامع البرکات'' سے نقل کی ہے :

وآنکہ بعد از سالی وششماہی یا چہل روز دریں دیار پزند ودرمیان برادران بخشش کنند آں را بھاجی گویند چیزے داخل اعتبار نیست بہتر آن است کہ نخورند -انتہیٰ-

یعنی وہ چیز جو سالانہ ششماہی اور چالیسویں کے بعد ان کے گھروں میں بھاجی کے نام سے کھانے تیار کرکے برادری میں تقسیم کی جاتی ہے، اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، اور اس کا نہ کھانا ہی بہتر ہے۔

واضح ہو کہ شرح منہاج میں جو گزرا کہ شش ماہی اور سالانہ وغیرہ کا کھانا مکروہ ہے تو اس میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ جو اس کھانے کے مستحق ہیں ان کو نہیں کھلاتے، اور کھانا ایسا پر تکلف پکاتے اور اس میں ایسی زینتیں کرتے ہیں جیسا کہ عموماً شادیوں کے موقع پر ہوا کرتا ہے، اور اس میں احباب کی ضیافت خوشی خوشی کرتے ہیں تو ایسے کھانے کو فقہا منع کرتے ہیں۔

فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے :

---

(۱) ردالمحتار: ۶/۳۹۵۔

و يكره إتخاذ الضيافة من أهل الميت لأنه شرع في السرور لا في الشرور -يعني الحزن- و هي بدعة مستقبحة -إلى آخره- (۱)

حاشیہ خزانۃ الروایات میں ہے :

و لا ضيافة في بيوت الموتىٰ و هم في اللحود .

یعنی اہل میت سے پر تکلف مہمانی کرانا مکروہ ہے کیوں کہ یہ بات خوشی میں تو جائز ہے لیکن موت میں خوشی کہاں وہ تو غم ہوتا ہے، اور پھر مردہ کے گھر میں ضیافت کیسی! وہ تو اپنی قبروں میں پڑے ہیں۔

واضح ہو کہ جس فقیہ کے کلام میں ممانعت ہے تو وہ اسی قسم کے کھانے کے بارے میں ممانعت ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ بزازیہ وغیرہ میں صراحۃً آیا ہے :

و إن اتخذوا طعاما للفقراء كان حسنا .

جو لوگ تعینات کے ساتھ ساتھ ان فاتحے کو جائز رکھتے ہیں وہ سب یہ شرط لگاتے ہیں کہ صدقات کے ثواب میں صرف اغنیا کو کھلا دینے کا کوئی اعتبار نہیں۔ چنانچہ ''تحفۃ النصائح'' میں ہے ؎

سازی طعام مردہ چوں روز سیوم ہفتم چہل
باید دہی درویش را ورنہ نہ باشد معتبر

یعنی تیجہ، ساتواں اور چالیسویں کے موقع پر مردے کے ایصال ثواب کے لیے جو کھانا تیار کیا جاتا ہے چاہیے کہ وہ صرف فقرا ہی میں تقسیم کیا جائے ورنہ ان پر کوئی ثواب مرتب نہ ہوگا۔

باقی رہی یہ بات کہ جب کھانا مردے کے ثواب کی نیت سے تیار کیا گیا اور فقرا ہی کو کھانا کھلایا لیکن ساتھ ہی کچھ غنی شخص بھی اس میں شریک کئے گئے تو اس کا بھی ثواب میت کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ تو یہ مسئلہ ایک بار مولانا احمد علی محدث سہارنپوری مرحوم کے سامنے پیش کیا گیا کہ مولانا اسحٰق مرحوم کے ''مائۃ مسائل'' کے سوال پنجاہ ویکم (۵۱) میں ہے :

طعامے کہ بہ نیت تصدق برفقرا از اموات پزند تا ثواب آں بایشاں رسد جز فقیر روا نبود چہ تصدق برفقرا می باشد و ہدیہ مر اغنیا را۔

یعنی جو کھانا مردوں کے ایصال ثواب کے لیے فقیروں میں تقسیم کرنے کی نیت سے تیار کیا

(۱) فتح القدیر: ۴۳۲/۳-فصل فی الدفن- ......مرقات المفاتیح: ۴۲۵/۵۔

جائے تو اسے فقیروں کے علاوہ کسی اور میں نہ بانٹا جائے اس کی حیثیت فقیروں کے لیے صدقہ اور اغنیا کے لیے ہدیہ کی سی ہے۔

اس وقت مولانا (احمد علی محدث سہارن پوری) کیمپ میرٹھ کوٹھی شیخ الٰہی بخش خاں بہادر مرحوم میں گیارہویں کا کھانا تناول فرمارہے تھے، موقع وقت بھی یہی تھا کہ جناب مولانا - بفضلہٖ تعالیٰ - بہت ہی خوش حال، متمول اور صاحب تجارت تھے اور وہ کھانا حضرت غوث الثقلین - قدس سرہ - کی روح پرفتوح کے ایصال ثواب کے لیے تھا، ارشاد فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اغنیا کے کھانے سے اس درجہ کا ثواب نہیں پہنچتا جس درجہ فقرا کے کھانے سے پہنچتا ہے، ورنہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اغنیا کے کھانے کا ثواب بالکل پہنچتا ہی نہیں، کیوں کہ کھانا کھلانا - اگر چہ اغنیا ہی کو ہو - کوئی منکرات سے نہیں بلکہ معروفات شرعیہ سے ہے، اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ :

كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ . (۱)

یعنی ہر نیک کام کرنے میں شرعاً صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔

مولانا محدث کا کلام یہاں تمام ہوا۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۱۸/۴۴۲ حدیث: ۵۵۶۲...... صحیح مسلم: ۵/۱۷۶ حدیث: ۱۶۷۳...... سنن ابوداؤد: ۱۳/۱۱۱ حدیث: ۴۲۹۶ ...... سنن ترمذی: ۷/۲۳۶ حدیث: ۱۸۹۳...... سنن نسائی: ۷/۲۳۶ حدیث: ۱۸۹۳...... مسند احمد: ۲۹/۲۳۱ حدیث: ۱۴۱۸۲...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۷/۳۵۹ حدیث: ۲۲۲۹۰...... سنن بیہقی: ۴/۱۸۸...... الابانۃ الکبریٰ لابن بطۃ: ۵/۴۷۶ حدیث: ۳۴...... الآحاد والمثانی: ۶/۷۷ حدیث: ۱۸۶۴...... مستدرک حاکم: ۵/۴۱۷ حدیث: ۲۲۷۲...... معجم کبیر طبرانی: ۱/۴۸۳ حدیث: ۱۱۱۵...... معجم اوسط طبرانی: ۱۹/۳۴۶ حدیث: ۱۱۰۶۹...... معجم صغیر طبرانی: ۱/۶۷ حدیث: ۶۴...... شعب الایمان: ۷/۳۳۲ حدیث: ۳۱۸۰...... مسند ابویعلی موصلی: ۵/۹۷ حدیث: ۱۹۸۹...... مسند حمیدی: ۵/۱۳۹ حدیث: ۲۰۳۱...... سنن دار قطنی: ۷/۱۸۱ حدیث: ۲۹۳۴...... صحیح ابن حبان: ۱۴/۲۵۷ حدیث: ۳۴۴۷...... صحیح ابن خزیمہ: ۸/۳۹۱ حدیث: ۲۱۶۳ ...... مسند عبد بن حمید: ۳/۲۰۴ حدیث: ۱۰۸۵...... معرفۃ الصحابہ: ۱۴/۱۳ حدیث: ۴۰۶۰...... مسند شہاب قضاعی: ۱/۱۴۴ حدیث: ۸۶...... مسند طیالسی: ۱/۴۳۰ حدیث: ۴۱۴...... مشکل الآثار طحاوی: ۱۲/۱۴۸ حدیث: ۴۷۷۴ ...... امثال الحدیث اصبہانی: ۱/۴۴ حدیث: ۳۲ ...... الآداب بیہقی: ۱/۱۱۴ حدیث: ۹۵...... الادب المفرد بخاری: ۱/۳۴۳ حدیث: ۵۰۰۰...... اربعون صغری بیہقی: ۱/۱۱۷ حدیث: ۸۳...... مسند بزار: ۴/۴۷۹ حدیث: ۱۴۰۸...... الجامع لاخلاق الراوی خطیب بغدادی: ۱/۳۶۰ حدیث: ۳۲۱...... مسند شاشی: ۱/۳۸۸ حدیث: ۳۱۶ ...... المطالب العالیہ عسقلانی: ۳/۲۷۷ حدیث: ۱۰۱۹...... غریب الحدیث: ۱/۲۷۰ حدیث: ۲۳۱...... معجم ابن المقری: ۱/۲۵۱ حدیث: ۲۵۰...... معجم الصحابہ: ۳/۴۷۸ حدیث: ۸۹۳...... مکارم الاخلاق خرائطی: ۱/۷۸ حدیث: ۴۳ ...... مکارم الاخلاق طبرانی: ۱/۱۳۷ حدیث: ۱۱۱...... مجمع الزوائد: ۳/۱۳۷...... نصب الرایہ: ۷/۳۹۳...... المسند الجامع: ۹/۱۱۵ حدیث: ۷۷۲۹...... تخریج احادیث الاحیاء: ۷/۳۶۷ حدیث: ۳۲۹۲۔

اب اس کے بعد مجھے تلاش ہوئی کہ یہ تو از روئے حدیث جواب ہوا، فقہاے کرام کا جزئیہ بھی دیکھنا چاہیے تو چند کتابوں میں مجھے اس مسئلہ کی تصریح بھی نظر آ گئی، جسے تحریر کرتا ہوں۔

اسی ''مائۃ مسائل'' کے سوال پنجا ہم (پچاسویں) میں بحر الرائق سے نقل کیا ہے :

**و قيد بالزكوٰة لأن النفل يجوز للغني كما للهاشمي .** (۱)

یعنی زکوٰۃ کی قید اس لیے لگائی کہ نفلی صدقہ جس طرح مردِ ہاشمی نسب کو جائز ہے ویسے ہی غنی کے لیے بھی جائز ہے۔

قہستانی کی فصل - مصرف الزکوٰۃ - میں ہے :

**سوق الكلام مشيرا إلى جواز صرف صدقة التطوع إلى الغني .**

یعنی طرز کلام بتا رہا ہے کہ نفلی صدقہ مالدار کو دینا جائز ہے۔

اس عبارت کا خلاصہ بھی وہی ہے۔

ہدایہ کے - فصل صدقہ - میں ہے :

**لأنه قد يَقصِد بالصدقة على الغني الثوابَ .** (۲)

یعنی اغنیا کو کھلانا جس طرح ان کی رضا جوئی اور اپنا دنیوی کام نکالنے کی غرض وغیرہ کے لیے ہوتا ہے اسی طرح کبھی حصول ثواب کے ارادہ سے بھی ہوتا ہے۔

مجمع البحار جلد دوم میں ہے :

**الصدقة ما تصدقت به على الفقراء أي غالب أنواعها كذلك فإنها على الغني جائزة عندنا يثاب به بلا خلاف .**

یعنی صدقہ وہ ہے جو فقرا کو دیا جائے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اکثر صدقے ایسے ہی ہوتے ہیں ورنہ صدقہ تو بے شک غنی کو بھی دینا جائز ہے اور اس پر ثواب بھی ملتا ہے۔ اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اغنیا کا دینا ہبہ اور ہدیہ ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہدیہ اور ہبہ کرنا بھی معروفات شرعیہ اور موجبات ثواب میں سے ہے۔ لہٰذا اس پر ضرور ثواب ملے گا گو کہ فقیر کی بہ نسبت کم ہو۔

---

(۱) بحر الرائق: ۶/۷۶۔

(۲) عنایہ شرح ہدایہ: ۱۲/۳۲۵۔

**چوتھی دلیل** : منع چہلم وغیرہ کے سلسلے میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی - رحمۃ اللہ علیہ - وصیت نامہ میں فرماتے ہیں :

و بعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم و بستم و چہلم و ششماہی و برسینی ہیچ نکنند کہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نداشتہ اند - الیٰ اخرہ -

یعنی میرے مرنے کے بعد دسویں، بیسویں، چالیسویں، ششماہی اور برسی جیسے دنیوی جیسے نہ کیے جائیں کہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - نے تین روز سے زیادہ سوگ منانے کو جائز نہیں فرمایا ہے۔

واضح ہو کہ اللہ کی رضا کے لیے کھانا کھلانا امورِ دین سے ہے، اور قاضی صاحب نے رسوم دنیوی کو منع فرمایا ہے، اور وہ یہ کہ عورتیں ان ایام میں جمع ہو کر رویا پیٹا کرتی ہیں۔ اور یہ کوئی ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے خود قاضی صاحب کی دلیل اپنے منہ بول رہی ہے یعنی منع چہلم وغیرہ کی دلیل یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - نے تین دن سے زیادہ ماتم کرنا جائز نہیں فرمایا[1] تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ چھماہی، برسی اور چہلم وغیرہ میں ماتم نہ کریں۔

مولوی اسماعیل صاحب نے بھی ''تذکیر الاخوان'' میں لکھا ہے :

جو عورت ماتم پرسی کو آتی ہے وہ بھی ان کے پیٹنے چلانے میں شریک ہوتی ہے پھر کسی کے یہاں تین دن، کسی کے سات دن، کسی کے دس دن، کسی کے چالیس دن، کسی کے چھ مہینہ، کسی کے برس دن تک اور کسی کے دو برس تک یہی بات جاری رہتی ہے، جتنے دنوں جس قدر یہ نوحہ زیادہ ہو اسی قدر آپس میں ان لوگوں کی تعریف ہو اور اگر نہ ہو تو طعن کرتے ہیں کہ فلاں کے ہاں میت کی کچھ قدر نہ ہوئی۔ اور مرد جو جاتے ہیں تو صرف دستور و رواج کے موافق ان لوگوں کے دکھلاوے کو کچھ فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں، اس فاتحہ سے مردے کے لیے ثواب' منظور نہیں ہوتا - یہ تلخیص کے ساتھ تذکیر الاخوان کی عبارت ہے -

---

(۱) متن حدیث: **لا يحل لامرأة تؤمن بالله و اليوم الآخر أن تحد على ميت فوق ثلاث ليال إلا على زوج أربعة أشهر و عشرا .**
صحیح بخاری: ۲۶/۵ حدیث: ۱۲۰۱...... صحیح مسلم: ۲/۷/۴ حدیث: ۲۷۳۱...... سنن ابوداؤد: ۲۲۳/۶ حدیث: ۱۹۵۵ ...... سنن ترمذی: ۴۴۸/۴ حدیث: ۱۱۱۷...... سنن ابن ماجہ: ۲۷۸/۶...... موطا امام مالک: ۲۴۸/۴ حدیث: ۱۰۹۹...... مسند احمد: ۴۹ حدیث: ۱۱۹ حدیث: ۲۲۹۶۳...... مصنف عبدالرزاق: ۴۸/۷...... سنن کبریٰ نسائی: ۳۸۴/۳ حدیث: ۵۶۹۴...... صحیح ابن حبان: ۱۰۱/۱۸ حدیث: ۴۳۷۸...... مسند طیالسی: ۴۸۵/۴ حدیث: ۱۶۸۱...... مشکوٰۃ المصابیح: ۲/ ۲۵۶ حدیث: ۳۳۳۰۔

تو قاضی صاحب کا دراصل اشارہ ان امور کی طرف ہے ورنہ وہ خود اسی وصیت نامہ میں فرماتے ہیں :

وازکلمہ ودرود وختم قرآن واستغفار از مالِ حلال صدقہ بہ فقرا باخفا امداد فرمایند- انتہیٰ -

یعنی کلمہ طیبہ، درود شریف، ختم قرآن، استغفار اور مال حلال سے صدقہ کر کے فقیروں کی خفیہ انداز میں امدادرسی کی جائے۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ کلمہ اور ختم قرآن وغیرہ سب قاضی صاحب کے نزدیک درست ہے اور صدقہ کو پوشیدہ اس لیے فرمایا کہ اپنے ورثہ میں نمود و نمائش وغیرہ کا کچھ طریقہ دیکھا ہوگا - جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں - اس واسطے اخفا کا حکم دیا ورنہ صدقہ ظاہر کر کے دینا شرع میں درست ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ . (۱)

اگر خیرات اعلانیہ دو تو وہ کیا ہی اچھی بات ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے :

اگر کھلی دو خیرات تو کیا اچھی بات ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کا فارسی ترجمہ یوں کیا ہے :

اگر آشکارا کنید خیرات را پس نیکو چیز است۔

ظاہر کر کے دینے میں ایک نفع اور بھی ہے کہ دوسرے لوگوں کو ہدایت ہو کہ وہ بھی صدقہ کیا کریں۔

**پانچویں دلیل**: منع چہلم وغیرہ کے لیے یہ لکھتے ہیں :

حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - نے فرمایا ہے: **طعام المیت یمیت القلب و طعام المریض یمرض القلب** ودرنوادر ہشام آمدہ کہ مکروہ ہست اجابت کردن طعامے کہ بجہت روح مردہ کردہ باشند۔

یعنی میت کا کھانا دل کو مردہ کر دیتا ہے اور مریض کا کھانا دل کو بیمار کر دیتا ہے۔ نوادر ہشام میں آیا ہے کہ میت کی روح کے واسطے کیا گیا کھانا قبول کرنا مکروہ ہے۔

---

(۱) سورہ بقرہ: ۲/ ۲۷۱۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو صحیح رکھو گے تو دوسری حدیثیں جو میت کی طرف سے ترغیب خیرات میں آئی ہیں اور باجماع امت مقبول بھی ہیں ان کا کیا جواب دو گے۔ اور اِس حدیث کی اسناد بھی نہیں معلوم اور صحابی کا نام بھی نہیں کہ کس صحابی نے اسے حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - سے روایت کیا ہے، نہ ہی صحابی کے بعد اور راویوں کے احوال معلوم کہ پھر صحابی سے کن کن راویوں نے اس کو روایت کیا، نہ ہی حدیث کی کتاب کا نام لکھا کہ صحاح ستہ یا حدیث کی کسی اور کتاب میں یہ حدیث موجود ہے۔ ان امور سے قطع نظر اِس حدیث کو معین ومخصوص تیجہ، دسویں، بیسویں اور چالیسویں کے فاتحے کی ممانعت کے لیے پیش کرنا بھی صحیح نہیں کیوں کہ اس میں مطلق طعام میت کی نہی موجود ہے تو بلا تعین کا صدقہ بھی نہیں پایا گیا جس کو تم جائز کہتے ہو اور جب مطلقاً فقیر وامیر کی قید کے بغیر اس دعوت کو قبول کرنا مکروہ ہوا تو میت کی طرف سے صدقہ کا جو حکم حدیث وفقہ میں ہے اس دعوت کو جنات قبول کریں گے یا جنگل کے وحوش وطیور! - منکرین' کتاب اربعین سے ایسی سند لائے جس سے خود اپنے پاؤں میں تیشہ مار گئے۔

**چھٹی دلیل**: منع کی یہ ہے کہ مسائل اربعین میں لکھا ہے :

> درنوادر الفتاویٰ آوردہ اند کہ اجابت کردن طعامے کہ از بہر مردہ ساختہ باشند مکروہ ست سہ روزہ ہفتہ وماہیانہ وسالیانہ وآں طعام علما وفضلا را مکروہ است - انتہیٰ -
>
> یعنی نوادر الفتاویٰ میں مذکور ہے کہ تیجہ، ساتواں، تیسواں اور برسی کے نام پر جو کھانے مردے کے ایصال ثواب کے لیے تیار کیے گئے ہوں اس کا قبول کرنا مکروہ ہے، اور اس کا علما وفضلا کے لیے کھانا مکروہ ہے۔

اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ برسی، تیجہ اور چالیسویں وغیرہ کا کھانا علما وفضلا کے لیے تو مکروہ ہے اوروں کے لیے مکروہ نہیں اگر سب کو مکروہ ہوتا تو عالموں کا نام لینا یہاں کیا ضرور تھا۔ خیر! اگر یہ لوگ اسی قدر لکھ دیں تو کچھ مضائقہ نہیں کیوں کہ علما فضلا تو خود اس کھانے میں کم جاتے ہیں اکثر اَور آدمی کھاتے ہیں، اگر اوروں کو جائز ہوا تو یہ بھی غنیمت ہے، اور صحیح یہی ہے۔ اس مسئلہ میں مولوی اسماعیل صاحب کی بڑی شہرت ہے کہ وہ منکروں کے سردار ہیں اور ان تعینات کو مکروہ وحرام کہتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ان کے نزدیک ممانعت کا باعث محض یہ ہے کہ ان کو اپنے ہمعصروں میں یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ لوگ خالصاً للہ نہیں کرتے بلکہ لوگوں کے دکھاوے کے لیے جبراً کرتے ہیں۔ چنانچہ ''صراطِ مستقیم'' مطبوعہ میرٹھ کے صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں :

ودر تقسیم طعام سیوم وچہلم بسبب خوف مطعون شدن وسعت وکشادگی می کنند - انتہیٰ -

یعنی عوام کی ملامت کے خوف سے تیجہ اور چہلم کے موقع پر کھانا تقسیم کرنے میں نہایت فراخ دلی سے کام لیا جاتا ہے۔

صفحہ ۷۳ میں ہے :

ورنہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام وفاتحہ خوانی خوب نیست چہ ایں معنی بہتر وافضل غرض آں ست کہ مقید برسم نہ باشد بے تعین تاریخ وروز وجنس وقسم طعام ہر وقت و ہر قدر کہ موجب اجر جزیل بود بعمل آرد ہرگاہ ایصال نفعے بہ میت منظور دارد موقوف بر اطعام نگذارد اگر میسر باشد بہتر است والا صرف ثواب فاتحہ واخلاص بہترین ثواب ہا است در تعین تاریخ وروز وقسم ووضع طعام ضیق پیش می آید انسان را خواہ نخواہ آنچہ کردن دشوار می بود سرانجام آں ضرر می افتد - الیٰ آخرہ -

یعنی معلوم ہونا چاہیئے کہ مردے کو کھانے اور فاتحہ خوانی کے ذریعہ نفع پہنچنا کوئی اچھی بات نہیں، چہ جائے کہ افضل و بہتر ہو۔ مقصد یہ ہے کہ اس میں رسم کی قید، تاریخ و دن اور جنس وقسم طعام کا تعین نہ ہو۔ جتنا اور جس وقت بھی ایصال ثواب کا خیال ہو اس پر عمل درآمد کر دیں۔ اور جب بھی میت کو ایصال ثواب کرنا ہو تو اسے محض کھانے تک محدود نہ رکھیں اگر اور کچھ میسر ہو تو بہتر ہے ورنہ صرف فاتحہ واخلاص پڑھ کر ایصال ثواب کر دینا بہترین عمل ہے۔ تاریخ و دن، اور کھانے کی قسم وہیئت متعین کر دینے میں مضائقہ پیش آتا ہے، جسے خواہی نہ خواہی کرنا پڑتا ہے اور انجام کار خود کو مشقت میں ڈالنا ہے۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ سویم اور چہلم وغیرہ کا کھانا تعین ایام کے سبب منع نہیں جیسا کہ بعض علما فی زماننا خیال کرتے ہیں بلکہ مولوی اسماعیل اور سید احمد صاحب کے نزدیک اس میں قباحت یہ ہے کہ انسان کے پاس کچھ ہو یا نہ ہو، دن و تاریخ کی پابندی کی وجہ سے خواہ مخواہ اسے کرنا پڑتا ہے جس میں تنگی و مصیبت پیش آتی ہے۔ پھر اگر یہی بات کسی کو پیش آئے تو اس کے حق میں ہم بھی منع کریں گے کہ اے بھائی! تو اپنے مقدور کے موافق کر، نام آوری کے لیے، حوصلہ سے زیادہ، جس کا سنبھالنا تجھے مشکل ہے اس طرح مت کر۔ خالصاً للہ جس قدر تیرے پاس موجود ہے اسی قدر کر دے اور اگر کچھ بھی نہیں تو خالی فاتحہ ہی پڑھ دے۔

**سوال** : تعین ایام کی ضرورت کیا ہے؟

**جواب**: صحابہ - رضوان اللہ علیہم اجمعین - کے دلوں میں خیرات وحسنات حاصل کرنے کا خود شوق تھا وہ اپنے عشق دلی کے ولولے سے سرشار ہوکر نیک کام کیا کرتے تھے ان کو نہ کسی کی تاکید کی حاجت تھی نہ تعین کی اور نہ یاد دلانے کی، لیکن جب وہ دور چلا گیا اور لوگوں کے دلوں میں نیک کاموں کی طرف سے بے رغبتی پیدا ہوگئی تو اس کے لیے علماے دین نے اصلاح دین کے پیش نظر فتوے اور احکام صادر فرمائے مثلاً قرآن کریم کی تعلیم پر اجرت لینا اصل حدیث سے منع تھا کیوں کہ اس وقت لوگوں کے دل (دین کی طرف) راغب تھے، خالص اللہ کے واسطے تعلیم کیا کرتے تھے لیکن جب قرون صالحہ کا دور ختم ہوگیا، لوگوں کے دل ویسے نہ رہے اور قرآن کا پڑھنا پڑھانا بند ہونے لگا تب علماے دین - رحمہم اللہ - نے جواز کا حکم دیا یعنی قرآن پر اجرت لینا اور دینا دونوں جائز ہے۔ چنانچہ فقہا لکھتے ہیں :

**لو لم يفتح لهم باب التعليم بالأجر لذهب القرآن .** (۱)

یعنی اگر اجرت کا دروازہ نہ کھولا جائے تو ڈر ہے کہ کہیں دنیا سے قرآن نہ اٹھ جائے۔

ہدایہ میں ہے :

**لأنه ظهر التواني في الأمور الدينية ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن و عليه الفتوىٰ .** (۲)

قرآن پڑھانے کی اجرت لینا اس لیے جائز ہے کہ اب امورِ دینیہ میں سستی ظاہر ہونے لگی ہے تو ایسے وقت میں اجرت کی ممانعت کرنا دراصل حفظ قرآن کو ضائع کرنے کے مرادف ہوگا، اور فتویٰ بھی اسی پر ہے یعنی کہ قرآن پر اجرت لینا جائز ہے۔

یوں ہی اذان کے بعد تثویب کہنے کو یعنی الصلوٰۃ الصلوٰۃ وغیرہ پکار کر کچھ کہنا تا کہ نمازی آ کر جلد جماعت میں شریک ہوں، متاخرین علما نے مستحسن قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے :

---

(۱) رد المحتار: ۲۹۵/۲۴ - مطلب فی الاستئجار علی الطاعات - ...... حاشیۃ رد المحتار: ۶/ ۳۴۰ ...... تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق: ۴۳۸/۱۴ - باب الاجارۃ الفاسدۃ - ...... البحر الرائق شرح کنز الدقائق: ۴۲۳/۱۴ - جعل الواقف غلۃ الوقف لنفسہ ... - ...... مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر: ۱۸۹/۷ - باب الاجارۃ الفاسدۃ -

(۲) عنایہ شرح ہدایہ: ۳۹۳/۱۲ -

و المتأخرون استحسنوه في الصلوات كلها لظهور التواني في الأمور الدينية . (۱)

یعنی علماے متاخرین نے امور دینیہ میں سستی برتنے کی وجہ سے ہر نماز کے بعد تثویب کہنے کو مستحسن قرار دیا ہے۔

تثویب کا یہ مسئلہ فتاویٰ عالم گیری میں بھی ہے، اور اس قسم کی بہت سی نظیریں فقہی کتابوں میں موجود ہیں، جو ڈھونڈے گا پائے گا۔

مجمع البحار، شامی اور فتاویٰ عالم گیری وغیرہ چند معتبر ومقبول کتابوں میں مندرج اس بات کے بھی یہی معنی ہیں :

كم من أحكام يختلف باختلاف الزمان . (۲)

یعنی بہتیرے احکام زمانہ بدلنے کی وجہ سے بدل جاتے ہیں۔

ایک وقت وہ تھا کہ قرآن کے اندر زیر وزبر، وقف جائز، مطلق اور لازم وغیرہ لکھنا علما جائز نہیں سمجھتے تھے اسے مکروہ کہتے تھے، جو متقدمین کی کتابوں میں درج ہے۔ اور آج ایک وقت وہ آیا کہ لوگوں کا ڈھنگ بگڑ گیا، جہالت طاری ہوگئی، تب علما نے حکم دیا کہ قرآن شریف میں زیر وزبر وغیرہ لکھنا واجب ہے۔ چنانچہ کشف الظنون وغیرہ میں تصریح ہے کہ کہاں مکروہ اور کہاں واجب۔

ع : ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔

ذرا دیکھیے کہ راستے کا تفاوت کہاں سے کہاں تک ہے۔

---

(۱) عنایہ شرح ہدایہ: ۱/۳۹۹۔

(۲) تلاش بسیار کے باوصف یہ عبارت مجھے نہ ملی۔ ہاں اسی مفہوم سے ملتی جلتی الفاظ کے ذرا سے فرق کے ساتھ کئی فقہی عبارتیں ملتی ہیں :

- هذا أمر يختلف باختلاف الزمان و المواضع . (بحر الرائق: ۲۰/۲۲۳...... فتاویٰ ہندیہ: ۲۷/۳۳۵-۴۳/۷۲)

یوں بھی ہے :

- و كم من شيء يختلف باختلاف الزمان والمكان . (بحر الرائق: ۲۲/۱۸۹...... مجمع الانہر: ۸/۲۱۴...... رد المحتار: ۲۶/۴۵۶...... درر الحکام شرح غرر الاحکام: ۴/۴)

اور یوں بھی ہے :

- و الحكم قد يختلف باختلاف الزمان . (۱/۳۹۶-۷/۱۸۹...... تبیین الحقائق: ۱۶/۴۲۸...... درر الحکام شرح غرر الاحکام: ۲/۲۶۸)

اسی طرح مسجدوں کو بلند کرنا اور اس کی زینت کرنا مکروہ بتایا گیا ہے مگر اب علما، مصلحت کے باعث اسے مستحب فرماتے ہیں۔ چنانچہ صاحب مجمع البحار نے لفظ زخرف کی تحقیق میں لکھا ہے کہ جب لوگ اپنے گھر بہت عمدہ عمدہ بنانے لگے تو اب اگر مسجد کو کچی اینٹوں سے اونچے اونچے مکانات کے پاس بنا دیں گے اور وہیں کافروں کے بھی بہتیرے گھر بلند ہوتے ہیں تو اب مسجد نظروں میں حقیر ٹھہرے گی۔

ان مثالوں اور روایتوں سے مجموعی طور پر یہی معلوم ہوا کہ اگر زمان ومکان میں یا کسی ہیئت اور وضع میں کسی مصلحت کے باعث کسی قسم کے تعینات واقع ہوں تو وہ جائز ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب - رحمۃ اللہ علیہ - ''انتباہ'' کے شروع میں فرماتے ہیں :

> اگر چہ اوائل امت را با واخر امت در بعض امور اختلاف بودہ باشد اختلاف صور ضرر نمی کند ارتباط سلسلہ بہمہ ایں امور صحیح ست و اختلاف صور را اثرے نیست - انتہیٰ کلامہ تلخیصاً -
>
> یعنی اگر چہ امت کے پچھلوں کا پہلوں سے بعض امور کی بابت کچھ اختلاف واقع ہوا ہے۔ مگر صوری اختلاف مضر نہیں۔ ان امور کے ساتھ اس سلسلہ کا ارتباط وتعلق درست ہے اور صوری اختلاف کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔

ان عبارتوں سے - نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھنے کے قابل - یہ فائدہ پیدا ہوا کہ اگر علمائے متاخرین میں کسی قسم کا تعین علمائے متقدمین کی وضع کے مخالف پیدا ہو تو یہ ضرور نہیں کہ اس کو رد کر دیا جائے اس لیے کہ زمانہ متقدمین کی مصلحت وہ تھی جس کا انھوں نے حکم دیا اور متاخرین کے وقت میں امت کے اطوار اور طبیعتیں بدل جانے کی وجہ سے دوسری طرح پر امتحان ظاہر ہوا اور درحقیقت یہ اختلاف نہیں کیوں کہ متقدمین ومتاخرین کا یہ دونوں گروہ اصلاح دین پر متفق ہے۔ ان کے وقت میں اصلاح اُس میں تھی اور ان کے وقت میں اصلاح دوسری طرح۔ چنانچہ یہی وجہ مولوی اسماعیل صاحب کے مرشد برحق سید احمد صاحب کو بھی پیش آئی کہ انھوں نے ''صراط مستقیم'' میں تجدید اشغال کے واسطے ایک جدا باب مقرر کیا۔ صفحہ ۸ میں لکھتے ہیں :

> مصلحت وقت چناں اقتضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت ست تعین کردہ شود - انتہیٰ -
>
> یعنی مصلحت وقت کا تقاضا ہے کہ اس کتاب کے اندر اشغال جدیدہ پر مشتمل ایک باب

کا اضافہ کردینا چاہیے۔

اسی کتاب کے آخر ورق میں مولوی اسماعیل صاحب اپنے پیر کا حال لکھتے ہیں :

بعد ازاں در تلقین و تعلیم طریقہ چشتیہ بازوئے ہمت کشادند و تجدیداشغالے کہ ایں کتاب مستطاب براں محتوی گردیدہ فرمودند- انتہٰی -

یعنی طریقہ چشتیہ کی تعلیم و تلقین کے سلسلہ میں انھوں نے اپنے بازوئے ہمت کشادہ کردیے اور جن اشغال جدیدہ پر یہ کتاب مشتمل ہے اس کا انھوں نے اشارہ دیا۔

انوارِ ساطعہ کا یہ مولف عاجز کوئی بات اپنی طبیعت سے نہیں کہتا کہ پھر بعد میں چل کر اسے الزام دیا جائے بلکہ جو کچھ خلاصہ کلام ہے وہ انھیں مانعین حضرات کی مسلم الثبوت کتابوں کا چھانٹا ہوا عطر ہے۔

جب یہ مسئلہ متحقق ہوگیا تو اب سمجھنا چاہیے کہ صحابہ چوں کہ نیکیوں میں سبقت کرنے والے تھے اس لیے ایصال ثواب وغیرہ کے لیے تعیین زمان کی انھیں کوئی حاجت نہیں تھی بلکہ وہ خود رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- سے پوچھ پوچھ کر اپنے اقربا کی طرف سے خیرات کیا کرتے تھے- اس سلسلہ میں حضرت سعد کا قصہ[1] ابھی گزرا-

اب اگر کسی کو ثواب کا رستہ بتاتے ہیں تو وہ منہ دوسری طرف پھیر لیتا ہے۔غرض کہ جب لوگوں میں سستی واقع ہوئی تو خیرات میں فرق پڑنے لگا اور مردوں کا حال دیکھا تو وہ ہے جو حدیث میں وارد ہوا کہ جس طرح کوئی ڈوبتا ہوا آدمی سہارا تکتا رہتا ہے کہ کوئی میرا ہاتھ پکڑ لے یا کوئی رسی کوئی لکڑی یا کوئی چیز میرے ہاتھ آجائے کہ اس کو پکڑ کر بچ جاؤں، اسی طرح میت بھی اپنے زندہ اقربا سے آس وآسرا لگائے رہتی ہے، اور اقربا کا یہ حال ہوگیا کہ ان کے حق فراموش کرنے لگے، تب بزرگان دین تعیین ایام پر کھڑے ہوئے اور جدا جدا وقتوں مثلا دسواں اور بیسواں وغیرہ معین کردیا تا کہ بتدریج انتظام میں وارثین کو بھی آسانی ہو، اور مردے کو یہ فائدہ ہو کہ سلسلہ امداد منقطع نہ ہونے پائے، کچھ آج فائدہ پہنچا، کچھ اس کے بعد، پھر کچھ اس کے بعد۔

اس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ تعیین کے سبب لوگوں کو یاد رہتا ہے اور خیال و دل پر چڑھا رہتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ مصلحت تعین کے پابند ہیں ان کے گھر سے کچھ نہ کچھ خیر خیرات ہوجاتی ہے۔اور رہے

---

(۱) ان کی والدہ مرگئی تھیں تو حضور ﷺ سے پوچھا تھا کہ کون سا صدقہ افضل ہے تو آپ نے فرمایا کہ پانی۔تب انھوں نے اپنی والدہ کی طرف سے کنواں کھدوا دیا تھا۔۱۲ منہ رحمہ اللہ۔

وہ لوگ جو بسا اوقات ان لوگوں کی بہ نسبت کہتے ہیں کہ اس تعین کے ساتھ کام کرنے سے نہ کرنا اچھا کہ اس میں نمود ونمایش ہوتی ہے تو ان کا یہ کہنا بالکل ہی صحیح نہیں؛ اس لیے کہ ہر کوئی نمود ہی کے واسطے نہیں کرتا اور اگر کوئی نمود کے لیے کرتا بھی ہو تو ہم اس کو منع نہیں کریں گے، کیوں کہ یہ نمود تو اس کے حق میں ہے، ساتھ ہی ایک وقت کسی غریب کا پیٹ تو بھرے گا، یہ تو بہت اچھا کام ہے۔ اس سے ہماری غرض یہ نہیں کہ لوگ نمود اور ریا کاری کے واسطے کیا کریں - حاشا وکلا - عمل وہی بہتر ہوتا ہے جو اخلاص سے ہو لیکن یہ صرف اس لیے کہا کہ اگر کسی ایک نے نمود کے طور پر عمل کیا تو منکرین اس سے سند پکڑ کے سب کو منع کرنے لگیں، لہٰذا ان کے جواب میں 'و لو سلمنا' کے طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ بھی کچھ نہ کچھ خیر سے خالی نہیں۔

حضرت فقیہ ابو اللیث سمر قندی - رحمۃ اللہ علیہ - ''تنبیہ الغافلین'' میں فرماتے ہیں :

**و لا يترك العمل لأجل الرياء يقال في المثل إن الدنيا خربت منذ مات المراؤن لأنهم كانوا يعملون أعمال البر مثل الرباطات و القناطير و المساجد فكان للناس فيه منفعة و إن كانت للرياء فربما ينفعه دعاء أحد من المسلمين .**

یعنی عمل خیر کو ریا کے سبب نہ چھوڑنا چاہیے۔ مثل مشہور ہے کہ جب سے ریا کاری کے کام کرنے والے مر گئے دنیا ویران ہوگئی ہے، اس لیے کہ وہ پہلے نیک کام کیا کرتے تھے، سرائے ، پل اور مسجدیں بنواتے تھے جس میں لوگوں کا بھلا ہوتا تھا اگر چہ ریا کا کام خود اس کرنے والے کو کوئی نفع نہیں دیتا لیکن کبھی کوئی اس ریا کے کام سے نفع پا کر دعا کر دیتا ہے تو اسے اسی دعا کی برکت سے نفع ہو جاتا ہے۔

الغرض! اچھے کام کا نتیجہ اچھا ہی ہوتا ہے۔

اب اصل بیان کی طرف آئیں کہ جب لوگوں کی سستی اور بے رغبتی کے باعث تعین کی حاجت ہوئی تو ایک کھانا اور فاتحہ برسی میں ٹھہرایا، ایک اس کے نصف یعنی ششماہی، پھر اس کے نصف یعنی سہ ماہی، پھر اس کے نصف یعنی پینتالیس دن میں۔ لیکن اکثر امور میں چلہ کا عدد اختیار کیا گیا ہے اس لیے پینتالیس میں سے پانچ گھٹا کے چالیسواں دن کر دیا گیا۔

اب شریعت میں عدد چالیس کے جو شمار وارد ہوئے ہیں، ان میں سے چند مقامات ذکر کیے جاتے ہیں: اول جب حضرت آدم - علیہ السلام - کا خمیر ہوا تو چالیس برس تک وہ خمیر اسی حالت میں

پڑا رہا پھر وہ سڑنا شروع ہوا (یہاں تک کہ) چالیس برس تک وہ سڑتا رہا- جس طرح تعمیر مکان کے لیے گارہ کو سڑایا جاتا ہے- پھر خشک ہونا شروع ہوا تو چالیس برس میں خشک ہوا، اور- جس طرح مٹی کا ٹھیکرا بجانے سے ٹن ٹن بجتا ہے- بجنے لگا۔

اسی طرح آدمی کی پیدائش میں بھی کہ چالیس دن وہ نطفہ رہتا ہے، پھر چالیس دن خون بستہ، پھر چالیس دن میں گوشت کے ٹکڑے بوٹیاں بن جاتے ہیں۔ غرض اس سے معلوم ہوا کہ چالیس دن میں حال بدل جاتا ہے۔

اسی غرض سے صوفیہ کرام نے اپنی ریاضتوں میں عدد چلہ مقرر کیا کہ اتنے دنوں میں ریاضت میں نفس کی حالت بدل جائے گی۔ اور حدیث میں آیا :

جو چالیس دن اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص رکھے گا اس کے دل سے رحمت کے چشمے پھوٹ کر زبان سے جاری ہوں گے۔(۱)

یہ حدیث تفسیر عزیزی میں ہے۔

امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' میں نقل کیا :

جو کوئی چالیس دن امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ پالے گا' اللہ تعالیٰ اس کو دو باتوں سے بری کردے گا ایک نفاق سے دوسرے عذاب نار سے۔(۲)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ -علیہ السلام- سے بھی وعدہ فرمایا تھا کہ چالیس رات اعتکاف کریں، پھر ہم تم کو شریعت یعنی توریت عنایت کردیں گے یعنی اتنے دنوں میں نفس وقلب وغیرہ کے حالات بدل جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَ إِذْ وَاعَدْنَا مُوسیٰ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً . (۳)

اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ فرمایا۔

---

(۱) متن حدیث: ما من عبدٍ يخلص لله العمل أربعين !لا ظهرت ينابيع الحكمة من قبله على لسانه .
(احیاء علوم الدین: ۳/۴۶۴ -فضیلۃ الاخلاص- ...... تخریج احادیث الاحیاء: ۹/۲۳۸ حدیث: ۴۲۳۸)

(۲) احیا کی عبارت یوں ہے: من صلى أربعين يوما الصلوات في جماعة لا تفوته فيها تكبيرة الإحرام كتب الله له براء تين: براء ة من النفاق و براء ة من النار . (احیاء علوم الدین: ۱/۱۵۷)

(۳) سورہ بقرہ: ۲/۵۱۔

بیہقی نے انس - رضی اللہ عنہ - سے انبیا - علیہم السلام - کی ارواح کی بابت یہ روایت کی ہے:

**إن الأنبياء لا يتركون في قبورهم بعد أربعين ليلة و لكنهم يصلون بين يدي الله حتى ينفخ في الصور .**

اس کے معنی زرقانی نے یہ لکھے ہیں :

چالیس روز تک قبر میں مدفون اس جسم کے ساتھ روح پیوستہ رہتی ہے، اس کے بعد وہ روح قربِ الٰہی میں عبادت کرتی رہتی ہے، اور جسم کا قالب دھار کر جہاں چاہتی ہے جاتی ہے - انتہیٰ -

یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ چالیس دن تک ہر کسی کی روح کو گھر سے علاقہ رہتا ہے تو شاید یہ حدیث بھی کہیں آئی ہو گی۔ انبیا کی روحوں سے متعلق تو بیہقی کی یہ حدیث دیکھی مگر عام روحوں کی نسبت، نظر سے نہیں گزری؛ لیکن ہم لوگ علماے سابقین کی بہ نسبت کم مایہ ہیں، علمی کتابوں کا ذخیرہ بھی بہت تھوڑا ہی ہے، اس لیے ہماری نظر سے نہ گزرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ حدیث درحقیقت آئی ہی نہیں۔

ہاں! ہم نے امام غزالی کی طرف منسوب ''دقائق الاخبار'' میں یہ حدیث دیکھی ہے جو ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - نے فرمایا :

**إذا مات المومن يدور روحه حول داره شهرا و ينظر إلى ما خلفه من ماله كيف يقسم ماله و كيف يودي دينه فإذا تم شهرا ينظر إلى جسده و يدور حول قبره سنة فينظر من يدعو له و من يحزن عليه فإذا تمت سنة رفعت روحه إلى حيث يجتمع فيه الأرواح إلى يوم ينفخ في الصور .**

یعنی جب مومن مرتا ہے تو اس کی روح ایک مہینہ تک اپنے گھر کے گرد گھومتی رہتی ہے، اور اپنے چھوڑے ہوئے مال کو دیکھتی ہے کہ وہ کس طرح تقسیم ہوتا ہے اور اس کا قرض کیسے ادا ہوتا ہے۔ پھر جب ایک ماہ پورا ہو جاتا ہے تو وہ اپنے بدن پر نظر کرتی ہے اور اپنی قبر کے گرد ایک سال تک گھومتی رہتی ہے اور دیکھتی ہے کہ کون اس کے لیے دعا کرتا ہے، اور کسے اس کا درد و غم ہے۔ پھر جب ایک سال پورا ہو جاتا ہے تو اس کی روح اٹھا کر وہاں رکھ دی جاتی ہے جہاں دوسری روحیں قیامت تک کے لیے رکھی گئی ہیں۔

لیکن یہ یاد رہے کہ انبیا اور مومنین کی روحیں کسی جگہ رہیں لیکن قبر سے انھیں ایسا علاقہ رہتا ہے گویا وہ اسی قبر کے پاس موجود ہیں۔ اہل سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے۔ گفتگو کا تسلسل کہاں

سے کہاں پہنچ گیا کلام اس میں تھا کہ چالیس کا عدد اکثر مقامات میں آیا ہے اور اس عدد میں یہ دلالت ہر مقام پر پائی گئی کہ (اس کی وجہ سے) پچھلا حال بدل جاتا ہے۔ چنانچہ خمیر آدم، خمیر نطفہ انسانی اور چلہ صوفیہ وغیرہ مذکورہ مثالوں سے یہ بات واضح ہوگئی ہے۔ تو چالیس دن میں میت کی ترکیب جسمی اور تعلق روحی میں بھی - جو دنیا کے ساتھ ہے - ضرور کچھ فرق اور تغیر ہوا ہوگا - جیسا کہ ارواح انبیا میں صریح وارد ہوا ہے - لہٰذا اس تغیر کے وقت بھی امدادِ شائستہ کا دستور ٹھہر گیا تاکہ اس کی ایک درجہ سے دوسرے درجہ کی ترقی وعروج عمدہ زادِ راہ کے ساتھ ہو تو یہ فاتحہ چہلم کو مقرر کیا گیا۔ پھر تنصیف کا قاعدہ جو برسی سے ششماہی اور ششماہی سے سہ ماہی میں جاری کیا تھا، چہلم میں بھی کیا گیا یعنی چہلم کا نصف بیسواں اور بیسواں کا نصف دسواں۔ غرض کہ اس دستور کے مطابق، فاتحے کا قاعدہ مقرر ہو گیا۔

حاشیہ خزانۃ الروایات اور بعض رسائل میں مجموع الروایات کی یہ روایت، اس عاجز کی نظر سے گزری ہے کہ آں حضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے حضرت امیر حمزہ کے لیے تیسرے، دسویں، چالیسویں روز، چھٹے مہینے اور برسویں دن صدقہ دیا۔ اگر یہ حدیث کسی قدر قابل اعتماد ہے تو یہ سب رسمیں گویا رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کی سنت ہو گئیں۔ یہ ''مجموع الروایات'' ایک پرانی کتاب ہے، ''خزانۃ الروایات'' میں بھی اس سے کچھ مسائل اخذ کیے گئے ہیں؛ لہٰذا یہ جو قدیم زمانے سے بزرگانِ دین میں متفرق دنوں میں تعین فاتحات ایک امر متوارث چلا آ رہا ہے تو بلا شبہہ یا تو اس حدیث کا کسی اور حدیث سے انھوں نے استخراج کیا ہوگا یا پھر مصلحت کی بنا پر یہ طریقہ خود مقرر کیا ہوگا۔ بہر کیف! اگر انھوں نے خود بھی مقرر کیا تو وہ بھی صحیح ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے :

مَنْ سَنَّ فِي الإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا . (۱)

یعنی جس نے اسلام میں کوئی اچھی راہ نکالی تو اسے اس کا اجر ملے گا۔

---

(۱) صحیح مسلم: ۵/ ۱۹۸ حدیث: ۱۶۹۱......مسند احمد: ۳۹/ ۱۸۰ حدیث: ۱۸۳۸۱......مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۹/ ۱۸۰ حدیث: ۱۸۳۸۱......سنن بیہقی: ۴/ ۱۷۵......سنن نسائی: ۲/ ۴۰ حدیث: ۲۳۳۵......معجم طبرانی: ۲/ ۴۸۲ حدیث: ۲۳۲۴......شعب الایمان: ۱۵/ ۴۴ حدیث: ۶۷۴۹......سنن دارمی: ۲/ ۶۴ حدیث: ۵۲۳......صحیح ابن خزیمہ: ۹/ ۹۷ حدیث: ۲۲۷۸......مسند الشامیین: ۷/ ۳۴۳ حدیث: ۲۵۰۰......مشکل الآثار: ۴/ ۸۳ حدیث: ۱۳۳۷......الفقیہ والمتفقہ خطیب بغدادی: ۱/ ۲۸۲......کنز العمال: ۱۵/ ۷۸۰ حدیث: ۴۲۰۷۸......مجمع الزوائد: ۱/ ۱۶۸......مسند الجامع: ۱۰/ ۸۴ حدیث: ۳۱۴۷۔

علامہ شامی نے اس حدیث کے معنی لکھے ہیں کہ جو کوئی دین میں کوئی نیا نیک طریقہ نکالے تو اس کو اجر اور ثواب ملے گا۔ واضح ہو کہ امر دین میں جو نیک طریقہ قرآن و حدیث کے موافق ایجاد ہو وہ درست ہے۔ زبان سے نماز کی نیت کرنے کو - جو علما کی ایجاد ہے - درمختار اور اس کے شارح نے سنۃ العلما قرار دے کر اسے جائز رکھا ہے - اس کی بحث گزر چکی -

معلوم رہے کہ یہ ہم کو لازم ہے کہ ہم سلف صالحین کے قواعد اور اعمال پر اعتراض نہ کریں بلکہ اس کا اتباع کریں۔ یہ حکم قیامت تک جاری ہے کہ ہر زمانے والا اپنے پہلے زمانے والے کی اطاعت کرے۔ چنانچہ قطب ربانی امام شعرانی اپنی کتاب ''میزان الشریعۃ الکبریٰ'' میں لکھتے ہیں :

**فكما أن الشارع بين لنا بسنته ما أجمل في القرآن فكذلک الأئمة المجتهدون بينوا لنا ما أجمل في أحاديث الشريعة و لو لا بيانهم لنا ذلک لبقيت الشريعة على إجمالها و هكذا القول في أهل كل دور بالنسبة للدور الذي قبلهم إلى يوم القيامة فإن الإجمال لم يزل ساريا في كلام علماء الأمة إلى يوم القيامة و لو لا ذلک ما شرحت الكتب و لا عمل على الشروح و الحواشي - انتهیٰ -**

یعنی جس طرح شارع نے قرآن کے اجمال کو ہم سے بیان کیا تو اسی طرح ائمہ مجتہدین نے بھی شرعی احکام سے متعلق احادیث کے اجمال کو واضح فرمایا، اور اگر ان کی یہ کرم فرمائیاں نہ ہوتیں تو شاید شریعت آج اپنے اجمال ہی پر باقی رہتی۔ اور یہی حال تا قیام قیامت' ہر زمانے والے کا ہے بہ نسبت اس زمانے کے جو اس سے پہلے گزر چکا، کیوں کہ اہل علم کے کلام میں اجمال تو ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے، اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر کتابوں کی شرحیں نہ کی جاتیں، اور نہ شروح وحواشی پر عمل ہی کیا جاتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ - رحمۃ اللہ علیہ - ''عقد الجید'' مطبوعہ فاروقی کے صفحہ ۳۶ پر فرماتے ہیں :

**إن الأمة اجتمعت على أن يعتمدوا على السلف في معرفة الشريعة فالتابعون اعتمدوا في ذلک على الصحابة و تبع التابعين اعتمدوا على التابعين و هكذا في كل طبقة اعتمد العلماء على من قبلهم و العقل يدل على حسن ذلک - إلى آخره -**

یعنی امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ شریعت کی معرفت کے سلسلہ میں لوگوں کو سلف صالحین پر اعتماد کرنا چاہیے، کیوں کہ تابعین نے صحابہ کرام پر اعتماد کیا تھا، اور تبع تابعین نے تابعین پر۔ یوں ہی ہر دور میں اہل علم گزشتہ دور کے علما پر اعتماد کرتے آئے ہیں۔ اور عقل اس کی خوبی کو قبول بھی کرتی ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کی گفتگو بھی اس کے قریب قریب ہے۔ پارۂ سیقول کے شروع میں فرماتے ہیں :

پیغمبر بر کمالِ شما گواہی دہد و شما بر کمال تابعین ہلم جراً الی یومنا ہذا پس صدر اول ایں امت مرتبہ متوسط دارند درمیان نبوت و امت محض کہ من وجہ کارِ پیغمبری می کنند و من وجہ کارِ امتان و ہکذا الی یوم القیامۃ فی کل طبقۃ متقدمۃ بالنسبۃ الی الطبقۃ المتأخرۃ۔ انتہیٰ۔

یعنی پیغمبر آپ کے کمالات پر گواہی دیں گے، اور آپ اپنے اخلاف پر گواہ ہوں گے۔ اور یہی سلسلہ آج تک چلا آرہا ہے۔ تو اس امت کا صدرِ اول نبوت اور امت محض کے درمیان متوسط کا درجہ رکھتا ہے کہ ایک اعتبار سے تو پیغمبرانہ کار سرانجام دے رہے ہیں اور دوسرے اعتبار سے امتیوں کے کام۔ اور یہ سلسلہ ہر اگلے طبقہ کا پچھلے طبقہ میں تاقیامت یوں ہی جاری وساری رہے گا۔

اب ہم مولانا عبدالعزیز صاحب کا ایک جامع کلام جو بظاہر تو مختصر مگر فی الواقع اس میں اہل اسلام کے اندر مروجہ یہ ساری تفصیلات داخل ہیں، اور یہ بزرگ اس فرقہ کے مسلم الثبوت علما میں سے ہیں۔ پارۂ عم - والقمر اذا اتسق - کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ ملخصاً ان کے الفاظ بعینہٖ نقل کرتا ہوں :

اول حالتے کہ بمجرد جدا شدن روح از بدن خواہد شد فی الجملہ اثر حیات سابقہ والفت تعلق بدن و دیگر معروفان از ابنائے جنس خود باقی است و آں وقت گویا برزخ است کہ چیزے ازاں طرف و چیزے ازیں طرف مدد زندگان بمردگان دریں حالت زود تر می رسد و مردگان منتظر لحوق مدد ازیں طرف می باشند صدقات و ادعیہ و فاتحہ دریں وقت بسیار بکار او می آید و ازیں است کہ طوائف بنی آدم تا یک سال و علی الخصوص تا یک چلہ بعد موت دراں نوع امداد و کوشش تمامی نمایند - انتہیٰ -

یعنی پہلی حالت جس کا تعلق محض روح کا بدن سے جدا ہونا ہے تو پہلی زندگی کا اثر اور بدن سے الفت کا تعلق اور اس طرح دوسرے صفات اس سے مربوط ہو جاتے ہیں۔ اور درحقیقت یہی عالم برزخ کا دور ہے کہ ان ایام میں مردے کا خیال کچھ اس طرف اور کچھ اس طرف ہوتا ہے اور زندہ لوگوں کی امداد مردوں کو جلد پہنچ جاتی ہے۔ اور اس طرف سے مردے ان کی امداد کے منتظر ہوتے ہیں۔ اس وقت کیے گئے صدقات، دعائیں اور فاتحے زیادہ کارگر ثابت ہوتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے لوگ ایک سال خصوصا چالیسویں تک خوب جوش وخروش کے ساتھ امداد کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔

جس کا جی چاہے تفسیر عزیزی فارسی نکال کر دیکھ لے یہ مضمون کچھ مزید مضامین کے ساتھ اس میں پائے گا۔ اب ارباب انصاف جنبہ داری کو برطرف کر کے خیال فرمائیں کہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب- رحمۃ اللہ علیہ- نے ان ایام مروجہ کی امداد طعام وغیرہ کے لیے کیا صحیح علت شرعی پیدا کی ہے کہ مردے کا دل ان ایام میں کچھ اِدھر ہوتا ہے کچھ اُدھر، اور زندوں کی مدد ان دنوں میں جلد پہنچتی ہے۔ پھر اس علت صحیحہ پر یہ حکم مرتب کیا کہ اسی سبب سے ایسا ہے کہ لوگ اپنے مردوں کی ایک برس تک اور خاص کر ایک چلہ تک مدد کیا کرتے ہیں۔ اب دیکھیے کہ برس تک کی امداد میں اہل اسلام کی یہ تمام مروجہ رسمیں یعنی سویم، دہم، بستم، چہلم اور ششماہی وسالینہ سبھی داخل ہیں پھر شاہ صاحب نے اس اسلامی رواج کو رد نہیں کیا بلکہ اس کی تصدیق فرمائی۔ یعنی اس امر مروجہ کو اپنے مدعا پر دلیل لائے تو شاہ صاحب کا اس رواج پذیر امر معین ومقرر کو بطورِ دلیل پیش کرنا اور کسی وجہ سے اس کی تردید نہ کرنا اس پر صریح دلیل ہے کہ یہ فعل جو بنی آدم کے درمیان عام طور پر رائج ہے حق اور صحیح ہے۔ اور طوائف بنی آدم (خصوصا) ہندوستان میں پرانے زمانے سے جو مروج چلا آتا ہے وہ یہ ہی دہم، بستم اور چہلم وغیرہ ہے- جیسا کہ اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے- اس کا انکار کرنا دراصل بدیہیات کا انکار کرنا ہے۔

## لمعہ سادسہ - اموات کے سلسلہ میں نصیحتیں

**نصیحت:** جب کسی کا کوئی قریبی عزیز مرجائے تو چاہیے کہ اس کی موت پر صبر کرے تا کہ اجر وثواب کا مستحق ہو۔ طبرانی اور ابن مَندہ نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں یہ بھی بیان ہے کہ :

> ملک الموت نے آں حضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - سے بیان کیا کہ میں آدمی کی روح قبض کرتا ہوں جب اس کے لواحقین رونے لگتے ہیں، میں دروازہ پروہ روح لیے کھڑا ہوجاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اے رونے والو! قسم اللہ تعالیٰ کی ہم نے اس آدمی پر ظلم نہیں کیا، وقت سے پہلے جلدی نہیں کی اور روح قبض کرنے میں کچھ ہماری خطا نہیں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی رہو تو ثواب پاؤ گے، اور برا مانو گے تو گنہ گار ہو گے، اور ہم کو تمہاری طرف پھر آنا ہے، تو ہوشیار رہو - الیٰ آخرہ - (۱)

**نصیحت:** تدفین کے بعد کسی قدر میت کی قبر پر ٹھہرنا چاہیے، کچھ پڑھیں اور میت کے لیے دعا کریں۔ ''فتاویٰ عالم گیری'' میں ''جوہرہ نیرہ'' کے حوالے سے نقل ہے :

> **و يستحب إذا دفن الميت أن يجلسوا ساعة عند القبر بعد الانفرا غ بقدر ما ينحر جزور و يقسم لحمها يتلون القرآن و يدعون للميت .** (۲)

درمختار میں ہے :

> **و يستحب جلوس ساعة بعد دفنه لدعاء و قراء ة بقدر ما ينحر الجزور و يفرق لحمه .** (۳)

---

(۱) ........ إني لأقبض روح ابن آدم فإذا صرخ صرخ من أهله قمت في الدار و معي روحه فقلت : من هذا الصارخ ؟ و الله ما ظلمناه و لا سبقنا أجله و لا استعجلنا قدره و ما لنا في قبضه من ذنب ، و إن ترضوا بما صنع الله تؤجروا ، و إن تحزنوا و تسخطوا تأثموا و تؤزروا ، ما لكم عندنا من عتبي و لكن لنا عندكم بعد عودة و عودة ، فالحذر فالحذر ........
الآحاد والمثانی ابن ابی عاصم: ۲۷۷/۶ حدیث: ۱۹۸۹......معرفۃ الصحابۃ: ۲۹۲/۷ حدیث: ۲۲۸۶......وصایا العلما عند حضور الموت: ۱۶۷/۱ حدیث: ۱۰۰......کنز العمال: ۷۰۵/۱۵۔

(۲) فتاویٰ عالم گیری: ۴۸۱/۴......جوہرہ نیرہ: ۲۰۲/۱۔

(۳) درمختار: ۲۵۷/۲۔

دونوں عبارتوں کے معنی یہ ہیں کہ میت کو دفن کے بعد اتنی دیر ٹھہرنا مستحب ہے جتنے میں اونٹ ذبح ہو کر اس کا گوشت تقسیم ہو جائے، قرآن پڑھنا چاہیے اور میت کے لیے دعا بھی کرنی چاہیے۔

شامی نے ''ردالمحتار'' میں اس حکم کو مسلم رکھا، اور اس پر مزید دو حدیثیں بھی نقل کی ہیں :

ایک سنن ابوداؤد سے :

کان النبي –صلی الله علیه وسلم– إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلٰى قَبْرِهٖ وَ قَالَ اسْتَغْفِرُوْا لأَخِيْكُمْ وَ اسْئَلُوا اللّٰهَ لَهُ التَّثْبِيْتَ فَإِنَّهُ الآنَ يُسْأَلُ . (۱)

یعنی نبی کریم –صلی اللہ علیہ وسلم– جب میت کی تدفین سے فارغ ہوتے، اس کی قبر پر ٹھہرتے، اور فرماتے کہ اپنے بھائی کے لیے مغفرت اور ثبات قدمی کی دعا کرو کیوں کہ اب اس سے سوال ہوگا۔

دوسری حدیث بروایت مسلم مشکوٰۃ میں موجود ہے :

و عن عمرو بن العاص قال لابْنِهٖ وَ هُوَ فِي سِيَاقِ الْمَوْتِ إِذَا أَنَا مِتُّ فَلاَ تَصْحَبْنِي نَائِحَةٌ وَ لاَ نَارٌ فَإِذَا دَفَنْتُمُوْنِي فَشَنُّوا عَلَيَّ التُّرَابَ شَنًّا ثُمَّ أَقِيْمُوْا حَوْلَ قَبْرِيْ قَدْرَ مَا يُنْحَرُ جَزُوْرٌ وَ يُقْسَمُ لَحْمُهَا حَتّٰى أَسْتَأْنِسَ بِكُمْ وَ أَعْلَمَ مَاذَا أُرَاجِعُ بِرُسُلِ رَبِّي –رواه مسلم– . (۲)

یعنی حضرت عمرو بن العاص –رضی اللہ عنہ– سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنی حالت نزع میں اپنے بیٹے سے فرمایا کہ جب میں مر جاؤں تو میرے ساتھ نہ کوئی نوحہ کرنے والی عورت ہونی چاہیے اور نہ ہی آگ۔ پھر جب مجھے دفن کرو، اور مجھ پر آہستہ سے مٹی ڈال لو تو میری قبر کے ارد گرد اتنی دیر کھڑے رہو کہ جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کر دیا جائے، تا کہ میں تمہارے ساتھ مانوس ہولوں نیز یہ بھی جان لوں کہ اپنے رب کے فرشتوں کو کیا جواب دوں۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

---

(۱) ردالمحتار:۶/۳۷۶......سنن ابوداؤد:۹/۲۴ حدیث:۲۸۰۴......مستدرک:۳/۳۹۹ حدیث:۱۳۲۰......معرفۃ السنن والآثار:۶/۲۹۱ حدیث:۲۳۳۲......سنن بیہقی:۴/۵۶۔

(۲) ردالمحتار:۶/۳۷۶......مشکوٰۃ المصابیح:۱/۳۸۶ حدیث:۱۷۱۶......صحیح مسلم:۱/۳۰۴ حدیث:۱۷۳......سنن بیہقی:۴/۵۶......معرفۃ السنن و الآثار: ۶/۲۹۲ حدیث: ۲۳۳۳......الایمان لابن مندہ: ۱/ ۳۲۹ حدیث: ۲۷۳......وصایا العلماء عند حضور الموت:۱/۸۱ حدیث:۵۴......مسند الجامع:۳۲/۴۹۹۔

دیکھیے یہ فعل رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- صحابہ کرام اور مفتیان دین سے نہایت صحیح اور معتمد طور پر ثابت ہے ۔ معلوم نہیں کیوں لوگوں نے اسے ترک کر دیا۔ چاہیے کہ اہل اسلام اس کی تعمیل کریں، اگر کاروبار یا کسی اور ضرورت کی وجہ سے تمام آدمی نہ ٹھہر سکیں تو میت کے دوست آشنا اور اقربا میں سے چند ہی آدمی ٹھہریں ، قرآن پڑھیں اور میت کے لیے دعا و استغفار وغیرہ کریں۔

-و السلام علی من اتبع الھدیٰ-

**نصیحت**: آدمی کو چاہیے کہ اپنی موت کو ہمیشہ یاد رکھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے :

لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- ! شہیدوں کے درجے میں کوئی اور بھی ہوگا ؟ فرمایا ہاں جو کوئی ہر روز بیس مرتبہ اپنی موت کو یاد کیا کرے گا۔(۱)

**نصیحت**: آدمی کو چاہیے کہ موت کے لیے تیار رہے اور اپنا وصیت نامہ لکھ کر ساتھ رکھے جس کسی کا قرض ذمہ پر ہو، اور جو کچھ نماز، روزہ ، حج ، زکوٰۃ اس کے ذمہ ہو یا قسم توڑنے کا کفارہ ذمہ پر ہو وہ سب اس کاغذ میں لکھ دے اس لیے کہ کیا خبر کس وقت اس کی موت آجائے اور مرتے وقت زبان سے وصیت نکلے نہ نکلے، اس کاغذ کو دیکھ کر وارثانِ میت تعمیل کر دیں گے۔

**نصیحت**: جب کوئی آدمی مر جائے اور اس کا کوئی قریبی عزیز اپنے خاص مال سے اس کے لیے فاتحہ کرے تو اس میں کسی فقیہ و محدث کو کلام نہیں۔ لیکن خاص میت کا مال اگر اس کام میں صرف کرنے لگیں تو اس میں یہ شرط ہے کہ اس کے وارثوں میں کوئی نابالغ لڑکی یا لڑکا نہ ہو اس لیے کہ ترکہ مورث کے مرنے کے بعد وارثوں کی ملک ہو جاتا ہے تو اگر وارث بالغ ہیں اور سب موجود ہیں تو وہ مال خاص ان کا ہو گیا، اور اگر ان میں سے کوئی غائب تھا مگر اجازت دے دی تھی تو اس صورت میں ان کو اختیار ہے جس قدر چاہیں میت کے لیے صرف کریں۔ اور اگر سب نابالغ ہیں تو پورا ترکہ میت ان کی ملک ہو گیا، اب میت کے ایصال ثواب کے لیے اس کا صرف کرنا جائز نہیں، نہ کپڑا، نہ کھانا، نہ روپیہ، نہ پیسہ، صرف تجہیز و تکفین میں جو اٹھے وہی درست ہے اور بس۔ اور اگر بعض وارث نابالغ ہیں تب بھی چوں کہ نابالغوں کا حصہ کل اشیاے ترکہ میں مشترک ہے اس لیے ایصال ثواب کی غرض سے اس کا صرف بھی جائز نہیں۔

فتاویٰ عالم گیری کی -جلد خامس- میں ہے :

---

(۱) متن حدیث: قالت عائشة هل يحشر مع الشهداء أحد؟ قال نعم من ذكر الموت اليوم و الليلة عشرين مرة . (احیاء علوم الدین: ۳۸۳/۳...... تخریج احادیث الاحیاء: ۳۱۱/۹ حدیث: ۴۳۱۱)

**و إن اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا إذا كانت الورثة بالغين فإن كان في الورثة صغير لم يتخذوا ذلك من التركة . -كذا في التتارخانية -** (۱)

یعنی اگر بالغ ورثہ کے مال سے فقرا و مساکین کے لیے کھانا تیار کیا گیا تو بہت اچھا، لیکن اگر وارثین نابالغ ہوں تو ان کا ترکہ استعمال میں نہیں لایا جاسکتا-تاتارخانیہ میں ایسا ہی ہے-

یہ حکم کچھ فاتحہ کے کھانے کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ اس قسم کے ترکہ کی چیز لباس یا کھانا یا نقد، نہ تو مسجد میں دی جائے، نہ کسی مدرسہ میں، نہ کسی فقیر کو اور نہ کسی عالم کو۔ ہاں! اگر شرعی طور پر ترکہ کی تقسیم ہوجائے، اور صغیر وارث کو اس کا حصہ دے کر بالغ وارثین اپنے حصہ سے خرچ کردیں یا عورت اپنے مہر کے دعویٰ میں وارث ہوکر اپنے حصہ مملوکہ سے صرف کردے تو یہ جائز ہے، خواہ مدارس و مساجد میں دیں خواہ فاتحہ کریں اور مساکین کو کھلائیں۔ یہ مسئلہ نہایت اہم ہے اسے ضرور یاد رکھنا چاہیے۔

**نصیحت**: جب کوئی وارث اپنے مورث کی طرف سے کھانا کھلائے تو نمود اور بڑائی ظاہر کرنے کے لیے نہ کرے۔ حدیث شریف میں آیا ہے :

**مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ .** (۲)

یعنی جو کوئی لوگوں کو اپنی سخاوت اور داد و دہش کی تعریف سنوائے یعنی اپنی شہرت اور فخر چاہے تو اللہ تعالیٰ اس آدمی کو سب کے سامنے ذلیل کرے گا۔

تو اس صورت میں مردہ کو ثواب پہنچنا تو کیا ممکن، وہ عتاب الٰہی میں گرفتار ہوگا۔ تو وہی مثل ہوجائے گی کہ ''محنت برباد گناہ لازم''۔ اور کھانے والوں کو بھی چاہیے کہ معلوم کریں کہ یہ کسی کے مقابلہ میں فخر یہ کھانا تو نہیں بنوا رہا ہے کہ فلاں شخص نے کیا کھانا بنوایا! میں اس سے بڑھ کر بنواتا ہوں تو ایسی دعوت ہی نہ قبول کریں خواہ وہ کھانا غمی و ماتم کا ہو یا شادی و خوشی کا۔

امام احمد -رحمۃ اللہ علیہ- روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے فرمایا :

---

(۱) فتاویٰ عالم گیری: ۴/۳۴۱۔

(۲) صحیح بخاری: ۲۰/۱۵۳ حدیث: ۶۰۱۸-۲۲/۶۵ حدیث: ۶۶۱۹...... صحیح مسلم: ۱۴/۲۵۵ حدیث: ۵۳۰۱...... مسند احمد: ۴۱/۴۱۶ حدیث: ۱۹۵۵۷...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۱/۴۱۶ حدیث: ۱۹۵۵۷...... سنن نسائی: ۶/۵۲۲ حدیث: ۱۱۷۰۰...... معجم طبرانی: ۲/۲۳۴ حدیث: ۱۶۷۸...... شعب الایمان: ۱۲/۲۴۱ حدیث: ۵۵۱۳...... مسند ابویعلی موصلی: ۴/۵۶ حدیث: ۱۴۹۱...... مجمع الزوائد: ۳/۴۱۱...... کنز العمال: ۳/۴۷۲ حدیث: ۷۴۸۱...... مسند الجامع: ۱۱/۱۹ حدیث: ۳۲۰۸...... تخریج احادیث الاحیاء: ۷/۴۵۹ حدیث: ۳۳۸۴۔

جب دو آدمی ایسے ہوں کہ ایک کی ضد میں دوسرا بڑائی حاصل کرنے کے لیے کھانا زیادہ بنوائے تو ایسے شخص کی دعوت قبول نہ کی جائے اور نہ اس کو کھانا ہی کھلایا جائے۔

- مشکوٰۃ میں ایسا ہی ہے -

**نصیحت**: یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ قرض دار آدمی کا صدقات کرنا - خواہ اپنے لیے کرے یا میت کے لیے - شرع میں مستحسن نہیں۔

صاحب مجمع البحار لفظ ظھر کی تحقیق میں فرماتے ہیں :

**خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنيً .** (۱)

یعنی اچھا صدقہ وہ ہے جو فراغت کی حالت میں دیا جائے۔

پھر دو سطر کے بعد لکھتے ہیں :

**و لا صدقة كاملة عن ظهر غني و هو رد عليه أى الشيء المتصدق به غير مقبول لأن قضاء الدين واجب .**

یعنی صدقہ کاملہ وہی صدقہ ہوتا ہے جو فراغت کی حالت میں دیا جائے اور جو ایسا نہ کرے تو وہ صدقہ رد ہے، یعنی وہ صدقہ قبول نہ کیا جائے گا کیوں کہ قرض کا ادا کرنا اس پر واجب تھا، اس نے واجب کو چھوڑ کر صدقہ نافلہ کیوں کیا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ طریقہ اچھا نہیں بالخصوص جب کہ سودی قرض دے کر بہم پہنچائے یہ تو نہایت ہی برا کام ہے، ایسا آدمی محض الحمد شریف اور سورتیں پڑھ کر بخش دیا کرے۔

**نصیحت**: اگر وارثانِ میت مذکورہ شرطوں کے ساتھ کھانا کھلائیں تو بہتر یہ ہے کہ غریب رشتہ داروں، ہم سایوں اور اہل محلّہ کو مقدم رکھیں۔ فقہا - باب الزکوٰۃ - میں لکھتے ہیں :

**لا تقبل صدقة الرجل و قرابته محاويج حتى يبدأ بهم فيسد حاجتهم .** (۲)

---

(۱) اسی مفہوم کی ایک حدیث بھی ملتی ہے: لَا صَدَقَةَ إلَّا عَنْ ظَهْرِ غِنىً . (تحفۃ الفقہاء: ۳۳۴/۱...... مبسوط: ۱۹۵/۳...... بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: ۳۹۰/۳...... تبیین الحقائق: ۷/۴...... العنایہ شرح الہدایہ: ۲۲۶/۳...... الجوہرۃ النیرۃ: ۲/۳...... فتح القدیر: ۴۷۶/۳)

(۲) درمختار: ۳۸۷/۲...... درر الحکام شرح غرر الاحکام: ۴۱۵/۲...... البحر الرائق: ۱۲۴،۷۱/۶...... مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر: ۲۷۰/۲...... رد المحتار: ۲۵۷/۷۔

یعنی ایسے شخص کا صدقہ قبول نہیں کیا جاتا کہ جس کے اہل رشتہ محتاج ہوں (اور یہ دوسروں کو دیتا پھرے) یہاں تک کہ ان سے شروع کرے اور پہلے ان کی ضرورتیں پوری کرے۔

ایسا لگتا ہے کہ یہ مشہور مثل ''اول خویش بعدہٗ درویش'' اسی حدیث کا ترجمہ ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قصبات کے شرفا میں جو رواج ہے کہ میت کا کھانا فاتحہ، چہلم اور بستم وغیرہ برادری کے آدمی بھی کھاتے ہیں تو وہ بھی شاید اسی روایت پر مبنی ہوگا کہ رشتہ دار، ہمسایہ اور اہل محلّہ دوسرے لوگوں پر مقدم ہیں اور ظاہر ہے کہ قصبات کے شرفا میں فراغت اور وسعت کم ہے، اکثر لوگ غریب ہوتے ہیں، ایسے آدمی کہ جن پر زکوٰۃ واجب ہو یا اپنے مکان اور اہل وعیال کے نفقہ سے فارغ ہو کر بھی ان کے پاس کچھ مالیت زائدہ فاضل رہے ایسے آدمی کم ہیں، بہت تو ایسے ہیں کہ ان کے گھر کھانے کا بھی ٹوٹا ہے اور شریعت میں ایسے لوگ فقرا میں داخل ہیں۔ اسی بنیاد پر بزرگوں نے ان کو کھلانا اَور سائلوں اور کوچہ گروں کی بہ نسبت مقدم سمجھا کہ حق ہم سائیگی ومحلّہ داری اور قرابت بھی ادا ہو جائے اور چیز اپنی جگہ پر بھی صرف ہو جائے۔

پھر اگر برادری کے سو غریب آدمیوں میں کوئی آسودہ صاحب زکوٰۃ بھی شامل کر لیا تو اس میں چوں کہ یہ حکمت ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں یہ نہ پیدا ہو کہ ہم کو حقیر وکنگال سمجھا، تو ایک یا دو با آبرو آدمی کے شامل ہونے سے ان کی دلی ندامت بھی دفع ہو جاتی ہے، علاوہ ازیں اغنیا کا کھانا بھی ثواب سے خالی نہیں، گرچہ اس میں فقرا کے کھانے سے کم ثواب ہے، لہٰذا اگر یہی نیت اس زمانہ میں بھی ہے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

اور اگر اہل محلّہ اور رشتہ داروں کو اس نیت سے کھلائیں کہ آج میں ان کو کھلا دوں اور کل یہ مجھ کو کھلا دیں گے تو اس صورت میں کوئی ثواب نہ ملے گا اس لیے کہ ارادہ معاوضہ لینے کا ہے پھر ثواب کہاں؟۔ **فليكن آخر ما أردنا إيراده في هذا الباب و الله هو الهادي للصدق و الصواب .**

## نور سوم میں نو لمعے ھیں :

## لمعہ اولیٰ-محفل میلا دالنبی-صلی اللہ علیہ وسلم-کے اثبات میں

اللہ-سبحانہ وتعالیٰ-نے فرمایا :

وَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ . (۱)

اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے-

اس آیت کریمہ میں انعام حقیقی فرمانے والا اپنی نعمتوں کے ذکر اور یاد کرنے کا حکم دیتا ہے کہ اپنے اوپر ہوئی اللہ کی نعمتوں کا ذکر کرو اور انھیں یاد کرو-

اس میں شک نہیں کہ صاحب لولاک-صلی اللہ علیہ وسلم-کا پیدا ہونا اور تشریف لانا اللہ کی نعمتوں میں ایک بڑی نعمت ہے-

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ . (۲)

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے-

شاہ ولی اللہ صاحب اس کا ترجمہ لکھتے ہیں :

ہر آئینہ نعمت فراواں داد خدا برمومناں آنگاہ کہ فرستاد درمیان ایشاں پیغامبرے از قوم ایشاں می خوانند برایشاں آیات خداو پاک میساز د ایشاں راومی آموز د ایشاں راکتاب وعلم-انتہیٰ-

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں :

اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہی میں کا-الیٰ آخرہ-

تو ثابت ہوا کہ نبی کریم-صلی اللہ علیہ وسلم-کا وجو د نعمت ہے کہ جس کا احسان حق سبحانہ نے ظاہر فرمایا ہے، اور آپ کے اسمائے مبارکہ میں-جو ایک ہزار تک محدثین نے شمار کیے ہیں-آپ کا ایک نام نامی "نعمۃ اللّٰہ"-صلی اللہ علیہ وسلم-بھی ہے-جیسا کہ قسطلانی وغیرہ نے ذکر کیا ہے-

---

(۱) سورۂ بقرہ؛۲/۲۳۱......سورۂ آل عمران؛۳/۱۰۳......سورۂ مائدہ؛۵/۷-

(۲) سورۂ آل عمران؛۳/۱۶۴-

سیدنا محمد سلیمان جزولی نے بھی ''دلائل الخیرات'' میں آپ کا یہ نام مبارک لکھا ہے۔(۱)
حضرت سہل بن عبد اللہ تستری نے آیت کریمہ: **وَ إِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لاَ تُحْصُوهَا.**
کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ ' **نعمة**' محمد -صلی اللہ علیہ وسلم- ہیں کیوں کہ وہ تو نعمت عظمیٰ ہیں۔یعنی اس لیے کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں اور آپ کے سبب جو منافع وفوائد حاصل ہوئے شمار سے باہر ہیں۔ زمین وآسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کچھ آپ ہی کے وجود با جود کا طفیل ہے، پھر کہاں تک اس کا شمار کیا جائے!۔

زجاج اور سدی آیت کریمہ: **يَعْرِفُونَ نِعْمَةَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا** کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ نعمت اللہ' محمد رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- ہیں۔یعنی ظاہر وباہر معجزات دیکھ کر کفار آپ کو نبی جانتے تھے مگر پھر عناداً انکار کرتے تھے۔

سید المفسرین ابن عباس -رضی اللہ عنہما- سے بخاری وغیرہ نے آیت کریمہ: **الَّذِيْنَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْراً** کی تفسیر یوں روایت کی ہے :

**قال هم و الله كفار قريش ......و محمد نعمة الله تعالىٰ .** (۲)

یعنی وہ اللہ کی قسم نعمت کو ناشکری سے بدلنے والے لوگ کفارِ قریش ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کی نعمت' محمد -صلی اللہ علیہ وسلم- ہیں۔

شرح مواہب زرقانی کے صفحہ ۲۲۱ میں یہ تینوں تفسیریں مرقوم ہیں۔جب نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کا نعمت الٰہی ہونا مفسرین ومحدثین کے کلام سے ثابت ہوگیا تو آپ کی یاد منانا اور تذکرہ کرنا آیت کریمہ: **وَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ** کے منطوق میں عمومیت الفاظ کے ساتھ اچھی طرح داخل ہوگیا۔

اسی طرح اللہ -سبحانہ وتعالیٰ- نے فرمایا :

**وَ اشْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ .** (۳)

اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسے پوجتے ہو۔

اس آیت کریمہ میں حق سبحانہ اپنے بندوں کو نعمتوں کی شکر گزاری کا حکم دیتا ہے۔اور اوپر

(۱) دلائل الخیرات وشوارق الانوار:۲۱-دار الفقیہ، دبئی-
(۲) صحیح بخاری:۱۲/۳۷۳/۳۷ حدیث:۳۶۸۰۔
(۳) سورۂ نحل؛۱۶/۱۱۴۔

ثابت ہو چکا کہ نعمتوں میں بڑی نعمت حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - کا وجود با جود ہے۔ لہٰذا اس نعمت کا شکریہ بجالانا، خوشی منانا اور اس کا ذکر جمیل کرنا حکم خداوندی کے پیش نظر اہل ایمان کے لیے ضروری ٹھہرا۔

نبی کریم - صلی اللہ علیہ وسلم - نے فرمایا :

**التَّحَدُّثُ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ شُكْرٌ وَ تَرْكُهُ كُفْرٌ .** (۱)

یعنی اللہ کی نعمت کا چرچا کرنا شکر ہے اور نہ کرنا کفرانِ نعمت ہے۔

یہ حدیث شیخ محی السنہ نے معالم میں آیت کریمہ: **وَ أَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ** کے تحت اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔ لہٰذا نبی کریم - صلی اللہ علیہ وسلم - کے وجود با جود کی نعمت کا بیان کرنا' اللہ رب العزت کے انعام کی شکر گزاری، اور اس کا چھوڑ دینا کفرانِ نعمت ٹھہرا۔

حق سبحانہ نے فرمایا :

**وَ ذَكِّرْهُمْ بِأَيّٰمِ اللّٰهِ .** (۲)

اور انھیں اللہ کے دن یاد دِلا۔

امام رازی نے لکھا کہ دنوں سے مراد واقعات عظیمہ ہیں جو ان دنوں میں واقع ہوئے، پھر اہل ایمان کو دیکھنا چاہیے کہ نبی کریم - صلی اللہ علیہ وسلم - کے ظہور سے بڑھ کر اور کون سا واقعہ ہے، جس میں ایوانِ کسریٰ کا شق ہونا، بتوں کا سر کے بل گر جانا، آتش کدۂ فارس کا بجھ جانا، رود خانہ سماوہ کا جاری ہونا، آسمان سے تاروں کا نیچے جھک آنا اور کعبۃ اللہ کا جھک کر شکر الٰہی بجالانا ایسے ایسے بہت سے واقعات کو شامل ہے۔ لہٰذا یوم میلاد کی یاد دلانا اہل ایمان کے نزدیک تمام ایام کے یاد دلانے سے بڑھ کر ہے۔

تفسیر روح البیان میں بعض مفسرین سے یہ تفسیر بھی نقل کی گئی ہے :

(۱) مسند احمد: ۴۰۲/۳۷ حدیث: ۱۷۷۲۱...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۰۲/۳۷ حدیث: ۱۷۷۲۱...... شعب الایمان: ۱۹/ ۱۲۰ حدیث: ۸۸۲۳...... مجمع الزوائد: ۳۶۳/۲...... المقاصد الحسنہ: ۹۶/۱...... کنز العمال: ۲۵۵/۳ حدیث: ۶۴۱۸ ...... مسند الجامع: ۳۰۵/۳۶ حدیث: ۱۱۸۹۱...... مسند بزار: ۱۸۰/۸ حدیث: ۲۷۹۱...... فضیلۃ الشکر للہ علی نعمتہ: ۸/۱ ...... شکر اللہ علی نعمہ خرائطی: ۸۷/۱ حدیث: ۸۲۔

(۲) سورۂ ابراہیم: ۵/۱۴۔

**ذكرهم بأيام الله أي ذكرهم نعمائي ليومنوا بي .** (۱)

یعنی انھیں میری نعمت یاد دلاتا کہ وہ مجھ پر ایمان لے آئیں۔

یہ بات ظاہر ہے کہ حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-نعمت ہیں اور آپ کا تذکرہ' ایمان کی رونق بڑھانے کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

**وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ .** (۲)

اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔

یعنی تم کو نبی بنایا، زمین و آسمان میں مشہور کیا، دنیا کے کونے کونے میں تمہارا ذکر پھیلا دیا اور تمہارے ذکر کو دلوں میں محبوب و مطلوب کر دیا۔

امام رازی یہ سب مطلب بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

**كأنه تعالىٰ يقول : أملاء العالم من أتباعک كلهم يثنون عليک و يصلون عليک .** (۳)

یعنی یہ جو اللہ تعالیٰ نے بلندیِ ذکر کی بات کی تو اس کا معنی یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ ہم دنیا کو تمہارے چاہنے والوں سے بھر دیں گے وہ سب تمہاری تعریفیں کریں گے اور تم پر درود وسلام کے گجرے نچھاور کریں گے-انتہیٰ-

غور کرنا چاہیے کہ یہ معنی محفل میلا د شریف پر بخوبی صادق آتے ہیں۔بے شک یہ نورانی محفل آیت کریمہ **وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ** میں داخل ہے اس لیے کہ اس محفل میں درود شریف کی ایسی کثرت ہوتی ہے کہ کسی اور مجالس وعظ و تدریس میں ایسی نہیں ہوتی۔اور حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-کے نور و ظہور اور معجزات و کرامات کا بیان ہوتا ہے جو قبل ولادت و رضاع اور قبل و بعد نبوت ظاہر ہوئے، اور آپ کے حلیہ شریف کا بھی بیان ہوتا ہے۔یہ سب حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-کی ثنا اور صفت ہی تو ہے۔لہٰذا تفسیر مذکور **يثنون عليک ويصلون عليک** کا مفہوم اس پر خوب صادق آیا۔

(۱) روح البیان:۴/۳۹۸ لبنان۔
(۲) سورۂ انشراح:۹۴/۴۔
(۳) تفسیر رازی:۱۷/۹۱۔

اور منبر یا چوکی جیسی کسی پاکیزہ اور بلند مقام پر بیٹھ کر بآواز بلند پڑھنے سے وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کی ایک اور ہی شانِ رفعت ظاہر ہوتی ہے۔ اور جو کچھ حضور سید کائنات -صلی اللہ علیہ وسلم- کے فضائل ومعجزات بیان کیے جاتے ہیں وہ روایتیں ہوتی ہیں کہ جنھیں صحابہ نے تابعین کی مجالس میں اور تابعین نے تبع تابعین کی مجلسوں میں بیان فرمایا ہے اسی طرح طبقہ بہ طبقہ یہ ذکر جمیل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا ہے، اگر یہ قصہ اور ذکر ممنوع ہوتا تو اول طبقہ ہی میں صحابہ اس سے اپنی زبان بند کر لیتے نہ ہم تک وہ فضائل پہنچتے اور نہ ہم مجالس ومحافل میں ان مدائح ومناقب کو آیت کریمہ وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کے مطابق آفاق میں پھیلاتے اور تشہیر کرتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ ذکر ثابت الاصل ہے، عہد صحابہ میں تقاضا کر کے وصف خیر الانام -صلی اللہ علیہ وسلم- دل سے سنا جاتا تھا۔ ترمذی نے شمائل میں روایت کی ہے کہ حضرت امام حسن -رضی اللہ عنہ- فرماتے ہیں کہ میں نے ہند بن ابو ہالہ تمیمی سے سوال کیا :

وَ کَانَ وَصَّافاً عَنْ حِلْیَةِ رَسُولِ اللّٰهِ -صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم- وَ أَنَا أَشْتَهِي أَنْ يَصِفَ لِي مِنْهَا شَيْئاً أَتَعَلَّقُ بِهِ . (۱)

یعنی وہ حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کے حلیہ شریف نہایت عمدگی سے بیان کیا کرتے تھے۔ تو میں چاہتا تھا کہ وہ میرے سامنے حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کے کچھ اوصاف سنادیں کہ میری دلچسپی کا کچھ سامان ہو جائے۔

اب دیکھیے یہ حضرت امام حسن -رضی اللہ عنہ- نواسہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- جو وصال اقدس -صلی اللہ علیہ وسلم- کے وقت سات برس کے تھے، اتنی عمر والا اپنے اقربا کی صورت بھولا نہیں کرتا حالاں کہ یہ صاحب زادہ -رضی اللہ عنہ- تو کمال ذہین ومتین اور قوی الحفظ تھے۔ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- سے حدیث حفظ کر کے روایت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ صحاح ستہ کے چند ائمہ حدیث نے قنوت وتر کی حدیث ان سے روایت فرمائی ہے۔ اور اسماء الرجال میں ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ایسا صاحب حفظ ایسے پیارے نانا جان کی صورت - جو ہر دم گود میں

(۱) شمائل محمدیہ ترمذی: ۹/۱ حدیث: ۷/۱/۴/۳۷ حدیث: ۳۲۸...... معجم کبیر طبرانی: ۲۶/۱۶ حدیث: ۱۷۸۶۸...... دلائل النبوۃ بیہقی: ۲۶۸/۱ حدیث: ۲۳۶...... معرفۃ الصحابۃ اصبہانی: ۱۵۶/۱۹ حدیث: ۵۹۵۶...... الاحادیث الطّوال طبرانی: ۵۱/۱ حدیث: ۳۰...... الشریعہ آجری: ۱۲۶/۳ حدیث: ۱۰۰۸...... دلائل النبوۃ اصبہانی: ۱۹۴/۲ حدیث: ۵۴۷...... مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۲۲/۴...... مسند جامع: ۲۶۶/۳۱ حدیث: ۱۰۳۱۱۔

رکھتے تھے، کندھے پر چڑھا لیتے تھے -نہیں بھولے تھے بلکہ کیف حاصل کرنے کے لیے کہ حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کا تذکرہ، سرورِ قلب کا سبب ہو اور سن کر دل میں خوب اچھی طرح منضبط کریں۔ اس لیے ہند بن ہالہ سے سوال کیا کہ مجھ کو شکل مبارک کے کچھ وصف سناؤ۔ تو ہند ابن ہالہ نے وہ طویل حدیث بیان کیا جو شمائل میں مذکور ہے۔

اور ہند بن ہالہ کی نسبت یہ لفظ آیا: **كان وصافا عن حلية رسول الله -صلى الله عليه و آله و سلم-** ۔لفظ وصّاف مبالغہ کا صیغہ ہے، اور مبالغہ کثرت سے ہوتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ حلیہ شریف کثرت سے بیان فرماتے رہتے تھے۔

اسی طرح دارمی وغیرہ محدثین ابوعبیدہ سے -جو کہ تابعی اور مقبول بین المحدثین ہیں- روایت کرتے ہیں کہ ابوعبیدہ نے مسمّاۃ رُبیِّع صحابیہ سے عرض کیا کہ مجھ کو رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کا وصف سنا تو بولیں :

**لَو رَأيْتَهُ لَقُلْتَ : اَلشَّمْسُ طَالِعَةٌ .** (۱)

یعنی انھیں دیکھو تو ایسا لگتا کہ بس اب سورج نکلا چاہتا ہے۔

اسی طرح بیہقی نے روایت کی کہ جلیل القدر تابعی ابواسحٰق نے ایک صحابیہ سے عرض کیا کہ مجھ سے بیان کر کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کیسے تھے تو وہ بولیں :

**كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَمْ أرَ قَبْلَهُ وَ لاَ بَعْدَهُ مِثْلُهُ -صلى الله عليه وسلم-** (۲)

یعنی رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کیا تھے! جیسے کوئی چودھویں کا چاند کہ ان سا کوئی نہ تو میں نے پہلے دیکھا اور نہ ان کے بعد۔

غرض کہ اس قسم کی بہت سی روایتیں موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ اور تابعین میں اکثر آپ کے اوصاف کے تذکرے رہا کرتے تھے۔ عہد صحابہ اور اس زمانے میں صرف اسی قدر

---

(۱) ان سے دو طرح کی روایتیں ملتی ہیں۔ ایک تو یہی مذکورہ جسے امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں جلد اول صفحہ ۱۳۴ حدیث: ۱۱۶ کے تحت درج فرمایا ہے۔ مگر ساتھ ہی دوسرے راوی سے مندرجہ ذیل حدیث بھی ذکر کیا ہے۔
دوسری روایت یوں ہے: لَو رَأيْتَهُ لَرَأيْتَهُ الشَّمْسَ طَالِعَةً . (معجم کبیر طبرانی: ۱۲/۱۸ حدیث: ۲۰۱۵۹...... معجم اوسط طبرانی: ۱۰/۱۶۷ حدیث: ۴۶۱۳...... شعب الایمان: ۳/۵۷ حدیث: ۱۴۰۳...... سنن دارمی: ۱/۱۷ حدیث: ۶۱ ...... معرفۃ الصحابۃ: ۲۳/۱۵۱ حدیث: ۶۹۹۹ ...... فتح الباری: ۱۰/۳۶۰ -باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم-)

(۲) دلائل النبوۃ بیہقی: ۱/۱۳۳ حدیث: ۱۱۵...... اخبار مکہ فاکہی: ۱/۴۸۳ حدیث: ۴۴۱۔

فرق ہے کہ اُس وقت روایتیں مختصر طور پر بیان ہوتی تھیں اور اب تفصیل وتطویل سے ہوتی ہیں۔ جس طرح کہ علم حدیث کا حال ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ ''انتباہ'' میں لکھتے ہیں کہ صدر اول میں حدیث لکھنے کا کوئی دستور نہ تھا یعنی صحابہ میں حدیث کا تذکرہ اور یادگاری زبانی ہوتی تھی لیکن ان کے بعد حدیثیں لکھی جانے لگیں اور ایک صدی کے بعد کتابت کا بہت ہی اہتمام ہوا، پھر دوسری صدی کے بعد پورے طور پر کامل تصنیفیں ہونے لگیں۔

غرض کہ اب یہ جو احادیث کی کتابوں میں ہے کہ ایک قسم کی حدیثوں کا باب الگ، نماز کی جس قدر حدیثیں ہیں وہ محدثوں نے ایک جگہ کر دیں اور زکوٰۃ کی ایک جگہ، پہلے یہ بات نہ تھی۔

بس اسی طرح حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-کے حلیہ شریف کی بابت جو روایتیں اور میلاد ورضاع وغیرہ کے متعلق جو واقعات صحابہ میں منتشر ومتفرق تھے ایک وقت وہ آیا کہ محدثین کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ان کو یکجا جمع کر دیا جائے تب انھوں نے جمع کیے تو وہ رسالے بن گئے اس طرح سیکڑوں رسائل میلاد شریف پر تصنیف ہوگئے۔انھیں میں حافظ شمس الدین محدث دمشقی کا مولد شریف ''**مورد الصاوي في مولد الهادي**'' ......محمد بن عثمان لولوی دمشقی کا ''**الدر المنظّم في مولد النبي الأعظم**'' ...... امام القرا والمحدثین ابن جوزی کا ''**عرف التعريف في مولد الشريف**''...... مجد الدین-صاحب قاموس-کا ''**نفحات العنبرية في مولد خير البرية**'' بھی اس میں شامل ہے۔(اس سلسلہ خیر کی) جملہ کتابوں کا نام لکھنا طول کا باعث ہے۔

غرض کہ علامہ سخاوی اور ابن حجر وغیرہ محدثین نے اس قسم کی روایات کو پاکیزہ الفاظ اور نفیس ترکیب میں نظماً اور نثراً جمع کرنا اور اس خیر میں شریک ہونا اپنے لیے مایۂ سعادت سمجھا اور ان کے وہ رسائل (ذوق وشوق سے) محفلوں میں پڑھے جانے لگے۔ پھر فارسی دانوں نے فارسی زبان میں (اس کا ترجمہ کیا)، بلاد رومیہ میں ترکی زبان میں اور ہندوستان میں ہندی زبان میں ترجمہ ہوکر وہ پڑھے جانے لگے۔

یہ ذکر پاک چوں کہ خوشی ومسرت کا باعث تھا اس لیے اس میں کچھ سامانِ سرور مثلاً مجلس کی تزئین، بخور وعطریات کا استعمال، کھانا کھلانا، شیرینی بانٹنا اور دوست بھائیوں کا اس میں اکٹھا ہونا بھی داخل ہوگیا، ان امور کے شامل ہونے کو علما نے جائز رکھا ہے۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی نے

''حسن المقصد'' اور ملاعلی قاری نے ''مورد الروی'' میں علامہ ابن حجر - رحمۃ اللہ علیہ - سے نقل کیا ہے :

**و أما ما يتبعه من السماع و اللهو و غيرهما فينبغي أن يقال ما كان من ذلک مباحا بحيث يعين السرور بذلک اليوم فلا بأس بإلحاقه و ما كان حراما أو مكروها فيمنع .**

*یعنی محفل میلاد کے اندر لہو وسماع وغیرہ جو مباح کام ہوتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ ان کی وجہ سے خوشیاں دوبالا ہو جایا کرتی ہیں۔ ہاں! اگر اس میں کوئی حرام ومکروہ کام ہو تو اسے بہر حال منع کیا جائے گا۔*

اس عمل کو ماہِ ربیع الاول کے ساتھ خاص کیا گیا۔ ہر چند وہ تو نہایت ہی قدیم یعنی وقت صحابہ سے چلا آ رہا تھا لیکن یہ سامان فرحت وسرور کرنا اور اس کو بھی ربیع الاول کے مہینہ کے ساتھ مخصوص کرنا اور اس میں بھی میلاد شریف کے لیے خاص وہی بارہواں دن معین کرنا بعد میں ہوا یعنی چھٹی صدی کے آخر میں۔

سب سے پہلے تخصیص وتعیین کے ساتھ ربیع الاول کا یہ عمل' عراق کے ایک شہر ''موصل'' میں ہوا، جسے صلحائے روزگار میں سے ایک متقی ودین دار شیخ عمر نے شروع کیا۔ یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ مولود شریف سات سو برس سے نکلا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ بعض خصوصیات کی وجہ سے اتنے دنوں سے ہے ورنہ میلاد شریف کا اصل تذکرہ تو رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کے وقت سے چلا آ رہا ہے۔ بادشاہوں میں سب سے پہلے ابوسعید مظفر بادشاہ نے ربیع الاول میں تخصیص وتعیین کے ساتھ میلاد شریف کیا۔ غرض کہ اس بادشاہ نے اس کام میں شیخ عمر کی پیروی کی ۔ وہ ہر سال ربیع الاول میں تین لاکھ اشرفی لگا کر بڑی محفل کیا کرتا تھا۔ اس کے زمانے میں 'ابوالخطاب بن دحیہ' نامی ایک عالم گزرے ہیں - جو حضرت دحیہ کلبی صحابی کی نسل اور اولاد سے تھے - جن کی بابت شرح علامہ زرقانی اور تاریخ کی دیگر عربی کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ علم حدیث کے بڑے ماہر اور پختہ کار تھے، علم نحو، لغت اور تاریخ عرب میں کامل تھے، کئی ملکوں میں جا کر انھوں نے علم حاصل کیا تھا۔ ملک اندلس، مراکش، افریقہ، مصر، شام، عراق، دیار شرقیہ وغربیہ اور ماژندان وخراسان وغیرہ کے اکثر شہروں میں علم حدیث حاصل کرتے اور دوسروں کو فائدہ پہنچاتے انجام کار - ۶۰۴ھ - (1207ء) میں شہر اربل آئے۔ جہاں سلطان ابوسعید مظفر کے لیے میلاد شریف (کے موضوع پر) '' التنوير في

مولد البشير النذير" نامی ایک کتاب لکھی، خاص سلطان کے سامنے اسے پڑھا، اور ایک ہزار اشرفی انعام پائی۔

منکرین حضرات مولد شریف لکھنے اور پڑھنے کی وجہ سے اس عالم ومحدث کو اپنا دشمن جانتے ہیں، اور ان کی برائی کرتے ہیں؛ حالاں کہ کتب معتبرہ میں ان کی تعریف مندرج ہے۔ اور اسی طرح وہ سلطان مظفر کو بھی برا کہتے ہیں۔ اس کے پلٹنوں میں طبل غازی بجتا تھا جس سے منکرین نے اس پر مزامیر سننے کا عیب لگایا، حالاں کہ وہ تیاریِ جہاد کے آلات میں داخل تھا، اس قسم کے طبل وغیرہ دوسری چیز ہیں اور کھیل کود کے مزامیر دوسری چیز۔ سرکار دوعالم -صلی اللہ علیہ وسلم- کی مدحتیں سن کر شدت سرور میں اسے وجد آجاتا تھا، جس کو ان بھلے مانسوں نے محفل میں ناچنے سے تعبیر کیا اور لکھا کہ اس کی محفل میں خیال گائے جاتے تھے، یہ اس کا خاکہ اڑایا کہ یہ اشعار نعت پڑھے جاتے تھے اور اشعار کی تعریف خود کتابوں میں تصریحاً لکھی ہے کہ اشعار مقدمات خیالی کو کہتے ہیں۔ تو کہاں یہ خیال اور کہاں وہ پٹا اور خیال جس کی تعریف میں تواریخ عرب میں طومار کے طومار بھرے ہوئے ہیں۔ چوں کہ یہ طول کا موقع نہیں اس لیے شارح مواہب' علامہ زُرقانی کی ایک مختصر عبارت لکھتا ہوں جسے انھوں نے تاریخ ابن کثیر سے نقل فرمایا ہے :

**كان شهما شجاعا بطلا عاقلا عادلا محمود السيرة . (۱)**

جو تندرست، بہادر، دلیر، دانش مند، انصاف ور اور اچھی سیرت وخصلت کا مالک تھا۔

الحاصل! اس بادشاہ کے دور میں محفل میلاد دھوم سے ہونے لگی اور بڑے بڑے علما ومشائخ اور صوفیہ اس میں شامل ہونے لگے۔ سبط ابن الجوزی نے (مرآۃ الزمان میں) لکھا ہے :

**و كان يحضر عنده في المولد أعيان العلماء و الصوفية . (۲)**

یعنی میلاد شریف کی محفل میں وقت کے اجلہ علما اور صوفیہ شرکت فرماتے تھے۔

جلال الدین سیوطی نے ''فتاویٰ حسن المقصد'' میں لکھا ہے :

**أحدثه ملک عادل عالم و قصد به التقرب إلى الله -عزوجل- و حضر عنده فيه العلماء و الصلحاء من غير نكير منهم . (۳)**

---

(۱) سبل الہدیٰ والرشاد: ۳۶۲/۱۔
(۲) حوالہ سابقہ: ۳۶۲/۱۔
(۳) نفس مصدر: ۳۷۰/۱۔

یعنی میلاد شریف کے عمل کو ایک عالم منصف بادشاہ نے تقرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے ایجاد کیا جس میں بلا اختلاف علما اور صالحین حاضر ہوا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس عمل پر بلا انکار جملہ علما و صلحا کا اجماع ہو گیا۔لیکن اس اجماع کے پچاس برس بعد تاج الدین فا کہانی مغربی پیدا ہوا۔اس کی ولادت-۶۵۴ھ-(1257ء) میں ہوئی ،اور ابوسعید مظفر نے محفل میلاد کا آغاز-۶۰۴ھ-(1207ء) میں کیا اور-۶۳۶ھ- (1239ء) میں اس بادشاہ کا انتقال ہوا۔غرض کہ اس اجماع اور شاہ مظفر کی وفات کے بعد اس عالم یعنی فا کہانی نے جمہور مخالف ہو کر میلاد شریف کے عدم جواز پر فتویٰ لکھ دیا جس کا فقہا و محدثین نے رد کیا۔میلاد شریف قدیم دستور کے مطابق قائم و دائم رہا اور شرق و غرب' شمال و جنوب تمام اسلامی شہروں میں رائج ہو گیا۔چنانچہ ملا علی قاری اور علامہ حلبی و قسطلانی وغیرہ نقل کرتے ہیں :

**ثـم لا زال أهل الإسلام في سائر الأقطار و المدن الكبار يحتفلون في شهر مـولـده –صـلـى الـلـه عليه وسلم– ........و يعتنون بقراء ة مولده الكريم و يظهر عليهم من بر كاته كل فضل عميم .** (۱)

یعنی پھر تمام اطراف اور بڑے بڑے شہروں میں اہل اسلام ماہ میلاد النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- میں برابر محفلیں جماتے رہے،اور سرکار کے میلاد مبارک پڑھنے کا اہتمام کرتے رہے جس کی برکت سے ان پر افضال و برکات کی بارشیں ہوتی رہیں۔

ملا علی قاری نے تمام ملکوں میں میلاد شریف کا ہونا ثابت کیا ہے جس کا جی چاہے ان کا رسالہ ''مورد الروی'' اٹھا کر دیکھ لے وہ لکھتے ہیں کہ مولود شریف کی محفلیں' حرمین شریفین-زادہما اللہ شرفا و تعظیماً- ملک مصر، ملک اندلس، ممالک مغربی، ملک روم، ممالک عجم اور ملک ہندوستان وغیرہ میں کمال اہتمام و احتشام سے ہوتی ہیں۔مزید یہ بھی لکھا :

**و من تعظيم مشائخهم و علمائهم هذا المولد المعظم و المجلس المكرم انه لا يأباه أحد في حضوره رجاء إدراک نوره .**

یہاں لفظ **هم** کی ضمیر غائب مذکورہ تمام دیار و امصار کی طرف لوٹ رہی ہے جس کے معنی یہ ہوئے:

اس محفل و مجلس مبارک کی تعظیم ان جملہ ملکوں کے مشائخ طریقت اور علمائے شریعت اس قدر کرتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی اس محفل کے انوار و فیوض سے متمتع ہونے کے لیے اس میں حاضر ہونے سے انکار نہیں کرتا۔

(۱) سبل الہدیٰ والرشاد:۱/۳۶۲......سیرت حلبیہ:۱/۱۳۲

تو اس عمل پاک کی کثرت اور اس کی شہرت ومقبولیت ملا علی قاری وغیرہ کے کلام سے روشن ہوگئی، ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ علما ومشائخ میں سے کوئی بھی اس کا انکار نہیں کرتا تھا جس سے ظاہر ہوا کہ وہ جو کوئی ایک یا دو آدمی ادھر اُدھر انکار کرتے رہے تو وہ ہزاروں لاکھوں بلکہ سوادِ اعظم کا مخالف سمجھ کر ہر دور اور ہر عہد میں غیر مقبول اور متروک العمل رہے۔

امام سخاوی - رحمۃ اللہ علیہ - کا یہ کلام جو سیرت حلبی میں منقول ہے :

**ثم لا زال أهل الإسلام في سائر الأقطار والمدن الكبار يعملون المولد.**(۱)

یعنی اہل اسلام تمام بڑے شہروں اور اطراف وجوانب میں میلاد النبی - صلی اللہ علیہ وسلم - کا ہمیشہ سے اہتمام فرماتے چلے آرہے ہیں۔

یوں ہی ''مواہب اللدنیہ'' - مولفہ شیخ شہاب الدین قسطلانی - میں ابن الجزری کا یہ کلام منقول ہے :

**و لا زال أهل الإسلام يتحفلون بشهر مولده - عليه الصلوٰة و السلام -**

یعنی مسلمان ماہِ ولادت مصطفےٰ - صلی اللہ علیہ وسلم - کی محفلیں ہمیشہ سے سجاتے چلے آرہے ہیں.

ان عبارتوں میں لا زال أهل الإسلام جمہور اہل اسلام کے اجماع اور مخلوق میں اس عمل مقبول کے دوام کا فائدہ دے رہا ہے۔ چنانچہ حرمین شریفین - زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً - میں زمانۂ قدیم سے آج تک اور ملک روم وشام، اندلس اور مغربی ممالک وغیرہ جملہ بلادِ اسلامیہ میں ہمیشہ سے اس وقت تک میلاد شریف کے اسی استحباب واستحسان پر عمل ہے، بجز خطہ پاک ہندوستان کے کہ اس میں طرح طرح کے انکار پیدا ہوگئے۔ مگر زمانۂ قدیم میں ہندوستان کے اندر بھی علماے ہند کی مقبول ومعتمد شخصیات مثلا شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور ملا محمد طاہر - صاحب مجمع البحار - میلاد شریف کے استحباب کے قائل تھے۔ نیز بادشاہانِ دہلی ہمایوں وغیرہ کے بعض قصص وحکایات اور حافظ ابو الخیر سخاوی کے کلام سے ہندوستان میں اس عمل پاک کا رائج ہونا بھی یقینی طور پر معلوم ہے۔ انتہا یہ کہ اس وقت جو انگریز حکام وفرماں روا ہیں کہ جنھیں تعظیم وآدابِ نبی - صلی اللہ علیہ وسلم - سے کچھ علاقہ نہیں انھوں نے بھی اپنے محکمہ وکچہری میں اہل اسلام کے لیے جا بجا چھٹیاں مقرر کر رکھی ہیں۔ مثلاً عید، بقر عید، شب براءت اور ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو میلاد حضرت خیر العباد - صلی اللہ علیہ وسلم - کی خوشی منانے کے لیے ایک ایک دن کی تعطیل۔

---

(۱) سبل الہدیٰ والرشاد: ۱/۳۶۲...... سیرت حلبیہ: ۱/۱۲۲۔

افسوس صد افسوس کہ انگریز حکام تو اپنے کاروبار میں حرج منظور کر لیں، اپنے حقوق خدمت اور کارگزاری' اس روز حضور کی سرور و تعظیم کی بجا آوری کے لیے موقوف کر دیں اور اس کے مقابل میں یہ لوگ زبان سے فرمائیں کہ یہ فعل بدعت و ضلالت ہے! - معاذ اللہ - اس دین داری اور خوش عقیدتی پر افسوس ہے۔ خیر! انکار کرنے والے انکار کریں کہ ان کو یہی توفیق ملی ہے کہ وہ ذکر رسول - صلی اللہ علیہ وسلم - کی محفل پاک سے کنارہ کرتے رہیں مگر ہم اس وقت تک کا کامل ثبوت فراہم کر چکے کہ مشرق سے مغرب تک تمام ممالک اسلامیہ میں اس عمل پاک کو اہل اسلام محمود اور مستحسن جانتے ہیں تو اب ہم کو ابن مسعود - رضی اللہ عنہ - کی یہ حدیث کافی ہے کہ آپ فرماتے ہیں :

مَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ . (۱)

یعنی جس چیز کو اہل اسلام اچھا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

امام احمد نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں مرفوعاً روایت کی ہے :

سَأَلْتُ اللّٰهَ - عزوجل - أنْ لَّا يَجْمَعَ أُمَّتِي عَلَى ضَلاَلَةٍ فَأعْطَانِيهَا . (۲)

یعنی میں نے اپنے پروردگار سے سوال کیا کہ میری امت کبھی کسی گمراہی پر جمع نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے میرا سوال پورا فرما دیا۔

ابن عمر سے مرفوعاً روایت ہے :

---

(۱) مسند احمد : ۷/ ۴۵۳ حدیث : ۳۴۱۸ ...... مصنف ابن ابی شیبہ : ۷/ ۴۵۳ حدیث : ۳۴۱۸ ...... مستدرک : ۱۰/ ۲۵۷ حدیث : ۴۴۳۹ ...... معجم کبیر طبرانی : ۸/ ۱۲ حدیث : ۸۵۰۴ ...... معجم اوسط طبرانی : ۸/ ۲۶۳ حدیث : ۳۷۴۰ ...... معرفۃ السنن والآثار : ۱/ ۳/ ۷ ...... معرفۃ الصحابہ : ۱/ ۵۷ حدیث : ۴۱ ...... مسند طیالسی : ۱/ ۲۵۵ حدیث : ۲۴۰ ...... مجمع الزوائد ومنبع الفوائد : ۱/ ۱۰۷ ...... کنز العمال : ۱۲/ ۴۸۵ حدیث : ۳۵۵۹۰ ...... نصب الرایہ : ۱۰/ ۴۳۴ ...... امالی ابن مردویہ : ۱/ ۱۹ حدیث : ۱۸ ...... الاعتقاد بیہقی : ۱/ ۳۳۰ حدیث : ۲۹۷ ...... بحر الزخار مسند بزار : ۵/ ۲۱۹ حدیث : ۱۶۰۶ ...... الشریعہ آجری : ۳/ ۲۶۳ حدیث : ۱۱۲۸ ...... الفقیہ والمتفقہ خطیب بغدادی : ۱/ ۴۹۲ حدیث : ۴۳۹ ...... المدخل الی السنن الکبریٰ بیہقی : ۱/ ۲۸ حدیث : ۲۷ ...... تثبیت الامامۃ وترتیب الخلافۃ اصبہانی : ۱/ ۲۱۷ حدیث : ۲۰۲ ...... جامع بیان العلم وفضلہ ابن عبد البر : ۳/ ۸۴ حدیث : ۱۰۲۴ ...... فضائل الصحابہ احمد بن حنبل : ۲/ ۲۶ حدیث : ۵۱۷ ...... معجم ابن الاعرابی : ۲/ ۳۴۴ حدیث : ۸۴۳۔

(۲) مسند احمد : ۵۵/ ۲۱۱ حدیث : ۲۵۹۶۶ ...... مصنف ابن ابی شیبہ : ۵۵/ ۲۱۱ حدیث : ۲۵۹۶۶ ...... معجم کبیر طبرانی : ۲/ ۶۰۵ حدیث : ۲۱۲۹ ...... مجمع الزوائد : ۱/ ۱۰۷ ...... کنز العمال : ۱۱/ ۱۷۴ حدیث : ۳۱۱۰۰ ...... المسند الجامع : ۴/ ۳۸۶ حدیث : ۳۴۸۶۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْتَمِعُ هٰذِهِ الأُمَّةَ عَلٰى ضَلاَلَةٍ أَبَدًا . (۱)

یعنی اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی بھی گمراہی پر جمع نہ فرمائے گا۔

امام سیوطی کے کلام سے معلوم ہو چکا ہے کہ -۶۰۴ھ- (1207ء) سے اس عمل کے استحسان پر علما اور صلحاے امت کا بلانکیر اجماع ہے تو علماے امت کا یہ اجماع حدیث کی رو سے اس بات پر دلیل شافی ہے کہ یہ عمل ضلالت نہیں ہے۔ اور فاکہانی مغربی نے جو مدت دراز کے بعد پیدا ہو کر مخالفت کی تو یہ خود اس کی خطا ہے۔ آیت کریمہ: وَ مَنْ يَّتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ (نساء:۱۱۵) سے اندیشہ کرنا ضروری تھا تو فاکہانی کی مخالفت علماے سلف کے اتفاق کے خلاف ٹھہری۔ اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ **والعمل على الخلاف خرق الإجماع** یعنی اتفاق امت کے خلاف عمل کرنا اجماع کو توڑ دیتا ہے، اور یہ بڑی خطا ہے۔

فاکہانی کے بعد انکار میں بعض لوگ جو اس کے تابع ہوئے تو وہ دراصل خلاف کی پیروی ہے اور شرعا ناجائز ہے۔ اس کو اختلاف نہیں کہہ سکتے اور اگر کوئی اس کو اختلاف ہی قرار دے اور کسی گروہ کے پانچ دس مولوی ایک جگہ باندھ کر اور اس عمل پاک کا انکار کر کے اختلاف کی صورت ظاہر کریں تب بھی رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے کلام سے اس کا صاف صفایا ہو جاتا ہے۔

ابن ماجہ اور دارقطنی وغیرہ محدثین حضرت انس سے مرفوعا روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے فرمایا :

فَإِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلَافاً فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الأَعْظَمِ . (۲)

یعنی جب علماے امت میں اختلاف دیکھو تو جس پر سوادِ اعظم ہوں اس کی پیروی کرو۔

جو لوگ سوادِ اعظم کے معنی میں ہیر پھیر کر کے طرح طرح کی باتیں پیش کرتے ہیں وہ قابل توجہ نہیں۔ جمہور محدثین کے نزدیک اس کے معنی وہ ہیں جو مولانا احمد علی محدث سہارن پوری مرحوم نے اپنی مطبوعہ مشکوٰۃ میں شرح ملا علی قاری سے نقل کیے ہیں :

---

(۱) الابانۃ الکبریٰ:۱/۱۶۲حدیث:۱۵۶......مستدرک:۱/۳۸۱حدیث:۳۶۱......کنز العمال:۱/۲۰۶حدیث:۱۰۲۹۔

(۲) سنن ابن ماجہ: ۱۱/۴۴۲حدیث: ۳۹۴۰......الابانۃ الکبریٰ: ۱/ ۱۲۸حدیث: ۱۲۳......مسند عبد بن حمید: ۳/ ۳۴۴ حدیث:۱۲۲۴......مسند الشامیین: ۶/ ۲۱۵حدیث:۲۰۳۸......کنز العمال:۱/ ۱۸۰حدیث:۹۰۹......المسند الجامع:۴/ ۱۵۲حدیث:۱۲۲۰......تحفۃ الاشراف:۳/ ۳۴۷حدیث:۱۷۱۵۔

**يعبر به عن الجماعة الكثيرة و المراد ما عليه أكثر المسلمين .** (۱)

یعنی سوادِ اعظم سے کثیر جماعت مراد ہوتی ہے یعنی تم اس کی پیروی کرو جس پر اکثر مسلمان ہوں۔

اسی طرح مولوی اسحٰق صاحب کے خلیفہ و شاگرد رشید نواب قطب الدین خان صاحب نے ترجمہ مشکوٰۃ ''مظاہر الحق'' میں اس حدیث کی شرح یوں لکھی ہے :

جو اعتقاد اور قول و فعل اکثر علما کے ہوں ان کی پیروی کرو۔

باقی رہی یہ بات کہ اکثر علما سے کس فریق کے علما مراد ہیں تو اس کو علم اصول کی کتاب ''توضیح'' میں واضح کیا گیا ہے کہ وہ اہل سنت و جماعت سے ہونے چاہئیں عبارت یوں ہے :

**و السواد الأعظم عامة المسلمين ممن هو أمة مطلقة ، و المراد بالأمة المطلقة أهلُ السنة و الجماعة .** (۲)

یعنی سوادِ اعظم سے امت مسلمہ کی اکثریت مراد ہوتی ہے، اور جب مطلق امت بولی جائے تو اس سے اہل سنت و جماعت مراد ہوتے ہیں۔

علم اصول کی روشنی میں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ جس عمل پر مدت دراز سے علمائے محققین کا اتفاق چلا آ رہا ہو وہ شرع میں حجت اور دلیل حقیقت ہے۔ ''مسلم الثبوت'' کے آخر تتمہ میں ہے :

**إن اتفاق العلماء المحققين على ممر الأعصار حجة كالإجماع .**

یعنی عرصہ دراز سے کسی بات پر علمائے محققین کا اتفاق اجماع کی طرح حجت مانا جاتا ہے۔

اس مقام پر علامہ بحر العلوم نے 'المحققین' کے تحت لکھا ہے :

**و إن كانوا غير مجتهدين .**

یعنی یہ محققین گرچہ غیر مجتہد ہی کیوں نہ ہوں۔

مطلب یہ ہوا کہ کسی امر پر مدت دراز سے جو علمائے اہل تحقیق کا اتفاق چلا آتا ہو تو اگر وہ مجتہد نہ بھی ہوں تب بھی ان کا یہ عمل اجماع کی طرح حجت ہے۔

اب دیکھیں کہ میلاد شریف کو جائز رکھنے والے علما جیسے ابوشامہ، ابن حجر، ابن جزری، سیوطی اور ملا علی قاری وغیرہ - جن کے نام نامی لمعہ تاسعہ میں درج ہوں گے - سب اہل سنت و جماعت ہیں ، کسی نے بھی - معاذ اللہ - ان کو اہل بدعت میں شمار نہیں کیا ہے، اور یہ لوگ محققین بھی ہیں۔ لہٰذا عمل مولد شریف پر ان سب کا اتفاق اجماع کی طرح حجت ٹھہرا - فالحمد للہ علی ذلک -

---

(۱) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: ۱/۲۴۸/۱۷۔

(۲) تلویح علی التوضیح: ۳/۳۸ - الامر الثانی اہلیۃ من ینعقد بہ...۔

## لمعہ ثانیہ - مشائخ خاندانِ عزیزیہ اور شرکت محفل میلا د شریف

جناب مرشدی و مولائی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب -عم فیوضہم- بھی شریک محفل ہوا کرتے ہیں۔ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی - رحمۃ اللہ علیہ - کا اس سلسلہ میں بیان یہ ہے کہ آپ نے رئیس مراد آباد علی محمد خان صاحب کو ایک خط رقم فرمایا جس کی عبارت ملخصاً یوں ہے :

در تمام سال دو مجلس در خانہ فقیر منعقد می شود اول کہ مردم روز عاشورا یا یک دو روز پیش ازیں قریب چہار صد یا پانصد کس بلکہ قریب ہزار کس و زیادہ ازاں فراہم می آیند و درود می خوانند بعد ازاں کہ فقیر می آید می نشیند و ذکر فضائل حسنین کہ در حدیث شریف وارد شدہ در بیان می آید و آنچہ در احادیث اخبار شہادت ایں بزرگان وارد شدہ نیز بیان کردہ می شود و بعد ازاں ختم قرآن و پنج آیت خواندہ بر ما حضر فاتحہ نمودہ می آید پس اگر ایں چیز ہا نزد فقیر جائز نمی بود اقدام براں اصلاً نمی کرد باقی ماند مجلس مولود شریف پس حالش اینست کہ بتاریخ دوازدہم شہر ربیع الاول ہمیں کہ مردم موافق معمول سابق فراہم شدند و در خواندن درود شریف مشغول گشتند و فقیر می آید اولا بعضے از احادیث و فضائل آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- مذکور می شود بعد ازاں ذکر ولادت با سعادت و نبذے از حال رضاع و حلیہ شریف و بعضے از آثار کہ دریں آوان بظہور آمد بمعرض بیان می آید پس بر ما حضر از طعام یا شیرینی فاتحہ خواندہ تقسیم آں بحاضرین مجلس می شود۔

یعنی سال میں دو مجلسیں فقیر کے گھر منعقد ہوا کرتی ہیں۔ پہلی کہ عاشورا کے دن یا اس سے ایک دو روز قبل چار پانچ سو کی تعداد میں بلکہ ہزار سے بھی زیادہ لوگ جمع ہوتے ہیں اور درود پڑھتے ہیں۔ پھر فقیر کے آنے کے بعد حدیث میں واردہ شدہ فضائل حسنین کا تذکرہ ہوتا ہے اور حدیث کی روشنی میں بیان شہادت بھی ہوتا ہے جو کہ بزرگوں کا طریقہ ہے۔ اس کے بعد فاتحہ کے لیے جو چیز موجود ہوتی ہے اس پر ختم قرآن اور پنج سورتیں پڑھی جاتی ہیں، اب اگر یہ چیزیں فقیر کے نزدیک جائز نہ ہوتیں تو انھیں عمل میں کبھی نہ لایا جاتا۔ رہی بات مجلس میلاد شریف کی تو اس کا حال یہ ہے کہ بارہ ربیع الاول میں لوگ مذکورہ بالا تعداد میں حاضر ہوتے ہیں اور درود شریف کے ورد میں مشغول ہو جاتے ہیں، پھر فقیر کی آمد ہوتی ہے پہلے تو احادیث کی روشنی میں کچھ سرکار -علیہ السلام- کے فضائل بیان کیے جاتے ہیں، اس کے بعد آپ کی ولادت باسعادت

کا تذکرہ ہوتا ہے، آپ کی رضاعت کے احوال اور کچھ حلیہ شریف کا بیان ہوتا ہے اور کچھ وہ واقعات سنائے جاتے ہیں جو آپ کی تشریف آوری پر ظہور پذیر ہوئے، پھر کھانا یا شیرینی جو کچھ حاضر ہوتا ہے اس پر فاتحہ دی جاتی ہے اور حاضرین مجلس میں اس کو تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

یہ شاہ عبد العزیز صاحب وہ ہیں کہ جن کا شہرہ زبان زد خاص وعام ہے، اور منکرین بھی ان تک سند حدیث کا سلسلہ پہنچ جانے کو اپنے لیے کمالِ درجہ مایۂ افتخار سمجھتے ہیں۔ تو جس طرح ہم ان کی تحریروں سے وجود بدعت حسنہ کا ثبوت ثابت کر چکے ہیں اور اموات کے سلسلہ میں مروّجہ صدقات کی سندیں بھی ان کو دے چکے ہیں، تو اب انھیں کے کلام سے بدعت حسنہ کے اس فردِ خاص ذی اختصاص مروج بین اہل اخلاص یعنی میلاد النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کی سند بھی گزار دی، اور اس کے اندر تبعاً کھانے پر فاتحہ کی تائید بھی ہوگئی ہے۔

اب حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی -رحمۃ اللہ علیہ- کا بیان سنیے۔ یہ شاہ عبد العزیز دہلوی موصوف کے باپ، استاد اور پیر تھے۔ آپ نے اپنا حال ''فیوض الحرمین'' میں یوں لکھا ہے :

**كنت قبل ذلك بمكة المعظمة في مولد النبي -صلى الله عليه وسلم- في يوم ولادته و الناس يصلون على النبي -صلى الله عليه وسلم- ويذكرون إرهاصاته التي ظهرت في ولادته و مشاهدة قبل بعثته فرأيت أنوارا سطعت دفعة واحدة لا أقول إني أدركتها ببصر الجسد و لا أقول أدركتها ببصر الروح فقط - والله أعلم- كيف كان الأمر بين هذا و ذلك فتأملت تلك الأنوار فوجدتها من قبل الملائكة الموكلين بأمثال هذه المشاهدة بأمثال هذه المجالس و رأيت يخالط أنوار الملائكة أنوار الرحمة .**

یعنی شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں اس سے پہلے ماہِ ولادت یعنی ربیع الاول شریف میں میلاد النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کے موقع پر مکہ معظّمہ میں تھا، لوگ نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- پر درود نچھاور کر رہے تھے، ساتھ ہی سرکار کی ولادت کے وقت جو واقعات ظہور پذیر ہوئے نیز آپ کی بعثت سے پہلے کے احوال بیان ہو رہے تھے، میں نے دیکھا کہ یکا یک انوارِ غیبی بلند ہو گئے، میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ واقعہ میں نے اپنی ظاہری آنکھ سے دیکھا یا باطنی آنکھ سے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ظاہر و باطن کے درمیان وہ کیا عالم تھا، پھر میں نے تجسس اور غور سے ان انوار کو دیکھا تو وہ ان فرشتوں کے انوار تھے جن کو حق تعالیٰ نے اس بات پر معین کر رکھا ہے کہ وہ

ایسے ایسے مقامات میں اور ایسی ایسی مجلسوں میں حاضر ہوا کریں، نیز میں نے یہ بھی دیکھا کہ انوارِ رحمت اور انوار ملائکہ باہم خلط ملط ہو رہے تھے۔

یعنی ایک تو ملائکہ خود اجسام نوری ہوتے ہیں، دوسرے حاضرین مجلس کے لیے انوارِ رحمت نازل ہوئے، تو اب یہ دونوں نور مل کر مجلس میں نورٌ علی نور کا سماں باندھ رہے تھے جس کو اس عبارت سے تعبیر کیا ہے :

فرأيت أنواراً سطعت دفعة .

دیکھیے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ذکر ولادت شریف کی ایسی مجالس میں فرشتوں کی آمد اور رحمت کا نزول اپنے مشاہدہ سے ثابت کر رہے ہیں۔

اب ان کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبد الرحیم -رحمۃ اللہ علیہ- کا حال سنیے جو شریعت وطریقت میں بھی ان کے رہ نما تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ -رحمۃ اللہ علیہ- نے عالم رویا کی چالیس حدیثوں پر مشتمل اپنی کتاب ''الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین'' کی بائیسویں حدیث میں نقل کیا ہے :

أخبرني سيدي الوالد قال كنت أصنع في أيام المولد طعاماً صلة بالنبي -صلى الله عليه وسلم- فلم يفتح لي سنة من السنين شيىء أصنع به طعاما فلم أجد إلا حمصا مقليا فقسمته بين الناس فرأيته -صلى الله عليه وسلم-و بين يديه هذه الحمص مبتهجا بشاشا .

یعنی حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو میرے والد بزرگوار نے بتایا کہ میں نسبت رسالت کی بنیاد پر میلاد شریف کے موقع پر کھانے کا اہتمام کیا کرتا تھا تو ایک سال ایسا ہوا کہ میرے پاس کھانا بنوانے کی وسعت نہیں تھی صرف کچھ بھنے ہوئے چنے تھے جسے میں نے لوگوں کے درمیان بانٹ دیے، پھر ( کیا تھا میری قسمت بیدار ہو اٹھی ) میں نے دیکھا کہ وہ چنے رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ ایسے خوش ہیں کہ چہرے سے بشاشت پھوٹی پڑ رہی ہے۔

اب شاہ ولی اللہ صاحب کے پیرانِ پیر مولانا جلال الدین سیوطی -رحمۃ اللہ علیہ- کا حال سنیے جو چھ طبقہ اوپر مشائخ طریقت اور ان کے مشائخ حدیث میں آتے ہیں، شروع کتاب 'لمعہ رابعہ میں 'انتباہ' کے حوالے سے آپ نے ان کا سلسلہ حدیث دیکھا ہوگا۔

مولانا جلال الدین سیوطی "حسن المقصد فی عمل المولد" میں فرماتے ہیں :

يستحب لنا أيضا إظهار الشكر بمولده -عليه السلام- بالاجتماع و إطعام الطعام و نحو ذلک من وجوه القربات و المسرات . (۱)

یعنی میلاد النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کے موقع پر اہل اسلام کا اکٹھے ہوکر، کھانا کھلا کر اور یوں ہی دوسرے اچھے امور، خوشحالیوں کے ساتھ انجام دے کر اظہارِ تشکر بجالانا مستحب ہے۔

علامہ سیوطی -رحمۃ اللہ علیہ- کی یہ عبارت تفسیر روح البیان اور سیرت شامی وغیرہ کتب معتبرہ ومتداولہ میں بھی سنداً نقل ہے۔

اب شیخ القرا والمحدثین حضرت شیخ الاسلام شمس الدین ابوالخیر ابن الجزری -رحمۃ اللہ علیہ- کا حال سنیے- جو حضرت شاہ ولی اللہ کے نویں طبقہ اوپر مشائخ حدیث وطریقت میں آتے ہیں- "عرف التعریف بالمولد الشریف" میں فرماتے ہیں :

فما حال المسلم الموحد من أمته -عليه السلام- يسرُّ بمولده ويبذل ما تصل إليه قدرته في محبته -صلى الله عليه وسلم- لعمري إنما يكون جزاءه من الله الكريم أن يدخله بفضله العميم جنات النعيم .(۲)

یعنی سرکار دوعالم -صلی اللہ علیہ وسلم- کی امت کے اس موحد کا کیا حال ہوگا جو آپ کے میلاد شریف پر خوشیاں مناتا ہے، اور آپ کی محبت میں اپنی بساط کے مطابق خرچ کرتا ہے، مجھے اپنی عمر کی قسم! اللہ کی طرف سے اس کی جزا یہی ہے کہ وہ اپنے فضل فراواں سے اسے جنت النعیم میں داخل فرمائے۔

ملا علی قاری -رحمۃ اللہ علیہ- نے اپنی کتاب "مورد الروي في مولد النبي" میں حضرت ابوالخیر شمس الدین بن الجزری کی ایک تحریر نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :

قال ابن الجزري -رحمة الله عليه- و لقد حضرت في سنة خمس و ثمانين و سبع مائة ليلة المولد عند الملک الطاهر برقوق -رحمه الله- بقلعة فرأيت ما سرني فحرزت ما أنفق في تلک الليلة على القراء و الحاضرين من الوعّاظ و المنشدين و غيرهم بنحو عشرة آلاف مثقال من

(۱) سبل الہدیٰ والرشاد: ۱/۳۶۷۔
(۲) نفس مصدر: ۱/۳۶۷۔

الذهب ما بين خلع و مطعوم و مشروب و مشموم و شموع و غيرها و عددت ذلک خمسا و عشرين حلقة من القراء الصبيين .

یعنی حضرت ابن جزری - رحمۃ اللہ علیہ - نے فرمایا کہ ایک بار - ۷۸۵ھ - (1383ء) میں میلاد شریف کے موقع پر سلاطین مصر کے تخت گاہ' قلعہ میں ملک طاہر برقوق کے پاس میرا جانا ہوا، میں نے وہاں مسرت بخش چیزیں دیکھیں اور میرا اندازہ ہے کہ محفل میں موجود قاریوں، مقرروں اور نعت خوانوں وغیرہ کو خلعت دینے، کھلانے پلانے اور خوشبو وروشنی پر اس نے دس ہزار مثقال سونا خرچ کیا ہوگا اور میں نے شمار کیا تو مجلس میں پچیس حلقے نو آموز قاری بچوں کے تھے۔

ابن جزری - رحمۃ اللہ علیہ - کا یہ حال' نور الدین ابوسعید بورانی - رحمۃ اللہ علیہ - نے بھی اپنے فارسی میلاد نامہ میں بعینہ نقل کیا ہے۔

**تبصرہ** : اس وقت عمل میلاد شریف کے سلسلہ میں دو گروہ ہیں :

پہلا وہ جو کراہت وحرمت ثابت کرتا ہے جس کا سب سے پہلا پیشوا تاج الدین فاکہانی مغربی ہے۔ اس کا یہ قول ''المورد فی عمل المولد'' میں یوں ہے :

هو بدعة أحدثها البطالون ، و شهوة نفس اعتنى بها الأكّالون .

چند سطر کے بعد لکھا :

و هذا لم يأذن فيه الشرع و لا فعله الصحابة و لا التابعون .

پھر دو تین سطر کے بعد لکھتا ہے :

و حينئذ يكون الكلام فيه في فصلين ....أحدهما: أن يعمله رجل من عين ماله لأهله و أصحابه و عياله لا يجاوزون ذلک الاجتماع على أكل الطعام و لا يقترفون شيئا من الآثام فهذا الذي وصفناه بأنه بدعة مكروهة و شناعة ..

و الثاني: أن تدخله الجناية .....و هذا الذي لا يختلف في تحريمه اثنان .(۱)

یعنی یہ عمل مولد بدعت ہے جس کی ایجاد باطل اور نفس پرست لوگوں نے کھانے پینے کی غرض سے کی ہے۔

نہ تو شریعت ہی نے اس کی اجازت دی، اور نہ صحابہ وتابعین ہی سے اس کی کوئی سند ملتی ہے۔

(۱) المورد فی عمل المولد:۲، ۳.....سبل الہدیٰ والرشاد:۱/ ۳۶۸، ۳۶۹۔

اب اس میں دو طریقے سے کلام ہوگا۔ایک یہ کہ آدمی خاص اپنے مال سے کرے، اپنے بال بچوں، دوستوں اور کنبہ والوں کو کھلائے، اس کے سوا اور کچھ نہ کرے کہ لوگوں کو جمع کر کے کھانا کھلا دے مگر وہ لوگ کوئی گناہ کی بات نہ کریں، اسی کو ہم نے بدعت مکروہہ وشنیعہ سے تعبیر کیا ہے۔اور دوسرا طریقہ مولد کا یہ ہے کہ اس میں گناہ کی باتیں داخل ہوں تو یہ ایسا حرام ہے کہ جس میں کسی دو آدمی کو بھی اختلاف نہ ہوگا کہ ان میں کا کوئی ایک اسے درست کہہ دے۔

دوسرا وہ جو یہ کہتا ہے کہ صحابہ وتابعین سے کسی فعل کا منقول نہ ہونا حرمت وشناعت کا باعث نہیں ہوتا، اگر مولد' مباح و مستحسن امور پر مشتمل ہوگا تو جدید طریقہ عارض ہونے اور مباح الاصل چیزوں کے یکجا ہو جانے کی وجہ سے حرمت وکراہت ہر گز لاحق نہیں ہو سکتی۔لہٰذا یہ عمل مباح اور اچھا ہے، سلفاً وخلفاً یہی سوادِ اعظم اور امت محمدیہ کے جماہیر محققین وصالحین کا مذہب ہے، یہاں تک کہ وہ مشائخ کرام جن کو ہمارے وقت کے منکرین بھی محقق، پارسا اور اپنا پیشوا سمجھتے ہیں وہ بھی اسی طرف ہیں-جن کے افعال واقوال شاہ عبدالعزیز-رحمۃ اللہ علیہ- سے لے کر حضرت امام القراو المحدثین ابن جزری-قدس سرہ-تک ابھی اوپر نقل کیے گئے-

اے ہمارے دیس کے رہنے والے مسلمان بھائیو! غفلت میں بغیر سمجھے بوجھے تم کدھر چلے گئے، جمہور اہل سنت وجماعت سے منہ موڑا، خاندان عزیزیہ کے پیشواؤں کو چھوڑا اور اتباع کیا تو کس کا! تاج الدین فاکہانی مغربی کا۔العجب العجب!۔

امام المحدثین ابن جزری' میلاد شریف کے اہتمام واحتشام کو پسند فرمائیں۔نویں صدی کے مجدد' علامہ سیوطی اس کے استحباب کا حکم لگائیں۔شاہ عبدالرحیم سال بہ سال بلا ناغہ میلاد شریف کے موقع پر کھانا تیار کر کے رسول مقبول-صلی اللہ علیہ وسلم-کو ہشاش بشاش پائیں، اور ہمارے دور کے منکرین فاکہانی کے قول کو اپنا دستور العمل بنا کر ان سب مشائخ کبار کے افعال واقوال کو شہوت نفس، بدعت کراہت وشناعت، اور شاہ عبدالرحیم کے ہر سال کھانا تیار کرنے کو **أحدثها البطالون و الأكالون** میں شامل ٹھہرائیں-معاذ اللہ-

اے بھائیو! آؤ اب بھی خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور ہمارے ساتھ ہو کر جمہور علما، برگزیدانِ امت اور اپنی خاندان عزیزیہ کے مقبولین ذی کرامت کو اس مغربی کی قباحت وشناعت سے بچاؤ۔

اگر کوئی یہ وسوسہ ڈالے کہ مولانا شاہ عبدالعزیز-رحمۃ اللہ علیہ- کے بعد بعض علمائے خلف

نے حضرت مولانا کا خلاف کیا ہے۔ تو معلوم ہونا چاہیے کہ ایسا کہنا بالکل غلط ہے کیوں کہ ان کے خاص نواسہ اور مشہور زمانہ شاگرد و جانشین جناب مولانا محمد اسحٰق صاحب مرحوم ''مائۃ مسائل'' کے اندر پندرہویں سوال کے جواب میں لکھتے ہیں :

وقیاس عرس بر مولد شریف غیر صحیح است زیرا کہ در مولد ذکر ولادت خیر البشر است و آں موجب فرحت و سرور ست و در شرع اجتماع برائے فرحت و سرور کہ خالی از منکرات وبدعات باشد آمدہ برائے اجتماع حزن و شرور ثابت نہ شدہ، وفی الواقع فرحت ولادت آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- در دیگر امر نیست پس دیگر امر بریں قیاس صحیح نخواہد شد ومعہذا در مولود ہم اختلاف است زیرا کہ در قرون ثلاثہ کہ مشہود لہم بالخیر است ایں امر معمول نہ بود بعد قرون ثلاثہ ایں امر حادث شدہ بنا بریں علما در جواز و عدم جواز آں مختلف شدہ اند چنانچہ بہ تفصیل وبسط در کتاب سیرت شامی مذکور ست من شاء فلینظر فیه۔

یعنی میلاد شریف پر عرس کا قیاس کرنا درست نہیں کیوں کہ میلاد شریف میں تو رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی ولادت مبارکہ کا ذکر خیر ہوتا ہے جو فرحت وسرور کا باعث ہے، اور شریعت میں منکرات وبدعات سے خالی' فرحت وسرور کے لیے اکٹھا ہونے کا جواز ملتا ہے جب کہ غم وملال کے لیے اجتماع ثابت نہیں۔ تو درحقیقت نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کی ولاوت کی خوشی منانا یہ ایک دوسرا معاملہ ہے لہٰذا دوسری چیزوں کا اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہ میلاد شریف کے سلسلہ میں باہم اختلاف ہوا ہے کیوں کہ قرون ثلاثہ میں -جس کی بہتری کی گواہی دی گئی ہے- اس کا کوئی معمول نہ تھا اس کے بعد اس کی ایجاد ہوئی ہے، اس بنیاد پر اس کے جواز اور عدم جواز کی بابت علما کے درمیان اختلاف ہوا ہے، جس کی تفصیل سیرت شامی میں مذکور ہے، جسے ضرورت ہو اس کا مطالعہ کرے۔

اس عبارت میں چند چیزیں مخالفین کے مطلب کے خلاف موجود ہیں :

اول یہ کہ ہمارے دور کے منکرین دعویٰ کرتے ہیں کہ عمل میلاد شریف بالاتفاق ضلالت ہے، تو ''مائۃ مسائل'' کی اس تقریر سے ان کا رد ہوگیا کہ علما نے اس کے جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں اختلاف کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اگر کسی نے منع کیا ہے تو دوسرے علما جواز کی طرف بھی گئے ہیں۔ لہٰذا مولانا اسحٰق صاحب - جو تیرہویں صدی میں تھے - کی تحریر تک بھی منع پر اتفاق نہ ہوا تھا۔ اس بنیاد پر ممانعت پر اتفاق کا دعویٰ باطل رہا۔

ثانی یہ کہ سیرت شامی کا حوالہ دے کر ظاہر کر دیا کہ علما کے اس اختلاف میں مذہب صحیح یہ ہے کہ عمل مولد شریف مستحب ہے؛ کیوں کہ شامی نے مولد شریف کو جائز رکھنے والے علما کے اقوال کثرت سے نقل کر کے اس کا جواز واستحباب ثابت کیا ہے، اور منکرین کے اقوال کو مرجوح، مغلوب اور غیر معتمد رکھا ہے۔ اور آپ نے شیخ سیوطی - رحمۃ اللہ علیہ - کا وہی قول نقل کیا جو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں: **فیستحب لنا إظهار الشكر لمولده - الخ -**

نیز مولد کو بہتر سمجھنے کے سلسلے میں شامی نے امام القرا ابن جزری - رحمۃ اللہ علیہ - کا قول بھی نقل کیا ہے، اور یہ دونوں محدث بواسطہ شاہ ولی اللہ صاحب مولانا اسحٰق صاحب کے مشائخ حدیث میں ہیں، لہٰذا مولانا اسحٰق صاحب کا شامی کی عبارت کا حوالہ دینا گویا یہ تصریحا بیان فرمانا ہے کہ ہمارے مشائخ اور اساتذہ کے نزدیک یہ محفل مبارک اور مستحسن ہے۔

ثالث یہ کہ جو عمل قرون ثلاثہ میں نہ پایا گیا ہو لیکن اس کی اصل شرع میں موجود ہو تو وہ عمل باتفاق فریقین صحیح و درست ہوتا ہے۔ لہٰذا مولانا اسحٰق صاحب نے اس عمل کی اصل بیان فرما دی :

> در مولد ذکر ولادت خیر البشر است و آں موجب فرحت و سرور است و در شرع اجتماع برائے فرحت و سرور کہ خالی از منکرات و بدعات باشد آمدہ۔
>
> یعنی میلاد النبی - صلی اللہ علیہ وسلم - کے اندر ولادت خیر البشر کی بات ہوتی ہے اور یہ مسرت و خوشی کا باعث ہے، اور منکرات و بدعات سے خالی فرحت و نشاط میں جمع ہونا از روے شرع درست ہے۔

اس عبارت سے صاف واضح ہو گیا کہ میلاد شریف میں اسباب سرور کے ساتھ یہ اجتماع از روئے شرع جائز ہے بشرطیکہ منہیات شرعیہ سے خالی ہو، اور یہی ہمارا دعویٰ ہے۔

مولانا اسحٰق صاحب محفل میلاد شریف میں برابر شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ مولوی نور الحسن صاحب کے ''مجموعہ رسائل عشرہ'' - مطبوعہ مطبع انصاری دہلی - کے صفحہ ۴۰ کی پندرہویں سطر میں یہ مضمون موجود ہے اور راقم نے بذات خود مولانا اسحٰق صاحب مرحوم کے شاگرد رشید جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحب صوفی صافی فقیہ و محدث کافی - ساکن گنج مراد آباد - ملک اودھ سے بذریعہ خط دریافت کیا تو آپ نے ڈاک ہی سے یہ جواب تحریر فرمایا :

> ما ہمراہ حضرت مولانا محمد اسحٰق رفتہ ایم در میلاد آنحضرت۔
>
> یعنی حضور اکرم - صلی اللہ علیہ وسلم - کی محفل میلاد شریف کے لیے حضرت مولانا محمد اسحٰق

صاحب کے ساتھ ہم جایا کرتے۔

اس کے علاوہ مشہور زمن ماہر فن جناب مولانا فیض الحسن صاحب مرحوم سہارن پوری ''شفاء الصدور''-مطبوعہ لاہور-مورخہ ۱۵/دسمبر-۱۸۸۵ء-(۱۳۰۳ھ) کے صفحہ ۱۰ میں تحریر فرماتے ہیں :

**من جاء مجلس الميلاد فله أن يقوم إن قاموا و إلا فلا و هكذا يقول المولوي أحمد علي المحدث المرحوم تبعاً لأستاذه مولانا محمد اسحٰق المغفور .**

یعنی جو کوئی محفل میلاد شریف میں آئے تو اس کو چاہیے کہ جب سب کھڑے ہوں تو یہ بھی کھڑا ہو جائے ، اور اگر اہل مجلس نہ کھڑے ہوں تو یہ بھی نہ کھڑا ہو۔ مولوی احمد علی محدث مرحوم سہارن پوری اپنے استاد مولانا محمد اسحٰق صاحب مرحوم ومغفور کی اتباع میں یوں ہی فرمایا کرتے تھے۔

یہاں مولانا محمد اسحٰق صاحب مرحوم کے دو محدث شاگرد؛ مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور مولانا احمد علی صاحب کا محفل میلاد میں شامل ہونا اور اس کو مستحسن سمجھنا ثابت ہو گیا۔ لٰہذا یہ لوگ اپنے نانا اور استاد شاہ عبد العزیز صاحب-رحمۃ اللہ علیہ-کے مخالف نہ ٹھہرے۔

اب ہم شاہ عبد العزیز صاحب کے ایک دوسرے شاگرد رشید؛ حقائق ومعارف دستگاہ جناب مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب مرحوم کا حال بیان کریں۔ آپ ہمیشہ میلاد شریف منایا کرتے تھے اور میلاد شریف کے ثبوت میں نظماً اور نثراً ٹھوس دلائل قائم فرماتے تھے۔ اس مقدس محفل کی ترغیب دلایا کرتے اور اس سلسلے میں دل کش اشعار بھی ارشاد فرماتے۔ اُن کے رسالہ ''خدا کی رحمت'' سے دو شعر یہاں نقل کرتا ہوں۔

پیدا ہوا جس دن سے محمد سا نبی ہے
یہ شادیِ میلادِ رسولِ عربی ہے

تعظیم کھڑے ہو کے بجالاؤ ادب سے
اس کام کا انکار بڑی بے ادبی ہے

اب حضرت شاہ عبد العزیز صاحب-رحمۃ اللہ علیہ- کے خلیفہ طریقت جناب سید احمد صاحب کا بیان سنیے جو مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کے مرشد و رہنما تھے۔ سید احمد صاحب کے ایک مرید خاص مولوی سید محمد علی صاحب نے آپ کے حالات پر مشتمل فارسی زبان میں ایک کتاب بنام ''مخزن احمدی''، لکھی جس کو نواب محمد علی خاں صاحب والی ٹونک نے مطبع مفید عام آگرہ سے

-۱۲۹۹ھ-(1881ء) میں طبع کرائی۔اس کے صفحہ ۸۰ میں سید احمد صاحب کے سفر عرب کے سلسلہ میں یوں لکھا ہے :

مقدار مدت ہمچوں فصل بہار در گلزار کلکتہ ابواب ہدایت مفتوح داشتہ بعزم سفر یازدہ جہاز بطریق کرایہ مقرر فرمودہ دوازدہ ہزار روپیہ نول آں مقرر کردہ و مراکب را بر اہل قافلہ تقسیم فرمودہ و بر ہر مرکب شخصے را امیر ساختہ و برائے زادِراہ ایں سفر وسیلۃ الظفر بہ قیمت دوازدہ ہزار روپیہ غلجات از قسم گندم و برنج وغیرہ خرید فرمودہ بر ہر جہاز تقسیم نمودہ فرستادند جہاز موسوم بدر بقے کہ ناخدایش سید عبدالرحمٰن حضر موتی بود و معلم آں داؤد ساکن بندر سورت برائے مسکن خود مقرر ساختند و با اناث و ذکور ذوالقربیٰ خویش کہ باطفال و جواری قریب بہ چہل کس میر سند بر جہاز مذکور جا گرفتند و باقی اہل قافلہ بر مراکب خودہا نیز بنشستند و بمدت دہ شبانہ روز مراکب را در گنگا ساگر جریاں نمودہ روز سیوم مقدار یکپاس روز برآمدہ در بحر زخار در معبرے کہ مشہور بکیلا کاچھی است داخل گردیدند۔

یعنی موسم بہار کی مدت کے اندازے پر محیط اس کے ابواب ہدایت کلکتہ میں کھلے رہے۔اور سفر کے ارادے سے گیارہ جہازوں کو بارہ ہزار روپے میں طے کر لیے۔اور کشتیوں کو اہل قافلہ پر تقسیم کر دیا اور ہر کشتی میں ایک امیر کی تقرری فرمائی،اور اس سفر مبارک کے زادِراہ کے لیے بارہ ہزار روپئے کے غلہ جات یعنی گیہوں اور چاول وغیرہ خرید کر ہر جہاز میں تقسیم کر دیے۔ جس جہاز کو حضرت نے اپنے لیے منتخب کیا وہ بدر بقے کے نام سے موسوم تھا جس کا ناخدا عبد الرحمٰن حضر موتی اور جس کا معلم داؤد نامی شخص بندر سورت کا رہنے والا تھا۔اور زن و مرد اطفال و جواری سمیت خویش و اقارب کی تعداد چالیس افراد پر مشتمل تھی۔جہازِ مذکورہ میں جا کر سوار ہو گئے۔اور باقی دیگر اہل قافلہ نے اپنی اپنی کشتیوں میں جگہ لے لی،اور قریباً دس دن تک یہ کشتیاں گنگا ساگر میں چلتی رہیں۔اور تیسویں روز دن کے آغاز کے ساتھ بحر زخار کی بندرگاہ مشہور بکیلا کاچھی میں داخل ہو گئے۔

اس کے بعد جہاز کا کالی کٹ اور ملیبار جانا،اس کے بعد سنگل دیپ، پھر وہاں سے لنکا -جس کو عرب قلعۃ العفاریت کہتے ہیں- پہنچنا لکھا، وہ چوں کہ ایک ہولناک مقام تھا تو صفحہ ۸۵ پر اس کو ان الفاظ میں لکھا ہے :

و بر ہر کس از شما امروز وقت شب یادِ الٰہی و تسبیح و تہلیل نامتناہی و استغفار از جمیع جرائم

ومناہی واجب و متحتم است چوں شب در آمد آں حضرت بعد از عشائین حزب البحر مذکور امشب سہ بار خوانند و می فرمودند کہ عفاریت وشیاطین اگر زہرۂ تقابل بایں گروہ قلیل میدارند اینک گوے وا اینک میدان و دراں شب تاریک آنحضرت اکثر بیدار می بودند و مانند پاسبانان دورو سیر گاہ بالا وگاہ زیر مرۃ بعد اخریٰ وکرۃ بعد اولیٰ در تمام جہاز می فرمودند تا آن کہ شب بپایاں رسید وصبح صادق بدمید و جہاز از مکان خوف وہولناک بحیرت تمام بدر آمد وہر گاہے کہ روز روشن شد ناخدائے چند طبق حلوائے از حجرۂ خویش بیروں آوردہ مجلس مولد شریف منعقد کردہ بعد از اختتام قصائد مولود یہ شیرینی تقسیم نمود - انتہیٰ بلفظہٖ -

یعنی آپ میں سے ہر ایک پر رات کے وقت یادالٰہی، تسبیح لا متناہی اور جملہ گناہ ومناہی سے استغفار واجب وضروری ہے۔ جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو حضرت عشائین کے بعد اس شب سے متعلق حزب البحر کو تین بار پڑھ کر فرمانے لگے کہ اگر اس چھوٹے گروہ کا واسطہ شیاطین وجنات سے پڑ جائے تو اس مجرب وظیفہ کو پڑھ لیں۔ اور شب تاریک میں حضرت اکثر بیدار رہا کرتے تھے اور پاسبان کی طرح اوپر نیچے تمام جہاز کا چکر لگاتے تھے۔ یہاں تک کہ رات کا اندھیرا چھٹ گیا اور صبح نمودار ہوگئی، اور اس طرح جہاز اس خوف وخطر والے مقام سے حیرت تمام کے ساتھ نکل آیا۔ اور جب دن کی روشنی پھیل گئی تو ناخدا نے اپنے کمرے سے حلوہ کے چند طبق نکالے، مجلس مولود شریف منعقد کی اور قصائد مولود ختم کرنے کے بعد شیرینی تقسیم کردی۔

دیکھیے! اس بیان سے صاف واضح ہوگیا کہ مولد شریف بڑی برکت کی چیز ہے جو ایسے خطرناک موقع پر پڑھا گیا کہ خود سید احمد صاحب بھی رات بھر تردد میں رہے تھے، اور پھر خاص اس جہاز میں جس میں سید احمد صاحب اور ان کے کنبہ و متعلقین تھے، غیر کا اس میں کوئی دخل بھی نہ تھا یہ بافیض محفل مبارک منعقد ہوئی تھی۔ اور یہ جو اوپر مذکور ہوا کہ سید صاحب کے چالیس آدمی ایک جہاز میں سوار تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جہاز موجودہ دور کے اسٹیمروں کی طرح بڑے نہ تھے بلکہ وہ چھوٹی بادبانی کشتی تھی۔ الحاصل! خاص سید صاحب کے جہاز میں مولد شریف اور قصائد کا پڑھا جانا اور ساتھ ہی شیرینی کا تقسیم ہونا بھی ثابت ہوگیا۔ -و کفی بہ حجۃ - (اور حجت قائم کرنے کے لیے اتنا کافی ہے)

اب باقی رہے سید صاحب کے مرید خاص مولوی اسماعیل صاحب دہلوی! تو ان کے محفل

میلاد شریف میں شامل ہونے کی کوئی روایت ہم تک نہیں پہنچی۔ہاں! ان کی ایک ایسی تقریر ہم تک پہنچی ہے کہ جس سے ضمناً میلاد شریف کا اثبات ان کے منہ سے صاف ثابت ہے۔وہ یہ ہے۔

جناب مولانا رشید الدین خاں صاحب مرحوم دہلوی نے مولوی اسماعیل صاحب سے چودہ سوال کیے تھے،جن میں تیرہویں سوال کا جو جواب رقم فرمایا ہے وہ بعینہٖ ان کی عبارت اور پوری شانِ امانت کے ساتھ لکھا جارہا ہے :

سیزدہم آنکہ اعراب قرآن بدعت است یا نہ واگر ہست حسنہ است یا سیئہ وایں جمع قرآن بحکم قرآن بود و یا بکدام حدیث رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- یا بحکم ہردو نبود پس بدعت ست یا نہ وہم چنیں ہر حکمے کہ از نص قرآن شریف یا ظاہر احادیث متین نبود بدعت ست یا نہ۔

جواب: از سیزدہم آنکہ اعراب قرآن بدعت حسنہ است کہ صحت قراءت عجمیان بل عربیان حال براں موقوف ست لیکن جمع قرآن ظاہرانہ بحکم کدام آیت قرآنی است ونہ بحکم کدام حدیث نبوت پس بدعت باشد لیکن بدعت حسنہ چراکہ مقصود ازاں ضبط وحفظ قرآن ست از ضیاع وغلط ودر حسن بودن بعضے بدعات شبہ نیست واثبات آں از اکثر احادیث می تواں نمود مثل **من سن سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها** و تقیید بدعت مردود بہ بدعت ضلالت چنانکہ در حدیث ست: **من ابتدع بدعة ضلالة لا يرضاها الله و رسوله -الحديث-** وحدیث: **من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد** چہ ازاں مردود بودن بدعتے ثابت می شود کہ تعلقے بدیں نداشتہ باشد بس بدعتے کہ اصل آن از شرع ثابت باشد مثل اخذ تسبیح وتراویح حسنہ باشد پس حکمی از نص صریح قرآن وحدیث ثابت نہ باشد ہردو قسم است یکے بدلیل شرعی،دیگر مثل اجماع وقیاس ثابت شود یا اصلے شرعی داشتہ باشد آں خود ہرگز بدعت سیئہ نیست بلکہ چوں بدلیل شرعی وبحکم آیۂ کریمہ: **اليوم أكملت لكم دينكم** قواعد استنباط وغیرہ آں در دین داخل ست در سنت یا بدعت حسنہ کہ در معنی سنت است داخل باشد بلکہ بعمل آوردن بعضے بدعات حسنہ فرض کفایہ چنانکہ در کتب بسیار مصرح ست منجملہ آں فتح المبین شرح اربعین امام نووی ست از شیخ ابن الحجر الہیثمی کہ دروے در شرح حدیث خامس گفتہ قال الشافعی-رضی اللہ تعالیٰ عنہ- **ما أحدث و خالف كتابا أو سنة أو إجماعا أو**

أثرا فهو البدعة الضلالة و ما أحدث من الخير و لم يخالف شيئا من ذلک فهو البدعة المحمودة الحاصل ان البدعة الحسنة متفق على ندبها و هي ما وافق شيئا مما مر و لم يلزم من فعله محذور شرعي و منها ما هو فرض كفاية كتصنيف العلوم و نحوها مما مر قال الإمام أبو شامه شيخ المصنف -رحمة الله عليه- و من أحسن ما ابتدع في زماننا ما يفعل كل عام في اليوم الموافق ليوم مولده -صلى الله عليه وسلم- من الصدقات و المعروف و إظهار النعمة و السرور فإن ذلک مع ما فيه من الإحسان إلى الفقراء مشعر بمحبته -صلى الله عليه وسلم- و تعظيمه و جلاله في قلب فاعل ذلک و شکر الله تعالیٰ على ما من به من إيجاد رسوله الذي أرسله للعالمين رحمة -صلی اللہ علیہ وسلم- انتہیٰ بحروفہ.

یعنی تیرہواں سوال یہ ہے کہ قرآن پر اعراب لگانا بدعت ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو بدعت حسنہ ہے یا بدعت سیئہ؟ اور جمع قرآن کا عمل حکم قرآنی سے ہوا یا حدیث رسول سے یا ان میں کسی سے نہیں؛ تو پھر یہ جمع بدعت ہوئی یا نہیں۔ اور یوں ہی ہر وہ حکم جو نص قرآن یا کسی حدیث رسول سے ثابت نہ ہو تو وہ بدعت ہوتا ہے یا نہیں۔

جواب: تیرہویں سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن پر اعراب لگانا بدعت حسنہ ہے کیوں کہ نہ صرف اہل عجم بلکہ اہل عرب کی صحت قراءت بھی اسی پر موقوف ہے۔ لیکن جمع قرآن ظاہراً کا ثبوت نہ تو کسی آیت قرآنی سے ہے اور نہ کسی حدیث نبوی سے، لہٰذا بدعت ہوا مگر بدعت حسنہ۔ کیوں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کو ضیاع وخطا سے بچا کر اسے محفوظ کر دیا جائے۔ اور بعض بدعتوں کے حسنہ ہونے میں کوئی شبہہ نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ وہ اکثر احادیث سے ثابت شدہ ہیں مثلاً یہ حدیث کہ جس نے دین میں کوئی نیا طریقہ نکالا تو اسے اس کا اجر ملے گا نیز اس کا اجر بھی جو اس پر عمل پیرا ہوگا۔ اور بدعت سیئہ کو بدعت ضلالت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ جس نے اللہ ورسول کی رضا کے خلاف کوئی بری چیز ایجاد کی... نیز یہ حدیث کہ جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو دین سے نہیں تو وہ مردود ہے۔ لہٰذا ان سے کچھ بدعتوں کا مردود ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مگر جن بدعتوں کی اصل شرع میں ملتی ہے تو وہ حسنہ ہوں گی جیسے اخذ تسبیح وتراویح۔ اب اگر کوئی حکم نص قرآنی یا حدیث نبوی سے ثابت نہ ہو تو اس کی دو قسمیں کی گئی ہیں: ایک یہ کہ دلیل شرعی سے ثابت ہو۔ دوسری یہ کہ اجماع

امت یا قیاس سے یا اس کی کوئی اصل شرع میں موجود ہو تو وہ کبھی بھی بدعت سیئہ نہیں ہوتا بلکہ دلیل شرعی اور آیت کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم کے حکم سے جو قواعد اخذ کیے جاتے ہیں وہ دین میں سنت یا بدعت حسنہ کے طور پر داخل ہیں کہ بدعت حسنہ سنت کے معنی میں ہوتی ہے۔ چنانچہ بہت ساری کتابوں میں اس کی تصریح ملتی ہے انھیں میں سے اربعین نووی کی شرح فتح المعین از شیخ ابن حجر ہیثمی بھی ہے، جس میں پانچویں حدیث کی تشریح کے تحت امام شافعی -رضی اللہ عنہ- کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ایسی چیز ایجاد کی جائے جو کتاب وسنت یا اجماع واثر کے خلاف ہو تو وہ بدعت سیئہ ہے۔ اور اگر کوئی ایسی نیک چیز ایجاد کی جائے جو ان کے مخالف نہ ہو تو وہ بدعت حسنہ ہے۔ الغرض بدعت حسنہ کا مستحب ہونا متفقہ ہے، اور یہ انھیں خوبیوں کی حامل ہونی چاہیے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور اس سے کسی امر شرعی پر ضرب بھی نہ پڑتی ہو۔ اور بدعتوں میں بعض فرضِ کفایہ ہوتی ہیں جیسے علوم دینیہ کی تدوین وتصنیف وغیرہ۔ امام نووی کے شیخ امام ابوشامہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے کی نو ایجاد چیزوں میں یہ چیز کیسی عمدہ ہے کہ لوگ ہر سال میلاد النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کے موقع پر صدقات وخیرات اور زینت ومسرت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ کیوں کہ اس میں ایک طرف تو فقرا کا فائدہ ہوتا ہے اور دوسری طرف محفل میلاد کرنے والے کے دل میں محبت وعظمت رسول کی جڑیں گہری ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور اس میں شکر وامتنان کا پہلو بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ کی تشریف آوری کو مسلمانوں پر احسان عظیم قرار دیا۔

دیکھیے! مولوی اسماعیل صاحب اس مقام پر بدعت حسنہ کے ذکر میں محدث ابوشامہ کی وہ عبارت لائے کہ جس میں محفل میلاد شریف کے استحسان کی صاف تصریح ہے۔ اور ان کے سواد ہلی کے اَور اکابر علما مثلاً مولانا محمد کریم اللہ صاحب مرحوم...... جامع علوم عقلیہ ونقلیہ، استاذ نا ومولانا ومولی العالمین مفتی محمد صدر الدین خاں صاحب -صدر العلما والفضلا، اور عارف ومحدث وفقیہ جناب مولانا احمد سعید صاحب دہلوی محفل میلاد شریف کے استحباب کے قائل تھے۔ ان کے مہری فتاوے راقم کے پاس موجود ہیں۔ اور زبدۂ متورعانِ روزگار، عمدۂ محدثین کبار جناب مولانا شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی -جن سے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے بھی کچھ پڑھا ہے- بزم میلاد شریف کے معتقد تھے، اور قیام بھی کرتے تھے۔ ان کے ہندوستان میں اقامت پذیری کے دوران

تصنیف کردہ رسالہ ''شفاء السائل'' میں ایک مختصر عبارت یوں ہے :

حق آنست کہ نفس ذکر ولادت آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- وسرور و فاتحہ نمودن یعنی ایصال ثواب بروح پرفتوح سید الثقلین از کمالِ سعادت انسان است چنانچہ شیخ ابن حجر مکی وشیخ عبد الحق دہلوی وغیر ہما تصریح نمودہ اند آرے چیز ہاے دیگرا گر مقترن شدند کہ خلاف شرع ہستند پس البتہ ممنوع خواہد بود مثل مراثی وسرودخوانی ۔ الیٰ آخرہ ۔

یعنی سچی بات یہ ہے کہ ولادت حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کا نفس ذکر، خوشی منانا اور دونوں عالم کے سردار -صلی اللہ علیہ وسلم- کی روح پاک کے لیے فاتحہ کا ایصال ثواب کرنا ایک انسان کے لیے کمالِ سعادت کی بات ہے ۔ چنانچہ شیخ ابن حجر مکی اور شیخ عبد الحق دہلوی وغیرہ نے تصریح فرمائی ہے - ہاں! اگر اس کے ساتھ کچھ خلاف شرع چیزیں ملادی جائیں تو وہ البتہ ممنوع ہوں گی جیسے مرثیہ پڑھنا اور گانے گانا۔

دیکھیے کہ اس مختصر سی عبارت میں آپ سب فرما گئے ۔ یعنی جب کوئی شخص ممنوع اور خلاف شرع باتیں مثلاً مرثیہ وسرودخوانی کرنے لگے گا تو اس کو البتہ منع کیا جائے گا اور اگر ایسا نہیں تو آپ کا فاتحہ یعنی ایصال ثواب کے لیے کھانا یا شیرینی مسلمانوں کو دینا اور کھلانا اور آپ کی ولادت باسعادت کی خوشیاں منانا انسان کی کمالِ سعادت ہے ۔ جب خوشی منانا کمالِ سعادت ہوا تو سرور کے جملہ سامان مثلاً دوست احباب کا جمع ہونا، خوشبو کا استعمال کرنا، شیرینی بانٹنا، کھانے کھلانا، ذکر ولادت کے وقت ولادت نبوی کی خوشی کا مظاہرہ کرنے کے لیے غلبہ محبت اور جوش مسرت میں کھڑے ہوجانا اور درود وسلام پڑھنا یہ سب کا سب سرور کرنے میں داخل اور سعادت انسانی کا باعث ٹھہرا۔

شاہ صاحب موصوف نے اس سلسلہ میں دو علماے ربانی کا حوالہ دیا ہے ان میں ایک شیخ عبد الحق محدث دہلوی جو خود صراحۃً میلاد کے عمل کو سامان سرور اور تعیین یوم کے ساتھ ''ما ثبت من السنۃ'' وغیرہ اپنی تصنیفات میں درست مان رہے ہیں ۔ دوسرے ابن حجر مکی وہ بھی امور مذکورہ اور قیام مروجہ کو اپنی تصنیف مولد کبیر وغیرہ میں صراحۃً لکھ رہے ہیں ۔ تو شاہ صاحب نے عبارت بالا میں ان دونوں بزرگواروں کا نام لکھ کر ہر مرد عاقل کے لیے کامل اشارہ فرمادیا کہ جس طرح علماے مجوزین کا فریق اس عمل کو مستحسن مان رہا ہے میں بھی مانتا ہوں ۔ اور آپ صراحۃً زبانی بھی یوں ہی ارشاد فرمایا کرتے تھے، اور یہی آپ کا دستور العمل تھا، جس کو شک ہو آپ کے مقبول تلمیذ اور شاگرد عزیز جناب مولانا عبد الحق صاحب سے دریافت کرلے؛ جو بالفعل حرمین شریفین - زادہما اللہ شرفا و

تعظیماً - اور دیگر بلادِ اسلامیہ میں بھی دور دور تک مشہور و معروف ہیں۔

افسوس ہے کہ وہ کاملین حضرات تو اب موجود نہیں، انتقال فرما گئے لیکن ہم ان کے انتقال ووفات پر صبر کر کے پھر بھی اس منعم حقیقی کا شکر بجالاتے ہیں کہ اب بھی حرمین شریفین - زادہما اللہ شرفا وتعظیماً - میں ہمارے ہندوستان کے دو رکن رکین حامی دین، موید شرع متین اور قبلہ ارباب یقین موجود ہیں۔ یعنی استاذی وملجائی وملاذی شیخ العلما حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب - عمت فیوضہم - اور مرشدی ومولائی وثقتی ورجائی الحافظ الحاجی جر مولانا امداد اللہ - نفعنا اللہ بانوارہ واسرارہ -

یہ دونوں حضرات بابرکات بھی محفل اقدس کو خیر و برکت کا سبب فرماتے ہیں، اور جو کوئی صاحب محفل آپ کو بلائے برغبت اس کے گھر تشریف لے جاتے ہیں۔ غرض کہ آپ کا مشرب صدق وسداد ہے، قیام کے سلسلہ میں یہ ارشاد ہے کہ نہ اس میں وہ افراط وغلو چاہیے کہ اس کو فرض وواجب کہا جائے اور نہ اس قدر تفریط کہ حرام وبدعت ٹھہرا دیا جائے، صراطِ مستقیم اور درمیانی راستہ یہ ہے کہ علمائے حرمین شریفین - زادہما اللہ شرفا وتعظیماً - کے فتوے کے موافق اور علمائے روم وشام ویمن کی تحقیق کے مطابق اس کو مستحب ومستحسن تسلیم کیا جائے۔ اور یہی اس راقم السطور کا مشرب ہے۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَومِنَا بِالْحَقِّ وَ أَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ. (۱)

واضح ہو کہ راقم نے اگرچہ سلف سے لے کر خلف تک محفل میلاد شریف کا ثبوت کامل طور پر فراہم کر دیا لیکن چوں کہ مانعین کے بعض شبہات ادھر ادھر اہل ایمان کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر رہے ہیں؛ اس لیے اب ان وساوس واعتراضات کے جواب قلم بند کیے جا رہے ہیں - واللہ ولی التوفیق -

## لمعہ ثالثہ :

اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ ہر سال محفل کرتے ہیں اور یہ کنہیا کے جنم کی مشابہت ہے، نیز اس میں نصاریٰ کے بڑے دن کا تشبّہ بھی ہے - نعوذ باللہ من ہذا القول والاعتقاد -

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر فقط ہندوستان میں یہ فعل ہوتا تو یہ بات کہہ سکتے تھے کہ مسلمانوں نے ہندوؤں سے یہ بات سیکھ لی اور ان کی مشابہت کا قصد کرتے ہیں۔ تو تم اصل حال سن چکے کہ

(۱) سورۂ اعراف: ۸۹/۷۔

اول یہ عمل عراق کے شہر موصل میں ایجاد ہوا وہ لوگ تو خود کنہیا کو نہیں جانتے کہ کنہیا کس چیز کا نام ہے' اس کے جنم کی مشابہت کا قصد تو درکنار۔ بھلا اگر ہندوستان کے مسلمان کنہیا کے جنم کی مشابہت کرتے ہیں تو بیان کرو کہ روم و شام کے مسلمان اور علمائے حرمین شریفین جو یہ عمل کرتے ہیں وہ کس کے جنم کی مشابہت کرتے ہیں -نعوذ باللہ منہا-تو سمجھ لو کہ اس عمل میں ہم سلاطین روم، فرماں روایانِ شام، ممالک مغربیہ، اندلس اور مفتیانِ عرب کے دستور العمل کے تابع ہیں- سلمھم اللہ الی یوم الدین-

اب سمجھنا چاہیے کہ جس طرح اس میں کنہیا کے جنم کی مشابہت نہیں اسی طرح کئی وجوہ سے نصاریٰ کی بھی کوئی مشابہت نہیں ہے۔

ایک تو یہ کہ اگر خدا نخواستہ مسلمان' نصاریٰ کے بڑے دن کو ان ہی کی طرح کے افعال کرنے لگتے تو جو اس قوم کا شعار ہے اس میں شرکت لازم آتی اور ان کے مانند ہو جاتے، پھر ان پر یہ صادق آتا مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کیوں کہ تشبہ کے معنی مانند ہونے کے ہیں اور یہاں یہ بات ہرگز نہیں، پھر اعتراض کیا رہا؟۔

دوسری وجہ یہ کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کا ذکر مبارک، اہل اسلام کا اجتماع اور عطریات وحلوے وغیرہ کا استعمال شرع میں ہرگز مذموم اور بری بات نہیں؛ کیوں کہ یہ چیزیں اہل کفر کے شعار سے نہیں بلکہ اصولِ شرعیہ سے ان کا ثبوت ہے۔

نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کی ولادت مبارکہ' رحمت ہے کیوں کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں اور رحمت الٰہی پر مسرت وخوشی منانے کے ہم من جانب اللہ مامور ہیں :

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِکَ فَلْيَفْرَحُوا . (۱)

تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ آپ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کا سبب استحباب پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا :

(۱) سورۂ یونس؛۱۰/۵۸۔

میں اسی دن پیدا ہوا اور اسی دن وحی اتری۔(۱)

تو ولادت شریف کی خوشی اور اس کا شکر ادا کرنا اہل اسلام نے اصول شرعیہ سے ثابت کیا ہے اس کو کفار کے شعار سے نہیں بتایا ہے، اور تشبہ اس امر میں مکروہ ہوتا ہے جو شعار کفار اور شرعاً مذموم ہو۔ چنانچہ درمختار اور بحر الرائق وغیرہ کی عبارتیں ذکر فاتحہ سویم کے سلسلے میں ہم نقل کر چکے ہیں۔ اور یہی جواب ابن جزری - رحمۃ اللہ علیہ - کی طرف بھی ہوسکتا ہے جو تشبہ بالنصاریٰ کا اعتراض ان پر کیا ہے۔

ان کی طرف سے دوہرا جواب یہ بھی ہے کہ پہلے اہل اسلام تیراندازی کیا کرتے تھے، پھر جب کفار سے ان کے مقابلے ہوئے تو ان کے پاس توپ اور بندوقیں تھیں، پھر لشکر اہل اسلام کے مجاہدین کے لیے بھی یہی آلات تجویز کیے گئے۔ چنانچہ تیراندازی کے بارے میں فقہا لکھتے ہیں :

**هو في زماننا اسغنى عنه بالمدافع .** (۲)

یعنی اب ہمارے زمانے میں توپوں کی موجودگی میں اس کی کوئی حاجت نہ رہی۔

جس طرح پلٹن اور رسالہ وغیرہ کے قواعد حرب ان کے ہاں تھے، اس طرف بھی اسی طرح کر کے مقابلہ کیا گیا، تو اس کو تشبہ نہیں کہتے۔ یہ تو اس آیت کریمہ کی تعمیل ہے :

**فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ .** (۳)

جو تم پر زیادتی کرے اس پر زیادتی کرو اتنی ہی جتنی اس نے کی۔

اس آیت کریمہ کے ذیل میں صاحب روح البیان لکھتے ہیں :

---

(۱) الفاظ حدیث یہ ہیں :

عن أبي قتادة الأنصاري قال سئل رسول الله –صلى الله عليه وسلم– عن صوم يوم الاثنين فقال : فِيْهِ وَلِدْتُ وَ فِيْهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ . ( صحیح مسلم:۶/۵۷حدیث:۱۹۷۸......سنن ابوداؤد:۶/۴۰۰حدیث:۲۰۷۱......مشکوٰۃ المصابیح:۱/۴۶۳حدیث:۲۰۴۵......سنن کبریٰ بیہقی: ۴/۲۹۳...... مسند احمد : ۴۹/۴۶حدیث:۲۱۵۰۸......دلائل النبوۃ بیہقی: ۲/۳حدیث:۴۴۱ ......شعب الایمان بیہقی: ۳/۴۲۶حدیث: ۱۳۷۵......مستخرج ابوعوانہ:۶/۲۴۰حدیث: ۲۳۵۱...... صحیح ابن خزیمہ : ۷/۴۸۶حدیث: ۱۹۳۹......فضائل الاوقات بیہقی: ۱/۳۲۳حدیث:۲۸۴......مسند جامع:۳۸/۳۸۳......تحفۃ الاشراف:۱۱/۱۹۹حدیث:۱۲۱۱۸۔

(۲) اس سلسلے میں ردالمحتار کی عبارت یوں ہے: و قد تركت اليوم للاستغناء عنها بالمدافع الحادثة . (۱۵/۴۳۶)

(۳) سورۂ بقرہ:۲/۱۹۴۔

أی بعقوبة مما ثلة لجناية اعتدائه —الخ—(۱)

یعنی تم اس کو ویسی ہی سزا دو جیسی انھوں نے زیادتی کی۔

توجب فریق ثانی توپ اور بندوق سے مسلمانوں کو بھوننے لگے ،تو یہ بھی جواب میں اسی طرح پیش آنے لگے۔الحاصل ! مغربی ممالک وغیرہ میں کہ جہاں حدودِاقوام نصاریٰ سے ملحق ہیں جب وہ لوگ اپنے پیمبر مسیح کی یوم ولادت میں شوکت واحتشام ظاہر کرکے فخر دکھلاتے ہیں اور کمزور مسلمان ان کی ظاہری شوکت دیکھ کر افسردہ خاطر اور خستہ دل ہوتے تھے تب مصر و اندلس اور مغرب کے مسلم بادشاہوں نے قوم نصاریٰ سے کہیں زیادہ رونق وجلال کے ساتھ اعلاے کلمۃ الحق اور شانِ اسلامی کے اظہار کے لیے اپنے نبی مختار-صلی اللہ علیہ وسلم- کے روز میلاد -ماہِ ربیع الاول- میں خوب تزک واحتشام ظاہر کیا تاکہ ان کے مقابلے میں شوکت اسلامی کا پورا مظاہرہ ہو۔اور اس کے اندر طرح طرح کے معجزات کا پڑھنا شروع کیا تاکہ حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- کے جاہ وجلال اور فضل وکمال کا شہرہ سارے جہاں میں آشکار ہوجائے ،یہ کوئی تشبّہ نہیں بلکہ درحقیقت مخالفین کو پست کرنا اور شعائرِ دین کو فروغ دینا ہے۔چنانچہ کلام حافظ ابوالخیر سخاوی میں اس کی تصریح ملتی ہے جسے ملاعلی قاری نے اپنے رسالہ موردالروی میں نقل کیا ہے :

و أما ملوك الأندلس و المغرب فلهم فيه يعنى في ربيع الأول ليلة تسير بها الركبان و يجتمع فيها أئمة العلماء الأعيان من كل مكان و يعلو بين أهل الكفر كلمة الإيمان .

یعنی بادشاہانِ اندلس ومغرب نے ربیع الاول میں ایک رات خاص کر رکھی ہے جس میں دور دور سے لوگ سوار ہوکر آتے ،نیز وقت کے اجلہ علماے کرام بھی ہر جگہ سے تشریف لاتے اور اہل کفر کے بیچ کلمہ ایمان کا غلغلہ بلند ہوتا۔

اسی طرح نورالدین ابوسعید بورانی نے لکھا ہے :

علما از اطراف عالم جمع آیند و در تعظیم آں شب یعنی شب میلاد شریف ارغام اہل کفر و ضلال نمایند۔

یعنی دنیا جہاں کے اطراف سے اس میں علما شرکت فرماتے اور شب میلاد شریف کی تعظیم وتکریم سے اہل کفر وضلال کے سر ذلت وخواری سے نیچے ہوتے دکھائی پڑتے۔

---

(۱) تفسیر روح البیان:۱/۳۰۷ لبنان۔

خودکلام ابن جزری میں اس کی تصریح ہے :

**لو لم يكن في ذلك إلا إرغام الشيطان و إدعام أهل الإيمان .** (۱)

یعنی یہ محفل میلاد شریف اہل ایمان کے لیے باعث تقویت، اور شیطان کے لیے ذلت وخواری کا سامان ہے۔

تماشہ یہ ہے کہ کسی دور میں کفار اس محفل سے جلا کرتے تھے اور اس آخری دور میں بعض مسلمان اس سے جلتے نظر آرہے ہیں۔

ابن جزری کی طرف سے ایک تیسرا جواب بھی ہوسکتا ہے کہ یہ دستور ہے کہ جو لوگوں کو کسی نیک کام کی طرف ترغیب دیتے ہیں تو ادنی کا ذکر کرکے اعلیٰ کا شوق دلانا مقصود ہوتا ہے مثلاً گاؤکشی وغیرہ مقدمات دینیہ میں جب اہل اسلام کو بے رغبت دیکھیں تو ان کو یہ کہا جائے کہ قوم ہنود باوجودے کہ ان کا مذہب باطل ہے وہ تو باطل پر جاں فشانی کریں اور تم حق پر ہوکر بھی کچھ نہ کرو، تم کو ان سے کہیں زیادہ عرق ریزی اور جاں نثاری کرنی چاہیے۔اس کو کوئی عاقل تشبہ بالکفار نہ کہے گا ،اسی قاعدہ کے مطابق قرآن میں نازل ہوا :

إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَ تَرْجُونَ مِنَ اللّٰهِ مَا لاَ يَرْجُونَ . (۲)

اگر تمھیں دکھ پہنچتا ہے تو انھیں بھی دکھ پہنچتا ہے جیسا تمھیں پہنچتا ہے اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے۔

اس آیت کی تفسیر دیکھنی چاہیے۔اور محمد بن مسعود کازرونی کا قول اسی درجہ میں ہے، وہ لکھتے ہیں کہ جب بادشاہ یا کوئی مقتدرا میرا اپنے گھر میں لڑکا پیدا ہونے کی خوشی میں طرح طرح کے تکلّفات وضیافت وغیرہ کرے- حالاں کہ وہ ابنائے دنیا سے ہے-تو پھر میلاد رسول-صلی اللہ علیہ وسلم- کی خوشی میں ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ یہ سبب نجات ہے۔تو ترغیب محفل میلاد کے سلسلے میں ابن جزری کا قول بھی اسی قبیل سے واقع ہوا ہے کہ جب نصاریٰ اپنے پیغمبر کی میلاد کی ایسی خوشی کریں تو ہم تو ان سے زیادہ اس کے مستحق ہیں کہ اپنے نبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کی آمد کی خوشی منائیں۔

---

(۱) سبل الہدیٰ والرشاد:۱/۳۶۳۔

(۲) سورۂ نساء:۴/۱۰۴۔

حضور رسول مقبول -صلی اللہ علیہ وسلم- کا یہ قول بھی اسی درجہ میں واقع ہوا ہے کہ جب یہودیوں نے کہا ہم روزۂ عاشورا موسیٰ -علیہ السلام- کو نجات ملنے کے شکرانے میں رکھا کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا :

أَنَا أَحَقُّ بِمُوسیٰ مِنْکُمْ . (۱)

یعنی جب تم یہود ان کا شکریہ ادا کرو تو میں اس شکریہ کا تم سے زیادہ مستحق ہوں کیوں کہ مجھ کو موسیٰ -علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام- سے زیادہ مناسبت ہے۔

یہاں ایک خوبی اور ہے کہ اگر ابن جزری یہ مقولہ فرما کر محفل میلاد شریف کی بنا ڈالتے تو یہ بھی گمان ہوتا کہ اسی دلیل پر یہ عمل مبنی ہوا ہے، اور انھوں نے یہ عمل نصاریٰ سے سیکھا ہے؛ حالاں کہ یہ عمل اس کلام سے دوسو برس پہلے یوم میلاد کی تخصیص وتعیین کے ساتھ ایجاد ہو چکا تھا، اور علماے دین اس کی اصل ونظیر شریعت سے نکال کر فتوے دے چکے تھے۔ تو اس شیخ معظم مرحوم پر تشبہ نصاریٰ کا الزام بے سمجھے بوجھے نہیں لگا دینا چاہیے۔ خیر! شیخ پر ہوئے اعتراض کے رد کا یہ ذکر (درمیان میں) اتفاقی آ گیا تھا، اب ہم اصل کلام کی طرف رجوع کریں اور تشبہ کے ابطال کی وجہ بیان کریں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ نصاریٰ کا بڑا دن اور ہندوؤں کا جنم کنہیا معین ہے، اسی ایک دن میں جو کچھ کرنا ہے وہ لوگ کرتے ہیں۔ اور اہل اسلام کے یہاں یہ بات نہیں کہ خاص ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کے سوا کسی اور دن میلاد شریف کی محفل مسرت منعقد نہ کریں۔ ربیع الاول کی ساری تاریخوں میں میلاد شریف ہوتا ہے، کسی نے کسی دن کیا اور کسی نے کسی دن؛ بلکہ ربیع الاول کے علاوہ اور مہینوں میں بھی اہل اسلام میلاد شریف کیا کرتے ہیں۔ اور ہنود ونصاریٰ خاص اسی ایک دن کیا کرتے ہیں۔ اور یہ مثال اوپر ہم دے چکے ہیں کہ صوم عاشورا میں ہم اور اہل کتاب شریک

---

(۱) صحیح بخاری: ۷/۱۲۷ حدیث: ۱۸۶۵ ...... مسند احمد: ۶/۴۴ حدیث: ۲۵۱۲ ...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۶/۴۴ حدیث: ۲۵۱۲ ...... مسند ابویعلی موصلی: ۶/۱۲۲ حدیث: ۲۵۱۳ ...... مسند حمیدی: ۶/۱۲۲ حدیث: ۲۵۱۳ ...... کنز العمال: ۸/ ۵۷۴ حدیث: ۲۴۲۴۶ ...... مجمع الزوائد: ۳/۱۸۴ ...... مسند جامع: ۴۱/۴۰۰ حدیث: ۱۳۴۹۵۔

زیادہ تر کتابوں میں یہ حدیث صیغہ جمع کے ساتھ یوں ملتی ہے :

فنحن أحق بموسیٰ منکم . (سنن ابن ماجہ: ۵/۲۶۹ حدیث: ۱۷۲۴ ...... سنن نسائی: ۲/۱۵۷ حدیث: ۲۸۳۵ ...... معجم کبیر طبرانی: ۱۰/۱۷۰ حدیث: ۱۲۱۹۳ ...... تہذیب الآثار طبری: ۲/ ۱۲۵ حدیث: ۱۰۹۱ ...... شعب الایمان بیہقی: ۸/۲۹۲ حدیث: ۳۶۱۷ ...... مستخرج ابی عوانہ: ۶/۲۷۶ حدیث: ۲۳۸۲ ...... فضائل الاوقات بیہقی: ۱/ ۲۶۴ حدیث: ۲۳۳۔

ہیں لیکن ایک روز پہلے بھی جو ہم رکھ لیتے ہیں اتنے ہی سے تشبہ اہل کتاب جاتا رہتا ہے، اور ہمارا فعل ان سے جدا گنا جاتا ہے۔ فقہ و حدیث کی کتابوں میں (اس کی تفصیل) معلوم کریں۔

تو جب اس قدر مخالفت کرنے سے تشبہ باطل ہو گیا- حالاں کہ ہم ان کے اصل فعل یعنی صوم یوم عاشورا میں ان کے شریک ہیں- پھر نصاریٰ کے بڑے دن اور کنہیا کے جنم میں کہ ہم ان کے ان دونوں دنوں میں ان کے افعال میں (کسی بھی طرح) شریک نہیں تمہارا کیا خیال ہے؟۔ اور ہم جو محفل میلا د شریف کرتے ہیں اس کی ترتیب و آئین جدا اور ان کے رسوم و قواعد جدا، نہ دن میں کوئی شرکت اور نہ کاروبار میں کوئی مشابہت! - استغفر اللہ - اسے ابن جزری کی طرف سے چوتھا جواب سمجھو۔

خلاصہ یہ کہ امام المحدثین علامہ ابن جزری اور جملہ اہل سنت و جماعت کا مشرب نہایت صاف اور تشبہات کفریہ سے بالکل پاک ہے۔ ہاں! یہ حضرات محفل میلا د شریف کو جنم کنہیا وغیرہ سے تشبیہ دے کر کچھ اپنی عاقبت بخیر ہونے کا سامان کر رہے ہیں۔ اگر چہ مجھ کو اکثر مبتدعین کی تکفیر میں سکوت ہے کیوں کہ اگر وہ کافر ہو گئے تو ان کے عذاب کے لیے اللہ بس ہے، میں اپنا منہ کیوں آلودہ کروں۔ ہاں! بعض اہل علم تحریر فرماتے ہیں کہ ایسی تشبیہ دینے اور حضور سید الابرار -صلی اللہ علیہ وسلم- کے ذکر پاک کی محفل کو اس قسم کی تحقیر و اہانت کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے تو اہل اسلام کو چاہیے کہ ایسے خطرناک الفاظ سے پرہیز کریں- **و ما علینا إلا البلاغ**-

**فائدہ** : چوں کہ تشبہ بالہنود والنصاریٰ کا لفظ ابن جزری وغیرہ علمائے کبار تک پہنچا ہے اس لیے ہم شرع سے اس کی ایک نظیر پیش کرتے ہیں تا کہ وہ پاکبازانِ امت اس دھبے سے پاک نظر آئیں۔

اگر کسی کام میں بظاہر تشبہ معلوم ہوتا ہو لیکن مسلمانوں کی اس سے غرض تشبہ کی نہ ہو بلکہ کسی مصلحت اور اعلائے شانِ اسلام مقصود ہو تو وہ فعل مکروہ نہیں رہتا۔ دیکھیے مساجد کی تزئین و آرایش کے سلسلہ میں حدیث آئی ہے :

**قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم- مَا أُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمَسَاجِدِ ، قَالَ ابْنُ عَباسٍ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُودُ وَ النَّصَارىٰ .** (۱)

---

(۱) مشکوۃ المصابیح: ۱/ ۱۵۸ حدیث: ۷۱۸...... سنن ابوداوٗد: ۲/ ۳۴ حدیث: ۳۷۸...... سنن بیہقی: ۲/ ۴۳۹...... مصنف عبد الرزاق: ۳/ ۱۵۲ حدیث: ۵۱۲۷...... صحیح ابن حبان: ۷/ ۲۳۲ حدیث: ۱۶۴۲...... کنز العمال: ۷/ ۶۶۸ حدیث: ۲۰۸۲۷ ...... المسند الجامع: ۱۹/ ۵ حدیث: ۵۹۷۸...... تحفۃ الاشراف: ۷/ ۲۲۰ حدیث: ۶۵۵۴...... روضۃ المحدثین: ۹/ ۱۰۲۔

حدیث کے الفاظ یوں بھی ملتے ہیں :

إني لم أومر بتشييد المساجد ، قال ابن عباس ........ (معجم کبیر طبرانی: ۱۰/ ۳۸۴ حدیث: ۱۲۸۲۶...... مسند ابویعلی موصلی: ۶/ ۸ حدیث: ۲۳۹۹...... مسند حمیدی: ۶/ ۸ حدیث: ۲۳۹۹۔

یعنی مشکوٰۃ میں بروایت ابوداؤد حضرت ابن عباس -رضی اللہ عنہما- سے روایت ہے کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے فرمایا کہ مجھے پکی اور بلند مسجدیں بنانے کا حکم نہیں ہوا ہے۔
حضرت ابن عباس اس حدیث کی مراد یہ بتاتے ہیں کہ تم مسجدوں کو یوں ہی سجاؤ گے جس طرح یہود و نصاریٰ اپنی عبادت گاہوں کی تزئین اور نقش نگاری کیا کرتے ہیں۔

ابن ماجہ میں ہے :

**قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ -صلى الله عليه وسلم- أَرَاكُمْ سَتُشَرِّفُونَ مَسَاجِدَكُمْ بَعْدِي كَمَا شَرَّفَتِ الْيَهُودُ كَنَائِسَهَا وَ كَمَا شَرَّفَتِ النَّصَارىٰ بِيَعَهَا . (۱)**

یعنی رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میرے بعد مسجدوں کی عمارتیں بلند کرو گے جیسے کہ یہود نے اپنے کنیسوں اور نصرانیوں نے اپنے گرجا گھروں کو عالیشان بنایا ہے۔

دیکھیے ! یہاں خود رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے کلام میں لفظ تشبہ وارد ہوا ہے جس سے یہ ثابت ہے کہ اگر مسلمان اپنی مسجدوں کو بلند بنائیں یا نقش و نگار سے سجائیں تو یہود و نصاریٰ کے فعل کے ساتھ تشبہ ہے لیکن اس کے باوجود محققین اہل سنت اور ارباب اجتہاد و فتاویٰ نے اس کو جائز رکھا۔

ہدایہ میں ہے :

**لا بأس بأن ينُقش المسجدُ بالجص و الساج و ماء الذهب . (۲)**

یعنی مسجدوں کو چونے، سال کی لکڑی اور آب زر یں سے زینت بخشنے میں کوئی حرج نہیں۔

یوں ہی درمختار اور فتح القدیر میں ہے کہ مسجد کی زینت کرنے میں تین قول ہیں، ہمارا مذہب یہ ہے کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ان کی عبارت یہ ہے :

**و الأقوال ثلاثة و عندنا لا بأس به . (۳)**

یعنی اس سلسلے میں تین اقوال ہیں مگر ہمارے نزدیک ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ: ۲/۴۴۶ حدیث: ۷۳۲...... کنز العمال: ۷/۶۶۷ حدیث: ۲۰۸۲۳...... مسند الجامع: ۴/۱۹ حدیث: ۵۹۷۷...... تحفۃ الاشراف: ۷/۱۳۹ حدیث: ۶۲۰۸۔

(۲) العنایہ شرح الہدایہ: ۲/۱۷۸-فصل استقبال القبلۃ-...... فتح القدیر: ۲/۳۳۹-فصل ویکرہ استقبال القبلۃ-...... المبسوط: ۳۴/۱۶۵-کتاب الکسب-...... درر شرح غرر: ۱/۴۹۴-مکروہات الصلوٰۃ-

(۳) فتح القدیر: ۲/۳۴۰-فصل ویکرہ استقبال القبلۃ-

طحطاوی نے بحر الرائق کے حوالے سے نقل کیا ہے :

و أصحابنا قالوا بالجواز من غير كراهة . (۱)

یعنی ہمارے اصحاب مذہب نے بلا کراہت تزئین مسجد کے جواز کا حکم دیا ہے۔

ان تین اقوال میں دوسرا قول یہ ہے کہ مسجد کو زینت دینا مستحب ہے۔ یہ قول بھی ہدایہ اور شامی وغیرہ میں موجود ہے۔شامی کی عبارت یوں ہے :

و قيل يستحب لما فيه من تعظيم المسجد . (۲)

یعنی تزئین میں تعظیم مسجد ہونے کی وجہ سے اس کے استحباب کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ مساجد کی تزئین و آرائش مکروہ ہے؛ مگر یہ قول ضعیف و مرجوح ہے۔

علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں فرمایا :

مانعین کی حجت ضعیف ہے اس لیے کہ جملہ مسلمانوں کے اجماع سے کعبۃ اللہ کو زینت دی گئی ،اور یوں کہ اندر سے سنہرا کام کیا گیا اور باہر سے غلاف دیا اس پر چڑھایا گیا،اور خود حضرت عمر-رضی اللہ عنہ- نے غلاف چڑھایا۔اسی طرح مسجد کی زینت میں لوگوں کو مسجد آنے کی رغبت ہوتی ہے،تو یہ تکثیر جماعت کا سامان ہے،اور اس میں خانۂ خدا کی تعظیم ہے-انتہی -

مجمع البحار کی تقریر ذکر چہلم وغیرہ کے سلسلے میں ہم اوپر لکھ چکے کہ لوگ اپنے مکانات عمدہ عمدہ بنانے لگے،اب اگر مساجد کی زینت نہ کی جائے تو خانہ خدا کی تحقیر لازم آتی ہے-انتہی -

شیخ عبدالحق محدث دہلوی یہی مضمون ''اشعۃ اللمعات'' میں یوں رقم فرماتے ہیں :

مردم خانہاے مشیّد ومزخرف ومطلا می سازند اگر ما مسجد ہا بخشت وگل سادہ بنا کنیم شاید کہ در نظر عوام خوار نماید وحقیر درآید- انتہی -

یعنی لوگ تو اپنے مکانات پختہ،منقش اور پر زینت بنائیں اب اگر مسجدیں صرف اینٹ اور مٹی کی بالکل سادہ بنائی جائیں تو شاید عوام کی نظر میں اس کی اہمیت و وقعت گھٹ جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مکروہ سمجھنے پر محققین کا عمل نہیں بلکہ عالم بھر میں پھر کر دیکھو جمیع اہل اسلام چونہ اور گچ وغیرہ سے تعمیر مساجد میں خوبصورتی پیدا کرتے ہیں اور جنھیں قدرت ہوتی ہے وہ فرشوں،

---

(۱) بحر الرائق:۱۸۶/۴-باب نقش المسجد-

(۲) رد المحتار:۸۲/۵-فروع اشتمال الصلوٰۃ علی الصماء-

قندیلوں اور گونا گوں نقوش وغیرہ سے زینت دیتے ہیں حتی کہ مولف براہین قاطعہ گنگوہی نے بھی اس مقام پر صفحہ ۱۳۳ کی پانچویں سطر میں اسی طرح لکھا ہے :

زینت مساجد کی بوجہ ازالہ شین اسلام کی ہے اور رفع شین اسلام کا فرض ہے - الیٰ آخرہ -

بھلا جب وہ تشبہ - جو حدیث نبی - صلی اللہ علیہ وسلم - میں منصوص ہے - کسی دینی غرض کی وجہ سے کراہت سے نکل کر - مولف براہین قاطعہ کے مذہب کے مطابق - فرضیت کے عالی منصب پر پہنچ گیا اور علمائے سلف کے اقوال کے موافق مستحب اور مباح ہوگیا۔ تو کیا غفلت کا پردہ پڑ گیا مانعین کی فہم پر!

مولد شریف میں کیوں نہیں سمجھتے کہ اگر بالفرض تم کو اس میں تشبہ نظر آتا ہے تو کیفیت زمانہ تبدیل ہو جانے کی وجہ سے اب اس کو مستحب سمجھو جیسا کہ ہم اوپر علی قاری - رحمۃ اللہ علیہ - کی کتاب سے امام سخاوی کا یہ قول نقل کر چکے :

**يجتمع أئمة العلماء الأعيان من كل مكان و يعلو بين أهل الكفر كلمة الإيمان .**

یعنی اس محفل میلاد شریف میں اجلہ ائمہ وعلما ہر جگہ سے تشریف لاتے تھے اور اہل کفر کے درمیان کلمہ ایمان بلند کرتے تھے۔

یہ فائدہ ہم نے بطورِ تنزل لکھا ہے یعنی درحقیقت اس میں تشبہ نہیں اور اگر تشبہ بھی ہوتا تب بھی یہ عمل ایک دوسری خوبی کی بنیاد پر مستحب اور مستحسن ہوتا کہ اس میں کلمۃ الحق بلند ہوتا ہے۔ جیسا کہ مساجد کی زینت میں کہ - گو یہود و نصاریٰ کا تشبہ موجود ہے لیکن دوسری خوبی کے باعث کہ خانہ خدا کی تعظیم نکلتی ہے - اس کی یہ زینت مستحب اور مستحسن ہے۔

## لمعہ رابعہ :

یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر چہ اس میں کفار کا تشبہ نہیں پھر بھی یہ محفل بدعت سیئہ ضرور ہے کیوں کہ قرون ثلاثہ میں نہیں پائی گئی۔

جواب مولوی اسماعیل صاحب اپنی تصنیفات 'تذکیر الاخوان' وغیرہ میں لکھتے ہیں :

جو عمل ایسا ہو کہ زمانہ نبوت - علی صاحبہا الصلوۃ والسلام - اور اس کے بعد تین زمانے - یعنی صحابہ و تابعین اور تبع تابعین - میں وہ عمل نہ پایا جائے، اور نہ ان چاروں زمانوں میں اس کی نظیر و مثل پائی جائے تو وہ عمل بدعت ہے۔ اور جو کچھ مجتہدین نے اپنے اجتہاد سے نکالا وہ سنت میں داخل ہے۔ انتہیٰ۔

اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ عمل مولد شریف بدعت نہیں کیوں کہ اس کی اصل بھی پائی گئی اور اس کی مثل و نظیر بھی۔

اصل وجود تو یہ ہے کہ میلاد شریف کی شروعاتی بحث میں ہم نصوص قرآنی لکھ چکے ہیں ان کو دیکھنا چاہیے۔ علاوہ ازیں اللہ - سبحانہ وتعالیٰ - نے فرمایا :

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ . (۱)

بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان، مہربان۔

دیکھیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آپ - صلی اللہ علیہ وسلم - کے آنے کا ذکر فرمایا اس کے بعد آپ کی صفتیں بیان فرمائیں۔ اور میلاد شریف میں بھی یہی ہوتا ہے۔ آپ کے آنے کا ذکر کرتے ہیں کہ آپ پیدا ہوئے یعنی عالم غیب وبطون سے عالم شہادت وظہور میں تشریف لائے۔ اور پھر آپ کی صفات کا نثراً اور نظماً بیان ہوتا ہے۔

اس سے بھی واضح تر سنو۔ نبی کریم - صلی اللہ علیہ وسلم - نے فرمایا :

إِنِّي عِنْدَ اللّٰهِ مَكْتُوبٌ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَ إِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِيْنَتِهٖ وَ سَأُخْبِرُكُمْ بِأَوَّلِ أَمْرِيْ دَعْوَةُ إِبْرَاهِيْمَ وَ بِشَارَةُ عِيْسٰى وَ رُؤْيَا أُمِّي الَّتِيْ رَأَتْ

---

(۱) سورۂ توبہ: ۹/۱۲۸۔

حِيْنَ وَضَعَتْنِيْ وَ قَدْ خَرَجَ لَهَا نُوْرٌ أَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ . (۱)

یعنی میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی وقت سے 'خاتم النبیین' لکھا ہوا ہوں جب کہ آدم ابھی اپنی

(۱) مشکوٰۃ المصابیح:۳/۲۵۱ حدیث:۵۷۵۹......صحیح ابن حبان:۲۶/۳۳۹ حدیث:۶۵۱۰......موارد الظمآن:۱/۵۱۲۔
یہ حدیث الفاظ کے ذرا ذرا سے فرق کے ساتھ متعدد طریقے پر ملتی ہے:

- سمعت رسول الله –صلى الله عليه وسلم– يقول : إني عبد الله في أم الكتاب لخاتمُ النبيين و إن آدم لمنجدل في طينته و سأنبئكم بتأويل ذلک دعوةِ أبي إبراهيم و بشارة عيسىٰ قومه و رؤيا أمي رأت أنه خرج منها نور أضاء ت له قصور الشام . (مسند احمد:۳۵/۲۵ حدیث:۱۶۵۳۷......مستدرک حاکم: ۹/۴۵۱ حدیث: ۴۱۴۰......معجم کبیر طبرانی: ۱۳/۱۷۲ حدیث: ۱۵۰۳۴......دلائل النبوۃ بیہقی: ۱/۲۲ حدیث:۱۵......امالی ابن بشران:۱/۴۴ حدیث:۴۰)
- قال : دعوة أبي إبراهيم و بشرىٰ عيسىٰ و رأت أمي أنه يخرج منها نور أضاء ت منها قصور الشام . (مسند احمد:۴۵/۲۲۶ حدیث:۲۱۲۳۱......بغیۃ الحارث:۱/۲۸۱ حدیث:۹۳۱......معجم کبیر طبرانی:۷/۱۹۲ حدیث:۷۶۳۱......دلائل النبوۃ بیہقی:۱/۲۴ حدیث:۱۷......مسند الشامیین: ۵/۱۸۲ حدیث:۱۵۵۲......مسند طیالسی: ۳/۳۲۳ حدیث:۱۲۲۳......مجمع الزوائد:۳/۴۹۱......کنز العمال: ۱۱/۳۸۳ حدیث:۳۱۸۲۹......مسند الجامع: ۱۷/ ۱۸۶ حدیث: ۵۳۳۹...... حدیث ابوالفضل زہری: ۲/ ۶۶ حدیث: ۵۶۵......سبعۃ مجالس من امالی ابی الطاہر: ۱/۶ حدیث:۵......مسند ابن جعد:۷/۱۹۷ حدیث:۲۸۹۲......مسند الحارث:۳/۴۸۴ حدیث:۹۱۶......مسند الرویانی: ۳/۴۴۴ حدیث:۱۲۵۴)
- إني عبد الله ، و خاتمُ النبيين و إن آدم –عليه السلام– لمنجدل في طينته و سأحدثكم عن ذلک دعوةُ أبي إبراهيم و بشارة عيسىٰ و رؤيا أمي رأت و كذالک أمهات النبيين يرين و إن أم رسول الله –صلى الله عليه وسلم– رأت حين وضعت نور أضاء ت منه قصور الشام . (معجم كبير طبرانی: ۱۳/ ۱۷۱ حدیث: ۱۵۰۳۳......دلائل النبوۃ بیہقی: ۱/۲۰ حدیث: ۱۳......شعب الایمان: ۳/ ۴۲۵ حدیث:۱۳۷۴......روضۃ المحدثین:۳/۴۵۲ حدیث:۱۲۲۷)
- إني عند الله لخاتمُ النبيين و إن آدم لمنجدل في طينته و سأنبئكم بأول ذلک دعوة إبراهيم و بشرى عيسىٰ و رؤيا أمي رأت .........حين وضعته نور أضاء ت منه قصور الشام . (مجمع الزوائد و منبع الفوائد:۳/۴۹۲......کنز العمال:۱۱/۴۱۸ حدیث:۳۱۹۶۰)
- أخذ الله –عزوجل– مني الميثاق كما أخذ من النبيين ميثاقهم ، و بشر بي المسيح عيسى ابن مريم و رأت أمي في منامها أنه خرج من بين رجليها سراج أضاء ت له قصور الشام . (کنز العمال:۱۱/۴۱۴ حدیث:۳۱۹۴۱)

مٹی میں گندھے ہوئے تھے۔ اب میری ابتدا کا معاملہ سنو! میں ابراہیم کی دعا[۱]، نوید عیسیٰ[۲]،
اور اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو انھوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا اور اس وقت ان کے
لیے ایک ایسی روشنی ظاہر ہوئی جس سے ان کو شام کے محلات تک نظر آنے لگے تھے۔
یہ روایت مشکوٰۃ کے- باب فضائل سید المرسلین- میں موجود ہے۔

امام قسطلانی- رحمۃ اللہ علیہ- نے مواہب لدنیہ میں کہا کہ اس حدیث کو امام احمد، بیہقی اور حاکم نے روایت کیا اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ اور زرقانی نے شرح مواہب میں کہا کہ اس کو ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ دیکھیے حدیث صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی اولیت وسابقیت کا ذکر اور ولادت باسعادت کا بیان بھی خود فرمایا ہے اور وہاں موجود صحابہ- رضوان اللہ علیہم اجمعین- کی جماعت نے سنا جن کو حضور نے مخاطب کر کے فرمایا تھا:
**سأخبركم بأول أمري۔**

اب ہم دوسری روایت وہ بیان کریں جس میں یہ بات ہے کہ ایک جلیل القدر صحابی نے صحابہ- رضی اللہ عنہم اجمعین- کے مجمع عام میں ایسے اشعار پڑھے جن میں ولادت شریف کا ذکر ہے اور رسول اللہ- صلی اللہ علیہ وسلم- نے جسے بہ رضا ورغبت سنا۔

مواہب لدنیہ نیز دیگر کتابوں میں حاکم وطبرانی اور دیگر محدثین کے حوالے سے روایت ہے کہ جب حضور- صلی اللہ علیہ وسلم- غزوۂ تبوک سے واپس آئے تو پہلے آپ مسجد میں تشریف لائے جہاں آپ نے مجلس عام میں اجلاس فرمایا؛ جیسا کہ کعب بن مالک نے صحیح میں روایت کیا ہے:

---

(۱) سورۂ بقرہ کے بارہویں رکوع میں یہ دعا مذکور ہے:
**رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (بقرہ:۲/۱۲۹)۔**
اے ہمارے رب! اور بھیج ان میں ایک رسول انھیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انھیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انھیں خوب ستھرا فرما دے، بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔
روایت ہے کہ جب ابراہیم- علیہ السلام- نے یہ دعا کی تو غیب سے آواز آئی کہ ابراہیم تیری دعا قبول ہوگئی وہ رسول آخر زمانہ میں آئے گا۔

(۲) سورہ صف میں ہے کہ عیسیٰ- علیہ السلام- نے کہا:
**وَ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَّأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (صف:۶۱/۶)۔**
اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے، ان کا نام احمد ہے۔ ۱۲ منہ

پھرعباس بن عبدالمطلب نے اجازت چاہی آپ نے دعاے خیر دے کران کواجازت عطافرمائی اورانھوں نے یہ اشعار پڑھے[1]؎

مِـنْ قَبْـلِهَـا طِبْـتَ فِي الظِّلاَلِ وَ فِي ❁ مُسْتَـودَعٍ حَيْــثُ يُـخْـصَفُ الْوَرَقُ

ثُـــمَّ هَبَـــطــــتَّ الْبِلاَدَ لا بَشَـــرٌ ❁ أنْـــتَ وَ لاَ مُـــضْــغَةٌ وَ لاَ عَــلَــقُ

بَـلْ نُـطْـفَةٌ تَـرْكَـبُ السَّـفِيْنَ وَ قَدْ ❁ ألْـــجَـــمَ نَسْـرًا وَ أهْـلَــهُ الْـغَـرَقُ

تُـنْـقَـلُ مِـنْ صَــالِــبٍ إلٰـى رَحِـمٍ ❁ إذَا مَــضٰــى عَـــالَــمٌ بَــدَا طَبَـقُ

وَرَدْتَ نَـــارَ الْــخَـلِيْـلِ مُـكْـتَـفـى ❁ فِـي صُـلْبِـــهٖ أنْــتَ كَيْفَ يَحْتَـرِقُ

حَتّٰـى احْتَـوَى بَيْتُکَ الْمُهَيْـمِـنُ مِـنْ ❁ خَـنْـدَفَ عَـلْيَــاءَ تَـحْتَهَـا النُّـطُقُ

وَ أنْــتَ لَـمَّــا وُلِـدْتَ أشْـرَقَـتِ الأ ....... رْضُ وَ ضَـــاءَ تْ بِـنُـورِکَ الأفُـقُ

فَـنَـحْـنُ فِـي ذٰلِکَ الـضِّيَاءِ وَ فِي النُّـــ ....... ـــورِ وَ سُبُـلِ الـرَّشَـادِ نَخْتَـرِقُ

یعنی آپ ولادت شریف سے قبل صلب آدم میں نہایت عمدہ ترین حالت میں تھے جہاں جنت کے پتوں کے پیوند لگائے جاتے تھے۔

پھر آپ آدم کے ساتھ زمین پر یعنی صلب آدم میں اترے اس وقت نہ آپ بشر تھے، نہ پارہ گوشت اور نہ بستہ خون۔

بلکہ صلب سام بن نوح میں کشتی کے اندر سوار آپ ایک ایسا نطفہ تھے جس نے بت نسر کو ڈبودیا اور اس کے پوجنے والوں کو طوفان نے غرق کردیا۔

آپ ایک پشت سے ایک رحم میں منتقل ہوتے رہے تو جب ایک عالم گزرتا دوسرا ہویدا ہوجاتا۔

صلب براہیمی میں چھپے' آتش نمرود میں آپ ہی نے نزول اجلال فرمایا تھا تو بھلا وہ کیوں جلنے لگتے!۔

(آپ پاک صلبوں میں منتقل ہوتے رہے) یہاں تک کہ شامل ہوا آپ کا نسب عالی' اولاد خندف کے نسب سے بلندتر ہوگیا کہ اس کے نیچ اور طبقات تھے۔

---

(۱) مستدرک: ۱۲/ ۳۴۷ حدیث: ۵۴۲۶......معجم کبیر طبرانی: ۴/ ۲۸۶ حدیث: ۴۰۵۷......دلائل النبوۃ بیہقی: ۵/ ۳۵۴ حدیث: ۲۰۲۲......معرفۃ الصحابۃ اصبہانی: ۷/ ۲۱۸ حدیث: ۲۲۶۱......الفوائد الشہیر ابوبکر شافعی: ۱/ ۲۶۹ حدیث: ۲۶۳......مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۳/ ۴۸۸......کنز العمال: ۱۲/ ۴۲۸ حدیث: ۳۵۴۸۹......تخریج احادیث الاحیاء: ۵/ ۱۷۴ حدیث: ۲۱۷۲۔

اور جب آپ عالم دنیا میں جلوہ گر ہوئے تو میلاد النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کے انوار وبرکات سے زمین وآسمان جگ مگ جگ مگ کر اٹھے۔

تو اب ہم اسی جادۂ نور وضیا اور رشد وہدایت پر چل رہے ہیں۔

اب دیکھیے ! اس میں حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- کی اولیت، آپ کے ایک صلب سے دوسرے صلب میں منتقل ہونے اور حضرت نوح وبراہیم-علیہما السلام- کا آپ کی برکت سے نجات پانے کے احوال بیان ہوئے ہیں کہ آپ کا نور ان کے ساتھ تھا پھر پاک صلبوں اور رحموں سے منتقل ہوتے ہوتے انجام کار عالم وجود میں آیا، وقت ولادت ایک نور پھوٹا جس سے تمام عالم روشن ہوگیا تو جو کچھ میلاد شریف کی محفل میں بہ تفصیل بیان ہوتا ہے اس جلسہ میں وہ سب بالا جمال مذکور ہوا ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کا قول باطل ہوگیا جو یہ کہتے ہیں کہ استقلال کے ساتھ یہ ذکر نہ کرے، اگر وعظ کے اندر اور ذکر کے دوران یہ بھی ذکر کردے تو درست ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ تنہا پڑھ لیا جائے تو جائز ہے مجمع میں نہ پڑھیں۔

اب لوگوں کو آنکھ کھول کر دیکھنا چاہیے کہ اس مجلس میں حضرت عباس کا پورا قصیدہ بالاستقلال اسی ایک ذکر میں ہے جس کے اول وآخر کوئی پند وموعظت نہیں۔ اور پھر عین مجمع میں پڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح روایت سابقہ میں نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- نے یہی ایک ذکر مجمع عام میں بالاستقلال بیان فرمایا تھا تو مجلس ذکر مبارک کی اصل اصیل ثابت ہوگئی۔

اب ہم دوسری بات ثابت کریں کہ اس کی نظیر اور مثل بھی ثابت ہے۔ تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ مجلس میلاد شریف' نعمت خداوندی کا شکریہ ہے کہ اس نے ایک ایسا ہادیِ کامل ہماری ہدایت کے لیے بھیج دیا۔ جیسا کہ امام نووی کے کلام کی اسناد میں اس مضمون کی تصریح موجود ہے :

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُولاً - الآية -

تو اس کی نظیر اور مثل یہی ہے کہ جلسہ شکریہ صحابہ میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا چنانچہ صحیح مسلم میں ہے ایک روز رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- حلقہ صحابہ میں تشریف لائے اور پوچھا تم کیوں بیٹھے ہو؟ کہا ہم یہاں بیٹھے اللہ یاد کی کرتے ہیں اور اس کا شکر واحسان ادا کرتے ہیں جو اس نے ہمیں دولت اسلام سے مالا مال فرمایا اور ہمیں راہِ راست پر لگا دیا۔ (اُن کے کلمات یہ ہیں:)

علىٰ مَا هَدَانَا اللّٰهُ لِلإِسْلاَمِ وَ مَنَّ بِهِ عَلَيْنَا .

اس پر حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- نے فرمایا: اللہ کی قسم! کیا محض تم شکریے کے لیے بیٹھے ہو

انھوں نے عرض کی: قسم اللہ کی ہم صرف اسی غرض سے بیٹھے ہیں۔آپ نے فرمایا: میں نے تم کو قسم اس لیے نہیں دی کہ تم پر جھوٹ بولنے کا گمان تھا بلکہ میرے پاس جبرئیل آئے اور انھوں نے یہ خبر دی :

انَّ اللّٰهَ –عزوجل– يُبَاهِي بِكُمُ الْمَلاَئِكَةَ . (۱)

یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں کے درمیان تم پر فخر فرمارہا ہے کہ دیکھو یہ میری نعمت کا شکر ادا کر رہے ہیں۔

دیکھیے ! صحابہ نے نعمت اسلام کا شکریہ ادا کر کے وہ درجہ پایا۔اور مجلس میلاد میں اُس نعمت عالی کا شکر ہے جو دین اسلام کی اصل جڑ ہے؛ تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ملائکہ میں بانیانِ محفل میلاد اقدس پر بھی فخر ظاہر فرمائے کیوں کہ علت وہی نعمت کا شکر یہ ہے۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ مجلس ذکر میلاد شریف کی اصل اور نظیر ومثل سب ثابت ہیں تو پھر اس کا بدعت سیئہ کہنا باطل ہوگیا۔

اب اگر کوئی مجلس میں امورِ مروجہ بالائی کے سلسلہ میں بحث کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ محفلوں کے امورِ مروجہ جیسے فرش، چوکی، منبر یا عطریات کا استعمال، شیرینی کی تقسیم یا کھانا وغیرہ تو یہ سب امور مباحات شرعیہ میں سے ہیں-جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا-اور بعض مباحات کا بعض مباحات کے ساتھ گھل مل جانا کسی اصولی کے نزدیک کراہت وحرمت کا باعث نہیں۔

**اعتــــراض** : یہ کہنا کہ ایک آدمی؛ ابن عمر-رضی اللہ عنہما-کے برابر میں چھینکا اور یہ کہا : **الحمد لله والسلام على رسول الله** ۔ابن عمر نے فرمایا: میں بھی کہتا ہوں: **الحمد لله والسلام علي رسول الله**۔لیکن ایسے موقع میں ہم کو ایسا تعلیم نہ فرمایا بلکہ رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم-نے یہ تعلیم فرمایا ہے کہ کہا کریں: **الحمدلله على كل حال** ۔اس حدیث سے یہ سند ہوئی کہ جو شرع میں ثابت ہوا اس پر زیادہ کرنا منع ہے۔

**جواب** : مختصر طور پر(اس کا جواب) یہ ہے کہ ’’درمختار‘‘ کے-کتاب الذبائح-میں ہے :

---

(۱) صحیح مسلم: ۲۱۴/۱۳حدیث: ۴۸۶۹......سنن ترمذی: ۲۳۳/۱۱حدیث: ۳۳۰۱......مشکوٰۃ المصابیح: ۱۳/۲حدیث: ۲۲۷۸......مسند احمد: ۱۹۵/۳۴حدیث: ۱۶۲۳۲......سنن کبریٰ نسائی: ۵۰۰/۳......الآحاد والمثانی ابن ابی عاصم: ۲/ ۶۰ حدیث: ۴۹۳......معجم کبیر طبرانی: ۲۲۴/۱۴حدیث: ۱۶۰۵۷......مسند ابویعلی موصلی: ۱۹۴/۱۵حدیث: ۷۲۲۳...... صحیح ابن حبان: ۱۱۸/۴حدیث: ۸۲۴......الدعا طبرانی: ۶۰/۵ حدیث: ۱۷۸۰......الزہد والرقائق ابن مبارک: ۳/ ۱۵۷حدیث: ۱۱۰۹......الشریعہ آجری: ۱۵۸/۵حدیث: ۱۸۸۰......کنز العمال: ۴۳۷/۱حدیث: ۱۸۸۲......مسند الجامع: ۴۹۶/۳۵حدیث: ۱۱۶۵۴......الترغیب والترہیب: ۹۸/۲حدیث: ۱۵۰۳۔

(قال - علیہ السلام -) مَوطِنَانِ لاَ أذْكُرُ فِيْهِمَا عِنْدَ العُطَاسِ وَ عِنْدَ الذِّبْح . (۱)

یعنی دو جگہ میرا ذکر نہ کرنا چاہیے، چھینک اور ذبح کے وقت۔

تو اس کا السلام علیٰ رسول اللہ کہنا نہی کے مقابل واقع ہوا تھا پھر بھلا وہ ایک منہی عنہ امر کے الحاق کو کیوں نہ منع فرماتے۔ امورِ منہیہ کو تو ہم بھی منع کرتے ہیں۔

براہین قاطعہ میں ہے :

ایک شخص نے چھینک کر کہا السلام علیکم، حضرت ابن عمر نے اس پر بھی انکار کیا۔ انتہیٰ۔

ہم کہتے ہیں: وہ انکار اس لیے تھا کہ شریعت کا الحمد للہ کہنے کا جو معینہ وظیفہ تھا اس نے اسے چھوڑ کر اس کی جگہ تحیت ملاقات کا وظیفہ قائم کیا تھا اور یہ دین میں تبدیلی کرنا اور نئی شریعت گڑھنا ہے۔

مولد شریف کو اس سے کیا علاقہ! امورِ خیر کا اضافہ و ایجاد تو من سن فی الاسلام سنة حسنة کی تعمیل ہے، یہ نہ تو تبدیل دین اور نہ تشریع جدید۔

اب ہم یہ تقریر پیش کرتے ہیں کہ کسی ایسے امر مستحسن یا مباح کا زیادہ کر دینا - جو پہلے نہ تھا - جائز ہے۔ اس کی دو نظیریں لکھتا ہوں۔ باقی جس شخص کی نظر فتاویٰ پر ہوگی وہ اور نظیریں نکال لے گا۔

نظیر اول: یہ سبھی جانتے ہیں کہ صحاح ستہ میں جلسہ التحیات کے لیے حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - کا تعلیم فرمایا ہوا درود یہ ہے :

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ - إلىٰ آخره - (۲)

---

(۱) درمختار: ۶۱۱/۵۔

کنز العمال میں یوں آیا ہے : لا تذكروني في ثلاث مواطن عند العطاس و عند الذبيحة و عند التعجب . (۵۱۰/۱ حدیث: ۲۲۵۶)

(۲) صحیح بخاری: ۱۵۵/۱۱ حدیث: ۳۱۱۸...... صحیح مسلم: ۳۷۳/۲ حدیث: ۶۱۳...... سنن ابوداؤد: ۱۶۱/۳ حدیث: ۸۳۰...... سنن ترمذی: ۳۰۳/۲ حدیث: ۴۴۵...... سنن نسائی: ۹/۱۱ حدیث: ۳۱۴۴...... سنن ابن ماجہ: ۱۵۰/۳ حدیث: ۸۹۳...... مسند احمد: ۳۳۱/۳ حدیث: ۱۳۲۳...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۳۶/۳۴ حدیث: ۱۶۴۵۰...... سنن کبریٰ بیہقی: ۱۴۷/۲...... مصنف عبدالرزاق: ۲۱۲/۲ حدیث: ۳۱۰۷...... سنن کبریٰ نسائی: ۳۸۱/۱ حدیث: ۱۲۰۸...... مستدرک: ۴۹۸/۲ حدیث: ۹۴۲...... معجم کبیر طبرانی: ۲۰۹/۱۲ حدیث: ۱۴۱۱۷...... شعب الایمان: ۳۴/۴ حدیث: ۱۴۷۶...... سنن دارمی: ۱۴۲/۴ حدیث: ۱۳۹۲ ...... مسند ابویعلی موصلی: ۱۳۱/۲ حدیث: ۶۲۶ ...... سنن دار قطنی: ۴۸۶/۳ حدیث: ۱۳۵۵...... صحیح ابن حبان: ۳۱۴/۴ حدیث: ۹۱۴...... صحیح ابن خزیمہ: ۱۵۹/۳ حدیث: ۶۸۸ ...... مسند شافعی: ۱۶۶/۱ حدیث: ۱۶۳...... مسند طیالسی: ۲۲۸/۳ حدیث: ۱۱۴۴...... مشکل الآثار طحاوی: ۲۱۷/۵ حدیث: ۱۸۵۵۔

لیکن اگر کوئی آدمی اس میں تعظیم وادب کے لیے لفظ 'سیــــدنــــا' زیادہ کر کے یوں کہے:
**اللهم صل على سيدنا محمد -الخ-** تو صاحب درمختار نے اس کو افضل ومستحب لکھا ہے:

**و ندب السيادة ، لأن زيادة الاخبار الواقع عين سلوك الأدب فهو أفضل من تركه .** (۱)

یعنی لفظ 'سیدنا' کہنا مستحب ہے کیوں کہ خبر واقعی کا زیادہ کرنا عین ادب کا راستہ چلنا ہے تو اس کا پڑھنا اس کے چھوڑنے سے افضل ہے۔

نظیر دوم: زیارت مدینہ منورہ- زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً- کے سلسلے میں فقہا یوں لکھتے ہیں:

**و كل ما كان أدخل في الأدب و الإجلال كان حسنا .**

یعنی افعال واعمال سے جو چیز زیادہ ادب وجلال میں داخل ہو وہ بہتر ہے۔

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ سلف سے منقول بات کی رعایت کرنا کہ وہی ہو اس سے کچھ زیادہ نہ ہو ایسا کچھ ضروری نہیں؛ بلکہ اپنی طرف سے جو کچھ بھی مودبانہ حرکات وسکنات کرے گا سب بہتر ہیں، ان تعظیمات میں زائر کو اختیار ہے۔

خلاصہ یہ کہ حدیث عطاس میں اس شخص کا لفظ السلام علی رسول اللہ' زائد کرنا رسول اللہ- صلی اللہ علیہ وسلم- کی نہی کے مقابل تھا اسی لیے ابن عمر- رضی اللہ عنہما- نے اس کو منع کیا، اور مولد شریف میں جو بعض امور ملحقہ ہیں ان کی نہی شرع میں وارد نہیں، لہٰذا امور غیر منہیہ کا امورِ منہیہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

آج کل کے مروجہ مدارس کی کیفیت کا ذرا خیال کیجیے کہ حضور- صلی اللہ علیہ وسلم- کے زمانے میں بھی تعلیم دین ہوتی تھی اور آج مدارس اسلامیہ میں بھی ہوتی ہے لیکن (دونوں میں) کس قدر فرق ہے کہ پہلے تو یہ بات شائع تھی کہ اُستاد پڑھتے اور شاگرد سنتے تھے۔ چنانچہ بخاری ومسلم اور ابو داؤد وغیرہ سبھی محدثین لکھتے ہیں کہ ہمارے استادوں نے یہ حدیثیں ہمارے سامنے پڑھیں اور ہم کو تعلیم کیں، لفظ حــدثــنـــا جابجا اس پر شاہد ہے۔ اور امام احمد، ابن مبارک اور یحییٰ- رحمۃ اللہ علیہم اجمعین- کے نزدیک لفظ أخبرنا بھی **حدثنا** کی طرح سماع عن الاستاذ کے معنی میں ہے۔ مکہ معظّمہ- زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً- میں تیرہ سو برس ہو چکے اور ابھی تک وہی دستور جاری ہے کہ استاد پڑھتا ہے اور شاگرد سنتے ہیں جو شبہہ ہوتا ہے استاد سے دریافت کر لیتے ہیں۔

(۱) درمختار: ۱/۵۵۳۔

ہندوستان کے مدارس کا یہ طریقہ ہے کہ شاگرد پڑھتا اور استاد سنتا ہے جو سلف میں تو بکثرت تھا مگر اب یہاں بالکل متروک ہو چکا ہے۔

مدرسہ کی تعمیر نہ تو حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- سے ثابت، اور نہ بوبکر و عمر اور نہ عثمان و علی -رضوان اللہ علیہم اجمعین- سے۔ اور پہلے صحابہ و تابعین حتی کہ امام اعظم، امام محمد اور امام ابو یوسف تک بھی علم دین کی تعلیم کی اجرت نہ لیتے تھے، اب علم دین کے پڑھانے پر باقاعدہ تنخواہیں معین ہیں اور آئین تعلیم میں صرف ونحو وغیرہ کے حدود مقرر ہیں کہ فلاں فلاں کتاب تک ہو جب کہ پہلے ایسا نہ تھا۔ اس کے علاوہ منطق اور علم ہیئت و ہندسہ وغیرہ -جن کا سلسلہ یونانیوں تک پہنچتا ہے- اب تحصیل میں داخل ہیں جب کہ صحابہ کی جوتیوں تک کو ان علوم کی گرد نہ لگی تھی۔

پہلے جو کوئی روپیہ دیتا تھا تو خفیہ طور پر دینے کو ریا سے خالی سمجھتا تھا اور اب چندہ دینے والوں کی نمایش ہوتی ہے، ان کے نام سال بہ سال کتابوں میں چھپتے ہیں۔ چندہ والا اگر دینے میں کچھ تأمل کرے تو تقاضا کرنے والا ایک پیادہ اس پر معین کیا جاتا ہے؛ خلاصہ کلام یہ کہ اس زمانہ کے مطابق تعلیم مدارس کو کہاں تک بیان کروں کم سے کم علم آدمی بھی سوچے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ بے شک اس ہیئت کذائی ومجموعی کے ساتھ تعلیم دین کا مدرسہ قرون ثلاثہ میں ہرگز نہ پایا گیا لیکن صرف اس بنیاد پر اس کو جائز رکھتے ہیں کہ گو کہ یہ عوارض ولوازم سلف سے ثابت نہیں لیکن اصل تعلیم دین تو ثابت ہے، ان عوارض سے اس کی اصلیت باطل نہیں ہو جاتی۔ اب کوئی یہ نہیں کہتا کہ اس ہیئت کذائی کے ساتھ تعلیم، بدعت اور ضلالت ہے۔

علیٰ ہذا القیاس اس ہیئت کذائی کے عارض ہونے سے محفل میلاد شریف بھی سنت ہونے سے خارج نہیں ہو سکتی، اور اس کو بدعت ضلالت کہنا خود ضلالت ہے۔

**فائدہ:** اس مقام پر مولف براہین قاطعہ نے زمانہ حال میں مروجہ مدرسہ کو تمام وجوہ کے ساتھ سنت ثابت کیا ہے۔ صفحہ ۱۸۵ پر تعمیر مدرسہ کے سلسلہ میں لکھا :

> صفہ کو جس پر اصحاب صفہ طالب علم دین اور فقرا و مہاجرین رہتے تھے مدرسہ ہی تو تھا نام کا فرق ہے لہٰذا اصل سنت وہی ہے اور عمال کو یعنی جو زکوٰۃ وصول کرتے تھے ان کو عمالہ یعنی اجر ملتا تھا سو وہ بھی تنخواہ مدرسین کی ہے یہ بھی امر دین پر لینا ہے۔

صفحہ ۱۸۶ :

> اور چندہ خود رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے غزوۂ تبوک میں لیا ہے۔

صفحہ ۱۸۷ :

بے شک تھوڑے علم والا بھی جانتا ہے کہ مدارس کے سب امور سنت ہیں قرون ثلاثہ میں موجود تھے- انتہیٰ کلامہ تلخیصاً-

ہم کہتے ہیں کہ امور مندرجہ محفل میلاد کا ثبوت اس سے بہت اعلیٰ طور پر ہے۔ ذکر ولادت یہ خود ثابت الاصل ہے- جیسا کہ اوپر گزر چکا-

## فرش، کھانا، شیرینی اور عطر وغیرہ کا استعمال :

فرش، استعمال عطر اور کھانا و شیرینی دینا یہ دراصل مہمانوں کی ضیافت اور خاطر داری ہے۔ صحیحین کی حدیث ہے :

مَنْ كَانَ يُومِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَومِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ . (۱)

یعنی جس کو اللہ اور روز قیامت پر ایمان ہے اس کو چاہیے کہ اپنے گھر آئے ہوئے کی تواضع اور خاطر داری کرے۔

---

() صحیح بخاری: ۱۰۳/۱۹ حدیث: ۵۶۷۱......صحیح مسلم: ۱۶۵/۱ حدیث: ۶۹......سنن ابوداؤد: ۱۸۹/۱۰ حدیث: ۳۲۵۶......سنن ترمذی: ۲۳۱/۷ حدیث: ۱۸۹۰......سنن نسائی: ۴۰/۹ حدیث: ۲۴۲۴......سنن ابن ماجہ: ۶۶/۱۱ حدیث: ۳۶۶۲......مشکوٰۃ المصابیح: ۴۶۳/۲ حدیث: ۴۲۴۳......مسند احمد: ۳۷۰/۱۳ حدیث: ۶۳۳۲......مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۴۸/۱۵ حدیث: ۷۳۰۷......سنن کبریٰ بیہقی: ۶۸/۵......مصنف عبد الرزاق: ۷/۱۱ حدیث: ۱۹۷۴۶......مستدرک: ۱۴۴/۱۷ حدیث: ۷۴۰۵......معجم کبیر طبرانی: ۱۶۹/۴ حدیث: ۳۷۷۸......شعب الایمان: ۴۲۲/۱۰ حدیث: ۴۷۱۶......سنن دارمی: ۲۱۴/۶ حدیث: ۲۰۸۸......مستخرج ابوعوانہ: ۵۸/۱۳ حدیث: ۵۲۳۵......مسند ابویعلی موصلی: ۳۳۷/۱۳ حدیث: ۶۴۵۵......صحیح ابن حبان: ۵/۳ حدیث: ۵۰۷......معرفۃ الصحابہ اصبہانی: ۲۰۲/۲ حدیث: ۶۲۸......مسند شہاب قضاعی: ۲۶۳/۲ حدیث: ۴۴۷......مسند طیالسی: ۴۲۶/۶ حدیث: ۲۴۵۸......مشکل الآثار طحاوی: ۲۶۸/۶ حدیث: ۲۳۲۹......اخبار اصفہان: ۱۷۹/۷ حدیث: ۴۰۵۵۵......الآداب بیہقی: ۸۷/۱ حدیث: ۶۵......الادب المفرد: ۱۵۸/۱ حدیث: ۱۰۲......مسند بزار: ۱۲۱/۹ حدیث: ۳۱۹۵...... الزہد والرقائق: ۳۹۲/۱ حدیث: ۳۷۱......مسند شاشی: ۴۸۹/۲ حدیث: ۸۳۹......المطالب العالیہ: ۲۴۳/۱ حدیث: ۱۹۵......مسند عمر بن عبد العزیز: ۱۱۰/۱ حدیث: ۷۶......معجم ابن المقری: ۴۲۱/۲ حدیث: ۸۸۹......مکارم الاخلاق خرائطی: ۳۰۲/۱ حدیث: ۳۰۷......مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۴۶۲/۳......کنز العمال: ۲۴۶/۹ حدیث: ۲۵۸۶۰......مسند الجامع: ۲۴۶/۱۴ حدیث: ۴۵۲۶......تحفۃ الاشراف: ۲۸۲/۱۱ حدیث: ۱۲۴۴۷......روضۃ المحدثین: ۴۴۴/۱۱ حدیث: ۵۴۴۴۔

تو فرش زیبا پر ان کو بٹھانا اور عطر لگانا یہ مہمانوں کی تعظیم واکرام ہی تو ہے۔ اور مجلس کرنے والوں سے پوچھ لیجیے کہ ان کی نیت بے شک یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ کھجور یا شیرینی وغیرہ ہم نے تیار کی ہے وہ اپنے گھر آنے والے لوگوں کو کھلائیں گے۔ اور شریعت سے یہ بات معلوم کیجیے کہ ضیافت' شرع میں کس چیز کا نام ہے۔ کھانے کی چیز خواہ تھوڑی ہو یا بہت جب اس کے لیے آدمیوں کو بلائے گا تو وہی شرع میں ضیافت کہلائے گی۔ صحابہ روٹی کا ٹکڑا یا کھجور جو کچھ ہوتا پیش کر دیتے اور حدیث میں ہے :

لَو دُعِيتُ إِلىٰ كُرَاعٍ لأَجَبْتُ . (۱)

یعنی ایک پاچہ بکری کے لیے بھی اگر کوئی دعوت کرے تو میں اسے ضرور قبول کروں گا۔

حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- کا اخلاق عالی اہل ضیافت کو خوش کر دینا تھا اپنا پیٹ بھرنا منظور نہ ہوتا، اور یہی امت کو بھی ارشاد فرمایا؛ جیسا کہ بخاری میں ہے :

---

(۱) صحیح بخاری:۹/۱۲حدیث:۲۳۸۰......مشکوٰۃ المصابیح:۱/۴۱۱حدیث:۱۸۲۷......مسند احمد:۲۰/۳۹۷حدیث:۹۸۵۳......سنن کبریٰ نسائی:۴/۱۴۰حدیث:۶۶۰۹......معجم کبیر طبرانی:۹/۳۲۸حدیث:۱۱۰۷۳......شعب الایمان:۱۸/۴۸۶ حدیث: ۸۶۹۴......صحیح ابن حبان: ۲۲/۱۲۰حدیث: ۵۳۸۲......اخبار اصفہان: ۶/۳۷۶حدیث: ۴۰۳۹۴......معجم ابن المقری:۲/۲۳۱حدیث: ۷۲۵......مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:۲/۶۰......کنز العمال: ۹/۲۵۷ حدیث:۲۵۹۳۰......نصب الرایہ: ۱۰/۳۵۵......تحفۃ الاشراف: ۱۱/۴۵۸حدیث: ۱۳۴۰۵......تخریج احادیث الاحیاء:۳/۳۴۵حدیث:۱۳۴۵۔

یوں بھی آیا ہے :

❁ لو أهدي إلي كراعٌ لقبلت و لو دعيت عليه لأجبت . (سنن ترمذی:۵/۱۷۸حدیث:۱۲۵۸......مسند احمد: ۲۰/۳۹۷حدیث:۹۸۵۳......سنن کبری بیہقی:۶/۱۶۹......شمائل محمدیہ:۱/۳۷۸حدیث:۳۳۲......معجم کبیر طبرانی:۱۸/۳۳۸حدیث:۲۰۹۰۰......شعب الایمان:۱۸/۴۸۷حدیث:۸۶۹۵......صحیح ابن حبان:۲۲/۱۱۸حدیث:۵۳۸۱......مسند ابن راہویہ: ۱/۲۴۴......المطالب العالیہ: ۵/۱۸۴حدیث: ۱۷۰۵......مسند اسحٰق بن راہویہ: ۱/۱۸۱حدیث: ۱۷۲......معجم ابن المقری: ۲/۱۹۳حدیث: ۶۹۰......مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۲/۱۱۶......کنز العمال: ۹/۲۵۷حدیث:۲۵۹۲۹......مسند جامع:۳/۱۹۰حدیث:۸۶۳......روضۃ المحدثین:۵/۳۶حدیث:۱۸۱۱۔

اور یوں بھی آیا ہے :

❁ لو أهديت لي كراع لقبتلها و لو دعيت عليها لأجبت . (مصنف عبد الرزاق:۱۰/۴۴۹حدیث: ۱۹۶۶۸......جامع معمر بن راشد:۱/۳۳۷حدیث:۲۶۷)

إِذَا دُعِيْتُمْ إِلىٰ كُرَاعٍ فَأَجِيْبُوْا . (۱)

یعنی کوئی اگر تم کو پاچہ بکری پر بھی دعوت کرے تو قبول کرلو۔

فقہا نے بھی یہی حکم دیا ہے۔فتاویٰ برہنہ میں ہے :

از جہت بعد وفقر امتناع نیارد وقصد نکند حاجت شکم را بلکہ نیت کند اقتدا ے سنت و ادخال سرور در دل مسلم۔

یعنی دور اور فقیر ہونے کے سبب نہ رُکے،اور پیٹ بھرنے کی نیت سے نہ جائے بلکہ اس کی نیت سنت کی پیروی اور دلِ مسلم کو خوش کردینے کی ہونی چاہیے۔

تو اگر کوئی با حیثیت دولت مند محفل میلاد میں شکم سیر کھانا کھلا دے۔ یا کسی کم حیثیت والے نے محض شیرینی اور کھجور ماحضر کے لیے اہل اسلام کو زحمت دی تو یہی شریعت میں ضیافت کہلاتی ہے۔ہدایہ میں ہے :

مَنْ لَّمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصىٰ أَبَا الْقَاسِمِ . (۲)

یعنی اگر کوئی کسی مسلمان کی دعوت رد کردے تو گویا وہ رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- کا نافرمان ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم:۲۸۵/۷حدیث:۲۵۸۲......سنن کبریٰ بیہقی:۲۶۲/۷......مستخرج ابوعوانہ:۴۷۶/۸حدیث:۳۴۱۹......صحیح ابن حبان:۱۱۶/۲۲حدیث:۵۳۸۰......موارد الظمآن:۲۶۱/۱......کنز العمال:۲۵۵/۹حدیث:۲۵۹۱۸......تحفۃ الاشراف:۳۷/۸حدیث:۸۲۳۹۔

کنز العمال میں یہ حدیث یوں بھی آئی ہے : من دعاكم إلى كراع فأجيبوه . (۲۵۷/۹حدیث:۲۵۹۲۸)

(۲) عنایہ شرح ہدایہ:۲۱۶/۱۴-فصل فی الاکل والشرب-......نصب الرایہ:۲۳۴/۳......مبسوط:۳۳/۱۹-کتاب ادب القاضی- ......تبیین الحقائق:۳۳۶/۱۶-کتاب الکراہیۃ-......فتح القدیر:۴۶۹/۲- باب ادراک الفریضہ-......درر غرر:۴۶۶/۳-من دعی الیٰ ولیمۃ-......بحر الرائق:۱۱۵/۲۲-من دعی الی ولیمۃ-......مسند ابویعلی موصلی:۱۴۶/۱۲حدیث:۵۷۵۸۔

کتب احادیث میں یہ حدیث یوں ملتی ہے :

مَنْ لَّمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ . (صحیح مسلم:۲۸۹/۷حدیث:۲۵۸۶......مسند احمد:۴۸/۱۱حدیث:۵۰۱۲......سنن کبریٰ بیہقی:۲۶۲/۷......مستخرج ابوعوانہ:۴۶۹/۸حدیث:۳۴۱۳......صحیح ابن حبان:۱۴۴/۲۲حدیث:۵۳۹۴......مسند طیالسی:۳۷۴/۶حدیث:۲۴۱۲......مشکل الآثار طحاوی:۳۵/۷حدیث:۲۵۵۶۔الجوہر النقی ترکمانی:۲۵۹/۷......کنز العمال:۳۰۷/۱۶حدیث:۴۴۶۲۶......مسند الجامع:۳۶۶/۲۳حدیث:۷۶۹۴......الترغیب والترہیب:۲۴۸/۲حدیث:۲۱۵۲)

افسوس وہ لوگ تو تعمیل سنت کے لیے آئیں قلیل وکثیر پر نظر نہ کریں۔ اور یہ منکرین ان عاملانِ سنت پر طعن کریں اور اس بات کا بھی خیال نہ کریں کہ سنت کی استہزا میں ایمان چلے جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

## مٹھائی بانٹنے کا ثبوت

یہ جو طعنہ دیا جاتا ہے کہ مٹھائی کے لالچ سے آتے ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ مٹھائی بانٹنے کی کیا اصل ہے تو یہ اعتراض بھی صحیح نہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب رسالہ ''ما اہل لغیر اللہ'' مطبوعہ مطبع محمدی کے صفحہ ۴۲ پر لکھتے ہیں :

وتقسیم طعام وشیرینی امر مستحسن وخوب است باجماع علما۔ انتہیٰ بلفظہ۔

یعنی علمائے کرام کا اس پر اجماع ہے کہ کھانا اور شیرینی بانٹنا مستحسن وعمدہ کام ہے۔

فتاویٰ ''خزانۃ الروایات'' کی - فصل ضیافت - اور ''روح البیان'' کی جلد دوم میں لکھا ہوا ہے :

**إن في بطن المؤمن زاوية لا يملأها إلا الحلو .** (۱)

یعنی مومن کے پیٹ میں ایک ایسا گوشہ ہوتا ہے جسے مٹھائی کے بغیر کوئی چیز بھر نہیں سکتی۔

اب سوچیں کہ ایک مومن کا گوشہ شکم - جو کہیں سے نہیں بھرتا - تو مٹھائی سے اس کا بھر دینا کیا کچھ اجر کی بات نہ ہوگی !۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

**لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ .** (۲)

تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو۔

اور حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ جن چیزوں کو مومن دوست رکھتا ہے ان میں مٹھائی بھی ہے؛ چنانچہ ''خزانۃ الروایات'' نیز ''تفسیر روح البیان'' میں آیا ہے :

---

(۱) تفسیر روح البیان: ۳/۳۲۴۔

(۲) سورۂ آل عمران: ۳/۹۲۔

قال -علیه السلام- إنَّ الْمُومِنَ حُلْوٌ وَ يُحِبُّ الْحَلاوَةَ . (۱)
یعنی رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے فرمایا کہ مومن خود بھی شیریں ہوتا ہے اور میٹھی چیز کو پسند بھی کرتا ہے۔

تو جو چیز خود بانٹنے والے مومن اور لینے والے مومنین کو محبوب ہو؛ تو امید ہے کہ اس کی تقسیم میں وہ نیکوکاری کی حد کو پہنچیں۔ اور اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ انھی وجوہات کی بنیاد پر شاہ عبد العزیز صاحب نے اس کو باجماع علما' مستحسن و خوب لکھا ہے۔

## منبر یا چوکی نیز اشعار پڑھنے کا ثبوت

منبر یا چوکی اور اشعار کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت حسان' مسجد نبوی -صلی اللہ علیہ وسلم- میں منبر پر کھڑے ہو کر خود حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کے سامنے اشعار پڑھتے تھے۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے۔ (۲)

---

(۱) تفسیر روح البیان: ۳/۳۲۴۔
المقاصد الحسنہ: ۱/۱۶۴......کشف الخفاء: ۲/۹۹ حدیث: ۱۸۸۳، ۲۶۷۸......تذکرۃ الموضوعات: ۱/ ۱۴۹......کنز العمال: ۱/۳۶۷ حدیث: ۱۶۱۲۔ کے الفاظ حدیث یوں ہیں: المؤمن حلو، یحب الحلاوة .
نیز یہ حدیث یوں بھی ملتی ہے: قلب المومن حلو، یحب الحلاوة . (المقاصد الحسنہ: ۱/۱۶۴......الدرر المنتثرہ فی الاحادیث المشتہرہ: ۱/۱۵...... الموضوعات: ۳/۱۹...... کشف الخفاء: ۲/۹۹ حدیث: ۱۸۸۳......تذکرۃ الموضوعات: ۱/۱۴۹......کنز العمال: ۱/۱۴۶ حدیث: ۷۱۴)

(۲) متن حدیث یوں ہے:
كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ -صلى الله عليه وآله وسلم- يَضَعُ لِحَسَّانَ مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ يَقُوْمُ عَلَيْهِ قَائِماً يُفَاخِرُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم-. (سنن ابوداؤد: ۱۰/۶۶ حدیث: ۲۷۷۳......مشکوٰۃ المصابیح: ۳/۴۱ حدیث: ۴۸۰۵......شمائل ترمذی: ۱/۲۸۲ حدیث: ۲۴۷......مستدرک: ۱۴/۱۰۸ حدیث: ۶۰۹۹......تہذیب الآثار طبری: ۲/۴۱۶ حدیث: ۵۳۳......مسند ابویعلی موصلی: ۱۰/۸ حدیث: ۴۶۲۳......معرفۃ الصحابہ: ۶/ ۳۳۴ حدیث: ۲۰۲۲......مسند الجامع: ۵۱/۳۳۱ حدیث: ۱۷۲۰۱......تحفۃ الاشراف: ۱۳/۴۷۸ حدیث: ۱۷۰۲۰......تخریج احادیث الاحیاء: ۵/۱۷۱ حدیث: ۲۱۷۱)
اور معجم کبیر طبرانی میں یوں ہے:
ان رسول الله -صلى الله عليه وسلم- كان يضع لحسان بن ثابت منبرا في المسجد ينشد عليه الأشعار . (۴/۳۴ حدیث: ۳۵۰۱)

تداعی یعنی آدمیوں کو بلانا۔اس کی دو شکلیں ہیں: یا تو یہ بلانا تناول ماحضر کے لیے ہے جو خود سنت دعوت ہے۔ یا یہ بلانا اس لیے ہے کہ وہ آ کر نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کی سیرت وصفات سنیں اور یہ بھی سنت ہے؛ اس لیے کہ نبی کریم -علیہ الصلوٰۃ والتسلیم - بھی صحابہ کو خبر بھیج کر بلواتے اور جمع کر کے ان سے کچھ فرماتے تھے۔ آپ کا زبان سے کچھ فرمانا حدیث ہے لہٰذا حدیث سننے کے لیے لوگوں کو بلانا سنت ہوا۔

اصطلاح دین میں حدیث' رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے قول وفعل وتقریر، صفات وشمائل اور فضائل وحلیہ وغیرہ کو شامل ہے۔علم حدیث کا موضوع' ذات رسول -صلی اللہ علیہ وسلم- ہے۔اور اس کی غایت' دارین کی سعادت کا حصول ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ محفل میلاد شریف میں افراد علم حدیث بیان ہوتے ہیں تو اعلام کر کے بلانا گویا حدیث رسول -صلی اللہ علیہ وسلم- کے لیے بلانا ہے تو اس تداعی کو مکروہ وحرام کہنا عجیب بات ہے۔ اگر یہ لوگ آیت کریمہ: **ادع إلی سبیل ربک** سے بھی اپنی تسلی کر لیں تو یہ بھی ممکن ہے۔

تعجب ہے کہ مدرسہ کے لیے کس قدر دور دراز فکر کو دوڑایا کہ کہاں عمالہ عاملین! اور کہاں تنخواہ مدرسین، کہاں صفہ! اور کہاں مدرسہ، کہاں جہاد کا چندہ! اور کہاں مدرسہ کا چندہ۔ اور میلاد شریف کے سلسلے میں ہمارے دلائل جو اپنے دعووں کے مدلولات پر صراحۃً دلالت کر رہے ہیں' ان کی طرف ایک ذرا خیال نہیں فرماتے، اس کو بدعت ٹھہراتے ہیں۔ اللہ اللہ! کمالِ بوالعجبی کا مقام ہے۔

**اعتـــراض**: اگر کوئی یہ کہے کہ یہ چیزیں الگ الگ تو بیشک جائز ہیں لیکن ہم ان کا جمع ہونا جائز نہیں جانتے۔

**جـــواب**: یہ ہے کہ مدرسہ کی ہیئت مجموعی بھی قرون ثلاثہ سے ثابت نہیں، اس کے اثبات کے لیے بھی انفرادی اجزا کا ثبوت دیا گیا ہے تو یہاں بھی وہی قبول کرنا چاہیے۔

دوسرے یہ کہ امام غزالی -رحمۃ اللہ علیہ- ''احیاء العلوم'' میں فرماتے ہیں :

**فإن أفراد المباحات إذا اجتمعت کان ذلک المجموع مباحا . و مهما انضم مباح إلی مباح لم یحرم إلا إذا تضمن المجموع محظورا لا تتضمنه الآحاد .** (۱)

(۱) احیاء علوم الدین: ۲/۱۱۱- بیان الدلیل علی اباحۃ السماع-

یعنی جدا جدا مباح جب جمع کر لیے جائیں گے تو وہ مجموعہ مباح ہو جاتا ہے،اور جب ایک مباح دوسرے مباح سے مل جاتا ہے تو وہ اس وقت تک حرام نہیں ہوتا جب تک کہ اس مجموعہ میں کوئی ایسا ممنوع شرعی نہ ہو جائے جو جدا جدا میں نہ تھا۔

تو مباح اور مستحسن چیزوں کے جمع ہو جانے سے یہ محفل ممنوع نہ ہو جائے گی۔

براہین قاطعہ کے صفحہ ۶۰ میں سلف کے اس قاعدۂ مسلمہ پر جو اعتراض کیا ہے اور یہ لکھا ہے :

تمر اور پانی دونوں کا نبیذ بنایا جائے بعد کف دینے کے جو ہیئت حاصل ہوئی حرام ہو گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک محض کھجور اور پانی تھا اس وقت تک مباح تھا اب طول مدت اور تاثیر زماں سے ایک تیسری چیز پیدا ہوگئی جو نشہ آوری کا سبب ہے،تو حرمت کا باعث یہ تیسری چیز ممنوع شرعی ہے نہ کہ وہ مباح چیزیں۔ورنہ مولف براہین کی تعلیل کے موافق تو مباح چیزوں کے جمع ہونے سے قطع نظر ایک منفرد چیز بھی حرام ہو جائے گی؛اس لیے کہ انگور کا رس' سکر کے بعد خود شراب بن جاتا ہے تو چاہیے کہ منفرد چیز کو بھی حرام کہا جائے،اور یہ صحیح نہیں۔شرعی احکام میں غور وخوض درکار ہے۔لہٰذا صحیح وہی ہے کہ اگر مباح چیزوں کے اجتماع میں کوئی ممنوع شرعی لازم نہ آتا ہو تو وہ درست اور مباح ہے۔اس سے مخالفین کے وہ دوسرے دو اعتراض بھی رد ہو گئے جو کہتے تھے کہ قرآن دیکھ کر پڑھنا سنت تھا اور نماز سنت تھی،مجموعہ مل کر اہل کتاب کے مشابہ ہو گیا۔اور رکوع مشروع اور قرآن مشروع دونوں کا جمع مکروہ ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی صورت میں محظورِ شرعی یہ لازم آیا کہ اہل کتاب سے تشبّہ ہوا۔اور دوسری صورت میں یہ کہ حدیث شریف کے مخالف یہ فعل ٹھہرا کہ (آپ نے) فرمایا :

أَلاَ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا . (۱)

یعنی مجھے اس سے منع کیا گیا کہ میں رکوع اور سجدے کی حالت میں قرآن کی تلاوت کروں۔

---

(۱) صحیح مسلم:۲۲/۳حدیث:۷۳۸......مشکوٰۃ المصابیح:۱۹۰/۱حدیث:۸۷۳......معرفۃ السنن والآثار:۶۲/۳حدیث: ۸۹۲......کنز العمال:۳۶۸/۱۵حدیث: ۴۱۴۰۹......نصب الرایہ فی تحریج احادیث الہدایہ: ۴۱۴/۲-باب صفۃ الصلوٰۃ-......تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر:۴۷۸/۱حدیث:۳۶۷......مسند الجامع:۵۹/۱۹حدیث: ۶۰۲۵......تخریج احادیث الاحیاء:۴۸۳/۲حدیث:۹۸۳۔

ذکر میلاد شریف میں مذکورہ بالا امور شریک ہوئے ہیں لیکن اہل کتاب سے کوئی تشبہ نہیں ہے -جیسا کہ لمعہ ثالثہ میں بخوبی اس کا ابطال ہو چکا ہے- اور نہ تو مباح چیزوں کے ملانے کے سلسلہ میں کوئی شرعی نہی وارد ہوئی ہے؛ لہٰذا یہ مروجہ مجلس، مباح و مستحسن امور کے اجتماع کے ساتھ درست اور مستحسن ہے۔

امورِ مذکورہ کے جواز پر دوسری تقریر یہ ہے کہ اللہ- سبحانہ وتعالیٰ- نے فرمایا :

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ . (۱)

تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی، اور پاک رزق۔

پہلے تو یہ بات سمجھنی چاہیے کہ آیات کا نزول خواہ کسی موقع پر ہوا ہو لیکن ان کا حکم شان نزول کے ساتھ خاص نہیں ہوتا بلکہ جہاں تک الفاظ کی دلالت جاری ہوتی ہے وہاں تک حکم جاری کیا جاتا ہے۔ علماے اصول کے نزدیک یہ متفقہ ہے۔ چنانچہ توضیح وغیرہ میں مندرج ہے :

إن العبرة لعموم الألفاظ لا لخصوص السبب . (۲)

یعنی اعتبار لفظ کی عمومیت کا ہوتا ہے نہ کہ کسی سبب خاص کا۔

ہماری یہ بات استدلال کی جملہ آیتوں میں یاد رکھنا چاہیے۔ تو یہ آیت کریمہ گو کسی خاص موقع کے لیے نازل ہوئی لیکن تمام مفسرین واصولیین اور فقہا اس آیت کو عام لیتے ہیں؛ جس کی نظر درمختار، تفسیر بیضاوی اور تفسیر رازی وغیرہ پر ہو گی اس سے یہ بات مخفی نہیں کہ فرش بچھانا، محفل سجانا،

---

(۱) سورۂ اعراف؛ ۷/۳۲۔

(۲) شرح التلویح علی التوضیح: ۱/۲۲۵-فصل فی الفاظ العام-......المحصول: ۳/۱۲۵......انوار البروق فی انواع الفروق: ۱/۴۲۲-حمل العموم-......کشف الاسرار: ۶/۱۸۵-باب حکم الاجماع ومحلّہ-......البحر المحیط: ۴/۲۴-المسئلۃ الثانیۃ صحۃ دعویٰ-......التقریر والتحبیر : ۱/۱۸۹-استمدادعلی اصول-......شرح الکواکب المنیر : ۲/۲۶۲-مفہوم الموافقۃ نوعان-......غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر: ۲/۳۹۶-الخراج بالضمان-......حاشیۃ العطار علی شرح الجلال المحلّی علی جمع الجوامع: ۴/۱۰-مسئلۃ جواب السائل غیر المستقل-

اصول سرخسی میں یوں ہے :

فإن العبرة لعموم الخطاب لا لخصوص السبب . (۱/۱۶۴)

الاشباہ والنظائر کی شرح غمز عیون البصائر میں یوں بھی آیا ہے :

ان العبرة لخصوص الغرض لا لعموم اللفظ . (۱/۳۲۷-اختلاف اللسان والقلب فی النیۃ-)

عطریات سے لباس بسانا، چوکی و منبر اور مسند لگانا یہ سب 'زینۃ اللہ' میں داخل ہے۔ اور حاضرین کو پان، الائچی، چائے، کھجور، شیرینی یا کھانا جو کچھ کھلایا جائے گا اس کو لفظ 'طیبات من الرزق' شامل ہے۔

علامہ بیضاوی نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھا ہے :

**فیہ دلیل علیٰ أن الأصل في المطاعم و الملابس و أنواع التجملات الإباحۃ .** (۱)

یعنی اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ کھانوں، کپڑوں اور طرح طرح کی آرائشوں میں اصل حکم یہ ہے کہ مباح ہے۔

لہٰذا یہ سب چیزیں علم اصول کے قواعد کی رو سے اور مفسرین کرام کی تصریح کے مطابق جائز اور مباح ہوئیں۔ اور ان کو منع کرنے والا بڑے خطرے میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

**یٰـأَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لاَ تُحَرِّمُوا طَیِّبٰتِ مَا أَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَ لاَ تَعْتَدُوْا إِنَّ اللّٰہَ لاَ یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ .** (۲)

اے ایمان والو! حرام نہ ٹھہراؤ وہ ستھری چیزیں کہ اللہ نے تمہارے لیے حلال کیں، اور حد سے نہ بڑھو، بے شک حد سے بڑھنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔

لہٰذا مانعین کو اس سے اندیشہ کرنا چاہیے کہ وہ کہیں 'معتدین' میں شامل نہ ہو جائیں جنھیں اللہ پسند نہیں فرماتا۔

تیسری تقریر جملہ امور مجلس میلاد کے لیے یہ ہے کہ اس آیت کریمہ سے دلیل پکڑنی چاہیے جو سورۂ یونس کے چھٹے رکوع میں ہے :

**قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَ بِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوا ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ .** (۳)

تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں، وہ ان کے لیے سب دھن دولت سے بہتر ہے۔

---

(۱) تفسیر بیضاوی: ۲/۲۵۴۔
(۲) سورۂ مائدہ: ۵/۸۷۔
(۳) سورۂ یونس: ۱۰/۵۸۔

بارہ برس قبل یہ نحیف اس آیت کو اپنی کتاب ''بہارِ جنت'' میں درج کر چکا ہے، لیکن عام آدمیوں کو جب تک تشریحاً نہ سمجھایا جائے اصل مدعا کو نہیں پہنچتے؛ تو اب اس کی تفسیر کر رہا ہوں۔

واضح ہو کہ اللہ - سبحانہ تعالیٰ - اس آیہ ہدایت پیرایہ میں اہل ایمان کو حکم دیتا ہے کہ وہ اللہ ہی کے فضل اور اللہ ہی کی رحمت سے فرحت وسرور کریں۔ امام رازی اور امام بیضاوی - رحمۃ اللہ علیہما - فرماتے ہیں کہ یہاں ایک فعل **فلیفرحوا** محذوف ہے، اب آیہ مذکورہ یوں ہوگی کہ اہل ایمان کو چاہیے کہ اللہ کے فضل ورحمت پر خوشی کریں۔ پھر دوبارہ فرمایا کہ چاہیے اسی پر خوشی کریں، تو یہ امر کی تکرار تاکید کے لیے ہے اور لفظ **فبذٰلک** مفید حصر ہے۔ یعنی ایک انسان پر واجب ہے کہ فرحت وخوشی خاص اللہ ہی کے فضل ورحمت پر کرے کیوں کہ جو جسمانی ونفسانی لذتیں اور دنیاوی نعمتیں ہیں سب فانی ہیں، یہ فرحت وسرور کے قابل نہیں۔ اور فضل ورحمت خداوندی کے بارے میں فرمایا: **ھو خیر مما یجمعون** یعنی وہ تمام فانی لذتوں اور نعمتوں سے بہتر ہے جو وہ دنیا میں جمع کرتے اور سمیٹتے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے اللہ کے فضل ورحمت کے ساتھ فرحت وسرور کرنا ثابت ہوا، اور اس میں کوئی شک نہیں رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - خدا کی رحمت اور اس کے فضل ہیں۔

علامہ ماوردی نے آیت کریمہ :

**لَو لاَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إلَّا قَلِيْلاً**(۸۳/۴) (۱)

کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ''فضل اللہ'' رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - ہیں، اور رحمت بھی وہی ہیں۔ اس کو شارح مواہب زرقانی نے ذکر کیا ہے۔

تفسیر روح البیان میں سورۂ نساء کی اس آیت مذکورہ کے تحت لکھا ہے :

**و في الحقيقة كان النبي -عليه السلام- فضل الله و رحمته يدل عليه قوله تعالىٰ : هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الأُمِّيِّيْنَ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا -إلى قوله- ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُوتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ -و قوله تعالىٰ- وَ مَا أرْسَلْنَاكَ إلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ.**

یعنی حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم - صلی اللہ علیہ وسلم - ہی اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہیں۔

جس پر اللہ کی یہ آیتیں شہادت دے رہی ہیں: **هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الأُمِّيِّيْنَ رَسُولاً مِّنْهُمْ**

---

(۱) تفسیر النکت والعیون: ۳۱۶/۱۔ ترجمہ آیت: اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ضرور تم شیطان کے پیچھے لگ جاتے، مگر تھوڑے۔

يَتْلُوا ـــــ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ ـــــ وَ مَا أرْسَلْنَاکَ إلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ ۔ (۱)

یہی وجہ ہے کہ حدیث وسیرت کی کتابوں میں حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- کے منجملہ اسماے مبارکہ میں 'فضل اللہ'، 'رحمۃ للعالمین'، 'رحمۃ مہداۃ'، 'رحمۃ الامۃ' اور 'رسول الرحمۃ' بھی شمار کیے ہیں۔ جیسا کہ زرقانی اور قسطلانی وغیرہ محدثین نے لکھا ہے۔ لہٰذا آپ کے وجود باجود پر فرحت وسرور کرنا ثابت ہوگیا؛ تو اب خوشی کے جتنے بھی مباح اسباب ہیں' سب ثابت ہوگئے کیوں کہ یہ ایک مسلمہ قاعدہ ہے :

إذا ثبت الشيىء ثبت بلوازمه .

یعنی جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو اپنے جملہ لوازمات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔

تو برادرانِ اسلام کا اجتماع، مکان کی آرایش، شیرینی کے خوان اور زمانے کی جملہ مروجہ چیزیں حتی کہ ذکر ولادت شریف کے وقت جوش فرحت وسرور میں کھڑے ہوجانا اور اس فضل و رحمت مہداۃ کی بابت شکر الٰہی بجالانا سب فليفرحوا کے منطوق سے ثابت ہوگیا۔

اور آیت کریمہ: وَ اشْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ إنْ كُنْتُمْ إيَّاهُ تَعْبُدُونَ سے بھی یہ امور ثابت ہوسکتے ہیں؛ اس لیے کہ رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- بڑی نعمت ہیں اور شکر طرح طرح کے افعال واعمال سے ادا ہوتا ہے جیسے آیتوں کی تلاوت کرنا، معجزات ودرود وسلام سے متعلق احادیث پڑھنا اور کھانا کھلانا وغیرہ- لمعہ خامسہ میں بھی امور ملحقہ کی تقریر آئے گی-

اگر مانعین اس طرح کی نظیر ومثل طلب کرتے ہیں کہ ایسا جلسہ مسنونہ بتاؤ جس میں جلسہ مولد شریف کی طرح چند سنتیں اکٹھا ہوں تو اس کی نظیر بھی شرع میں موجود ہے مثلا شادی عروسی کہ اس میں مومنوں کا اجتماع بھی ہے اور اللہ کا ذکر بھی؛ اس لیے کہ خطبہ نکاح- جو سنت ہے- جلسہ نکاح میں پڑھا جاتا ہے پھر اس کے بعد خرما وغیرہ تقسیم کردیا جاتا ہے یا حاضرین کے ہاتھوں لٹادیا جاتا ہے۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے :

لا بأس بنثر السكر و الدراهم في الضيافة و عقد النكاح . (۲)

یعنی ضیافت اور شادی بیاہ کے موقع پر میٹھی چیزیں اور روپیہ پیسہ لٹانے میں کوئی حرج نہیں۔

---

(۱) تفسیر روح البیان: ۳/۴۲۔
(۲) فتاویٰ عالم گیری: ۳۹/۳۵۹- باب فی النہبۃ-

مولوی اسحٰق صاحب نے ''مسائل اربعین'' میں لکھا ہے کہ حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- نے فاطمہ -رضی اللہ عنہا- کے نکاح میں لوگوں کو جمع کر کے خطبہ پڑھا، ایجاب وقبول کیا اور چھوارے لٹائے۔ نیز جس وقت حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کا نکاح حضرت ام حبیبہ کے ساتھ نجاشی بادشاہِ حبشہ نے اپنے ملک حبش میں کیا تو حضرت جعفر اور تمام مہاجرین کو جمع کر کے خطبہ پڑھا، ایجاب وقبول کیا اور اس کے بعد سب کو کہا کہ ابھی بیٹھے رہو، یہ پیغمبروں کی سنت ہے کہ نکاح کے بعد کچھ کھانا کھائیں پھر کھانا منگا کر سب کو کھلایا۔ یہ بھی مسائل اربعین میں ہے۔

اب دیکھیے کہ اگر نکاح میں عقد نکاح کا سرور ہے تو یہاں یعنی مجلس میلاد شریف میں اس سے کہیں زیادہ بڑی نعمت -یعنی باعث ایجادِ عالم کے وجود- کا سرور ہے۔ وہاں خطبہ میں توحید اور اقرارِ رسالت ہے، تو یہاں بھی وہ مضمون، شرح وتفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ وہاں شیرینی وخرما اور کھانے کی تقسیم ہے تو یہاں بھی۔ علیٰ ہذا القیاس- یہ باتیں موجود ہیں۔

اگر سال بہ سال دائمی ہونے کی مِثلیت مطلوب ہو تو محدثین، صومِ عاشورا کی نظیر دے چکے ہیں کہ موسیٰ -علیہ السلام- کی نجات کا شکریہ سال بہ سال کب سے چلا آتا ہے۔ غرض کہ میلاد شریف کی اصل بھی شرع میں موجود ہے، اور نظیر ومثل بھی۔ لہٰذا مولوی اسماعیل صاحب کے قول کے موافق یہ محفل بدعت نہیں۔

اب ایک اور تقریر سے ثابت کرتے ہیں کہ یہ محفل سنت ہے۔

مولوی اسماعیل صاحب ''تذکیر الاخوان'' میں مجتہدوں کی نکالی چیز کو سنت میں داخل کرتے ہیں، اور مجلس میلاد اس ہیئت مجموعی کے ساتھ گرچہ کسی مجتہد مطلق نے خود ایجاد نہیں فرمائی لیکن مجتہدانِ مطلق نے ایسے ایسے عمدہ قاعدہ ہائے کلیہ ایجاد کیے کہ یہ مجلس ان قاعدوں میں داخل ہوگئی۔ مثلاً حضرت امام مالک، حدیث کی تعظیم اس طرح کرتے تھے کہ اول غسل کرتے، پھر فرش ہوتا، چوکی ومسند بچھتی، عود ولوبان بخور وغیرہ خوشبو سلگتی، پھر منبر پر بیٹھ کر کمالِ ادب سے بیان فرماتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ اہتمام کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا: رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی حدیث کی تعظیم کرتا ہوں۔ پھر کسی نے اعتراض نہ کیا اور چپ ہوگئے۔

امام مالک، مجتہد اور خیر القرون تبع تابعین میں تھے اور ان کے فعل سے یہ آداب ثابت ہوئے۔ پھر جس نے ان پر اعتراض کیا وہ ان کی معقول دلیل سن کر چپ ہوگیا کہ واقعی یہ حدیث رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی تعظیم ہے؛ تو اعتراض کے بعد دوسروں کا سکوت کرنا یہ بھی امام

مالک کے قول کا مؤید ہو گیا۔ علاوہ ازیں اس وقت سے لے کر آج تک حنفیہ و مالکیہ و شافعیہ کی تمام کتابوں میں یہ دستور العمل تحریر ہو گیا کہ حدیث رسول اللہ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے لیے بلند مکان پر بیٹھنا، خوشبو لگانا اور تعظیم مدنظر رکھنا مستحب ہے۔

مدارج النبوۃ، مواہب اللدنیہ اور شرح مواہب وغیرہ سے یہ بات ظاہر اور سب کو معلوم ہے کہ محفل میلاد شریف میں رسول اللہ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ کی احادیث و معجزات کا ذکر ہوتا ہے تو اس میں اس قسم کے آداب کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہاں تک تو محفل میلاد شریف' خیر القرون کے بعد میں داخل اور سنت میں شامل ہے۔ باقی رہا یہ کہ کھڑے ہو کر تعظیماً درود و سلام اور مدح و نعت پڑھنا تو اس کی اصل بھی مجتہدوں سے ثابت ہے۔

امام احمد بن حنبل کے استاد یحییٰ بن سعید' منارۂ مسجد سے پشت لگا کر بیان کرنا شروع کرتے تھے اور بڑے بڑے عالم، مجتہد، محدث۔ جیسے علی ابن مدینی، ابن خالد اور امام احمد وغیرہ۔ کھڑے رہتے اور حدیثوں کی تحقیق کرتے تھے، اور ان کے ہیبت و جلال سے کوئی بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ فتاویٰ برہنہ میں یہ احوال موجود ہیں۔ تو ان محدثوں اور مجتہدوں کے فعل سے یہ ثابت ہو گیا کہ اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر ذکر رسول کرے (تو یہ بھی) صحیح ہے۔ اور حضرت حسان منبر پر کھڑے ہو کر اشعار پڑھا کرتے اور رسول اللہ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ کا فخر بیان کرتے تھے؛ لیکن قاری اور سامعین اول سے آخر تک کھڑے رہنے میں مشقت سمجھ کر کہ ہر کسی کا کھڑا رہنا دشوار ہے: **لاَ يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا** تو بس اتنی ہی دیر کھڑے ہو جاتے ہیں جس میں اصل ولادت شریف کا ذکر ہوتا ہے کہ یہ جلسہ اسی کی فرحت و سرور کا ہے۔

الحاصل! مجلس میلاد سے متعلق مندرجہ امور کا ثبوت مجتہدین مطلق کے قواعد و اعمال سے ہو گیا۔ اور جس وقت ملک ابو سعید مظفر نے محفل میلاد کا سامان کیا اور ۶۰۴ھ۔(1207) میں مفتیانِ دین میں اس مسئلہ کا اعلان کیا تو اس وقت اگرچہ کوئی مجتہد مطلق موجود نہ تھا لیکن مجتہدین کے چند طبقے میں سے ایک مجتہدین فی المسائل بھی ہوتے ہیں کہ ان کی قوت نظریہ قوی ہوتی ہے اور اپنے امام کی اصل پر نظر کر کے غیر منصوص مسائل میں بہ نظر اجتہادی حکم دیتے ہیں، اس قسم کے مجتہد شافعی و مالکی وغیرہ موجود تھے۔ تو اریخ سے ثابت ہے کہ اس وقت محفل میلاد شریف کو تمام علما نے امور مروجہ' اطعام طعام اور تعیین یوم میلاد وغیرہ کے ساتھ جائز رکھا۔ تو ان خصوصیات کی اسناد بھی مجتہدین تک پہنچ گی۔ اور مولوی اسماعیل صاحب نے مجتہد مطلق اور مجتہد فی الشرع کی قید تو لگائی

نہیں کیوں کہ ان کی غرض یہ ہے کہ کوئی فعل ایسا نہ ہو کہ عوام یا علماے کم مایہ اس کو پسند کر لیں بلکہ وہ ایسے مجتہد ہوں کہ ان کی قوت نظر یہ اصل ونظیر پہچاننے کے لائق ہو۔ اور مولوی اسماعیل صاحب نے ''تذکیرالاخوان'' کے - باب تقلید - میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ :

اگر اکثر دین دار متقی عالم اس مسئلہ کو قبول کر لیں تو البتہ وہ بھی معتبر ہے۔ انتہیٰ۔

دیکھیے کہ یہاں اجتہاد کی بھی قید نہیں ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ اس محفل کو اکثر دین دار علما اور متقیوں نے معتبر رکھا ہے اور استحباب کا فتویٰ بھی دیا ہے۔ اور ابوسعید مظفر کے عہد میں بڑے عالی درجہ صحیح النظر اور جامع اصول وفروع علما تھے ، اپنی عقل وادراک میں غیر منصوص سے مسائل اخذ کرنے کی قوت رکھتے تھے علاوہ بریں اہل اسلام میں مروجہ یہ محفل اپنے جملہ خصوصیات وتعینات کے ساتھ امام شافعی - جو کہ مجتہد فی الشرع تھے - کے قاعدہ میں داخل ہے۔

قاعدہ یہ ہے کہ امام شافعی سے بیہقی نے یہ روایت کی ہے کہ اگر کوئی ایسی نئی بات ایجاد ہو کہ قرآن وحدیث اور اجماع کے احکام کو مٹاتی اور رد نہ کرتی ہو تو وہ بدعت حسنہ اور محمودہ ہے اس کو برا نہیں کہنا چاہیے۔(۱)

لہٰذا محفل میلا داس مجتہد کے قول میں داخل ہوگئی کیوں کہ یہ قرآن وحدیث اور اجماع کے کسی حکم کو رد نہیں کرتی۔ اور رد کرتی ہو تو بیان کرو - من ادعیٰ فعلیه البیان -

الحاصل ! ہر نہج سے سب کی اسناد مجتہدین تک پہنچتی ہے خواہ تصریحاً خواہ استنباطاً؛ لہٰذا یہ محفل مولوی اسماعیل صاحب کے مقررہ قاعدہ کے موافق بدعت نہیں بلکہ سنت میں داخل ہے۔

**سوال**: تم ہندوستان کے رہنے والے حنفی المذہب ہو، امام مالک اور شافعی سے استدلال کیوں کرتے ہو۔

**جواب**: جو مسئلہ ہمارے امام سے تصریحاً بیان نہ ہو، اور دوسرے اماموں نے اس کی تصریح کی ہو، اور وہ ہمارے قاعدے کے مخالف نہ ہو تو وہ تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ ہمارے مذہب حنفیہ میں کتب فقہ پر نظر رکھنے والے کو بالفعل اس کی نظیریں مل جائیں گی۔ ایک مثال لکھتا ہوں۔

---

(۱) و جاء عن الشافعي أيضا ما أخرجه البيهقي في مناقبه قال : المحدثات ضربان ما أحدث يخالف كتابا أو سنة أو أثرا أو إجماعا فهذه بدعة الضلال ، و ما أحدث من الخير لا يخالف شيئا من ذلك فهذه محدثة غير مذمومة .
فتح الباری لابن حجر: ۲۰/۳۳۰ حدیث: ۶۷۳۵۔

درمختار میں ہے :

**و أما تقبيل الخبز فحرر الشافعية أنه بدعة مباحة و قيل حسنة .** (۱)

یعنی صاحب درمختار نے کہا کہ شافعیوں نے روٹی چومنے یعنی بوسہ دینے کو بدعت مباح یا مستحب تحریر کیا ہے۔

شافعیوں کا یہ مذہب لکھنے کے بعد صاحب درمختار نے-جو مذہباً حنفی ہیں-لکھتے ہیں :

**و قواعدنا لا تأباه .** (۲)

یعنی ہم حنفیوں کے قاعدے اس سے کچھ مخالفت نہیں رکھتے۔

تو ثابت ہوا کہ غیر اماموں کے مذہب میں جو بات ایسی ہو کہ ہمارے مذہب میں اس کا ذکر نہ ہو اور ہماری مخالفت بھی نہ ہو تو اس کا لے لینا درست ہے۔ چنانچہ ہماری کتب فقہ' شامی وغیرہ میں بدعت حسنہ اور سیئہ کی تقسیم' امام شافعی کے مذہب کے مطابق درج ہے۔اور اسی طرح قراءت حدیث کے وقت لوبان وغیرہ سلگانا،خوشبو لگانا اور اونچی جگہ بیٹھنا باقتداے امام مالک کتب حنفیہ میں موجود ہے۔

## لمعہ خامسہ :

**اعتراض**: اعتراض کرتے ہیں کہ اگر یہ محفل کبھی کبھی کرنی جائز بھی ہو تو خیر! لیکن اس کا خاص ربیع الاول کی بارہویں تاریخ میں کرنا اور وہ بھی ہر سال دائما کرنا اس کی تو کوئی دلیل نہیں ہے۔

**جواب**: محفل میلاد شریف کی تخصیص اس طور پر کہ خاص ربیع الاول کی بارہویں تاریخ! اور پھر جائز نہ ہو، یہ کسی عالم اہلسنّت نے تصریح نہیں فرمائی بلکہ اہل ایمان جب کر سکیں کریں،فتاویٰ متقدمین کی صریح عبارتیں موجود ہیں۔ ملاعلی قاری-رحمۃ اللہ علیہ-کی ''موردالروی'' میں ہے :

**بل يحسن في أيام الشهر كلها و لياليه .**

یعنی بہتر تو یہ ہے کہ مہینہ کے تمام دنوں اور راتوں میں کیا جائے۔

اس کے بعد ابن جماعہ-رحمۃ اللہ علیہ-کا قول نقل کیا ہے :

(۱) درمختار:۵/۲-۷۔

(۲) نفس مصدر:۵/۲-۷۔

**كان يقول لو تمكنت عملت بطول الشهر كل يوم مولدا .**

یعنی حضرت ابن جماعہ فرمایا کرتے کہ اگر مجھے قدرت ہوتی تو میں پورے مہینہ میلا دالنبی -صلی اللہ علیہ وسلم- منایا کرتا۔

سیرت شامی میں علامہ ظہیرالدین ابن جعفر کا فتویٰ یہی ہے :

**بـدعة حسـنة إذا قصد فاعلها جمع الصالحين و الصلوة على النبي الأمين -صلى الله عليه وسلم- و إطعام الطعام للفقراء و المساكين و هذا لقد يثاب عليه بهذا الشرط كل وقت .**

یعنی جب میلا دالنبی -صلی اللہ علیہ وسلم- اس نیت سے کیا جائے کہ اس میں نیک لوگ جمع ہوں اور نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- پر درود وسلام پڑھا جائے، غربا ومساکین کو کھانے کھلائے جائیں تو یہ بدعت حسنہ ہے اور ان شرطوں کے ساتھ جب بھی کرے گا اس پر اسے ثواب بھی ملے گا۔

اس میں اصل تحقیق یہ ہے کہ نصوص قرآنی مطلق ہیں :

**وَ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ .** (۱)

اسی طرح :

**قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا .** (۲)

اسی طرح :

**وَ اشْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ .** (۳)

پس حضور رحمۃ للعالمین -صلی اللہ علیہ وسلم- کے وجود باجود کی نعمت کا شکر یہ ہم پر فرض ہوا، اور اسی طرح فرحت کا بھی حکم ہوا کہ رحمت خداوندی پر فرحت وسرور کیا کرو، اور ظاہر ہے کہ حق -سبحانہ وتعالیٰ- نے اس فرحت وسرور اور شکریہ کو کسی وقت کے ساتھ موقت نہیں فرمایا ہے لہٰذا حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کی ولادت کی فرحت وخوشی دائمی ہوئی، اسی لیے مشرق ومغرب کے تمام اسلامی شہروں میں جملہ اہل اسلام بارہ مہینہ میں جب کسی سے بن پڑتا ہے میلا دشریف کر دیا کرتا ہے۔ اور

(۱) سورۂ بقرہ؛ ۲/۲۳۱......آل عمران؛ ۳/۱۰۳۔......سورۂ مائدہ؛ ۵/۷۔
(۲) سورۂ یونس؛ ۱۰/۵۸۔
(۳) سورۂ نحل؛ ۱۶/۱۱۴

اسی طرح ولادتِ نبی کریم - علیہ الصلوٰۃ والتسلیم - کا شکر عبادت کے جملہ افراد میں عام رہا، اور یہ بات علماے اصول سے مخفی نہیں ہے کہ فرضیت امر الٰہی کسی فرد میں پا لیے جانے سے ادا ہو جاتی ہے، خواہ وہ کتنا ہی قلیل ہو لیکن تکمیل فرض کے لیے - جہاں تک بوجہ مشروع (یعنی شرعاً جائز) ہو سکے - از روئے شرع فرض کی مقدار سے زیادہ کرنا شرعاً مستحب اور مطلوب ہے۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو ثابت ہوگیا کہ نبی کریم - صلی اللہ علیہ وسلم - کے وجود کا سرور و شکر یہ دائمی ہے جب ہو سکے اور جس فرد میں ہو سکے عمل میں لائے خواہ اہل ایمان میں کھانا کھلانا ہو یا شیرینی کی تقسیم، خواہ تلاوتِ قرآن، قراءت معجزات اور تعظیم وادب کے طور پر مدائح ومحامد ومناقب کا گنگنانا ہو، خواہ ان سب باتوں کو جمع کردے پھر ماہِ ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو یہ افعال واعمال بجالائے یا کسی اَور تاریخ ومہینہ میں سب جائز ہے۔

اس تقریر سے مطلق کا ہر فرد جائز رہا، اگر کوئی ''اللہ کی نعمت'' کا یہ ذکر بلا قید کرے وہ بھی جائز ہے اور جو آداب ومستحسنات کی قید کے ساتھ کرے - جن کا ذکر لمعہ رابعہ میں گزر چکا - وہ بھی جائز ہے۔

یہ بدیہی طور پر معلوم ہے کہ محفل میں مستحسنات ومستحبات شرعیہ جتنے زیادہ ہوں گے خیر و برکت اتنی زیادہ ہوگی، اسی وجہ سے اکثر آدمی اس ذکر اقدس کو مقدور بھر تعظیم واحترام اور زیب واحتشام کے ساتھ کرتے ہیں تا کہ افرادِ مستحسنات کے اجتماع سے حسن معنوی دو آتشہ ہو جائے اور ظاہری زیب وزینت سے شانِ اسلام کا تجمل ظاہر ہو۔ ایسا نہیں جو مانعین سمجھتے ہیں کہ ان لوگوں کے نزدیک امورِ مروجہ کے بغیر محفل ذکر اقدس منع ہے - حاشا وکلا - جب جی چاہے قیود سے خالی بھی مدح وقصاید میلاد وغیرہ پڑھتے ہیں، لہٰذا ان پر کوئی غبار نہیں۔ ہاں! مانعین ایک عظیم اندیشہ میں ہیں کہ زیب وتجمل، تقسیم شیرینی اور مومنین کے اجتماع کو منع کرتے ہیں گویا انھوں نے مطلق کو مقید کر دیا ہے کہ اس ہیئت تجمل کے ساتھ نہ ہو، اس کا نام شرع میں نسخ ہے - معاذ اللہ -

**اعتراض**: یہ اعتراض کہ صحابہ نے اس تجمل کے ساتھ کیوں نہ کیا؟۔

**جواب**: اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے وقتوں میں چند ایسے مصارف پیش تھے کہ روپیہ کا ان میں صرف ہونا قرین مصلحت تھا، وہ اپنی زینت اور طعام ولباس کے تکلف میں بھی نہ لگاتے تھے جو کچھ پاتے اُنھیں مواقع میں اٹھاتے لیکن پھر بھی اصل فرحت وسرورِ ذکر نبی میں ہمارے شریک تھے۔ تجمل سے گو جلسہ نہ کیا لیکن اصل عمل فرحت وسرور اور شکر یۂ مفروضہ تو ان میں پایا گیا، ایک فرد

بھی ادا ہوسکتا ہے جیسا افرادِ کثیرہ میں ادا ہوتا ہے۔ اور رسول مقبول -صلی اللہ علیہ وسلم- کا یہ فرمان صحیح طور پر ہم تک پہنچ چکا ہے کہ اپنی امت کو ارشاد فرمایا :

قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میرے صحابہ کی وہ شان ہے کہ اگر تم اُحد پہاڑ کے برابر سونا خدا کی راہ میں لٹادو گے تب بھی ان کے تین پاؤ جو کے ثواب نہ ملے گا۔

اور ڈیڑھ پاؤ[1] کے برابر۔ یہ حدیث صحیحین میں ہے۔

اس صورت میں اہل اسلام بنظر تحقیق دیکھیں کہ حضرت عباس کا حضور سید کائنات -صلی اللہ علیہ وسلم- کے آگے ذکر میلاد کے سلسلہ میں وہ قصیدہ خوشی پڑھ دینا، اور حضرت حسان کا رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے مواجہہ میں اکثر فخریہ اشعار پڑھنا اس تمام ہیئت مجموعی کے افرادِ کثیرہ کی خیر و برکت سے کہیں زیادہ ہوگا، جب ان کا ڈیڑھ پاؤ خرچ کیا ہوا جو ہمارے پہاڑ کے برابر سونے سے زیادہ نہ ہوا تو یہ اعتراض لغو ہوگیا جو کہتے ہیں کہ تم صحابہ سے بھی بڑھ گئے کہ انھوں نے تو یہ تجمل نہ کیا تم کیوں کرتے ہو؟۔

---

(۱) جو کا لفظ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس حدیث میں لکھا ہے۔ ۱۲ منہ

متن حدیث یوں ہے :

فوالذي نفسي بيده لو أن أحدَكم أنفق مثلَ أحدٍ ذهبا ما أدرک مُدَّ أحدهم و لا نصِيفه . ( صحیح مسلم : ۱۲/ ۳۶۹ حدیث: ۴۶۱۰ ...... سنن ابوداؤد: ۱۲/ ۲۴۶ حدیث: ۴۰۳۹ ...... سنن ترمذی: ۱۲/ ۳۶۱ حدیث: ۳۷۹۶ ...... سنن ابن ماجہ: ۱/ ۱۸۹ حدیث: ۱۵۷ ...... مسند احمد: ۲۳/ ۱۳۷ حدیث: ۱۱۰۹۲ ...... سنن کبریٰ بیہقی: ۱۰/ ۲۰۹ ...... معجم کبیر طبرانی: ۱۹/ ۱۳۰ حدیث ۳۰۳ ...... معجم اوسط طبرانی: ۲/ ۱۹۷ حدیث: ۶۹۸ ...... صحیح ابن حبان: ۳۰/ ۳۷ حدیث: ۶۳۷۶ ...... حدیث خیثمہ: ۱/ ۲۰۲ ...... السنہ لابن ابی عاصم: ۳/ ۸ حدیث: ۸۲۴ ...... الشریعۃ آجری: ۴/ ۱۲۶ حدیث: ۱۴۳۲ ...... الکفایۃ فی علم الروایۃ خطیب بغدادی: ۱/ ۱۱۵ حدیث: ۱۰۰ ...... شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ و الجماعۃ الکائی: ۵/ ۴۴۰ حدیث: ۱۹۰۵ ...... فضائل الصحابہ احمد بن حنبل: ۱/ ۵ حدیث: ۴ ...... فوائد تمام: ۱/ ۲۳۸ حدیث: ۲۳۷ ...... مسند ابن جعد: ۲/ ۲۱۷ حدیث: ۶۱۹ ...... من حدیث خیثمہ بن سلیمان: ۱/ ۱۹۳ حدیث: ۱۸۳ ...... نسخۃ وکیع بن اعمش: ۱/ ۲۴ حدیث: ۲۳ ...... نظم المتناثر: ۱/ ۱۹۹ حدیث: ۲۳۹ ...... کنز العمال: ۱۱/ ۵۲۸ حدیث: ۳۲۴۶۲ ...... مسند جامع: ۴۵/ ۲۶ حدیث: ۱۴۷۹۵ ...... تحفۃ الاشراف: ۵/ ۲۷۹ حدیث: ۴۰۰۱۔ )

یوں بھی آیا ہے : لا تسبوا أصحابي لو أن أحدَكم أنفق مثلَ أحدٍ ذهبا ما بلغ مُدَّ أحدهم و لا نصِيفه . ( صحیح بخاری: ۱۲/ ۵ حدیث: ۳۳۹۷ ...... صحیح مسلم: ۱۲/ ۳۷۰ حدیث: ۴۶۱۱ ...... مشکوٰۃ المصابیح: ۳/ ۳۰۷ حدیث: ۵۹۹۸ ...... مسند احمد: ۲۲/ ۲۰۲ حدیث: ۱۰۶۵۷ ...... سنن کبریٰ نسائی: ۵/ ۸۴ حدیث: ۸۳۰۸ ...... شعب الایمان بیہقی: ۴/ ۳۸ حدیث: ۱۴۸۰ ...... مسند ابویعلی موصلی: ۳/ ۹۳ حدیث: ۱۰۴۹ ...... صحیح ابن حبان: ۲۹/ ۲۹ حدیث: ۱۲۰ ...... مسند ابن راہویہ: ۱/ ۲۶ ...... امالی ابن بشران: ۲/ ۱۱۴ حدیث: ۵۷۹ ...... مشیخۃ ابن طہمان: ۱/ ۱۴۴ حدیث: ۱۴۳)

لغو ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا فرحت اور سرورِ قلبی سے ایک ذکر کرنا از روئے حدیث ہمارے بہت سے سامانِ فرحت وسرور سے افضل ہے، پھر ہم ان سے کہاں بڑھ گئے!۔ہاں! صحابہ اصل اس تذکرہ اور نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کے وجود باجود کی فرحت وسرور میں ہمارے شریک ہیں، لہٰذا ہمارا سلسلہ ان سے ملا ہوا ہے۔جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ -رحمۃ اللہ علیہ- ''انتباہ'' کے دیباچہ میں فرماتے ہیں :

بایددانست کہ یکے از نعم خداتعالیٰ بر اُمت مصطفویہ -علیٰ صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات -آنست کہ تا امروز سلسلہ ہائے ایشاں تا حضرت پیغامبر -صلی اللہ علیہ وسلم- صحیح وثابت است واگرچہ اوائل امت را باواخر امت در بعض امور اختلاف بودہ است پس صوفیہ صافیہ ارتباط ایشاں در زمن اول بصحبت وتعلیم وتأدب بأدب وتہذیب نفس بودہ است نہ بخرقہ وبیعت ودر زمن سید الطائفہ جنید بغدادی رسم خرقہ ظاہر شد وبعد از اں رسم بیعت پیدا گشت وارتباط سلسلہ بہمہ ایں متحقق است واختلاف صور ارتباط ضرر نمی کند-الی ان قال -وعلماے کرام ارتباط ایشاں وزمن اول باستماع احادیث وحفظ آں در وعاے قلب بود بعد از اں تصنیف کتب وقراءت ومناولہ واجازت آں پیدا شد وارتباط سلسلہ بہمہ نوع ایں امور صحیح است واختلاف صور را اثرے نیست۔

یعنی معلوم ہونا چاہیے کہ انعامات الٰہیہ میں سے امت محمدیہ پر ایک انعام یہ ہے کہ ان کے یہ سلسلے حضور پیغمبر اسلام -صلی اللہ علیہ وسلم- سے لے کر آج تک صحیح اور ثابت ہیں، گرچہ امت کے پچھلوں کا پہلوں سے بعض امور کی بابت کچھ اختلاف واقع ہوا ہے۔دراصل صوفیہ صافیہ کا اول زمانے میں ربط وتعلق، صحبت وتعلیم ،صالح ادب اور تہذیب نفس سے رہا ہے، بیعت وخرقہ سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کے زمانے میں رسم خرقہ جاری ہوئی اور پھر اس کے بیعت کی رسم پیدا ہوئی۔تو اس کے ساتھ اس سلسلہ کا رابطہ ثابت ومتحقق ہے ،اور تعلق وربط کی صورت کا اختلاف کسی ضرر کا باعث نہیں- یہاں تک کہ فرمایا -اور علماے کرام کا ان سے اور زمانہ اول سے ارتباط حدیث سننے اور اس کو دل سے حفظ کرنے کے ساتھ تھا، پھر اس کے بعد کتابوں کی تصنیف ،قراءت ومناولت اور اجازت کا سلسلہ شروع ہوا۔اور ان امور کے ساتھ اس سلسلہ کا ارتباط وتعلق درست ہے اور صوری اختلاف کوئی معنی نہیں رکھتا۔

لہٰذا اگر فرحت وسرور اور مدح خوانی میں ہمارے اور صحابہ -رضوان اللہ علیہم- کے مابین ہیئت کا کچھ اختلاف ہو تو یہ ہرگز مضر نہیں کیوں کہ اصل امر، ہم میں اور ان میں مشترک ہے۔

باقی رہی تعیین تاریخ کی تحقیق تو ان لوگوں کی مراد یہ نہیں کہ بارہویں ربیع الاول کے علاوہ اوردنوں میں جائز نہیں بلکہ اس میں ایک قسم کی مناسبت سمجھ کرزیادہ تر یہ محفل پاک اس میں کرتے ہیں اوراس پر بھی دلیل شرعی موجود ہے۔

شرع شریف میں یہ مضمون پایا گیا ہے کہ جس روز کسی نعمت عظمیٰ کا ظہور ہو ہر سال اسی روز خوشی کیا کریں۔قرآن شریف کے اندراس تعیین یوم کی مثال یہ ہے کہ جب حواریوں نے عیسیٰ-علیہ السلام-سے درخواست کی کہ ہمارے لیے آسمان سے کھانے کا (کوئی) خوان اُترے، تب عیسیٰ-علیٰ نبینا وعلیہ السلام- نے یہ فرمایا :

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْداً لأَوَّلِنَا وَ آخِرِنَا . (۱)

امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا :

اس کے معنی یہ ہیں کہ یااللہ! آسمان سے کھانے کا ایک خوان اتار کہ وہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہوجائے یعنی جس دن وہ مائدہ اترے اس کو ہم عید بنالیں اور ہمارے بعد جو پیدا ہوں وہ بھی اس کو عید بنائیں اوراس دن کی تعظیم جاری رہے تو وہ مائدہ اتوار یعنی یک شنبہ کو اترا اورنصاریٰ نے اس کو خوشی کا دن بنالیا کہ اس میں خوشی کرتے ہیں-انتہیٰ-(۲)

یعنی وہ لوگ اپنی عبادت گاہ میں یکشنبہ کو جمع ہوتے ہیں جیسے اہل اسلام (روزِ جمعہ وعیدین) جمع ہوتے ہیں۔اس روز اپنے محکموں میں تعطیل کرتے ہیں اورراحت پاتے ہیں۔

دیکھیے کہ قرآن کریم سے اصل ثابت ہوئی کہ نعمت حاصل ہونے والے دن کو ہمیشہ کے لیے عید بنالیا جائے۔

حدیث سے اس کی سند یہ ہے جسے محدث ابن حجر نے مسلم اور بخاری کی حدیث سے نکالی ہے یعنی جس وقت رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم-مدینہ میں تشریف لائے تو یہود کو دیکھا کہ وہ عاشوراے محرم کوروزہ رکھتے ہیں۔آپ نے پوچھا: یہ روزہ کیوں رکھتے ہو؟ وہ بولے کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کو ڈبایا اور موسیٰ -علیہ السلام-کو بچالیا۔شکرانے میں موسیٰ نے روزہ رکھا فنحن نصومه شکرا للّٰه تعالیٰ یعنی تو ہم بھی شکر الٰہی ادا کرنے کے لیے اس دن روزہ رکھتے ہیں۔حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-نے یہ سن کرفرمایا: تمہاری بہ نسبت موسیٰ سے ہم کو زیادہ

---

(۱) سورۂ مائدہ:۱۱۴/۵۔

(۲) تفسیر رازی:۱۹۸/۶۔

مناسبت ہے تب آپ نے عاشورا کا روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی حکم دیا۔ یہ حدیث صحیح ہے، بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ (۱)

اب دیکھیے کہ کب فرعون ڈوبا، کب موسیٰ – علیہ السلام – نے نجات پائی اور جب سے اب تک اس نعمت کا شکر یہ جاری ہے کہ جب وہ عاشوراے محرم کا روزہ آتا ہے ہر سال اہل اسلام اس کا شکر یہ ادا کرتے ہیں۔ اور رسول اللہ – صلی اللہ علیہ وسلم – کا پیدا ہونا تو ایسی بڑی نعمت ہے کہ حضرت عیسیٰ کے خوان اترنے اور حضرت موسیٰ – علیہما السلام – کے نجات پانے سے کہیں زیادہ افضل و اکمل ہے تو جب یہ دن ہر سال آئے تو اس میں فرحت و سرور ظاہر کیوں نہ کیا جائے اور شکر الٰہی کیوں نہ ادا کیا جائے۔ جب ایک معین دن کا ہر سال 'اعادۂ شکر و سرور کا باعث ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہو گیا تو یوم میلاد النبی – صلی اللہ علیہ وسلم – تو اس سے کہیں درجہ اس قابل ہے کہ اس کو یوم سرور کیا جائے۔

ان دلائل کے علاوہ علماے محققین مثلاً مفتی سعد اللہ صاحب وغیرہ نے ظہور نعمت کے باعث یوم سرور کے تعین و قرار کے سلسلہ میں اور بھی حدیث صحیح بیان فرمائی ہے۔ اور یہ بات تو اس قسم کی ہے کہ ابو عبد اللہ بن الحاج – جن کو یہ صاحب اپنا طرف دار شمار کرتے ہیں یعنی ان کو میلاد النبی کے عمل کو منع کرنے والا جانتے ہیں – انھوں نے ماہِ ربیع الاول کی افضلیت کی اس تخصیص کو مسلم رکھا ہے۔ ''مدخل'' میں ان کی عبارت یوں ہے :

هـذا الشهر الكريم الذي من الله تعالىٰ علينا فيه بسيد الأولين و الآخرين فـكـان يـجـب أن يـزاد فيـه مـن الـعبادات و الخير شكرا للمولىٰ –سبحانه و تـعالىٰ– علىٰ ما أولانا من هذه النعم العظيمة ...... و قد أشار –عليه الصلوٰة و الســلام– إلى فضيلـة هـذا الشهـر العظيم بقوله –عليه الصلوٰة و السلام–

---

(۱) متن حدیث یوں ہے :

لـمـا قـدم الـنبـي –صلى الله عليه وسلم– المدينةَ وجد اليهودَ يصومون عاشوراءَ فسُئلوا عن ذلک فـقـالـوا هـذا اليوم الذي أظفر الله فيه موسىٰ و بني إسرائيل على فرعون و نحن نصومه تـعـظيـمـا له فقال رسولُ الله–صلى الله عليه وسلم– نحن أولىٰ بموسىٰ منكم ثم أمر بصومه .
(صحیح بخاری ۳۳۳/۱۲ حدیث: ۳۶۴۹ ...... صحیح مسلم: ۴۷۲/۵ حدیث: ۱۹۱۰ ...... سنن ابوداؤد: ۴۲۸/۶ حدیث: ۲۰۸۸ ...... مسند ابویعلی موصلی: ۱۲۲/۶ حدیث: ۲۵۱۳ ...... صحیح ابن خزیمہ: ۴۳۳/۷ حدیث: ۳۰۳۱ ...... تحفۃ الاشراف: ۲۱۵/۶ حدیث: ۵۴۵۰)

**للسائل الذي سأله عن صوم يوم الإثنين فقال له -عليه الصلوٰة و السلام- ذلک يوم ولدتُ فيه ، فتشريف هذا اليوم متضمن لتشريف هذا الشهر الذي ولد فيه . (۱)**

یعنی ربیع الاوّل کا یہ مہینہ بڑا بزرگ ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ہم پر احسان کیا کہ اس نے ایک سید الاوّلین والآخرین پیدا فرمایا۔لہٰذا جب یہ مہینہ آیا کرے تو ہم کو چاہیے کہ شکرانے کے طور پر اس میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کیا کریں۔اور حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- نے بھی اس کی بزرگی کی طرف اشارہ کر دیا؛ کیوں کہ آپ پیر کے دن کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ جب کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: چوں کہ میں اسی دن پیدا ہوا ہوں۔تو اس سے ثابت ہوا کہ جب پیر کا دن آپ کی پیدائش کی وجہ سے اور دنوں کی بہ نسبت' مشرف ومکرم ہو گیا تو یقیناً وہ مہینہ بھی تمام مہینوں میں مکرم ومعظم ٹھہرا جس میں آپ بزم دنیا میں تشریف لائے۔

ایک دوسرا اعتراض جو وارد ہوتا تھا کہ یہ مہینہ اگر افضل تھا تو حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- نے اس میں اظہارِ شکر یہ وغیرہ بذات خود کیوں نہ کیا۔تو اس کا جواب بھی حضرت ابن حاج نے ''مدخل'' میں دے دیا ہے :

**و إن كان النبي -صلى الله عليه وسلم- لم يزد فيه على غيره من الشهور شيئا من العبادات و ما ذاک إلا لرحمته -صلى الله عليه وسلم- بأمته و رفقه بهم ؛ لأنه -عليه الصلوٰة و السلام- كان يترک العمل خشية أن يفرض على أمته . (۲)**

یہ عبارت پہلی عبارت سے ملی ہوئی ہے یعنی ہم پر ربیع الاول میں نیکیوں کی کثرت واجب ہے۔

حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- نے خود کوئی بات اس مہینہ میں زیادہ نہیں فرمائی،اور ایسا اس لیے تھا کہ آپ بعض کام چھوڑ دیا کرتے تھے کہ میری سبب سے کہیں یہ کام امت پر فرض نہ ہو جائے۔

تو تخصیص ربیع الاول کے اعتراض کو دفع کرنے کے لیے ان کے محقق ومسلم الثبوت کا یہ کلام کافی ووافی ہے-والحمد للہ علیٰ ذلک-

---

(۱) مدخل:۱/۳۸۱-فصل فی مولد النبی والبدع-

(۲) مدخل:۱/۳۸۰-فصل فی مولد النبی والبدع-

**دوسری دلیل** : اس عمل کی علی الدوام یعنی ہر سال کرنے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حدیث صحیح میں آیا ہے :

أَحَبُّ الأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ أَدْوَمُهَا وَ إِنْ قَلَّ . (۱)

یعنی اللہ کے نزدیک سب سے پیارا عمل وہ ہوتا ہے جو برابر ہوتا رہے گر چہ تھوڑا ہو۔

تو جو شخص سال بھر میں ایک دو مرتبہ محفل کرے گا تو ظاہر ہے کہ تین سو ساٹھ دن میں ایک دن یا دو دن اس عمل پاک کے حصہ میں آئے تو یہ قلیل ہے، جب قلیل ہوا تو اب اس کو دائمی بھی نہ کریں تو کیا اللہ تعالیٰ کو پیارا ہوگا ! ۔لہٰذا طالب حسنات کو لازم ہوا کہ یہ عمل ہر سال کیا کرے۔

**تیسری دلیل** : اس کے دوام کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ حدید میں ارشاد فرمایا ہے :

وَ رَهْبَانِيَّةً ۨابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا . (۲)

---

(۱) صحیح بخاری: ۲۰/۱۰۰حدیث: ۵۹۸۳ ...... صحیح مسلم: ۴/۱۸۸حدیث: ۱۳۰۵ ...... مسند احمد: ۳۱۰/۵۱ حدیث: ۲۴۱۵۳ ...... سنن کبریٰ بیہقی: ۲/۴۸۵ ...... مسند عبد بن حمید: ۱۴۲/۴حدیث: ۱۵۲۰ ...... معرفۃ السنن والآثار: ۱۵۰/۴حدیث: ۱۳۹۷ ...... مسند شہاب قضاعی: ۱۷۴/۳حدیث: ۷۰۸ ......مشکل الآثار: ۲۴۴/۳حدیث: ۱۰۵۳ ...... مسند ابن راہویہ: ۱۴۰/۲ ...... اخبار اصبہان: ۲۴۷/۲حدیث: ۵۲۲ ...... آداب الصحبۃ ابوعبدالرحمٰن سلمی: ۵۳/۱ حدیث: ۳۶ ...... الزہد والرقائق: ۳۵۹/۳ حدیث: ۱۳۱۱ ...... الفوائد الشہیر بالغیلانیات ابوبکر شافعی: ۲۵/۳ حدیث: ۹۶۶ ...... مسند اسحاق بن راہویہ: ۶۷/۲ حدیث: ۵۴۶ ...... کنز العمال: ۴۴/۳ حدیث: ۵۴۰۱ ...... مسند الجامع: ۴۶۸/۵۱ حدیث: ۱۷۳۱۲ ...... تحفۃ الاشراف: ۱۲۱/۱۴ حدیث: ۱۷۷۱۸ ...... تخریج احادیث الاحیاء: ۱۳۸/۲ حدیث: ۶۳۸۔

یوں بھی آیا ہے :

أحب الأعمالِ إلى رسول اللّٰه -صلى الله عليه وسلم- أدومها و إن قل . (مسند احمد: ۳۱۰/۵۱ حدیث: ۲۴۱۵۳ ...... صحیح ابن حبان: ۱۵۷/۷ حدیث: ۱۶۰۳ ...... حدیث اسماعیل بن جعفر: ۱۹۹/۱ حدیث: ۱۹۵)

صحیح ابن خزیمہ میں یوں ہے :

إن أفضل الأعمالِ أدومها . (۵۱/۵ حدیث: ۱۲۱۳)

اور مسند عبداللہ بن مبارک میں یوں ہے :

إن أحب الأعمالِ عند الله أدومها و إن قل . (۸۰/۱ حدیث: ۷۹)

(۲) سورۂ حدید؛ ۲۷/۵۷۔

اور راہب بننا' تو یہ بات انھوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی ہاں یہ بدعت انھوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی پھر اسے نہ نبھایا جیسا کہ اسے نباہنے کا حق تھا۔

یہ آیت جس طرح بدعت حسنہ کے جواز کی دلیل ہے اسی طرح اس پر بھی دلیل ہے کہ اگر کوئی نیک کام اپنی طرف سے ایجاد کرے تو اس کا نباہ اور حق ادا کرنا بھی مناسب ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے خاص اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور اپنی نفس کشی کے واسطے اپنی طرف سے یہ ایجاد کیا کہ پہاڑوں اور جنگلوں میں اکیلے جا بیٹھتے، موٹے کپڑے پہنتے، نکاح نہ کرتے لیکن انجام کار پوری حق گزاری ادا نہ ہوئی تب اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا کہ انھوں نے بدعتیں تو ہماری رضا مندی کے لیے ایجاد کیں اور ہم نے ان کا حکم نہیں دیا تھا، پھر ان کو نہ نباہا جس طرح نباہنا چاہیے تھا۔

دیکھیے اس میں ایک دلیل تو یہ پیدا ہوئی کہ بعض بدعتیں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے بھی ہوتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر ایسی بدعت نکالی تو اس کا پوری طرح نباہ کرے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس بات پر ملامت نہ فرمائی کہ انھوں نے یہ بدعتیں کیوں ایجاد کیں بلکہ ملامت اس بات پر فرمائی کہ انھوں نے اس کو نباہنے کی طرح نباہا نہیں۔

جب یہ مضمون قرآن سے ثابت ہو گیا تو معلوم کرنا چاہیے کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے نمازِ تراویح تین رات پڑھ کر چھوڑ دی تھی، نہ اس میں یہ بیان ہوا تھا کہ اول شب میں ان کو پڑھنا چاہیے یا آخر شب میں۔ اور رمضان کی تمام راتوں میں پڑھنا چاہیے یا کسی رات میں پڑھ لینا کافی ہے، اور نہ قراءت کی مقدار ہی بیان ہوئی تھی کہ ختم قرآن ہو یا نہ ہو، اور نہ ہی یہ بیان ہوا تھا کہ اپنے گھر میں پڑھیں یا مسجد میں۔ اور نہ اس کے لیے جماعت ہی کا کچھ اہتمام وانتظام ارشاد ہوا تھا۔ اور اسی طرح حضرت ابو بکر -رضی اللہ عنہ- کے دور میں بھی رہا۔ پھر حضرت عمر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- نے اس میں زیادہ اہتمام کیا، تمیم داری کو حکم دیا کہ عورتوں کو تراویح پڑھائیں اور ابی بن کعب کو حکم دیا کہ مردوں کو نمازِ تراویح پڑھائیں۔ مردوں کو مسجد میں تراویح کا حکم دیا جب کہ پہلے صحابہ اپنے اپنے گھروں میں بلا جماعت پڑھتے تھے۔ اور حضرت عمر نے مسجد میں قندیل روشن کیے۔

''حجۃ اللہ البالغہ'' میں ہے کہ یہ بھی حکم دیا کہ عشا کے بعد' شروع رات میں پڑھا کرو، یعنی بطور تہجد پچھلی رات کو مت پڑھو۔ غرض کہ جب حضرت عمر نے اس نماز کو- جسے حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- نے کچھ پڑھ کر چھوڑ دی تھی- جاری فرمائی، اور بعض خصوصیات وتعینات اس میں زیادہ فرمائیں، تو اب

اس میں ہیئت کذائی جدید عارض ہو جانے کی وجہ سے آپ نے بزبان خود اس کو بدعت فرمایا لیکن تعریف کے ساتھ فرمایا :

نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ . (۱)

یعنی کیا ہی خوب بدعت ہے یہ!۔

اس وقت صحابہ میں ٹھہرا کہ دیکھو اس نماز کو تم نے اہتمام، جماعت اور قیود کے ساتھ خود کیا ہے لہٰذا اب اس کو ترک نہ کرنا چاہیے اور خوب مداومت کے ساتھ پڑھنا چاہیے، ایسا نہ ہو جیسا بنی اسرائیل کچھ باتیں ایجاد کر کے پھر اس پر پورے عامل نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عتاب کیا: مارعوها حق رعايتها کہ انھوں نے اس کو ویسا نہ نباہا جیسا کہ نباہنے کا حق تھا۔ یہ قصہ "کشف الغمہ" اور تفسیر روح البیان کی سورۂ حدید میں مذکور ہے :

و كان أبو أمامة الباهلي -رضي الله عنه- يقول أحدثتم قيام رمضان و لم يكتب عليكم فدوموا على ما فعلتم و لا تتركوه فإن الله عاتب بني إسرائيل في قوله : وَ رَهْبَانِيَّةَ ٰنِابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا -انتهىٰ- (۲)

جب آیت کریمہ کے معنی اور اس سے احداث بدعت حسنہ کے جائز ہونے کے سلسلہ میں صحابہ کا استدلال اور اس کی تاکید مداومت سن چکے تو اب مسئلہ میلاد شریف کا حال سنو کہ حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- نے ماہِ ربیع الاول میں کوئی عمل مقرر نہیں فرمایا تھا۔ ابن حاج -رحمۃ اللہ علیہ- نے اس کا عذر بیان کر دیا ہے کہ حضور -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کو اندیشہ تھا کہ کہیں میرے کرنے سے

---

(۱) موطاامام مالک: ۱/ ۳۴۰ حدیث: ۲۳۱......صحیح بخاری: ۷/ ۱۳۵ حدیث: ۱۸۷۱......معجم طبرانی: ۱۱/ ۵۴ حدیث: ۱۳۳۸۷...... شعب الایمان: ۷/ ۲۷۱ حدیث: ۳۱۲۲......الصیام فریابی: ۱/ ۱۵۷ حدیث: ۱۴۸...... المدخل : ۱/ ۱۹۱ حدیث: ۱۹۰...... فضائل الاوقات بیہقی: ۱/ ۲۷۴ حدیث: ۲۲۴...... فوائد محمد بن مخلد: ۱/ ۶ حدیث: ۵......قیام رمضان مروزی: ۱/ ۲۰ حدیث: ۱۶......نصب الرایہ: ۳/ ۲۲۸......تلخیص حبیر: ۲/ ۱۲۲ حدیث: ۵۵۱......تحفۃ الاشراف: ۹/ ۴۵۴ حدیث: ۱۰۵۹۴......روضۃ المحدثین: ۱/ ۵۰۰ حدیث: ۵۰۰۔
نعم البدعة هذه کے الفاظ بھی درج ذیل کتابوں میں ملتے ہیں۔ (سنن بیہقی: ۲/ ۴۹۳۔ مصنف عبدالرزاق: ۴/ ۲۵۹ حدیث: ۷۷۲۴...... صحیح ابن خزیمہ: ۴/ ۲۴۷ حدیث: ۱۰۳۶...... معرفۃ السنن والآثار: ۴/ ۲۰۶ حدیث: ۱۴۴۲......کنز العمال: ۸/ ۴۰۸ حدیث: ۲۳۴۶۶)
(۲) تفسیر قرطبی: ۱۷/ ۲۶۴۔

امت پر فرض نہ ہو جائے، لیکن اس کی فضیلت کا اشارہ یہ دے دیا کہ میں پیر کے دن اس لیے روزہ رکھتا ہوں کہ اس میں پیدا ہوا ہوں یعنی اس سے امت کو اشارہ مل گیا کہ جب ہفتہ کے سات دنوں میں یہ ایک دن ولادت مبارکہ ہونے کے باعث محل عبادت شکریہ ہو گیا تو برس دن کے بارہ مہینوں میں ایک دو مہینہ بھی بلاشبہہ محل عبادت شکریہ ہوگا جس میں میلاد شریف ہوا۔

اس اصل و بنیاد پر اہل اسلام نے اس مہینہ میں مجلس شکریہ - جو چند عبادات بدنیہ و مالیہ پر مشتمل ہوتی ہے - ایجاد کی اور اکابر علما، محدثین اور فقہا - جن کا نام ہم خاتمہ میں شمار کریں گے - اس کے بانی، جائز کرنے والے اور ثنا خواں ہوئے۔ اور اہل کشف اولیاء اللہ نے مکاشفات [1] و منامات میں رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کو اس سے راضی پایا۔ غرض کہ علماے طریقت و شریعت کے اتفاق سے یہ عمل مستحسن ٹھہرا؛ لہٰذا اس پر بھی آیت کریمہ والا وہی مضمون صادق آیا: **ابتدعوها ما كتبناها عليهم إلّا ابتغاء رضوان اللّٰه** اور تراویح کے سلسلے والا قصہ صحابہ اس کے مطابق ہوا۔ تو اگر ہم اس عمل پاک پر مداومت نہ کریں اور ہر سال بطورِ اوراد معینہ ادا نہ کریں تو ہم کو بھی وہی اندیشہ ہوگا جو ابوامامہ باہلی کو ہوا جس کے سبب انھوں نے فرمایا :

**دُوْمُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ وَ لاَ تَتْرُکُوْہُ .**

یعنی اب اسے برابر کرتے رہو کبھی چھوڑنا نہیں۔

رہا طیبی کا یہ قول :

**من أصر علی مندوب و جعل عرفا و لم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان .** (۲)

یعنی جو آدمی کسی امر مستحب کو واجب جان کر کرتا رہے کبھی ترک نہ کرے تو یقیناً اس میں شیطان کا دخل ہے۔

تو علامہ طیبی نے یہ بات عبد اللہ بن مسعود - رضی اللہ تعالی عنہ - سے پیدا کی ہے کہ انھوں نے فرمایا :

---

(۱) **حاشیہ** : اس عاجز نے کچھ اولیا کے قصے اس قسم کے دیکھے ہیں کہ ان واقعات و منامات میں رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کو عمل مولد شریف سے خوش پایا ہے۔ یہ کتابوں میں دیکھے ہیں اور اس وقت بھی چند صلحاے وقت کو اس محفل شریف کی بشارت ہوئی ہے۔ ۱۲ منہ

(۲) فیض القدیر: ۲/۲۷۲۔ مگر اس میں **وجعل عرفا** کا لفظ نہیں آیا۔

تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ کرے یعنی یہ عقیدہ جمالے کہ سلام پھیرنے کے بعد داہنی طرف پھرنا واجب ہے کیوں کہ میں نے رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کو بہت دفعہ سلام پھیر کر بائیں طرف مڑتے بھی دیکھا ہے - انتہیٰ - (۱)

اب ہم سے اس کی تحقیق سنو۔ نماز کے بعد داہنی طرف پھر جانے سے جو عبد اللہ بن مسعود -رضی اللہ عنہ- نے منع فرمایا تو اس میں دو باتیں خلاف شرع تھیں۔ ایک تو یہ کہ داہنی طرف سے پھرنا سنت ہے، پھر اگر کوئی اس کو واجب اعتقاد کرے گا تو ظاہر ہے کہ وہ حکم شرع کو بدل دے گا۔ یہ دیکھو تمہارے مسلم الثبوت عالم مولوی قطب الدین خان صاحب اس حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں :

سنت میں واجب ہونے کا اعتقاد نہ کرے - انتہیٰ - (۲)

دوسرے یہ کہ عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ میں نے بہت دفعہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کو بائیں طرف سے پھرتے دیکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بائیں طرف سے پھر جانا بھی سنت ہے حالاں کہ جو شخص داہنی طرف سے پھر جانا واجب اعتقاد کرے گا اس کے نزدیک بائیں طرف سے پھرنا قانون شرع کے مطابق مکروہ تحریمی ٹھہرے گا کیوں کہ واجب کا عمداً ترک مکروہ تحریمی ہوتا ہے تو اس کے اعتقاد کے مطابق رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کا فعل یعنی بائیں طرف سے پھرنا جو کہ سنت تھا وہ مکروہ تحریمی ٹھہرتا تھا، ان دونوں قباحتوں کی وجہ سے صحابی موصوف نے منع فرمایا کہ تم ایسے اعتقاد کر کے شیطان کا حصہ یعنی گمراہی اپنے دین میں پیدا نہ کرو۔ اس حدیث کے موافق طیبی نے فرمایا :

من أصر على مندوب - الیٰ آخرہ -

تو جو معنی اثر صحابی کے ہیں کہ سنت کو واجب اعتقاد نہ کرے وہی معنی کلام طیبی کے بھی ہوئے۔

---

(۱) کنز العمال: ۲۶۸/۸ حدیث: ۲۲۸۵۹ ...... صحیح مسلم: ۱۶/۴ حدیث: ۱۱۵۶ ...... سنن ابوداؤد: ۲۳۰/۳ حدیث: ۸۷۸ ...... مصنف عبد الرزاق: ۲۴۰/۲ حدیث: ۳۲۰۸ ...... صحیح ابن خزیمہ: ۳۰۵/۶ حدیث: ۱۶۲۰۔

حدیث کے الفاظ کچھ یوں ہیں :

لا يجعلن أحدكم للشيطان من نفسه جزء لا يرى إلا أن عليه حقا أن ينصرف عن يمينه ، قد رأيت رسول الله -صلى الله عليه وسلم- أكثر ما ينصرف عن شماله .

(۲) مظاہر حق حصہ اول: ۳۲۹ - باب الدعا فی التشہد - مطبع آسی لکھنؤ۔

اور اگر کوئی شخص مستحب کو مستحب جان کر مداومت کرے تو کلامِ طیبی سے اس کی برائی ثابت نہیں ہوتی۔ اور ہو بھی کیسے! جب خود حدیث شریف میں عمل کا دوام محبوب ثابت ہو چکا ہے۔

مولوی قطب الدین خان صاحب اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

اس حدیث کے سبب اہل تصوف ترک اوراد کو ایسا ہی برا جانتے ہیں جیسے ترک فرائض کو۔ انتہیٰ - (۱)

ہم کہتے ہیں تو اسی طرح اہل مولد بھی میلاد کے وظیفہ معمولہ کو ترک کرنا اچھا نہیں جانتے۔

## براہین قاطعہ گنگوہی کے اعتراضات مع جوابات

[۱] یکشنبہ کا عید ہونا نیز صوم عاشورا بحکم الٰہی تھا۔

جواب: اگر بحکم الٰہی نہ ہوتا تو ہم اس پر قیاس بھی نہ کرتے، اور جب وہ بحکم الٰہی ہوا تو یہ استنباط بالکل صحیح ہو گیا کہ حصول نعمت کا شکریہ اور دائمی طور پر ہر سال خوشی منانا بحکم الٰہی ہے؛ لہٰذا ان افرادِ سابقہ کو نظیر قرار دے کر وہی حکم نعمتِ نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کے وجود میں بھی جاری کیا۔

[۲] یکشنبہ کا عید ہونا منسوخ ہو چکا اور شریعت عیسیٰ -علیہ السلام- منسوخ ہو چکی۔

جواب: اس میں کچھ حرج نہیں۔ اگر ان کے لیے مائدہ نازل ہونے والا دن عید ٹھہرا تو ہمارے لیے جس رات کو مادۂ وجود نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- شکم جناب آمنہ میں نزول فرما ہوا اس کی صبح یعنی جمعہ کا دن عید ٹھہرایا گیا۔ اور صحیح تر یہ ہے کہ حضرت آمنہ کے صدفِ رحم میں درۂ محمدیہ کا استقرار شب جمعہ ہوا تھا جیسا کہ مدارج النبوۃ میں ہے۔ اس سے قطع نظر اگر پہلی ملتیں نسخ ہو گئیں تو جملہ ملتوں کا ہر حکم تو نسخ نہیں ہو جاتا۔ ہم کہتے ہیں کہ نعمت ملنے کے دن کا شکریہ ادا ہونا کبھی نسخ نہیں ہوا؛ اور یہ خود آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے فعل سے ثابت ہے کہ آپ نے نجات موسیٰ کے شکرانے میں روزۂ عاشورا رکھا۔

[۳] یہود نے حضرت سے کہا تھا: **نحن نصومه** فقط اب اس پر **شکراً للّٰه تعالیٰ** مولف انوارِ ساطعہ نے افترا علی الحدیث کیا ہے۔ براہین قاطعہ صفحہ ۱۹۴۔

جواب: یہود کا **نحن نصومه شکرا للّٰه تعالیٰ** کہنا خود ابن حجر عسقلانی -رحمۃ اللہ علیہ-

(۱) مظاہر حق حصہ اول: ۱/۴۲۷ - باب القصد فی العمل - مطبع آسی لکھنؤ۔

نے نقل کیا ہے۔ پھر ان سے جلال الدین سیوطی - طاب اللہ ثراہ - نے ''حسن المقصد'' میں نقل کیا ہے، نیز علی قاری - نور اللہ مرقدہ - نے ''مورد الروی'' میں بھی نقل کیا ہے۔ ذرا کتابوں پر نظر بھی چاہیے یوں ہی زبان اٹھا کر مفتری کہہ دینا اچھا نہیں، قیامت کو ہر لفظ کا محاسبہ ہوگا۔(۱)

واضح ہو کہ لفظ شکراً للہ کی جگہ تعظیماً کا لفظ بھی روایت میں آیا ہے۔ **نحن نصومه تعظیما له** کی عبارت بخاری و مسلم نے اپنی صحیح میں، حضرت غوث الثقلین نے ''غنیۃ'' میں اور ابو اللیث سمرقندی نے ''تنبیہ الغافلین'' میں روایت کی ہے۔ اور شکراً للّٰہ کی طرح یہ روایت بھی وہی معنی دیتی ہے۔(۲)

تنبیہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے صوم عاشورا' شکرا و سرور انہیں رکھا اور **أحق بموسیٰ منکم** کے معنی یہ ہیں: **اتباعا ، لا سروراً و شکراً** . صفحہ ۱۶۵۔

جواب: آپ انکار فرماتے ہیں اور مذہب حنفی کے ایک بڑے امام ابو جعفر طحاوی - رحمۃ اللہ علیہ - ''شرح معانی الآثار'' - مطبوعہ مصطفائی - کے صفحہ ۳۳۷ پر ہمارے معنی کی تصریح فرماتے ہیں :

> **ففي هذا الحديث أن رسولَ اللّٰه -صلى الله عليه وسلم- إنما صامه شكرا لله -عزوجل- في إظهار موسىٰ على فرعون .** (۳)

---

(۱) علاوہ ازیں شکراً للہ کی تفصیل ذیل کی کتابوں میں بھی موجود ہے :
صحیح بخاری:۱۱/۱۹۵حدیث:۳۱۴۵......مسند احمد:۱۷/۴۰۲حدیث:۸۳۶۰......سنن کبریٰ نسائی:۲/۱۵۷حدیث: ۲۸۳۵......تہذیب الآثار طبری:۲/۹۵حدیث:۱۰۶۳......صحیح ابن حبان:۱۵/۲۴۹حدیث:۳۶۹۵......کنز العمال: ۸/۵۷۶حدیث:۲۴۲۵۶......مجمع الزوائد:۳/۱۸۴......مسند الجامع:۴۱/۴۰۰حدیث:۱۳۴۹۵......فتح الباری ابن حجر:۶/۲۸۴حدیث:۱۸۶۵......شرح ابن بطال:۷/۳......فیض القدیر:۳/۴۵......شرح معانی الآثار:۳/۲۷ -باب صوم یوم عاشورا-......تفسیر بغوی:۳/۲۷۳......تفسیر آلوسی:۶/۳۳۱......تفسیر البحر المحیط:۵/۴۳۵......نظم الدرر بقاعی:۳/۲۶۴......تفسیر نسفی:۱/۳۸۸......تفسیر نیساپوری:۱/۲۱۹......تفسیر کشاف:۲/۲۸۱......تفسیر ابو السعود:۳/۳۶......تفسیر درمنثور:۱۰/۲۵۲......تفسیر خازن:۱/۴۱......تفسیر اضواء البیان:۹/۹......تفسیر مقاتل:۲/۴۸۳......تفسیر الاعقم زیدی:۱/۲۲۱......تفسیر ہمیان الزاد اباضی:۱/۳۰۵......تفسیر معالم التنزیل:۳/۱۷۹......الانصاف فیما قیل فی المولد من الغلو والاجحاف:۱/۵۶......اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفۃ اصحاب الجحیم:۱/۳۶۱......حواشی الشروانی:۷/۴۲۳...... تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج:۳۱/۳۷۷......قصص الانبیاء:۱/۱۱۳......سبل الہدیٰ والرشاد:۱/۳۶۶......زاد المعاد:۲/ ۶۳......ثقات ابن حبان:۱/۱۴۵......البدایۃ والنہایۃ:۱/۱۳۲......نہایۃ الارب فی فنون الادب:۱/۳۷۔

(۲) صحیح بخاری:۱۲/۳۳۳حدیث:۳۶۴۹......صحیح مسلم:۵/۴۷۲حدیث:۱۹۱۰......سنن ابوداؤد:۶/۴۲۸ حدیث: ۲۰۸۸......سنن کبریٰ نسائی:۲/۱۵۶حدیث:۲۸۳۴......صحیح ابن خزیمہ:۷/۳۳۴حدیث:۳۰۳۱۔

(۳) شرح معانی الآثار:۳/۲۷-باب صوم یوم عاشورا-

یعنی رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے فرعون پر حضرت موسیٰ کو غلبہ عطا کیے جانے کی خوشی میں بطور شکر الٰہی روزہ رکھا تھا۔

پھر اکیس سطر کے بعد لکھا :

**و قد أخبر ابن عباس في حديثه بالعلة التي من أجلها كانت اليهود تصومه إنها على الشكر منهم لله تعالىٰ في إظهاره موسىٰ على فرعون ،و أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- أيضا صامه ، كذلك ، و الصوم للشكر اختيارٌ لا فرض .** (۱)

یعنی حضرت ابن عباس نے اپنی حدیث میں اس سبب کو بھی بیان فرمایا دیا جس کی وجہ سے یہود روزہ رکھا کرتے تھے، کہ وہ دراصل شکرانے کا روزہ تھا جو اللہ نے فرعون پر موسیٰ کو غلبہ بخشا تھا۔ اور رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے بھی یوں ہی شکریہ کے طور پر روزہ رکھا۔ اور شکر کا روزہ کوئی فرض نہیں بلکہ اختیاری ہوتا ہے۔

تو جس طرح ابن حجر اور سیوطی کے کلام سے سمجھا گیا تھا اسی طرح مذہب حنفی کے امام کبیر سے بھی ثابت ہو گیا کہ یہود اس روزہ کو بطورِ شکریہ رکھتے تھے، پھر حضرت نے بھی شکریہ کے طور پر رکھا۔

اور خود مولف براہین نے صفحہ ۱۶۵ کی سولھویں سطر پر بیان کیا کہ :

رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے فرمایا: ہم موسیٰ کے متبع ہیں۔ انتہیٰ۔

یہ بات معلوم ہے کہ موسیٰ -علیہ السلام- نے شکراً روزہ رکھا تھا کہ ان کو نجات ملی تھی۔ براہین کے صفحہ ۱۶۴ پر ہے :

**فصامه موسىٰ شكرا .**

یعنی موسیٰ نے شکریہ کے طور پر روزہ رکھا تھا۔

تو علتِ اتباع اور اس تقریر سے حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کا روزہ بھی شکراً ہو گیا کیوں کہ تابع و متبوع کا حکم ایک ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ وہ روزہ ہم بھی رکھتے ہیں تو ہزار ہا سال گزر جانے کے باوجود وہ شکریہ اب تک باقی ہے۔ پھر نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کے وجود باجود کی نعمت کا شکریہ اگر ہمیشہ جاری رہے تو کیا بڑی بات ہے!، اور اس کا شرع سے کیا منافات (ٹکراؤ)۔

---

(۱) شرح معانی الآثار: ۲۹/۳- باب صوم یوم عاشورا-

## لمعہ سادسہ :

اعتراض کرتے ہیں کہ قیام بدعت سیئہ اور شرک ہے، چند دلیلوں میں سے ایک یہ ہے کہ محفل میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا شرک ہے؛ اس لیے کہ یہ عبادت ہے اور خاص نماز کی صورت ہے اور غیر اللہ کے لیے عبادت' شرک فی العبادۃ ہے۔

دوسری قباحت نجم الدین قنوجی نے یہ لکھا کہ قیام کرنے والے یوں سمجھتے ہیں گویا اسی وقت پیغمبر خدا -صلی اللہ علیہ وسلم- شکم مادر سے باہر تشریف لاتے ہیں اور یہاں حاضر ہیں اور یہ کفر وشرک ہے۔

تیسری قباحت یہ کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ نبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کی روح محفل میں آیا کرتی ہے اور یہاں حاضر ہے اور یہ اعتقاد شرک ہے۔

**جـــــــواب:** ان امور کا جواب یہ ہے کہ ذکر اللہ اور ذکر رسول اللہ اگر کوئی کرے وہ تین حالتوں سے خالی نہیں یا کھڑا ہو کر کرے یا بیٹھ کر یا لیٹے ہوئے۔ ان تینوں حالتوں کی نسبت' اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا ہے :

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَاماً وَّ قُعُوداً وَّ عَلٰى جُنُوبِكُمْ . (۱)

تو اللہ کی یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے۔

لیکن لیٹ کر پڑھنے کے اذکار تو وہ ہیں جو خاص سونے کے وقت احادیث میں آئے ہیں، یا کوئی تھکا ہوا سستی چڑھا ہوا یا مریض ہو؛ اس لیے کہ جب آدمی تندرست اور چاق ہوتا ہے تو ذکر اللہ اور ذکر رسول اللہ لیٹ کر کرنا ادب نہیں سمجھتا چنانچہ نماز میں بھی قیام وقعود تو تجویز ہوا، لیٹنا نہ ہوا مگر مریض کے واسطے۔ تو عبادت کے لیے ادب کی دو حالت مقرر ہوئیں، قیام اور قعود۔ اب اس کی تین شکلیں ہیں: یا تو پورا ذکر قیام کی حالت میں کرے، یا پورا قعود میں، یا کچھ قیام میں اور کچھ قعود میں۔ یہ تینوں شکلیں کلام اللہ کے مضمون میں داخل ہیں۔ ان میں کی ایک شکل' جلسہ میلاد شریف پر بالکل منطبق ہے کیوں کہ اس میں کچھ روایات ومعجزات بیٹھ کر پڑھے جاتے ہیں اور کچھ درود وسلام یا مدح کھڑے ہو کر۔ مندرجہ آیت کریمہ کے تین مضامین میں سے یہ ایک مضمون ہوا، اور کتاب الٰہی

(۱) سورۂ نساء؛۴/۱۰۳۔

سے ثابت شدہ افرادِ ثلاثہ میں سے ایک فرد ہوا؛ لہٰذا لفظ بدعت کا اطلاق اس پر صحیح نہیں۔ بدعت وہ ہے جس کی کتاب و سنت سے لفظاً و اشارۃً کوئی سند نہ ہو۔ جیسا کہ مولوی اسحٰق صاحب نے ''مائۃ مسائل'' میں لکھا ہے۔

ہاں! ایک وجہِ خاص کے سبب کہ چوں کہ وہ قیام خاص اسی وقت کیا جاتا ہے جب میلاد شریف کا ذکر آتا ہے نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد، نیز مداومت کرنے کے باعث کہ دائمی قیام کیا جاتا ہے، تو اگر اس مناسبت سے لفظ بدعت کا اس پر اطلاق کریں تو صحیح ہے۔ لیکن جمہور اسلام کے مفتیٰ بہ اور مذہب صحیح کے مطابق بدعت دو طرح کی ہوتی ہے: سیئہ اور حسنہ۔ بدعت سیئہ وہ ہے جو قرآن، حدیث یا اجماع کے خلاف ہو، لیکن یہ بات تو اس قیام میں نہیں۔ اس لیے کہ اگر کوئی قرآن کی آیت یا کوئی حدیث اس سلسلہ میں آئی ہوتی کہ ایسے موقع میں کھڑے ہو کر مدح و سلام پڑھنا منع ہے یا اس بات پر علماے امت کا اجماع ہو گیا ہوتا تب تو اس کی مخالفت کی وجہ سے قیام کا یہ حکم استحباب' بدعت سیئہ ہوتا لیکن اس خاص موقع کے لیے کوئی نہی ہرگز وارد نہیں۔ کیا عجمیوں کے قیام مروجہ کے علاوہ' قیام تعظیمی کے لیے شرع میں نہی وارد نہیں ہوئی؟ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں لکھا ہے۔ پس جب کہ نہی ثابت نہیں ہوئی تو جمہور حنفیہ و شافعیہ کے علماے فقہ کے قواعد مقررہ اور اصول مسلمہ کے مطابق کہ ''اشیا میں اصل اباحت ہے'' یہ قیام مباح امر ٹھہرا اور بدعت سیئہ نہ ہوا؛ بلکہ شان نبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کی تعظیم کی نیت شامل ہونے کی وجہ سے مستحب اور مستحسن ہو گیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نصوص قرآنی: وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ اور مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ ناطق ہیں کہ شرعاً آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی تعظیم مطلوب ہے؛ اسی لیے مجمع البحار کی جلد دوم -تحقیق لفظ صدق- میں لکھا:

فتعظيمه -صلى الله عليه وسلم- أفضل القرب .

یعنی آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی تعظیم افضل عبادات و قربات میں سے ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں لکھتے ہیں:

و ذكر النبي -صلى الله عليه وسلم- بالتعظيم و طلب الخير من الله تعالىٰ في حقه آلة صالحة للتوجه إليه . (۱)

---

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ: ۱۳۹۔

یعنی نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کا تعظیم وادب کے ساتھ ذکر اور آپ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے طلب خیر کرنا آپ کی توجہ کے لیے عمدہ آلہ ہے۔

قاضی عیاض نے ''شفا'' میں لکھا :

**واجب على كل مومن عند ذكر النبي -صلى الله عليه وسلم- أن يتوقر و يأخذ في هيبته و إجلاله .** (۱)

یعنی ہر مسلمان پر واجب ہے کہ نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کے ذِکر کی توقیر کرے، اور دل میں ان کی ہیبت و بزرگی بٹھائے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی تعظیم وتوقیر مطلوب ہے تو یہ قیام بھی تعظیم شانِ رسول کا فائدہ دینے کی وجہ سے مطلوب ہوا۔ تو اب اگر اس قیام کو اس سبب سے کہ خاص اس موقع میں صدرِ اول سے منقول نہیں' بدعت کہیں گے، تو تعظیم کے قاعدۂ شرعیہ کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے اسے احسن و مستحسن بھی کہیں گے۔ بیان بدعت کے سلسلہ میں ''مجمع البحار'' اور ''شرح مسلم نووی'' کی عبارتیں گزر چکیں کہ بدعت حسنہ کی ایجاد میں ثواب ملتا ہے خواہ وہ تعلیم علم کا طریقہ ہو، یا عبادت یا ادب کا، **سواء كان ذلک تعلم علم أو عبادة أو أدب** تو یہ قیام جو ایجاد کیا گیا یہ ادب کا طریقہ ہے لہٰذا یہ مستحسن ہوا۔

چنانچہ مولد کبیر ابن حجر، سیرت حلبی، تفسیر روح البیان، اور عقد الجوہر وغیرہ میں اس کے استحسان پر تصریح موجود ہے، اور اسی پر حرمین شریفین اور جملہ اسلامی ملکوں کا عمل ہے- ان ملکوں کا ذکر اس رسالہ میں ملا علی قاری وغیرہ کے کلام سے نقل کیا گیا ہے- بھلا جو عمل سوادِ اعظم کے اتفاق سے مستحب اور مستحسن ہو اس کو بدعت سیئہ اور بدعت ضلالت کہنا انصاف ودیانت کے کس قدر خلاف ہے۔ اور اس کا شرک وکفر کہنا تو فضولِ محض ہے؛ اس لیے کہ شرح عقائد نسفی میں شرک کے معنی یہ لکھے ہیں :

کسی کو خدائی میں شریک کرے یعنی جیسے اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے ایسا ہی کسی دوسرے کو بھی مستقل بالذات واجب الوجود سمجھے، یا جس طرح خدا کو مستحق عبادت جانتے ہیں یوں ہی کسی دوسرے کو بھی مستحق عبادت جانے - انتہیٰ -

---

(۱) شفا قاضی عیاض: ۲/۴۰۔

اور ذکر ولادت شریف کے وقت کھڑے ہوکر مدح وسلام پڑھنے میں یہ دونوں باتیں نہیں پھر شرک کیسا! ۔ اور اگر متقدمین یعنی عقائد حنفی کا کلام نہیں سنتے تو اپنے متاخرین ہی کا کلام سنو۔

مولوی اسماعیل صاحب ''تقویۃ الایمان'' کی - فصل شرک فی العبادۃ - میں کہتے ہیں :

اللہ کی سی تعظیم کسی اور کی نہ چاہیے اور جو کام اس کی تعظیم کے ہیں وہ اوروں کے واسطے نہ کیجیے - انتہیٰ -

## قیام کی ایک اچھوتی تحقیق

اب قیام کو دیکھنا چاہیے کہ خاص اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہے یا کسی اور کے لیے بھی ۔ اور دست بستہ قیام عبادت بھی ہے یا نہیں ۔ مولوی اسماعیل صاحب کے دادا پیر شاہ عبد العزیز ''تفسیر عزیزی'' کے پارۂ الم میں لکھتے ہیں :

در حقیقت چیزے کہ نماز از غیر نماز تمیز پیدا کند ہمیں دو فعل اندر کوع وسجود وقیام اختصاص بہ نماز بلکہ بعبادت ہم ندارد - انتہیٰ -

علامہ حلبی نے ''شرح کبیر منیہ'' میں لکھا ہے :

**و القیام لم یشرع عبادۃ وحدہ و ذلک لأن السجود غایۃ الخضوع حتی لو سجد لغیر اللہ یکفر بخلاف القیام .**

شاہ صاحب اور علامہ حلبی کی عبارتوں سے ظاہر ہوگیا کہ قیام فی نفسہٖ عبادت نہیں اور نہ نماز اور عبادت کے ساتھ اس کو کچھ خصوصیت ہے ۔ تو قیام کو اللہ کی خاص تعظیموں میں شمار کرنا خود اپنے بزرگوں کے کلام کو رد کرنا ہے ۔

خلاصہ یہ کہ نماز میں قیام جو عبادت گنا جاتا ہے تو وہ چند قیود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے عبادت گنا گیا ہے ۔ طہارت کاملہ اور استقبال قبلہ کا شرط ہونا، قراءت کا واقع ہونا اور رکوع وسجود کی تکرار کے لیے وسیلہ ہونا ۔ اگر نماز میں ان باتوں کا خیال نہ ہوتا تو نماز میں قیام مشروع نہ ہوتا بخلاف سجدہ ورکوع کے کہ یہ خود اصل عبادت مقصودہ ہیں جو خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے ؛ اس لیے قرآن وحدیث اس پر ناطق ہیں کہ غیر اللہ کو سجدہ جائز نہیں ۔ اب سجدہ کا حال کتب معتبرہ سے سنیے ۔

مولوی اسحٰق صاحب ''مائۃ مسائل'' کے تینتیسویں (۳۳) مسئلہ میں لکھتے ہیں :

سجدہ کردن غیر خدا را قبر باشد یا غیر قبر حرام وکبیرہ است واگر بہ جہت عبادت غیر خدا

راسجدہ کند موجب کفر وشرک است - انتہیٰ -

یعنی غیر خدا کو سجدہ کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے خواہ وہ قبر ہو یا قبر کے علاوہ کچھ اور۔ اور عبادت کی نیت سے غیر خدا کا سجدہ کفر وشرک کا باعث ہے۔

یہی مضمون تفسیر عزیزی پارۂ الم میں بھی ہے۔

اب دیکھیے کہ ان کے بزرگوار تو عین سجدہ میں بھی تفریق کرتے ہیں کہ عبادت کے لیے دوسرے کو سجدہ کرنا شرک ہے اور عبادت کی نیت نہ ہو تو حرام ہے مگر شرک نہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات کی جلد ثانی کے مکتوب نو دو دوم (۹۲) میں لکھتے ہیں :

بعضے از فقہا ہر چند سجدہ تحیت بہ سلاطین تجویز نمودہ اند اما لائق حال سلاطین عظام آن است کہ دریں امر بحضرت حق سبحانہ وتعالیٰ تواضع نمایند - انتہیٰ - (۱)

یعنی ہر چند کہ بعض فقہا نے سلاطین کے لیے سجدۂ تعظیمی کو جائز کر رکھا ہے لیکن سلاطین عظام کے یہ شایان شان نہیں کہ وہ لوگوں سے کراتے پھریں کیوں کہ سجدہ تو صرف حق سبحانہ وتعالیٰ ہی کے لیے ہونا چاہیے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بعض فقہا نے بادشاہوں کو سجدہ کرنا بھی جائز لکھا ہے لیکن حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کو تواضع اور عاجزی چاہیے کہ لوگوں سے سجدے نہ کروائیں۔ جب عبادت مخصوصہ یعنی سجدہ جو خاص اللہ کا حق تھا بغیر نیت عبادت کے شرک نہ ہوا بلکہ بقول حضرت مجدد بعض فقہا نے جائز بھی لکھا؛ تو صرف قیام - جو اصل عبادت بھی نہیں - بھلا شرک اور کفر کس طرح ہو سکتا ہے!۔ افسوس ان زبان درازوں کی تعدی اور عدم مبالات پر۔

## سجدہ پہلے حرام نہ تھا اب حرام ہے

واضح ہو کہ پہلی امتوں میں دوسروں کے واسطے سجدۂ تعظیمی بھی جائز تھا۔ مصر میں یوسف -علیہ السلام- کے پاس ان کے باپ یعقوب -علیہ السلام- ، ان کے خالہ اور سب بھائی آئے، جب یوسف -علیہ السلام- سے ملاقات ہوئی تو اس وقت کا حال قرآن میں یوں ہے :

وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّداً . (۲)

---

(۱) مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم: ۲۳۵۔ ترکی۔

(۲) سورۂ یوسف: ۱۲/۱۰۰۔

یعنی حضرت یوسف کے والد، خالہ اور بھائی سب کے سب آپ کے آگے تعظیماً سجدے میں گر پڑے۔

اسی طرح جب حضرت آدم - علیہ السلام - کے لیے فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا :

وَ إِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِآدَمَ . (۱)

اور (یاد کرو) جب، ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔

تو اس وقت شیطان ملعون کے سوا تمام فرشتوں نے آدم کا سجدہ کیا۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے :

فَسَجَدُوْا إِلَّا إِبْلِيْسَ . (۲)

تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔

یہ ذات شریف اس وقت غرور میں رہی، سجدہ نہ کیا، لعنت کا طوق گلے میں پڑا اور جہنمی بن گئے۔ امام فخر الدین رازی نے پارۂ تلک الرسل میں لکھا ہے :

إن الملائكة أمروا بالسجود لآدم لأجل أن نور محمد -عليه السلام- في جبهة آدم . (۳)

یعنی فرشتوں کو آدم کے سجدے کا حکم اس لیے ہوا تھا کہ پیشانی آدم میں نور محمدی جلوہ گر تھا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے کہ :

فرشتوں نے جو آدم - علیہ السلام - کو، اور برادرانِ یوسف نے جو یوسف - علیہ السلام - کو سجدہ کیا وہ عبادت کے لیے نہ تھا، ایسا سجدہ کبھی جائز نہیں ہوا کیوں کہ یہ محرمات عقلیہ سے ہے اور محرمات عقلیہ کبھی نہیں بدلتی، بلکہ وہ سجدۂ تعظیمی تھا اور اس امت میں اب وہ بھی حرام ہے - انتہیٰ -

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تعظیمی اس امت میں حرام تو ہے لیکن شرک اور کفر نہیں۔ جب باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص اس عبادتِ خاص کا یہ حال ہو پھر قیام کس طرح شرک ہوسکتا ہے۔ اگر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا شرک ہوتا تو علماے دین اس کو کبھی بھی قبر رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - کی زیارت کے لیے جائز نہ رکھتے۔ صاحب جذب القلوب لکھتے ہیں :

---

(۱) سورہ بقرہ: ۲/۳۴۔
(۲) سورہ بقرہ: ۲/۳۴۔
(۳) تفسیر رازی: ۳/۴۳۲۔

ودر وقت سلام آنحضرت - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - وقوف دراں جناب باعظمت دست راست را بر دست چپ بنہد چنانچہ درحالت نماز، کرمانی کہ از علماے حنفیہ است تصریح بایں معنی کردہ - انتہیٰ -

یعنی رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - کو سلام پیش کرتے وقت بارگاہِ رسالت کی عظمت مدنظر رکھتے ہوئے دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر یوں کھڑا ہو جیسے نماز کی حالت میں کھڑا ہوتا ہے۔ یہ علماے حنفیہ سے ایک عالم 'امام کرمانی کی تصریح ہے۔

ملا علی قاری نے بھی ''در المصیبۃ'' میں 'مثل نماز ہاتھ باندھنے کی یہ بات کرمانی کے حوالے سے نقل کی ہے۔ اور مدینہ جانے والے خوب جانتے ہیں کہ وہاں اسی پر عمل ہے اور اس کے خلاف یہ کہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو منع کریں 'ایسا ہرگز عمل نہیں۔

علامہ محمد بن سلیمان مکی شافعی نے ''حاشیہ مناسک خطیب شربینی'' میں لکھا ہے :

**فالأولیٰ له وضع یمینه علی یساره کالصلوٰة کما اقتصر علیه في الحاشیة و أقره ابن علان و آخر کلامه فی الجوهر یشیر إلی المیل إلیه —انتهیٰ—**

یعنی زیارت کرنے والے کے لیے بہتر تو یہی ہے کہ نماز کی طرح اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے۔ حاشیہ میں یہی ایک بات لکھی ہے جس کو ابن علان نے مان لیا ہے۔ اور جوہر میں اس کا آخری کلام اس کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میلان اس کا اسی بات پر ہے یعنی ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا چاہیے۔

فتاویٰ عالم گیری میں قبر شریف کی زیارت کے سلسلے میں لکھا ہے :

**و یقف کما یقف في الصلوٰة .** (۱)

یعنی ایک زائر جنابِ رسالت میں یوں ہی کھڑا ہو جیسے نماز کی حالت میں کھڑا ہوتا ہے۔

اب دیکھیے کہ شافعی و حنفی تمام علما نماز کے ساتھ تشبیہ دے کر کہتے ہیں کہ جس طرح نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اسی طرح حضور - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - کے روضہ مبارک کے سامنے بھی باادب کھڑا ہو۔

اب اس میں دو احتمال ہے یا تو یہ علما سمجھتے ہیں کہ ہاتھ باندھ کر باادب کھڑا ہونا نہ تو عبادت ہے اور نہ کچھ خدا کے ساتھ مخصوص - جیسا کہ شاہ عبدالعزیز وغیرہ کا کلام ہم نقل کر چکے - لہٰذا جب

(۱) فتاویٰ عالم گیری: ۶/۴۰۹ - خاتمۃ فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم -

خدا کے ساتھ مخصوص نہیں تو رسول خدا کے واسطے اس طرح کھڑے ہونے میں کیا مضائقہ ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اگر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے تو شاید یہ سمجھا ہو کہ رسول اللہ کی تعظیم میں کھڑے ہونا غیر اللہ کی تعظیم نہیں بلکہ یہ گویا خود اللہ کی تعظیم ہے۔ چنانچہ بعض آیات سے یہ مضمون سمجھ میں آتا ہے۔ قرآن شریف میں ہے :

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ . (۱)

جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

دوسری جگہ فرمایا :

إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ . (۲)

وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے :

جو لوگ ہاتھ ملاتے ہیں تجھ سے وہ ہاتھ ملاتے ہیں اللہ سے - انتہیٰ -

تفسیر روح البیان میں ہے :

كان المقصود بالمبايعة منه —عليه السلام— المبايعة مع الله و إنه —عليه السلام— انما هو سفير و معبر عنه تعالىٰ و بهذا الاعتبار صاروا كأنهم يبايعون الله و بالفارسية آنانكہ بیعت می کنند با توجز ین نیست کی بیعت می کنند با خدائے چہ مقصود بیعت اوست و برائے طلب رضائے اوست - انتہیٰ - (۳)

اور وقت بیعت جو رسول اللہ کا ہاتھ لوگوں کے ہاتھ پر تھا، اس کو قرآن شریف میں فرمایا :

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ . (۴)

ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

شاہ عبدالقادر نے اس کے معنی یہ لکھے ہیں :

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے۔

---

(۱) سورۂ نساء: ۴/۸۰۔
(۲) سورۂ فتح: ۴۸/۱۰۔
(۳) تفسیر روح البیان: ۱۳/۴۸۷۔
(۴) سورۂ فتح: ۴۸/۱۰۔

تفسیر مدارک میں ہے :

**يـريد أن يد رسول الله -صلى الله عليه وسلم- التي تعلو أيدي المبايعين هـي يـد الـلـه و الله منزه عن الجوارح و عن صفات الأجسام ، و إنما المعنى تقرير أن عقد الميثاق مع الرسول كعقده مع الله من غير تفاوت بينهما . (۱)**

یعنی مراد یہ ہے کہ بیعت کرنے والوں کے اوپر جو رسول اللہ کا ہاتھ ہے وہ درحقیقت دست قدرت ہے، حالاں کہ اللہ اعضا اور جسمانی صفات سے پاک ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- کے ساتھ میثاق باندھنا بالکل ایسے ہی ہے جیسے اللہ کے ساتھ میثاق، اوران دونوں میں کوئی فرق وتفاوت نہیں۔

یعنی رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- کی بیعت گویا اللہ کی بیعت ہے دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ اگر یہ دست بستہ قیام عبادت نہیں- چنانچہ مذہب علما اور قولِ فقہا یہی ہے- تو محفل میلا د شریف میں کھڑا ہونا کفر وشرک ہرگز نہ ہوا۔ اور اگر زبان زوری سے خواہ مخواہ علماے دین کے خلاف کر کے اس کو عبادت قرار دیتے ہیں تو ہم یہی جواب دیں گے کہ اگر یہ عبادت ہے تو بھی اللہ ہی کے واسطے ہے یعنی رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- کی ولادت ہمارے لیے بڑی نعمت اور اللہ کی رحمت ہے تو جس وقت اس ظہورِ نعمت کا بیان ہوتا ہے ہم تعظیماً کھڑے ہوجاتے ہیں بایں معنی کہ اے اللہ تعالیٰ! ہم نے تیری اس بھیجی ہوئی نعمت کو عظیم جانا۔

اس سے دو باتیں حاصل ہوئیں: ایک تو یہ کہ رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- کی تعظیم نکلی کیوں کہ آپ کی دنیا میں تشریف آوری کا ذکر سن کر بہ ہیئت تعظیم کھڑے ہو گئے۔ دوسرے یہ کہ یہی تعظیم رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہوگئی کیوں کہ نعمت کی تعریف خود منعم کی تعریف ہے اور نعمت کی تعظیم سراسر منعم کی تعظیم ہے، لہٰذا عطاے نعمت کے شکریہ میں یہ دست بستہ کھڑا ہونا درحقیقت منعم حقیقی کے سامنے ہے۔ اب خیال فرمائیں کہ اس معنی کو شرک اور کفر سے کیا علاقہ۔ **فماذا بعد الحق إلا الضلال .**

(۱) مدارک التنزیل نسفی: ۳/۳۳۲۔

اب[1] دوسری قباحت کا جواب سنیے کہ تمام میلاد پڑھنے والے اپنی زبان سے خوب تصریح وتوضیح سے تعین یوم ولادت کی شرح کرتے ہیں۔ شاہ سلامت اللہ صاحب کے میلاد شریف میں ہے :

بارہویں تاریخ، ربیع الاول کی صبح صادق کے وقت، پیر کے دن، حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- پیدا ہوئے۔

غلام امام شہید کے مولد شریف میں ہے :

بارہویں تاریخ، ربیع الاول، دوشنبہ کے دن، وقت صبح صادق، زمانہ آدم کے چھ ہزار سات سو پچاس برس کے بعد (آپ پیدا ہوئے)

اسی قسم کی عبارتیں ''راحۃ القلوب'' وغیرہ اردو زبان کے رسائل میلادیہ میں ہیں۔ اور عربی زبان کے ''مولد برزنجی'' میں ہے :

**و لما تم من حمله تسعة أشهر قمرية ولدته -صلى الله عليه و سلم- يتلألأ سناه .**

یعنی قمری سال کے اعتبار سے جب حمل مکمل نو مہینے کا ہوگیا تب نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کی ولادت باسعادت ہوئی، اور آپ کے وجود باجود سے درخشانی ہویدا تھی۔

علامہ غرب مدنی کے مولد میں ہے ؎

**بثان عشر من ربيع الأول ☆ في يوم الأثنين المفخم ذى المجدا**

یعنی بارہ ربیع الاول بروز پیر وہ مجد و بزرگی والے حضور اکرم -صلی اللہ علیہ وسلم- جلوہ افروز ہوئے۔

تو ان رسائل میں ولادت و وصال کے دن اور مہینے کا لکھا ہونا صاف اقرار ہے کہ آپ اس زمانے میں پیدا ہوئے، نہ یہ کہ اب محفل میں پیدا ہوئے -نعوذ باللہ منہا-

اب حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کی روح پرفتوح تشریف لانے کی نسبت' تیسری قباحت کا جواب سننا چاہیے۔ یہ کہتے ہیں کہ حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا کہ جہاں مولود پڑھا جاتا ہے وہاں تشریف لاتے ہیں' شرک ہے۔ ہر جگہ موجود صرف خدائے تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ

---

(۱) حاشیہ یعنی مانعین کا جو یہ اعتراض تھا کہ دست بستہ کھڑا ہونا شرک ہے۔ اس کا جواب تو ہو چکا اب دوسری قباحت کا جواب شروع ہوتا ہے۔ یعنی یہ افترا کہ بانیانِ محفل یوں جانتے ہیں گویا اب آپ اس محفل میں پیدا ہوئے ہیں -نعوذ باللہ منہا الف الف مرۃ۔

نے اپنی صفت دوسرے کو عنایت نہیں فرمائی۔

**جـــــواب** : اللہ تعالیٰ کے حاضر ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ تم ذرا عرش عظیم کی عظمت و وسعت اور کرسی کی فراخی خیال کرو کہ ان کے آگے سات آسمانوں کی کیا حقیقت ہے!۔ پھر کرۂ ناری، ہوائی اور مائی کو خیال کرو کہ آسمان کے آگے ان کی کیا وسعت ہے!۔ پھر ان کے کرات کے آگے زمین کو دیکھو کہ اس کی وسعت کو کرات سے کیا نسبت ہے!۔ پھر زمین کے چوتھائی حصہ کو دیکھو جو پانی سے باہر نکلا ہوا ہے؛ پھر اس باہر نکلے ہوئے میں کس قدر جنگل، پہاڑ اور نیستان ہیں، اور وہ آدمیوں سے کس قدر آباد ہیں، اور اس میں کتنے کفار ہیں اور کتنے مسلمان!۔ اور پھر مسلمانوں میں مولد شریف کرنے والے کتنے ہیں اور نہ کرنے والے کتنے!۔ تو ان سب مراتب میں فکر و خیال کرنے سے ایک مردِ منصف کو فرق معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا حاضر ہونا تو اس درجہ میں ہے کہ عرش، کرسی، آسمان، لوح و قلم، ساتوں زمین، تمام پہاڑ و سمندر اور ویرانہ و آبادی وغیرہ ہر مکان، ہر زمان اور ہر آن کی نسبت وہ حاضر اعتقاد کیا گیا ہے؛ اور رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کو جس نے یہ اعتقاد کیا کہ وہ مواقع مولود خوانی میں تشریف لے آتے ہیں تو ان تمام زمانوں اور مقامات مذکورہ کی بہ نسبت یہ زمانہ اور وہ مواقع کس حصہ میں داخل ہیں؟ کہ بس ان مواقع میں تشریف لانے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابری لازم آگئی، اور شرک ہو گیا! - نعوذ باللہ منہ -

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت جس طرح اس کے ساتھ خاص ہے بالکل اسی طرح، اور اسی حقیقت کے ساتھ دوسرے میں نہیں ہو سکتی۔ اور خصوصیت کے یہ معنی ہیں :

یوجد فیه و لا یوجد في غیره .

یعنی جو اس کے اندر تو پائی جائے مگر اس کے علاوہ کسی اور میں نہ پائی جائے۔

اور روئے زمین پر ہر جگہ موجود ہو جانا کچھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی خاص نہیں۔ تفسیر معالم التنزیل، جلال الدین سیوطی کے رسالہ برزخ اور علامہ زرقانی کی شرح مواہب میں ہے کہ ملک الموت' جنات و انسان اور جملہ مخلوقات کی روحوں پر قابض ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ان کے آگے ایک چھوٹے خوان - اور ایک روایت کے مطابق طشت - کی مانند کر دیا ہے (۱) :

فیقبض من ھھنا و ھھنا .

یعنی کبھی ادھر سے لے لیتے ہیں اور کبھی اُدھر سے۔

---

(۱) جعلت له الأرض مثل طست یتناول منها حیث یشاء .
(تفسیر بغوی: ۶/۳۰۲...... تفسیر طبری: ۱۱/۴۱۲)

اب خیال کرو کہ ایک ایک آن میں مشرق سے مغرب تک کس قدر چیونٹی، مچھر، کیڑے مکوڑے، چرند پرند درند اور آدمی مرتے ہیں اور ملک الموت ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔

مشکوٰۃ میں ہے کہ ملک الموت' مومن اور کافر دونوں کی موت کے وقت سرہانے ہوتے ہیں، یہ ایک طویل حدیث ہے جسے قاضی ثناء اللہ نے ''تذکرۃ الموتی'' میں نقل کیا ہے۔(۱)

اس سلسلہ میں طبرانی اور ابن مندہ سے ایک حدیث یہ بھی ہے کہ ملک الموت نے رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- سے بیان کیا کہ نیک یا بد آدمیوں کا ایسا کوئی گھر نہیں جس کی طرف مجھ کو توجہ نہ ہو، رات دن دیکھتا رہتا ہوں اور ہر چھوٹے بڑے کو ایسا پہچانتا ہوں کہ وہ خود بھی اپنے کو اتنا نہیں پہچانتے۔(۲)

امام جعفر صادق -رضی اللہ عنہ- نے یہ بھی روایت کی ہے کہ ملک الموت نمازوں کے وقت آدمیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہمیشہ نماز پڑھتا رہا تو اس سے شیاطین کو دفع کرتے ہیں اور کلمہ طیبہ تلقین کرتے ہیں۔(۳)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ملک الموت -علیہ السلام- (ہر جگہ موجود ہوتے ہیں) اور ملک الموت تو ایک مقرب فرشتہ ہیں، یہ دیکھو شیطان ہر جگہ موجود ہے۔

(۱) إن لملک الموت حربة تبلغ ما بين المشرق و المغرب ، و هو يتصفح وجوه الناس ، فما من أهل بيت إلا وملک الموت يتصفحهم في كل يوم مرتين ، فإذا رأى إنسانا قد انقضى أجله ضرب رأسه بتلک الحربة .
تفسیر بغوی:۶/۳۰۲۔

(۲) متن حدیث: و ما من أهل بيت -يامحمد- شعر و لا مدر بر و لا بحر سهل و لا جبل إلا أنا أتصفحهم في كل يوم و ليلة حتى لأنا أعرف بصغيرهم و كبيرهم منهم بأنفسهم .
کنز العمال:۱۵/۶۰۵ حدیث:۴۲۸۱۰......معجم کبیر طبرانی:۴/۲۹۵ حدیث:۴۰۷۵......معرفۃ الصحابۃ اصبہانی:۷/۲۶۲ حدیث:۲۲۸۶......وصایا العلماء عند حضور الموت ربعی:۱/۱۶۷ حدیث:۱۰۰......مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:۱/۴۳۰۔

(۳) قال جعفر : بلغني أنه إنما يتصفحهم عند مواقيت الصلوٰة فإذا نظر عند الموت ممن كان يحافظ على الصلوات دنا منه ملک الموت و دفع عنه الشيطان و تلقنه الملائكة لا إله إلا الله محمد رسول الله في ذلک الحال العظيم .
کنز العمال:۱۵/۶۰۵ حدیث:۴۲۸۱۰......معجم کبیر طبرانی:۴/۲۹۵ حدیث:۴۰۷۵......معرفۃ الصحابۃ اصبہانی:۷/۲۶۲ حدیث:۲۲۸۶......وصایا العلماء عند حضور الموت ربعی:۱/۱۶۷ حدیث:۱۰۰......مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:۱/۴۳۰۔

درمختار کے مسائل نماز میں لکھا ہے کہ شیطان' اولادِ آدم کے ساتھ دن کو رہتا ہے اور اس کا بیٹا آدمیوں کے ساتھ رات کو رہتا ہے۔ علامہ شامی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ شیطان تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے مگر یہ کہ جن کو اللہ نے بچا لیا۔ پھر اس کے بعد لکھا :

**و أقدَره على ذلک كما أقدر ملکَ الموت على نظير ذلک .** (۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو بھی اس بات کی قدرت دے دی ہے جس طرح اس نے ملک الموت کو ہر جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا ہے۔

اب محسوس عالم اجسام میں اس کی مثال سمجھئے کہ اگر کوئی آدمی دنیا کی مشرق سے مغرب تک کی آبادی کی سیر کرے، تو وہ جہاں جائے گا چاند اور سورج کو موجود پائے گا، پھر اگر وہ کہے کہ ایک ہی چاند و سورج ہر جگہ موجود ہیں تو تمہارے قاعدے سے چاہیے کہ وہ کافر ہو جائے کیوں کہ اس نے چاند کو ہر جگہ موجود کہا حالاں کہ تحقیق یہ ہے کہ نہ وہ مشرک ہے اور نہ کافر' خاصا مسلمان ہے۔ تو اسی طرح سمجھو کہ جب سورج ہر جگہ یعنی ہفت اقلیم میں موجود ہو کہ وہ چوتھے آسمان پر ہے، اور روحِ نبی -صلی اللہ علیہ وسلم- جو ساتویں آسمان پر علیین میں موجود ہے اگر وہاں سے آپ کی نظر مبارک تمام روئے زمین کی چند جگہوں اور مقاموں پر پڑ جائے اور فیضانِ احمدی کے انوار کی کرنیں پوری مجلس کو سورج کی شعاع کی طرح ہر طرف سے گھیر لیں تو کیا بعید و محال ہے۔

علامہ زرقانی نے ابو الطیب کا شعر شرح مواہب لدنیہ کی -فصل زیارت قبر شریف- میں نقل کیا ہے :

**كالشمس في وسط السماء و نورها ❁ يهدي إلى عينک نورا ثاقبا**
**كالبدر من حيث التفت رأيته ❁ يغشي البلاد مشارقا و مغاربا**

یعنی جس طرح سورج' آسمان کے بیچ میں ہے مگر اس کی روشنی مشرق سے لے کر مغرب تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور جس طرح چاند کہ تو جہاں سے اسے دیکھے وہیں سے وہ تیری آنکھوں میں نور بخشے گا۔

فرق یہ ہے کہ سورج اور چاند کو دیکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آنکھ کھول رکھی ہے، جس کے ذریعہ سے ایک بینا آدمی دیکھ کر یہ کہہ دیتا ہے کہ چاند ہر جگہ موجود ہے، لیکن ایک اندھا مادرزاد تو یہی کہے گا کہ چاند کہیں نہیں، بس اسی طرح روحِ نبوی کا دیکھنا بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت پر موقوف ہے، اگر

(۱) ردمحتار: ۱۴۲/۴-فروع قرأ بالفارسیۃ او التوراۃ-

وہ باطنی آنکھ کھول دے اور پردے اٹھا دے تو انسان ہر جگہ جلوۂ احمدی دیکھ سکتا ہے۔ علامہ زرقانی شرح مواہب جلد ثالث میں ''تذکرۂ قرطبی'' سے نقل کرتے ہیں :

**إن موت الأنبياء إنما هو راجع إلى أن غيبوا عنا بحيث لا ندركهم و إن كانوا موجودين أحياء و لا يراهم أحد من نوعنا إلا من خصه الله تعالىٰ بكرامة من أوليائه .**

یعنی موتِ انبیا کی حقیقت بس اتنی ہے کہ وہ ہم سے چھپا دیے گئے کہ ہم کو نظر نہیں آتے اگرچہ وہ زندہ موجود ہیں مگر ہم میں سے کوئی آنکھ انھیں دیکھ نہیں سکتی، ہاں یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی ولی کو دکھلا دے۔

امام شعرانی نے ''میزان الشریعۃ'' میں لکھا ہے :

**قد بلغنا عن أبي الحسن الشاذلي و تلميذه أبي العباس المرسي وغيرهما إنهم كانوا يقولون لو احتجبت رؤية رسول الله -صلى الله عليه وسلم- طرفة عين ما اعددنا أنفسنا من جملة المسلمين .**

یعنی ابوالحسن شاذلی اور ان کے تلمیذ رشید ابوالعباس مرسی وغیرہ کے متعلق ہمیں پتا چلا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: اگر رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کا دیدار ایک لمحہ کے لیے بھی ہم سے اوجھل کر دیا جائے تو ہم اپنے تئیں خود کو مسلمان نہ سمجھیں۔

دیکھیے ابوالحسن شاذلی وغیرہ اولیاے کرام فرماتے ہیں کہ اگر پلک جھپکنے کے برابر بھی رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- ہم سے چھپ جائیں تو ہم اپنے تئیں مسلمان نہ جانیں۔

ہم نے جو انبیا -علیہم السلام- کی روحوں کا ساتویں آسمان پر علیین میں ہونا بیان کیا تو یہ تفسیر عزیزی کے -بیان علیین- میں دیکھو۔ لیکن علیین میں ہونے کے باوجود آپ کی روح کو قبر شریف سے بھی گہرا ربط ہے۔ آپ ہر زائر کو جانتے ہیں کہ کون زیارت کو آیا۔ اور سب کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ قبر میں جسم مبارک زندہ ہے۔

**إن نبينا بالرفيق الأعلى و بدنه في قبره يرد السلام على من يسلم عليه .**

یعنی بلاشبہہ نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- تو رفیق اعلیٰ کے ساتھ ہیں لیکن آپ کا بدن مبارک قبر اقدس میں موجود ہے، اور آپ ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

اب ذرا غور فرمائیں کہ جب چاند سورج ہر جگہ موجود، شیطان، زمین پر ہر جگہ موجود ہے، اور

ملک الموت ہر جگہ موجود ہیں تو یہ خاص اللہ کی صفت کہاں ہوئی کہ جس میں رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کو شریک کرنے سے مشرک اور کافر ہو جائیں ! - معاذ اللہ -

تماشا یہ ہے کہ اہل محفل میلاد تو رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کے زمین کی تمام پاک و ناپاک جگہ اور مجالس مذہبی و غیر مذہبی میں حاضر ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے، جب کہ ملک الموت اور ابلیس کا اس سے بھی زیادہ تر، پاک و ناپاک اور کفر و غیر کفر کے مقامات میں حاضر ہونا پایا جاتا ہے۔

## سیر ارواح کی تحقیق

اب سیر ارواح کی تحقیق لکھی جاتی ہے۔ واضح ہو کہ ارواحِ انبیا کا چلنا پھرنا فقہ و حدیث سے ثابت ہے۔ معراج کی حدیثوں میں ہے، آپ ارشاد فرماتے ہیں: میں نے اپنے تئیں انبیا کی جماعت دیکھا کہ یہ موسیٰ - علیہ السلام - کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں، یہ عیسیٰ - علیہ السلام - پڑھ رہے ہیں اور یہ ابراہیم - علیہ السلام - پڑھ رہے ہیں :

فَحَانَتِ الصَّلٰوۃُ فَأَمَمْتُهُمْ . (۱)

یعنی اتنے میں نماز کا وقت آ گیا تو میں نے ان کی امامت کی۔

اس کو مسلم نے روایت کیا ہے اور قرطبی نے ابن عباس سے یہ روایت کی ہے کہ بیت المقدس میں اللہ تعالیٰ نے آدم سے لے کر تمام انبیا کو جمع کر دیا اور سات جماعتیں حضور کے پیچھے تھیں۔

فتاویٰ سراجیہ کے - باب مسائل متفرقہ - میں ہے :

إمامة النبي -عليه السلام- ليلة المعراج لأرواح الأنبياء -عليهم السلام- كانت في النافلة .

یعنی معراج کی شب نبی کریم - صلی اللہ علیہ وسلم - نے نفلی نماز میں ارواح انبیا کی امامت فرمائی۔

---

(۱) صحیح مسلم: ۱/۴۰۳ حدیث: ۲۵۱ ...... مشکوۃ المصابیح: ۳/۲۷۶ حدیث: ۵۸۶۶ ...... دلائل النبوۃ بیہقی: ۲/۲۴۳ حدیث: ۶۵۱ ...... مشکل الآثار طحاوی: ۱۱/۱۷۰ حدیث: ۴۳۷۸ ...... ماورد فی حیاۃ الانبیاء بعد وفاتہم: ۲/۱ ...... الایمان ابن مندہ: ۲/۳۴۹ حدیث: ۷۵۳ ...... التوحید ابن مندہ: ۱/۳۳ حدیث: ۲۳ ...... جزء ابن عرفہ: ۱/۱۷۰ حدیث: ۶۹ ...... حیاۃ الانبیاء فی قبورہم بیہقی: ۱/۱۰ حدیث: ۹ ...... کنز العمال: ۱۱/۳۹۶ حدیث: ۳۱۸۴۹ ...... مسند جامع: ۴۴/۴۶۸ حدیث: ۱۴۷۴۴۔

فقہ و حدیث کی ان روایات سے ثابت ہو گیا کہ جملہ پیغمبروں کی روحیں اپنے اپنے مقامات سے سمٹ کر بیت المقدس میں حاضر ہو گئیں اور یہیں آ کر نماز پڑھی۔

مشکوٰۃ میں مسلم سے روایت ہے کہ :

ابن عباس - رضی اللہ عنہما - فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - کے ساتھ مکہ و مدینہ کے بیچ میں چلے جا رہے تھے، جب ایک جنگل سے گزرے تو حضور نے پوچھا یہ کون سا جنگل ہے؟ صحابہ نے کہا یہ وادی الازرق ہے۔ حضور نے فرمایا: گویا میں موسیٰ - علیہ السلام - کو دیکھ رہا ہوں پھر حضور نے ان کا رنگ اور ان کے بالوں کا حال بیان فرمایا کہ موسیٰ دونوں کانوں میں اذان کی طرح انگلیاں رکھے ہوئے لبیک کی آواز بلند کیے ہوئے اسی جنگل سے گزرے چلے جاتے ہیں۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ ہم آگے چلے تو ایک پہاڑ کی گھاٹی پر پہنچے۔ حضور نے پوچھا یہ کون سی گھاٹی اور پہاڑ ہے؟ صحابہ نے کہا: یہ پہاڑ یا تو ہرشا ہے یا لفت ہے۔ آپ نے فرمایا: گویا میں یونس - علیہ السلام - کو سرخ اونٹنی پر سوار پشمینہ کا جبہ پہنے دیکھ رہا ہوں، ان کی اونٹنی کی مہار پوست خرما کی ہے، اسی جنگل میں حج کے لیے لبیک کہتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔(۱)

شیخ عبدالحق - رحمۃ اللہ علیہ - نے کہا :

چوں اتفاق است بر حیات انبیا - علیہم السلام - بحیات حقیقی دنیاوی لیکن محجوب اند، از نظر عوام پس بحقیقت نمود ایشاں را بہ حبیب خود - صلی اللہ علیہ وسلم - بے منام و بے مثال و بے اشتباہ و بے اشکال۔

---

(۱) متن حدیث: عن ابن عباس قال سرنا مع رسول الله –صلى الله عليه وسلم– بين مكة و المدينة فمررنا بوادٍ فقال أيُّ وادٍ هذا فقالوا وادي الأزرقِ فقال كأني أنظر إلى موسىٰ –صلى الله عليه وسلم– فذكر من لونه و شعره شيئا لم يحفظه داوُد واضعا إصبعيه في أذنيه له جؤار إلى الله بالتلبية مارّا بهذا الوادي قال ثم سرنا حتى أتينا على ثنيّةٍ فقال أيُّ ثنيةٍ هذه قالوا هرشى أو لِفتٌ فقال كأني أنظر إلى يونس على ناقةٍ حمراءَ عليه جبةُ صوفٍ خطامُ ناقته ليفٌ خلبةٌ مارّا بهذا الوادي ملبّيا .
صحیح مسلم: ۱/۳۹۳ حدیث: ۲۴۲...... سنن ابن ماجہ: ۸/۴۳۷ حدیث: ۲۸۸۲...... مشکوٰۃ المصابیح: ۳/۲۴۲ حدیث: ۵۷۱۷...... مستخرج ابی عوانہ: ۷/۴۹۱ حدیث: ۳۰۰۷...... صحیح ابن خزیمہ: ۹/۳۷۲ حدیث: ۲۴۲۹...... تحفۃ الاشراف: ۶/۲۰۸ حدیث: ۵۴۲۴۔

یعنی یہ بات متفقہ ہے کہ انبیاے کرام کی اپنی دنیوی زندگی کی طرح زندہ ہیں۔ لیکن عوام کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حقیقت اپنے حبیب لبیب -صلی اللہ علیہ وسلم- پر بے منام و بے مثال اور بے اشتباہ و بے اشکال ظاہر فرما دی۔

قسطلانی نے بھی ''مواہب'' میں اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے :

**و قیل هو علی الحقيقة لأن الأنبياء أحياء عند ربهم يرزقون فلا مانع أن يحجوا في هذه الحالة كما في صحيح مسلم عن أنس أنه -صلى الله عليه وسلم- رأى موسىٰ قائما في قبره يصلي ، قال القرطبي حبب إليهم العبادة فهم يتعبدون بما يجدونه .**

یعنی صاحب مواہب نے دو تین معنی بیان کیے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے: کہا گیا ہے کہ وہ دیکھنا حقیقت میں تھا کیوں کہ انبیاے کرام زندہ ہیں اور اپنے رب کے تئیں رزق پاتے ہیں، پھر اگر وہ اس حالت میں حج کریں تو کیا مشکل! ۔ جیسا کہ مسلم شریف میں حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے حضرت موسیٰ -علیہ السلام- کو اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا۔ علامہ قرطبی نے کہا کہ انبیا کی روحوں کو عبادتیں بہت پیاری ہیں تو جو عبادت انھیں میسر آتی ہے کرتے رہتے ہیں۔

ان احادیث اور محدثین کی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ارواح انبیا' حج اور نماز وغیرہ من چاہی عبادتیں کرتی رہتی ہیں۔

مشکوٰۃ کے -باب المعراج- میں بخاری و مسلم کی حدیث سب کو یاد ہوگی جس میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- پہلے آسمان پر حضرت آدم، دوسرے پر حضرات یحییٰ وعیسیٰ، تیسرے پر حضرت یوسف، چوتھے پر حضرت ادریس، پانچویں پر حضرت ہارون، چھٹے پر حضرت موسیٰ اور ساتویں پر حضرت ابراہیم -علیہم الصلوٰۃ والسلام- سے ملے۔ (۱)

اب دیکھیں کہ آسمان پر جانے سے پہلے حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کو جملہ انبیا کی روحیں بیت المقدس میں ملیں، اور آپ کے پیچھے نماز پڑھا، اب یہ ارواح انبیا آسمانوں پر ملیں۔ اور روایت ہے کہ معراج کے لیے تشریف لے جاتے وقت آپ نے موسیٰ - علیہ السلام- کو قبر میں نماز پڑھتے

(۱) صحیح بخاری: ۲۳۳/۳ حدیث: ۷۳۲...... صحیح مسلم: ۳۸۵/۱ حدیث: ۲۳۴...... مشکوٰۃ المصابیح: ۲۷۵/۳ حدیث: ۵۸۶۳۔

دیکھا، پھر انھوں نے بیت المقدس میں آپ کے پیچھے نماز پڑھی، پھر چھٹے آسمان پر ملے۔ یہ تینوں روایتیں صحیح مسلم میں موجود ہیں۔

زرقانی نے - حیات فی القبر - کے مقام پر اس تعارض کو یوں دفع کیا کہ انبیا - علیہم السلام - کے کھانے پینے کے لیے فراغت کے مقامات ہیں جہاں چاہیں جائیں پھر لوٹ آئیں :

**و للأنبياء مراتع و مسارح يتصرفون فيما شاؤوا ثم يرجعون .**

سوچنے کا مقام ہے کہ یہ کس قدر حرکت ہوئی، ہر آسمان اتنا موٹا ہے جتنا پانچ سو برس کا رستہ، اور زمین سے آسمان تک، اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو برس کا راستہ ہے؛ تو اس تحقیق کے مطابق ایک ذرا عرصہ میں آدم - علیہ السلام - کی روح ایک ہزار برس کا راستہ، یحییٰ و عیسیٰ - علیہما السلام - کی روحیں دو ہزار برس کا راستہ - علیٰ ہذا القیاس - موسیٰ - علیہ السلام - کی روح چھ ہزار برس کا راستہ اور ابراہیم - علیہ السلام - کی روح سات ہزار برس کا راستہ طے کرگئی، اس سرعت سیر کو یاد رکھیں، عنقریب اس پر ہم کچھ فائدے مرتب کریں گے۔

خاتم المحدثین علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں لکھا :

**لا يمنع رؤية ذاته - عليه السلام - بجسده و بروحه و ذلك لأنه سائر الأنبياء - صلى الله عليهم وسلم - ردت إليهم أرواحهم بعد ما قبضوا و أذن لهم في الخروج من قبورهم للتصرف في الملكوت العلوي و السفلى.**

یعنی سرکارِ دو عالم - صلی اللہ علیہ وسلم - کی روح و جسم کے ساتھ زیارت ہوجانا کوئی محال نہیں کیوں کہ جملہ انبیاے کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - کی روحیں قبض ہونے کے بعد پھر ان کو لوٹا دی جاتی ہیں اس طرح وہ اپنی قبروں سے نکل کر عالم بالا اور عالم زیریں میں تصرف کرنے کے مجاز ہوتے ہیں۔

یہ مضمون ''تنویر الحلک'' سے جلد اول کے شروع میں نقل کیا ہے۔

**فائدہ** : مولف براہین قاطعہ کا صفحہ ۲۰۷ پر یہ اعتراض و دھبّہ لگانا کہ مولف انوار نے کلام زرقانی میں لفظ ''والتصرف'' کی جگہ ''للتصرف'' بنا دیا اور تصرف کے عرفی معنی بنا لیے، یہ دونوں دعوے بالکل غلط ہیں۔

یہ دیکھیں مطبع منیریہ مصر - ۱۲۷۸ھ - (1861ء) کی چھپی ہوئی شرح مواہب زرقانی جلد اول صفحہ ۱۱ کی سطر اول، کہ اس میں 'للتصرف' لکھا ہوا ہے۔ یا اللہ! جھوٹی تہمتوں سے بچا۔

دوسرے اعتراض کا یہ حال ہے کہ میں نے حاشیہ پر اس عبارت کا جو ترجمہ لکھا ہے، انوارِ ساطعہ طبع اول ودوم دونوں میں بعینہ لفظ 'تصرف' نقل کیا ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ وجہ یہ تھی کہ تصرف جس وقت باب تفعیل کا مطاوع واقع ہوتا ہے اس وقت اس کے معنی پھرنے کے ہوتے ہیں: صرّفته فتصرف یعنی میں نے اس کو پھرایا تو وہ پھر گیا۔ یہ قاموس میں ہے۔ اور جب مطاوعت کا موقع نہیں ہوتا تو اس کے معنی ہوتے ہیں: تصرف دست درکاری کردن۔ جیسا کہ صراح اور منتخب میں ہے۔

اب معلوم ہونا چاہیے کہ ارواحِ کاملہ کی نسبت دونوں معنی ثابت ہیں، اس بنیاد پر میں نے تصرف کے معنی میں کوئی تصرف نہیں کیا تھا وہی لفظ تصرف قائم رکھا تھا جس کا جی جس معنی کو چاہے سمجھ لے، تو یہ اعتراض بھی غلط ہے؛ کیوں کہ میں نے تصرف کے اردو معنی نہیں لکھے۔

معلوم نہیں معترض کو ارواحِ کاملہ کے تصرف میں کیوں بحث ہے؛ کیوں کہ اس بات کو علماے معقول تک مان چکے ہیں کہ نفس ناطقہ قدسیہ- جو کامل درجہ کی حکمت عملیہ وعلمیہ کو جامع ہوتا ہے- جب وہ بدن سے نکل جاتا ہے تو عقولِ مدبرہ میں داخل ہوجاتا ہے اور اس عالم میں اپنا اثر پہنچاتا ہے۔ شیخ الرئیس اور ارسطاطالیس وغیرہ کے کلام میں اس کی تصریح موجود ہے، اور ہمارے حکماے دین بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

علامہ بیضاوی 'فالمدبرات أمرا' کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

أو صفات النفوس الفاضلة حال المفارقة فإنها تنزع عن الأبدان غرقا أي نزعا شديدا من إغراق النازع في القوس ، و تنشط إلى عالم الملكوت و تسبح فيه فتسبق إلى حظائر القدس فتصير بشرفها و قوتها من المدبرات.(۱)

یعنی یا تو یہ بات ہے کہ اس سے نفوسِ فاضلہ کی صفتیں مراد ہیں کہ قسم ہے نفوسِ ناطقہ فاضلہ کی جب وہ بدن سے نکلتی ہیں، خوش ہوکر عالم ملکوت میں جاتی ہیں، وہاں تیرتی پھرتی ہیں اور اپنے شرف وقوت کے باعث مدبرات میں داخل ہوجاتی ہیں یعنی ان میں جو تدبیر عالم کرتے ہیں۔

روح البیان میں ہے :

ثم ان النفوس الشريفة لا يبعد أن يظهر منها آثار في هذا العالم سواء كانت مفارقة عن الأبدان أو لا . (۲)

(۱) تفسیر بیضاوی: ۳٦٦/۵۔
(۲) تفسیر روح البیان: ۴۴۸/۱٦۔

پھر دس سطر کے بعد لکھا :

بل هو بعد مفارقته البدن أشد تاثيرا و تدبيرا لأن الجسد حجاب في الجملة . (۱)

یعنی کچھ بعید نہیں کہ نفوس شریفہ سے اس عالم میں اثر ظاہر ہو، خواہ وہ اپنے بدن میں موجود ہوں یا نکل گئے ہوں...... بلکہ بدن سے جدا ہو جانے کے بعد ان کی تاثیر و تدبیر زیادہ بڑھ جاتی ہے کیوں کہ بدن عنصری ایک قسم کا حجاب تھا اور وہ اُٹھ گیا۔

لمعہ ثانیہ کے نورِ دوم - جمعرات کی فاتحہ - میں تذکرۃ الموتی والقبور کے حوالے سے ہم بیان کر چکے ہیں کہ اولیا' شہدا کے حکم میں ہیں اور انبیا و صدیقین' شہدا سے بھی افضل ہیں، ان کی روحیں زمین و آسمان اور بہشت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں، اپنے دوست اور عقیدت مندوں کی مدد کرتی ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں - انتہیٰ -

علامہ سیوطی - رحمۃ اللہ علیہ - کی ''انتباہ الاذکیاء'' میں ہے :

النظر في أعمال أمته و الاستغفار لهم من السيئات و الدعاء بكشف البلاء عنهم و التردد في أقطار الأرض بحلول البركة فيها و حضور جنازة من مات من صالحي أمته فإن هذه الأمور من أشغاله كما وردت بذلك الأحاديث و الآثار .

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ بات احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ آپ اعمال امت پر نظر فرماتے ہیں، ان کے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں، بلا دور ہونے کی دعا فرماتے ہیں، روے زمین پر برکت بانٹتے پھرتے ہیں اور امت کا کوئی نیک آدمی مرے تو اس کے جنازے میں تشریف لاتے ہیں۔ عالم برزخ میں یہ آپ کے اشغال ہیں۔

''روح البیان'' میں سورۂ ملک کے آخر میں ہے :

قال الإمام الغزالي - رحمه الله تعالىٰ - و الرسول - عليه السلام - له الخيار في طواف العوالم مع أرواح الصحابة - رضى الله عنهم - لقد رآه كثير من الأولياء . (۲)

---

(۱) تفسیر روح البیان: ۴۴۸/۱۶۔
(۲) نفس مصدر: ۴۷۶/۱۵۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس زمین ہی کی کچھ خصوصیت نہیں بلکہ حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- اپنے صحابہ کی روحوں کے ساتھ تمام عالم میں پھرتے ہیں۔اور بہت سے اولیا نے اس کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب ''درثمین'' کی سترہویں حدیث میں لکھتے ہیں :

**أخبرني سيدي الوالد قال أخبرني شيخ السيد عبد الله القارئ قال حفظت القرآن على قارئ زاهد كان يسكن في البرية فبينا نحن نتدارس القرآن إذ جاء قوم من العرب يقدمهم سيدهم فاستمع قراءة القارئ و قال بارك الله أديت حق القرآن ثم رجع و جاء رجل آخر بذلك الزي فأخبر أن النبي -صلى الله عليه وسلم- أخبرهم البارحة أنه سيذهب إلى البرية الفلانية لاستماع قراءة قارئ هناك فعلمنا أن السيد الذي كان يقدمهم هو النبي -صلى الله عليه وسلم- قال و قد رأيته بعيني هاتين .**

یعنی مجھ کو میرے والد بزرگوار نے خبر دی اور انھیں شیخ سید عبداللہ قاری سے خبر پہنچی،سید عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے قاری زاہد سے حفظ قرآن کیا جو جنگل میں رہتے تھے۔ایک بار ہم قرآن پڑھ ہی رہے تھے کہ اتنے میں عرب کے کچھ لوگ آئے جن کا سردار آگے تھا،اس نے قاری کی قراءت سن کر کہا کہ اللہ تعالیٰ برکتیں نازل فرمائے تم نے قرآن پڑھنے کا حق خوب ادا کیا، پھر وہ چلے گئے؛ پھر ایک دوسرا آدمی انھیں عرب والوں کے لباس میں آیا اور کہنے لگا کہ کل رات نبی کریم-صلی اللہ علیہ وسلم- نے خبر دی تھی ہم فلاں جنگل میں وہاں کے قاری کی قراءت سننے تشریف لے جائیں گے۔جب اس آدمی نے یہ بات سنائی تو ہم نے جان لیا کہ وہ آنے والے سردار، سرکارِ دوعالم-صلی اللہ علیہ وسلم- تھے اور میں نے اپنی ان آنکھوں سے ان کو دیکھا۔

نیز شاہ ولی اللہ صاحب ''فیوض الحرمین'' میں لکھتے ہیں :

**و رأيته -صلى الله عليه وسلم- في أكثر الأمور بيدي أي صورته الكريمة التي كان عليها مرة بعد مرة فتفطنت أن له خاصية من تقويم روحه بصورة جسده -عليه السلام- و أنه الذي أشار إليه بقوله : إن الأنبياء لا يموتون و أنهم يصلون في قبورهم و يحجون و أنهم أحياء .**

یعنی میں نے اکثر کاموں میں رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- کی مبارک صورت بارہا اپنے

سامنے دیکھی تو میں نے سمجھ لیا کہ ان کی روح کے ساتھ ان کے جسم کا رشتہ قائم و مربوط ہے، اور ایسا بھلا کیوں نہ ہو، انھوں نے ہی تو فرمایا ہے کہ انبیاے کرام مرتے نہیں وہ تو زندہ ہیں، اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے اور حج کیا کرتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات کی جلد اول کے مکتوب دُو یست و ہشتادودویم (۲۸۲) میں لکھتے ہیں :

امروز در حلقہ بامدادی بینم کی حضرت الیاس وحضرت خضر- علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والتسلیمات- بصورت روحانیان حاضر شدند و بہ تلقی روحانی حضرت خضر فرمودند کہ ما از عالم ارواحیم حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ارواح ما را قدرت کاملہ عطا فرمودہ است کہ بصورت اجسام متمثل شدہ کارہاے کہ از اجسام بوقوع می آید از اں ارواح ما صدور می یابد۔(۱)

یعنی آج صبح کے حلقہ میں دیکھتا ہوں کہ حضرت الیاس وحضرت خضر- علیہما السلام- اپنی روحانی صورت میں تشریف فرما ہیں۔ اور روحانی طور پر حضرت خضر فرما رہے ہیں کہ ہم عالم ارواح سے آئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہماری ارواح کو قدرت کاملہ عطا فرمائی ہے کہ صورت جسمیہ میں متمثل ہو کر حاضر ہوں۔ اور ہماری روحیں وہ کام سرانجام دیتی ہیں جو جسموں سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

اسی مکتوب دوصد وبستم (۲۲۰) میں ہے :

دریں اثنا عنایت خداوندی - جل شانہ - در رسید وحقیقت معاملہ را کماینبغی وانمود وروحانیت حضرت رسالت خاتمیت - صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام - کہ رحمت عالمیان ست دریں وقت حضور ارزانی فرمود وتسلی خاطر حزیں نمود۔(۲)

یعنی اسی لمحے اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہو گیا اور حقیقت معاملہ کما حقہ منکشف کر دیا نبی اکرم رحمت عالم - صلی اللہ علیہ وسلم - کی روحانیت جلوہ گر فرما دی اور کبیدہ خاطروں کی تسلی فرما دی۔

وامام غزالی گفتہ کہ ارباب قلوب مشاہدہ می کنند در یقظہ ملائکہ وارواح انبیا را کذا فی اشعۃ اللمعات فی کتاب الرویا۔

---

(۱) مکتوبات: ۱/۵۳۲۔
(۲) نفس مصدر: ۱/۳۵۸۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ اہل معرفت ملائکہ اورارواح انبیا کو بیداری کے عالم میں مشاہدہ کرتے ہیں۔اشعۃ اللمعات کے کتاب الرویا میں یوں ہی مذکور ہے۔

اسی جگہ شیخ عبدالحق نے لکھا ہے :

از شیخ ابوالسعود کہ مصافحہ می کرد آنحضرت رابعداز ہر نماز۔

شیخ ابوالسعود سے حکایت ہے کہ وہ ہر نماز کے بعد نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- سے مصافحہ کرنے کی سعادت حاصل کرتے تھے۔

شیخ نے اسی جگہ غوث پاک کا یہ قصہ لکھا ہے :

روزے غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر- رضی اللہ عنہ- برکرسی نشستہ بودووعظ می فرمودہ قریب بدہ ہزار کس در پایہ وعظ وی حاضر و شیخ علی بن ہیتی درزیر پائے کرسی شیخ نشستہ، ناگاہ شیخ علی ہیتی راخوابی بردپس شیخ عبدالقادرقوم رافرمودہ: اسکتوا پس ہمہ ساکت شدندتا آنکہ جز انفاس ازایشاں شنیدہ نمی شدپس فرمود آمد شیخ ازکرسی وبایستادباادب پیش علی مذکورمی نگریست وروے پس بیدار شیخ علی وگفت شیخ عبدالقادر بادے کہ دیدی تو آنحضرت-صلی اللہ علیہ وسلم- رادرخواب گفت نعم فرمود ازیں جہت ادب ورزیدم باتو وایستادم درپیش تو فرمودہ بچہ وصیت کردترا آنحضرت-صلی اللہ علیہ وسلم- گفت بملازمت من مجلس تو پس شیخ علی گفت آنچہ من درخواب دیدم، شیخ عبدالقادردر بیداری دیدوروایت کردہ اندکہ ہفت کس ازمردان راہ دراں روزازعالم رفتند- رحمۃ اللہ علیہم اجمعین-

یعنی ایک روز حضرت غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر- رضی اللہ عنہ- کرسی پر جلوہ افروز تھے اور بتایا جاتا ہے کہ قریبا کوئی دس ہزارافراد ان کی محفل میں حاضر تھے، نیز شیخ علی بن ہیتی بھی ان کی کرسی تلے بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ان کی آنکھ لگ گئی۔تو شیخ عبدالقادر نے قوم سے مخاطب ہوکر فرمایا: خاموش ہوجاؤ تو سب خاموش ہوگئے اور سانس کے علاوہ کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔اتنے میں فرمایا کہ آ گئے۔تو شیخ کرسی سے اٹھے اور بڑے ادب کے ساتھ علی کے چہرے کی طرف دیکھنے لگے۔علی بیدار ہوگئے اور شیخ عبدالقادر نے فرمایا کہ تو نے آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- کوخواب میں دیکھا؟ انھوں نے کہاہاں۔جب میں سراپا ادب بن کر آپ کے سامنے کھڑا ہوگیا تو انھوں نے فرمایا: سرکار نے آپ کو کیا نصیحت کی؟ انھوں نے جواب دیا کہ آپ کی مجلس میں شرکت لازم پکڑلوں۔تو شیخ علی نے کہا جو چیز میں نے خواب میں

دیکھا، شیخ عبدالقادر نے اسے عالم بیداری میں دیکھا۔ اور روایتوں میں آتا ہے کہ اس روز کی محفل میں کوئی سات آدمی دنیاے فانی سے رخصت ہو گئے۔

اس سے تین باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک تو روح پاک مصطفوی کا مجلس خیر میں آنا، دوسرے روحِ نبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کی تعظیم کے لیے حضرت غوثِ اعظم جیسے پیر دستگیر کا کھڑے ہو جانا، اربابِ فضل واکرام کی تشریف آوری کے وقت یہ استحباب قیام کے واسطے سند ہوئی، تیسرے حضرت غوث پاک کی علوشان اور قوت ادراک کہ جس کو دوسرے آدمی خواب میں دیکھیں' آپ نے حالت بیداری میں دیکھا۔ قصہ مختصر یہ کہ روحِ نبی -صلی اللہ علیہ وسلم- زمین پر آتی جاتی رہتی ہے۔

اگر کوئی یہ سمجھے کہ وہ تو خدا تعالیٰ کی حضوری میں مستغرق ہے اس کو دنیا کی طرف توجہ کب ہوتی ہو گی تو اس کا جواب یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب 'و القمر إذا اتسق' کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

> وبعضے از خواص اولیاء اللہ را کہ آلہ جارحہ تکمیل و ارشاد بنی نوع خود گردانیدہ دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ واستغراق آنہا بجہت کمال وسعت تدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمی گردد۔
>
> یعنی اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے مخصوص بندے ہیں جو بنی نوع کے لیے رشد و ہدایت کا وسیلہ بنے ہوئے ہیں۔ ان کو اس حالت میں بھی اس دنیا میں تصرف کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ ان کا دوسرے اعمال میں استغراق اپنے کمال اور وسعت تدارک کے باعث اس جانب ان کی توجہ میں مانع نہیں ہوتا۔

جب اولیاء اللہ کا یہ حال ہے تو حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کا حال تو اس سے بدرجہا بلند و برتر ہو گا۔ چنانچہ خاتم المحدثین زرقانی صفحہ ۳۶۵ -مقصد عاشر- میں لکھتے ہیں :

> **و لا ريب أن حاله -صلى الله عليه وسلم- في البرزخ أفضل و أكمل من حال الملائكة هذا سيدنا عزرائيل -عليه السلام- يقبض ألف مائة روح أو أزيد في وقت واحد و لا يشغله قبض عن قبض و هو مع ذلك مشغول بعبادة الله تعالىٰ مقبل على التسبيح و التقديس فنبينا -صلى الله عليه وسلم- حي في قبره يصلي و يعبد ربه و يشاهده و لا يزال في حضرة اقترابه أي دنوه متلذذا بسماع خطابه و كذا كان شأنه و عادته في الدنيا يفيض على أمته من سبحات الوحي الإلٰهي مما أفاضه الله عليه و لا يشغله هذا الشان و هو شان إفاضة الأنوار القدسية علىٰ أمته عن شغله بالحضرة الإلٰهية .**

یعنی شک وشبہہ سے بالاتر ہوکر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ عالم برزخ میں نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کا حال فرشتوں کے حال سے کہیں بڑھ کر ہے۔ یہ دیکھیں کہ حضرت عزرائیل -علیہ السلام- لاکھوں سے زائد لوگوں کی روحیں بیک وقت قبض کرتے ہیں ، اور ایک روح دوسری روح کے قبض کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتی ، اس مشغولیت کے باوجود وہ عبادت الٰہی اور اس کی تسبیح وتقدیس میں لگے ہوئے ہیں تو ہمارے رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- اپنی قبر میں زندہ ہیں ، نمازیں پڑھتے ، رب تعالیٰ کی عبادت کرتے اور اس کا مشاہدہ فرماتے رہتے ہیں۔ برابر اس کے قرب میں رہتے ہیں ، اور خطاب الٰہی سے لطف اندوز ہوتے ہیں ، اور یہی دنیا میں بھی آپ کا حال تھا کہ وہ وحی الٰہی کے انوار امت پر بکھیرتے رہتے جیسے اللہ ان پر نوازش فرماتا اور امت کی فیض بخشی وخبر گیری ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغولی سے نہیں روکتی تھی۔

یعنی آپ کا قبر میں بھی وہی حال ہے جیسا دنیا میں تھا کہ امت پر آپ کا فیضان جاری رہتا تھا ، خدا سے ملے رہتے ہیں اور اِدھر کی مشغولیت سے اُدھر کی مشغولیت میں کوئی فرق نہ آتا تھا ؎

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں تھا حرفِ مشدد کا

تو اِدھر نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کا علم وادراک اور قوت استعداد ظاہر اور اُدھر روحِ انبیا -علیہم السلام- کی سرعت سیر معلوم کہ حضرت ابراہیم ‘معراجِ رسول -صلی اللہ علیہ وسلم- کی رات بیت المقدس سے ساتویں آسمان پر سات ہزار برس کا راستہ طے کر کے ادنیٰ فرصت میں پہنچ گئے -اور اس کی روایت ہم بیان کر چکے ہیں- پھر منکرین کو کیا اشکال وخلجان ہو رہا ہے کہ میلاد کی صرف چند محفلوں میں- جو چند شہر میں منعقد ہوتی ہیں- بسرعت سیر حاضر ہوجانے کی قدرت روحِ پیغمبر میں نہیں مانتے۔

حضور سید المرسلین -صلی اللہ علیہ وسلم- بالاتفاق ‘ابراہیم خلیل اللہ سے اعلیٰ وافضل ہیں ، پھر مفضول تو سات ہزار برس کی راہ ایک دم میں طے کرے اور فاضل وافضل چند مقامات کی سیر بھی نہ کرسکے ، بڑی ناقدردانی کی بات ہے۔ اور پھر اس پر طرہ یہ کہ جو ایسا اعتقاد رکھے ، ان کو مشرک قرار دیں ، -سبحان اللہ- مشرک کے معنی بھی یہ حضرات خوب سمجھے۔

واضح ہو کہ نفس ناطقہ قدسیہ کا ایک آن میں بہت سے مکانوں میں ظاہر ہوجانا ہمارے عرفاے کاملین ، حکماے اشراقیین اور محققین شرع متین کے نزدیک صحیح ہے۔ اسماعیل آفندی ، علامہ قسطلانی ،

زرقانی، حلبی، محدث دہلوی اور مجدد الف ثانی وغیرہم -رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین- سبھی اس کے قائل ہیں۔

سیرت حلبی جلد اول میں ہے :

**فالأرواح تتجسد و تظهر في صور مختلفة من عالم المثال .** (۱)

یعنی روحیں جسموں کا قالب ڈھال کر مختلف صورتوں میں رونما ہوتی رہتی ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے فرمایا :

**تعدد الصور بالتخيل و التشكل ممكن كما يقع للجان .**

یعنی تخیل و تشکل کی متعدد صورتوں کا پایا جانا ممکن ہے جیسے جناتوں میں ہوتا ہے۔

ان دو عبارتوں کا مضمون حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی جلد ثانی میں ہے :

ہرگاہ جنیان را بتقدیر اللہ سبحانہ ایں قدرت بود کہ متشکل اشکال گشتہ اعمال غریبہ بوقوع آرند ارواح کمل را اگر ایں قدرت عطا فرمائید چہ محل تعجب است، و چہ احتیاج ببدن دیگر ازیں قبیلہ است انچہ از بعضے اولیاء اللہ نقل می کنند کہ دریک آن در امکنہ متعددہ حاضر می گردند و افعال مبائنہ بوقوع می آرند ایں جا نیز لطایف ایشاں متجسد باجساد مختلفہ و متشکل باشکال متبائنہ می شوند۔

یعنی جب اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت سے جناتوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ مختلف روپ دھار کر مختلف اعمال سرانجام دے سکتے ہیں تو اگر روحوں کے لیے یہ قدرت مانی جائے تو یہ کون سے تعجب کی بات ہے اور کسی دوسرے بدن کی ان کو کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ بعض اولیاے کرام سے منقول ہے کہ بیک وقت متعدد جگہوں پر ان کی حاضری دیکھی گئی ہے اور ان کے ہاتھوں افعال مباینہ وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ اسی طرح ان کی لطیف روحیں بھی مختلف اجسام واشکال کے روپ دھار لیتی ہیں۔

مدارج النبوۃ میں ہے :

دیدن آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- بعد از موت بمثال است چنانکہ در نوم مرئ می شود در یقظہ نیز می نماید و آن شخص شریف کہ در مدینہ در قبر آسودہ وحی است ہمان متمثل می گردد در یک آن متصور بصور متعددہ عوام را در منام نماید و خواص را در یقظہ۔

یعنی رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے وصال ظاہری کے بعد ان کا دیدار مثال کے ساتھ

(۱) سیرت حلبیہ: ۳۷۳/۱۔

ہوتا ہے۔ چنانچہ جس طرح وہ خواب میں نظر آتے ہیں یوں ہی بیداری میں بھی۔ اور وہ ہستی جو مدینہ منورہ کے اندر اپنی قبر میں آسودہ وحی ہے وہی متمثّل ہوکر جلوہ گر ہوتی ہے۔ اور ایک ہی لحہ میں متعدد جگہوں پر عوام کے سامنے خواب میں اور خواص کے سامنے بیداری میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔

مدارج النبوۃ کی اس عبارت سے بھی آنِ واحد میں حضور- صلی اللہ علیہ وسلم - کے جوہر پاک کا متعدد شکلوں میں متشکل و مصور ہوکر ظاہر ہونا واشگاف ہوگیا۔

تعجب ہے کہ مولف براہین قاطعہ نے صفحہ ۲۱۰ میں 'صور متعددہ' کا لفظ مدارج سے عبارت نقل کرنے میں حذف کردیا کہ کہیں حضور- صلی اللہ علیہ وسلم - کے تصرف روحانی کی قوت نہ ثابت ہوجائے۔ پھر طرفہ یہ کہ اس عبارت مذکورہ سے آپ نے سند پکڑی کہ وہ تو مثال ظاہر ہونے کو لکھتے ہیں اور حضور- صلی اللہ علیہ وسلم - کی تشریف آوری کا اس میں کہیں نام ونشان بھی نہیں۔

افسوس! عبارت کا مضمون بھی آپ نے نہ سمجھا یعنی محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ وہ بدن جو قبر مبارک میں ہے وہی متمثّل ہوکر عوام کو خواب میں اور خواص کو بیداری میں نظر آتا ہے، یہ نہیں کہ یہ جسم اقدس سے جدا الگ کوئی اور چیز نظر آتی ہے۔ اس موقع پر صحاح کی حدیث بھی یاد نہ آئی :

مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي إِنَّهُ لاَ يَنْبَغِي لِلشَّيْطَانِ أَنْ يَّتَمَثَّلَ بِيْ . (۱)

---

(۱) سنن ابن ماجہ: ۱۱/۳۷۷ حدیث: ۳۸۹۲ ...... کنزالعمال: ۱۵/ ۳۸۱ حدیث: ۴۱۴۷۱ ...... مسند عبد بن حمید: ۳/ ۱۶۷ حدیث: ۱۰۴۸ ...... جزء ابی الجہم: ۱/۴ حدیث: ۳ ...... مسند جامع: ۹/۲۰۷ حدیث: ۲۸۶۲۔

یوں بھی یہ حدیث ملتی ہے :

- من رآني في المنام فقد رآني فإن الشيطان لا ينبغي له أن يتمثل بمثلي ( مسنداحمد: ۷/۴۳۱ حدیث: ۳۳۷۸ ...... سنن دارمی: ۶/۳۸۲ حدیث: ۲۱۹۴ ...... مسند جامع: ۲۸/۱۵۵ حدیث: ۹۲۵۱ )
- من رآني في المنام فقد رآني لا ينبغي للشيطان أن يتمثل في صورتي . ( سنن کبریٰ نسائی: ۴/۳۸۴ حدیث: ۷۶۲۹ )
- من رآني في المنام فقد رآني فإن الشيطان لا يتخيل بي . ( صحیح بخاری: ۲۱/۳۵۰ حدیث: ۶۴۷۹ ...... شمائل ترمذی: ۱/۴۶۱ حدیث: ۴۰۶ ...... دلائل النبوۃ بیہقی: ۸/ ۸۹ حدیث: ۲۹۷۲ ...... مسند جامع: ۴/۸۴ حدیث: ۱۱۶۹ ...... تحفۃ الاشراف: ۳/۱۱۶ حدیث: ۴۵۵ ...... تخریج احادیث الاحیاء: ۹/۴۴۷ حدیث: ۴۴۴۷ )
- من رآني في المنام فقد رآني فإن الشيطان لا يتمثل بي . ( صحیح مسلم: ۱۱/۳۶۰ حدیث: ۴۲۰۶ ...... سنن ابوداؤد: ۱۳/ ۲۱۱ حدیث: ۴۳۶۹ ...... سنن ترمذی: ۸/ ۲۳۶ حدیث: ۲۲۰۲ ...... سنن ابن ماجہ: ۱۱/۳۷۶ حدیث: ۳۸۹۱ ...... مسند احمد: ۱۴/۴۱۲ حدیث: ۶۸۷۱ ...... شمائل ترمذی: ۱/۴۵۴ حدیث: ۳۹۹ ...... مستدرک: ۱۹/ ۶۷ حدیث: ۶۳۰۱ ...... معجم کبیر طبرانی: ۱۰/۱۸۴ حدیث: ۱۲۲۳۳ ...... مسند ابویعلی موصلی: ۷/۳۱۱ حدیث: ۳۱۹۷ ...... مسند شاشی: ۲/۲۶۱ حدیث: ۶۷۷ ...... مسند اسحٰق بن راہویہ: ۱/۲۲۹ حدیث: ۲۱۹ ...... مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۳/۲۵۶ ...... کنز العمال: ۱۵/۳۸۱ حدیث: ۴۱۴۷۴ ...... مسند جامع: ۴/۸۴ حدیث: ۱۱۶۹ ...... تحفۃ الاشراف: ۵/۳۴۳ حدیث: ۴۲۴۳ )

یعنی جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھی کو دیکھا کیوں کہ شیطان کے لیے میری شکل وصورت میں آنا ممکن نہیں۔

جب خواب کے دیکھنے کی تصدیق حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-فرماتے ہیں حالاں کہ خواب ایک غفلت کا عالم ہے پھر بیداری کا دیکھا ہوا بدرجہ اولیٰ آپ ہی کا جوہر مقدس ہوگا نہ کہ کسی اور کا۔لہٰذا اس بدن مثالی کے آنے کو اگر آپ کا تشریف لانا کہا جائے تو حدیث کے موافق ہوگا نہ کہ مخالف۔یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد بھی الیاس وخضر کے تمثال کی بابت فرماتے ہیں :

بصورت روحانیان حاضر شدند۔

یعنی روحوں کی شکل میں حاضر ہوتے ہیں۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں :

روحانیت حضرت خاتمیت حضور ارزانی فرمود۔

---

بقیہ......

- من رآني في المنام فقد رآني فإن الشيطان لا يتمثل على صورتي . (سنن ابن ماجہ:۱۱/۳۷۵حدیث: ۳۸۹۰......کنز العمال:۱۵/۳۸۲حدیث:۴۱۴۷۸......مشکوٰۃ المصابیح:۲/۵۴۳حدیث:۴۶۰۹)
- من رآني فقد رآني فإني أرى في كل صورة . (روضۃ المحدثین:۷/۱۷۶حدیث:۲۹۵۱)
- من رآني في المنام فقد رآني فإن الشيطان لا يتكون في صورتي .(مسند بزار:۶/۴حدیث:۱۸۳۲)
- من رآني في المنام فقد رآني في اليقظة فإن الشيطان لا يتشبه بي . (معجم کبیر طبرانی:۱۵/۴۹۲حدیث: ۱۷۷۵۷)
- من رآني فقد رأى الحق إن الشيطان لا يتشبه بي . (مسند احمد:۱۵/۲۷۹حدیث:۷۲۳۸)
- من رآني فقد رأى الحق إن الشيطان لا يستطيع أن يتشبه بي . (مسند احمد: ۱۹/۱۶۷حدیث:۹۱۲۴ ......صحیح ابن حبان:۲۵/۱۵۳حدیث:۶۱۵۹)
- من رآني في المنام فقد رآني إن الشيطان لا يتصور بي .(مسند احمد:۱۸/۴۹۱حدیث:۸۹۴۸......مسند رویانی:۲/۶حدیث:۴۲۶......کنز العمال:۱۵/۳۸۲حدیث:۴۱۴۸۰)
- من رآني في المنام فقد رأى الحق . (صحیح ابن حبان:۲۵/۱۵۱حدیث:۶۱۵۸......سنن دارمی:۶/۳۸۳ حدیث:۲۱۹۵......مسند جامع:۳۸/۴۰۷حدیث:۱۲۵۵۷)
- من رآني في المنام فهو الحق . (مصنف عبدالرزاق:۱۱/۲۱۵حدیث:۲۰۳۶۳......جامع معمر بن راشد:۳/ ۱۵۲حدیث:۹۷۸)
- من رآني في المنام فقد رآني . (معجم کبیر طبرانی:۷/۳۶۹حدیث:۸۱۰۴......شمائل ترمذی:۱/۴۵۶ حدیث: ۴۰۱......معجم کبیر طبرانی:۱۹/۴۸۴حدیث: ۱۱۵۲......مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۳/ ۲۵۶......مسند جامع: ۱۷/۳۰۷ حدیث:۵۴۳۴......تحفۃ الاشراف:۴/۶۱حدیث:۲۷۱۲)

یعنی حضور ختمی مرتبت - صلی اللہ علیہ وسلم - کی روح مبارک جلوہ آرا ہوئی۔
یہی قصہ سید احمد صاحب کا ہے جو لفظ روح سے تعبیر فرمایا ہے :
روح حضرت غوث الثقلین وحضرت نقشبند متوجہ حضرت ایشاں گردید۔
واضح ہو کہ وہ مثال کوئی وہمی چیز اور خیال محض نہیں - جیسا کہ مولف براہین قاطعہ نے خیال کیا - بلکہ واقعۃً ایک شئ متصرف ہوتی ہے جیسا کہ علامہ زرقانی وغیرہم رقم فرماتے ہیں؛ لیکن اس مقام پر ہم حضرت مجدد الف ثانی کی عبارت نقل کرتے ہیں جس سے فریق ثانی کو انکار کی گنجائش نہیں ۔مکتوبات کی جلد ثانی میں فرماتے ہیں :

ایں تشکل گاہ در عالم شہادت بود وگاہ در عالم مثال و چنانچہ در یک شب ہزار کس آن سرور را - علیہ الصلوٰۃ والسلام - بصور مختلفہ در خواب می بینند و استفادہا می نمایند ایں ہمہ بشکل صفات ولطائف اوست - علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام - بصورت ہاے مثال و ہم چنیں مریداں از صور مثالی پیران استفادہا می نمایند وحل مشکلات می فرمایند۔

یعنی اس شکل وصورت میں تشریف لانا کبھی عالم شہادت میں ہوتا ہے اور کبھی عالم مثال میں ۔چنانچہ ایک ہی رات میں ہزاروں انسان عالم خواب میں رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کی زیارت سے مشرف ہو کر اس کے فوائد وثمرات حاصل کرتے ہیں ۔ یہ سب کچھ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - اپنے صفات ولطائف سے بھر پور اپنی مثالی صورت میں جلوہ افروز ہوتے ہیں ۔ اسی طرح اہل ارادت بھی اپنے پیروں کی صورت ہاے مثالیہ سے استفادہ کرتے رہتے ہیں ۔ اور وہ ان کی مشکلات کو رفع کرتی رہتی ہیں ۔

بھلا انبیا - علیہم السلام - کا درجہ تو بہت عالی ہے حضرت مجدد تو پیروں کی صورِ مثالی سے بھی حل مشکلات ثابت کر رہے ہیں اور یہ کوئی وہمی وخیالی امر نہیں ۔
اسی طرح لوگوں کی ضرورت کی بہ نسبت اولیاء اللہ کی مشکل کشائی مفسر روح البیان نے سورۂ ملک میں لکھی ہے :

**مثال أقامة الله تعالیٰ علیٰ صورته لتنفیذ ما شاء الله تعالیٰ من حوائج الناس وغیرها .** (۱)

یعنی لوگوں کی ضرورتیں وغیرہ پوری کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے چاہے سے اس ولی کی مثال اس کی صورت میں قائم فرما دی ہے۔

---

(۱) تفسیر روح البیان: ۱۴/ ۱۲۳۔

ظاہری بات ہے کہ جب ایک شخص کی صورت مثالی' دائرۂ خیال میں آئی اور مجلس میں اس شخص کی مثال کا آنا ثابت ہوا۔ پھر متعدد اشخاص کا یہ واقعہ دیکھنا دلیل ہے کہ اس توجہ روحانی میں مرغوبیت ومحبوبیت محفل کو دخل ہے، اور وہ مثال خود صاحب مثال کا جلوہ ہے -علیہ افضل الصلوٰۃ و التسلیمات- کیوں کہ آپ فرماتے ہیں :

مَنْ رَآنِي فَقَدْ رَآنِي . (۱)

یعنی جس نے مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا۔

مزید فرماتے ہیں :

مَنْ رَآنِيْ فَقَدْ رَأى الْحَقَّ . (۲)

یعنی جس نے مجھ کو دیکھا اس نے درحقیقت مجھے ہی دیکھا۔

یہ تقریر ہم اس صورت میں کرتے ہیں جب کہا جائے کہ وہ مثال نظر آتی ہے اور جب ''انتباہ الاذکیاء'' میں سیوطی -رحمۃ اللہ علیہ- احادیث سے ثابت کر چکے کہ آپ اطراف زمین میں پھرتے ہیں تو مثال کہنے کی کچھ ضرورت ہی نہیں۔ چنانچہ امام سیوطی -رحمۃ اللہ علیہ- ''مہمات المعارف'' میں لکھتے ہیں :

**فنبينا -صلى الله عليه وسلم- يتصرف و يسير بجسده و روحه حيث شاء في أقطار الأرض و في الملكوت و أنه مغيب عن الأبصار كما غيب الملائكة فإذا رفع الله الحجاب عمن أراد إكرامه برؤيته رآه على هيئته التي هو عليها لا مانع من ذلك و لا داعي إلى التخصيص برؤية المثال -انتهىٰ تلخيصا كذا في نور العين- .**

یعنی ہمارے نبی اکرم -صلی اللہ علیہ وسلم- تصرف فرماتے ہیں اور اپنے جسم وروح کے ساتھ زمین وآسمان میں جہاں چاہتے ہیں سیر فرماتے ہیں مگر ہمیں نظر نہیں آتے جیسے کہ فرشتے نہیں

---

(۱) روضۃ المحدثین:۷/۱۷۶حدیث:۲۹۵۱۔

(۲) صحیح بخاری:۲۱/۳۵۲حدیث:۶۴۸۱......صحیح مسلم:۱۱/۳۶۲حدیث:۴۲۰۸......مشکوٰۃ المصابیح:۲/۵۴۴......دلائل النبوۃ:۸/۸۸حدیث:۲۹۷۱......شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ الکائی:۲/۹۶حدیث:۴۶۵......معجم ابن المقریٔ:۳/۱۹حدیث:۹۶۵......مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:۳/۲۵۶......کنز العمال:۱۵/۳۸۲حدیث:۴۱۴۷۵......مسند جامع:۱۴/۲۹۵حدیث:۴۵۶۹......تحفۃ الاشراف:۵/۳۰۲حدیث:۴۰۹۷۔

دکھائی دیتے، مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اسے پردہ اٹھا کر سچ مچ وہی صورت مبارکہ دکھا دیتا ہے اس کے لیے کچھ محال نہیں، اب اس تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ کہا جائے کہ آپ کی مثال نظر آتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام سیوطی کا یہ قول تروح اجساد اور تجسد ارواح کے مسئلہ کے مطابق ہے جس کو اہل حقیقت مانتے ہیں یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ خود جسد پاک جو لطافت میں روح کی مانند ہے قبر سے معجزانہ طور پر نکل کر چلتا پھرتا ہو جیسا کہ شب معراج (بیت المقدس میں) انبیاے کرام کی حاضری بعض علما کے نزدیک ان کے جسموں کے ساتھ ہوئی تھی، اور بعضوں کے نزدیک محض روح کے ساتھ۔ اور بعض اولیاے کرام غلبہ روحانیت کے سبب بند مکان سے دروازہ کھولے بغیر باہر نکل آتے ہیں۔ الحاصل! جس طرح بھی ہو خواہ جسم وروح کے ساتھ یا مثال کے ساتھ، خستہ حال امت کی طرف آپ کی رونق افروزی ثابت الاصل ہے۔

مولف براہین کا صفحہ ۲۰۸ پر یہ لکھنا کہ:

مشاہدہ کے واسطے ارواح کا مشاہد کے گھر میں آنا ضرور نہیں قلب منور بعید سے دیکھتا ہے۔

اس موقع پر صحیح نہیں؛ اس لیے کہ جب کسی نے کسی مقام خاص کو حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - کی رونق افروزی سے مشرف دیکھا تو وہاں جلوۂ محمدی پایا ہے۔

## واقعہ تالاب شمسی کا۔

اب دہلی میں ہوئے تالاب شمسی کا ایک قصہ لکھتا ہوں جسے "فوائد السالکین" میں حضرت قطب الاقطاب قطب الدین بختیار کاکی - قدس سرہ - کے خلیفہ جناب شیخ الاسلام فرید الدین گنج شکر اجودھنی - رحمۃ اللہ علیہ - نے انھیں کے حوالے سے نقل ورقم فرمایا ہے:

شمس از والی دہلی خواست کہ حوض بنا کند یک روز سوار شد با جمیع ارکان دولت زمین برائے راست کنانیدن حوض می دید چنانچہ رسید انجا کہ حوض است بایستاد کہ ایں زمین بہتر است چوں دید باز گشت در قصر آمد چوں آں مردے کہ از واصلان حق بود، ہم دریں نیت دراں شب، ہمبران مصلی قدری در خواب شد چنانچہ دید نزدیک چبوترہ کہ دراں حوض است مردے با دو گیسو کشادہ وخوبصورت کہ صفت اونتواں کرد بر اسپ و چند نفر یار برابر او ایستادہ ہمیں نظر مبارک ایشاں بر من افتاد و پیش خود طلبید وفرمود کہ بیا چہ نیت داری گفتم نیت ایں

دارم کہ ایں جا حوض بنا کنم ہم دریں گفتگوے کسے کہ نزدیک آں مرد استادہ بود مرا گفت اے شمس ایں رسول خداست - عزوجل - انچہ درخواست داری باز نمائے تا آں مراد بدامن تو رساند چوں مرا اندیشہ ایں حوض بود ہمیں التماس کردم ودر پائے مبارک رسول - علیہ السلام - افتادم بعدہ برخاستم دست بستہ استادہ شدم ہماں جا کہ چبوترہ است اسپ رسول - علیہ السلام - دست بزد آب بیرون آمد رسول - علیہ السلام - فرمود کہ اے شمس! ہمیں جا حوض راست بکنانی ایں چنیں آب بیرون خواہد آمد کہ در ہیچ شہر ومقامی لذت آں آب نباشد ہم دریں گفتگوے بیدار شدم ہماں روز پگاہ سوار شدم چوں آں جا بیامدم کہ اسپ رسول - علیہ السلام - سم زدہ بود چہ بینم کہ آب بیروں آمدہ است وآں جا قرار گرفتہ ہر کس کہ برابر شمس آمدہ بود قدرے ازاں آب خوردند سوگند برزباں راندند کہ صد ہزار شیریں از ہر چہ جمع کنند وبخورند ایں چنیں شیریں نیابند کہ لذت آں آب دارد آں گاہ خواجہ قطب الاسلام فرمود کہ شیرینی آں آب بہ برکت قدم مبارک رسول - علیہ السلام - بود۔

یعنی شمس نے والی دہلی سے ایک تالاب بنانے کی درخواست کی۔ تو ایک روز وہ اپنے جملہ سرکاری عملوں کے ساتھ سوار ہو کر تالاب کے لیے کسی موزوں زمین کے انتخاب کے لیے نکلا۔ چنانچہ تالاب والی جگہ پر رک کر کہا کہ تالاب کے لیے یہ سب سے موزوں زمین ہے۔ معاینہ کرنے کے بعد وہ اپنے محل میں لوٹ آیا۔ وہ شخص کہ واصلانِ حق سے تھا، اسی ارادے سے رات مصلّے پر تھوڑی دیر کے لیے سو گیا۔ ذرا دیر کے لیے آنکھ لگ گئی اور خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ تالاب والے چبوترہ کے نزدیک ایک نہایت ہی حسین وجمیل خوبصورت زلفوں والی ایک شخصیت کہ جس سا پہلے نہ دیکھنے میں آیا اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار تھا۔ اسی حالت میں اس کی نگاہِ مبارک مجھ پر پڑی اور اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ بتاؤ کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا یہاں پر ایک تالاب بنانے کی خواہش رکھتا ہوں۔ دورانِ گفتگو ان کے پاس کھڑے ہوئے ایک شخص نے مجھے بتایا کہ اے شمس یہ رسولِ خدا ہیں۔ جو بھی خواہش ہو اس کا اظہار کر دو تا وہ تمھیں بامراد کر دیں۔ چوں کہ مجھے صرف اس تالاب کی فکر تھی اس لیے میں نے اس سلسلے میں التماس کر دی اور قدم مبارک پر گر پڑا پھر کھڑے ہو کر دست بستہ درخواست کی۔ جس جگہ پر چبوترہ ہے رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کے گھوڑے نے اپنے اگلے پاؤں کا سم لگایا تو پانی نکل آیا۔ تو رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - نے فرمایا کہ اے شمس! یہاں پر تالاب بنالو۔ امید ہے کہ اس سے ایسا پانی نکلے گا جس کی لذت وچاشنی کسی اور شہر ومقام کے پانی میں نہیں پائی جا سکتی۔ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ میں جاگ اٹھا۔ اسی صبح سوار ہو کر نکلا اور وہاں پہنچا جہاں رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کے

گھوڑے نے سم لگایا تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ پانی نکل آیا ہے۔ شمس کچھ دیر وہیں کھڑا ہوکر یہ نظارہ دیکھتا رہا کہ جو شخص بھی اس پانی کا ذائقہ چکھ لیتا یہ کہے بغیر نہ رہتا تھا کہ اپنی زندگی میں ایسا شیریں ترین پانی پینے کا ہمیں کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ خواجہ قطب الاسلام فرماتے ہیں کہ اس پانی کی اس مٹھاس کا راز نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کے قدم مبارک کی برکت سے تھا۔

اس حکایت میں اس کا صاف ثبوت ہے کہ جس مقام پر آپ کے گھوڑے کا سم دیکھتا تھا وہاں صبح کو پانی خوش گوار پایا، اگر قلب منور ہے فقط دور سے دیکھتا تھا اور مکان رویت سے اس کو علاقہ نہ تھا تو اس زمین میں پانی نکل آنے کی کیا وجہ ہوئی؟ اور یہ حکایت' اولیاے ابرار کی لکھی ہوئی ہے۔ اس سے قطع نظر اہل دہلی یوں ہی متوارث سنتے چلے آئے کہ تالاب شمسی کے بنا کی یہی وجہ تھی۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ جب اولیاے ابرار اور اصحاب کشف وشہود نے روح یا روح کی مثال کو مجلس میں دیکھا تو اس مجمع اور مکان کا نورِ محمدی کے فیضان سے مشرف ہونا تسلیم کرنا چاہیے جیسا کہ مکہ معظّمہ میں مذہب حنبلی کے مفتی، محمد بن یحییٰ، علماے اعلام اور مقتدایانِ اسلام سے نقل کرتے ہیں :

**عند ذكر ولادته -صلى الله عليه وسلم- يحضر روحانيته -صلى الله عليه وسلم- .**

یعنی میلاد النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کے ذکر جمیل کے وقت محفل میں آپ کی روحانیت مبارکہ جلوہ بار ہوتی ہے۔

برزنجی کے رسالہ منظومہ، نیز ''روح البیان'' کی چوتھی اور چھٹی جلد میں روح مبارک کے حاضر ہونے کی تصریح ہے۔ اور اس مسئلہ کا رنگ و بو خود شاہ ولی اللہ صاحب کے کلام میں موجود ہے۔ ''فیوض الحرمین'' کے اندر مدینہ طیبہ میں حاصل ہوئی اپنی دولت مشاہدہ کے بارے میں بیان فرماتے ہیں :

**و رأيته على حالة واحدة متوجها إلى الخلق لابسا لباس العظمة فإذا توجه إليه إنسان بجهد همته و لا أريد الإنسان العالي الهمة فقط بل كل ذي كبد يشتاق إلى شيء و يتوجه إليه بقصده و شوقه فإنه يتدلى إليه و رأيته -صلى الله عليه وسلم-ينشرح انشراحا عظيما لمن صلى عليه و سلم و مدحه .**

یعنی میں نے رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- کو ایک حالت پر ٹھہرا ہوا پایا کہ لباس عظمت پہنے آپ مخلوق کی طرف پورے طور پر متوجہ ہیں۔ جب کبھی بھی کوئی انسان بلند ہمتی سے آپ کی طرف لو لگاتا ہے- گرچہ وہ عالی ہمت بڑے درجہ کا نہ ہو بلکہ کوئی کیسا بھی صاحب جگر ہو- لیکن جب وہ پورے ذوق ولگن سے مشتاق ہوتا ہے تو حضور اکرم -صلی اللہ علیہ وسلم- خود اس کی

طرف چل کر آتے ہیں۔ نیز میں نے یہ بھی دیکھا کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- درود وسلام اور مدح ونعت پڑھنے والوں پر بے پناہ خوش ہوتے ہیں۔

اس عبارت میں صاف بیان ہے کہ مدحِ رسول پڑھنے اور درود وسلام بھیجنے والوں کی طرف حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کا دل خوب کھنچتا ہے اور جب کوئی مشتاق عشق' دل سے حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کی طرف مائل اور متوجہ ہوتا ہے تو آپ اس کے پاس اُتر آتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے مضمون کا یہ خلاصہ بعینہٖ ان کے الفاظ میں ہے۔ جسے زیادہ تحقیق درکار ہو تو اصل کتاب ''فیوض الحرمین'' کی طرف رجوع کرے، اس میں اس مطلب کی زیادہ تشریح وتوضیح ملے گی۔

## اولیا کے کشف والہام

کشف والہامات اولیا کی نسبت' مولف براہین قاطعہ کا صفحہ ۴۰۸ میں یہ لکھنا عجب بات ہے:

الہام وکشف اولیا کا مفید حکم اور حجت علی الغیر نہیں ہوتا۔

کیوں صاحب! شاہ عبد الرحیم اور شاہ ولی اللہ -رحمۃ اللہ علیہم- وغیرہ عارفین سے بالکل ایسے غیر بن گئے کہ آپ پر ان کا کشف حجت نہیں ہوسکتا- اللہ اللہ- ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

اب ہم کشف اور رویاے صادقہ کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔

کشف نام ہے اس کا کہ جب ایک مردِ مرتاض کے ظاہری حواس وقویٰ مجاہدات کی شدت و کثرت کی وجہ سے مضمحل ہوجاتے ہیں تو جوہر عقل' قوی ہوکر موردِ نورِ الٰہی ہوجاتا ہے، پھر اس نور کی تائید سے اشیا کی حقیقتیں بالکل ویسی ہی معلوم ہونے لگتی ہیں جیسی واقع اور نفس الامر میں ہوتی ہیں۔

حدیث میں ایسے شخص کی نسبت وارد ہوا ہے:

يَنْظُرُ بِنُورِ اللّٰهِ . (۱)

---

(۱) یہ عبارت اطراف حدیث معلوم ہوتی ہے اس سلسلہ کی حدیثیں یوں ہیں:

❁ اتقوا فراسة المومن فإنه ينظر بنور الله . (سنن ترمذی:۳۹۹/۱۰ حدیث:۳۰۵۲......معجم کبیر طبرانی:۱۰۹/۷ حدیث:۷۳۶۹......معجم اوسط طبرانی:۳۵۲/۷ حدیث:۳۳۸۲......مسند شامیین:۱۷۳/۶ حدیث:۲۰۱۱......مسند شہاب قضاعی:۴۰/۳ حدیث:۶۲۲......الاربعون علی مذہب المتحققین من الصوفیہ اصبہانی:۹۳/۱ حدیث:۵۴......الزہد الکبیر بیہقی:۳۷۴/۱ حدیث:۳۷۰......الضعفاء الکبیر عقیلی:۹۵/۸ حدیث:۱۸۵۶......جامع بیان العلم وفضلہ ابن عبد البر:۳۳۵/۲ حدیث:۷۸۵......معجم الشیوخ ابن جمیع صیداوی:۳۸۷/۱......مجمع الزوائد ومنبع الزوائد:۴۸۶/۴......کنز العمال:۸۸/۱۱ حدیث:۳۰۷۳۰......مسند جامع:۲۹۴/۱۳ حدیث:۴۱۸۰......تخریج احادیث الاحیاء:۲۴۹/۶ حدیث:۲۶۰۰)

یعنی وہ نورِ الٰہی سے دیکھتا ہے۔

اور سچا خواب وہ ہے جو احادیث میں آیا ہے کہ رویا صالحۂ نبوت کا چھیالیسواں جزو ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ نبوت تو ہو چکی اب مبشرات یعنی رویا صالحہ باقی ہیں تو کشف و منام صالحہ کو اس طرح تحقیر سے بالکل ہی رد کر دینا صحیح نہیں۔(۱)

---

بقیہ.....

- إياكم و فراسة المومن فإنه ينظر بنور الله . (مصنف عبدالرزاق:۱۰/۴۵۱ حدیث:۱۹۶۷۴......جامع معمر بن راشد:۱/۳۴۴ حدیث:۲۷۳)
- احــذروا دعوة المومن و فـراسته فإنه ينظر بنور الله عزوجل و بتوفيق الله عزوجل . (امثال الحدیث اصبہانی:۱/۱۶۳ حدیث:۱۱۴)
- إحذروا دعوة المومن و فـراسته فـإنه ينظـر بنور الله و ينطق بتوفيق الله . (الاربعون علی مذہب المتحققین من الصوفیہ اصبہانی:۱/۹۴ حدیث:۵۵......کنز العمال:۱۱/۸۸ حدیث:۳۰۷۳۱......المقاصد الحسنۃ:۱/۱۰)
- المومن ينظر بنور الله الذي خلق منه . (کنز العمال:۱/۱۶۵ حدیث:۸۲۳......المقاصد الحسنۃ:۱/۲۲۹)

(۱) متن حدیث یوں ہے :

- لن يبقىٰ بعدي من النبوةِ إلا المبشراتُ فقالوا و ما المبشراتُ يا رسول الله قال الرؤيا الصالحةُ يـراهـا الـرجـل الصالح أو تُرى له جزءٌ من ستة و أربعين جزءاً من النبوة . (موطا امام مالک:۶/۲۸ حدیث:۱۵۰۶......کنز العمال:۱۵/۳۶۸ حدیث:۴۱۴۰۸)
- لن يبقىٰ بعدي من النبوةِ إلا المبشراتُ فقالوا و ما المبشراتُ يا رسول الله قال الرؤيا الصالحةُ يراها الرجل الصالح أو تُرى له . (صحیح بخاری:۲۱/۳۴۱ حدیث:۶۴۷۵......معجم کبیر طبرانی:۳/۲۹۷ حدیث: ۲۹۷۹......شعب الایمان بیہقی: ۱۰/۲۶۷ حدیث: ۴۵۶۳......شرف اصحاب الحدیث خطیب بغدادی: ۱/۲۷۳ حدیث:۲۲۱......مجمع الزوائد و منبع الفوائد:۳/۲۵۱......کشف الخفاء:۱/۴۱۸ حدیث:۱۳۴۱......مسند جامع:۱۵/۱۷۵ حدیث:۱۷۰۷۹......تحفۃ الاشراف:۱۱/۴۱۰ حدیث:۱۳۱۹۰......مشکوٰۃ المصابیح:۲/۵۴۳ حدیث:۴۶۰۶)

یہ حدیث یوں بھی آئی ہے :

- إن الـرسالةَ و النبوة قد انقطعت فلا رسول بعدي ولا نبي قال فشق ذلک على الناس فقال لكن الـمبشـرات قـالوا يا رسول الله و ما المبشرات قال رُؤيا المسلم و هي جزءٌ من أجزاء النبوة . (سنن ترمذی: ۸/۲۳۰ حدیث: ۲۱۹۸ ...... مسند احمد: ۲۷/ ۳۶۹ حدیث: ۱۳۳۲۲......مستدرک حاکم: ۱۹/ ۵۸ حدیث: ۸۲۹۲......تفسیر من سنن سعید بن منصور: ۳/ ۴۳۰ حدیث: ۱۰۱۵ ...... کنز العمال: ۱۵/ ۳۶۷ حدیث: ۴۱۴۰۷......مسند الجامع:۴/۸۵ حدیث:۱۱۷۰)

یوں بھی آیا ہے :

- ذهبت النبوة و بقيت المبشرات . (سنن ابن ماجہ:۱۱/۳۷۰ حدیث:۳۸۸۶......مسند احمد:۵۵/۱۱۷ حدیث: ۲۵۸۹۰......سنن دارمی: ۶/۳۸۰ حدیث: ۲۱۹۳......صحیح ابن حبان: ۲۵/۱۴۳ حدیث: ۶۱۵۴......مشکل الآثار طحاوی: ۵/۱۶۳ حدیث: ۱۸۱۲......کنز العمال: ۱۵/۳۷۶ حدیث: ۴۱۴۵۳......مسند جامع: ۱۳/ ۵۳ حدیث: ۱۷۷۴۲ ...... تحفۃ الاشراف:۱۱/۴۱۰ حدیث:۱۸۳۴۸...... روضۃ المحدثین:۷/۱۷۱ حدیث:۲۹۴۶)

اب ہم بعض وہ مقامات بیان کریں جہاں کشف پر عمل ہوا ہے۔ حضرت خضر کو بعضوں نے نبی کہا ہے مگر "معالم التنزیل" میں ہے کہ اکثر اہل علم کے نزدیک وہ نبی نہیں تھے، پھر دیکھیے کہ الہام وکشف پر عمل کر کے انھوں نے مساکین کی کشتی توڑ ڈالی اور ایک نوجوان لڑکا مار ڈالا۔

حضرت موسیٰ - علیہ السلام - کی والدہ بالاتفاق نبی نہیں تھیں انھوں نے اپنے بیٹے کو تابوت میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا یہ فعل بھی ہلاک کر دینے کے قریب ہے لیکن بالہام الٰہی کیا۔ یہ سب واقعے قرآن کریم میں موجود ہیں اگر کوئی ان کو شریعت سلف ہونے کا خیال کرے تو لیجیے اب اصحاب رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کا حال سنیے۔

مشکوٰۃ کے - باب الکرامات - میں حدیث عائشہ - رضی اللہ عنہا - میں مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کے غسل وفات کی نوبت پہنچی تو صحابہ کہنے لگے ہم نہیں جانتے کہ جسم مبارک سے کپڑے اتار کر غسل دیں یا کپڑوں کے ساتھ ہی، کسی کی یہ رائے ہوئی اور کسی کی وہ۔ تب اللہ تعالیٰ نے سب پر نیند بھیج دی وہ سب سو گئے خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ گھر کے گوشہ میں ایک بولنے والا بولتا ہے کہ تم نبی کریم - صلی اللہ علیہ وسلم - کو کپڑوں سمیت غسل دو، پھر وہ نیند سے اٹھے اور آپ - صلی اللہ علیہ وسلم - کو کرتا پہنے ہوئے غسل دیا۔(۱)

---

(۱) متن حدیث یوں ہے : لـمـا أرادوا غسلَ النبي ﷺ قالوا : لا ندري أ نُجرِّدُ رسولَ الله ﷺ من ثيـابه كما تُجَرد موتانا أم نغسله و عليه ثيابُه ؟ فلما اختلفوا ألقى الله عليهم النومَ حتىٰ ما منهم رجلٌ إلا و ذَقنُـه فـي صـدره ثـم كلمهم مكلِّمٌ من ناحية البيت لا يدرون من هو؟ اغسلوا النبي ﷺ و عـلـيـه ثيـابـه فـقـامـوا فـغسـلـوه و عـلـيـه قميصه يَصُبُّون الماء فوق القميص و يُدلِّكُونَه بالقميص . (مشکوٰۃ المصابیح:۲۹۳/۳ حدیث:۵۹۴۸)

مندرجہ ذیل کی کتابوں میں اس حدیث کا اتمام یوں ملتا ہے :

و كـانـت (عائشة –رضي الله عنها–) تقول لو استقبلت من الأمر ما استدبرت ما غسل رسولَ الـلـه –صـلـى الله عليه وسلم– إلا نساء ه . (سنن داؤد:۴۲۱/۸ حدیث:۲۷۳۳......مسند احمد:۲۶۰/۵۳ حدیث:۲۵۱۰۲......دلائل النبوۃ بیہقی:۳۶۹/۸ حدیث:۳۱۹۶......منتقی ابن جارود:۷۱/۲ حدیث:۵۰۲)

یہ حدیث یوں بھی ملتی ہے اور مرادِ مصنف کے زیادہ قریب ہے :

لـمـا أرادوا غسـلَ رسول الله ﷺ اختلفوا فيه . فقالوا : والله ما ندري كيف نصنع ، أ نُجرِّدُ رسولَ الله ﷺ كما نُجَرد موتانا أم نغسله و عليه ثيابُه ؟ قالت : فلما اختلفوا ارسل الله عليهم السِّـنَـةَ ، حتـى والله ما من القوم من رجلٍ إلا ذَقنُه في صدره نائما . قالت : ثم كلمهم من ناحية البيـت لا يـدرون مـن هـو؟ فقال : اغسلوا النبي –صلى الله عليه وسلم– و عليه ثيابه . قالت : فثـاروا إليـه ، فـغسـلـوا رسول الله ﷺ و هو في قميصه ، يفاض عليه الماء و السِّدرُ و يَدلِكُهُ الـرجـال بـالـقـمـيـص . و كانت تقول : لو استقبلت من الأمر ما استدبرت ما غسلَ رسولَ الله ﷺ إلا نساء ه . (مسند جامع:۳۷۱/۴۹ حدیث:۱۶۴۳۴......مسند احمد بن حنبل:۲۶۰/۵۳ حدیث:۲۵۱۰۲)

اس حدیث میں لفظ قاموا کا ترجمہ زرقانی نے شرح مواہب میں یہ کیا ہے :

**انتبھوا من النوم .**

یعنی نیند سے بیدار ہوئے۔

اب دیکھیے کہ صحابہ نے بھی یہ عمل الہام منامی پر کیا ہے اور پھر صحابہ کرام کے بعد فقہا و محدثین نے بھی بہت سے الہامات پر عمل کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی ''مکتوبات'' میں اس کی بابت ایک سوال و جواب میں لکھتے ہیں :

**سوال:** چوں دیں بہ کتاب وسنت کامل گشت بعد از کمال بہ الہام چہ احتیاج بود و چہ نقصان ماندہ کہ بالہام کامل گردد۔

**جواب:** الہام مظہر کمالات خفیہ دین است نہ مثبت کمالات زائدہ در دین چنانچہ اجتہاد مظہر احکام است الہام مظہر دقائق و اسرار است کہ فہم اکثر مردم ازاں کوتاہ است ہر چند در اجتہاد و الہام فرق واضح است کہ آں مستند بخالق راست -جل سلطانہ- پس در الہام یک قسم اصالت پیدا شد کہ در اجتہاد نیست الہام شبیہ اعلام نبی است کہ ماخذ سنت است چنانچہ بالا گذشت اگر چہ الہام ظنی ست وآں اعلام قطعی۔ انتہیٰ۔

سوال: اگر کتاب وسنت کے ذریعہ دین کی تکمیل ہو چکی ہے تو اب اس کمال کے بعد الہام کی کیا حاجت رہ جاتی ہے اور اس کے اندر ایسا کون سا نقص رہ گیا ہے جس کو الہام کے ذریعہ پورا کیا جائے؟

جواب: الہام دین کے خفیہ کمالات کا مظہر ہوتا ہے نہ کہ دین کے کمالات زائدہ کا۔ جس طرح اجتہاد مظہر احکام ہے اسی طرح الہام ان دقائق و اسرار کو منکشف کرتا ہے جن تک اکثر لوگوں کی رسائی نہیں ہو پاتی۔ ہر چند کہ اجتہاد و الہام میں بین فرق ہے کہ وہ تو خالق مطلق کی طرف سے ہوتا ہے تو الہام کے اندر اصالت کی ایک ایسی صورت پیدا ہو گئی جو اجتہاد میں نہیں۔ الہام اعلام نبی کے مشابہ ہوتا ہے جس کا ماخذ سنت ہے- جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے- گرچہ الہام ظنی ہے اور وہ اعلام قطعی۔

شیخ عبدالحق -رحمۃ اللہ علیہ- ''مدارج النبوۃ'' میں لکھتے ہیں کہ اگر خواب میں حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- سے کوئی بات از قسم احکام سنے تو اس پر عمل نہ کرے لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی رویت میں شک ہے بلکہ یہ اس سبب ہے کہ خواب دیکھنے والے کا ضبط

مفقود ہے۔ پھر اس کے بعد لکھتے ہیں کہ احکام شرعیہ سے ہماری مراد وہ احکام ہیں جو دین کی قرارداد کے خلاف ہوں اور اگر وہ ایسے نہیں تو ان کے قبول کرنے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

اصل عبارت یوں ہے :

ومراد احکام شرعیہ کہ مخالف قرارداد دین ست والا بعضے علوم کہ نہ ازیں قبیل باشد در قبول آں وعمل بداں خلافے نخواہد بودہ بسیارے از محدثین تصحیح احادیث کہ مروی است از حضرت وی نمودہ عرض کردہ کہ یا رسول اللہ فلاں ایں حدیث از حضرت تو روایت کردہ است پس فرمود آں حضرت نعم او لا و در رویت کہ در یقظہ است بعضے مشائخ نیز ہم چنیں استفادہ علوم نمودہ اند۔

یعنی احکام شرعیہ سے ہماری مراد یہ ہے کہ جو دین کے قرارداد کے مخالف نہ ہو۔ ورنہ بعض علوم کہ جو اس قبیل سے نہیں ہیں ان کو بھی قبول کر کے انھیں جامۂ عمل پہنا دیا گیا ہے۔ اور بہت سے محدثین نے نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- سے مروی صحیح احادیث کے سلسلہ میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا فلاں حدیث آپ سے مروی ہے؟ تو نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- نے فرمایا ہاں یا نہیں۔ اور عالم بیداری میں جو رویت ہوتی ہے اس سے بھی بعض مشائخ نے استفادہ کیا ہے۔

اسی طرح مفسر روح البیان نے بھی لکھا ہے کہ عالم رویا میں بہت سے علما نے حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- سے حدیث حاصل کی ہیں۔

جب کشف ومنامات اولیا کی یہ حقیقت ظاہر ہوگئی تو اب معلوم ہونا چاہیے کہ جب اہل مکاشفہ نے عمل میلاد سے رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کو خوش پایا، مجلس میں انوارِ الٰہی دیکھے، بعض عین مجلس میں زیارت سے مشرف بھی ہوئے اور بعضوں کو خواب میں فرمایا کہ ہم بھی وہاں آتے ہیں۔ اب جب ہم اس کشف ومنام کو شریعت ( کی کسوٹی ) پر پیش کرتے ہیں تو اس کو دین متین کی قرارداد کے مخالف نہیں پاتے؛ اس لیے کہ مکانِ مجلس یقیناً زمین کا کوئی ٹکڑا ہوگا تو اقطار الارض میں داخل ہوگا اور اقطارِ ارض میں آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے چلنے پھرنے کو امام سیوطی - رحمۃ اللہ علیہ - نے احادیث وآثار سے ثابت کیا ہے، لہٰذا اس مکاشفہ کا مضمون' مضمون حدیث کے افراد وحصص میں سے ایک فرد اور حصہ ہوا، دین کے مقررہ احکام سے کسی حکم کا مخالف تو نہ ہوا؛ اس لیے مقبولین امت محمدیہ -علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ - نے اس کو بسر وچشم قبول کیا۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی

لکھ دیا کہ جب کوئی صاحب دل' ذوق وشوق سے ہمت لگا تا ہے تو حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- بھی اس کی طرف نزول [1] فرماتے ہیں۔

## مسئلہ علمِ غیب مصطفیٰ

**اعتراض**: اگر کوئی یہ کہے کہ روح مبارک کو خبر ہو جانی' علم غیب ہے اور علم غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نمل میں فرمایا :

قُلْ لاَ يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَ الأَرْضِ الْغَيْبَ إِلاَّ اللّٰـهُ . (۲)

تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔

نیز اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کو سورۂ اعراف میں حکم کیا کہ اے محمد! -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- لوگوں سے کہہ دو :

لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لاَسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوءُ . (۳)

اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی اور مجھے کوئی برائی نہیں پہنچی۔

**جواب**: اس کا یہ ہے کہ اگر آپ صاحبوں کو ان آیتوں پر ایمان ہے تو مبارک ہو، بہت اچھی بات ہے لیکن چاہیے کہ دوسری آیتوں کو بھی سچی جانو۔ سورۂ آل عمران میں ہے :

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاءُ.(۴)

اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو! تمھیں غیب کا علم دیدے، ہاں! اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔

سورۂ جن میں ہے :

---

(۱) **حاشیہ**: مولف براہین کا یہ کہنا کہ یہ قصہ ملائکہ کا ہے سخت غلطی ہے؛ اس لیے کہ یہاں ''متوجہ الی الخلق'' اور ''کل ذی کبد'' کے الفاظ ہیں نیز ذات مقدس رحمۃ للعالمین ہے، اور قبر مبارک کے زائر کے حالات اور نیت قلبی وغیرہ پر مطلع ہونا تو علی العموم ہے، پھر اس جہد ہمت اور ذی کبد مشتاق کی قید کا کیا فائدہ!۔ لہٰذا مکاشفہ عام ہے۔ ہاں! اگر یہ کہیں کہ یہ قصہ شاہ صاحب پر مدینہ میں منکشف ہوا تو بعید نہیں۔۱۲ منہ

(۲) سورۂ نمل؛ ۶۵/۲۷۔

(۳) سورۂ اعراف؛ ۱۸۸/۷۔

(۴) سورۂ آل عمران؛ ۱۷۹/۳۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلاَ يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ أَحَداً إِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ . (۱)

غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

ان چاروں آیتوں کو ملانے سے اہل سنت و جماعت کا مسئلہ اعتقادی کھل جاتا ہے یعنی اصل عالم الغیب اور علام الغیوب تو اللہ تعالیٰ ہے، زمین وآسمان میں کوئی ایسا نہیں جو یقینی طور پر کسی بات کو بلا تعلیم والہام الٰہی' جان لے، ہاں! اللہ تعالیٰ اپنے پیارے برگزیدہ رسولوں میں سے جس کو چاہے غیب کی خبریں بتا دیتا ہے تو جو شخص یوں کہے کہ رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کچھ بھی غیب کی بات نہ جانتے تھے وہ اللہ کے کلام کا منکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

غیب کی خبروں کے لیے جس کو چاہے چھانٹ لیتا ہے۔

نیز حدیث رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کا بھی منکر ہوا کہ مشکوٰۃ کے-باب المعجزات- میں عمرو بن اخطب انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- نے ہم کو فجر کی نماز جماعت سے پڑھائی، اور منبر پر چڑھے، ہم کو نصیحت فرمائی یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا، آپ منبر سے اُترے، نماز پڑھی پھر منبر پر چڑھ کر ہم کو نصیحت فرماتے رہے کہ عصر کا وقت آ گیا، آپ اُترے، نماز پڑھی پھر منبر پر چڑھے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ اس دن رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- نے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے ہم کو سب بتا دیا، اب ہم میں زیادہ عالم وہ ہے جس کو اس دن کی زیادہ باتیں یاد ہیں۔ یہ حدیث مسلم نے روایت کی ہے۔(۲)

---

(۱) سورۂ جن؛۷۲/۲۶۔

(۲) (مشکوٰۃ المصابیح:۳/۲۹۰ حدیث: ۵۹۳۶......صحیح مسلم:۱۴/۴۷ حدیث: ۵۱۴۹......مسند احمد: ۴۶/۳۶۶ حدیث: ۲۱۸۱۷......الآحاد والمثانی ابن ابی عاصم:۶/۱۷۸ حدیث:۱۹۲۴......معجم کبیر طبرانی:۱۱/۴۱۶ حدیث:۱۳۵۲۳...... دلائل النبوۃ بیہقی:۷/۸۶ حدیث:۲۵۷۴......مسند ابویعلی موصلی:۱۴/۱۰۴ حدیث:۶۶۹۶......صحیح ابن حبان:۲۷/ ۳۲۱ حدیث: ۶۷۶۴ ...... الایمان ابن منده: ۳/۱۲۱ حدیث: ۱۰۲۲...... الفقیہ و المتفقہ خطیب بغدادی: ۳/۴۹ حدیث:۹۳۵......مسند جامع:۳۲/۴۳۲ حدیث:۱۰۷۰۰......تحفۃ الاشراف:۹/۴۹۲ حدیث:۱۰۶۹۶......فتح الباری شرح بخاری ابن حجر:۹/۴۷۳ حدیث:۲۹۵۳......الدیباج علی مسلم:۶/۲۱۹ حدیث:۲۸۹۲......ریاض الصالحین:۱/ ۱۹۹-باب المنثورات والملح-......سبل الہدیٰ والرشاد:۱۰/۱۳۹......الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ:۳/۳۳۰......تہذیب الکمال:۲۰/۲۹۴......البدایۃ والنہایۃ:۱/۸......النہایۃ فی الفتن والملاحم:۱/۶-اشارات نبویۃ الی الاحداث-...... تاریخ الاسلام ذہبی:۱/۱۰۸-فوقعت کما اخبر-)

متن حدیث یوں ہے :

و عن عمرو بن أخطب الأنصاري قال صلى بنا رسولُ الله ﷺ يوما الفجرَ و صعد المنبرَ فخطَبَنا حتى حضرت الظهرُ فنزل فصلى ثم صعد المنبرَ فخطبنا حتى حضرت العصرُ ثم نزل فصلى ثم صعد المنبر فخطبنا حتى غربت الشمسُ فأخبرنا بما كانَ و بما هو كائنٌ فأعلمُنا أحفظُنا.

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے بہت سی غیب کی خبریں دی ہیں۔
حذیفہ -رضی اللہ عنہ- فرماتے ہیں کہ آپ -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- نے قیامت تک ہونے والی کوئی چیز نہ چھوڑی جو ہم کو نہ بتائی ہو۔(۱)
ابوذر -رضی اللہ عنہ- فرماتے ہیں کہ آپ اس عالم سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ ہم کو ہر چیز بتا گئے، اگر کوئی جانور بھی آسمان میں بازو ہلاتا ہے تو وہ بھی آپ ہم سے ذکر کر چکے ہیں۔ یہ امام احمد اور طبرانی نے روایت کی ہے۔(۲)

(۱) متن حدیث یوں ہے : عن حذيفة بن اليمان قال : خطبنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فأخبرنا بما هو كائن إلى يوم قيام الساعة . (الایمان لابن مندہ:۱۱۹/۳ حدیث:۱۰۲۰......مسند بزار: ۲۷۶/۷ حدیث: ۲۸۳۷...... السنن الواردۃ فی الفتن دانی: ۳/۱ حدیث:۱...... کنز العمال: ۱۲/ ۴۲۶ حدیث: ۳۵۴۸۳......مسند الجامع:۳۲۷/۱۴ حدیث:۴۵۹۹)

- عن المغيرة بن شعبة أنه قال قام فينا رسول الله -صلى الله عليه وسلم- مقاما فأخبرنا بما يكون في أمته إلى يوم القيامة وعاه من وعاه و نسيه من نسيه . (مسند احمد:۱۷۰/۳۲ حدیث: ۱۷۵۱۴......مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:۱۴/۴......معجم کبیر طبرانی: ۳۷۷/۱۵ حدیث: ۱۷۴۵۰......الضعفاء الکبیر عقیلی: ۴۴۵/۵ حدیث:۱۲۷۵......مسند الجامع: ۱۴۵/۳۶ حدیث:۱۱۷۷۲)

- عن أبي سعيد قال : قام فينا رسول الله -صلى الله عليه وسلم- مقاما فحدثنا بما هو كائن إلى يوم القيامة . (سبل الہدیٰ والرشاد:۱۴۰/۱۰)

(۲) اس حدیث کا متن الفاظ کے ذرا سے فرق کے ساتھ مختلف کتابوں میں درج ہے :

- عن أبي ذر قال : لقد تركنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم- و ما يقلب طائر جناحين في السماء إلا ذكر لنا منه علما . (سبل الہدیٰ والرشاد:۱۴۰/۱۰......روضۃ المحدثین:۲۹۹/۱۲ حدیث:۵۷۹۹)

- لقد تركنا محمدٌ -صلى الله عليه وسلم- و ما يحرك طائر جناحيه في السماء إلا أذكرَنا منه علما . (مسند احمد:۳۶۵/۴۳ حدیث:۲۰۳۹۹......مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:۱۴/۴......مسند جامع:۳۶/۳۸ حدیث:۱۲۳۴۱)

- لقد تركنا رسولُ الله -صلى الله عليه وسلم- و ما يتقلب في السماء طائر إلا ذكّرنا منه علما . (مسند احمد:۴۳۳/۴۳ حدیث:۲۰۴۶۷......مسند طیالسی:۴۹۲/۱ حدیث:۴۷۵......الزہد لوکیع:۹۰/۲ حدیث:۵۱۴)

- تركنا رسولَ الله -صلى الله عليه وسلم- و ما طائر يقلّب جناحيه في الهواء إلا و هو يذكّرنا منه علما . (معجم کبیر طبرانی:۲۱۱/۲ حدیث:۱۶۲۴......معجم الشیوخ صیداوی:۱۹۱/۱ حدیث:۹۳......کنز العمال:۱۲/ ۴۲۳ حدیث:۳۵۴۷۸)

- قال أبو الدرداء لقد تركنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم- و ما في السماء طير يطير بجناحيه إلا ذكرنا منه علما . (مسند ابویعلی موصلی:۳۶۷/۱۰ حدیث:۴۹۸۱......المطالب العالیہ عسقلانی: ۱۲۳/۱۱ حدیث:۳۹۴۵......مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:۱۴/۴)

مزید آپ نے فرمایا کہ میں اپنے اگلے پچھلے سب امتیوں کو جانتا ہوں جیسے تم اپنے ایک دوست کو پہچانتے ہو اس سے کہیں زیادہ میں ہر آدمی کو پہچانتا ہوں - رواه الطبراني -

قطع نظر اس سے کہ اعمال امت آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔

روی البزار بسند جيد عن ابن مسعود - رضی الله تعالیٰ عنه - عن النبي - صلى الله عليه وسلم - قَالَ حَيٰوتِي خَيْرٌ لَّكُمْ وَ مَمَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ .....تُعْرَضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ فَمَا كَانَ مِنْ حَسَنٍ حَمِدْتُ اللّٰهَ عَلَيْهِ وَ مَا كَانَ مِنْ سَيِّيء اسْتَغْفَرْتُ اللّٰهَ لَكُمْ . (۱)

یعنی بزار عمدہ سند کے ساتھ ابن مسعود - رضی اللہ عنہ - سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم - صلی اللہ علیہ وسلم - نے فرمایا: میری زندگی بھی تمہارے لیے خیر اور میری وفات بھی تمہارے لیے خیر ہے ، مجھ پر تمہارے اعمال پیش کیے جاتے ہیں تو اچھے کاموں پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور برے کاموں پر تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔

---

(۱) بغية الحارث : ۲۸۸/۱ حدیث: ۱۴......المطالب العالیۃ عسقلانی: ۹۳/۱۱ حدیث: ۳۹۲۵......مسند حارث: ۲۳/۴ حدیث:۹۴۳......مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:۶۸/۴۔

یہ حدیث یوں بھی ملتی ہے :

- حياتي خير لكم تحدثون و نحدث لكم ، و وفاتي خير لكم تعرض علي أعمالكم ، فما رأيت من خير حمدت الله عليه ، و رأيت من شر استغفرت الله لكم . (البحر الزخار مسند بزار:۳۳۱/۵ حدیث:۱۷۰۲......کنز العمال:۴۰۷/۱۱ حدیث:۳۱۹۰۳)
- حياتي خير لكم تحدثون و يحدث لكم و وفاتي خير لكم تعرض علي أعمالكم فما كان من حسن حمدت الله عليه و ما كان من سيىء استغفرت الله لكم . (بغية الحارث:۲۸۸/۱ حدیث:۱۴......المطالب العالیۃ عسقلانی: ۹۳/۱۱ حدیث: ۳۹۲۵......مسند حارث: ۲۳/۴ حدیث: ۹۴۳......مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:۶۸/۴)
- حياتي خير لكم تحدثون و يحدث لكم ، فإذا أنا مت كانت وفاتي خير لكم ، تعرض علي أعمالكم ، فإن رأيت خيرا حمدت الله ، و إن رأيت غير ذلک استغفرت الله لكم . (فضل الصلوٰۃ علی النبی اسماعیل بن اسحٰق:۲۵/۱ حدیث:۲۴)
- حياتي خير لكم و موتي خير لكم ، أما حياتي فأسن لكم السنن و أشرع لكم الشرائع ، و أما موتي فإن أعمالكم تعرض علي فما رأيت منها حسنا حمدت الله عليه ، و ما رأيت منها سيئا استغفرت الله تعالى لكم . (تخریج احادیث الاحیاء:۲۸۷/۸)

شاہ عبدالعزیز-رحمۃ اللہ علیہ-تفسیرعزیزی سورۂ بقرہ میں- **و یکون الرسول علیکم شهیدا**- کے تحت لکھتے ہیں :

رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم-مطلع است بہ نور نبوت بررتبہ ہرمتدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ-الی ان قال-درروایات آمدہ ہرنبی رابراعمال امتیاں خود مطلع می سازند کہ فلانی چناں می کند و فلانی چناں تاروز قیامت ادائے شہادت تواں کرد-انتہی-

یعنی حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-نورِنبوت سے ہر دین دار کے اس رتبہ پر مطلع ہیں کہ جس تک وہ پہنچا ہوا ہے-یہاں تک فرمایا کہ-ہرنبی اپنی امتوں کے اعمال سے واقف ہوتا ہے کہ فلاں کیا کرتا ہے اورفلاں کیا؟ تاکہ بروزِمحشر اس کی شہادت دے سکیں۔

نیز علامہ اسماعیل آفندی،قسطلانی اورزرقانی-رحمۃ اللہ علیہم-روایت کرتے ہیں :

**عن سعید بن المسیب قال لیس من یوم إلا و تعرض علی النبي -صلی الله علیه وسلم- أعمال أمته غدوة و عشیة فیعرفهم بسیماهم و أعمالهم فلذلک یشهد علیهم یوم القیامة .**

یعنی حضرت سعید بن مسیّب-رضی اللہ عنہ-فرماتے ہیں کہ کوئی ایسا دن نہیں گزرتا کہ جس میں صبح وشام،رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم-کے پاس آپ کی امت کے اعمال نہ پیش کیے جاتے ہوں آپ اپنے امتیوں کوان کی علامت ونشانی اوران کے اعمال سے پہچان لیتے ہیں تبھی تو قیامت کے روز آپ امتیوں کی گواہی دیں گے۔

جب احادیث میں آچکا کہ ہرروز صبح وشام دوبار امت کے اعمال آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں پھر نبی کریم-صلی اللہ علیہ وسلم-کو میلاد کی جملہ محفلوں کی بابت معلوم ہوجانا کیا بڑی بات ہے!۔

مولف براہین گنگوہی کا یہ لکھنا ایک عجیب قانون ہے :

تمام امت کا اعتقاد یہ ہے کہ جناب فخرعالم-علیہ السلام-کواورسب مخلوقات کوجس قدرعلم حق تعالیٰ نے عنایت کردیااور بتلادیااس سے ایک ذرہ بھی زیادہ علم ثابت کرنا شرک ہے۔انتہیٰ۔

اس تقریر پرتوایک زمانہ مشرک ہوجائے گا۔مثلاً کسی نے اپنے استاد کواپنے ذہن میں بڑا

عالم، یا اپنے مرشد کو بڑا صاحب کشف سمجھ لیا حالاں کہ حق تعالیٰ نے ان کو اس قدر علم اور کشف نہ دیا تھا تو مولف براہین کے نزدیک ذرہ بھر زیادہ سمجھنے سے وہ مشرک ٹھہرے گا - معاذ اللہ -

پھر اس سے قطع نظر ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کی نسبت تو ہم اسی قدر ثابت کرتے ہیں جس قدر شرع میں ثابت ہے - اس سلسلہ کی نصوص اوپر گزر چکیں - اور روحانی حرکت بھی اسی قدر ثابت کرتے ہیں جو نصوص سے ثابت ہیں۔

مولف براہین صفحہ ۴۵ پر درمختار وغیرہ کے حوالے سے ایک مسئلہ لکھتے ہیں :

اگر کوئی نکاح کرے حق تعالیٰ اور فخر عالم - علیہ السلام - کی شہادت کے ساتھ ۔ تو فخر عالم کی نسبت علم غیب کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے وہ کافر ہو جاتا ہے ۔ انتہیٰ ۔

یہ مسئلہ بھی آپ نے صحیح نہیں لکھا ۔ اس کی اصل تحقیق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نکاح کرے اور گواہ نہ ہوں، صرف اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کو گواہ کر کے نکاح کر لے تو وہ نکاح بالاتفاق ناجائز ہے؛ اس لیے کہ یہاں گواہ دو ہونے چاہئیں کہ اگر نکاح میں جھگڑا ہو تو عدالت میں گواہی دے سکیں ۔ نیز یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ تو ہر نکاح میں شاہد ہوتا ہے پھر شریعت میں اس ذات پاک کے علاوہ اور دو گواہ مطلوب ہیں اور وہ یہاں نہیں؛ لہٰذا وہ نکاح ہرگز نہ ہوا ۔ اس پر اتفاق ہے لیکن بعض علما نے اس کو کافر بھی کہہ دیا - جس کا ذکر مولف براہین نے کیا ہے - مگر یہ صحیح نہیں کیوں کہ درمختار میں اس کی تضعیف کی طرف اشارہ کیا ہے :

**قیل یکفر .**

یعنی کہا گیا ہے کہ اس کی تکفیر کی جائے ۔

قیل کا لفظ تضعیف کے لیے آتا ہے، اور فتاویٰ قاضی خان کی - کتاب النکاح - میں لکھا ہے :

**و بعضهم جعلوا ذلک کفرا .**

یعنی بعض علما نے اس کے کافر ہونے کا قول کیا ہے ۔

لیکن ابھی بھی واضح نہیں ہوا کہ خود قاضی خان کی رائے اس کے موافق ہے یا نہیں تو یہ بات انھوں نے کلمات کفر میں کھول دی، وہاں انھوں نے یوں لکھا ہے :

**قالوا یکون کفرا .**

یعنی علما نے فرمایا کہ اس کی تکفیر کی جائے گی ۔

شرح منیہ وغیرہ میں یہ اصطلاح صراحۃً لکھی ہے کہ لفظ **قالوا** ایسے موقع میں لکھا جاتا ہے

جہاں اپنی رائے میں وہ امر مستحسن نہیں ہوتا۔

شرح منیہ کے - ذکر قنوت - میں لکھا ہے کہ قاضی خاں کا لفظ قالوا لکھنا غیر مختار ہونے کی دلیل ہے۔ان کی عبارت یوں ہے :

**و كلام قاضي خان يشير إلى عدم اختياره له ففي قوله قالوا إشارة إلى عدم استحسانه له .**

لہٰذا اُن فتاویٰ سے معلوم ہو گیا کہ کافر کہنا ضعیف ہے۔اب ہم عدم کفر پر واضح تر دلیل لاتے ہیں۔فقیہ شامی نے درمختار کے قول مذکور پر - جس کی سند براہین میں پکڑی ہے - تحریر کیا ہے :

**قال في التتار خانية و في الحجة ذكر في الملتقط أنه لا يكفر لأن الأشياء تعرض على روح النبي -صلى الله عليه وسلم- .**

تتارخانیہ اور حجت میں کہا کہ ملتقط میں مذکور ہے کہ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیوں کہ چیزیں نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کی روح مبارک پر پیش کی جاتی ہیں۔

اب اس سے قوی تر دلیل سنو۔ ''خزانۃ الروایات'' میں مضمرات سے نقل کیا ہے :

**و الصحيح أنه لا يكفر لأن الأنبياء -عليهم السلام- يعلمون الغيب و يعرض عليهم الأشياء فلا يكون كفرا .**

یعنی صحیح بات یہ ہے کہ اس کی تکفیر نہ کی جائے گی کیوں کہ انبیاے کرام -علیہم السلام- غیب کا علم رکھتے ہیں اور ان پر اشیا پیش کی جاتی ہیں تو کفر کیسا!۔

ہم نے اس آخری روایت کو قوی اس لیے لکھا کہ اس میں لفظ 'تصحیح' موجود ہے، جو الفاظِ فتویٰ سے ہے۔یعنی اس اختلاف علما میں صحیح بات یہی ہے کہ وہ کافر نہیں ہوتا۔تو درمختار، تضعیف قاضی خان، شامی، تاتارخانیہ، فتاویٰ حجر، تصریح ملتقط، خزانۃ الروایات اور تصحیح مضمرات سے صاف ثابت ہو گیا کہ وہ کافر نہیں ہوتا۔اور اس کی دلیل یہ ہے کہ دنیا جہاں کی چیزیں نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کی روح مبارک کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔اور فتح القدیر وغیرہ میں ہے کہ جب روایت فقہ و حدیث متفق ہو تو اس کو ہرگز نہ چھوڑا جائے۔لہٰذا فتاویٰ کا یہ حکم دائمی' حکیم ترمذی، بزار، عبد اللہ بن مبارک، اور محدثین - رحمہم اللہ تعالیٰ - سے منقولہ' اعمال پیش کی جانے والی حدیث کے مطابق' صحیح رہا۔

زرقانی نے شرح مواہب میں لکھا ہے :

تمام انبیا اور ان کے والدین کو ہر جمعہ امت اور اولاد کے اعمال اجمالاً پیش کیے جاتے ہیں اور حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - کو ان سب پر یہ شرف دیا گیا کہ آپ کو ہر روز دو بار تفصیلاً اور بروزِ جمعہ اجمالاً مطلع کیا جاتا ہے - انتہیٰ -

اب دیکھیے یہ عرض اعمال علم کا بہترین وسیلہ ہے اور شرعی مسئلہ بھی ہے جس کو مفتیان دین لے چکے ہیں - اس بنیاد پر یہ جاننا کہ روحِ نبی - صلی اللہ علیہ وسلم - کو محفل کی خبر ہو جاتی ہے ہرگز شرک نہیں ؛ تو جو کوئی محفل کرتا ہے ، زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ ایک دو دن پہلے سے اس کی اطلاع ہو جاتی ہے اور اس کے سامان شروع ہو جاتے ہیں ورنہ اتنا تو ضرور ہوتا ہے کہ اگر شام کو محفل ہو تو صبح سے شیرینی یا کھانے وغیرہ کا کچھ انتظام ہونے لگتا ہے ، اور اگر صبح کو محفل ہونی ہے تو شام سے شروع ہو جاتا ہے اور لوگوں کو اطلاع شروع ہو جاتی ہے -

اب سمجھنا چاہیے کہ جب ہر روز حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - کو صبح و شام دو مرتبہ اعمالِ امت کی خبر دی جاتی ہے تو جس کے گھر میں شام کو محفل ہو گی اور اس نے جو کچھ صبح کو سامان کیا ہو گا یا کسی کو خبر دی ہو گی وہ عمل ، صبح کو حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - کے پاس پہنچ چکا ہو گا کہ شام کو ہمارے فلاں امتی کے گھر محفل ہو گی ، اور اگر اس کے گھر صبح کو محفل ہونے والی ہے اور شام کو اس شخص نے اسباب فراہم کیا ہو گا یا کسی کے سامنے منھ سے نکالا ہو گا کہ میں صبح کو محفل کروں گا تو اس کی اِتنی ہی خبر محفل منعقد ہونے سے پہلے پہنچ چکی ہو گی -

علاوہ ازیں محفل میلاد شریف میں کثرت سے درود و سلام پڑھا جاتا ہے اور حدیث شریف کے مطابق فرشتے مجلس کا درود نبی کریم - صلی اللہ علیہ وسلم - کو پہنچاتے ہیں - یہ بھی ایک ذریعہ ہے کہ حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - کو مجلس میں درود پڑھنے والوں کی نام بنام اطلاع ہے - حدیث میں آیا ہے کہ فرشتے درود پڑھنے والے کا نام لے کر حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - کو درود پہنچاتے ہیں - اور اہل محبت قصائد عشقیہ بھی پورے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں ؛ اور شاہ ولی اللہ صاحب کا مکاشفہ او پر گزر چکا ہے کہ جو کوئی ذوق وشوق سے متوجہ ہوتا ہے ، مدح اور درود و سلام پڑھتا ہے تو حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - اس کی طرف نزول فرماتے ہیں - اس مکاشفہ کی تائید حدیث سے بھی پائی جاتی ہے - '' دلائل الخیرات '' کے دیباچہ میں ایک حدیث ہے کہ حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - سے پوچھا گیا کہ جو لوگ آپ سے دور اور نگاہوں سے اوجھل ہیں اور آپ کے مبارک زمانے کے بعد پیدا ہوں گے ان کے درود کا کیا حال ہے ؟ آپ نے ارشاد فرمایا :

**اسمع صلاة أهل محبتي و أعرفهم و تعرض علي صلاة غيرهم عرضا .**
یعنی اپنے شیدائیوں کا درود وسلام میں خود سنتا ہوں اور انھیں پہچانتا بھی ہوں ۔جب کہ اوروں کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

علامہ مہدی فاسی نے شرح دلائل الخیرات میں اس کے معنی یوں لکھے ہیں :

**أسمع بلا واسطة صلاة أهل محبتي الذين يصلون على محبة لي و شوقا و تعظيما و ظاهره سواء صلى عليه المحب له عند قبره أو نائيا عنه و أعرفهم لتألف أرواحهم بروحه و تعارفها معها بالمحبة الرابطة و الأرواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف و ما تناكر منها اختلف و لتكرر صلاتهم عليه و إكثارهم لها من أجل المحبة المقتضية لذلك و تعرض علي صلاة غيرهم عرضا فهو إنما يسمعها بواسطة -انتهىٰ ملخصا-**

یعنی میں اپنے محبت کرنے والوں کا درود- جو کہ میری تعظیم وعقیدت اور شوق ومحبت میں پڑھتے ہیں- بغیر کسی واسطہ کے سن لیتا ہوں ۔اور حدیث کا ظاہر مطلق ہے خواہ وہ قریب سے درود بھیجیں یا دور سے ۔اور میں انھیں پہچانتا بھی ہوں کیوں کہ روحوں میں محبت کے حوالے سے الفت باہم اور جان پہچان ہوتی ہے،اور روحیں لشکر کی مانند ہوتی ہیں جن میں جان پہچان ہوجاتی ہے ان میں الفت بھی ہوجاتی ہے اور جن میں جان پہچان نہیں ہوتی ان میں الفت بھی نہیں ہوتی مزید اختلاف پیدا ہوجاتا ہے۔اور میں ان اہل محبت کو درود کی کثرت کی وجہ سے پہچانتا ہوں جو وہ مجھ پر محبت وعقیدت کے باعث پڑھتے ہیں ۔اور دوسروں کا سلام چوں کہ فرشتے پہنچاتے ہیں تو اس کو بواسطہ سنتا ہوں۔

''مزرع الحسنات شرح دلائل الخیرات''میں ہے :

**و أعرفهم** می شناسم اہل محبت را بسبب اتصال روحی وقرب معنوی ایشاں با روح مقدس ع: قرب جانی چو بود بعد مکانی سہل است۔ **و تعرض صلاة غيرهم عرضا** یعنی فرشتگان درود غیر آں ہا را بر من عرض می کنند بواسطہ آں ہا می شنوم وشنیدن بلا واسطہ مخصوص بحبان وعاشقانے است کہ مذکور شدند۔

یعنی میں اہل محبت کو روحانی لگاؤ اور معنوی قرب کی وجہ سے پہنچان لیا کرتا ہوں ۔جان سے جب آدمی قریب ہوتا ہے تو بعد مکانی آسان ہوجاتا ہے۔اور اہل محبت کے علاوہ اوروں کا درود فرشتے مجھ پر پیش کیا کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے میں ان کا درود سنتا ہوں جب کہ

عاشقوں اوراپنے شیدائیوں کا درود خود اپنے کان سے سنتا ہوں جیسا کہ مذکور ہوا۔

دلائل الخیرات کی حدیث کو دونوں شارحین نے مسلم رکھا تو معلوم ہوا کہ محبت بھی روحانی قرب کا سبب ہے۔حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- اپنے چاہنے والوں کا درود (دور سے) خود سن لیا کرتے ہیں جس طرح مزار شریف کے قریب کا درود سنتے ہیں، یہ ظاہری دوری کوئی رکاوٹ نہیں بنتی۔اور شاہ ولی اللہ صاحب کا مکاشفہ ظاہر کرتا ہے کہ درود خوانی کے علاوہ دوسری حالتوں میں بھی حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- اپنے خاص محبین کی امداد فرماتے ہیں۔چنانچہ ''درثمین'' کی بارہویں حدیث میں انھوں نے اپنا حال یوں لکھا ہے :

**لم أتعيش ليلة من الليالي فألهم بعض أصحابنا أن يهدى إلى إناء من لبن فشربته ثم نمت على الوضوء فرأيت روح النبي -صلى الله عليه وسلم- قادمت إلى إني أنا الذي أرسلت اللبن و ألقيت الخاطر في قلب الرجل .**

یعنی ایک دن شب کو میں نے کھانا نہیں کھایا تو ہمارے ایک دوست کو الہام ہوا، وہ دودھ کا ایک پیالہ لایا جسے پی کر میں باوضو سو گیا،قسمت بیدار ہوئی اور میں نے نبی کریم-صلی اللہ علیہ وسلم- کی روح مبارک کو دیکھا،اس نے مجھ سے کہا کہ وہ دودھ میں نے ہی بھیجا تھا اور اس آدمی کے دل میں دودھ لے جانے کی بات میں نے ہی ڈالی تھی۔

اور قاریِ قرآن والی وہ حکایت گزر چکی کہ حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- اس کا قرآن سننے تشریف لائے تھے۔تو معلوم ہوا کہ آپ کو عرضِ اعمال کے ذریعہ بھی خبر ہوتی ہے اور اہل محبت کی خبر روحانی قرب کی وجہ سے بھی ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ نبی کریم-صلی اللہ علیہ وسلم- کے خبر دار ہو جانے کا ایک تیسرا اور چوتھا طریقہ بھی ہے لیکن یہ دونوں دقیق ہیں عام فہم نہیں کہ علی العموم ذکر کیے جائیں۔بہر کیف! نبی کریم-صلی اللہ علیہ وسلم- کے اطلاع پانے کے چند طریقے ہیں اور وہ سب اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے ہیں تو آپ کا علم غیب مستقل اور بالذات نہ ہوا کہ جس سے شرک لازم آئے بلکہ آپ جس طریقے سے امت کے حالات اور دنیا کی چیزوں پر مطلع ہوں گے' اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے ہوں گے۔ اس کا نام شرک ہرگز نہیں ہے۔عقائد اور علم کلام کی کتابیں دیکھو۔

جب حدیث عرض اعمال وغیرہ' متعدد واسطوں سے آپ-صلی اللہ علیہ وسلم- کو (احوالِ امت کا) علم ہو جانا ثابت ہو چکا،ساتھ ہی زمین میں روحوں کا چلنا پھرنا اور ان کی سرعت رفتار بھی

احادیث سے معلوم ہو چکی۔ پھر مخلوق کی طرف آپ کی توجہ بھی سب کو معلوم ہے، ساتھ ہی آیت مبارکہ: بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَحِيْمٌ میں امت کے لیے رحمت وشفقت کی دلیل موجود۔ اور جب امتی آپ کے لیے مال خرچ کریں، درود وسلام اور تعظیم وادب کے ساتھ آپ کی مدح خوانی کریں؛ تو اس کے جواب میں آپ کے توجہ واحسان فرمانے پر آیت کریمہ: هَلْ جَزَاءُ الإِحْسَانِ إِلَّا الإِحْسَانُ موجود۔ پھر معلوم نہیں فریق ثانی' اہل اسلام میں بے جا شقاق ونفاق ڈال کر اچھے خاصے مسلمانوں کو مشرک کیوں بنا رہے ہیں؟۔

ہاں! اگر کوئی جاہل' عقیدۂ شرکیہ رکھے۔ مثلا نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کے لیے ذاتی اور مستقل علم غیب مانے یوں نہ جانے کہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے- معاذ اللہ- تو اس کے کفر میں کس کو کلام ہے، وہ شخص تو بالاتفاق مردود ہے۔

مولف براہین گنگوہی لکھتے ہیں :

مجلس میلاد شریف میں اکثر ایسے ہی آدمی ہوتے ہیں۔

معلوم نہیں ان کو گھر بیٹھے کس طرح مجلس والوں کی غیبی خبر ہوگئی اور وہ بھی ان کے دلوں کی، ہم نے اپنی عمر بھر میں اب تک اس عقیدہ کا آدمی نہیں دیکھا، اور یہ عقیدہ تو - معاذ اللہ- بہت ہی برا شرک ہے۔

## محفل میلاد شریف منہیاتِ شرعیہ سے پاک ہونی چاہیے

ہم تو جملہ منہیات شرعیہ کو برا کہتے ہیں چاہیے کہ بانی محفل' مخلص، خوش عقیدت اور محبت والا ہو، مال میں احتیاط کرے، اپنی محنت کی تنخواہ یا تجارت کا کمایا ہوا یا ہبہ ومیراث وغیرہ کا صحیح شرعی طریقہ سے پہنچا ہوا مال کھانا وشیرینی اور عطر وغیرہ میں صرف کرے، آرایش کے سامان' فرش وبرتن وغیرہ میں خلاف شریعت کوئی کام نہ ہو۔ ایسی معتبر روایتیں ہوں جن کو ثقات محدثین نے -باب المعجزات- میں قبول کیا ہو۔ اشعار وہ ہوں جن کے پڑھنے پر مفتیانِ دین نے فتویٰ دیا ہو؛ پھر ان امور کے بعد شانِ رسالت -علیہ السلام- کی تسلیم وآداب مدنظر ہو، سامعین حاضرین مجلس کی زبان پر دم بدم درود وسلام کی کثرت ہو، فضائل ومعجزات اور قصائد' ذوق وشوق ومحبت سے پڑھیں پڑھوائیں اور سنیں سنوائیں۔

الحاصل! جس قدر مجلس کی صفائی میں اور امورِ منہیہ سے بچنے میں جدوجہد کریں گے اتنی ہی حق تعالیٰ کی رضا مندی اور روحِ محمدی -صلی اللہ علیہ وسلم- کی توجہ اپنی طرف پائیں گے اگر محفل

مقبول ہو گئی، اور قبولیت کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ شخص اپنے مقصد و مراد کو پہنچے۔ اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک ایک قسم کے خاص جلوۂ روحِ محمدی - صلی اللہ علیہ وسلم - سے بھی مشرف ہو۔ اور یہ کچھ اسی محفل کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر عمل کا پھل اسی وقت ملے گا جب اس کی شرطیں بجا لائے گا۔

دیکھیں کہ نماز کے سلسلے میں حدیث وارد ہے :

**إن العبد إذا قام إلى الصلوٰة رفع الله تعالى الحجاب بينه و بينه و واجهه بوجهه الكريم .** (۱)

یعنی جب ایک بندہ نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے اور اس کے درمیان سے پردے اٹھا دیتا ہے اور اپنا روے کریم اس کے سامنے کر دیتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جب مسلمان وضو کرتا ہے تو شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے اور زمین کے کناروں تک بھاگ جاتا ہے اس ڈر سے کہ یہ بندہ اپنے بادشاہ کے پاس جانے کا ارادہ کرتا ہے جب وضو کر کے اللہ اکبر کہتا ہے تو ابلیس چھپ جاتا ہے اور اللہ - جل شانہ - اس بندے کے سامنے ہو جاتا ہے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت یوں کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ (۲)

---

(۱) یوں بھی یہ حدیث ملتی ہے : **إن العبد إذا قام إلى الصلوٰة فتحت له أبواب الجنان ، و كشفت له الحجب بينه و بين ربه و استقبلته الحور العين ما لم يَمْتَخِط أو يتنخع .** (معجم کبیر طبرانی: ۷/ ۲۸۸ حدیث: ۷۹۰۷...... کنز العمال: ۷/ ۲۹۸ حدیث: ۱۸۹۶۷...... مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۱/ ۲۴۴)

(۲) متن حدیث یوں ہے :

**أن تعبد الله كأنك تراه .** (صحیح بخاری: ۱/ ۸۷ حدیث: ۴۸...... صحیح مسلم: ۱/ ۸۷ حدیث: ۹...... سنن ابوداوٗد: ۱۲/ ۳۰۶ حدیث: ۴۰۷۵...... سنن ترمذی: ۹/ ۱۹۲ حدیث: ۲۵۳۵...... سنن کبریٰ نسائی: ۶/ ۵۲۸...... سنن ابن ماجہ: ۱/ ۲۷ حدیث: ۶۲...... مشکوٰۃ المصابیح: ۱/ ۱ حدیث: ۲ مسند احمد: ۱/ ۳۵۰ حدیث: ۳۴۶...... سنن کبریٰ بیہقی: ۱۰/ ۲۰۳...... بغیۃ الحارث: ۱/ ۲۱...... معجم کبیر طبرانی: ۱۱/ ۶۱...... تفسیر ابن ابی حاتم: ۵۴/ ۱۱۷ حدیث: ۱۶۴۶۶...... دلائل النبوۃ بیہقی: ۸/ ۱۲۳ حدیث: ۳۰۰۰ ...... صحیح ابن حبان: ۱/ ۳۱۱ حدیث: ۱۵۹...... صحیح ابن خزیمہ: ۸/ ۲۰۴ حدیث: ۲۰۵۵...... مسند ابن راہویہ: ۱/ ۲۱۰...... موارد الظمآن: ۱/ ۳۵...... الآداب بیہقی: ۳/ ۱۲۷ حدیث: ۸۲۵...... الاربعون آجری: ۱/ ۶ حدیث: ۵...... الاربعون فسوی: ۱/ ۳ حدیث: ۱...... الایمان ابن مندہ: ۱/ ۳ حدیث: ۱...... مسند بزار: ۹/ ۳۸۸ حدیث: ۳۴۰۷...... السنۃ عبد اللہ بن احمد: ۲/ ۳۴۴ حدیث: ۸۰۹...... القضاء والقدر بیہقی: ۱/ ۱۴۹ حدیث: ۱۳۴...... تعظیم قدر الصلوٰۃ مروزی: ۱/ ۴۱۴ حدیث: ۳۲۱...... شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ و الجماعۃ الکائی: ۳/ ۱۰۵ حدیث: ۸۳۱...... طبقات المحدثین: ۴/ ۴۷۳ حدیث: ۱۳۳۳...... مسند حارث: ۱/ ۱۶ حدیث: ۹...... مجمع الزوائد: ۱/ ۱۶...... کنز العمال: ۳/ ۲۲ حدیث: ۵۲۵۴...... نصب الرایہ: ۴/ ۱۱۱ - کتاب الزکوٰۃ -...... مسند الجامع: ۳۹/ ۳۳ حدیث: ۱۲۶۲۹...... تخریج احادیث الاحیاء: ۹/ ۲۶۷ حدیث: ۴۲۶۷)

خلاصہ یہ کہ یہی نماز ہم غافل لوگ بھی پڑھتے ہیں اور ایک اولیاء اللہ کی نماز ہوتی ہے کہ ان کو نماز میں مشاہدۂ ربانی حاصل ہو جاتا ہے اور ان کی نمازوں میں مقامات طے ہوتے ہیں؛ تو اسی طرح محافل میلاد کی مقبولیت کے بھی درجات ہیں۔

نہ انجیر شد نام ہر میوہ　　نہ مثل زبیدہ ست ہر بیوہ

الحاصل! مقبول تر آدمی وہ ہے جو زیادہ اخلاص و محبت سے محفل کرے۔

**سوال**: یہ قیام مروجِ تعظیم، رونق افروزیِ روحِ محمدی - صلی اللہ علیہ وسلم - کے لیے ہے یا کسی اور وجہ سے ہے؟

**جواب**: اگر چہ آپ - صلی اللہ علیہ وسلم - کا محفل پر مطلع ہو جانا منجملہ اعمالِ امت سے ثابت ہے اور مشتاق نگاہوں کو اپنے خاص جلوۂ روحانی سے مشرف فرمانا بھی ممکن۔ لیکن علی العموم ہر ایک محفل میں قیام اس غرض اور علت پر مبنی نہیں بلکہ اس کی اصل وجہ، تعظیم شانِ نبی - صلی اللہ علیہ وسلم - کی فرحت و خوشی کا اظہار ہے۔(۱)

دیکھیے عالم الامہ مقتدی الائمہ امام تقی الدین سبکی - رحمۃ اللہ علیہ - اور ان کی مجلس کے اکابر علما مدح کا ایک شعر سن کر کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ سیرت حلبی میں مذکور ہے اور اس میں روح کے آنے کا کچھ تذکرہ بھی نہیں، اس کی عبارت یوں ہے :

**قام الإمام السبكي و جميع من بالمجلس فحصل انس كبير بذلك المجلس .** (۲)

اسی طرح اسماعیل افندی نے بھی تفسیر روح البیان میں نقل کیا ہے اور سیرت شامی میں ہے :

**جرت عادة كثير من المحبين إذا سمعوا بذكر وضعه -صلى الله عليه وسلم- أن يقوموا تعظيما له .** (۳)

(۱) **حاشیہ**: اس صورت میں جو لوگ مشرف بزیارت ہوئے ان کے قیام کی دو وجہیں ہیں: ایک زیارت۔ دوسرے اظہار فرحت و سرور و تعظیم۔ اور باقی علی العموم سب کے حق میں قیام فقط وہی وجہِ فرحت و سرور و تعظیم۔ اور براہین قاطعہ کے صفحہ: ۲۰۸ پر بھی روح کی زیارت ہونے کی صورت میں قیام کو صحیح مان لیا ہے۔ اور صفحہ: ۲۰۹ پر لکھا ہے کہ تشریف آوری کے دوام پر انکار ہے، نہ امکانِ وقوع احیاناً پر - انتہی کلامہ ملخصا - لہٰذا وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اسی وقوع احیاناً کی امید پر کھڑے ہوتے ہیں؛ جیسے ایک شب قدر پانے کے لیے ساری عمر جاگتے ہیں۔ ۱۲۔ منہ

(۲) تفسیر روح البیان: ۱۴/۴۱۔

(۳) سبل الہدیٰ والرشاد: ۱/۳۴۴۔

یعنی بہت سے محبین [1] رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب وہ ذکرِ ولادت اور توصیف رسالت سنتے ہیں' تو تعظیم نبوی میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔

یہاں یہ نہیں لکھا کہ روحِ مبارک کو دیکھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

امام برزنجی نے ''عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر'' میں لکھا ہے :

**قد استحسن القيام عند ذكر ولادته الشريفة أئمة ذوو رواية و دراية .**

یعنی ائمہ روایت ودرایت نے ولادت مبارکہ کے ذکر کے وقت قیام کو مستحسن کہا ہے۔

یہ نہیں فرمایا :

**استحسن القيام عند روية روحه أو عند قدوم روحه -صلى الله عليه وسلم-**

یعنی حضور اکرم -صلی اللہ علیہ وسلم- کی روح مبارک دیکھنے یا اس کے آنے کے وقت قیام مستحسن ہے۔

عرب وعجم اور مشرق ومغرب میں تمام بلادِ اسلامیہ کا اسی پر عمل ہے کہ روح پرفتوح کو دیکھے بغیر صرف ولادت شریف کا ذکر سن کر جملہ اہل محفل کھڑے ہو جاتے ہیں۔

**اعتراض**: اگر کوئی یہ کہے کہ اگر یہ تشریف آوری روح کے سبب نہیں تو پھر تعظیم کس بات کی ہے؟۔

**جواب**: اس کا یہ ہے کہ قیام فقط تشریف آوری کی تعظیم ہی پر منحصر نہیں بلکہ شریعت میں چند مقام پر قیام پایا گیا ہے : (۲)

---

(۱) **حاشیہ**: **تعظیما له** : اس جگہ شامی کی عبارت میں یہ لفظ بھی ہے: **هذا القيام بدعة لا اصل لها**. تو اس اجمال کی تفصیل اور مانعین کے اعتراضات کا جواب پورے شرح وبسط کے ساتھ عنقریب آنے والا ہے۔۱۲۔منہ

(۲) ان لوگوں پر یہ اعتراض ہے کہ تم کو روح نظر نہیں آتی تو کیوں اُٹھتے ہو؟ جواب ان کی طرف سے یہ ہے کہ ہم اس موقع میں تقلیداً کھڑے ہوتے ہیں جہاں اہل مکاشفہ کھڑے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ ہر محفل میں کیوں کھڑے ہوتے ہو؟ تو جواب دیتے ہیں کہ شب قدر یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتی پھر بھی جاگتے ہیں اور کئی راتوں کو جاگتے ہیں اگرچہ شب قدر تو درحقیقت سال میں ایک ہی رات ہوگی، جب بھی ہو۔ تو اسی طرح یہ لوگ ہر محفل میں اس امید کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں کہ آخر قیام کبھی تو قدومِ روحِ مبارک کے مطابق ہو جائے گا۔ اگر عمر بھر میں ایک دن بھی موافق آپڑا' غنیمت ہے۔ ؎ بس بود جاہ واحترام مرا ☆ یک علیک از صد سلام مرا ۱۲۔منہ

ایک: آنے والے کی تعظیم میں جیسے حضرت فاطمہ - رضی اللہ عنہا - حضور رسولِ مقبول - صلی اللہ علیہ وسلم - کے تشریف لانے کے وقت قیام فرماتی تھیں - کذا فی المشکوٰۃ - (۱)

دوسرا: وضو کا بچا ہوا پانی پینے کے لیے کھڑے ہونا۔

ترمذی نے روایت کیا کہ جب حضرت علی - رضی اللہ عنہ - وضو کر چکے تو بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مجھ کو پسند آیا کہ میں تم کو دکھاؤں کہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کس طرح وضو کرتے تھے - انتہٰی - (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ (وضو کا بچا ہوا پانی) آپ - صلی اللہ علیہ وسلم - بھی کھڑے ہو کر پیتے ہوں گے۔

تیسرا: زم زم کا پانی کھڑے ہو کر پینا۔

بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ ابن عباس - رضی اللہ عنہما - فرماتے ہیں:

میں نے رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کو زم زم کا پانی پلایا تو آپ نے کھڑے ہو کر پیا۔ (۳)

الحاصل! فقہا - رحمہم اللہ - ان دونوں پانیوں کو قبلہ رو کھڑے ہو کر پینے کو مستحب اور مندوب لکھتے ہیں۔ اس لفظ سے صاف تعظیم معلوم ہوتی ہے اور بعضوں نے یہ مسئلہ ان لفظوں میں لکھا ہے:

کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے۔ سوا ان دو پانیوں کے کہ یہ مکروہ نہیں۔

---

(۱) متن حدیث: ....و کان اذا دخل علیها قامت إلیه ...... (مشکوٰۃ المصابیح: ۳/ ۱۴ احدیث: ۴۶۸۹...... سنن ابوداؤد: ۱۳/ ۴۴۳ حدیث: ۴۵۴۰...... مستدرک حاکم: ۱۱/ ۶۱ حدیث: ۴۷۳۶...... شعب الایمان بیہقی: ۱۸/ ۴۳۵ حدیث: ۸۶۴۶...... صحیح ابن حبان: ۲۸/ ۴۴۷ حدیث: ۷۰۷۹)

(۲) متن حدیث: ....ثم قام فأخذ فضْلَ طَهوره فشربه و هو قائم ثم قال أحببت أن أرِيَكم کیف کان طُهورُ رسول الله –صلی الله علیه وسلم–
(سنن ترمذی: ۱/ ۸۳ حدیث: ۴۵...... مسند احمد: ۳/ ۱ احدیث: ۹۹۵...... سنن کبریٰ بیہقی: ۱/ ۷۵...... سنن کبریٰ نسائی: ۱/ ۸۵ حدیث: ۱۰۱...... مسند ابویعلی موصلی: ۱/ ۴۸۱ حدیث: ۴۷۷)

(۳) صحیح بخاری کی حدیث یوں ہے: عن ابن عباس قال: شَرِبَ النَّبِيُّ –صلی الله علیه وسلم– قَائِمًا مِنْ زَمْزَمَ. (۱۷/ ۳۳۳ حدیث: ۵۱۸۶)
اور صحیح مسلم کی یوں ہے: عن ابن عباس سَقَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ –صلی اللّٰه علیه وسلم– مِنْ زَمْزَمَ فَشَرِبَ وَ هُو قَائِمٌ. (۱۰/ ۳۰۹ حدیث: ۳۷۷۶)

اس سے بھی قیام تعظیمی ثابت ہوگیا۔یعنی کھڑے ہوکر پینے کی جو کراہت شرع میں تھی وہ ان دونوں پانیوں کی عظمت کے باعث ساقط ہوگئی؛اس لیے کہ زم زم کا پانی حصول شفا کا سبب ہے اوراسی طرح وضو کا بچا ہوا پانی بھی شفا کا باعث ہے۔

شامی نے لکھا ہے کہ میرے بزرگ عبدالغنی نابلسی جب مریض ہوتے تھے،تو رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے فرمان کے مطابق'وضو کا بقیہ پانی حصول شفا کی نیت سے پیتے تھے اورانھیں آرام ہوجاتا تھا۔(۱)

یہاں ایک بات اور بھی معلوم ہوئی یعنی شرع میں کھڑے ہوکر پانی پینا مکروہ ہے لیکن جب آب زم زم اور وضو کا بقیہ پانی بخیال عظمت کھڑے ہوکر پیے تو قصد تعظیم کی وجہ سے کراہت جاتی رہتی ہے۔تو بفرض محال اگر قیام مکروہ بھی ہوتا تب بھی جو لوگ شانِ مصطفیٰ کی تعظیم کی نیت سے کھڑے ہوتے ہیں چاہیے کہ ان کے لیے درست ہوجائے۔مکروہ،شرک یا حرام ہونے کے کیا معنی!۔

چوتھا: عمامہ باندھتے وقت کھڑے ہونے کو بعض فقہا مستحسن کہتے ہیں۔

پانچواں: اذان سن کر کھڑا ہونا۔

درمختار میں ہے :

و یندب القیام عند سماع الأذان . (۲)

فتاویٰ برہنہ میں آیا ہے :

چوں آواز اذان برآید باید کہ ماشی بایستد ونشستہ زانو زند ہر چہ بہ تعظیم نزدیک تر آن کند۔

یعنی اذان کی آواز سن کر راہ گزر رک جائے،اور ٹیک لگایا ہوا دوزانو بیٹھ جائے۔غرضیکہ کہ ہر وہ چیز جس سے تعظیم کا پہلو نکلے بجالانا چاہیے۔

چھٹا: مطلق ذکر کی تعظیم کے واسطے کھڑے ہونا۔

تفسیر کشاف میں ابن عمر،عروہ بن زبیر اور ایک جماعت سے روایت ہے کہ وہ لوگ نکل کر عیدگاہ گئے اور وہاں ذکر اللہ کرنے لگے،ان میں سے بعض نے کہا کہ کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا :

یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَاماً وَّ قُعُوْدًا . (۳)

---

(۱) ردمحتار:۱/۳۵۱۔

(۲) درمختار:۱/۴۲۸......ردمحتار:۳/۲۲۶-فائدۃ التسلیم بعد الاذان-

(۳) سورۂ آل عمران:۳/۹۱۔

تو وہ سب کھڑے ہوکر ذکر اللہ کرنے لگے۔(۱)

ساتواں: رسول اکرم -صلی اللہ علیہ وسلم- کی مناقب و مدائح پڑھنے کے لیے کھڑے ہونا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت حسان منبر پر کھڑے ہوکر رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے اشعار فخریہ پڑھا کرتے تھے۔(۲)

آٹھواں: رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی زیارت کے وقت روضہ اطہر -علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام الی یوم القیام- کے سامنے دست بستہ کھڑے ہونا -جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں-

نواں: جب کوئی مجلس سے اٹھے تو اس کی معیت میں تعظیماً کھڑے ہوجانا۔

چنانچہ مشکوٰۃ میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- مسجد میں ہم کو حدیث سناتے تھے، جب آپ اٹھتے تو ہم سب کھڑے ہوجاتے تھے اور جب تک گھر میں داخل نہ ہوتے ہم کھڑے رہتے تھے۔(۳)

---

(۱) تفسیر کشاف:۱/۳۶۱۔

(۲) متن حدیث یوں ہے :

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ -صلى الله عليه وآله وسلم - يَضَعُ لِحَسَّان مِنبَرًا فِي الْمَسْجِدِ يَقُوْمُ عَلَيْهِ قَائِماً يُفَاخِرُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم -. (سنن ابوداؤد:۱۰/۶۶ حدیث:۴۷۷۳......مشکوٰۃ المصابیح:۳/۴۱ حدیث:۴۸۰۵......شمائل ترمذی:۱/۲۸۲ حدیث:۲۴۷......مستدرک:۱۴/۱۰۸ حدیث:۶۰۹۹......تہذیب الآثار طبری:۲/۴۱۶ حدیث:۵۳۳......مسند ابویعلی موصلی:۱۰/۸ حدیث:۴۶۲۳......معرفۃ الصحابہ:۶/۳۳۴ حدیث:۲۰۲۲......مسند الجامع:۵۱/۳۳۱ حدیث:۱۷۲۰۱......تحفۃ الاشراف:۱۳/۴۷۸ حدیث:۱۷۰۲۰......تخریج احادیث الاحیاء:۵/۱۷۱ حدیث:۲۱۷۱)

اور معجم کبیر طبرانی میں یوں ہے :

ان رسول اللّٰه -صلى الله عليه وسلم- كان يضع لحسان بن ثابت منبرا في المسجد ينشد عليه الأشعار . (۴/۳۴ حدیث:۳۵۰۱)

(۳) متن حدیث یوں ہے :

كان رسول الله -صلى الله عليه وسلم- يجلس معنا في المسجد يحدِّثنا فإذا قام قمنا قياما حتى نراه قد دخل بعضَ بيوتِ أزواجه . (مشکوٰۃ المصابیح:۳/۱۸ حدیث:۴۷۰۵......سنن ابوداؤد:۱۲/۳۹۳ حدیث:۴۱۴۵......شعب الایمان بیہقی:۱۸/۴۳۸ حدیث:۸۶۴۹......المدخل الی السنن الکبریٰ بیہقی:۲/۱۰۳ حدیث:۵۸۷......مسند الجامع:۴۲/۲۰۹ حدیث:۱۳۷۳۳......تحفۃ الاشراف:۱۲/۲۰۹ حدیث:۱۴۹۰۱......مسند ابن ابی شیبہ:۱/۴۹۰ حدیث:۴۷۷......کنز العمال:۷/۲۲۱ حدیث:۱۸۷۱۰)

ان نو مقامات کے علاوہ اور جگہوں میں بھی قیام کا حکم آیا ہے، جس کی نظر فتاویٰ اور احادیث پر ہوگی وہ دیکھ لے گا۔

الحاصل! ان نظیروں سے یہ ثابت ہوگیا کہ قیام صرف آنے والے کی تعظیم کے لیے مخصوص نہیں بلکہ اور مقامات میں بھی قیام پایا گیا۔ اور سب میں قدر مشترک یہی مضمون ہے کہ جس امر میں قیام کیا جاتا ہے تو اس امر کی تعظیم کا فائدہ دیتا ہے۔ اسی طرح بزرگان دین سے طرح طرح کے مواقع تعظیم میں تعظیم پائی گئی ہے۔

انھیں میں سے یہ ہے کہ احمد بن حنبل اور علی بن مدینی وغیرہ جلسہ تعلیم حدیث میں کھڑے رہتے تھے - چنانچہ ہم یہ روایت سابقاً لکھ چکے ہیں -

انھیں میں سے یہ بھی ہے کہ بہاء الدین ملک طاہر کا وزیر قصیدہ بردہ کو برہنہ پا اور برہنہ سر کھڑا ہو کر سنا کرتا تھا اور اس سے اس کے گھر میں دین و دنیا کی بہت سی خیرات و برکات حاصل ہوئیں۔

کشف الظنون میں در باب قصیدہ بردہ لکھا ہے :

و لما بلغت الصاحب بهاء الدين وزير الملك الظاهر استحسنها و نذر أن لا يسمعها إلا حافيا واقفا مكشوف الرأس و كان يتبرك بها هو و أهل بيته و رأوا من بركاتها أموراً عظيمة في دينهم و دنياهم . (۱)

اور جب یہ وزیر الملک بہاء الدین ظاہر کے پاس یہ قصیدہ پہنچا تو اس نے کافی پسند کیا اور یہ نذر مان لی کہ وہ اسے ننگے پاؤں اور ننگے سر کھڑا ہو کر سنا کرے گا۔ اس کی برکت سے وہ اور اس کے اہل خانہ خوب خوب نفع اندوز ہوئے اور دین و دنیا میں اس کی بے شمار برکتیں انھوں نے دیکھیں۔

انھیں میں سے ہمارے شیخ الطریقہ امام الشریعہ خواجہ خواجگان معین الدین چشتی - رحمۃ اللہ علیہ - کا اپنے مرشد کے روضہ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا بھی ہے۔ شیخ الاسلام خواجہ فرید الدین گنج شکر اپنے پیر قطب صاحب کے ملفوظات معروف بہ ''فوائد السالکین'' میں لکھتے ہیں :

ایک بار خواجہ معین الدین چشتی - قدس سرہ - سلوک کے سلسلہ میں وعظ فرما رہے تھے، جب داہنی طرف نظر پڑتی کھڑے ہو جاتے تھے، سو باریوں ہی کھڑے ہوئے لوگ حیرت میں تھے۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد ایک بے تکلف آدمی نے عرض کیا کہ (دورانِ وعظ)

(۱) کشف الظنون: ۲/۱۳۳۱ - باب قصیدۃ البردۃ الموسومۃ -

آپ بار بار کھڑے کیوں ہو جاتے تھے ۔ فرمایا جب میری نظر مرشد خواجہ عثمان ہارونی -رحمۃ اللہ علیہ- کے روضہ پر پڑتی' کھڑا ہو جاتا تھا، اس لیے کہ پیر کی تعظیم زندگی و موت ہر حالت میں برابر واجب ہے بلکہ مرنے کے بعد اور زیادہ۔

انھیں میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی صاحب معرفت پر عشق الٰہی میں وجد صادق ظاہر ہو تو جملہ حاضرین کو کھڑے ہو جانا چاہیے ۔ یہ مسئلہ حجۃ الاسلام امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' میں ذکر فرمایا ہے۔

ان جملہ احادیث و آثارِ صحابہ اور مشائخ حدیث و طریقت کے فعل کی روشنی میں ایک انصاف پسند اور حق طلب آدمی پر خوب خوب واضح ہو جائے گا کہ بلاشبہہ قیام تعظیمی صرف کسی کے آنے کی تعظیم کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ اور امور کی تعظیم میں بھی قیام پایا گیا ہے۔ پھر کیا ضرور ہے کہ مروجہ محفل میں' روح مبارک کے آنے کے عقیدہ کے ساتھ ہی قیام کیا جائے بلکہ اس میں شان رسالت -صلی اللہ علیہ وسلم- کی تعظیم پر نظر رکھی جائے ۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ حج میں فرمایا :

وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ. (۱)

اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

مولوی اسماعیل صاحب نے اولیاء اللہ کی محبت کو اس آیت کی تعمیل اور شعائر اللہ کی تعظیم میں شامل کیا ہے۔ ''صراط مستقیم'' مطبوعہ میرٹھ کے صفحہ ۴۳ میں ان کی عبارت یوں ہے :

اگر نیک تامل کنی دریابی کہ محبت امثال ایں کرام خود شعار ایمانِ محبّ و علامت تقوی اوست ذٰلِکَ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ -انتھی-

یعنی اگر آپ اپنی فکر کو مہمیز دیں اور سوچیں تو آپ پر آشکار ہو جائے گا کہ ایسی برگزیدہ شخصیات کی محبت خود ایک شیدائی کے ایمان کی نشانی اور اس کے تقویٰ کی علامت ہے۔ اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم بجالائے تو سمجھیں کہ یہی دلوں کا تقویٰ ہے۔

جب اولیاء اللہ' شعائر اللہ ہوئے تو رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- تو عظیم ترین شعائر سے ہوئے ۔ چنانچہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' مطبوعہ بریلی کے صفحہ ۷۱ میں شاہ ولی اللہ نے بھی آپ کو معظم شعائر اللہ میں شمار کیا ہے، اور جب آپ معظم شعائر ہوئے تو گویا آپ کی ولادت' اعظم شعائر اللہ کا ظہور

(۱) سورۂ حج: ۲۲/۳۲۔

ہے،لہٰذا ہم کو چاہیے کہ اعظم شعائر اللہ کی عظمت دل میں پیدا کریں اور اس نعمت عظمیٰ کو سب سے عظیم جانیں جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَ مَا أَرْسَلْنٰکَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ . (۱)

اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یوں فرما کر ان کے وجود باجود کا ہمارے گردنوں پر احسان رکھا :

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُولاً . (۲)

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا۔

تو جس وقت آپ کے ان انوار وآثار کا تذکرہ تعظیم وآداب اور جاہ وجلال کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے جو آپ کی ولادت باسعادت کے وقت عالم دنیا میں ظاہر ہوئے تو دل کے رگ وریشہ میں اس وقت کا جلوہ سما جاتا ہے،آنکھوں کے سامنے آپ کی ولادت کے وقت فرشتوں اور حورعین کی آمد کا نقشہ کھنچ جاتا ہے،دل عظمت شان رسالت سے بھر جاتا ہے اور دل میں غایت درجہ تعظیم پیدا ہوجاتی ہے ۔تو اس عالم میں بصد آداب وتعظیم سب لوگ کھڑے ہوجاتے ہیں اور اپنی ہیئت جلوس کو قیام سے بدل دیتے ہیں۔چنانچہ شرع شریف میں ظاہر کو باطن کا عنوان قرار دیا گیا ہے یعنی اگر دل میں توحید ورسالت کی تصدیق ہے تو اقرار باللسان اس کی تطبیق ہے۔اسی طرح اگر دل میں اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کی خواہش وحاجت ہے تو دعا میں دونوں ہاتھ بھیک مانگنے والوں کی طرح پھیلا دینا سنت ہے تاکہ ظاہر وباطن کا نقشہ یکساں ہوجائے۔ باریک بینوں کو شریعت سے اس کی بہت سی مثالیں مل جائیں گی۔

انھیں میں سے زینت محفل کی بابت چند مثالیں ”دافع الاوہام“ میں مذکور ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دل میں جو عظمت رسالت -صلی اللہ علیہ وسلم- بھری ہوتی ہے اس کے اظہار کے لیے قیام کیا جاتا ہے تاکہ ظاہر وباطن دونوں ایک سے ہوجائیں اور جس طرح دل کے اندر حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- کی عظمت ہے اسی طرح تعظیم وآداب کے ساتھ قیام کرنا اس عظمت کا ایک نقشہ وصورت ہے،گرچہ اس وقت آنکھوں کے سامنے حضور اقدس-صلی اللہ علیہ وسلم- بذات خود مجلس میں حاضر نہ ہوں لیکن آپ کا ذکرِ ظہور تو موجود وظاہر ہے اور ذکر ظہور کی تعظیم بعینہٖ آپ کی تعظیم ہے۔

(۱) سورۂ انبیا:۲۱/۱۰۷۔

(۲) سورۂ آل عمران:۳/۱۶۴۔

مولوی اسماعیل صاحب ''صراط مستقیم'' مطبوعہ میرٹھ کے صفحہ ۱۶ پر لکھتے ہیں :

ازفروع حب منعم است تعظیم شعائرا ومثل تعظیم نام او وکلام او ولباس او- انتہیٰ -

یعنی منعم کے شعائر کی تعظیم مثلا اس کے نام وکلام اور اس کے لباس کی تعظیم کرنا دراصل اس کی محبت ہی کی ایک شاخ ہے۔

جب آپ کی تعظیم دل میں ہوئی تو آپ کے نام و بیان اور فکر کی تعظیم بھی ہوگئی تو یہ ذکر کی تعظیم بعینہٖ آپ کی تعظیم ہے اور آپ کی تعظیم خدا کی تعظیم۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ کے صفحہ ۷۰ پر لکھا ہے :

**حتیٰ صار تعظیمها عندهم تعظیما لله .** (۱)

یعنی ان شعائر کی تعظیم ان کے نزدیک اللہ ہی کی تعظیم ہے۔

اس مضمون کی موافقت میں آیتیں بھی لکھ چکے ہیں :

**مَنْ يُّطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ .** (۲)

جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

**إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ .** (۳)

وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

الحاصل! یہ قیام نہ شرک ہے اور نہ بدعت ضلالت بلکہ جمہور علماے امت کے اتفاق سے یہ مستحب و مستحسن ہے، جس پر شرعا دلیلیں بھی قائم ہیں۔

**فائدہ:** اب ہم مولف براہین گنگوہی کے نزدیک بھی مسلم ایک قاعدہ سے اس قیام کا ثبوت پیش کر رہے ہیں کہ ہم نے مجلس میلاد کے امور مروجہ کے لیے لکھا ہے کہ کسی امر مستحسن ومباح کا -جو پہلے نہ تھا- زیادہ کرنا جائز ہے۔ اس کی نظیر یہ لکھی کہ اگر کوئی تعظیم وآداب کی نیت سے التحیات میں **اللھم صل علی سیدنا محمد** پڑھے تو ''درمختار'' میں اس کو افضل لکھا گیا ہے؛ حالاں کہ اس درود میں لفظ سیدنا منقول نہیں۔

اس کا جواب مولف براہین صفحہ ۱۵۴ پر لکھتے ہیں :

---

(۱) حجۃ اللہ البالغہ:۳۱۔

(۲) سورۂ نساء:۴/۸۰۔

(۳) سورۂ فتح:۴۸/۱۰۔

صیغہ درود شریف میں لفظ سیدنا کی زیادتی کو یہ نہ سمجھا کہ جہاں کہیں زیادتی یا تبدیل کی اجازت صراحۃً یا دلالۃً موجود ہے وہاں انہی کہاں ہوسکتی ہے وہ تو خود ماورد بہ الشرع میں داخل ہے تو لفظ سیادت کے اضافے کی اجازت خود **یا أیها الذین آمنوا صلوا علیه** میں موجود ہے۔ کیوں کہ صلوٰۃ کے معنی تعظیم کے ہیں۔ اور صلوا کے معنی **عظموا** لکھتے ہیں، اور اگر دعا کے معنی میں ہو تب بھی اس کی تعظیم لازم ہے کیوں کہ جس کے واسطے دعا کی جائے گی اس کی توقیر و تعظیم لازم آئے گی۔ تھوڑی سی عقل کی ضرورت ہے سو ہر جگہ کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں سے فخر عالم کی تعظیم فرماتے ہیں تو جو لفظ و صیغہ کہ تعظیم کے معنی دے گا وہ خود مطلوب ہوگا جب کہ اس کی کوئی نہی وارد نہ ہو۔

میں کہتا ہوں کہ قیام زیادہ کرنے کی اجازت بھی شرع میں موجود ہے۔ تعظیم و توقیر نبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کے واجب ہونے کے سلسلہ میں دلائل' قیام کی ابتدائی بحث میں ہم لکھ چکے ہیں، شرعاً آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی تعظیم و توقیر مطلوب ہے تو یہ قیام بھی فردِ تعظیمی ہو کر مطلوبہ افرادِ تعظیم میں شامل اور ماورد بہ الشرع میں داخل ہے۔ نیز یہ کہ ذکر ولادت شریف کے وقت' درود وسلام بھی کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں تو جیسا لفظ **صلوا** بمعنی **عظموا** سے صیغہ تعظیم ایجاد کیا جو پہلے نہ تھا یوں ہی اس وقت درود وسلام پڑھنے کے لیے یہ ہیئت تعظیمی یعنی قیام ایجاد کیا جو پہلے نہ تھا لہٰذا لفظ سیدنا کی طرح' قیام بھی افضل ہوگا۔ اور اسی پر درمختار کا قول بھی قیاس کرلیں- جسے مولف براہین گنگوہی نے بھی بطورِ سند رکھا ہے-تو یہ قیام' فریق ثانی کے بتائے ہوئے دلائل سے بھی صحیح اور ثابت الاصل ہے۔ اسی وجہ سے سید برزنجی وغیرہ مفتیانِ دین اس قیام کے استحسان پر برابر فتاوے دے رہے ہیں۔

## قیام کے سلسلے میں منکرین کے متفرق شبہات

**پہلا اعتراض:** حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- کی ظاہری زندگی میں صحابہ کرام' رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کا قیام نہیں کرتے تھے جیسا کہ ترمذی میں ہے، پھر اب قیام کس طرح جائز ہو؟

**جواب:** واقعی قیام نہیں کرتے تھے لیکن اس طرح کا قیام جیسا سلاطین عجم میں تھا کہ جب رعایا اپنے بادشاہ کو آتے دیکھتی کھڑی ہو جاتی اور جب تک وہ تخت پر بیٹھا رہتا اس وقت تک جملہ رعایا اس کے آگے پورے تواضع کے ساتھ کھڑی رہتی، ایسا قیام حقیقۃً ممنوع شرعی ہے جب کہ وہ بادشاہ یا امیر حکم کرے اور اس قیام کو پسند کرے۔

لیکن محفل میلاد شریف میں یہ بات تو نہیں کہ اس محفل کے منبر یا چوکی یا تخت پر کوئی بادشاہ بیٹھا ہوا ہے اور سب لوگ اس کے آگے کھڑے ہیں یا یہ کہ وہ بادشاہ حکم کر رہا ہے کہ تم میرے آگے قیام کرو۔ یہاں تو یہ بات ہے کہ میلاد خواں منبر پر کھڑا ہو کر درود وسلام اور نعت ومدح کے اشعار پڑھ رہا ہے جو خود فعل صحابہ سے ثابت ہے۔

صحیح بخاری میں ہے :

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ -صلى الله عليه وآله وسلم- يَضَعُ لِحَسَّان مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ يَقُوْمُ عَلَيْهِ قَائِماً يُفَاخِرُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم-. (۱)

یعنی رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- حسان بن ثابت کے لیے مسجد میں منبر رکھتے تھے جس پر کھڑے ہو کر حسان بن ثابت فخر رسول -صلی اللہ علیہ وسلم- بیان کرتے تھے۔

محفل میلاد شریف میں بھی میلاد خواں، منبر پر کھڑا ہو کر فخر رسول -صلی اللہ علیہ وسلم- بیان کرتا ہے، اور جس وقت میلاد خواں کھڑا ہو جاتا ہے حاضرین بھی کھڑے ہو جاتے ہیں جس میں ایک دوسری حدیث کی تعمیل بھی ہو جاتی ہے جو مشکوٰۃ کے -باب القیام- کی تیسری فصل میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے :

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم- يَجْلِسُ مَعَنَا فِي الْمَجْلِسِ يُحَدِّثُنَا فَإِذَا قَامَ قُمْنَا قِيَاماً. (۲)

---

(۱) سنن ابوداؤد: ۶۶/۱۰ حدیث: ۴۸۰۵......مشکوٰۃ المصابیح: ۴۱/۳ حدیث: ۲۷۷۳......شمائل ترمذی: ۲۸۲/۱ حدیث: ۲۴۷......مستدرک: ۱۰۸/۱۴ حدیث: ۶۰۹۹......تہذیب الآثار طبری: ۴۱۶/۲ حدیث: ۵۳۳......مسند ابویعلی موصلی: ۸/۱۰ حدیث: ۴۶۲۳......معرفۃ الصحابہ: ۳۳۴/۶ حدیث: ۲۰۲۲......مسند الجامع: ۳۳۱/۵۱ حدیث: ۱۷۲۰۱......تحفۃ الاشراف: ۴۷۸/۱۳ حدیث: ۱۷۰۲۰......تخریج احادیث الاحیاء: ۱۷۱/۵ حدیث: ۲۱۷۱۔

اور معجم کبیر طبرانی میں یوں ہے :

ان رسول اللّٰه -صلى الله عليه وسلم- كان يضع لحسان بن ثابت منبرا في المسجد ينشد عليه الأشعار. (۳۴/۴ حدیث: ۳۵۰۱)

(۲) مشکوٰۃ المصابیح: ۱۸/۳ حدیث: ۴۷۰۵......سنن ابوداؤد: ۳۹۳/۱۲ حدیث: ۴۱۴۵......شعب الایمان: ۱۸/۱ حدیث: ۸۲۳۶......المدخل الی السنن الکبریٰ: ۱۰۳/۲ حدیث: ۵۸۷...... مسند ابن ابی شیبہ: ۴۹۰/۱ حدیث: ۴۷۷......کنز العمال: ۲۲۱/۷ حدیث: ۱۸۷۱۰...... مسند الجامع: ۲۰۹/۴۲ حدیث: ۱۳۷۳۳......تحفۃ الاشراف: ۲۰۹/۱۲ حدیث: ۱۴۸۰۱۔

یعنی رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم-ہمارے جلسہ میں ہمارے ساتھ بیٹھے حدیثیں بیان فرمارہے ہوتے، پھر جب آپ کھڑے ہوتے تو ہم بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہوجاتے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حاضرین مجلس کو قیام میں موافقت کرنی چاہیے۔(۱)

تو اس قیام میں اور ترمذی کی منع قیام کی روایت- جسے مانعین بطورِ سند لاتے ہیں- میں بہت فرق ہے۔اور اگر کوئی یہ کہے کہ صحابہ کسی طرح کا قیام نہیں کرتے تھے تو یہ بالکل غلط ہے۔ابھی گزرا کہ حضرت حسان، فخر دوعالم-صلی اللہ علیہ وسلم-کی مدح وثنا کھڑے ہوکر کیا کرتے تھے۔اور یہ بھی گزرا کہ جب آپ-صلی اللہ علیہ وسلم-کھڑے ہوتے تو صحابہ بھی کھڑے ہوجاتے تھے۔اور جب حضرت فاطمہ-رضی اللہ تعالیٰ عنہا-تشریف لاتیں تو حضور نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم-کھڑے ہوجاتے تھے،اور اسی طرح حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-کی تشریف آوری پر بی بی فاطمہ-رضی اللہ تعالیٰ عنہا- کھڑی ہوجاتی تھیں۔(۲) نیز صحابہ آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے لیے کھڑے ہوجایا کرتے تھے۔یہ اُسامہ بن شریک سے، بروایت صحیح، قسطلانی نے روایت کی ہے۔

نیز زرقانی شرح مواہب میں ہے کہ آپ-صلی اللہ علیہ وسلم-ایام حنین میں حلیمہ سعدیہ کے آنے کی وجہ سے کھڑے ہوئے۔اور سیرت حلبی میں ہے کہ آپ-صلی اللہ علیہ وسلم-اپنے رضاعی باپ کے آنے کے وقت کھڑے ہوئے۔نیز شاہ ولی اللہ نے مانعین قیام کا رد کیا ہے۔(تفصیل کے لیے)''حجۃ اللہ البالغۃ'' دیکھیں۔

**اعتراض:** حضرت کا نام سن کر تو کھڑے ہوجائیں مگر اللہ تعالیٰ کے نام پر نہیں کھڑے ہوتے، گویا حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-کو اللہ تعالیٰ سے بھی فوقیت دے دی۔

---

(۱) اور اگر حضرت حسان ایسا کرتے کہ پہلے بیٹھ کر پڑھتے پھر کھڑے ہوکر تو حاضرین مجلس بھی بالضرور ان کی موافقت کے ساتھ کھڑے ہوجایا کرتے لیکن وہاں یہ ہوتا کہ بیٹھے ہوئے لوگوں کے درمیان حضرت حسان کھڑے ہوکر اول سے شروع کرتے تھے تو وہ حالت خطیب کی حالت سے مشابہ ہوتی تھی ایسی صورت میں حاضرین نہیں اٹھا کرتے، بخلاف اس صورت کے کہ بیٹھنے میں شروع ہی سے شریک ہیں اور پھر اٹھے تو حاضرین اس کے ساتھ موافقت کرتے تھے۔یہ احیاء العلوم کے قیام مجلس سماع کی شکل ہے۔۱۲ منہ

(۲) متن حدیث: .... كانت إذا دخلت عليه قام إليها.... و كان اذا دخل عليها قامت إليه .... (مشکوٰۃ المصابیح: ۳/۱۴ حدیث: ۴۶۸۹......سنن ابوداؤد:۱۳/۴۴۳ حدیث: ۴۵۴۰......مستدرک حاکم: ۱۱/۶۱ حدیث: ۴۷۳۶......شعب الایمان بیہقی:۱۸/۴۳۵ حدیث:۸۶۴۶......صحیح ابن حبان:۲۸/۴۴۷ حدیث:۷۰۷۹)

**جواب**: یہ اعلیٰ درجہ کی کم فہمی ہے۔ دیکھیں ہم نمازوں میں بکمال ادب، رو بہ قبلۂ اللہ تعالیٰ کے واسطے قیام کرتے ہیں اور اس پر مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بحالت سجدہ خاک پر گر جاتے ہیں ۔ ہر روز نماز فرض و نوافل میں ساٹھ ستر سے زیادہ سجدے کرتے ہیں یہ کیسی بڑی تعظیم ہوئی کہ ماتھا زمین پر رگڑتے ہیں اور رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے لیے صرف اس قدر کہ ولادت شریف کے ذکر پر آپ کے ظہورِ عظیم کی وجہ سے تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں ۔اب خیال کریں کہ رسول کی تعظیم' خدا سے زیادہ کہاں ہوئی ؟۔

**اعتــــراض**: حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کا نام اذان وخطبہ میں بہت جگہ آتا ہے کہیں نہیں کھڑے ہوتے سوائے میلادِ شریف کے، اور اس میں بھی جب خاص ذکرِ ولادت شریف آتا ہے۔

**جــــواب**: ولادت شریف میں یہ مناسبت ہے کہ ولادت کے معنی یہ ہوئے کہ آپ عالم بطون سے عالم ظہور میں آئے، اور آنے والے کی تعظیم کے لیے جمہور فقہا و محدثین کے مذہب کے مطابق' شرع میں قیام مستحسن ہے ۔اور یہ خوب معلوم ہے کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی شان والا بہت عظیم ہے۔

مبرد نے وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ کی تفسیر میں لکھا ہے :

**أی تبالغوا في تعظيمه -صلى الله عليه وسلم-** . (۱)

یعنی حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کی تعظیم میں خوب مبالغہ سے کام لو۔

اسی بنیاد پر محبّین اُمت نے بطورِ مبالغہ یہ تعظیم کیا کہ جو قیام بادشاہ و امیر کی عین تشریف آوری کے موقع پر تعظیماً کیا جاتا ہے وہ آپ کے ذکر قدوم میمنت لزوم میں کیا گیا۔اس پر کوئی اعتراض شرعی نہیں پڑ سکتا سوا اس کے کہ ایجاد ہے تو طریقہ آداب کی ایجاد' مستحب و مستحسن ہے۔اس کا ذکر چند بار گزر چکا اور بدعت حسنہ کا وجود بھی شرع سے ثابت کیا جا چکا ہے۔

**اعتــــراض**: قیام کرنے والوں کو اس بات کی تعظیم منظور ہوتی ہے کہ حضرت کے قدوم کی تعظیم کی جائے تو وقت ولادت کی کیا خصوصیت تھی چاہیے تھا کہ جب ذکر سنتے کہ فلاں وقت آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- مسجد یا مجلس میں تشریف لائے تھے یا حج یا جہاد سے پھر آئے تھے ہر قدوم کا ذکر سن کر کھڑے ہو جایا کرتے۔

---

(۱) دوسری تفاسیر میں اسی مفہوم کی ایک دوسری عبارت ملتی ہے :

**أن تبالغوا في تعظيمي** . (بحر المدید:۶/۳۱۲......تفسیر روح البیان:۲۰/۴۸۱)

**جواب**: ان قدومات میں اور قدوم وجودی یعنی ولادت شریف میں بڑا فرق ہے۔ یہ سب قدوم جزئی ہیں مثلاً گھر سے جب مسجد یا مجلس تشریف لائے تو وہ دولت مخصوص اُسی جماعت کے واسطے ہوئی دوسرے لوگوں کا اس میں کیا حصہ ہے کہ جن میں آپ رونق افروز نہ ہوئے برخلاف قدوم وجودی کے کہ وہ قدوم کلی ہے یعنی آپ کا عالم وجود میں آنا تمام جہان پر رحمت ہے، جو کوئی اس وقت دنیا میں موجود ہے یا نہیں اور جو کوئی قیامت تک پیدا ہوتا چلا جائے گا اور جو چیز ثریا سے عرش تک ہے آپ کی ولادت سب کے لیے رحمت ہے :

وَ مَا أَرْسَلْنٰکَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ . (۱)

اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

تو اس قدوم اور قدومات مذکورہ میں بڑا فرق ہے۔ اس لیے اس اعلیٰ درجہ کے قدوم میں قیام کرنا امت محمدیہ -علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام- میں رائج ہوا، جب اس قدوم کلی کا ذکر آتا ہے اسی وقت قیام کرتے ہیں بخلاف اور قدومات کے کہ وہ جزئی ہیں۔

**اعتراض**: اگر یہ قیام ذکر ولادت شریف کے واسطے خاص ہوا کہ اس میں معنی قدوم وجودی کے ہیں تو بہت وقتوں میں یہ ذکر احادیث وغیرہ میں ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن شریف میں ہے: **لقد جاء کم رسول** اور حدیث میں ہے: **ولد النبي -صلى الله عليه وسلم- مختونا** اس وقت کیوں نہیں کھڑے ہوتے۔ علاوہ بریں بہت مرتبہ آپ کی ولادت کا مضمون کسی شعر یا فقرۂ نثر میں چلتے پھرتے زبان پر آجاتا ہے، وہاں بھی کوئی نہیں کھڑا ہوتا۔

**جواب**: بنی آدم پر غفلت طاری ہے اللہ تعالیٰ کے نام پر کسی خاص موقع میں جب دل اللہ کی طرف راغب ہوتا ہے تو وہاں ذوق وشوق سے جل جلالہ، جل شانہ، عم نوالہ۔ باقی اکثر اوقات میں دل غافل اور بے خبر ہوتا ہے، سیکڑوں باتوں میں اللہ تعالیٰ کا نام آجاتا ہے تو جل جلالہ وغیرہ الفاظ تعظیم کچھ بھی زبان پر نہیں لاتے، بس یہی حال قیام کا بھی ہے بعض حالات میں نامِ رسول آتا ہے دل کو اس تعظیم خاص یعنی قیام سے غفلت ولا پرواہی ہوتی ہے برخلاف مجلس کے کہ یہاں ہر قسم کے آداب وتعظیم کے سامان موجود ہیں خواہی نہ خواہی ہر عامی کی آنکھیں بھی کھل جاتی ہیں اور تعظیم بجالاتے ہیں۔

---

(۱) سورۂ انبیا: ۲۱/ ۱۰۷۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم قیام کو فرض یا واجب کہتے تب یہ اعتراض پڑتا کہ کسی موقع میں بھی ترک جائز نہ ہو، جب فرض نہیں بلکہ مستحب اور مستحسن ہے تو موقع محفل میں کہ- وہاں امورِ استحسان وآداب موجود ومہیا ہیں- قیام بھی کرتے ہیں تاکہ اکرام اپنے جملہ لوازم کے ساتھ بتمام وکمال ہو، اور جہاں تمام لوازم مروجہ منفی ہیں وہاں یہ بھی نہ ہوا تو کیا حرج ہے! صرف درود شریف پڑھ دیا یہ بھی تعظیم کا فائدہ دے جاتا ہے۔ اور اوپر یہ لکھا جا چکا ہے کہ تعظیم مفروضہ کسی فرد میں بھی ادا ہوجاتی ہے، اور عید میلاد کی تعظیم کو کثیر سامان اور متعدد افراد کے ساتھ ادا کرنا استحباب کے درجہ میں ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ تلاوت قرآن شریف اور حدیث پڑھتے وقت جو یہ ذکر آئے وہاں کیوں نہیں کھڑے ہوجاتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر عمل کے کچھ خصائص ہوتے ہیں جو ہر جگہ نہیں کیے جاتے۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں، یہاں اس کی صرف ایک مثال لکھی جاتی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب ''قول جمیل'' میں لکھتے ہیں :

> جب کوئی کسی زبردست سے ڈرتا ہو تو اس کے سامنے جاتے وقت پڑھے: **کٓھٰیٰعٓصٓ کُـفِـیْـتُ**، اور ہر حرف پر داہنے ہاتھ کی انگلی بند کرتا جائے۔ پھر پڑھے: **حٰـمٓعٓسٓقٓ حُـمِـیْـتُ**، اور ہر حرف پر بائیں ہاتھ کی انگلی بند کرتا جائے، پھر حاکم کے سامنے دونوں مٹھی کھول دے- انتہٰی-

اب سمجھنا چاہیے کہ یہ مٹھی کا بند کرنا اور کھولنا اس عمل کا خاصہ ہے، تو اب اگر کوئی کہنے لگے کہ یہ تو قرآن شریف کے حروف ہیں جب کوئی تلاوت کے دوران **کھیعص** اور **حمعسق** پڑھے تو وہاں بھی انگلیاں کھول اور بند کرلیا کرے۔ تو ہر عقل مند یہی کہے گا کہ اے بھائی! وہ تو اس عمل کا خاصہ ہے جسے اسی عمل کے ساتھ خاص رکھنا چاہیے، اور جب قرآن پڑھیں تو اس وقت قرآن کے آداب تلاوت ملحوظ رکھنے چاہئیں۔ بس اسی طرح جب حدیث سیکھنے اور سکھانے یا وعظ و بیان وغیرہ کی غرض سے پڑھی جائے تو وہاں وہ آداب چاہئیں، اور جب اذان وغیرہ میں آپ کا نام آئے تو وہاں جو ماثور ہو وہ ادا کریں اور جب یہ ذکر مسرت وشادمانی کے اس جلسہ شکر وسپاس میں آئے تو وہاں تعظیم وسرور کا یہ عمل قیام کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور میلاد شریف اُخروی ثواب کو شامل ہونے کی وجہ سے خیر و برکت کا ایک بہترین عمل بھی ہے۔ چنانچہ ابوسعید بورانی، ابن جزری، سخاوی اور علی قاری وغیرہ نے اس عمل سے دین ودنیا کے منافع میں بے پایاں برکتوں کا حاصل ہونا لکھا ہے۔ نیز یہ عمل بہت سے اسلامی شہروں میں اہل اسلام کیا کرتے ہیں۔

یہ بھی ظاہر اور کسی سے مخفی نہیں کہ مشائخ عظام اور علمائے کرام نے اس عمل میں ذکر ولادت کے وقت بطورِ خاص قیام کیا ہے، لہٰذا بطورِ خاص سے یہ عمل' خاص اسی موقع کے لیے قیام کا خاصہ ٹھہرا، تو یہ قیام' تمام خارجی مواقع مثلاً تلاوت قرآن، احادیث اور اذان وغیرہ میں جاری نہ کیا جائے گا جس طرح کھیعص میں بطورِ عمل انگلیاں کھولی اور بند کی جائیں گی مگر قرآن شریف پڑھتے وقت ایسا نہ کیا جائے گا، اور اعمال کی خصوصیات کو فقہا کی تخصیصات وتعینات مکروہہ سے کوئی علاقہ نہیں۔

مولوی اسماعیل صاحب کی ''صراط مستقیم'' دیکھو کہ یک ضربی، دوضربی، سہ ضربی اور حبس نفس وخیالات وغیرہ کے کیا کچھ تعینات اذکار اس میں درج ہیں۔ اس سے ہٹ کر ہم کہتے ہیں کہ علمائے دین کا کسی چیز کو مستحسن قرار دینا بھی دلائل شرعیہ میں سے ایک دلیل وحجت ہے، اور علمائے عرب وعجم نے صدہا سال سے اس موقع خاص میں قیام کو مستحسن فرمایا ہے۔ لہٰذا دوسرے موقع میں قیام کا یہ معمول عام نہ کیا جائے گا جب تک ان مواقع پر بھی علمائے امت استحسان کا فتویٰ نہ صادر فرمائیں۔ کسی امر استحسانی کو خاص موقع استحسان میں معمول کرنا ثابت ہے نہ کہ علی العموم۔

دیکھو! بیت اللہ سے رخصت ہوتے وقت (حجاج) اُلٹے پاؤں پھرتے ہیں جس کی دلیل علامہ زیلعی نے یہ لکھی کہ مقتضائے ادب یہی ہے کہ دربارِ شاہی سے یوں ہی الٹے پاؤں پشت پھیرے بغیر واپس ہوا جاتا ہے- بدعت حسنہ کے مباحث میں یہ مسئلہ' فقہی روشنی میں ہم تشریح کے ساتھ لکھ چکے ہیں-

الحاصل! حاجی لوگ جب اپنے دیس آنے کا اِرادہ کرتے ہیں تو اس وقت وہاں سے الٹے پاؤں پھرتے ہیں اور جب پنج وقتہ نماز پڑھ کر بیت اللہ سے نکلتے ہیں تو اس وقت اُلٹے پاؤں نہیں پھرتے حالاں کہ ''دربارِ شاہی سے یوں ہی پھرا جاتا ہے'' والی علت پانچوں وقت میں موجود ہے؛ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ علما نے خاص اسی وقت الٹے پاؤں پھرنے کو مستحسن کہا ہے تمام اوقات کی بابت نہیں۔ تو اب یوں ہی اس قیام کو بھی سمجھو کہ علما کا استحسان خاص اسی موقع میں ہوا ہے۔

**اعتراض:** ولادت شریف ہونے کے وقت قیام ہونا چاہیے، اب یہ ہر روز کون سی ولادت مکرر ہوتی ہے، اور اس امر کی شرع میں کہیں نظیر نہیں کہ کوئی امر فرضی ٹھہرا کر حقیقت کا معاملہ اس کے ساتھ کیا جائے بلکہ شریعت میں یہ حرام ہے، لہٰذا یہ قیام حرام ہوا۔

**جواب**: ذِکرِ ولادت شریف تو کوئی فرضی امر نہیں، یہ تذکرہ تو امر حسی اور موجود فی الخارج ہے، زبانوں پر اس کے الفاظ جاری، کانوں میں اس کی صورت طاری اور دلوں میں اس کا ذوق ساری ہے تو ایسی حالت میں محبت اور ذوق وشوق کے ساتھ تعظیماً کھڑے ہوجائیں تو ایسا شرعاً محبوب ہے کیوں کہ یہ تو آیت کریمہ: **وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ** کی تعمیل میں داخل ہے۔

اور یہ بات کہ واقعہ گزر جانے کے بعد اصل واقعہ کی طرح اس کا معاملہ کرنا شرع میں نہیں آیا تو یہ غلط ہے۔ صوم عاشورا کو دیکھو کہ کہاں فرعون کا ڈوبنا، موسیٰ -علیہ السلام- کا نجات پانا اور پھر اس کے شکرانے میں موسیٰ -علیہ السلام- کا روزہ رکھنا۔ اور کہاں یہ ہمارا زمانہ کہ اب تک وہ نوروز چلا جاتا ہے حالاں کہ فرعون کے غرق ہونے اور موسیٰ کی نجات پانے کا واقعہ تو اسی دور میں ہوا تھا، اب وہ اصل حقیقت موجود نہیں لیکن روزہ کا معاملہ وہی کرتے ہیں جو اصل واقعہ کے وقت کیا تھا۔

اس کی دوسری نظیر یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- مدینہ سے مکہ تشریف لائے، مدینہ میں بخار کی بیماری تھی، مشرکوں نے کہا کہ ان لوگوں کو مدینہ کے بخار نے سست اور لاغر ونزار کردیا ہے، ان سے تو طواف بھی نہ ہوسکے گا، یہ کہا اور مقام حجر کی طرف سے مشرکین ان کا تماشا دیکھنے لگے؛ تب حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- نے صحابہ سے فرمایا کہ ان مشرکوں کے سامنے طواف کے وقت رمل کرو، انھوں نے رمل کیا یعنی جس طرح پہلوان لوگ لڑائی کے وقت کودتے ہوئے اور مونڈھوں کو ہلاتے ہوئے بہادرانہ چال چلتے ہیں اسی طرح صحابہ ان مشرکوں کے سامنے چلتے تھے (یہ دیکھ کر) کفار یوں بول اٹھے: یہ تو ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتے ہیں۔ یہ روایتیں صحاح ستہ میں موجود ہیں۔(۱)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت رمل تو کفار کو دکھانے کے واسطے کیا گیا تھا لیکن پھر زمانے کے بعد جب حجۃ الوداع درپیش ہوا تو اس وقت بھی رمل کے طور پر وہی قوت رفتار دیکھنے میں آئی حالاں کہ اس وقت وہاں قطعاً کوئی مشرک نہ تھا لیکن اس وقت بھی حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- نے اس رفتارِ تبختر کو برقرار رکھا، پھر آپ کے بعد خلفاے راشدین اور تابعین نے بھی قائم رکھا یہاں تک کہ اب تک کیا جاتا ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم: ۳۴۸/۶ حدیث: ۲۲۲۰...... سنن ابوداؤد: ۲۳۴/۵ حدیث: ۱۶۱۰...... مسند احمد: ۳۹/۶ حدیث: ۲۵۰۷...... سنن کبریٰ بیہقی: ۸۲/۵...... سنن کبریٰ نسائی: ۴۰۵/۲ حدیث: ۳۹۴۲...... شعب الایمان: ۹۲/۹ حدیث: ۳۹۰۲...... صحیح ابن خزیمہ: ۲۷/۱۰ حدیث: ۲۵۱۴۔

اب دیکھیے کہ اصل حقیقت ختم ہو جانے کے بعد بھی یہ معاملہ آج تک بالکل حقیقت کا سا کیا جاتا ہے اور قیامت تک یوں ہی جاری رہے گا، حالاں کہ اب اصل علت موجود نہیں یعنی اب تو حرم شریف میں ایک بھی کافر نہیں جس کو اپنی طاقت، جواں مردی اور بہادری کی چال دکھائی جائے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ اس معنی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں :

**ثم بقي الحكم بعد زوال السبب في زمن النبي –عليه السلام– و بعده.**(۱)

یعنی سبب ختم ہو جانے کے باوجود نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کے عہد مبارک اور آپ کے بعد بھی یہ حکم بدستور باقی رہا۔

شیخ دہلوی نے شرح سفر السعادۃ میں لکھا ہے :

**معلوم شد کہ بعد از زوال علت نیز ایں حکم باقی ست۔**

یعنی علت زائل ہو جانے کے باوجود یہ حکم ابھی تک باقی ہے۔

تو حضرت سلامت! حقیقت ختم ہو جانے کے بعد بھی حقیقت کا سا معاملہ کرنے کی نظیریں شرع میں موجود ہیں، اور جس چیز کی نظیر پائی جائے وہ مولوی اسماعیل صاحب کے قاعدے کے مطابق بدعت نہیں ہوتی۔

الحاصل! جب آپ قائل ہو چکے کہ اصل حقیقت یعنی وقوعِ ولادت شریف میں قیام ہونا چاہیے اور ہم کہتے ہیں کہ واقعی آپ اس امر میں حق پر ہیں۔ چنانچہ میلاد کی بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس وقت ملائکہ اور حوریں کھڑی ہوئی تھیں، آدمی کا تو وہاں کوئی گزر ہی نہ تھا جس کا گزر تھا وہ حالت قیام میں تھا، تو اب بھی جب ذکر آئے تو وہی قیام امت تعظیماً جاری ہے تو اصل شرعی کے مخالف ہرگز نہیں ہو سکتا۔

دو اصلیں اس تحقیق میں ابھی منقول ہوئیں اور تماشا یہ ہے کہ جناب معترض صاحب صوفی بھی ہیں اور آپ کے یہاں تصور شیخ کا قاعدہ بھی چلا آتا ہے۔ آپ کے بزرگوار فرماتے ہیں :

**و الركن الأعظم ربط القلب بالشيخ على وصف المحبة و التعظيم و ملاحظة صورته – انتهٰى –**

یعنی رکن اعظم دل کو شیخ کی محبت و تعظیم سے مربوط رکھنے اور اس کی صورت کو ملاحظہ کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

(۱) عنایہ شرح ہدایہ: ۳/۴۳۹ - باب الاحرام -

اسی رسالہ میں دوسری جگہ فرماتے ہیں :

**فاحضر في خيالك صورة شيخك فإنه يرجى ببركته تبدل التفرقة بالجمعية .**

یعنی اپنے شیخ کی صورت اپنے خیال کے سامنے رکھ، کیوں کہ امید ہے کہ اس کی برکت سے تفرقہ، جمعیت سے بدل جائے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے خلیفہ محمد عاشق پھلتی، جن سے شاہ عبدالعزیز صاحب نے - اپنے والد کی وفات کے بعد - سلوک کی تکمیل کی ہے، اپنی سبیل الرشاد میں مرشد - یعنی شاہ ولی اللہ - کا تعلیم کیا ہوا طریقہ لکھتے ہیں :

اگر وقت دوری شیخ کسے استفاضہ خواہد طریقش آنست کہ فارغ دل وضو ساختہ نماز گزارد و ہماں جانشستہ صورت شیخ کہ از وے فیض می جوید بجمع ہمت و دفع خطرات ملاحظہ نماید - الیٰ آخرہ -

یعنی اگر کوئی اپنے شیخ سے دور رہ کر مستفیض ہونا چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ فارغ دل ہو کر وضو بنائے، نماز پڑھے اور اسی جگہ بیٹھ کر دل جمعی کے ساتھ اپنے شیخ کی صورت ذہن نشین کر کے دفع خطرات کے لیے ان کی مدد طلب کرے۔

امام ربانی مکتوبات کی جلد ثانی کے مکتوب سی ام (۳۰) میں کثرت تصور شیخ کے لیے لکھتے ہیں :

ایں قسم دولت سعادت منداں را میسر است تا در جمیع احوال صاحب رابطہ را متوسط خود دانند و در جمیع اوقات متوجہ او باشند۔(۱)

یعنی یہ دولت بے بہا صرف سعادتمندوں ہی کو حاصل ہے یہاں تک کہ تمام حالات میں ضرورت مند اپنا ایک واسطہ سمجھ کر ہر حالت میں اس کی جانب متوجہ ہو۔

مولانا مرحوم شیخ محمد محدث تھانوی - جن سے مولوی رشید احمد صاحب نے بھی کچھ حدیث پڑھی ہے - ''انوارِ محمدی'' میں لکھتے ہیں :

باید کہ مرشد وے را (یعنی مرید را) بوقت پراگندگی خاطر و عدم جمعیت برائے ملاحظہ صورت خود بدیں معنی امر فرماید کہ صورت مرا و اوضاع مرا و اطوار مرا و اخلاق مرا مثل ریش و خال و خد و لباس وغیرہ آں چناں بصورت خیالیہ خود منقوش خاطر کن کہ دراں محو گردی۔ الخ۔

(۱) مکتوبات دوم: ۷۰۔

یعنی پریشانی اور پراگندگی خاطر کے وقت ایک مرید کو اپنے مرشد کی صورت مدنظر رکھنا چاہیے۔ اسی معنی میں انھوں نے یہ حکم دیا کہ میری ظاہری صورت وسیرت اور اخلاق اطوار جیسے داڑھی، خد وخال اور لباس وغیرہ کا تصور اپنے خیال میں جما کر اپنی ذات کو محو کر دے۔

خلاصہ یہ کہ جیسے مرید طالب اپنے پیر کے سامنے باادب بیٹھتے ہیں ویسے ہی حالت دوری میں یہ تصور شیخ کر کے مودب بیٹھتے ہیں اور تعظیم مدنظر رکھتے ہیں۔

اس سے دو فائدے پیدا ہوئے۔

ایک یہ کہ جب تصور شیخ سے مرید کو فلاح وخیر ہوئی تو رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- جو ہادیِ سبل اور مرشد کل ہیں' غلبہ محبت کے ساتھ ان کا تصور کیوں کر نہ نفع بخش ہوگا۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جب تعظیم مرشد حالت تصور میں بھی ہے تو گویا حقیقت کا یہ معاملہ حقیقت کی عدم موجودگی میں کیا جاتا ہے، لہٰذا معترض صاحب پر از روئے طریقت ہماری یہ حجت قائم ہوگئی، اور صوم عاشورا اور حالت طواف میں رمل کے ساتھ چلنے کی دو حجتیں از روئے شریعت قائم ہوئیں۔ فالسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

**اعتراض:** کہتے ہیں[1] کہ شامی جو مجوزین عمل مولد شریف میں شمار کیے جاتے ہیں وہ خود قیام کو بدعت اور لا اصل لہا لکھتے ہیں تو یہ قیام بدعت سیئہ ضلالت ہوا۔ سیرت شامی میں ان کی عبارت یوں ہے:

> **جرت عادة كثير من المحبين إذا سمعوا بذكر وضعه -صلى الله عليه وسلم- أن يقوموا تعظيما له -صلى الله عليه وسلم- و هذا القيام بدعة لا أصل لها.** (۲)
>
> یعنی بہت سے اہل محبت کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب وہ ذکر ولادت اور توصیف رسالت سنتے ہیں' تو تعظیم نبوی میں کھڑے ہوجاتے ہیں۔ جب کہ یہ قیام بدعت ہے، شریعت میں جس کی کوئی اصل نہیں۔

---

(۱) **حاشیہ** : یہ اعتراض مولوی عبدالواحد وغیرہ منکرین نے کیا ہے۔ ۱۲۔ منہ

(۲) سبل الہدیٰ والرشاد: ۱/۳۴۴۔

**جـــواب** : یہ ہے کہ اس عبارت سے جو لوگ قیام کا ضلالت اور برا ہونا نکالتے ہیں' کمال بوالعجبی ہے اس لیے کہ اس کا بدعت ہونا تو مسلم ہے کیوں کہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے دور میں اس کا رواج نہ تھا لیکن اس وقت رائج ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ضلالت ہو، کیوں کہ مجتہدین اور محدثین کے قول سے بدعت کا حسنہ اور سیئہ ہونا ثابت ہو چکا ہے- جسے نورِ اول کے لمعہ خامسہ میں ہم نقل کر چکے ہیں-

سیرت حلبی میں ہے :

**و قد قال ابن حجر الهيثمي : و الحاصل أن البدعة الحسنة متفق على ندبها، و عمل المولد و اجتماع الناس له كذلك أى بدعة حسنة. انتهىٰ.(۱)**

یعنی علامہ ابن حجر ہیثمی فرماتے ہیں: خلاصہ کلام یہ ہے کہ بدعت حسنہ کا مستحب ہونا متفقہ ہے ،اور میلاد النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کرنا اور اس میں لوگوں کا اکٹھا ہونا بدعت کی اسی قسم حسنہ میں شامل ہے-

اور یہ ابن حجر اس رائج قیام کے جواز کے قائل ہیں ؛ چنانچہ جوازِ قیام کے سلسلے میں ان کے ''مولد کبیر'' کی عبارت عثمان حسن دمیاطی شافعی نے نقل فرمائی ہے- لہٰذا ہیئت مروجہ کے ساتھ یہ عمل مولد بالاتفاق بدعت حسنہ ٹھہرا اس لیے کہ لفظ 'کـذالک' کا اشارہ جس طرح بدعت حسنہ کی طرف ہے یوں ہی '**متـفـق عـلـى ندبها**' کی طرف بھی ہے- کما لا یخفیٰ -تو قیام کے بدعت سیئہ ہونے کے سلسلے میں مانعین کا استدلال - جو وہ سیرت شامی سے کرتے تھے- اس تقریر کی روشنی میں ساقط ہو گیا- اور اگر لفظ '**لا اصـل لها**' سے مانعین کو کچھ دھوکا ہے کہ انھوں نے جو **لا أصـل لها** لکھا ہے اس سے سیئہ ہونا ثابت ہے- تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات ضروری نہیں کہ جہاں لفظ **لا أصل لها** آیا کرے وہاں بدعت سیئہ مکروہہ یا محرمہ مراد ہوا کرے- اس پر دو دلیلیں پیش کرتا ہوں-

مجمع البحار -مطبوعہ نول کشور- جلد ثالث کے خاتمہ پر صفحہ ۵۱۲ میں ہے کہ صاحب مجمع نے اپنے شیخ سے مسئلہ پوچھا تھا کہ پھول یا خوشبو سونگھنے کے وقت درود پڑھنا کیسا ہے؟ تو اس کا جواب یہ لکھا ہے :

**أما الصـلوٰة على النبي -صلى الله عليه وسلم- عند ذلک و نحوه فـلا أصل لها و مع ذلک فلا كراهة في ذلک عندنا الخ .**

---

(۱) السیرۃ الحلبیۃ: ۱/۱۲۲-

یعنی ایسے موقعوں پر درود شریف پڑھنے کی کوئی اصل تو نہیں ملتی ، تاہم ایسا کرنے میں ہمارے نزدیک کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ **لا أصل لها** سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ناجائز ہو جایا کرے۔ اور مولوی محمد اسحق صاحب ''مسائل اربعین'' کے چودہویں مسئلہ - یعنی نوشہ کو سلامی کے طور پر کچھ دینار اور دولہن کو منہ دکھائی کے طور پر کچھ دینار دینا کیسا ہے؟ - کے جواب میں فرماتے ہیں :

در شریعت محمدی اصل ایں چیز ہا یافتہ نمی شود مگر ظاہر حال ایں چیز ہا کہ دادن سلامی و رونمائی است مباح باشد۔ الیٰ آخرہ۔

یعنی گرچہ ان چیزوں کی شریعت محمدی میں کوئی اصل تو نہیں ملتی ؛ تاہم سلامی و رونمائی کے طور پر کچھ دینا مباح ہے۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کے بدعت ہونے اور عہد رسالت میں اس کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اس کی حرمت و کراہت نہیں لازم آتی۔ تو سیرت شامی میں بدعت کو **لا اصل لها** کہنے سے قیام کا ضلالت اور سیئہ ہونا ثابت نہیں ہوا۔ اور جب مانعین کی دلیل ٹوٹ گئی تو اب ہم سیرت شامی کے وہ قرائن و دلائل پیش کر رہے ہیں جو قیام کے بدعت حسنہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے :

**جرت عادة كثير من المحبين .**

اول تو لفظ 'اجراے عادت' کسی چیز کے مستند ہونے پر دلیل ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے - باب الاحرام - میں لکھا ہے :

**و بذلک جرت العادة الفاشيّة وهي من إحدى الحجج .** (۱)

یعنی اس کے ساتھ یوں ہی عادت ظاہرہ جاری ہوئی ، اور یہ عادت ظاہرہ دلائل شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے۔

تو عادت فاشیہ یعنی ظاہرہ اگر عہد صحابہ سے ہو تو کمال درجہ کی قوی حجت ہے اور اگر مابعد کی عادت ہو تو بھی ایک طرح کی سند ہے۔ عبداللہ بن مسعود - رضی اللہ عنہ - سے روایت ہے :

---

(۱) العنایہ شرح الہدایہ: ۴/۱۹۶ - فصل فی جزاء الصید -

مَا رَآهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَناً فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ . (۱)

یعنی جس چیز کو اہل اسلام بہتر سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہوتی ہے۔

یہاں 'مسلمون' سے صحابہ کی ذات مراد لینا درست نہیں؛ اس لیے کہ نصوص میں لفظ کا اطلاق لیا جاتا ہے: العبرة لعموم الألفاظ. (یعنی اعتبار عمومِ لفظ ہی کا ہوتا ہے) تو حدیث میں لفظ 'مسلمون' آیا ہے، اور مطلق لفظ میں فرد کامل مراد ہوتا ہے تو (مطلب یہ ہوا کہ) جس دور کے کامل مسلمان یعنی علماے کرام کسی بات کو اچھا جانیں وہ خدا کے نزدیک بھی اچھی ہوگی۔

---

(۱) معجم اوسط طبرانی: ۸/۲۶۳ حدیث: ۳۷۴۰...... مستدرک حاکم: ۱۰/۲۵۷ حدیث: ۴۴۳۹...... مسند احمد: ۷/۴۵۳ حدیث: ۳۴۱۸...... امالی ابن مردویہ: ۱/۱۹ حدیث: ۱۸...... فضائل الصحابہ احمد بن حنبل: ۲/۲۶ حدیث: ۵۱۷...... معجم ابن الاعرابی: ۲/۳۴۴ حدیث: ۸۴۳...... مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۱/۱۰۷...... المقاصد الحسنہ: ۱/۱۹۶...... الدررالمنتثرہ: ۱/۱۹...... کشف الخفاء: ۲/۱۸۸ حدیث: ۲۲۱۴...... تذکرۃ الموضوعات: ۱/۹۱...... نصب الرایہ: ۱۰/۴۳۴- اخذ اجرۃ الحمام والحجام-...... تفسیر آلوسی: ۲۱/۳۹۳...... تفسیر رازی: ۱/۱۸۰...... درمنثور: ۴/۱۲۹...... الاحکام فی اصول القرآن: ۱/۸۴- باب فی الاجماع-...... الحبائک فی اخبار الملائک: ۱/۶۶...... محبۃ الرسول بین الاتباع و الابتداع: ۱/۱۲۱...... شرح الطحاویہ فی العقیدۃ السلفیۃ: ۳/۱۳۴...... شرح العقیدۃ الطحاویۃ: ۱/۵۳۰...... علل دار قطنی: ۵/۶۶ حدیث: ۷۱۱...... حاشیۃ ردالمحتار: ۱/۴۲۰...... تحفۃ الفقہاء: ۱/۲۳۹...... المبسوط: ۱۴/۲۷۹- کتاب الوقف-...... تبیین الحقائق ۱۰/۱۶۶- کتاب الشرکۃ-...... فتح القدیر: ۱۵/۳۱۰- باب الربا-...... درغرر: ۳/۴۷۳- فصل لبس الرجل للحریر-...... الفتاویٰ الہندیہ: ۵۰/۲۲۸- فی الاشربۃ-...... الاحکام آمدی: ۱/۲۱۹...... الاشباہ والنظائر: ۱/۸- فی شرح القواعد-...... تبصرۃ الحکام فی اصول الاقضیۃ ومناہج الاحکام: ۴/۱۶...... دررالحکام فی شرح مجلۃ الاحکام: ۱/۶۵...... سبل الہدیٰ والرشاد: ۱۰/۲۷۷...... زادالمعاد: ۵/۷۰۴...... الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ: ۱/۱۰۳...... تاریخ الخلفاء: ۱/۲۵...... البدایۃ والنہایۃ: ۱۰/۳۶۱...... معجم الادباء: ۱/۲۹۲...... فص الخواتم فیما قیل فی الولائم: ۱/۱۰...... الفقہ والشریعہ: ۱/۴۵...... بہجۃ قلوب الابرار وقرۃ عیون الاخیار فی شرح جوامع الاخبار: ۱/۵۹۔

ذیل کی کتابوں میں ''المسلمون حسنا'' کی بجائے ''المومنون حسنا'' کا لفظ ملتا ہے:

کنز العمال: ...... معجم کبیر طبرانی ۸/۱۲ حدیث: ۸۵۰۴...... معرفۃ السنن والآثار: ۱/۷۳...... معرفۃ الصحابہ: ۱/۵۷ حدیث: ۴۱...... مسند طیالسی: ۱/۲۵۵ حدیث: ۲۴۰...... کشف الخفاء: ۲/۱۸۸ حدیث: ۲۲۱۴...... کنز العمال: ۱۲/۴۸۵ حدیث: ۳۵۵۹۰...... تفسیر آلوسی: ۱/۴...... شرح ابن بطال: ۱۵/۴۳۰...... فیض القدیر: ۵/۵۷۷...... بحرالفوائد المسمّٰی بمعانی الاخبار کلاباذی: ۱/۱۹۶ حدیث: ۱۲۹...... بدائع الصنائع: ۶/۲۳۵- فصل فی شرائط رکن الیمین باللہ-...... العنایۃ شرح الہدایۃ: ۱/۴۰۱- باب الاذان-...... البحر الرائق: ۱۴/۴۲۵- جعل الواقف غلۃ الوقف لنفسہ-...... مجمع الانہر: ۷/۱۸۶- باب الاجارۃ الفاسدۃ-...... فتاویٰ السبکی: ۲/۳۳- تنزل السکینۃ علی قنادیل المدینۃ-...... فتاویٰ الرملی: ۴/۱۱- شروط قبول الوصیۃ-...... قوت القلوب: ۱/۱۰۹- کتاب محاسبۃ النفس ومراعاۃ الوقت-...... بریقہ محمودیہ فی شرح طریقہ محمدیہ وشریعت نبویہ: ۵/۹۷...... اعلام الموقعین عن رب العالمین: ۱/۸۳...... شرح الکواکب المنیر: ۳/۴۰...... الطرق الحکمیۃ: ۱/۱۲۸...... تاریخ دمشق: ۳۰/۲۹۴۔

اس کی چند نظیریں ملاحظہ کریں :

مجمع البحار جلد سوم کے صفحہ ۱۰۷ پر ہے :

**إن محبة قلوب العباد علامة محبة الله و ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن .**

یعنی بندگانِ خدا کا کسی چیز کو محبوب و مقبول رکھنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ اللہ کو بھی محبوب ہے؛ کیوں کہ جس چیز کو اہل اسلام بہتر سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہوتی ہے۔

فقیہ شامی نے لکھا ہے کہ اذان و تکبیر کے درمیان تیاریِ نماز کے لیے کسی عمل متعارف کے ساتھ لوگوں کو مطلع کرنا مستحسن ہے، اس کی دلیل یہ ہے :

**ما رآه المسلمون حسنا فهو عند اللّٰه حسن .**

یعنی جس چیز کو اہل اسلام بہتر سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہوتی ہے۔

اور چند موذن جمع ہو کر اذان کہنے کے سلسلے میں بھی اسی کو پیش کیا کہ: **ما رآه المسلمون حسنا -الخ-**

درمختار میں ہے :

**لأن التعامل يترك به القياس لحديث : ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن .** (۱)

کیوں کہ تعامل کی بنیاد پر قیاس متروک ہوجاتا ہے، دلیل وہی حدیث ہے کہ جسے اہل اسلام بہتر سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہوتی ہے۔

اس کے ذیل میں فقیہ شامی نے لکھا ہے :

**و ظاهر ما مر في مسئلة البقرة اعتبار العرف الحادث ، فلا يلزَم كونه من عهد الصحابة .** (۲)

یعنی مسئلہ بقرہ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ تعامل میں کچھ صحابہ ہی کی کوئی قید نہیں، عرف حادث بھی نص کا سا کام دیتا ہے جس کی دلیل ما رآہ المسلمون حسنا - الخ - ہے۔

---

(۱) درمختار: ۵۶۱/۴۔

(۲) ردالمحتار: ۲۵۰/۱۷ - مطلب فی وقف المنقول قصدا -

لہٰذا ما رآہ المسلمون حسنا کا حکم صحابہ پر منحصر رکھنا فتاویٰ، شروح ومتون اور اکابر مفتیانِ دین کی تصانیف کے خلاف ہے۔ جس کی ان علما نے صحابہ کے بعد امورِ مروّجہ کے استحسان پر سند پکڑی ہے، نیز مفتیان دین جا بجا فتوے کے الفاظ میں یوں لکھتے ہیں :

**علیه العمل ، و علیه المسلمون ، و به جری التعامل ، و هو المتوارث .**

یعنی اسی پر عمل ہے ، مسلمان اسی پر عمل پیرا ہیں ، یوں ہی لوگوں کا برتاؤ جاری ہے ، اور ایسا ہی ہوتا چلا آ رہا ہے۔

امام غزالی - رحمۃ اللہ علیہ - احیاء العلوم کی جلد دوم میں - قیام کی تحقیق میں - لکھتے ہیں :

**و لکن إذا لم یثبت فیه نهي عام فلا نری به بأسا في البلاد التي جرت العادة فیها بإکرام الداخل بالقیام .** (۱)

لیکن چوں کہ قیام کے سلسلے میں کوئی نہی عام ثابت نہیں ہوئی اس لیے ہم اس میں ان شہروں کی بابت کچھ حرج نہیں سمجھتے جہاں قیام کی عادت جاری ہوگئی ہے۔ کیوں کہ اس میں تو آنے والے کی تعظیم ہے۔

**دوسرا قرینه**: یہ کہ شامی نے عادۃ لکھا تو کثیر کی عادۃ لکھا، اور اہل اسلام کی ایک بڑی جماعت کا کسی ایک عمل پر قائم ہو جانا بھی ایک سند ہے۔ شامی شارح درمختار نے لکھا ہے :

**و الاعتماد علی ما علیه الجم الکثیر .** (۲)

یعنی اعتماد و بھروسا اس پر ہوتا ہے جس پر ایک بڑی جماعت ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے :

**اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الأَعْظَمَ .** (۳)

یعنی سوادِ اعظم کی اتباع کرو۔

لہٰذا سوادِ اعظم کا عمل بھی استحباب کی ایک دلیل ہے۔

**تیسرا قرینه**: یہ کہ یہ عمل کثیر کس کا ہے؟ محبین کا۔ اور یہ بات احادیث صحیحہ سے ظاہر ہے کہ اہل ایمان میں بڑے کامل وہی ہیں جن کو رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - سے محبت ہے :

---

(۱) احیاء علوم الدین: ۲/۱۴۲-

(۲) ردالمحتار: ۷/۳۰۴ - باب صدقۃ الفطر-

(۳) کنز العمال: ۱/۲۰۶ حدیث: ۱۰۳۰...... کشف الخفاء: ۲/۳۹۱ حدیث: ۳۲۲۳...... المقاصد الحسنۃ: ۱/۹۶......

لاَ يُؤْمِنُ أَحَــدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَ النَّاسِ أَجْمَعِيْنَ . (۱)

یعنی تم میں کا کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد واولاد بلکہ تمام لوگوں سے زیادہ محبوب وعزیز نہ ہو جاؤں۔

تو جب اہل محبت کا ایمان ہی کامل ہوا، اور اہل محبت ہی کا عمل اس پر ہوا تو بڑی نادانی کی بات ہے اگر ایسے مومنین کاملین کی ایک بڑی جماعت کا یہ فعل ضلالت یا برا قرار دیں۔

**چو تھا قرینہ**: یہ کہ شامی نے ان کے قیام کی وجہ بھی بتادی کہ ان کا قیام کسی نفسانی غرض یا ہوائے شیطانی کے لیے نہیں ہوتا بلکہ یہ تو خاص تعظیم رسول-صلی اللہ علیہ وسلم- کے لیے ہے۔اور یہ بات جملہ اہل اسلام جانتے ہیں کہ رسول خدا-صلی اللہ علیہ وسلم- کی تعظیم کا شرع نے ہم سے مطالبہ کیا ہے یا نہیں، اور یہ کہ ادب کی نیت سے کھڑے ہونا مفید تعظیم ہے یا نہیں، پھر جب اُن کا قیام تعظیم پر مبنی ہوا تو ضرور بالضرور وہ مستحب اور مستحسن ٹھہرا۔(۲)

---

(۱) صحیح بخاری: ۱/۲۴ حدیث: ۱۴...... صحیح مسلم: ۱/۱۵۶ حدیث: ۶۳...... سنن ابن ماجہ: ۱/۶۷ حدیث: ۶۶...... مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۲ حدیث: ۷...... مسند احمد: ۲۵/۳۹۵ حدیث: ۱۲۳۴۹...... سنن کبریٰ نسائی: ۶/۵۳۴ حدیث: ۱۱۷۴۴...... مستدرک: ۸/۴۹۴ حدیث: ۳۷۶۴...... معجم اوسط طبرانی: ۱۹/۱۸۸ حدیث: ۹۱۰۵...... شعب الایمان: ۳/۴۱۴ حدیث: ۱۳۶۴...... سنن دارمی: ۸/۴۱۶ حدیث: ۲۷۹۷...... مستخرج ابوعوانہ: ۱/۸۰ حدیث: ۷۳...... مسند ابویعلی موصلی: ۷/۸۳ حدیث: ۲۹۷۰...... صحیح ابن حبان: ۱/۳۵۱ حدیث: ۱۷۹...... مسند عبد بن حمید: ۳/۲۹۸ حدیث: ۱۱۷۸...... مسند الشامیین: ۷/۳۷۳ حدیث: ۲۵۲۶...... الاربعون الصغریٰ بیہقی: ۱/۵۳ حدیث: ۳۹...... الایمان لابن مندہ: ۱/۳۵۱ حدیث: ۲۹۰...... السنۃ لابی بکر خلال: ۳/۳۱۱ حدیث: ۱۲۴۸...... جامع معمر بن راشد: ۳/۱۰۲ حدیث: ۹۳۵...... شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ لالکائی: ۴/۲۰۲ حدیث: ۱۳۱۴...... معجم ابن الاعرابی: ۳/۱۵ حدیث: ۱۰۱۴...... کنز العمال: ۱/۳۷ حدیث: ۷۰...... مجمع الزوائد: ۱/۸۸...... المسند الجامع: ۱/۳۴۲ حدیث: ۲۰۶...... تحفۃ الاشراف: ۳/۳۵۴ حدیث: ۱۲۴۹...... اصول الایمان فی ضوء الکتاب والسنۃ: ۱/۲۳۳ حدیث: ۳...... محبۃ الرسول بین الاتباع والابتداع: ۱/۵۴...... فتح الباری لابن رجب: ۱/۲۲ حدیث: ۱۵...... شرح الاربعین النوویۃ فی الاحادیث الصحیحۃ النبویۃ: ۱/۳۶...... مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی: ۱۴/۴۱۳-فی خصائص النبی-...... الفتاویٰ الکبریٰ: ۷/۲۴۴...... سبل الہدیٰ والرشاد: ۱۱/۴۳۰...... جذوۃ المقتبس من ذکر ولاۃ الاندلس: ۱/۱۲۲...... معجم اصحاب القاضی ابی علی الصدفی: ۱/۱۲۲...... نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس: ۱/۴۶۔

(۲) **حاشیہ**: سیرت شامی میں قیام کی جو یہ وجہ بیان کردی کہ ''تعظیما کھڑے ہوتے ہیں'' تو اس سے ایک اصل شرعی پیدا ہوگئی۔ یعنی یہ بات شرع میں خود ثابت ہے کہ جو کوئی شعائر کی تعظیم کرے تو یہ تقویٰ دل پر دلیل ہے۔اور حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- اعظم شعائر اللہ سے ہیں اور یہ بھی شرعاً ثابت ہے کہ قیام مفید تعظیم ہے۔ چنانچہ اس رسالہ ہی میں چند مواقع پر قیام تعظیمی کو شرعاً ثابت کیا گیا ہے۔ لہٰذا ایک اصل شرعی پیدا ہوگئی کہ اس قیام میں تعظیم رسول ہے اور تعظیم رسول امر محمود ہے۔ لیکن چوں کہ عہد صحابہ میں یہ خاص فردِ تعظیم اس ہیئت کے ساتھ نہ پائی گئی تو اسی کے پیش نظر شامی نے ''**لا اصل لها**'' لکھ دیا۔ ورنہ حضرت شامی-رحمہ اللہ- کی یہ مراد ہرگز نہیں کہ اس قیام کے جواز واباحت یا استحسان پر کوئی دلیل اور کوئی اصل نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان کا ''**ان یقوموا تعظیما له**'' لکھ دینا خود تصریح ہے قیام کی دلیل اور اصل بیان کرنے پر۔ ۱۲۔منہ

**پانچواں قرینہ**: یہ کہ اگر محدث شامی کو قیام کا منع کرنا منظور ہوتا تو وہ اس قسم کے الفاظ لکھتے جو منکرین قیام نے لکھے ہیں جیسا کہ جون پوری صاحب فرماتے ہیں :

**ما يفعله العوام عند ذكر وضع خير الأنام -عليه التحية و السلام- ليس بشيء بل مكروه .**

یعنی سیرت خیرالانام -صلی اللہ علیہ وسلم- بیان کرتے وقت' عوام جو عمل کرتی ہے وہ بالکل بلا وجہ اور مکروہ ہے۔

دوسرے گجراتی صاحب لکھتے ہیں :

**قد أحدث بعض جهال المشائخ أمورا كثيرة لا نجد لها أصلا و لا اسما في كتاب و لا سنة منها القيام عند ذكر ولادته -صلى الله عليه وسلم- .**

یعنی بعض ناآشنائے شریعت شیخوں نے کچھ ایسے کام ایجاد کررکھے ہیں جن کی اصل نہ تو کتاب میں ملتی ہے اور نہ ہی سنت میں ۔ جیسے ذکر ولادت نبوی -صلی اللہ علیہ وسلم- کے وقت قیام کرنا۔

تو اس فعل پر انکار کرنے والے یہ مانعین تو قیام کرنے والوں کو محبین رسول نہیں کہتے بلکہ شدت غیظ وغضب سے ان کو عوام اور جہال وغیرہ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

الحاصل! عبارت شامی کے ماقبل و مابعد کے قرائن اور سیاق وسباق سے قطع نظر اس ایک فقرہ کے یہ خاص خاص قرینے صریح دلالت کرتے ہیں کہ محدث شامی کی مراد یہ ہے کہ قیام کی اصل صدر اول سے تو نہیں پائی گئی لیکن اہل اسلام سے محبین کی ایک بڑی جماعت تعظیماً قیام کرتی ہے تو یہ الفاظ تو درحقیقت اہل ایمان کو ترغیب دیتے ہیں کہ جس کے دل میں محبت ہو اور تعظیم رسول مدنظر ہو وہ قیام کرے۔ اس عبارت کا صحیح مطلب سمجھنے کے لیے ایک تو مادۂ علمی درکار ہے اور دوسرے ہدایت الٰہی جو کہ قلب مومن میں القا ہوتی ہے۔ لیکن جہاں دونوں مفقود ہوں وہاں کیا کیجیے! :

**وَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ .** (۱)

اور جسے اللہ نور نہ دے اس کے لیے کہیں نور نہیں۔

اب دیکھیے اسی عبارت شامی کے لفظ **لا أصل لها** کی بیدار دل محدثین کس طرح شرح کرتے ہیں۔ علامہ نورالدین حلبی نے شامی کی یہ عبارت لکھ کر اس کے آگے یہ لکھا ہے :

(۱) سورۂ نور:۲۴؍۴۰۔

أی لکن هي بدعة حسنة لأنه ليس كل بدعة مذمومة . (۱)

یعنی مگر یہ بدعت حسنہ ہے کیوں کہ ہر بدعت مذموم ہی نہیں ہوتی۔

یہ عبارت سیرت حلبی مطبوعہ مصر کے صفحہ۱۱۴میں موجود ہے۔اور علامہ حلبی نے اپنی اصطلاح دیباچہ میں لکھی ہے کہ جس جگہ سیرت الشّمس کی عبارت لیتا ہوں شروع میں لفظ أی لاتا ہوں،تو اس جگہ لفظ أی کا آنا اس کی دلیل ہے کہ صاحب سیرت الشّمس بھی اس قیام کو بدعت حسنہ فرماتے ہیں لہٰذا دونوں محدثوں یعنی حلبی اور صاحب سیرت الشّمس کا اس پر اتفاق ثابت ہوگیا کہ سیرت شامی کے کلام سے جو قیام بدعت معلوم ہوتا تھا وہ سیئہ نہیں بلکہ بدعت حسنہ ہے۔

پھر حلبی نے لکھا کہ بدعت بالاتفاق جائز ہے۔تو تقریر حلبی وغیرہ سے معلوم ہوا کہ یہ قیام جائز ہے۔چنانچہ مولف براہین قاطعہ نے بھی صفحہ۲۴۲میں اس کو مان لیا ہے مگر یہ مغالطہ دیا کہ :

وہ ذکر مطلق کے فرد کی وجہ سے قیام کرتے تھے اور اس قیام میں تقلید مطلق کا درجہ نہیں تھا اور نہ عوام کا اندیشہ تھا لہٰذا جائز جانتے تھے اب وہ امر نہیں رہا مکروہ ہوگیا-انتہیٰ-

میں کہتا ہوں:مولف کا یہ لکھنا کہ اس قیام میں تقلید مطلق کا درجہ نہ تھا' غلط ہے۔اس لیے کہ خود سیرت حلبی میں یہ لفظ موجود ہے :

إذا سمعوا بذكر وضعه -صلى الله عليه وسلم-. (۲)

یعنی جب ولادت شریف کا ذکر سنتے ہیں اس وقت کھڑے ہوجاتے ہیں۔

تو اُن کا قیام اِس قیام کے ساتھ مقید تھا۔دوسری بات یہ کہ عوام کا کوئی اندیشہ نہ تھا' یہ بھی صحیح نہیں؛اس لیے کہ نبی کریم-صلی اللہ علیہ وسلم-کے عہد سے لے کر آج تک کسی وقت میں عوام لوگ صفحہ روزگار سے غائب نہیں ہوئے،اور عوام کی طرف سے کبھی مطمئن اور بے اندیشہ نہیں ہوئے، احادیث وآثار اور فتاوی پر نظر رکھنے والوں سے یہ بات مخفی نہیں،اس بنیاد پر یہ بات بہت لچر ہے کہ حلبی کے وقت' اندیشہ عوام نہ تھا۔کیوں صاحب! کیوں اندیشہ نہ تھا؟ خود تمہارے جون پوری کی عبارت اس قیام کی بابت قریب ہی گزری :

ما يفعله العوام -الخ-

دوسرے حضرت گجراتی کی عبارت بھی اوپر گزر چکی :

(۱) السیرۃ الحلبیۃ:۱/۱۲۱۔

(۲) نفس مصدر:۱/۱۲۱۔

قد أحدث بعض جهال المشائخ -الخ-

دیکھیے آپ کے پیشواؤں نے عوام اور مشائخ جہال کو قیام کرتے دیکھا لیکن یہ اُن سے غلطی ہوئی کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ عوام اور جہال ہی نے یہ قیام ایجاد کیا ہے، اُن کو یہ خبر نہ ہوئی کہ بڑے بڑے علما محبین رسول -صلی اللہ علیہ وسلم- نے یہ عمل کیا ہے۔ جیسا کہ علامہ شیخ عبد اللہ سراج -رحمۃ اللہ علیہ- مفتی عرب نے لکھا ہے :

**أما القيام إذا جاء ذكر ولادته عند قراءة المولد الشريف توارثه الأئمة الأعلام و أقره الحكام .**

یعنی میلاد النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- پڑھتے وقت جب ذکر ولادت آتا ہے اس وقت قیام کرنے کو بڑے بڑے علما کرام اس کو جائز قرار دیتے چلے آئے ہیں اور بادشاہان حکام نے بھی اس کو باقی رکھا۔(۱)

شیخ عبد الرحمٰن سراج مفتی مکہ معظّمہ -زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً- قیام کے ساتھ محفل میلاد النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- منانے کے سلسلے میں فرماتے ہیں :

**و علماء العرب و المصر و الشام و الروم و الأندلس كلهم رأوه حسنا من زمان السلف إلى الآن -الخ-**

یعنی اس عمل میلاد مع القیام کو عرب، مصر، شام، روم اور اندلس وغیرہ کے علمائے کرام سلف صالحین کے عہد ہی سے جائز سمجھتے آرہے ہیں۔

الحاصل! مولف براہین کا اس قیام کے بارے میں یہ لکھنا کہ علما اس کو جائز جانتے تھے نہایت صحیح ہے۔ پھر یہ شاخ نکالی کہ اُس وقت اندیشۂ عوام نہ تھا یا یہ کہ وہ قیام مقید نہ تھا بالکل غلط ہے۔

**اعتراض :** یہ لوگ اگر قیام کو مباح و مستحسن جانتے تو واجب کی طرح دائمی کیوں کرتے ہیں حالاں کہ امر مستحب بھی اصرار کرنے سے مکروہ ہو جاتا ہے۔

(۱) **حاشیہ:** تو اس مفتی بلیغ نے کیا عمدہ عبارت لکھی ہے اس لیے کہ **أولی الأمر منکم** کی تفسیر بعض نے سلاطین کے ساتھ کی ہے اور بعض نے علمائے دین کے ساتھ؛ تو جب اس مفتی نے یہ ثابت کر دیا کہ بڑے بڑے علمائے دین اور ائمہ وقت طبقۃً بعد طبقۃٍ اس کو جائز رکھتے آئے ہیں اور بادشاہان اسلام نے اس قیام کو مقرر و قائم رکھا ہے تو حکم قیام دونوں فریق سے ثابت ہو گیا۔ اور ان دونوں فریق کی اطاعت قرآن کی رو سے ہم پر ضروری ہے لہٰذا اس قیام کا ہرگز انکار نہ کرنا چاہیے۔۱۲ منہ

**جــواب:** امور مستحبہ کا دوام علی العموم مکروہ نہیں بلکہ بعض مخصوص صورتوں میں بعض فقہا تحریر فرماتے ہیں جسے ہمارے فحوائے کلام سے سمجھ لو۔

اس مسئلہ قیام کی تحقیق یہ ہے کہ ہم اس کو مستحسنات سے سمجھتے ہیں، جمہور کا مذہب یہی ہے اور تمام اسلامی شہروں میں اسی پر عمل ہے۔ منکرین میں ایک فرقہ ایسا ہے جو اس قیام کو حرام کہتا ہے، بعض بدعت مطلقہ اور بعض شرک قرار دیتا ہے۔ تو اس صورت میں اگر مجوزین قیام بھی ترک کرنے لگیں تو سب کے دلوں میں یہ بات سما جائے کہ یہ قیام بلا شبہہ ممنوع ہے کہ انھوں نے ترک کر دیا تو اس صورت میں حکم شرعی بدل جائے گا۔ اور ہم دلائل شرعیہ سے اس قیام کے اباحت و استحسان کو اس کتاب میں ثابت کر چکے ہیں تو جب ایک امر مباح و مستحسن کو لوگ شرک و کفر اور حرام سمجھنے لگیں تو حدودِ الٰہیہ میں اس سے زیادہ تعدی اور کیا ہوگی، جس طرح ایک مستحب کو واجب سمجھنے میں شریعت کا تغیر ہے اسی طرح مباح کو حرام اور شرک قرار دینے میں بھی احکام الٰہیہ میں تغیر و تبدل ہے۔ تو اسی مصلحت کی بنیاد پر یہ مناسب سمجھا گیا کہ اس قیام کو ترک نہ کیا کریں؛ ہاں! اگر یہ قیام ایسا ہوتا کہ اس کے استحباب میں کسی کو کلام نہ ہوتا تو اس صورت میں اس کا دوام و اہتمام - بقول ان بعض فقہا کے - نہ کیا جاتا کیوں کہ ایک ایسا امر جو سب کے نزدیک بالاتفاق محمود ہو اور کوئی اس میں انکار نہ کرتا ہو بلکہ سب اس کو کمالِ اہتمام سے بجالاتے ہوں تو اس کی مداومت سے عوام کے دلوں میں وجوب و فرضیت کا شبہہ البتہ پڑ سکتا ہے اور وہ یہ خیال کر سکتے ہیں کہ اس امر کا کوئی منکر نہیں اور سبھی کمال تاکید اور التزام و اہتمام کے ساتھ بالاتفاق کر رہے ہیں شاید یہ کام فرض یا واجب ہوگا تو صاحب مجمع البحار کا کلام جس کو بعض فضلا سند میں لاتے ہیں درحقیقت وہ ایسے ہی متفقہ مندوب و مستحب کے حق میں ہے :

**المندوب ينقلب مكروها إذا خيف أن يرفع عن رتبته .**

مندوب اس وقت مکروہ سے بدل جاتا ہے جب اس کا خوف ہو کہ وہ اپنے مقام سے بلند ہو جائے۔

برخلاف اس قیام کے کہ اس میں لوگوں کو کیا کیا گفتگوئیں ہیں بھلا جس چیز کے جواز و عدم جواز میں مباحثہ ہو رہا ہو اور مجوزین قیام، قیام کے سلسلہ میں استحسان کے اقرار کے فتاوے جا بجا چھاپ چھاپ کر مشتہر کر چکے ہوں کب عقل سلیم اس بات کو باور کرے گی کہ قیام کی فرضیت یا وجوب شرعی کا شائبہ بھی کسی دل میں پیدا ہوگا - حاشا وکلا -

**قلب الدليل**: ہم کہتے ہیں کہ جس طرح مندوب کا مکروہ ہو جانا صاحب مجمع البحار سے نقل فرمایا ہے تو مجمع البحار میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ بعض احکام تبدیلی زمانہ کی وجہ سے بدل جاتے ہیں ۔ اور مسجد کی زینت کو صاحب مجمع البحار نے ممنوع لکھا تھا لیکن جب لوگ اپنے مکانات عمدہ عمدہ بنانے لگے تو اب اگر مسجد کو زینت نہ دی جائے تو مسجد کی تحقیر لازم آئے گی ۔

مجمع البحار کی جلد دوم 'شرف' کے معنی کی تحقیق کے تحت' قبر پر تعمیر کے بارے میں لکھا کہ منع ہے پھر لکھا کہ علمائے سلف نے بعض مصلحت کی بنیاد پر اس کو جائز رکھا :

**و قد أباح السلف أن يبنى على قبور المشائخ و العلماء المشاهير ليزورهم الناس و يستريحون بالجلوس فيه . (۱)**

یعنی مشائخ کرام اور مشہور و معروف علمی شخصیتوں کے مزار کی تعمیر کو سلف صالحین نے مباح قرار دیا ہے؛ تاکہ لوگ ان کی زیارت سے برکات حاصل کریں اور وہاں بیٹھ کر آرام کریں ۔

صاحب روح البیان نے شیخ عبد الغنی نابلسی کے رسالہ ''کشف النور عن اصحاب القبور'' سے نقل کیا ہے :

**إن البدعة الحسنة الموافقة لمقصود الشرع تسمى سنة فبناء القباب على قبور العلماء و الأولياء و الصلحاء ......أمر جائز إذا كان القصد بذلك التعظيم في أعين العامة حتى لا يحتقروا صاحب هذا القبر . (۲)**

یعنی مقصودِ شرع کے مطابق 'بدعت حسنہ سنت کہلاتی ہے؛ تو علما و اولیا اور صالحین کی قبروں پر قبوں کی تعمیر جائز ہے، جب کہ اس کا مقصود یہ ہو کہ لوگوں کی نگاہ میں اس کی قدر و تعظیم بڑھے اور لوگ اس صاحب قبر کو حقیر نہ سمجھیں ۔

اسی طرح شیخ عبد الحق - رحمۃ اللہ علیہ - نے ''شرح سفر السعادہ'' میں لکھا ہے ۔ اور روح البیان جلد ثانی میں احیاء العلوم کے حوالے سے نقل کیا ہے :

**أكثر معروفات هذه الأعصار منكرات في عصر الصحابة ، إذ من عد المعروف في زماننا من فرش المساجد بالبسط الرقية و قد كان يعد فرش البواري في المسجد بدعة كانوا لا يرون أن يكون بينهم وبين الأرض حائل .(۳)**

---

(۱) مجمع بحار الانوار: ۳/۲۱۰ مطبع دار الایمان مدینہ منورہ - ۱۴۱۵ھ - مصدقہ حبیب الرحمٰن اعظمی مئوی ۔

(۲) تفسیر روح البیان: ۵/۶ ۔

(۳) نفس مصدر: ۵/۵ ۔

یعنی اکثر باتیں جو اس وقت عمدہ گنی جاتی ہیں وہ صحابہ کے وقت میں بری گنی جاتی تھیں۔اب مساجد میں عمدہ فرش بچھانا اچھا جانا جاتا ہے جب کہ پہلے دور کے لوگ مسجد میں بوریوں کا بچھانا بھی پسند نہ کرتے تھے،اور یوں کہتے تھے کہ ہمارے اور زمین کے بیچ میں کوئی چیز حائل نہ ہو۔یہاں تک کہ فقہانے لکھا ہے کہ زمین پر بلا حائل نماز پڑھنا افضل ہے۔

''خزانۃ الروایات''میں ہے کہ رمضان میں ختم قرآن کے وقت جمع ہوکر دعا مانگنا بدعت اور مکروہ ہے۔لیکن ابوالقاسم صفار-رحمۃ اللہ علیہ-فرماتے ہیں:اگر شہر کے آدمی یوں نہ کہنے لگتے کہ یہ عام دعا کو منع کرتا ہے تو میں ان کو منع کر دیتا۔

**هٰذا شيىء لا يفتى به لأنه لا ينبغي أن يقال للعامة شيئا لم يفهموا .**

یعنی یہ بات ایسی ہے کہ جس پر فتویٰ نہیں دینا چاہیے کیوں کہ عوام میں وہ بات نہ کہنا چاہیے جس کو وہ نہ سمجھ سکیں۔

اسی طرح''فتاویٰ سراجیہ''میں بھی ہے۔

اب مختصر طور پر سنیں کہ اول تو اموات کی فاتحہ کے لیے تعیین ایام،اور اسی طرح قیام کے ساتھ امورِ مروجہ محفل میلاد-علیہ السلام-کو ہم دلیل سے ثابت کر چکے۔اب بطورِ تنزل الزاماً کہتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ امور تمہارے بقول' مکروہ بھی ہوتے کہ قرون ثلاثہ میں نہیں پائے گئے،تب بھی مجمع البحار اور دیگر تصریحات مذکورہ کی منشا کے مطابق اب زمانہ بدل جانے کی وجہ سے یہ جائز ہونے چاہئیں؛ کیوں کہ اس پرآشوب زمانہ میں غیر مذاہب کے لوگ جا بجا اپنی اپنی کفریات کے اعلان کر رہے ہیں تو اب مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسی مجالس منعقد کر کے حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-کے فضائل ومعجزات' عالم میں پھیلائیں،پڑھیں،پڑھائیں اور سنیں سنوائیں۔اور اب چوں کہ لوگوں کے اندر' ہر ہر بات میں تکلف وزینت (کی روایت) چل گئی ہے تو دین کے مواقع کو بے آراستہ رکھنا تحقیر کا باعث ہے۔اور تعظیم نبی-صلی اللہ علیہ وسلم-بجالانے سے اہل ایمان کے دلوں میں عظمت وتوقیر پیدا ہوتی ہے،اور کفار کی نظر میں شوکت اسلام ظاہر ہوتی ہے۔

اور فاتحہ اموات میں یہ بات ہے کہ تعیین ایام کي پابندی کے باوجود بھی میت کو ثواب پہنچ جاتا ہے،مساکین کا پیٹ بھر جاتا ہے اور ان کو کھانا بھی تعیین کے باوجود جائز ہے۔چنانچہ براہین قاطعہ میں ان باتوں کو مان لیا ہے۔

اب باقی رہی ہماری تمہارے نزدیک اس کھلانے والے کے اوپر کراہت تعیین تو یہ سمجھ کر اس سے قطع نظر کرلو کہ پابندیِ ایام کی یاد دہانی میں تو خیرات ہو بھی جاتی ہے' جب یہ تقاضا اُٹھ گیا تو پھر کون صدقہ کرتا ہے ، خیرات بند ہوجائے گی ،اس دورِ عسرت میں مساکین کثرت سے مارے مارے پھرتے ہیں ، کہیں سہارا نہیں پاتے ،ان کی حاجت برآری پر نظر چاہیے،اور ان باتوں کو منع کرنے سے جا بجا یہ کہنے میں آتا ہے کہ یہ لوگ اموات کی خیرات کو اور تعظیم و ذکر رسول - صلی اللہ علیہ وسلم - سے منع کرتے ہیں ۔اس بنیاد پر امام ابوالقاسم صفار کے بقول - جو کہ علماے حنفیہ کے ائمہ کبار میں گزرے ہیں - ہرگز فتویٰ نہ دینا چاہیے،جس طرح کہ انھوں نے نہ دیا۔ یہ الزامی گفتگو ہوئی اور تحقیقی ثبوت وہ ہیں جو جا بجا اس کتاب میں تحریر کیے گئے ہیں ۔

**اعتـــراض:** بانیانِ محفل میلاد شریف منکرین قیام پر اس طرح ملامت کرتے ہیں جیسے ترک واجب پر۔

**جـــواب:** اس کا سبب یہ ہے کہ جو لوگ قیام نہیں کرتے ان میں اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے عقائد وہابیہ نجدیہ کے سے ہوتے ہیں اور وہ قیام کو کفر اور شرک اعتقاد کرتے ہیں ۔تو اس میں ایک تو یہ بات ہوئی کہ اس شخص کے نزدیک قیام کرنے والے مشرک اور کافر ٹھہرتے ہیں ؛ تو اگر کسی کو اس بات پر غصہ آجائے اور ہاتھ یا زبان سے کچھ سرزد ہوجائے تو کچھ بعید نہیں ۔ دوسرے یہ کہ اس کی ایک حرکت سے اس کے دوسرے گھناؤنے عقائد کا بھی خیال آجاتا ہے ۔تیسرے یہ کہ وہ اس فریق کو دیکھتے ہیں کہ خوراک و پوشاک اور معاملات کی سیکڑوں باتوں میں یہ صحابہ کی مخالفت اور قرون ثلاثہ کے خلاف کرتے ہیں اور صرف قیام کرنے اور میلاد شریف کی محفل میں یہ گفتگو کرتے ہیں کہ قرون ثلاثہ میں یہ نہیں ہوئی ،اور اس پر باہم عناد و فساد پیدا کرتے ہیں ؛اس وجہ سے رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کے شیدائیوں کو ان مفسدوں پر غیظ آجاتا ہے ۔البتہ اگر معلوم ہوجائے کہ اس شخص کے جملہ عقائد عمدہ ہیں اور قیام کرنے والوں کو بھی یہ برا نہیں جانتا تو اس شخص کو ہرگز کوئی زجر و توبیخ نہیں کرے گا۔ ہاں ! یہ تو کہیں گے کہ آدابِ محفل کا تقاضا یہ تھا کہ سب کے ساتھ آپ بھی قیام کرتے تو بہتر تھا۔

امام غزالی نے ''باب السّماع'' میں لکھا ہے کہ یہ بات آداب حقوق صحبت کے آداب کے خلاف ہے کہ کھڑے ہونے میں موافقت نہ کرے۔

تو اس تقریر سے معلوم ہوگیا کہ قیام نہ کرنے والے پر غصہ آجانا اور سبب سے ہوتا ہے، اس

وجہ سے نہیں کہ وہ اسے فرض وواجب جانتے ہیں۔ مفتیانِ دین اپنے فتاویٰ میں یہ تو بالاتفاق تصریح فرما چکے ہیں کہ قیام فرض وواجب نہیں بلکہ مستحسن اورادب کی بات ہے۔

غور سے دیکھیے تو بعض اوقات' یہ تارکِ قیام' نص قرآنی کا مخالف بن جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

**يَـا أَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ آمَـنُوْا إِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ وَ إِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا . (۱)**

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دو، اللہ تمھیں جگہ دے گا، اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے ہو۔

اب معلوم کرنا چاہیے کہ جب میلا دخواں نے پڑھا ع:

اُٹھو ذکر میلا دِحضرت ہے اب

یا اس طرح پڑھے ع :

چاہیے آداب سے کرنا قیام

یا یہ کہ ان کھڑے ہونے والوں نے اس آدمی کو اشارہ کیا کہ اُٹھ کھڑے ہو اور اس نے یہ کیا کہ کھڑا تو نہ ہوا اُٹھ کر باہر چلا گیا تو دیکھیے کہ اس وقت وہ حکم خداوندی کا مخالف ہو بیٹھا کیوں کہ اس آیت کے نزول کا منشا یہی تھا کہ لوگوں کو وہ بات تعلیم کیجیے کہ آپس میں محبت پیدا ہو، اور بغض وعناد رخصت ہو۔ چنانچہ امام رازی - رحمۃ اللہ علیہ - نے تفسیر کبیر میں اسی آیت مذکورہ کے شروع میں لکھا ہے :

**اعلم أنه تعالىٰ لما نهى عباده المومنين عما يكون سببا للتباغض و التنافر ، أمرهم الآن بما يصير سببا لزيادة المحبة و المودة . (۲)**

یعنی معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو ایسی چیز سے منع فرمایا جو نفرت وکدورت کا سبب ہو جائے۔ بلکہ ایسی چیز کا حکم دیا جو الفت ومحبت میں اضافے کا باعث بن جائے۔

اب اربابِ انصاف خیال فرمائیں کہ اگر وہ کھڑا ہو جاتا تو باہمی اتحاد ووِداد کا سبب بن جاتا مگر کھڑا نہ ہو کر بغض ونفرت کا سبب بن گیا تو اس کا یہ فعل' منشاے خداوندی سے کس قدر دور جا ٹھہرا۔ **فاعتبروا یا أولی الأبصار۔**

(۱) سورۂ مجادلہ: ۱۱/۵۸۔
(۲) تفسیر رازی: ۲۷۴/۱۵۔

## لمعہ سابعہ :

**اعتـــراض** : یہ اعتراض کہ محفل میلا د شریف میں رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی نسبت' مخاطب حاضر کے اشعار پڑھے جاتے ہیں حالاں کہ آپ نظر سے غائب ہیں اور یہ شرع میں جائز نہیں بلکہ کفر ہے۔

**جــواب**: یہ بات تو معلوم ہے کہ عالم الغیب بالذات تو وہی ایک -جل جلالہ- کی ذات ہے۔ زمین و آسمان میں کوئی نہیں جو اللہ کے الہام و کشف کر دینے کے بغیر خود بخود یقینی طور پر امورِ غیبیہ کو جان لے، نیز یہ بھی کہ کوئی ایسا نہیں جو عرش سے لے کر تحت الثّریٰ تک ہر مکان ، ہر زمان اور ہر آن میں اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر ہو۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ ان لوگوں پر کون سی کتاب نازل ہوئی ہے جس میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ غائب کی نسبت حاضر کے الفاظ بولنے کفر ہیں۔ ہم اس سلسلہ میں خاص جز ئیہ پیش کرتے ہیں۔

قسطلانی و زرقانی وغیرہ محدثین لکھتے ہیں کہ حضور -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کے خصائص میں ہے :

**و منها أن المصلي يخاطبه بقوله : السلام عليک أيها النبي ، و الصلوٰة صحيحة و لا يخاطب غيره .**

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ نمازی عین نماز میں رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کو خطاب کرتا ہے اور تشہد کی حالت میں حاضر کا لفظ بولتا ہے: **السلام عليک أيها النبی و رحمة اللّٰه و بركاته** یعنی اے نبی محترم! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکت۔ اور ایسا خطاب کرنا نماز میں صحیح ہے جب کہ دوسرے کو نماز میں خطاب نہیں کیا جا سکتا اور اگر کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے - انتہیٰ -

بعض آدمی یہ کہتے ہیں کہ یہ تو قصہ معراج کی نقل نکالتے ہیں حالاں کہ اس میں حضرت کا خطاب مراد نہیں تو ان کا قول اس عبارت سے رد ہو گیا کیوں کہ اس میں **يخاطبه** لفظ صریح موجود ہے۔ علاوہ ازیں شامی نے بھی رد کیا ہے :

**لا يقصد الإخبار و الحكاية عما وقع في المعراج .**

یعنی وہ اپنی نماز میں معراج کے اندر ہوئے واقعہ کی حکایت کرنے اور خبر دینے کا قصد و

ارادہ نہ کرے۔(۱)

درمختار میں بھی رد کیا ہے :

**و يقصد بألفاظ التشهد الإنشاء كأنه يسلم على نبيه .**

یعنی الفاظ تشہد میں یہ ارادہ کرے کہ اب میں اپنے نبی -صلی اللہ علیہ وسلم- پر سلام بھیج رہا ہوں۔(۲)

فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے ''تنبیہ'' میں 'السلام علیک ایہا النبی' کی شرح اس طرح کی ہے :

**يا محمد ! عليك السلام .**

صاحب احیاء العلوم -تفصیل ماینبغی ان یحضر فی القلب- کے بیان میں لکھتے ہیں :

**و احضر في قلبک النبي -صلى الله عليه وسلم- و شخصه الكريم و قل السلام عليک أيها النبي و رحمة الله و بركاته .**

یعنی نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کے وجود مسعود کو اپنے دل میں حاضر جان کر یوں عرض کر:
السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

امام شعرانی کی ''میزان الشریعۃ الکبریٰ'' میں ہے کہ التحیات میں نمازی کو درود وسلام کا حکم شارع نے اس وجہ سے کیا تاکہ غفلت برتنے والوں کو آگاہ کردے کہ جس پروردگار کے سامنے تم بیٹھے ہو اس دربار میں تمہارے نبی بھی موجود ہیں :

**فإنه لا يفارق حضرة الله تعالىٰ أبدا فيخاطبونه بالسلام مشافهة .**

یعنی رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- درگاہِ الٰہی سے کبھی جدا نہیں ہوتے ،اس لیے نمازی آپ کو روبرو سمجھ کر سلام سے خطاب کرتے ہیں۔

---

(۱) **حاشیہ**: یعنی نمازی اپنی نماز میں یہ ارادہ نہ کرے کہ میں خبر دیتا ہوں یا حکایت کرتا ہوں کہ اللہ تعالی نے رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کو شب معراج میں اس طرح فرمایا تھا: السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس کی طرف سے نقل کا ارادہ کرے گا تو وہ سلام نمازی کا نہ ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کا سلام ہوگا یہ محض نقال ہو گیا۔ اور فقط ایک سلام ہی میں کیا ہے، التحیات' رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی طرف سے ہو جائے گی ،اور اشہد ان لا الہ الا اللہ فرشتوں کی طرف سے ہو جائے گا تو یہ تو صرف نقل ہو جائے گی اور نمازی نقال محض ٹھہرے گا۔۱۲منہ

(۲) حاشیہ: مولف کہتا ہے کہ یہ بالکل ہی حق ہے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تو شب معراج میں فرمایا تھا۔ اور اب تو نمازی اپنی زبان سے کہتا ہے: السلام علیک۔ لہٰذا اب تو یہ سلام اسی کا ہے۔۱۲منہ

**مسئلہ** : قاضی عیاض - رحمۃ اللہ علیہ - نے شفا شریف میں لکھا ہے کہ عمرو بن دینار نے - جو کبارِ تابعین اور فقہاے مکہ سے ہیں - کہا کہ جب تم گھروں میں داخل ہو اور وہاں کوئی نہ ہو تو "**السلام علیک أیها النبي و رحمة الله و بر کاته**" کہا کرو۔(۱)

ملا حسن حمزاوی اس کی شرح میں لکھتے ہیں :

**لأن روحه حاضر في بیوت أهل الإسلام .**

کیوں کہ رحمت عالم - صلی اللہ علیہ وسلم - کی روح مبارک اہل اسلام کے گھروں میں موجود ہوتی ہے۔

مولوی عبد الحق صاحب نے بھی علی قاری کی شرح شفا سے روح مبارک کے گھروں میں موجود ہونے کا یہ مضمون اسی طرح نقل کیا ہے۔ اصل حقیقت کو اللہ - سبحانہ وتعالیٰ - جانتا ہے جو کچھ مولف کی ناقص عقل میں آتا ہے لکھتا ہوں: چوں کہ آپ کی روح مبارک 'اب الارواح' ہے۔ اور حدیث میں ہے :

**المؤمنون من فیض نوري .** (۲)

یعنی اہل ایمان کی تخلیق میرے نورانی فیضان سے ہوئی ہے۔

یہ روح البیان اور مجدد الف ثانی - رحمۃ اللہ علیہم اجمعین - وغیرہ کے کلام میں موجود ہے۔ نیز محدث دہلوی وغیرہ کے کلام میں یہ بھی ہے کہ آپ کی روح اُس عالم میں مربی ارواح تھی۔

قرآن شریف کی سورۂ احزاب میں ہے :

**النَّبِيُّ أَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ .** (۳)

یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے۔

یعنی ایمان والوں کو نبی سے اپنی جان سے زیادہ لگاؤ ہے۔ اور اس آیت میں لفظ **أنفسهم** کے بعد یہ قراءت بھی آتی ہے :

**و هو أب لهم .**

یعنی رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - مومنین کے باپ ہیں۔

---

(۱) الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: ۲/ ۶۷۔
(۲) روح البیان: ۳/ ۱۴۷ ، ۸/ ۳۵۰۔
(۳) سورۂ احزاب: ۳۳/ ۶۔

علامہ بیضاوی اورصاحب روح البیان اس مقام پر لکھتے ہیں کہ جب آپ مومنین کے مربی اور باپ ٹھہرے تو اسی واسطے یہ ٹھہر گیا :

**المومنون إخوة .** (۱)

یعنی ایمان والے آپس میں بھائی ہیں۔

نیز یہ بھی کہ امت کے اعمال آپ پر پیش کیے جاتے ہیں،اور امت کے درود بھی آپ کو نام بنام پہنچتے ہیں یہ سب اس پر وجہِ دلیل ہیں کہ آپ کو اہل اسلام کے گھروں سے تعلق اور گہرا ربط ہے نیز یہ بھی کہ اہل اسلام کے گھروں میں نماز بھی جاری ہے، بچے،عورتیں اور کبھی مرد بھی- جو مسجد نہ گئے تو- گھر ہی میں پڑھ لیتے ہیں؛غرض کہ تمام مرد وعورت التحیات میں **السلام علیک أیھا النبي و رحمة اللّٰه و برکاته** پڑھتے ہیں تو اہل اسلام کے گھروں سے برابر آپ کو سلام پہنچتا ہے۔اس بنیاد پر آپ کی روح کو اہل اسلام کے گھروں سے تعلق ہے،تو روحوں کی تخلیق اول سے لے کر اس وقت تک برابر آپ کا تعلق ثابت ہے،اور روحِ مبارک گرچہ ملأ اعلیٰ میں ہے لیکن اس کا اشراق ادھر بھی ہے اور اس کا تعلق عالم خاک سے بھی ہے مثلاً قبر شریف میں بدن کے ساتھ ایسا تعلق ہے کہ اس تعلق وربط سے بدن مبارک زندہ اور حساس ودرّاک ہے، نیز آپ کو اطرافِ زمین میں پھرنے اور امت کے اعمال پر نظر کرنے کی اجازت دی گئی جیسا کہ سیوطی- رحمۃ اللہ علیہ- نے لکھا ہے۔

یوں ہی حسن حمزاوی اور علی قاری- رحمہما اللہ- کی تحریر بھی سمجھنی چاہیے کہ آپ کی روح کو اہل اسلام کے گھروں سے ربط وتعلق ہے۔اس مقام پر یہ مسئلہ '**السلام علیک أیھا النبي**' کے ذکر کی وجہ سے لکھ دیا گیا ہے۔

الحاصل! تشہد کے سلام میں نقل وحکایت مراد رکھنا اور اپنی طرف سے سلام نہ بھیجنا نہایت غیر درست ہے۔تحقیق یہ ہے کہ ایک نمازی اس سلام میں یہ ارادہ کرے کہ میں خود حضور- صلی اللہ علیہ وسلم- پر سلام بھیجتا ہوں کہ اے اللہ کے نبی! آپ پر سلام ہو۔ورنہ کم نصیب اُس حکم الٰہی کی تعمیل

(۱) تفسیر بیضاوی:۵/۵......تفسیر روح البیان:۱۰/۴۹۷

سے محروم رہے گا جو قرآن میں لفظ 'سَلِّمُوا'[1] آیا ہے؛ کیوں کہ سلام اس سے خود مطلوب تھا مگر اس نے خود نہ کیا بلکہ معراج کی حکایت سمجھ لی۔

**امرِ عجیب:** بعض دشمنانِ خطاب یہاں تک غلو کر گئے کہ کہتے ہیں: نماز میں **السلام علیک أیھا النبي** نہ پڑھنا چاہیے کہ صحابہ نے چھوڑ دیا تھا۔ اس عاجز نے ایک مستقل رسالہ بنام "قول النبی فی تحقیق السلام علیک ایہا النبیؐ" لکھا ہے، جس میں اس قول کی دھجی اُڑا کر رکھ دی گئی ہے۔ یہاں طول کی گنجائش نہیں۔

مختصر یہ ہے کہ تشہد یعنی التحیات کی روایت عبداللہ بن عباس، عمر بن الخطاب، ابن عمر، جابر بن عبداللہ، ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ بن مسعود - رضوان اللہ علیہم اجمعین - سے منقول ہے، اور سب میں لفظ خطاب موجود ہے۔ تو عبداللہ بن مسعود کی یہ بات کہ وفات کے بعد السلام علیک کا خطاب ترک ہو گیا کسی نے روایت نہیں کی سوائے ابن سنجرہ کے۔ اور تشہد کی یہ روایت ان سے چند راویوں یعنی شفیق، علقمہ، اسود، ابوالاحوص، ابوعبیدہ اور عبداللہ بن سنجرہ نے کی ہے۔ اور ابن سنجرہ سے آگے دو راوی ہیں: ایک اعمش، دوسرے سیف بن سلیمان؛ تو اعمش کی روایت میں وہ فقرہ نہیں، سیف بن سلیمان کی روایت میں ہے، اور وہ اگر چہ ثقہ تھا لیکن اس پر بدعت قدر (یعنی قدریہ فرقے سے ہونے) کی تہمت ہے تو جب کہ جملہ صحابہ سے طبقۃً بعد طبقۃٍ اس وقت تک وہی تعلیم خطاب ہوتی چلی آئی حتیٰ کہ ابن مسعود سے بھی، سوا اس روایت کے جو بخاری میں سیف بن سلیمان سے مروی ہے۔ تو اس روایت پر عمل نہ کیا جائے گا اور کیوں کر عمل کیا جائے حالاں کہ ابن مسعود - رضی اللہ عنہ - سے ہم کو صحیح طور سے بھی تعلیم خطاب پہنچی ہے۔

ہم مذہب حنفی رکھتے ہیں اور ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ - رحمۃ اللہ علیہ - کو اسی طرح بصیغۂ خطاب تعلیم ہوئی، پھر ہم کو اسی طرح اُن سے پہنچی، ہمارے امام اعظم کے استاد! یہی فرماتے ہیں کہ میرا ہاتھ پکڑا حماد نے اور مجھ کو تشہد سکھایا۔ حماد نے کہا کہ میرا ہاتھ پکڑا ابراہیم نے اور مجھ کو تشہد سکھایا

(۱) **حاشیہ** مسلم و بخاری کی احادیث کی شرح میں امام نووی اور صاحب مجمع البحار نے لکھا ہے کہ بعض صحابہ نے رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا: **صلوا علیہ و سلموا** ۔ تب آپ نے درود تعلیم فرمایا اور سلام کو یہ فرمایا کہ سلام کا طریقہ تم پہلے جان چکے ہو یعنی تم التحیات میں پڑھا کرتے ہو: **السلام علیک أیھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ** ۔ اور بعض صحابہ نے درود اس طرح پوچھا یا رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - درود پڑھنا بتائیے، کس طرح پڑھیں؟ ۔۱۲ منہ

ابراہیم نے کہا کہ میرا ہاتھ پکڑا علقمہ نے اور مجھ کو تشہد سکھایا۔ علقمہ نے کہا کہ میرا ہاتھ پکڑا عبد اللہ بن مسعود نے اور مجھ کو تشہد سکھایا اور عبد اللہ بن مسعود نے کہا کہ میرا ہاتھ پکڑا رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے اور مجھ کو تشہد سکھایا جس طرح کی قرآن کی سورت سکھائی تھی۔ پھر آپ کا وہ سکھایا ہوا تشہد کتب حنفیہ' فتاویٰ وشروح ومتون میں موجود ہے، جس میں لفظ خطاب کی تعلیم ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مذاہب یعنی حنبلی، مالکی اور شافعی کی کتابیں بھی دیکھی گئیں تو ان میں بھی یہی خطاب کی تعلیم موجود ہے۔

اللہ رے عناد! دیکھیں کہ تمام صحابہ کی روایتیں اور خود عبد اللہ بن مسعود کی روایتیں -بجز ایک روایت-، چاروں ائمہ مجتہدین کے فتاویٰ اور نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کی تعلیمات مطلقہ یعنی حیات ووفات اور زمانی ومکانی قرب وبعد کی کسی قید کے بغیر علی العموم یہ فرمانا :

فإذَا صَلّٰى أحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ التَّحِيَّاتُ -إلى آخره- (۱)

نیز :

فإذَا قَعَدَ أحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ التَّحِيَّاتُ -إلى آخره- (۲)

فَإذَا جَلَسَ أحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ التَّحِيَّاتُ . (۳)

ان سب روایتوں میں خطاب موجود ہے حتی کہ مولوی اسحٰق صاحب کی ''مائۃ مسائل'' کے چوبیسویں سوال میں بھی اقرار موجود ہے :

---

(۱) صحیح بخاری: ۳/۳۳۰ حدیث: ۷۸۸...... سنن کبریٰ بیہقی: ۲/۱۳۸...... معرفۃ السنن والآثار: ۳/۹۹ حدیث: ۹۲۳...... معرفۃ الصحابہ: ۱۲/۴۱۰ حدیث: ۴۰۰۴ ...... الاوسط ابن منذر: ۴/ ۴۹۶ حدیث: ۱۴۶۹...... سنن صغیر بیہقی: ۱/ ۳۸۰ حدیث: ۳۳۹ ...... مسند شاشی: ۲/۴۰ حدیث: ۴۶۲...... جزء الالف دینار للقطیعی: ۱/۱۹۸ حدیث: ۱۹۷۔

(۲) صحیح بخاری: ۱۹/۳۹۹ حدیث: ۵۸۵۳...... صحیح مسلم: ۲/۳۶۸ حدیث: ۶۰۹ ...... مسند احمد: ۸/۲۵۹ حدیث: ۳۷۲۴...... سنن کبریٰ نسائی: ۱/۳۷۸ حدیث: ۱۲۰۲...... مستخرج ابوعوانہ: ۴/۳۵۹ حدیث: ۱۶۰۶...... مسند ابویعلی موصلی: ۱۰/ ۳۹۶ حدیث: ۵۰۱۰...... کنز العمال: ۷/۴۷۸ حدیث: ۱۹۸۶۵...... المسند الجامع: ۲۷/۳۸۲ حدیث: ۹۰۳۳...... نصب الرایہ: ۲/۳۹۳-باب صفۃ الصلوٰۃ-...... فتح القدیر: ۲/۱۰۷-باب صفۃ الصلوٰۃ-

(۳) صحیح بخاری: ۱۹/۲۴۱ حدیث: ۵۷۶۲ ...... سنن ابوداؤد: ۳/ ۱۵۵ حدیث: ۸۲۵ ...... مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۱۹۸ حدیث: ۹۰۹ ...... مسند احمد: ۷/۴۷۴ حدیث: ۳۴۳۹ ...... سنن کبریٰ بیہقی: ۲/۱۵۳...... سنن کبریٰ نسائی: ۱/ ۳۸۵ حدیث: ۱۲۲۱...... معجم کبیر طبرانی: ۸/۳۵۶ حدیث: ۹۷۵۷ ...... مستخرج ابوعوانہ: ۴/۳۵۶ حدیث: ۱۶۰۳...... صحیح ابن خزیمہ: ۳/۱۴۸ حدیث: ۶۸۱...... مسند شاشی: ۱/۴۹۰ حدیث: ۴۱۴...... مسند ابن ابی شیبہ: ۱/۲۵۰ حدیث: ۲۴۰۔

درالتحیات خطاب برائے رسانیدن سلام وارد شدہ۔

یعنی التحیات کے اندر سلام پہنچانے کے لیے خطاب آیا ہوا ہے۔

پھر ان سب احادیث وآثار وفتاویٰ اور شرقاً وغرباً، جنوباً وشمالاً اجماع امت محمدیہ نیز اپنے مقتدا و پیشوا مولوی اسحٰق صاحب کا قول چھوڑ کر ایک غیر معمول بہا روایت پیش کرنا کیسی بے انصافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب کرے۔

الحاصل! امت محمدیہ - علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ - کا اجماع اس بات پر ہے کہ چھوٹے بڑے، عورت مرد سبھی: السلام علیک ایہا النبی پڑھتے ہیں اور رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - نظر سے غائب ہیں پھر بھی نماز میں خطاب آپ کو حاضر سے ہو رہا ہے۔

**اعتراض:** بعض کہتے ہیں یہ امر تعبدی ہے، اسی طرح منقول ہوا ہے۔

**جواب:** یہ ہے کہ امر تعبدی ہونے سے کام نہیں چلتا اس لیے کہ خطاب جائز رکھنے کی روایت تو موجود ہے۔ اب بتاؤ کہ غائب کو خطاب کا لفظ بولنے کی حرمت اور کراہت پر کون سی آیت یا حدیث ہے؟ پیش کرو۔

عقلی گڑھی ہوئی باتوں کو الگ کرو اور یہ سمجھو کہ جب عبادت میں (کسی کو) شریک کرنے کا حکم نہیں پھر خاص اسی نماز میں آپ - صلی اللہ علیہ وسلم - کا خطاب شریک کیا گیا تو باہر منع ہونے کی کیا دلیل! ۔ اب ہم سے جواز کی سندیں سنو۔

شاہ ولی اللہ صاحب اوراد فتحیہ پڑھنے کے واسطے 'انتباہ' میں لکھتے ہیں :

فریضہ نماز بامداد گذارد وچوں سلام دہد باوراد فتحیہ خواندن مشغول شود کہ از برکات انفاس ہزار و چہار صد ولی کامل شدہ است - الخ -

یعنی صبح نماز فجر کا سلام پھیرنے کے بعد اوراد فتحیہ پڑھنے میں لگ جائے جو چودہ سو اولیاے کاملین کے فیوض و برکات کا گنجینہ ہے۔

حالاں کہ اس اوراد فتحیہ میں - جس کا دل چاہے شمار کرلے - سترہ بار رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کو ان الفاظ میں ندا ہے :

**الصلوٰۃ و السلام علیک یا رسول اللہ ، یا حبیب اللہ ، یا خلیل اللہ – إلیٰ آخرہ –**

اس کے علاوہ خود مولوی اسحٰق صاحب ''مائۃ مسائل'' میں لکھتے ہیں :

اگر کسے یا رسول اللہ بگوید برائے رسانیدن درود یا سلام جائز است - انتہیٰ -
یعنی درود و سلام پہنچانے کے لیے "یا رسول اللہ" کہنا جائز اور درست ہے۔

دیکھیے ! یہ علما نماز کے باہر بھی رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کو خطاب کرنا جائز لکھتے ہیں۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب تو خود امر کرتے ہیں لیکن ابھی تک مانعین کو گنجایش ہے وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ خطاب تو درود و سلام کے ساتھ ہے اس کو فرشتے پہنچا دیتے ہیں۔

اس لیے اب ہم ایسی نظیریں پیش کرتے ہیں جس میں درود و سلام کے پہنچنے کی نیت سے خطاب نہیں بلکہ کشف حاجت کے لیے رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کے ساتھ وسیلہ پکڑنا ہے۔

ابن ماجہ قزوینی - باب صلوٰۃ الحاجۃ - میں عثمان بن حنیف انصاری صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اندھا آدمی رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کے پاس آیا کہ میری آنکھوں کے لیے دعا کر دیجیے۔ آپ نے فرمایا: اگر تو چاہے اسی طرح رہنے دے یہ تجھ کو اچھا ہے اور اگر دعا کرانا چاہے تو دعا کر دوں۔ اس نے کہا دعا فرما دیجیے۔ آپ نے حکم دیا اچھی طرح وضو کرو، دو رکعت نماز پڑھو اور یہ دعا پڑھو :

اَللّٰھُمَّ إِنِّي أَسْأَلُکَ وَ أَتَوَجَّهُ إِلَيْکَ بِنَبِيِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِکَ إِلىٰ رَبِّي فِي حَاجَتِيْ هٰذِهِ لِتُقْضَى اللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ . (۱)

اس مقام پر شارح مواہب زرقانی نے لکھا ہے کہ اس دعا میں پہلا سوال اللہ تعالیٰ سے ہے کہ وہ اپنے نبی - صلی اللہ علیہ وسلم - کو شفاعت کا اِذن بخشے تو حاجت مند نے کہا: یا اللہ میں تجھ سے اپنی حاجت مانگتا ہوں اور نبی رحمت حضور محمد - صلی اللہ علیہ وسلم - کا وسیلہ پکڑ کے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جب اللہ سے شفاعت مانگ چکا تو اپنی حاجت کے سلسلہ میں آپ کا وسیلہ پکڑ کر اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوا، اور رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - سے مخاطب ہوا اور یوں شفاعت طلب کی یا محمد ! میں متوجہ ہوں تا کہ میری یہ حاجت روا کی جائے۔ یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی

---

(۱) سنن ترمذی: ۱۱/۴۹۷ حدیث: ۳۵۰۲...... سنن ابن ماجہ: ۴/۲۹۶ حدیث: ۱۳۷۵...... مشکوٰۃ المصابیح: ۲/۶۱ حدیث: ۲۴۹۵...... مسند احمد: ۳۵/۱۰۹ حدیث: ۱۶۶۰۴...... سنن کبریٰ نسائی: ۶/۱۶۹ حدیث: ۱۰۴۹۵...... مستدرک حاکم: ۳/۲۰۲ حدیث: ۱۱۲۸...... دلائل النبوۃ بیہقی: ۶/۳۵۲ حدیث: ۲۴۱۵...... صحیح ابن خزیمہ: ۴/۴۴۶ حدیث: ۱۱۵۲...... مسند عبد بن حمید: ۱/۴۳۱ حدیث: ۳۸۲...... معرفۃ الصحابہ: ۱۴/۸۰ حدیث: ۴۳۹۴...... منتقیٰ من عمل الیوم واللیلۃ: ۱/۲۱...... الدعوات الکبیر بیہقی: ۱/۲۲۱ حدیث: ۱۹۳...... معجم الصحابہ ابن قانع: ۵/۱ حدیث: ۱۲۰۹...... کنز العمال: ۲/۱۸۱ حدیث: ۳۶۴۰...... مسند الجامع: ۲۹/۱۲۶ حدیث: ۹۶۲۸...... روضۃ المحدثین: ۱۰/۲۹۷ حدیث: ۴۷۲۲۔

شفاعت اور آپ کے وسیلہ سے اس حاجت کو روا کردے۔ جب حاجت مند حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- سے شفاعت کی درخواست کر چکا تو اب پھر دوبارہ اللہ کی طرف پلٹ کر درخواست کرتا ہے کہ اے اللہ! حضور کی شفاعت میری حاجت کے سلسلے میں قبول فرمایا۔

الحاصل! حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- نے حل مشکل میں اپنی شفاعت طلبی اور یا محمد کا خطاب تعلیم فرمایا ہے۔

اس مقام پر ایک تماشا ہوا ہے یعنی اس خطاب اور ندا کو مٹانے کے لیے ایک بڑے مشہور عالم نے اس حدیث کے اسناد میں اعتراض کیا اور لکھ دیا کہ اس کے اسناد میں عثمان بن خالد بن عمر ایک راوی آتا ہے جس کو ''تقریب'' میں متروک الحدیث لکھا ہے۔ اس عاجز نے ابن ماجہ اور ترمذی میں یہ حدیث نکال کر اس کے اسناد نکالے تو ان دونوں محدثوں کے اسناد میں عثمان بن عمر نکلا اور ''تقریب'' میں اس کو متروک الحدیث نہیں بلکہ عثمان بن خالد بن عمر کو بیشک متروک الحدیث لکھا ہے اور یہ کوئی اور آدمی ہے- والحمد للہ علیٰ ذالک-

یہ حدیث تو محدثوں کی پرتالی ہوئی ہے یہ کس طرح ضعیف اور غیر معتبر ہوسکتی ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح لکھا ہے، نیز بیہقی نے اس کو صحیح کہا ہے- کذا فی شرح المواہب- اور حاکم نے کہا کہ یہ روایت شیخین کی شرط کے موافق صحیح ہے (۱)۔ یہ بھی شرح مواہب زرقانی میں ہے، اور تین ابن ماجہ نے لکھا۔ قال ابو اسحق هٰذا حديث صحيح.(۲)

تو گویا اس حدیث کو آٹھ ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے؛ ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے- جیسا کہ حصن حصین اور زرقانی میں ہے-، بیہقی، طبرانی، ابونعیم اور بخاری نے اپنی تاریخ میں -جیسا کہ شرح مواہب زرقانی میں ہے-۔

بھلا ایسی حدیث میں زبان زوری کرکے اگر کوئی مغالطہ دینے لگے تو کب ہوسکتا ہے!۔ خلاصہ یہ کہ جب اس اندھے نے نماز پڑھ کر دعا مانگی تو بخاری، ابونعیم اور بیہقی کی روایت میں ہے:

**و قد أبصر ببركته -صلى الله عليه وسلم-.**

یعنی وہ اندھا اُٹھ کھڑا ہوا اور حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کی برکت سے اس کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔

---

(۱) مستدرک حاکم: ۲۰۲/۳ حدیث: ۱۱۲۸۔

(۲) سنن ابن ماجہ: ۲۹۶/۴ حدیث: ۱۳۷۵۔

طبرانی نے روایت کی :

كَأنْ لَّمْ يَكُنْ بِهٖ ضَرٌّ. (۱)

یعنی اس کی آنکھیں ایسی روشن ہوگئیں کہ گویا اس میں کبھی کچھ خلل ہی نہ ہوا تھا۔

واضح ہو کہ یہ دعا اور یہ نماز اور یہ خطاب یعنی یا محمد کہنا آپ کے مبارک زمانہ میں خاص آپ کی تعلیم سے ہوا۔ اور شرح ابن ماجہ نیز ''جذب القلوب'' میں ہے کہ یہ عمل عہد صحابہ میں بعد وفات رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - بھی کیا گیا ہے۔

طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کی ہے کہ ایک آدمی کو حضرت عثمان بن عفان - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - سے ایک حاجت تھی، بار ہا جاتا لیکن حضرت عثمان اس کی طرف التفات نہ فرماتے تھے۔ اس آدمی نے عثمان بن حنیف انصاری صحابی سے شکایت کی تو عثمان بن حنیف نے کہا وضو کر کے آ، دو رکعتیں پڑھ پھر یہ دعا مانگ :

اللّٰهُمَّ إنِّي أسْألُكَ وَ أتَوَجَّهُ إلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمّدٍ - صلى الله عليه وسلم - نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إنِّي أتَوَجَّهُ بِكَ إلىٰ رَبِّي فَتَقْضِي حَاجَتِيْ . (۲)

یا اللہ! میں نبی رحمت محمد - صلی اللہ علیہ وسلم - کے طفیل تجھ سے طالب امداد ہوں۔ یا محمد! میں نے اپنی اس حاجت کے پوری ہوجانے کے سلسلے میں آپ کے وسیلے سے رب کی بارگاہ میں استغاثہ کیا ہے تو اے اللہ! ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

پھر یہ دعا پڑھ کر اپنی حاجت عرض کر دے، غرض کہ وہ آدمی عثمان بن حنیف کی تعلیم کے موافق گیا، وضو، نماز اور دعا - جس طرح انھوں نے بتائی تھی - پڑھی۔ اب اذان کے بعد وہ حضرت عثمان بن عفان - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - کے درِ دولت پر حاضر ہوا اس وقت دربان نے اس شخص کا ہاتھ پکڑا اور اندر لے گیا، حضرت عثمان نے اس کو اپنی مسند خاص پر اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا کیا حاجت ہے؟ اس نے بیان کیا اور آپ نے اس کی حاجت پوری کر دی اور یہ فرمایا کہ اب سے جو کچھ مشکل یا حاجت پیش آیا کرے مجھ سے آ کر بیان کیا کرو۔

---

(۱) دلائل النبوۃ: ۳۵۴/۶...... اور معجم کبیر طبرانی: ۴۱۲/۷ حدیث: ۸۲۳۲ - کے الفاظ یوں ہیں:
كَأنَّهُ لَمْ يَكُنْ بِهٖ ضَرٌّ قَطُّ .

(۲) حصن حصین، امام جزری: ۱۵۱...... سنن ابن ماجہ: ۲۹۶/۴ حدیث: ۱۳۷۵...... معجم صغیر طبرانی: ۱۰۶/۲...... دلائل النبوۃ بیہقی: ۳۵۴/۶ حدیث: ۲۴۱۷...... معرفۃ الصحابہ: ۸۱/۱۴ حدیث: ۴۳۹۵ ...... مجمع الزوائد: ۲۷۹/۲...... الترغیب والترہیب: ۱۰۵/۱ حدیث: ۴۱۵ - کتاب النوافل -

وہ آدمی بہت خوش حال ہوکر حضرت عثمان کے پاس سے نکلا اور عثمان بن حنیف کے پاس شکریہ ادا کرنے گیا اور کہا- جزاک اللہ خیرا- حضرت عثمان میری طرف نظر بھی نہ فرماتے تھے، لیکن شاید تم نے ان سے میری کچھ سفارش کی ہے۔عثمان بن حنیف صحابی نے جواب دیا قسم اللہ تعالیٰ کی! میں نے حضرت عثمان سے کچھ نہیں کہا لیکن اصل بات یہ ہے کہ میں ایک بار رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- کے پاس حاضر تھا، ایک اندھا آیا، اس نے فریاد کی یارسول اللہ! میری آنکھ جاتی رہی، آپ نے فرمایا صبر کر، وہ بولا کوئی میرا ہاتھ پکڑ کر لے جانے والا نہیں، مجھ پر بڑی مصیبت ہے ۔تب حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- نے اس کو یہ نماز اور یہ دعا تعلیم کی تھی ، پھر وہی ابن ماجہ والا قصہ جو ہم اوپر بیان کر چکے' عثمان بن حنیف نے بیان کیا۔

الحاصل ! حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- کی وفات کے بعد بھی عہد صحابہ میں اس خطاب یعنی یا محمد کہنے پر عمل ہوا، اور اس وقت سے اب تک یہ نماز تعلیم ہوتی چلی آتی ہے۔ابن جزری- رحمۃ اللہ علیہ-''حصن حصین'' میں فرماتے ہیں :

من كانت له ضرورة -إلى آخره- (۱)

یعنی جس کسی کو کوئی ضرورت، حاجت یا مشکل آ پڑے، یہ نمازِ حاجت اور یہ دعا پڑے۔

فقہ حنفی کی کتابوں میں بھی اس کی تعلیم ملتی ہے ۔ ابراہیم حلبی- رحمۃ اللہ علیہ- نے شرح کبیر منیہ میں جو نوافل تعلیم کی ہیں ان میں دو صلوٰۃ الحاجۃ لکھے ہیں ایک کو بیان کر کے لکھا کہ یہ ضعیف ہے اور دوسری یہ نماز لکھی جو عثمان بن حنیف کی روایت سے ہم ذکر کر چکے ہیں۔حلبی نے اس کو لکھ کر بیان کیا کہ یہ حسن اور صحیح ہے۔

الحاصل! حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- کی تعلیم ،صحابہ کی تلقین، محدثین کی تعلیم اور فقہا کے افتاو تصحیح سے اب تک یا محمد کا یہ خطاب جاری ہے۔

اس کے علاوہ اشعار وغیرہ میں خطاب کے اور بھی صیغے ہم نقل کرتے ہیں۔حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- کی پھوپھی صفیہ نے آپ کی وفات کے بعد غم کے بہت سے اشعار پڑھے ان میں سے کچھ

(۱) حصن حصین، امام جزری:۱۵۱۔مطبع مجتبائی، دہلی۔

یہ ہیں۔ (۱)

ألا یا رسول اللہ کنت رجاء نا ❁ و کنت بنا برا و لم تک جافیا

فلو أن رب الناس أبقی نبینا ❁ سعدنا و لکن أمرہ کان ماضیا

یارسول اللہ ! آپ ہی ہماری امیدوں کی آماجگاہ تھے، آپ ہم پر مہربان تھے اور آپ ہمارے ساتھ سختی کرنے والے نہ تھے۔ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-کو باقی رکھتا تو ہم خوش ہوتے مگر حکم الٰہی تو ہو چکا تھا۔

حضرت حسان صحابی نے آپ کی وفات کے غم میں یہ پڑھا :

کنت السواد لناظري ❁ فعمي علیک الناظر

من شاء بعدک فلیمت ❁ فعلیک کنت أحاذر

یعنی آپ میری آنکھ کی پتلی تھے اب اندھے ہوگئے آپ کے پیچھے دیکھنے والے۔ اب آپ کے بعد جو مرنا چاہے مرجائے مجھ کو تو صرف آپ کا ڈر تھا۔

اسی طرح آپ کی وفات کے بعد اور بھی صحابہ کے اشعار پائے گئے جس میں رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم-کے ساتھ خطاب ہے۔ اور قاضی عیاض نے ''شفا'' کے -باب لزوم محبت- میں روایت کی ہے کہ ایک بار حضرت عبد اللہ بن عمر کا پاؤں سو گیا یعنی سنسنانے لگا اور بے حس وحرکت ہوگیا۔ کسی نے کہا کسی آدمی کو یاد کرو جو تم کو بہت پیارا ہو۔ تب وہ چلا کر پکار اٹھے :

یا مُحمَّداہ ! .

تو اسی وقت ان کا پاؤں درست ہوگیا اور اس میں قوت آگئی - انتہیٰ - (۲)

یہ عبد اللہ بن عمر ایک جلیل القدر صحابی اور اتباع سنت میں نہایت سخت تھے۔ دیکھیے کہ رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم-کی غیبوبت میں حاضر کے لفظ کے ساتھ یا محمداہ خطاب کر رہے ہیں۔

فتوح الشام کے صفحہ ۲۹۸ میں ہے کہ حضرت ابوعبیدہ ابن جراح نے ایک ہزار سوار دے کر کعب بن ضمرہ کو قنسرین سے حلب کے ارادہ سے روانہ کیا، اور کعب بن ضمرہ کی لڑائی یوقنا سے پڑی جس کے پانچ ہزار سپاہ تھے۔ یہ لڑائی ہو ہی رہی تھی کہ یوقنا کے پانچ ہزار سپاہ اور بھی دوسری طرف

(۱) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۱/۱۷...... الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ: ۴۳۳/۳...... طبقات ابن سعد: ۳۲۵/۲- ذکر من رثی النبی صلی اللہ علیہ وسلم-

(۲) الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: ۲۳/۲...... عمل الیوم واللیلۃ ابن السنی: ۳۱۹/۱۔

سے مسلمانوں پر آ پڑے، غرض کہ دس ہزار کا مقابلہ ٹھہر گیا، اس وقت مسلمان جاں بازیاں دکھا رہے تھے اور کعب بن ضمرہ نہایت بے آرام اور بے چین ان کے گرد آواز دیتے تھے اور پکارتے تھے :

**يا محمد يا محمد يا نصر الله إنزل .**

مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر کہتے تھے :

**معاشر المسلمين اثبتوا إنما هي ساعة و يأتي النصر و أنتم الأعلون .** (١)

حالت غیبت میں خطاب کی یہ ایک اور بھی نظیر ہے۔ اور یہ کعب بن ضمرہ بھی صحابہ میں ہیں، رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے ساتھ ہو کر بھی انھوں نے جہاد کیے تھے۔ غرض کہ صحابہ کے وقت سے غیبت کے باوجود یہ خطاب اور ندائے رسول اللہ جاری رہا ہے۔

علامہ شرف الدین بوصیری - رحمۃ اللہ علیہ متوفی - ٦٩٤ھ - جو مقبولین روزگار سے تھے ان کا قصیدہ بردہ، مشائخ کے اوراد میں داخل، نہایت بابرکت اور مقبول ہے۔ بہاء الدین وزیر کا حال ہم نقل کر چکے ہیں کہ وہ کمالِ تعظیم سے برہنہ سر برہنہ پا کھڑا ہو کر اس قصیدہ مقبولہ کو سنا کرتا تھا۔ حلبی وزرقانی اور قسطلانی سبھی قصیدۂ بردہ کے مداح ہیں۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اس قصیدہ کو پڑھا اور اس کی اسناد حاصل کی۔ "انتباہ" میں لکھتے ہیں :

**و أما قصيدة البردة فأخبرنا بها أبو طاهر عن الشيخ أحمد النحلي عن محمد بن العلاء الباهلي -إلى أن قال- عن ناظمها شرف الدين محمد ابن سعيد بن حماد البوصيري -رحمة الله عليه- انتهىٰ-**

یعنی قصیدہ بردہ شریف کی اجازت ہم کو ابو طاہر سے ملی انھیں شیخ احمد نخلی سے اور انھیں محمد بن علا باہلی سے - یہاں تک کہ اخیر میں فرمایا - کہ اور انھیں ناظم قصیدہ شرف الدین محمد بن سعید بن حماد بوصیری - رحمۃ اللہ علیہ - سے عطا ہوئی۔

الحاصل! اس مقبول قصیدہ میں رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کو حاضر کے ساتھ جابجا خطاب ہے۔ ان میں دو مقام تو ایسے ہیں جہاں خاص ندا بطورِ فریاد اور دادخواہی کے موجود ہے۔

**يا أكرم الخلق ما لي من ألوذ به**
**سواك عند حلول الحادث العمم**

رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کو ندا کرتے ہیں کہ اے برگزیدۂ خلائق! بلائے عام اترنے کے وقت میرا اپنا ایسا کوئی نہیں جس کی میں پناہ پکڑوں۔

(١) فتوح الشام: ١/١٩٨- باب فتح مدينة حلب وقلاعها-

دوسرا شعر یہ ہے۔

**و لن يضيق رسول الله جاهک بي**

**إذا الكريم تجلىٰ باسم منتقم**

اس میں عربی قاعدہ کے مطابق 'رسول اللہ' منادیٰ اور لفظ ندا محذوف ہے۔

یعنی یارسول اللہ! آپ کی شان کچھ کم نہ ہوگی ہماری شفاعت کرنے سے جس وقت اللہ تعالیٰ صفت انتقام کے ساتھ ظہور فرمائے گا۔

اسی معنی کے قریب شیخ شرف الدین مصلح الدین معروف بہ سعدی شیرازی متوفی - ۶۹۱ھ - جو واصلین طریقت اور کاملین شریعت سے تھے۔ حضرت خضر سے ملاقات کی، ساتوں ولایت پھرے، بارہا پیدل حج کیا۔ اور یہ عالم فاضل ولی کامل حاضر کے ساتھ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کی شان میں شعر لکھتے ہیں۔

چہ کم گردد اے صدر فرخندہ پے ❁ ز قدر رفیعت بدرگاہ حے

کہ باشند مشتے گدایان خیل ❁ بمہمان دار السلامت طفیل

چہ وصفت کند سعدیِ ناتمام ❁ علیک الصلوٰۃ اے نبی والسلام

یعنی خداوند قدوس کی بارگاہِ بلند میں آپ کی جو قدر و منزلت ہے اس میں سے اے میرے سردار کیا کچھ کم ہو جائے گی (کچھ نہ ہوگی) اگر تھوڑے سے آپ کے بھکاری آپ کے طفیل میں آپ کے مہمان خانہ جنت میں داخل ہو جائیں۔ آپ کی تعریف و توصیف یہ سعدی بے ہنر کیا کر سکتا ہے، بس آپ پر بے شمار درود و سلام نازل ہوں اے نبی اکرم - صلی اللہ علیہ وسلم -

مولانا احمد تھانیسری - جو کہ امیر تیمور کے عہد میں بڑے مشہور فاضل و کامل تھے - صاحب ہدایہ کے نبیرہ شیخ الاسلام سے ایک موقع پر ان کی گفتگو ہوئی۔ امیر تیمور نے جب دیکھا کہ یہ تو شیخ الاسلام کو دبا دیں گے تو ان کی اظہارِ عظمت کے لیے یہ کہا کہ یہ صاحب ہدایہ کے نبیرہ ہیں۔ مولانا نہ ڈرے اور اس پر یہ کہا کہ ان کے دادا نے "ہدایہ" میں چند محل پر خطا کھائی ہے تو اگر انھوں نے اس وقت ایک خطا کھائی تو کیا ڈر ہے۔

غرض کہ یہ بڑے عالم و فاضل اور عارفِ کامل تھے۔ قلعہ کالپی میں ان کا مزار ہے بہت لوگ زیارت کو آتے ہیں۔ انھوں نے حضور - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - کی شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے جس سے دو تین شعر لکھتا ہوں۔

يـا حيـاتـي و يـا روحـي و يا جسـدي ❁ و يـا فؤادي و يا ظهري و يا عضدي
آتـي إليک بـقـطـع البيـد مـن قبـل ❁ و ليـس لـي باصطبار عنک من مدد

اے میرے حاصل زیست، سامانِ تسکین روح، آرام جان، باعث قلب حزیں، پشت پناہ!
میں آپ کی بارگاہ میں صحرا نوردی کرتے ہوے حاضر ہوں۔ آپ کی نصرت وامداد کے بغیر
مجھے یارائے صبر نہیں۔

دیکھیے کہ اس میں بھی حضور فخر عالم - صلی اللہ علیہ وسلم - کو ہندوستان سے خطاب ہو رہا ہے۔

مولانا نظامی - متوفی ۱۲۰۳ھ - علوم معقول ومنقول میں فاضل کامل، تارک الدنیا عارف صاحب دل، سلاطین روزگاران سے برکت چاہتے، وہ کسی کے در پر نہ جاتے تھے۔ غرض کہ یہ جامع شریعت وطریقت بھی اشعار میں رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - کی نسبت حاضر سے خطاب کر رہے ہیں۔

من از کم تریں استان خاک تو ❁ بدیں الاغرے صید فتراک تو
نظامی کہ در گنجہ شد پاے بند ❁ مباد از سلام تو نا بہرمند

'گنجہ' ایران کا ایک شہر ہے۔ وہاں سے رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - کو یہ خطاب ہو رہا ہے۔

مولانا عبد الرحمٰن ابن احمد جامی متوفی - ۸۹۸ھ - جن کا فضل وکمال کسی سے مخفی نہیں۔ شرح ملا، شرح فصوص الحکم، شرح نقایہ، اور شرح لمعات وغیرہ ان کی مشہور تصنیفات ہیں۔ وہ اپنے اشعار میں حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - کو یوں خطاب کرتے ہیں۔

ز مہجوری بر آمد جان عالم ❁ ترحم یا نبی اللہ ترحم
تو آخر رحمۃ للعالمینی ❁ ز مہجوراں چرا غافل نشینی

یعنی جدائی سے دنیا کی جان نکل گئی اے اللہ کے نبی رحم فرمایئے، اے اللہ کے نبی رحم
فرمایئے۔ آپ تو رحمت کل جہاں ہیں محروموں اور عذاب ہجر کاٹنے والوں سے آپ غافل ہو کر
کیوں بیٹھیں گے۔

ملک خراسان میں جام ایک شہر کا نام ہے، جو جامی - رحمۃ اللہ علیہ - کا وطن ہے۔ وہاں سے رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کو یہ خطاب 'غیبو بت میں ہو رہا ہے۔ اور یہ بھی نہیں کہ اہل کشف کی طرح، حضور - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - کا روے مبارک مناجات کے وقت ان کے سامنے تھا؛ اس لیے کہ ان کا یہ شعر بھی انھیں اشعار کے ساتھ ہے۔

شبِ اندوہ مارا روز گرداں ❁ ز رویت روز ما فیروز گرداں
تو ابر رحمتے آں بہ کہ گاہے ❁ کنی بر حال لب خشکاں نگاہے

یعنی مصیبت کی رات کو دن کے اجالے میں بدل دیں اور مجھے کامرانی سے ہم کنار فرمائیں۔ بلاشبہہ آپ رحمت الٰہی کا بادل ہیں تو یہی بہتر ہے کہ کبھی کبھی خشک لبوں کے حال زار پر بھی ایک نگاہِ کرم فرمادیا کریں۔

مولانا عبدالحق محدث دہلوی صوفی صافی مشرب، محدث فقیہ، حنفی مشرب؛ جن کی فارسی وعربی میں ایک سوتیس کتابیں ہیں۔ ان کی تاریخ ولادت 'شیخ اولیا' (۹۵۸ھ) اور تاریخ وفات 'فخر العالم' (۱۰۵۳ھ) ہے۔ اخبار الاخیار کے اخیر میں مطبوع اپنے قصیدہ میں لکھتے ہیں ؎

بہرصورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما ❁ بلطف خود سروساماں جمع بے سروپا کن
محبّ آل و اصحاب تو ام کار من حیراں ❁ بلطف خویش ہم امروز ہم در روز فردا کن

یعنی یارسول اللہ! جس صورت سے بھی ہو کرم فرمایئے، اور اپنی مہربانی سے اس گروہ بے ساماں کے اسباب فراہم فرمایئے۔ میں آپ کا اور آپ کے اصحاب کرام کا شیدائی ہوں اور پھر بھی میرے کام پورے نہ ہوں، تو ہم پر آج اور کل بھی مسلسل اپنی عنایت کے شامیانے تانے رکھیں۔

حضرت شاہ ابوالمعالی صاحب فرماتے ہیں ؎

گر نبودی یا رسول اللہ ذات پاک تو ❁ ہیچ پیغمبر نبودی دولت پیغمبری

یعنی یارسول اللہ! اگر آپ کی ذات گرامی نہ ہوتی تو شاید کوئی پیغمبر شرف پیغمبری سے سرفراز نہ ہوتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ''قصیدہ اطیب النغم'' میں فرماتے ہیں ؎

**و صلی علیک اللہ یا خیر خلقہ ❁ و یا خیر مأمول و یا خیر واھب**
**و یا من یرجی لکشف زریۃ ❁ و من جودہ قد فاق جو سحائب**

آپ نے اس قصیدہ کے اول میں لکھا ہے کہ جب مجھ پر صعوبت ومصیبت ہجوم کرتی ہیں اور کسی مددگار کی جستجو ہوتی ہے تو محمد رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہیں پاتا۔ پھر اس کے بعد حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کے مناقب بیان کیے۔ اور ان دوشعروں میں یہ خطاب کیا کہ اللہ آپ پر رحمتوں کے پھول برسائے۔ اے مخلوق میں سب سے اچھے! اے عمدہ امید گاہ!! اے بہترین بخشش کرنے والے!!! اے وہ جس سے مصائب دور کرنے کی التجا کی جاتی ہے اور جس کی بخشش، بادل کی بخشش سے فوقیت لے گئی۔

اس دورِ اخیر میں بھی اہل سنت و جماعت کے جو علما و صلحا ہیں وہ سب خطاب حاضر ''یارسول اللہ'' کہنا جائز رکھتے ہیں۔ چنانچہ قدوۃ السالکین ، اسوۃ العارفین، محی السنۃ ، ماحی البدعۃ حضرت مرشدی و مولائی المشتہر بالالسنۃ والافواہ باسمہ المقدس شاہ امداد اللہ الحافظ الحاج المہاجر - نفعنا اللہ بفیضہ الوافر المتکاثر - فرماتے ہیں ۔

ذرا چہرے سے پردے کو اٹھاؤ یارسول اللہ ❁ مجھے دیدار تم اپنا دکھاؤ یارسول اللہ
کرو روے منور سے مری آنکھوں کو نورانی ❁ مجھے فرقت کی ظلمت سے بچاؤ یارسول اللہ
اگر چہ نیک ہوں یا بد تمہارا ہو چکا ہوں میں ❁ بس اب چاہو ہنساؤ یا رلاؤ یارسول اللہ
پھنسا ہوں بے طرح گردابِ غم میں ناخدا ہو کر ❁ مری کشتی کنارے پر لگاؤ یارسول اللہ
اگر چہ ہوں نہ قابل واں کے پر امید ہے تم سے ❁ کہ پھر مجھ کو مدینہ میں بلاؤ یارسول اللہ
جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں ❁ بس اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ
پھنسا کر اپنے دام عشق میں امداد عاجز کو ❁ بس اب قید دو عالم سے چھڑاؤ یارسول اللہ

جس وقت حضورؐ حج کر کے ہندوستان تشریف لائے تھے تب اشتیاق میں یہ قصیدہ فرمایا تھا۔ چنانچہ ایک مصرع کا یہ مضمون بالکل صاف ہے ع :

کہ پھر مجھ کو مدینہ میں بلاؤ یارسول اللہ

غرض کہ اس قصیدہ میں جو یہ ندا ے یارسول اللہ، اور رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - سے مدد مانگنا ہے' یہ سب ملک ہندوستان سے خطاب و استمداد کیا گیا ہے، اور مقبول بھی ہوا۔ چنانچہ پھر حضرت ممدوح ہندوستان سے ملک عرب میں بلوائے گئے اور زیارتِ مدینہ سے مشرف ہوئے - ان کی تعریف محتاج بیان نہیں -

مختصر یہ کہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی - جن کو ہمارے وقت کے سب منکرین بھی بالاتفاق معتمد علیہ اور مسلم الثبوت مانتے ہیں - وہ حضرت کی توصیف میں لکھتے ہیں ۔

بحق مقتداے عشق بازاں ❁ رئیس و پیشواے جاں گدازاں
امام راست بازاں شیخ عالم ❁ ولی خاص صدیق معظم
شہ والا گہر امداد اللہ ❁ کہ بہر عالم ست امداد اللہ

یہ اشعار شجرۂ منظومہ صابریہ میں ہیں؛ جو قصائد قاسمی کے آخر اوراق - مطبع عین الاخبار مراد آباد - میں مطبوع ہوئے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ 'صدیق' کے معنی شاہ عبدالعزیز -رحمۃ اللہ علیہ- نے تفسیر عزیزی میں یہ لکھے ہیں :

صدیق آنست کہ قوت نظریہ او مثل قوت نظریہ انبیا -علیہم السلام- کامل باشد۔ الخ۔
یعنی صدیق وہ ہوتا ہے جس کی قوت نظریہ انبیا -علیہم السلام- کی قوت نظریہ کی مانند کامل ہوتی ہے۔

تو مولوی محمد قاسم صاحب کا حضرت کو صدیق معظم فرمانا ان بعض ناانصافوں کی تردید کے لیے حجت کافی ہے جنھوں نے حضرت کی نسبت یہ کہہ دیا کہ -معاذ اللہ- آپ علم شریعت سے ناواقف ہیں۔ اور ہم ان کے مرید ہیں لیکن پیر سے افضل ہیں۔ یہ نہ سمجھے کہ جس کی قوت نظریہ ایسی بڑھی ہوئی ہوگی وہ تو احکام شریعت کے حقائق سے ایسے واقف ہوں گے کہ تم ان کے عشر عشیر کو بھی نہ پہنچو گے۔

خیر! آمدم برسر مطلب۔ جناب مرشدی و مولائی نے ''یارسول اللہ'' کا خطاب جائز رکھا، خود اس پر عمل کیا، نیز مولوی محمد قاسم صاحب کے کلام میں ہم ثابت کرتے ہیں کہ انھوں نے خطاب ونداے یارسول اللہ کو جائز رکھا ہے۔ چنانچہ قصائد قاسمی -مطبوعہ مرادآباد- کے صفحہ ۷ پر ان کے اشعار یوں ہیں۔

ترے بھروسہ پہ رکھتا ہے غرۂ طاعت ❁ گناہِ قاسم برگشتہ بخت بد اطوار

اور صفحہ ۸ میں ہے۔

اگر جواب دیا بے کسوں کو تونے بھی ❁ تو کوئی اتنا نہیں جو کرے کچھ استفسار
کڑوڑوں جرم کے آگے یہ نام کا اسلام ❁ کرے گا یا نبی اللہ کیا یہ میری پکار
بہت دنوں سے تمنا ہے کیجیے عرض حال ❁ اگر ہو اپنا کسی طرح تیرے در تک بار
مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا ❁ نہیں ہے قاسمؔ بے کس کا کوئی حامی کار

یہ دیکھیے کہ خطاب و ندا کرنا اور مدد مانگنا سب کچھ ان اشعار میں موجود ہے۔ اللہ ہدایت کرے منکرین کو کہ بے جا شور وشغب سے باز آئیں۔

مولف براہین کا یہ لکھنا کہ :

ان صاحبوں کا خطاب وندا کرنا غلبہ شوق ومحبت سے تھا' وہ جائز ہے، اور دوسرے آدمی جو خطاب کرتے ہیں وہ اس طرح نہیں بلکہ وہ حضرت کا علم مستقل ذاتی سمجھ کر کہتے ہیں، یہ شرک ہے۔

نہایت درجہ بے اصل اور دعویٰ بے دلیل ہے۔ ہم بار ہا کہہ چکے ہیں کہ کسی کا یہ عقیدہ نہیں جو نبی کریم - علیہ الصلوٰۃ والتسلیم - کے علم کو ذاتی اور مستقل سمجھے بلکہ سب یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ کو جو کچھ علم وقدرت ہے سب اللہ کے دیے سے ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اسی کے ارادہ اور اذن سے ہوتا ہے۔ اب ہم خطاب وندا کی توجیہات بیان کریں۔

واضح ہو کہ بعض محبین درجہ عشق کو پہنچے ہوئے ہوتے ہیں جیسے حضرت ابوالحسن شاذلی وغیرہ - رحمۃ اللہ علیہم اجمعین - کہ ان سے رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کا مشاہدہ ایک لمحہ بھی فوت نہ ہوتا، اب اگر ایسے لوگ خطاب کریں تو ان کے نزدیک تو وہ خود حاضر وناظر ہیں، حاضر کے معنی موجود اور ناظر کے معنی دیکھنے والا۔ جب موجود ہوئے تو دیکھنے والے بھی ہوئے۔ تو ایسی شخصیتوں کے حق میں تو رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کو خطاب' کچھ محل کلام ہی نہیں۔ باقی رہے دوسری طرح کے آدمی کہ جن کو رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کی حضوری حاصل نہیں تو ان کے حق میں بھی یہ خطاب کرنا درست ہے۔

قطب ربانی امام شعرانی ''میزان الشریعۃ'' میں لکھتے ہیں کہ محمد بن زین ایک مداح رسول تھے، اکثر حالت بیداری میں رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کی زیارت کرتے تھے۔ ایک بار ایک آدمی نے اپنے واسطے ان سے ایک حاکم کی سفارش چاہی، یہ گئے اور حاکم نے ان کو اپنی مسند پر بٹھایا، اس دن سے دیکھنا منقطع ہو گیا۔ اس مقام خاص پر میزان کی عبارت یوں ہے :

> **فلم يزل يطلب من رسول الله – صلى الله عليه وسلم – الروية حتى قرء له شعراً فتراء ى له من بعيد فقال تطلب رويتي مع جلوسک على بساط الظلمة فلم يبلغنا أنه رآه ذلک حتى مات .**
>
> یعنی پھر وہ مداح رسول ہمیشہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - سے سوال کرتا رہا کہ اپنا دیدارِ مبارک کرا دیجیے یہاں تک کہ ایک دفعہ اس نے شعر پڑھا تب رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - اس کو کچھ دور سے دکھائی دیے اور فرمایا: تو دیدار کا سوال کرتا ہے اور بیٹھتا ہے ظالموں کے فرش پر۔ پھر ہم کو اس کے مرنے تک ایسی کوئی خبر نہیں ملی کہ حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - پھر اس کو کبھی نظر آئے۔ انتہیٰ۔

اب دیکھیے کہ حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - محمد بن زین مداح کی نظر سے غائب تھے اور نظر نہ آتے تھے، اس کے باوجود وہ اسی غیوبت کی حالت میں حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - سے سوال کیا کرتا تھا کہ صورت مبارک دکھا دیجیے۔

تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ ایسے لوگ جنھیں رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نظر نہیں آتے اگر وہ بھی حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- سے دیدار کی درخواست کریں اور غلبۂ شوق میں خطابیہ وندائیہ قسم کے اشعار پڑھیں تو صحیح اور جائز ہے۔ جیسے حضرت مرشدی ومولائی نے جدائی اور درد اِشتیاق کے عالم میں ہندوستان میں پڑھے تھے۔

ذرا چہرے سے پردے کو اٹھاؤ یارسول اللہ
مجھے دیدار تم اپنا کراؤ یارسول اللہ

اگر کوئی - نیم ملا خطرۂ ایمان - اس کو شرک بتادے اور یہ کہے کہ تم رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کو عالم الغیب جانتے ہو تو کہہ دو کہ اصل عالم الغیب بالذات اللہ تعالیٰ ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو غیب کی خبر دیتا ہے تو ان کو بھی خبر ہو جاتی ہے۔

سورۂ بقرہ کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالعزیز کا کلام یاد رکھو کہ حضرت مطلع ہیں اپنے ہر امتی کے حال سے کیوں کہ ان کو سب امتیوں کی خبر دی جاتی ہے۔ اور سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ امت کے احوال صبح وشام آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔(۱)

**تبصـــــرہ:** حدیث میں ہے کہ حضور اکرم -صلی اللہ علیہ وسلم- نے بادشاہ روم، ہرقل کو جو نامہ مبارک لکھا تھا بروایت بخاری اس کے الفاظ یہ تھے :

**أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّيْ أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الإِسْلاَمِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ .** (۲)

یعنی میں تجھے دعوت اسلام دیتا ہوں اسے قبول کرکے تو دنیا وآخرت میں سرفراز ہو جائے گا۔

اس میں بادشاہ روم کو حاضر کا خطاب ہے حالاں کہ آپ ملک عرب تھے اور وہ روم میں۔ اور وہ اصحاب کشف سے نہ تھا کہ حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کا خطاب وہاں سے معلوم کر لیتا لیکن چوں کہ

---

(۱) ليس من يوم إلا تعرض على النبي -صلى الله عليه وسلم- أمته غدوة و عشية فيعرفهم بسيماهم و أعمالهم فلذلک يشهد عليهم . (تفسیر قرطبی:۱۹۸/۵......تفسیر حقی:۴۷۳/۲......)

(۲) صحیح بخاری:۸/۱حدیث:۶......صحیح مسلم:۲۳۵/۹حدیث:۳۳۲۲......مشکوٰۃ المصابیح:۳۹۲/۲حدیث:۳۹۲۶...... مسند احمد:۲۸۴/۵حدیث:۲۲۵۲......سنن کبریٰ بیہقی:۱۷۸/۹......مصنف عبد الرزاق:۳۴۶/۵......سنن کبریٰ نسائی:۳۱۱/۶......معجم کبیر طبرانی:۱/۷......دلائل النبوۃ:۴۹۷/۴حدیث:۱۷۲۱......مستخرج ابوعوانہ:۲۵۴/۱۳حدیث: ۵۴۰۹......صحیح ابن حبان:۱۴۲/۲۷حدیث:۶۶۶۴......مسند شامیین:۱۹/۹حدیث:۳۰۶۰......مشکل الآثار:۶/۵ حدیث۱۶۸۶۔ کنز العمال:۳۸۴/۴حدیث:۱۱۰۳۵......نصب الرایہ:۴۶۵/۱۳......مسند الجامع:۴۶/۱۷حدیث: ۵۲۱۲۔

بات یہ تھی کہ قاصد اس خط کو لے جا کر اس کے ہاتھ میں دے دے گا، جب یہ خط اس کی نظر کے سامنے سے گزرے گا تو خطاب صحیح ہو جائے گا۔

اسی طرح اب تک رسم جاری ہے کہ ہم خطوط میں مکتوب الیہ کو الفاظ خطاب لکھ دیتے ہیں کہ فلاں چیز بھیج دو، اور تاکید جانو فقط اسی اعتماد پر کہ جب قاصد یہ خط ان کو دے دے گا تو ہمارا خطاب حاضر لکھنا صحیح ہو جائے گا۔ جب قاصدوں کی چھٹی رسانی کے اعتماد پر حالت غیبوبت میں یہ خطاب جائز ہوا تو مضمون حدیث کے اعتماد پر کہ ہمارے اعمال واقوال ہر روز دو بار صبح وشام آپ-صلی اللہ علیہ وسلم- کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں کیوں کر خطاب جائز نہ ہوگا۔

جب ہمارے اقوال مخفی نہ رہے بلکہ آپ تک پہنچائے گئے تو اگر چہ آپ کو ہم سے بعد مکانی ہو لیکن آپ حاضر کی طرح ہیں لہٰذا حاضر کا خطاب کرنا جائز ہے۔(۱)

اگر کوئی ضعیف الایمان آدمی اس تقریر پر بھی راضی نہ ہو تو ایک تیسری توجیہ اور بھی ہے یعنی جس کو کسی کا عشق ہوتا ہے اس کا نقشہ آنکھوں میں پھرا کرتا ہے؛ تو اس اعتبار سے حاضر کا خطاب کر دیتے ہیں۔عرب کے اشعار میں یہ بات کثرت سے ہے۔انہی میں سے دو شعر ''جذب القلوب'' سے نقل کرتا ہوں۔

علی ساکن البطن العقیق سلام ❁ و إن أسهروني بالفراق و ناموا

حظرتم علی النوم و هو محلل ❁ و حللتم التعذیب و هو حرام

یعنی بطن عقیق پر بسنے والوں کو سلام ہو جو مجھے ہجر کے عذاب میں مبتلا کر کے خود چین سے سو رہے ہیں۔تم نے مجھ پر سونا حرام کر دیا حالاں کہ سونا تو حقیقۃً ایک حلال چیز ہے۔اور تم نے میرے لیے عذاب کو روا کر دیا حالاں کہ یہ تو حرام ہے۔

---

(۱) **حاشیہ** : مولف براہین قاطعہ نے صفحہ ۲۳ میں تینوں طرح کا خطاب مان لیا ہے خواہ دل کے ساتھ ہو یا اعتماد پر کہ اعمال امت آپ پر پیش ہوتے ہیں تو یہ ہمارا خطاب بھی پیش ہو جائے گا اگر چہ بغیر درود کے ہو۔تیسرے یہ کہ غلبہ عشق ومحبت میں پکارتا ہے اور یہ ندا بھی جائز ہے۔الحاصل! جس طرح انوارِ ساطعہ میں ''یا رسول اللہ'' کا ثبوت دیا گیا ہے وہ سب مان لیا۔پھر مولف کا یہ لکھنا کہ ہم منع اس لیے کرتے ہیں کہ عوام عالم آپ کو مستقل اور بالذات عالم الغیب جانتے ہیں تو خطاب کرنے میں اس عقیدہ کی تاکید ہوتی ہے۔یہ بالکل ہی غلط ہے اس لیے کہ سب آدمی حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-کا علم' خدا کا دیا ہوا جانتے ہیں نہ کہ مستقل وبالذات۔اور جب شرع شریف میں اجزاے خطاب التحیات میں ایہام پر نظر نہ فرمائی گئی تو شعر اور قصیدہ میں ایہام کا وہم کیوں ڈالتے ہیں۔۱۲منہ

حضرت یوسف -علیہ السلام- کی بیوی زلیخا کا حال جو مولوی جامی صاحب نے لکھا ہے وہ سب کو یاد ہوگا کہ شروع عشق میں جب تک نکاح نہ ہوا تھا کس کس طرح تصورات میں باتیں کیا کرتی تھیں۔ ان میں سے دو شعر اس جگہ لکھتا ہوں ۔

خیال یار پیش دیدہ بنشاند ❁ ہم از دیدہ ہم از لب گوہرافشاند
کہ از پاکیزہ گوہر از چکائی ❁ کہ از تو دارم ایں گوہر فشانی
دلم بروے ونام خود نہ گفتی ❁ نشانی از مقام خود نہ گفتی

یعنی خیال یار کو نگاہوں میں بسا لینے سے آنکھیں اور ہونٹ ہیرہ و جواہر ٹپکاتے ہیں۔ کہ آپ کی طرف سے یہ موتیاں لٹانی مجھے نصیب ہوئی ہیں۔

میں نے اپنا دل تو ان پر وار دیا لیکن اس نے ابھی تک نہ تو اپنا نام بتایا اور نہ اپنے مقام کی کوئی نشانی دکھائی۔

زلیخا عالم غیبوبت میں حضرت یوسف -علیہ السلام- سے خطاب کر رہی ہیں جو نہ شرک ہے نہ کفر۔ اور خود حضرت یوسف -علیہ السلام- راستہ میں اپنے باپ کو پکار کر فریاد کرتے تھے جب بھائیوں کی خشونت، درشت خوئی اور آزار و دست درازی دیکھتے تھے، جب وہ ان کو کنویں یعنی چاہ میں ڈالنے کو چلے تھے۔ حضرت جامی -قدس سرہ- فرماتے ہیں ۔

گہے در خوں گہ در خاک می خفت ❁ ز اندوہِ دل صد چاک می گفت
کجائی اے پدر آخر کجائی ❁ ز حال من چنیں غافل چرائی
بیا بنگر مراتا در چہ عالم ❁ بدست ایں حسوداں پائمالم

یعنی کبھی میں خاک اور کبھی خون میں نہایا ہوا ہوتا ہوں۔ اور میرے دل صد چاک کے غم واندوہ پکار پکار کر کہتے ہیں کہ اے میرے پدر بزرگوار! آخر آپ کہاں ہیں؟ میرے حال سے اتنی غفلت کیوں برت رہے ہیں؟ آئیں ذرا دیکھیں کہ میری کیا حالت بنی ہوئی ہے؟ اور ان حاسدوں کے ہاتھوں کیا برا حال ہوا ہے۔

پھر اسی طرح سمجھ لو کہ جو اشعار شوقیہ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی جناب میں بطورِ خطاب حاضر کیے ہیں وہ اس لیے ہیں کہ چوں کہ آپ کا تصور' دل میں بندھا ہوا ہے، غلبہ اشتیاق میں حاضرانہ خطاب' حضور فی الذہن کے باعث کرتے ہیں لیکن جن لوگوں کو ایسا تصور اور ایسا خیال میسر نہیں ان کی سمجھ میں یہ آنے والا بھی نہیں کہ :

كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ . (۱)

اسے جھٹلایا جس کے علم پر قابو نہ پایا۔

یقیناً کلام الٰہی سچا ہے۔

**چوتھی توجیہ**: خطاب کی ایک چوتھی توجیہ بھی ہم بتادیں۔

قرآن شریف میں آیا ہے :

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ . (۲)

ہائے افسوس ان بندوں پر!۔

یہاں لفظ یَا حرف ندا ہے جس سے مخاطب حاضر کو پکارا جاتا ہے، یہ لفظ یا حسرت پر داخل ہورہا ہے، اور حسرت ایک ایسی بے ادراک شعور چیز ہے کہ اس کو قیامت تک کبھی خبر نہ ہوگی کہ مجھ کو کوئی پکارتا ہے۔ اس جگہ امام رازی کا کلام یہ ہے :

**المقصود ان ذلک وقت الحسرة.. فإن النداء مجاز و المراد الإخبار.(۳)**

غرض کہ تمام مفسرین اس مقام میں لکھتے ہیں کہ یہ ندا کلام عرب میں شائع ہے اور اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ حسرت کا وقت ہے یعنی یہ نہیں کہ حسرت کو پکارتے اور بلاتے ہیں، تو یہاں پر ندا مجازاً ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوئی کہ کہیں ندا مجازاً ہوتی ہے اور اس سے خبر دینا مقصود ہوتا ہے۔ پھر اسی طرح اس جگہ بھی سمجھ لو جب کوئی کہتا ہے ۔

تمہارے نام پہ قربان یارسول اللہ
فدا ہے تم پہ مری جان یارسول اللہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ میری جان حضرت پر قربان ہے، اس کی مراد جملہ خبریہ ہے گو اس نے لفظ ندائیہ بولا ہے؛ کیا ضرور کہ یوں کہو کہ یہ شخص تو خدا کی طرح حاضر ناظر جان کر پکارتا ہے۔ البتہ تم خود شرک اور کفر کے معنی یہ کہہ کر لوگوں کے ذہن میں جماتے ہو کہ لفظ یا حاضر کے لیے ہوتا ہے

(۱) سورۂ یونس؛ ۳۹/۱۰۔
(۲) سورۂ یٰس؛ ۳۰/۳۶۔
(۳) تفسیر الرازی: ۳۲/۱۳۔

اوراس سے صرف حاضر کو خطاب کیا جاتا ہے حالاں کہ یہ قاعدہ غلط ہے۔(۱)
غائب کو خطاب اور ندا کرنے کی مثال صحابہ کے کلام میں موجود ہے۔روایت ہے کہ حضرت عثمان کی خلافت کے وقت میں ایک رات حضرت علی جب مسجد کی طرف آئے تو دیکھا کہ مسجد میں چراغ کثرت سے روشن ہیں؛ تو حضرت عمر کو دعا دی۔دعا کے الفاظ سیرت حلبی جلد دوم صفحہ ۲۳۵ میں یوں ہیں :

نَوَّرْتَ مَسَاجِدَنَا نَوَّرَ اللّٰهُ قَبْرُکَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ . (۲)

یعنی اے عمر ابن خطاب! جس طرح آپ نے ہماری مسجدوں کو منور کیا یوں ہی اللہ آپ کی قبر مبارک روشن فرمائے۔

دیکھیے یہاں حضرت عمر کو ان کی وفات کے بعد' حضرت علی خطاب فرما رہے ہیں،اور یہاں حضرت عمر کو پکار کر اپنی طرف متوجہ کرنا یا بلانا - جو کہ ندا کا فائدہ ہوتا ہے- مقصود نہیں،مقصود ان کو دعا دینا ہے کہ اللہ عمر کی قبر روشن کرے۔چنانچہ روایت بالمعنی کرنے والے بعض راویوں نے معنی مقصود کو دعا کے قالب میں ڈھال کر روایت کر دیا ہے :

نور الله قبر عمر كما نور مساجدنا .

اللہ عمر کی قبر کو منور فرمائے جیسے کہ انھوں نے ہماری مسجدوں کو منور کیا ہے۔

اب فقہ کا ایک مسئلہ لکھتا ہوں۔

درمختار اور قہستانی وغیرہ کتب فقہ میں ہے کہ جس وقت اذان میں موذن کہے :

الصلوٰة خير من النوم .

یعنی نماز' سونے سے بہتر ہے۔

تو سننے والوں کو چاہیے کہ اس کا جواب یوں دیں :

صدقتَ و بررتَ .

---

(۱) **حاشیہ** : اور یہ لوگ کس طرح اپنی نماز کو بھولے ہوتے ہیں کہ رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- آنکھوں سے غائب ہیں پھر آپ کی بہ نسبت پڑھتے ہیں: السلام علیک ایہا النبی ۔تو اگر نظر سے غائب کو خطاب جائز نہ ہوتا تو نماز میں یہ خطاب کیوں درج ہوتا اور یہ بات نحوی رسالوں میں ثابت کی گئی ہے کہ السلام علیک ایہا النبی پڑھتے وقت خاص خطاب ہی مراد ہوتا ہے۔۱۲ منہ

(۲) سیرت حلبیہ: ۲/ ۲۰۵۔

یعنی تو نے سچ اور بھلا کہا۔(۱)

فقیہ شامی لکھتے ہیں کہ یہ جواب حدیث میں آیا ہے۔ اب واضح ہو کہ یہ جواب دینا کتب فقہ میں اس بات کے ساتھ ہرگز مقید نہیں کہ موذن کے پاس آ کر جواب دیں بلکہ دور ہی سے پڑھ لیا کریں۔ تو اسی واسطے یہ دستور ہے کہ جس وقت صبح صادق کو موذن' اذان کہتا ہے، اس وقت اکثر آدمی اپنے اپنے مکانات و منزل میں ہوتے ہیں، نہ ان کو موذن وہاں سے نظر آتا ہے کہ وہ تو نظر سے غائب ہے، اور نہ خود موذن ان کے جواب اور ان کے خطاب کو سن سکتا ہے، لیکن اس حالت غیبوبت میں بھی جہاں موذن نے: الصلوٰۃ خیر من النوم کہا سب مسئلہ داں آدمی جواب دیتے ہیں: صدقت و بررت یعنی تو نے سچ اور حق کہا۔ یہ غائب کو حاضر کا خطاب ہوتا ہے۔ تو چاہیے کہ ان فقہاے آخر الزماں کے نزدیک یہ سب جواب دینے والے کافر ہوں حالاں کہ وہ مستحق ثواب ہوتے ہیں۔ اگر چہ انھوں نے خطاب کیا لیکن ان کی مراد یہ ہے کہ موذن نے سچ بات کہی ہے۔ تو اسی طرح جو شخص کہتا ہے ؎

ما سوائے تو یا رسول اللہ شد برائے تو یا رسول اللہ

تو اگر چہ یہاں خطاب کیا ہے لیکن مراد یہی ہے کہ ہر مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کے واسطے یعنی ان کے سبب پیدا کیا ہے۔

اور جو کوئی فقط یہ لفظ کہے: ''یا رسول اللہ'' تو اس کی بہ نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ ''شرح ملا'' اور ''غایۃ التحقیق'' وغیرہ میں ہے کہ لفظ یا بمعنی أدعو ہے اور أدعو کے معنی ہیں: میں پکارتا ہوں۔ تو جس نے یا رسول اللہ کہا، تو اس کے معنی عربی قاعدہ سے یہ ہوئے کہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کو پکارتا ہوں یعنی ان کو یاد کرتا ہوں اور ان کا نام لیتا ہوں۔ اب کہو اس میں کیا شرک و کفر ہو گیا!۔

یہ لفظ یا کی نسبت کلام عرب میں یہ ضابطہ بھی متفقہ ہے :

ینادی بھا القریب و البعید .

یعنی لفظ یا سے نزدیک اور دور ہر طرح پکارا جاتا ہے۔

الحاصل! ہم خطاب کو چند توجیہات سے ثابت کر چکے۔ نیز عہد رسالت سے لے کر اس وقت تک' الفاظ خطاب اور صیغہ حاضر کے ساتھ نماز و غیر نماز، دعا و غیر دعا، اور نظم و نثر میں

(۱) درمختار: ۱/۴۲۸۔

حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - کو یاد کرنے کا ثبوت کامل، صحابہ - رضوان اللہ علیہم اجمعین - اور مقبولین اولیا، علما اور صلحا سے دے چکے ہیں - اب دیکھنا چاہیے کہ حالت غیبوبت کے باوجود، خطاب کرنے والے یہ سب مقبولین - معاذ اللہ - ان منکرین کے نزدیک کافر ہیں یا خود ان کی تکفیر انہی کی طرف پلٹ جاتی ہے - ہمارے سچے رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - نے ارشاد فرمایا :

وَ مَنْ دَعـیَ رَجُلاً بِالْکُفْرِ ، أوْ قَالَ عَدُوَّ اللّٰہِ وَ لَیْسَ کَذٰلِکَ إلاَّ حَارَ عَلَیْہِ .

-متفق علیہ- (۱)

یعنی صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ جو شخص کسی کو کافر یا اللہ کا دشمن کہے اور وہ ایسا نہ ہو تو وہ کفر و لعنت کا کلمہ خود اسی کہنے والے پر اُلٹ آئے گا -

اب چاہیے کہ مانعین اپنے ایمان کی خیر منائیں اور کبھی گستاخانہ الفاظ بے باکانہ زبان پر نہ لائیں - اور ابھی تازہ ان ایام میں حرمین شریفین - زادہما اللہ شرفا - سے ''یارسول اللہ'' کے جواز کا فتویٰ آیا ہے - بطورِ تلخیص اس کا مضمون نقل ہوتا ہے :

(۱) صحیح مسلم: ۱/۱۹۷ حدیث: ۹۳ ...... مشکوٰۃ المصابیح: ۳/۴۴ حدیث: ۴۸۱۷ ...... مسند احمد: ۴۳/۴۵۸ حدیث: ۲۰۴۹۲ ...... الابانۃ الکبریٰ ابن بطہ: ۳/۵۹ حدیث ۱۰۳۵ ...... الترغیب والترہیب: ۲/۲۰۹ حدیث: ۱۹۸۵ ...... کنز العمال: ۶/۱۹۱ حدیث: ۱۵۳۰۳ ...... المسند الجامع: ۳۷/۳۰۵ حدیث: ۱۲۲۴۵ ...... الایمان لابن مندہ: ۲/۱۹۴ حدیث: ۶۰۱ -

اسی مفہوم کی دوسری حدیث کے الفاظ یوں ہیں :

لا یرمي رجل رجلا بالفسوق و لا یرمیه بالکفر إلا ارتدت علیه إن لم یکن صاحبه کذلک .

( صحیح بخاری: ۱۸/۴۷۶ حدیث: ۵۵۸۵ ...... مسند احمد: ۴۴/۵۶ حدیث: ۲۰۵۹۰ ...... شعب الایمان: ۱۴/۱۷۸ حدیث: ۶۳۸۸ ...... مستخرج ابوعوانہ: ۱/۴۷ حدیث: ۴۲ ...... مشکل الآثار: ۲/۳۵۰ حدیث: ۷۲۳ ...... الآداب بیہقی: ۱/۱۵۱ حدیث: ۱۲۳ ...... الادب المفرد بخاری: ۲/۱۵۰ حدیث: ۴۴۶ ...... الایمان لابن مندہ: ۲/۱۹۴ حدیث: ۶۰۱ ...... مسند بزار: ۹/۲۹۴ حدیث: ۳۳۳۵ ...... السنۃ ابوبکر بن خلال: ۴/۱۳۶ حدیث: ۱۵۷۳ ...... مساویٔ الاخلاق خرائطی: ۱/۱۵ حدیث: ۱۲ ...... مجمع الزوائد: ۳/۳۹۹ ...... المسند الجامع: ۳۷/۳۰۵ حدیث: ۱۲۲۴۵ ...... تخریج احادیث الاحیاء: ۶/۴۵۲ حدیث: ۲۸۷۷)

## تحریر مفتی مدینہ :

ما قولكم يا علماء الملة السمحة البيضاء و مفاتي الشريعة الغراء في النداء بقول يا رسول الله هل هو يجوز أم لا و هل يكفر قائله أم لا ؟

**الجواب :**

الحمد لله تعالىٰ أسأل الله المولى الكريم ذا الطول والتوفيق و الإعانة في الفعل و القول نعم يجوز النداء برسول الله –صلى الله عليه وسلم– و التوسل و الإستغاثة في مهام الأمور فنعم الوسيلة هو إلى ربنا في مدة حياته في الدنيا و بعد موته في مدة البرزخ و بعد البعث في عرصات القيامة و لا نعتقد تأثيرا و لا خلقا و لا نفعا و لا ضرا و لا إيجادا و لا عدما إلا لله وحده لا شريك و لا يقول بكفر المتوسل به إلى ربه على هذا الوجه إلا من انطوت على فساد العقيدة طوية و لا فرق بين أن يعبر بلفظ الإستغاثة أو التوسل و التشفع و التوجه و إن كلا منها واقع في كل حال قبل خلقه و في مدة حياته في الدنيا و بعد موته في البرزخ و في القيامة قال في المواهب: أما التوسل به –صلى الله عليه وسلم– بعد موته في البرزخ فهو أكثر من أن يحصىٰ الخ . و بالجملة فالمسئلة واضحة جلية قد أفردت بالتاليف فلا حاجة إلى الإطالة فإن من نور الله بصيرته يكتفي بأقل من هذا و من طمس الله بصيرته فلا يغني عنه الآيات و النذر و لم يزل السلف و الخلف يتوسلون بسيد الوجود و يستغيثون به و قد شذت طائفة عن السواد الأعظم منهم من يجعله محرما و منهم من يجعله كفرا و إشراكا و كل ذلک باطل و لله در الشيخ محمد بن سليمان الكردي –رحمه الله– حيث قال في رسالته يخاطب محمد بن عبد الوهاب حين قام بالدعوة : يا ابن عبد الوهاب ! سلام على من اتبع الهدىٰ فإني أنصحک لله تعالىٰ أن تكف لسانک عن المسلمين فإن سمعت من شخص أنه يعتقد تاثير ذلک المستغاث به من دون الله فاعرفه الصواب

**واذكر له الأدلة على أنه لا تأثير لغير الله تعالىٰ فإن أبى فكفره حيئنذ بخصوصه و لا سبيل لک إلى تكفير السواد الأعظم من المسلمين و أنت شاذ عن السواد الأعظم فنسبة الكفر إلى من شذ عن السواد الأعظم أقرب لأنه اتبع غير سبيل المومنين و قال تعالىٰ : و من يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدىٰ و يتبع غير سبيل المومنين نوله ما تولىٰ و نصله جهنم و ساء ت مصيرا ، و إنما يأكل الذئب القاصية و الله سبحانه و تعالىٰ ولي الهداية و به العصمة و الحماية .**

**نمقه الفقير إلى عفو ربه القدير**

**عثمان بن عبد السلام داغستاني**

**-المدينة المنورة الحنفي-**

اے علماے ملت اور مفتیانِ شریعت !اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا کہنا ہے جو ''یارسول اللہ'' پکارے ۔کیا ایسا کہنا جائز ہے یا نہیں،اور اایسا کہنے والے کی تکفیر ہوگی یا نہیں؟۔

**الجواب** : ساری تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں اوراپنے قول وفعل میں اسی سے مدد چاہتا ہوں۔ ہاں! ''یارسول اللہ'' پکارنا جائز ہے۔اورمشکل گھڑی میں توسل اورفریادرسی بھی جائز ہے۔حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- اپنی ظاہری حیات میں ہمارے لیے اللہ تک پہنچنے کے کیسے بہترین وسیلہ تھے،اورعالم برزخ (میں بھی وہ ہمارے وسیلہ ہیں)اورعرصہ محشر میں بھی (وہ ہمارے وسیلہ ہوں گے)۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ خلق وتاثیر،نفع وضرراوروجودوعدم سب کچھ اللہ -وحدہ لاشریک-ہی کی ذات سے ہوتا ہے؛تو اس عقیدہ کی بنیاد پر رب تک پہنچنے کے لیے وسیلہ پکڑنے والوں کو کافر وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کے دل میں فاسد عقیدہ رچا ہوا ہے۔اور حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-کی نسبت' لفظ استغاثہ یا توسل یا شفاعت طلبی یا توجہ کے الفاظ بولنے میں کچھ فرق نہیں کیوں کہ یہ سب حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-کی ولادت سے پہلے،آپ کی مدت حیات،عالم برزخ اورمیدان محشر میں واقع ہیں۔مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد آپ سے وسیلہ پکڑنا اس قدر واقع ہوا ہے کہ شمار

نہیں کیا جاسکتا۔ خلاصہ یہ کہ یہ مسئلہ بالکل صاف اور بے غبار ہے۔ اس موضوع پر میں نے مستقل کتاب لکھی ہے لہٰذا طول دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جس کی آنکھیں نورِ الٰہی سے روشن ہوں گی اس کے لیے اس سے کم بھی کفایت کرے گا اور جس کی آنکھ اللہ نے بے نور کر دی اس کو آیات اور واضح دلیلیں بھی ناکافی ہیں۔ سلف وخلف ہمیشہ سے سردارِ کائنات -صلی اللہ علیہ وسلم- کا وسیلہ پکڑتے اور آپ سے فریاد رسی کرتے رہے ہیں۔ لیکن سوادِ اعظم سے اب کچھ گروہ بچھڑ گئے ہیں، ان میں کوئی اس کو حرام کرتا ہے اور کوئی کفر وشرک کہتا ہے جب کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ اللہ بھلا کرے شیخ محمد بن سلیمان کردی کا انھوں نے اپنے رسالہ میں محمد بن عبد الوہاب کو خطاب کر کے کیا خوب فرمایا ہے کہ اے ابن عبد الوہاب! سلام علی من اتبع الہدیٰ۔ میں تجھ کو خدا واسطے نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی زبان مسلمانوں سے بند کر لے، اگر تو کسی کو یہ کہتے سنے کہ وہ تاثیر کے سلسلے میں اللہ کے سوا اعتقاد رکھتا ہے تو دلائل کی روشنی میں تو اس کو صحیح راہ کی تعلیم کر کہ غیر اللہ میں تاثیر نہیں، جب وہ نہ مانے تو اس وقت' خاص اس کی تکفیر کر، یہ نہیں کہ مسلمانوں کے سوادِ اعظم کو تو کافر کہنے لگے۔ اور تو خود سوادِ اعظم سے بچھڑا ہوا ہے۔ تو سوادِ اعظم سے بچھڑے ہوے کی طرف کفر کی نسبت کرنا صحیح ہے، اس لیے کہ اس نے وہ راہ لی جو اہل ایمان کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے، ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی''۔ اور بھیڑیا اسی بکری کو کھاتا ہے جو گلہ سے دور جا کر کھڑی ہوتی ہے۔ اللہ پاک ہی ہدایت کا مالک ہے اور اسی سے عصمت وحمایت ہے۔

نمقه الفقير إلى عفو ربه القدير
عثمان بن عبد السلام داغستانی
-المدينة المنورة الحنفي-

## عبارت مفتیانِ مکہ معظّمہ :

[۱] قول القائل یا رسول الله بطریق الإستغاثة جائز کما في المواهب اللدنية وغيرهما -و الله سبحانه أعلم-

قائل کا امداد طلبی کے طور پر ''یا رسول اللہ'' کہنا جائز ہے۔ مواہب لدنیہ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

أمر برقمه :

خادم الشريعة و المنهاج عبد الرحمن بن عبد الله سراج

مفتي مكة المكرمة -كان الله لهما-

عبدالرحمٰن سراج

یہ مکہ معظّمہ میں حنفی مفتی ہیں

---

[۲] حامدا و مصليا و مسلما أصاب من أجاب .

محمد رحمت اللہ

یہ حضرت استاذنا ومولانا شیخ العلماء محمد رحمت اللہ - دامت فیوضہم - وہ ہیں جن کا شہرہ تمام ہندوستان ، ملک حجاز اور روم وغیرہ میں ہے۔ اور حضرت سلطان روم اب تک دو بار ان کو باعزازِ تمام بلا چکے ہیں۔ اور آپ کا اصل وطن ملک ہندوستان ہے۔

[۳] حامدا و مصليا و مسلما لله در من أجاب . -و الله سبحانه و تعالىٰ أعلم بالصواب-

محمد عبدالحق

یہ عالم محدث اور بابرکت صوفی ہیں۔

---

[۴] ما حرره مفتي الأحناف هو عين الصواب و الموافق للحق بلا شک و ارتیاب -و الله سبحانه و تعالىٰ أعلم-

مفتیانِ احناف نے جوفتویٰ تحریر فرمایا ہے وہ بالکل ہی درست اور بلاشک وشبہہ حق کے موافق ہے۔

خادم الشريعة ببلدة الله المحميه

**ابوبکر جی سیونی**

یہ مالکی مفتی ہیں۔

---

۞۵۞ قول الشخص يا رسول الله متضمن لندائه و التوسل به -صلى الله عليه وسلم- أما النداء فلا شک في جوازه إذا كان على وجه التعظيم يا نبي الله و أما التوسل به فهو أيضا جائز بل مطلوب روي الطبراني و البيهقي أن رجلا كان يختلف إلى عثمان بن عفان -رضى الله تعالىٰ عنه- في زمن خلافته في حاجته فكان لا يلتفت إليه و لا ينظر إليه في حاجته فشكى ذلک لعثمان بن حنيف -رضي الله عنه- فقال ائت الميضاة فتوضأ ثم ائت المسجد فصل ثم قل اللهم إني أسئلک و أتوجه إليک بنبينا محمد نبي الرحمة يا محمد إني أتوجه بک إلى ربک -الحديث- فهذا توسل و نداء بعد وفاته -صلى الله عليه وسلم- و في هذا القدر كفاية لمن هداه الله تعالىٰ - والله سبحانه و تعالىٰ أعلم-

---

() **حاشیہ** : یہ وہی روایت ہے جسے ہم طبرانی کی معجم کبیر کے حوالے سے مفصلا بیان کرآئے ہیں کہ رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- سے یہ خطاب وندا آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت عثمان غنی-رضی اللہ عنہ- کے زمانے میں عمل میں آیا ہے۔مفتی شافعی بھی اس روایت کے مطابق ''یارسول اللہ'' کے جواز کا حکم دے رہے ہیں۔۱۲۔منہ

''یارسول اللہ'' کہنا آپ سے توسل اور ندا کو شامل ہے۔ندا کے جواز میں تو کوئی شبہہ ہی نہیں اگر تعظیم کے طور پر یا نبی اللہ کہے۔اور آپ سے توسل بھی جائز بلکہ مطلوب ہے۔طبرانی وبیہقی کی روایت میں ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفان کے پاس ان کے ایام خلاف میں بار بار اپنی حاجت لے کر جایا کرتا مگر آپ اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرماتے اور نہ اس کی حاجت ہی روا کرتے۔بالآخر اس نے حضرت عثمان بن حنیف سے اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: وضو کرو اور مسجد جا کر نماز پڑھو، پھر کہو: اے اللہ میں اپنے رحمت والے نبی کے ذریعہ تجھ سے

سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد -صلی اللہ علیہ وسلم- میں آپ کے توسل سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوں۔ تو یہ نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کی وفات کے بعد آپ سے توسل اور ندا کی مثال ہے۔ اور ہدایت یافتہ لوگوں کے لیے اتنا ہی بہت ہے۔

**وكيل مفتي الشافعية بمكة المحمية**

**محمد سعيد بن محمد بايصل -عفي عنه-**

محمد سعید بابصیل

---

(٦) **أما قول يارسول الله فهو من باب التوسل به -صلى الله عليه وسلم- إلى الله و هو أنفع الوسائل عند الله تعالىٰ - والله سبحانه و تعالىٰ أعلم-**

یعنی ''یارسول اللہ'' کہنا نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- سے توسل کرنے ہی کی ایک قسم ہے، اور اللہ کے تئیں یہ سب سے نفع بخش وسیلہ ہے۔

**أمر برقمه :**

**الحقير خلف بن إبراهيم**

**خادم افتاء الحنابلة بمكة المشرفة**

---

(٧) **ما أجاب به مفاتي الإسلام فوجدتها في غاية الصواب الموافق لمذهب هداة الأنام لا يخالفها إلا من طمس الله بصره و بصيرته فيجب على المسلمين اتباع ما قالوه .**

مفتیانِ کرام کے صادر کیے ہوئے یہ فتاوے میں نے نہایت ہی درست اور مذہب حق کے موافق پائے ،اس کی مخالفت کی امید صرف اسی سے کی جاسکتی ہے جس کی بصارت وبصیرت دونوں اللہ نے زائل کردی ہو۔ لہٰذا اہل اسلام پر ان مفتیانِ کرام کی اتباع ضروری ہے۔

**كتبه راجي رضاء الخبير**

**عبد القادر بن محمد علي خوكبير**

**المدرس و الإمام بالمسجد الحرام**

# لمعہ ثامنہ- اعتراضات متفرقہ

**اعتراض اول** :
میلاد شریف پڑھتے ہیں، بڑی زیب وزنیت کرتے ہیں، پرتکلف فرش بچھاتے ہیں، چوکی اورمسند لگاتے ہیں۔

**جواب** : بانی محفل کے اپنے گھر میں چاندنی اور جو کچھ اس کو بہم پہنچے قالین وغیرہ بچھا کر زیب وزینت کرنا مفتیانِ دین کے فتاویٰ کی روشنی میں جائز ہے۔فتاویٰ عالم گیری کی جلد خامس -الباب العشرون فی الزینہ- میں لکھا ہے :

**يجوز للإنسان أن يبسط في بيته ما شاء من الثياب المتخذة من الصوف و القطن و الكتان المصبوغة وغيرها و المنقشة وغيرها .**

یعنی ایک انسان کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے گھر میں جس طرح کے چاہے کپڑے بچھائے، اون، روئی اور چھال کے۔رنگین ہوں یا سادہ، نقش ونگار والے ہوں یا بےنقش ونگار۔

درمختار کے-مسائل شتی-آخر کتاب میں ہے :

**و أباح الله الزينة بقوله تعالىٰ : قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ أَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ -الآية-**

یعنی اللہ تعالیٰ نے زیب وزینت کو اپنے اس قول سے مباح فرمادیا ہے:تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی۔

چوکی، خوشبو اور لوبان وغیرہ کا جواب یہ ہے کہ حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- کے حلیہ وجمال اور معجزات وغیرہ کا بیان کرنا اصطلاحِ محدثین میں حدیث رسول اللہ ہے۔جیسا کہ اوپر تحقیق ہوچکی۔ اور حدیث کے لیے امورِ مذکورہ کے استعمال کو محدثین بالاتفاق مستحب لکھتے ہیں :

**و يستحب الغسل و التطيب لقراء ة حديثه و روايته و استماعه و أن يقرء على مكان مرتفع عال .**

یعنی حدیث شریف پڑھنے اور سننے کے لیے غسل کرنا اور خوشبو کا استعمال مستحب ہے نیز یہ کہ حدیث مبارک کسی بلند وبالا مقام پر پڑھی جائے۔

امام مالک غسل کر کے نفیس کپڑے پہن کر چوکی پر بیٹھتے اور جب تک حدیث رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- پڑھتے برابر خوشبو کی دھونی سلگتی رہتی تھی۔

علامہ زرقانی لکھتے ہیں :

**و لا يزال يخبر بالعود حتى يفرغ من حديث رسول الله -صلى الله عليه وسلم- إجلالا له فإنه كان يحب الرائحة الطيبة فيجعل مجلس حديثه كمجلسه حيا -صلى الله عليه وسلم- .**

یعنی جب تک حدیث رسول اللہ کا درس ہوتا برابر عود سلگتی رہتی ، اور ایسا اس لیے ہوتا تھا تا کہ عظمت وجلال ظاہر ہو کیوں کہ خود رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- عمدہ خوشبو پسند فرماتے تھے اسی وجہ سے آپ کی مجلس حدیث بھی ویسی ہی خوشبودار کرتے تھے جیسی ظاہری زندگی میں آپ کی مجلس خوشبودار اور پاکیزہ ہوتی تھی۔

زرقانی نے لکھا کہ امام مالک جو کچھ حدیث رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی یہ تعظیم کرتے تھے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ سب سعید بن مسیّب تابعی کے عمل کے موافق کرتے تھے۔ بھلا جن امور کی اسناد تابعین اور تبع تابعین سے ملتی ہو اس پر طعن کرنا کیسی کج فہمی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب کرے۔ اوران امور کا ثبوت ایک دوسری حدیث سے اوپر بھی گزر چکا ہے۔

**اعتراض ثانی:** قصائد واشعار بہت خوش الحانی سے بنا کر پڑھتے ہیں۔

**جواب:** یہ ہے کہ آواز کو مزین کرنا شرع میں مطلوب ہے :

**زَيِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِأَصْوَاتِكُمْ .** (١)

---

(١) سنن ابوداؤد: ۴/ ۲٦٧ حدیث: ١٢٥٦......سنن ابن ماجہ: ۴/ ۲۴۰......مشکوٰۃ المصابیح: ١/ ۴٩٧ حدیث: ٢١٩٩...... مسند احمد: ۳٧/ ۴۵۰ حدیث: ١٧٧٦٣......سنن کبریٰ بیہقی: ۲/ ۵۳......مصنف عبدالرزاق: ۲/ ۴۸۴ حدیث: ۴١٧۵ ......سنن کبریٰ نسائی: ١/ ۳۴۸ حدیث: ١٠٨٩......مستدرک: ۵/ ١٦۴ حدیث: ۲۰۵۴......معجم اوسط طبرانی: ١۵/ ۴۸۸ حدیث: ٧۴۲١......شعب الایمان: ۵/ ١۵٦ حدیث: ۲۰٧۳......سنن دارمی: ١٠/ ۴١۲ حدیث: ۳۵٦۴......مستخرج ابوعوانہ: ۸/ ٢٧١ حدیث: ۳١۵٩......مسند ابویعلی موصلی: ۴/ ۲۵٦ حدیث: ١٦۵۰......صحیح ابن حبان: ۳/ ۴٩۲ حدیث: ٧۵۰......صحیح ابن خزیمہ: ٦/ ١۸ حدیث: ١۴٦۵......معرفۃ السنن والآثار: ١٦/ ۲٩ حدیث: ٦١٦۳......مسند الشامیین: ۳/ ٦۲ حدیث: ٧۴٩......مسند طیالسی: ۲/ ۳١۳ حدیث: ٧٦٧......موارد الظمآن: ١/ ١٧۲......اخلاق حملۃ القرآن آجری: ١/ ۸۸ حدیث: ٧٧......مسند بزار: ۳/ ۲۵٧ حدیث: ٩۲٦......سنن صغیر بیہقی: ۲/ ۴۳۳ حدیث: ٧٩۲...... الضعفاء الکبیر عقیلی: ٧/ ۴۸٧ حدیث: ١٧٩۴......خلق افعال العباد: ١/ ٩٧ حدیث: ٩۲......طبقات المحدثین: ۴/ ١١۰ حدیث: ١۰٩٦......فضائل القرآن قاسم بن سلام: ١/ ۲۰۵ حدیث: ١۸۴......فوائد العراقیین: ١/ ۴٧ حدیث: ۳۲...... فوائد تمام: ۲/ ۴۸٩ حدیث: ٩۸٩......مختصر قیام اللیل محمد بن نصر مروزی: ١/ ١٩۳ حدیث: ١۵۰......مسند ابن الجعد: ۴/ ۳٧٦ حدیث: ١٦٧۸......مسند الرویانی: ١/ ۴۰٩ حدیث: ۳۵۰......معجم ابویعلی موصلی: ١/ ١٦۸ حدیث: ١۵۸......

یعنی اپنی خوش آوازی سے قرآن کو زینت دو۔

اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے، نیز دارمی میں ہے :

فَإِنَّ الصَّوتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْاٰنَ حُسْناً . (۱)

یعنی خوش آوازی کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے قرآن کا حسن و جمال بڑھ جاتا ہے۔

---

بقیہ: معجم ابن الاعرابی:۲۷۹/۲حدیث:۸۷۷......معجم ابن المقریٔ:۲۱۳/۲حدیث:۷۰۹......مجمع الزوائد:۲۴۹/۲......المقاصدالحسنۃ:۱۲۷/۱......الجوہرالنقی ابن ترکمانی:۲۲۹/۱۰......کنزالعمال:۶۰۵/۱حدیث:۲۷۶۶......التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر: ۳۴/۶حدیث: ۲۶۵۰......المسند الجامع: ۳۰۸/۶ حدیث: ۱۷۷۶......تحفۃ الاشراف:۳۷۲/۳حدیث: ۱۷۷۵......تخریج احادیث الاحیاء:۳۸۱/۲حدیث:۸۸۱......الترغیب والترہیب:۲/ ۸۴حدیث:۱۴۴۹......صفۃ الصلوۃ:۱۲۵/۱......علل الدارقطنی:۱۴۸/۱۰حدیث:۱۹۳۹......فتح الباری:۱۰۶/۲۱......شرح ابن بطال:۲۲۴/۲۰......شرح النووی:۱۴۴/۳حدیث:۱۳۱۸......سرح سنن نسائی:۲۲۳/۲حدیث:۱۰۰۵......حاشیۃ السندی علی ابن ماجہ: ۱۳۵/۳حدیث: ۱۳۲۳......الدیباج علی مسلم: ۳۹۲/۲ ...... تفسیر قرطبی: ۱۱/۱......تفسیر رازی:۵۵/۱......اضواءالبیان:۴۷۶/۸......الاتقان فی علوم القرآن:۱۲۸/۱......فضائل القرآن وتلاوتہ:۸/۱......فضائل القرآن:۹/۱......التغنی بالقرآن:۲۶/۱......تاریخ القرآن الکریم:۲۰۳/۱......التبیان:۱۰۷/۱......احکام القرآن جصاص: ۳۶۹/۷......جامع الرسائل:۱۶۳/۱......شرح الطحاویہ:۳۶۴/۱......فیض القدیر:۵۱۲/۳......بحر الفوائد مسمیٰ بمعانی الاخیار کلاباذی:۱۷/۱حدیث:۴۶......مجمع الانہر: ۲۰۵/۸ -فصل فی المتفرقات-......شرح مختصر خلیل خرشی:۱۰۸/۳-فصل فی الاذان-......حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر:۱۶۰/۳-فصل فی سجود التلاوۃ-......حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر: ۲۰۹/۲-مکروہات سجود التلاوۃ-......منح الجلیل شرح مختصر خلیل: ۲۲۷/۲-فصل فی سجدۃ التلاوۃ-......المجموع: ۲۴۲/۲۰......اسنی المطالب: ۳۴۲/۱-فصل مایحرم بالحدث-......الشرح الکبیر ابن قدامہ:۱/ ۵۲۶...... کشف القناع عن متن الاقناع: ۲۸۸/۳-فصل حفظ القرآن-......مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی:۲۵۶/۳......المغنی:۳۴۶/۲......الفتاویٰ الکبریٰ:۱۶۷/۳......احیاء علوم الدین:۱۳۳/۲-الوجد-......حلیۃ الاولیاء:۲۷۲/۲......قوت القلوب:۸۳/۱......المدخل:۷۱/۱......زادالمعاد:۴۶۳/۱......لسان المیزان:۷۳/۱......سیر اعلام النبلاء:۱۰۱/۱۳......میزان الاعتدال:۱۵۸/۲......تاریخ دمشق: ۳۳۴/۳۷......الکامل لابن عدی:۲۰۹/۴...... تاریخ ابن معین۔الدوری:۱۶۶/۲......المعرفۃ والتاریخ:۲۰۳/۱......تاریخ بغداد: ۲۹۳/۲......تاریخ یحییٰ بن معین:۱۱۰/۱......البدایہ والنہایہ:۳۶۱/۱۰......الاغانی:۴۳/۵......تنبیہ الغافلین وارشاد الجاہلین:۴۸/۱......الفائق فی غریب الحدیث والاثر:۸/۱......المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر:۹۰/۷......لسان العرب:۲۰۱/۱۳......تاج العروس:۸۵۲۸/۱......النہایہ فی غریب الاثر:۸۱۹/۲......جمہرۃ انساب العرب:۷۳۹/۳۔

(۱) مشکوٰۃ المصابیح:۴۹۹/۱حدیث:۲۲۰۸......مستدرک: ۲۱۷/۵حدیث: ۲۰۸۳......شعب الایمان:۱۵۷/۵حدیث: ۲۰۷۴......سنن دارمی: ۴۱۰/۱۰حدیث:۳۵۶۵ ...... کنزالعمال: ۶۰۵/۱ حدیث: ۲۷۶۶......التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر: ۳۴/۶حدیث: ۲۶۵۰......حاشیۃ السندی علی ابن ماجہ: ۱۳۵/۳حدیث: ۱۳۲۳......فیض القدیر: ۵۱۲/۳......المغنی: ۴۰۵/۳-فصل القراءۃ بالالحان-......فوائد تمام: ۴۸۹/۲حدیث: ۹۸۹......مختصر قیام اللیل محمد بن نصر مروزی:۱۹۳/۱حدیث:۱۵۰......طبقات المحدثین:۱۱۰/۴حدیث:۱۰۹۶......معجم ابن الاعرابی:۵۰/۴ حدیث:۱۵۴۳......المقاصد الحسنہ :۱۲۷/۱......المسند الجامع:۳۱۰/۶حدیث:۱۷۷۷۔

خود اس فریق کے مسلم الثبوت عالم ربانی مجدد الف ثانی مکتوبات کی جلد ثالث میں فرماتے ہیں:

دیگر در باب مولود خوانی اندراج یافتہ بود در نفس قرآن خواندن بصوت حسن و در قصائد نعت و منقبت خواندن چہ مضائقہ است ممنوع تحریف و تغییر حروف قرآن است و التزام رعایت مقامات نغمہ و تردید صوت بآں بطریق الحان باتصفیق مناسب آں کہ در شعر نیز غیر مباح است۔ انتہیٰ۔

یعنی دوسرا میلاد خوانی کے سلسلہ میں مندرج تھا کہ نفس قرآن اور نعت و منقبت کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، ہاں! قرآن کی تحریف اور اس کے حروف کی تبدیلی حرام ہے۔ نغمہ اور آواز کے اتار چڑھاؤ کی رعایت کا خوش آوازی اور تالی کے ساتھ التزام شعر میں بھی غیر مباح ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خوش آوازی سے میلاد پڑھنا جائز ہے۔ ہاں! تالی بجانا اور راگنی کے قواعد کی رعایت نہیں ہونی چاہیے۔ یہ ان کا قول ہے۔

علامہ قسطلانی ''مواہب لدنیہ'' میں لکھتے ہیں :

و الحق ان السماع إذا وقع بصوت حسن بشعر متضمن للصفات العلية أو النعوت النبوية المحمدية عريا عن الآلات المحرمة ..... و أثار كامن المحبة الشريفة العلية ..... كان من الحسن في غاية و لتمام تزكية النفس نهاية –إلى آخره– (۱)

یعنی سچی بات یہ ہے کہ حرام آلات سے پاک، سماع جب خوبصورت لب و لہجہ، صفات محمودہ و نعت ہائے محمدیہ اور عظمت مصطفیٰ کو اجاگر کرنے والے اور پاکیزہ محبت کو ابھارنے والے اشعار پر مشتمل ہو تو اس کا پڑھنا صحیح ہے اور اس سے نفس کی پاکیزگی کا پورا پورا سامان بھی ہوگا۔ اور ایسا کرنا نہایت خوب اور بے پناہ تزکیہ نفس کا باعث ہے۔

نیز مولوی اسماعیل صاحب ''صراطِ مستقیم'' کے اندر -حب عشقی کے بیان میں- لکھتے ہیں :

از جملہ مویدات آں استماع الحان خوش و اصوات دلکش و قصص شوق آمیز و اشعار عشق انگیز ست۔ انتہیٰ۔

یعنی خوش الحانی، دلکش آوازی، شوق آمیز قصے اور عشق انگیز اشعار اُس استماع کے جملہ مویدات میں سے ہیں۔

---

(۱) مواہب اللدنیہ: ۵۰۳/۴۔ مرکز اہلسنّت برکات رضا، گجرات۔

اب مولوی اسماعیل صاحب کے دادا پیر شاہ عبد العزیز صاحب - رحمۃ اللہ علیہ - کا کلام ملاحظہ فرمائیں کہ وہ سماع کو درست فرماتے ہیں۔ وسیلۃ النجاۃ یعنی شاہ بخارا سے مسئولہ دس سوالات کے جواب میں فرماتے ہیں :

جواب سوال ثامن آں کہ قال السرخسي في البديع : و السماع في أوقات السرور تاكيداً للسرور مباح إن كان ذلك السرور مباحا كالغناء في أيام العيد و في العرس و في وقت مجيء الغائب و وقت الوليمة و العقيقة و عند الولادة و الختانة و ختم القرآن .

یعنی آٹھویں سوال کا جواب یہ ہے کہ امام سرخسی نے بدیع میں فرمایا: خوشی کے وقت میں خوشیاں دوبالا کرنے کے لیے گانا سننا درست ہے بشرطیکہ وہ خوشی بھی درست ہو۔ جیسے کہ عید و شادی کے دنوں میں، پردیس سے آئے ہوئے کی خوشی میں ، ولیمہ وعقیقہ کے وقت اور ولادت وختنہ اور ختم قرآن کے وقت۔

یاد رکھیں کہ خود رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - خوش آوازی کو پسند فرماتے تھے۔ روایت ہے کہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - نے ابوموسیٰ اشعری کی قراءت سنی تو فرمایا :

لَقَدْ أُوْتِيَ هٰذَا مِزْمَاراً مِنْ مَزَامِيْرِ آلِ دَاوُدَ . (١)

بلاشبہ اِسے آل داؤد کی بانسریوں میں سے کوئی بانسری عطا ہوئی ہے۔ یعنی حضرت داؤد جو کہ کمالِ خوش آواز تھے ان کی آوازوں میں سے ابوموسیٰ کو آواز ملی ہے۔

(١) سنن ابن ماجہ: ٢٣٩/٤ حدیث: ١٣٣١ ...... سنن کبریٰ بیہقی: ١٢/٣ ...... مصنف عبد الرزاق: ٤٨٥/٢ حدیث: ٤١٧٨ ...... سنن کبریٰ نسائی: ٣٤٩/١ حدیث: ١٠٩٤ ...... اخبار مکہ فاکہی: ٤٠٤/٤ حدیث: ١٦٧٠ ...... مستدرک: ١٢١/١٨ حدیث: ٧٨٦٥ ...... معجم کبیر طبرانی: ١٣٩/٦ حدیث: ٦١٩٤ ...... شعب الایمان: ١٦٤/٥ حدیث: ٢٠٨١ ...... سنن دارمی: ٣٧٨/٤ حدیث: ١٥٤١ ...... مستخرج ابوعوانہ: ١٦٩/٨ حدیث: ٣١٥٦ ...... صحیح ابن حبان: ٤٢٠/٢٩ حدیث: ٧٣١٨ ...... مسند عبد بن حمید: ١٠٢/٤ حدیث: ١٤٨٠ ...... مشکل الآثار: ١٦٣/٣ حدیث: ٩٨١۔

صحیحین وغیرہ میں یوں آیا ہے، اور بعض کتابوں میں اوتیت کی جگہ اعطیت بھی مذکور ہے :

لقد أوتيت مزمارا من مزامير آل داود . ( صحیح بخاری: ٤٧٠/١٥ ...... صحیح مسلم: ٢٠٨/٤ حدیث: ١٣٢٢ ...... سنن ترمذی: ٣٥٢/١٢ حدیث: ٣٧٩٠ ...... مشکوٰۃ: ٣٥٢/٣ حدیث: ٦١٩٤ ...... مسند احمد: ١٢٤/٤٩ حدیث: ٢٢٩٦٨)

ایک روایت میں یوں بھی آیا ہے :

إنه يقرأ على مزمار من مزامير آل داود . (مسند ابویعلی موصلی: ١٢٤/٩ حدیث: ٣٩٨٦)

جب یہ خبر ابوموسیٰ -رضی اللہ عنہ- کو پہنچی تو انھوں نے عرض کی :

**يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! لَوْ عَلِمْتُ أَنَّكَ تَسْمَعُ لَحَبَّرْتُهُ لَكَ تَحْبِيراً .** (۱)

یعنی اے اللہ کے رسول! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ میری قراءت سماعت فرما رہے ہیں تو میں خوب ہی بنا کر پڑھتا۔

غرض کہ اچھی آواز اور خوش الحان ہر سلیم الطبع کو پسند ہے مگر جو لوگ بلید الطبع اور ٹھنڈ مزاج ہیں وہ اس کی قدر کیا جانیں!۔

علامہ قسطلانی نے مواہب میں لکھا ہے :

**و هذا الجمل مع بلادة يتأثر بالحداء تأثيرا يمد عنقه و يصغي سمعه إلى الحادي فمن لم يحركه فهو فاسد المزاج بعيد العلاج .**

یعنی یہ اونٹ بے شعور اور کند طبیعت ہونے کے باوجود حدی خوانوں کے گانوں سے متاثر ہوکر اپنی گردنیں بڑھاتے ہیں اور گانے والوں کی طرف اپنا کان لگا دیتے ہیں ،تو پھر اگر کوئی ایسا ہو کہ گانے سے اس کا دل ذرا بھی نہ بہلے تو سمجھ لو کہ اس کا مزاج بگڑا ہوا ہے اور اس کا علاج بہت مشکل ہے۔

اسی معنی میں سعدی شیرازی -رحمۃ اللہ علیہ- فرماتے ہیں ؎

اشتر بشعر عرب در حالت است وطرب
گر ذوق نیست ترا کج طبع جانوری

جب منکرین سے کسی طرح خوش آوازی رد نہیں ہوسکتی تو کہتے ہیں کہ بے ریش لڑکوں سے قصائد و مدح پڑھواتے ہیں ۔اور براہین قاطعہ صفحہ ۹ میں لکھا ہے :

دیکھو درمختار میں امرد صبیح کی امامت کو مکروہ لکھا ہے تو مجلس میں مدح خوانی کب درست ہوگی؟۔انتہیٰ۔

**جواب:** ہزاروں محافل میلاد ایسی ہوتی ہیں کہ جنھیں جوان علما و صلحا اور قراء و حفاظ پڑھتے ہیں اور لڑکوں کے پڑھنے کی نوبت بھی نہیں آتی ۔منکرین ان سب کو چھوڑ کر ایسی محفل کو زبان پر

---

(۱) سنن کبریٰ بیہقی: ۱۲/۳......شعب الایمان: ۱۲۸/۶ حدیث: ۲۴۹۸......معرفۃ السنن والآثار: ۳۰/۱۶ حدیث: ۶۱۶۴......تفسیر قرطبی: ۱۱/۱......مجمع الزوائد: ۲۴۹/۳......المطالب العالیہ: ۱۵۰/۱۰ حدیث: ۳۵۷۷......روضۃ المحدثین: ۲۶۵/۱۲ حدیث: ۵۷۶۵۔

لائے کہ جس میں بعض لڑکوں کی مدح خوانی بھی ہوئی، تو پہلے تو یہ بات خود قابل استدلال نہیں یعنی کسی مجلس میں لڑکوں کے پڑھنے سے علی العموم جملہ مجالس میلاد پر طعن نہیں کیا جا سکتا، اس سے قطع نظر ہم کہتے ہیں کہ مانعین کے پاس کوئی سند ایسی نہیں جس میں صراحۃً یہ مذکور ہو کہ بالغ یا نابالغ لڑکوں کا نعت پڑھنا ناجائز ہے، ناچار قیاس کی ضرورت محسوس ہوئی تو امرد کی امامت کا مسئلہ پیش کر دیا تو اب اس کی حقیقت سنیں۔

ابوالمکارم شرح نقایہ نیز دیگر کتب فقہ میں ہے کہ لڑکا جب تک پورا بالغ نہ ہو جائے' اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم یہ ہے :

**في النفل صح عند محمد –رحمه الله – و لم يصح عند أبي يوسف –رحمه الله–**

یعنی امام محمد کے نزدیک نابالغ کے پیچھے نوافل ہو جاتی ہیں اور امام ابو یوسف کے نزدیک نہیں ہوتیں۔

کافی میں ہے :

**قال مشائخ بلخ جاز الإقتداء بالصبي في التراويح و السنن المطلقة و النوافل .**

یعنی بلخ کے بڑے بڑے علما نے فرمایا کہ نابالغ لڑکے کے پیچھے نماز تراویح، اور مطلق سنتوں اور نفلوں کا پڑھنا جائز ہے۔

خلاصہ میں ہے :

**جوزها في التراويح مشائخ خراسان و به نأخذ و عن الشافعي –رحمه الله– انها يجوز في الفرائض أيضا .**

یعنی خراسان کے مشائخ کرام نے نابالغ کے پیچھے نماز تراویح کو جائز رکھا ہے اور اسی پر ہمارا بھی عمل ہے۔ جب کہ امام شافعی -رحمۃ اللہ علیہ- فرماتے ہیں کہ ان کے پیچھے فرض تک جائز ہے۔

جو علما ناجائز کہتے ہیں -اور یہی صحیح ہے- تو ان کی دلیل یہ نہیں کہ نابالغوں کو جہر کے ساتھ پڑھنا اور اس کا سننا مفسد صلوٰۃ ہے بلکہ بالاتفاق یہ دلیل قائم کرتے ہیں کہ نابالغ پر نماز فرض نہیں اور اس کے پیچھے پڑھنے والے بالغوں پر فرض ہے؛ لہٰذا فرض اپنی قوت اور شان کے سبب غیر

فرض ضعیف پر بنا نہیں ہوسکتا۔ جب منع کی دلیل یہ ہے تو نابالغوں کی نعت خوانی اس پر قیاس نہیں کی جاسکتی کیوں کہ یہ ایک دوسری چیز ہے؛ تو چاہیے کہ وہ بالاتفاق جائز ہو، یہ حال تو نابالغ کا تھا۔ اور جب لڑکا بالغ ہوگیا پھر تو اس میں کسی کا کچھ اختلاف نہیں بلکہ اس کے پیچھے فرض ونفل بالاتفاق جائز ہیں؛ اس لیے کہ بالغ پر احکام فرض ہوجاتے ہیں تو اب فرض پر فرض کی بنا صحیح ہے۔

قہستانی شرح نقایہ میں ہے :

**و يقتدى ببالغ غير ملتح .**

یعنی بالغ بے ریش کی اقتدا کی جاسکتی ہے۔

درمختار میں جو کراہت ثابت کی ہے تو شارح درمختار شامی نے کھول دیا ہے :

**الظاهر أنها تنزيهية .** (۱)

یعنی یہ کراہت تنزیہی ہے۔

مکروہ تنزیہی کے بارے میں صدر الشریعہ -رحمہ اللہ- نے لکھا ہے :

**و أما المكروه كراهة تنزيه فإلى الحل أقرب اتفاقا .** (۲)

یعنی جو چیز مکروہ تنزیہی ہوتی ہے وہ متفقہ طور پر حلال ہونے سے قریب تر ہوتی ہے۔

فاضل چلپی نے لکھا :

**و أما عند محمد فهو ما كان تركه أولىٰ مع عدم المنع عن الفعل .**

یعنی امام محمد -رحمۃ اللہ علیہ- کے نزدیک مکروہ تنزیہی وہ ہے جس کا چھوڑ دینا بہتر ہو مگر ہاں! اس کا کرنا منع نہیں ہوتا۔

فتح القدیر وغیرہ میں بھی مکروہ تنزیہی کو خلاف اولیٰ قرار دیا ہے۔ بھلا جب یہ بات مانعین کے نزدیک اس درجہ کی کراہیت میں تھی کہ اگر کی جائے تو گناہ بھی نہیں بلکہ حلت کی طرف اقرب ہے- جیسا کہ صدر الشریعہ اور چلپی سے معلوم ہوا- تو ایسی صورت میں انھوں نے باہمی جنگ وجدال اور مخاصمت ونزاع کیوں پیدا کیا جو کہ بالاتفاق حرام ہے۔ اور یہ اختلاف بھی باقی ہے کہ وہ امرد کی امامت کی کراہت تنزیہی کس وجہ سے ہے۔

---

(۱) ردالمحتار: ۴/۲۴۵- باب الامامۃ-

(۲) درمختار: ۵/۶۵۲۔

بعض علما نے لکھا کہ وہ اس وجہ سے مکروہ ہے کہ ایسی عمر والے اکثر مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں اور لوگ ان کی امامت سے نفرت کیا کرتے ہیں۔ بعض نے اس کی کراہت کی وجہ یہ بیان کی کہ امرد کے آگے کھڑے ہونے سے اندیشہ ہے کہ شاید لوگوں کو شہوت پیدا ہو جائے ۔ یہ دونوں تعلیل فقیہ شامی نے بحث امامت میں لکھی ہے۔

شق اول کے موافق' نعت خوانی کے منع کا قیاس بالکل جاتا رہا اور ظاہر ہے کہ اگر امرد کی آواز کراہت کا باعث ہوتی تو جہری نمازیں مکروہ ہوتیں اور سری قراءت کی نمازیں مکروہ نہ ہوتیں مگر ایسا ہے نہیں بلکہ علی العموم' جہری و سری ہر نماز مکروہ ہے، تو یہ کراہت آواز کے باعث نہ ہوئی۔ لہٰذا اس تقریر سے ان کی آواز' ضابطہ منع میں داخل نہیں ہے؛ پھر ان کی مدح خوانی کیوں منع ہو۔

اب باقی رہی دوسری شق کہ یہ کراہت مقتدیوں کو شہوت کا احتمال پیدا ہو جانے کی وجہ سے ہے تو اس صورت میں قیاس علی الامامت کی ہم ممانعت کرتے ہیں؛ اس لیے کہ مجلس کا امام ہم اس کو قرار دیتے ہیں جو میلا دخواں ہوتا ہے اور منبر یا چوکی پر بیٹھ کر پڑھتا ہے، تو جس طرح ایک امام اپنی قوم پر مقدم ہے، اسی طرح وہ میلا دخواں مجلس پر مقدم اور عالی مقام پر بیٹھا ہے۔ اور حلقہ مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگ مقتدیوں سے مشابہت رکھتے ہیں؛ تو حلقہ مجلس میں اگر کسی بالغ یا نابالغ لڑکے نے نعت پڑھی تو اس کی نظیر یہ ہے کہ جب مسجد میں مرد و عورت، لڑکے اور مخنث سب نماز کے لیے جمع ہو جائیں تو شرع میں ان کا حکم یہ ہے :

و یصف الرجال ثم الصبیان ثم الخناثیٰ ثم النساء . (۱)

یعنی امام پہلے مردوں، ان کے پیچھے بچوں، ان کے پیچھے مخنثوں اور پھر ان کے پیچھے عورتوں کو صف باندھنے کا حکم دے۔

دیکھیے مخنث، عورت اور لڑکوں کو شرع میں مسجد سے نکال دینے کا حکم نہیں دیا گیا، ہاں! اگر کوئی ان کو امام بناتا تو منع کا حکم دیا جاتا۔ جب بات یہ ٹھہری کہ امام تو وہی ہے جو قابل امامت ہے۔ باقی مسجد کے اندر صف اقتدا میں جو لوگ اپنے طور پر تسبیح و تحمید اور تشہد وغیرہ پڑھ رہے ہیں وہ سب حکم جواز میں داخل ہیں خواہ عورتیں ہوں خواہ بالغ و نابالغ لڑکے۔ اسی طرح محفل میلاد کے حلقے میں جس طرح تمام آدمیوں کی زبان پر درود شریف وغیرہ کے کلمات جاری ہیں تو ان میں سے کسی امرد بالغ (یا نابالغ) نے نعت شریف بھی پڑھ دی تو جائز ہے، اس کو امامت پر قیاس کرنا ہم تسلیم نہیں کرتے۔ ہاں! مقتدیوں کی حالت اقتدا پر قیاس کرنا -جیسا کہ ابھی بیان کیا- ہم مانتے ہیں اور یہ بالاتفاق جائز ہے۔

(۱) درمختار: ۱/۶۱۵...... ردالمحتار: ۴/۲۶۸ - باب الامامۃ -

## دیکھنے کے مسائل :

اب ہم مسئلہ نظر بھی لکھتے ہیں :

واضح ہو کہ امرد کا شہوت سے دیکھنا مکروہ اور بلاشہوت دیکھنا درست ہے۔ یہ بھی درمختار میں مذکور ہے جس سے مولف براہین نے سند پکڑی ہے۔ عبارت یوں ہے :

**فإنه يحرم النظر إلى وجه الأمرد و إذا شك في الشهوة أما بدونها فمباح و لو جميلا .**

یعنی شہوت کا شبہہ ہو تو کسی امرد بے ریش لڑکے کو دیکھنا حرام ہے، اور اگر شہوت کا خطرہ نہ ہو تو درست ہے گرچہ وہ خوبصورت ہی کیوں نہ ہو۔

اُسی درمختار کے مسائل نظر میں لکھا ہے :

**(و ينظر الرجل من الرجل) و من غلام بلغ حد الشهوة و لو أمرد صبيح الوجه . (۱)**

یعنی ایک مرد دوسرے مرد کا بدن اور شہوت کی حد تک پہنچے ہوئے لڑکے کو دیکھ سکتا ہے، گرچہ وہ بے ریش اور بلا کا حسین ہو۔

شارح درمختار فقیہ شامی - رحمۃ اللہ علیہ - نے ستر عورت کے بیان میں لکھا ہے :

**و أجمعوا على جوازه بغير قصد اللذة و الناظر مع ذلك آمن الفتنة . (۲)**

یعنی علماے کرام کا اس پر اجماع ہے کہ بلاقصد شہوت' امرد کو دیکھنا جائز ہے مگر ہاں! دیکھنے والا فتنہ سے محفوظ بھی ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ بلاشہوت دیکھنا بالاجماع جائز ہے۔ نیز شامی نے مسائل نظر میں لکھا :

**و أما الخلوة و النظر إليه لا عن شهوة فلا بأس به و لهذا لم يؤمر بالنقاب . (۳)**

---

(۱) درمختار: ۵/۶۸۱۔

(۲) ردالمختار: ۳/۲۶۰ - مطلب فی ستر العورۃ -

(۳) ردالمختار: ۳/۲۶۰ - مطلب فی ستر العورۃ -

یعنی امرد کو خالی مکان میں لے کر بیٹھنا اور بلاشہوت اس کی صورت دیکھتے رہنے میں کوئی حرج نہیں اور یہی وجہ ہے کہ امرد کو پردے کا حکم نہیں ہے۔

بھلا جب امرد کے ساتھ خلوت جائز ہوئی تو مجمع عام میں بیٹھنا کیوں جائز نہ ہوگا!۔اپنے شیخ الشیوخ یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے پیرانِ پیر شمس الدین ابوالخیر بن جزری -رحمۃ اللہ علیہ- کو بھول گئے، وہ فرماتے ہیں:

میں -۷۸۵ھ-(1383ء) میں بادشاہِ مصر کی محفل میلاد شریف میں شریک ہوا۔ مجھے خوشی ہوئی، اس میں پچیس حلقے تو صرف نوآموز قاری لڑکوں کے موجود تھے۔

ابن جزری کا یہ قصہ ملاعلی قاری نے ''موردالروی''، اور ابوسعید بورانی نے ''میلاد فارسی'' میں لکھا ہے-جیسا کہ اوپر اس کی تفصیل گزر چکی-

ہاں! یہ بات ثابت ہے کہ متقی اور محتاط لوگوں نے امردوں پر نظر کرنے سے احتیاط فرمائی ہے۔ چنانچہ فقیہ شامی کی تحریر کے مطابق ہمارے پیشوا جناب امام اعظم-عطر اللہ تربتہ- امام محمد-رحمۃ اللہ علیہ-کو کسی ستون کے پیچھے یا اپنے پس پشت بٹھا کر درس دیا کرتے تھے؛ کیوں کہ آپ نہایت خوبرو اور حسین تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ امرد خوب رو کے ساتھ ہم کلامی کرنا اور اس کی آواز کا سننا تو منع نہیں مگر صورت دیکھنے میں احتیاط اولیٰ ہے۔تو محفل میلاد شریف کے کسی گوشہ میں اگر کوئی امرد بھی حاضر ہو اور کچھ پڑھے تو منع نہیں، ہاں محتاط آدمی اپنی نظر کو بچائے رکھیں تو اچھی بات ہے۔

طرفہ ماجرا یہ ہے کہ حضرات مانعین -جو امردوں کی بابت امر بالمعروف فرمارہے ہیں- اپنے مکتبوں اور مدرسوں میں خوب رو اور حسین امرد لڑکوں کو بھی سبق دیتے ہیں؛ تو وہاں کسی کو امام اعظم-رحمۃ اللہ علیہ-کا تقویٰ نہیں یاد آتا کہ شاگرد کو آنکھوں سے جدا کر کے کسی ستون کی آڑ میں یا پس پشت بٹھا کر سبق پڑھائیں۔

کیوں صاحب! آپ تو تعلیم شریعت کے منصب پر بیٹھ کر اس حالت میں بھی اس تقویٰ کو یاد نہ فرمائیں اور محفل میلاد میں اگر کسی لڑکے نے نعت شریف پڑھ دی تو اس کی ناک میں دم کر دیں، کیا انصاف اسی کا نام ہے-اللہ اللہ-

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ ۔ (۱)

(۱) سورۂ بقرہ:۲/۴۴۔

کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو بھولتے ہو۔

خوب یاد رکھنا چاہیے کہ مانعین جو اندیشہ شہوت صرف لڑکوں کی نسبت ثابت کرتے ہیں، وہ ڈاڑھی والوں اور بدشکل کالے کلوٹوں میں بھی موجود ہے۔ فقیہ شامی-فرض سترعورت- کے بیان میں لکھتے ہیں :

**و هذا شامل لمن نبت عذارُه بل بعض الفسقة يفضِّله على الأمرد خالي العذار .** (۱)

یعنی یہ حکم کہ شہوت کے ساتھ عورت اور لڑکوں کی طرف دیکھنا منع ہے تو یہ اس کو بھی شامل ہے جس کے گال پر سبزہ خط نکل آیا ہو بلکہ بعض فاسق تو ڈاڑھی والوں کو ایسے لڑکوں سے بہتر سمجھتے ہیں جن کے گال بالکل صاف ہوں۔ تو اس تقریر سے ڈاڑھی والوں کا دیکھنا بھی منع ٹھہرا۔

پھر دو سطر کے بعد لکھا :

**و المراد من كونه صبيحا أن يكون جميلا بحسب طبع الناظر و لو كان أسودَ لأن الحسن يختلف باختلاف الطبائع .** (۲)

یعنی اس کے خوب رو ہونے سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ دیکھنے والے کے جی کو بھلا لگتا ہو چاہے حقیقت میں وہ کالا بدصورت ہی کیوں نہ ہو کیوں کہ حسن کا پسند آنا طبیعتوں پر موقوف ہوتا ہے کسی کو کچھ پسند آیا کسی کو کچھ۔ تو اس تقریر سے کالے بدشکل کا دیکھنا بھی حرام رہا۔

جب بعض مغلوب الشہوۃ ایسے بھی ہوئے کہ ان کو مستی کے دھن میں نہ ڈاڑھی کا خیال نہ رنگ و بے رنگ کا امتیاز تو معلوم نہیں ایسے بہائم سیرت لوگوں کے اندیشہ سے میلاد و وعظ و نکاح کی مجلس، مدارس اور دستار بندی کے جلسے وغیرہ کے مجمع کو- جو امرد و غیر امرد کے اختلاط سے غالبًا خالی نہیں ہوتے- کہاں کہاں تک مکروہات و محرمات میں شمار کیا جائے گا- الامان الامان-

فقہا و مفتیانِ دین نے یہ نہیں لکھا کہ امرد مساجد میں نہ آئیں، مجالس نکاح میں نہ جائیں، اور فرائض و سنن و نوافل مثلاً تراویح و استسقا و کسوف وغیرہ میں شریک نہ ہوں کہ شہوت پرستوں کی ان پر نظر پڑے گی، بلکہ صرف یہ لکھا کہ ان کا امام ہونا مکروہ ہے۔ لہٰذا ہم بھی ان کی امامت کو مکروہ قرار دے کر لکھتے ہیں کہ ان کا میلاد شریف کی مجلسوں میں شریک ہونا منع نہیں- اس سلسلے میں فقہی روایات نقل ہو چکی ہیں اور حضرت جزری- رحمۃ اللہ علیہ- کا ایسی مجلس میں شریک ہونا بیان ہو چکا ہے-

(۱) ردالمحتار: ۲۶۰/۳- مطلب فی ستر العورۃ-
(۲) نفس مصدر: ۲۶۰/۳- مطلب فی ستر العورۃ-

خود نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو جوان مرد وعورت اور تمام لڑکے خوش ہو ہو کر جا بجا پکارتے پھرتے تھے :

**جاء محمد رسول الله -صلى الله عليه وسلم- الله أكبر جاء محمد رسول الله -صلى الله عليه وسلم- رواه الحاكم في الإكليل عن البراء .**

یعنی- اللہ اکبر- محمد رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- جلوہ فرما ہو گئے۔ محمد رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- جلوہ آرا ہو گئے۔ حاکم نے اس کی روایت اکلیل میں براء سے کی ہے۔

اور اسی حالت میں بنو نجار سے چند لڑکیاں نکل کر حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کے سامنے آئیں اور دف بجا بجا کر یہ شعر پڑھتی تھیں۔

**نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ ☆ يَا حَبَّذَا مُحمّدٌ مِنْ جَــارِ (۱)**

یعنی ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں۔ محمد عربی -صلی اللہ علیہ وسلم- کیا خوب پڑوسی ہیں۔

یہ روایت محدث بیہقی اور ان کے استاد حاکم نے انس- رضی اللہ عنہ- سے نقل کی ہے۔

تو رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- کا گلیوں اور راہوں میں امرد و غیر امرد کا مجمع دیکھنا، لڑکیوں کا یہ شعر پڑھنا سننا اور پھر آپ کا منع نہ فرمانا صریح، دلیل جواز ہے۔ وہاں قدوم مبارک کی خوشی میں یہ باتیں وقوع میں آئیں اور یہاں یعنی مجلس میلاد میں حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- کے وجود مسعود کی ولادت کی خوشی میں ہو رہی ہیں۔

**اعتراض ثالث**: سلامی و جوابی مثل مجالس شیعہ کے معین کرتے ہیں۔

**جواب** : راقم کو مجالس شیعہ میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا کہ وہاں کے حال تفصیلا معلوم ہوں تاہم محافل میلاد شریف کے شامل ہونے میں بعض مواقع پر ایسا دیکھا گیا کہ میلاد خواں نے جب کوئی روایت ختم کی تو بعض حاضرین نے نظماً یا نثراً درود وسلام پڑھا، پھر میلاد خواں نے دوسری روایت پڑھی پھر ان لوگوں نے درود وسلام یا منقبت پڑھی، اگر سلامی جوابی اسی کا نام ہے تو یہ بات عرب میں اور خاص حرمین شریفین- زادہما اللہ شرفا وتعظیماً- میں کثرت سے رائج ہے، اور اہل حرمین جس قدر شیعہ سے نفرت کرتے ہیں وہ محتاج بیان نہیں؛ تو یہ ہرگز سمجھ میں نہیں آتا کہ جن سے

---

(۱) سنن ابن ماجہ: ۱۲/۶ حدیث: ۱۸۸۹...... دلائل النبوۃ بیہقی: ۳۶۷/۲ حدیث: ۷۵۵...... مسند ابو یعلی موصلی: ۴۲۹/۷ حدیث: ۳۳۱۵...... مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۳۳۸/۴...... مسند جامع: ۴۸/۵ حدیث: ۱۵۲۱...... تحفۃ الاشراف: ۱۲۷/۳ حدیث: ۵۱۱۔

عداوت اور مذہبی بے زاری ہو' اُن سے کوئی امر لے کر اپنی عبادات میں داخل کر لیں بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب نے یہ بات حضور تاجدار عرب وعجم-صلی اللہ علیہ وسلم-کے فعل سے استنباط کی ہے۔

صحیحین میں انس سے روایت ہے کہ مہاجرین وانصار صحابہ' خندق کھودتے، مٹی نکالتے اور زبان سے یہ پڑھتے جاتے تھے۔

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوا مُحَمَّداً ☆ عَلَى الْجِهَـادِ مَا بَقِيْنَا أَبَداً (۱)

یعنی ہم ہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے محمد-صلی اللہ علیہ وسلم-کے ہاتھوں پر اس اقرار کے ساتھ بیعت کر لی کہ تاحیات جہاد کرتے رہیں گے۔

اور نبی کریم-صلی اللہ علیہ وسلم-ان کے جواب میں پڑھتے تھے۔

اللّٰهُمَّ لاَ عَيْشَ إِلاَّ عَيْشُ الآخِرَهْ ☆ فَاغْـفِرِ الأَنْصَارَ وَ الْمُهَاجِـرَه (۲)

یعنی اے اللہ! عیش وآرام کی زندگی تو وہ آخرت ہی کی زندگی ہے تو ان انصار ومہاجرین کی مغفرت فرمادے۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۱۱۹/۱۰حدیث: ۲۷۴۱......صحیح مسلم: ۳۰۱/۹حدیث: ۳۳۷۰......مشکوٰۃ المصابیح: ۳۹/۳حدیث: ۴۷۹۳......مسنداحمد: ۳۱۷/۲۵حدیث: ۱۲۲۷۱......سنن کبریٰ بیہقی: ۴۳/۷......مستدرک:۴۴۸/۱۶حدیث: ۷۲۲۳......دلائل النبوۃ بیہقی: ۴۸۵/۳حدیث: ۱۲۹۴......مستخرج ابوعوانہ:۴۴۷/۱۳حدیث: ۵۵۸۵......مسند جامع:۲۳۶/۴حدیث:۱۲۸۰......مسندابویعلی موصلی:۴۳۶/۸حدیث:۳۸۰۸......صحیح ابن حبان:۱۰۹/۲۴حدیث:۵۸۸۳......مشکل الآثار طحاوی:۳۴۴/۷حدیث:۲۸۰۹......کنزالعمال:۴۵۶/۱۰حدیث:۳۰۱۰۴۔

بعض حدیثوں میں على الإسلام مابقينا أبدا، بعض میں على الجهاد ما حيينا أبدا، اوربعض میں على القتال مابقينا أبدا کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

(۲) صحیح بخاری: ۱۵۳/۱۲حدیث: ۳۵۱۱......صحیح مسلم: ۲۹۸/۹حدیث: ۳۳۶۷......سنن ترمذی: ۳۵۳/۱۲حدیث: ۳۷۹۱......مشکوٰۃ المصابیح:۳۹/۳حدیث:۴۷۹۳......مسنداحمد:۳۲۸/۲۶حدیث:۱۲۷۸۱......سنن کبریٰ بیہقی:۳۹/۹......مصنف عبدالرزاق: ۶۲/۱۱حدیث:۱۹۹۱۲......سنن کبریٰ نسائی: ۸۵/۵حدیث:۸۳۱۶......الاحاد والمثانی ابن ابی عاصم: ۲۱۷/۵حدیث: ۱۵۹۷......معجم کبیر طبرانی: ۴۵۰/۵ حدیث: ۵۷۴۲...... دلائل النبوۃ بیہقی: ۴۸۹/۳حدیث: ۱۲۹۸......شعب الایمان:۳۹۵/۲۱حدیث:۱۰۰۷۴......کنزالعمال:۴۵۶/۱۰حدیث:۳۰۱۰۴......مستخرج ابوعوانہ:۴۳۷/۱۳حدیث: ۵۵۷۵......مسندابویعلی موصلی: ۲۴۰/۷حدیث: ۳۱۲۷......صحیح ابن حبان:۱۰۹/۲۴حدیث:۵۸۸۳......مسند جامع:۲۳۶/۴حدیث:۱۲۸۰۔

بعض حدیثوں میں فارحم الانصاروالمهاجره، بعض میں فاصلح الانصار والمهاجره، اوربعض میں فاكرم الانصار والمهاجره کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

-كذا في المشكوٰة في باب البيان و الشعر - .

لہٰذا یہ بات قابل طعن نہیں ہاں! اگر موسیقی کے قوانین کی پابندی اور اہل فسق کے طریقہ پر نغمہ خوانی کریں تو یہ دوسری بات ہے۔ اہل اسلام اپنی مجالس میں فاسقوں کے طریقے کیوں پیدا کریں، اور اسی طرح اگر کوئی محض اپنی آواز کا حسن ظاہر کرنے کے لیے پڑھے اور دل میں اخلاص ہرگز نہ ہو تو یہ بھی ممنوع ہے۔ جیسے بعض خوش الحان قاری محض دکھاوے کے لیے مجمع میں قرآن پڑھنے لگتے ہیں بس اس نیت سے پڑھنا منع ہے، امورِ خیر میں اخلاص ضروری ہے۔

وَ مَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ . (۱)

اور لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں نرے اسی پر عقیدہ لاتے۔

لہٰذا اہل ایمان کو چاہیے کہ اخلاص مدنظر رکھیں نیز اپنی خوش الحانی کو فاسقوں کے قواعد موسیقی کا پابند نہ کریں، کیا فقہا - رحمہم اللہ - نے ان کے لیے جو جائز فرما دیا وہ تھوڑا ہے، مجمع البحار میں ہے:

بتحسين صوته و تحزينه .

یعنی خوش آوازی کے ساتھ سنوار کر اور پردرد لہجہ میں پڑھے۔

فسر الشافعي بتحسين القراء ة و ترقيقها .

یعنی امام شافعی - رحمۃ اللہ علیہ - نے اس کی تفسیر یوں کی کہ نرم آواز بنا کر اچھی طرح پڑھے۔

امام غزالی - رحمۃ اللہ علیہ - لکھتے ہیں :

و إنما اختلاف تلک الطريق بمد المقصور و قصر الممدود و الوقف في أثناء الكلمات و القطع و الوصل في بعضها ، و هذا التصرف جائز في الشعر و لا يجوز في القرآن . (۲)

یعنی خوش الحانی سے پڑھنے میں مختلف طریقے پیدا ہوتے ہیں کہ جہاں حروف مدہ نہ تھے وہاں کھینچ کر بڑھا دیا اور جہاں تھے وہاں گھٹا دیا، کلمات کے بیچ میں دم توڑ دیا، ایک کلمہ دوسرے کلمہ سے کہیں کاٹ دیا اور کہیں ملا دیا تو ایسا تصرف شعر میں جائز ہے مگر قرآن میں جائز نہیں۔

یہ احیاء العلوم کے - باب السماع - میں ہے۔

---

(۱) سورۂ بینہ: ۹۸/۵۔

(۲) احیاء علوم الدین: ۲/۱۳۶ - باب الوجد -

الحاصل! انصاف یہ چاہیے کہ جو کوئی بات علماے حقانی کے کلام سے جہاں تک ثابت ہو اس میں مانعین اعتراض نہ لائیں اور فاعلین قدم آگے نہ بڑھائیں۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لاَ تَغْلُوْا فِي دِيْنِكُمْ وَ لاَ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ إلاَّ الْحَقَّ . (۱)

اے کتاب والو! اپنے دین میں زیادتی نہ کرو اور اللہ پر نہ کہو مگر سچ۔

**اعتراض رابع**: محفل میں روشنی کرتے ہیں جو بدعت سیئہ اور حرام ہے۔

**جواب**: مجمع البحار کے خاتمہ میں روشنی کی کراہت کے سلسلہ میں یہ نقل کیا ہے کہ:

سب سے پہلے روشنی قوم برامکہ سے نکلی ہے جو آتش پرست تھے لیکن جب وہ مسلمان ہوگئے تو انھوں نے مسجدوں میں روشنی کر کے مسلمانوں کے ساتھ چراغوں کی طرف سجدے کیے اور ان کا مقصد آگ کو پوجنا تھا۔ انتہیٰ۔

میں کہتا ہوں: جن علما نے روشنی پر بدعت سیئہ ہونے کا حکم دیا ہے غالباً اسی روایت پر مبنی ہوگا حالاں کہ یہ روایت دو وجہ سے مخدوش ہے۔

اول یہ کہ علماے کرام نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کے وقت ہی سے روشنی کا ہونا ثابت کرتے چلے آرہے ہیں اور پھر حضرت عمر -رضی اللہ عنہ- کے عہد سے لے کر اس وقت اہل اسلام میں قندیلیں لٹکانے کا رواج موجود و مشہور رہے۔ تو بھلا جس کا وجود عہد نبوت سے اب تک موجود ہو اس کے بارے میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس کی ایجاد 'قوم برامکہ' کے زمانے سے ہوئی۔ یہ مانا کہ انھوں نے بھی روشنی کی ہوگی لیکن انھیں موجد اول نہیں قرار دیا جاسکتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارے فقہاے کرام تصریحاً لکھ رہے ہیں:

الـصـحيح أنه لا يكره أن يصلي و بين يديه شمَع أو سراجٌ لأنه لم يَعبُدهما أحدٌ و المجوس يعبدون الجمر لا النار الموقدة . (۲)

یعنی صحیح بات یہ ہے کہ اگر نمازی کے آگے شمع یا چراغ ہو تو نماز مکروہ نہیں ہوتی کیوں کہ ان کی کوئی پوجا نہیں کی جارہی ہے، مجوس بھی انگاروں کی پوجا کیا کرتے ہیں جلتی آگ کی نہیں۔

جب مسئلہ یہ ٹھہرا کہ اصل چراغ، شمع اور قندیل کی کوئی آتش پرست بھی عبادت نہیں کرتا تو یہ کس طرح تسلیم کرلیا جائے کہ قوم برامکہ نے چراغوں کو اپنا معبود و مسجود بنا رکھا تھا، لہٰذا جو علما اس دلیل کی روشنی میں 'روشنی' کو مکروہ و بدعت کہہ رہے تھے تو ان کی یہ دلیل بھی ناتمام رہی۔

---

(۱) سورۂ نساء: ۴/۱۷۱۔

(۲) ردالمحتار: ۵/۶۰- لاباس باتخاذ المسبحۃ -

اب جواز کے دلائل بیان کیے جارہے ہیں۔ یہ بات غور کرنے کی ہے کہ چراغوں میں زینت ہے یانہیں۔ آیت کریمہ: زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ سے معلوم ہوتا ہے کہ چراغوں کا روشن کرنا موجب زینت ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس زینت کی حرمت میں بندوں کے لیے کوئی نص شرعی وارد ہے یانہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ روشنی کی زینت پر کوئی نہی وارد نہیں ورنہ صحابہ کرام بھلا کیوں کرتے؟ اور یہ بات اصول تفسیر میں متفقہ ہے کہ جس زینت کی نہی ثابت نہیں وہ مباح ہے اور اس آیت میں داخل ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ . (۱)

اتنا اشارہ تو قرآن سے ملا۔ اب حدیث رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- سنیے۔

سیرت حلبی جلد ثانی میں ہے کہ پہلے ایسا ہوا کرتا تھا کہ جب عشا کا وقت آتا تو کھجور کی لکڑیاں جلا کر اُجالا کر لیا جاتا تھا، جب تمیم داری مدینہ میں آئے، قنادیل، رسیاں اور روغن زیتون ساتھ لائے اور مسجد نبوی کے ستونوں سے قنادیل لٹکائے تو رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے ان کو دعا دی کہ تو نے ہماری مسجد کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تجھ کو روشنی بخشے۔

بعض کتابوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمیم داری یہ قنادیل ملک شام سے لائے تھے اور اپنے غلام کو حکم دیا تو اس نے جمعرات کو یہاں سے وہاں تک ستونوں میں رسی تان کر اس میں قندیلیں لٹکا دیں، حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- نے جب یہ دیکھا تو پوچھا کہ یہ روشنی کس نے کی ہے؟ حاضرین بولے: تمیم داری نے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

نورت الإسلام .

یعنی تو نے اسلام کو روشن و منور کر دیا۔

حضرت غوث الثقلین نے ''غنیۃ الطالبین'' میں ایک روایت لکھی ہے، جس میں حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- روشنی کی طرف رغبت دلا رہے ہیں:

روي عن النبي -صلى الله عليه وسلم- أنه قال من علق في بيت من بيوت الله قنديلا لم تزل الملائكة يستغفر له و يصلي عليه و هم سبعون ألف ملک حتى يطفي ذلک القنديل . (۲)

---

(۱) سورۂ اعراف: ۷/۳۲۔

(۲) مسند شامیین طبرانی: ۴/۳۰۶ حدیث: ۱۲۹۵..... کنز العمال: ۷/۶۵۶ حدیث: ۲۰۷۶۸۔

یعنی نبی کریم - صلی اللہ علیہ وسلم - سے مروی، آپ نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں قندیل جلائی، تو اس کے بجھنے تک ستر ہزار کی تعداد میں فرشتے اس کے لیے رحمت و مغفرت کی دعائیں کرتے رہیں گے۔

اب آثار صحابہ سے ثبوت لیجیے۔

سیرت حلبی جلد ثانی میں ہے کہ مسجدوں میں قندیلوں کا لٹکانا مستحب ہے، یہ کام سب سے پہلے حضرت عمر - رضی اللہ عنہ - نے کیا کہ لوگوں کو نمازِ تراویح کے لیے جمع کیا اور بہت سی قندیلیں لٹکا دیں، حضرت علی - رضی اللہ عنہ - جب وہاں سے گزرے تو دیکھا کہ مسجد روشنی سے جگمگا رہی ہے تو آپ نے دعا فرمائی کہ اے عمر بن خطاب! تو نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تیری قبر روشن فرمائے۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے ''تنبیہ الغافلین'' اور حضرت غوث الثقلین نے ''غنیۃ الطالبین'' میں لکھا ہے کہ جس طرح حضرت علی نے دعا دی تھی، اسی طرح حضرت عثمان - رضی اللہ عنہما - نے بھی دعا دی۔ اب دیکھیے کہ خلفاے راشدین کا یہ فعل اور پھر اس پر خوش ہو کر دعا دینا کس قدر اس فعل کی پسندیدگی ظاہر کر رہا ہے۔

روایت سابقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تمیم داری نے قنادیل روشن کیے، اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام پہلے حضرت عمر - رضی اللہ عنہ - نے کیا؛ تو ان دونوں میں علامہ حلبی نے تطبیق یوں دی ہے کہ اولیت حقیقی تو عہد رسالت میں کیے، تمیم داری - رضی اللہ عنہ - کے اس فعل ہی کو حاصل ہے۔ پھر اس کے بعد حضرت عمر - رضی اللہ عنہ - کے فعل کو جو اول قرار دیا گیا تو وہ دراصل اوّلیت اضافی ہے یعنی کثرت سے قندیلیں روشن کرنا پہلے آپ سے واقع ہوا کیوں کہ تمیم داری - رضی اللہ عنہ - کی قندیلیں گو متعدد تھیں مگر زیادہ نہ تھیں۔

اب عہد خلفاے عباسیہ کی سند لیجیے۔ علامہ حلبی نے ایک عالم کے حوالے سے نقل فرمایا ہے، وہ عالم کہتے ہیں کہ مجھے مامون بادشاہ نے حکم دیا کہ آئین مملکت میں یہ حکم لکھ دو کہ مسجدوں میں کثرت سے روشنی کیا کریں لیکن مجھے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ اسے کیسے لکھوں۔ تو مجھے خواب میں بشارت ہوئی کہ یوں لکھو کہ مسجد میں کثرت سے روشنی کی جائے، اس لیے کہ تہجد گزاروں کا اس میں دل لگتا ہے اور مسجدیں چوں کہ خانہ خدا ہیں تو خانہ خدا سے اندھیرے کی دہشت و وحشت دور ہوگی۔ جب میں نے یہ بشارت دیکھی تو ہوشیار ہو گیا اور میں نے یہ حکم لکھ دیا۔

یہ تو خلفاے عباسیہ کا دستور العمل بیان ہوا۔ اب بعض اولیاء اللہ کا حال سنیے :
مولف ''تذکرۃ الاولیاء'' حضرت خواجہ فرید الدین [1] عطار - رحمۃ اللہ علیہ - احمد خضرویہ - قدس سرہ - کے احوال میں لکھتے ہیں :

وقتے درویشی مہمان احمد - رحمۃ اللہ علیہ - آمد احمد [2] ہفتاد شمع برافروخت درویش گفت مرا ایں ہیچ خوش نمی آید کہ تکلف باتصوف نسبت ندارد احمد گفت بروو ہر چہ نہ از بہر خدا برافروختہ ام بکش آن شب آں درویش تا بامداد آب وخاک براں شمع ہا میزد یک شمع بازنتوانست نشاند۔

ایک بار احمد خضرویہ کے پاس ایک درویش مہمان بن کر تشریف لائے، تو آپ نے ستر شمعیں جلائیں، درویش نے کہا کہ یہ مجھے پسند نہیں کہ تکلف کا تصوف کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ احمد نے فرمایا اچھا جو شمع میں نے رضاے الٰہی کے لیے نہیں جلایا ہے اسے بجھا کر دکھا دو۔ تو وہ درویش پوری رات شمع پر پانی اور مٹی ڈالتا مگر ایک شمع بھی گل نہ کر سکا۔

جب دوسرا دن ہوا، ستر (۷۰) نصاریٰ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے؛ اس کا حال اس طرح لکھا ہے :

آں شب احمد بخواب دید کہ حق تعالیٰ گفت اے احمد از برائے ما ہفتاد شمع در گرفتی ما از برائے تو ہفتاد دل بنور ایمان برافروختیم۔

اس شب احمد خضرویہ نے خواب دیکھا کہ حق تعالیٰ ان سے فرما رہا ہے اے احمد تو نے میری خاطر ستر چراغ جلائے تو میں نے تمہارے لیے ستر دلوں کو نورِ ایماں سے منور کر دیا۔

غرض کہ چند مقامات پر اولیاے مقبولین مثلاً شبلی - رحمۃ اللہ علیہ - اور دیگر کاملین سے - خالصاً للہ تعالیٰ - روشنی کرنے کا ثبوت امام غزالی اور علامہ عبدالرحمٰن صفوری وغیرہ کی روایت سے نقل ہوا ہے۔ طوالت کے خوف سے ان کی نقلیں نہیں پیش کی جا رہی ہیں۔

---

(۱) **حاشیہ** : حضرت خواجہ فرید الدین کی وہ عالی مرتبہ ذات ہے کہ مولانا جلال الدین رومی جن کی صحبت سے مستفیض ہوئے ہیں اور ان کی تصانیف کو دیکھ کر اسرار تصوف حاصل کیے ہیں۔ مولانا روم ان کی تصنیف اپنے پاس رکھتے اور ہمیشہ انہی کے تصوفانہ اسلوب وطرز پر کلام فرماتے۔ مولانا جامی نے یہ بات نفحات الانس میں لکھی ہے۔ ۱۲۔ منہ

(۲) **حاشیہ** : احمد خضرویہ بڑے مقبولین خدا میں تھے۔ ان کے ایک ہزار مرید ایسے تھے جو ہوا میں اُڑتے تھے اور پانی پر اس طرح بے تکلف چلتے تھے جس طرح کوئی زمین پر چلتا ہو۔ ۱۲۔ منہ

اب مومنین کا روزانہ کا معمول سنیے کہ وہ مسجدوں میں ہمیشہ سے روشنی کرتے چلے آرہے ہیں ۔ فتاویٰ قاضی خان - جلد اول - میں ہے :

**رجل بنی مسجدا و جعله لله تعالیٰ فهو حق الناس بمرمته و عمارته و بسط البواری الحصیر و القنادیل .**

یعنی جس کسی نے خالصاً لوجہ اللہ الکریم مسجد بنائی ، تو دوسروں کی بہ نسبت اسے زیادہ حق پہنچتا ہے کہ اس کی مرمت ، اس کو بسانے ، بوریا و چٹائی وغیرہ فرش بچھانے اور قندیلیں روشن کرنے کا اہتمام کرے ۔

پھر - جلد ثالث - میں لکھا :

**و یجوز الإنفاق علی قنادیل المسجد من وقف المسجد ، ذکره الناطقي.**

یعنی مسجد میں روشنی کرنے کے لیے مسجد کے فنڈ سے پیسے لگانا جائز ہے ۔ ناطقی نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے ۔

حضرت غوث الثقلین ''غنیۃ الطالبین'' میں دعاے ختم قرآن کی بابت ماہِ رمضان کی فضیلت میں لکھتے ہیں :

**شهر فيه المساجد تعمر و المصابيح تزهر .**

یعنی رمضان شریف وہ مہینہ ہے جس میں مسجدیں خوب آباد ہوتی ہیں اور چراغ روشنیاں بکھیر رہے ہوتے ہیں ۔

یوں ہی غنیۃ الطالبین کے چند مقامات پر مصابیح اور قنادیل کا لفظ آیا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شمع و چراغ کا رواج و معمول اہل اسلام میں زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے ، اب ہم کہتے ہیں کہ جس طرح زیادہ روشنی کرنا مسجد سے تاریکی کی وحشت دور کرتا ہے - جیسا کہ کلام حلبی کی نقل گزر چکی - اسی طرح اللہ و رسول کے ذکر جمیل کے موقع پر بھی روشنی سے تیرگی کی وحشت دور ہوتی ہے ۔ اور جس طرح زیادہ روشنی سے نمازیوں کا دل لگتا ہے اسی طرح اس مجلس پاک میں بھی دل لگتا ہے کیوں کہ اس میں رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کی صفات کا بیان ہوتا ہے ۔ تو صحیح یہی ہے کہ چراغاں کرنا ممنوع نہیں ہے ۔ اور جن علما نے منع کیا ہے تو شاید ان تک وہ حدیث و آثار نہیں پہنچے جو صراحۃً جواز پر دلالت کر رہے ہیں ناچار انھوں نے سمجھ لیا کہ یہ آتش پرست قوم 'برامکہ' کا فعل ہے اور اس پر بدعت و کراہت کا حکم لگا دیا ۔ یا یوں کہیے کہ درحقیقت تمام علما کا قول ایک ہی

ہے جو منع کرنے والے ہیں وہ حد سے زیادہ کو منع کرتے ہیں اور جو جائز کہنے والے ہیں وہ ضرورتِ زینت کی حد تک جائز کہتے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ روشنی کے تین درجے ہیں :

ایک بقدر حاجت لازم وضروری، جو صرف اتنے سے حاصل ہے کہ جیسے صحابہ - رضی اللہ تعالیٰ عنہم - ابتداے امر میں کھجور کی لکڑیاں جلا دیا کرتے تھے جس سے مسجد کا فرش، مقام سجدہ اور نمازی ایک دوسرے کو نظر آ جاتے تھے۔

دوسرا: زینت کے لیے، جیسے کہ امیر المومنین حضرت عمر - رضی اللہ عنہ - کے کثرت سے قندیلیں روشن کرنے کی وجہ سے پوری مسجد جگ مگا اٹھی۔

''غنیۃ الطالبین'' میں ہے :

**إن عليا –رضي الله عنه– اجتاز بالمساجد و هي تزهر بالقناديل .**

یعنی حضرت علی - رضی اللہ عنہ - نے مسجد کا مشاہدہ فرمایا تو وہ روشنیوں سے جگمگا رہی تھی۔

فقیہ ابو اللیث - رحمۃ اللہ علیہ - کی ''تنبیہ الغافلین'' میں ہے :

**رأى القناديل تزهر في المساجد .**

یعنی ایسے چراغ نظر آئے جس سے مسجد پر رونق تھی۔

اسی طرح حلبی وغیرہ میں ہے۔ غرض کہ کل روایتوں میں لفظ تزھر صیغہ مضارع استعمال ہوا ہے جو 'زہور سے مشتق ہے۔ اور زہور کے معنی صراح میں یہ لکھے ہیں :

زہور روشن شدن آتش و بالا گرفتن آں۔

اس بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر - رضی اللہ عنہ - کا یہ فعل بلا شبہہ حاجت وضرورت سے زیادہ تھا لیکن ساتھ یہ بھی کہ ضرورتِ زینت کی مقدار سے زیادہ نہ تھا۔

تیسرا یہ کہ مکان کی زینت و آرایش تو متعدد قندیلوں سے ہو چکی تھی لیکن کسی بوالہوس نے فضول خرچی کر کے محض فخر ونمود وغیرہ کی نیت سے حد سے زیادہ روشنی کر دی تو اگر مانعین کی اس سے یہی آخری صورت مراد ہے تو پھر کچھ اختلاف باقی نہ رہا۔

فتاویٰ قنیۃ وغیرہ اگلی کتابوں میں منع کے الفاظ اسی صورت کے لیے لکھے گئے ہیں۔ کسی نے لکھا :

**كثرة الوقيد زيادة على الحاجة .**

کسی نے لکھا :

إسراج السرج الكثيرة .

تو اس زیادتی کو کہ ضرورت زینت سے بھی زائد ہوا گر منع کیا جائے تو یہ کوئی برا ماننے کی بات نہیں ہے۔ ہاں! ہمارے معاصرین جو ایک چراغ سے زیادہ دوسرا چراغ روشن کرنے کو بدعت وضلالت اور اسراف وحرام کہتے ہیں تو یہ بڑی شوخی کی بات ہے۔ ان کو چاہیے کہ حضرت تمیم دارمی اور حضرت عمر-رضی اللہ عنہما-وغیرہ کا ادب ملحوظ رکھیں کہ پہلے پہل یہ کام انھوں ہی نے کیا، اور زینت کے لیے حاجت ضروریہ کی مقدار سے زیادہ روشنی کی۔

مجھے تعجب ہوتا ہے کہ جب یہ لوگ مدینہ منورہ جاتے ہوں گے اور حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-کے نورانی روضہ کے اردگرد جھاڑ فانوس اور قندیل اتنے وافر مقدار میں-کہ یہاں کسی کو میسر بھی نہیں-روشن دیکھتے ہوں گے تو معلوم نہیں یہ لوگ اپنی آنکھیں روشنی سے موند لیتے ہوں گے اور اس سے جل بھن کر زیارت ہی ترک کر دیتے ہوں گے، اگر ترک کر دیتے ہیں تو ہم کو کچھ شکایت نہیں، وہاں محروم رہے یہاں بھی محروم رہے۔ لیکن اگر وہاں اسی روشنی میں جا کر زیارت کی تو جس طرح روضہ اقدس کی زیارت مستحب ہے اسی طرح حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-کے معجزات اور مدائح ومناقب کا سننا بھی مستحب ہے تو یہاں بھی روشنی میں آکر سنیں، ظاہری روشنی سے ظاہر کی آنکھ اور ذکر نورانی سے باطن کی آنکھ روشن کریں۔ وہ روضہ پرانوار جس ذات اقدس کا مدفن ہے یہ محفل نورانی بھی انھیں کی شرح صفات کا موطن ہے۔

اخیر میں یہ گزارش ہے کہ اگر ان حضرات کا دل روشنی کے سبب مکدر ہوتا ہے تو روشنی والی محفلوں میں نہ آئیں بہت سی محفلیں ایسی ہوتی ہیں جن میں ایک دو چراغ پر اکتفا ہوتا ہے انہی میں آئیں، اگر ایک دو چراغ بھی ناگوار ہو تو کتنی ہی محفلیں دن میں سجتی ہیں جہاں ایک چراغ بھی نہیں ہوتا وہاں تشریف لائیں بھلا کہیں تو اپنا قول سچا کر دکھائیں۔

**اعتراض خامس:** بانیانِ محفل میلاد نے مطلق کو مقید کر دیا اور یہ بدعت ہے۔

**جــــــواب:** ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ محفل میلاد شریف میں کسی کو مقید نہیں کیا یعنی میلاد و معجزات کی روایتوں کا پڑھنا جس طرح ماہِ ربیع الاول میں ہوتا ہے اسی طرح دوسرے مہینوں میں بھی پڑھ لیتے ہیں پھر مطلق، مقید کہاں ہوا؟

جس طرح ذکر ولادت شریف کے وقت قیام کرتے ہیں اسی طرح اور بھی چند مقامات میں

قیام کرتے ہیں- چنانچہ وہ مقامات' تحقیق قیام کے سلسلہ میں کچھ بیان ہوئے ہیں-تو قیام بھی مقید نہ ہوا کہ قیام خاص میلا دشریف ہی میں ہواور اس کے علاوہ اور کسی زمان ومکان میں نہ ہو۔اسی طرح شیرینی تقسیم کرنا یا کھانا کھلانا دین ودنیا کی اور بھی بہت ساری تقریبات میں ہوتا ہے جیسے ختم قرآن، تراویح، مجلس بسم اللہ اورعقدنکاح وغیرہ میں ۔میز یا چوکی اورفرشوں کا بچھانا وعظ میں بھی ہوتا ہےاور مجلس نکاح وغیرہ میں بھی۔اورقصیدہ ومنقبت جس طرح محفل میلا دمیں پڑھے جاتے ہیں یوں ہی بعض دوسری مجلسوں میں بھی پڑھے جاتے ہیں اور بعض لوگ تنہا بھی شوقیہ پڑھتے رہتے ہیں ۔اب یہ صاحب فرمائیں کہ ہم نے کون سے مطلق شرعی کواس طرح مقید کردیا کہ اب اس مطلق کوکسی وقت بلاقید ناجائز سمجھتے ہوں۔

باقی رہی یہ بات کہ مجلس میلا دشریف میں اجتماع امورِمذکورہ اس نقطہ نظر سے کرنا کہ جس قدر تعظیم ومحبت کا اظہار اور مستحسنات شرعیہ کی کثرت ہوگی اسی قدر خیروبرکت میں اضافہ ہوگا تو یہ اور بات ہے،تقیید مطلق اس کا نام نہیں، یہ بات ہر سلیم الطبع انسان بدل وجاں قبول کرے گا۔یہ لوگ خوب اُلٹ پلٹ کررہے ہیں کہ مغالطہ دے کرکس طرح اس محفل کا بدعت سیئہ ہونا ثابت کردیں مگر ایسا ہوانہیں۔

سچی بات یہ ہے کہ جملہ محققین علماے دین کے نزدیک یہ محفل مستحسن ہے کیوں کہ جوعلما بدعت کی تقسیم مانتے ہیں وہ کہتے ہیں :

**البدعة ما لم يكن في عهد رسول الله –صلى الله عليه وسلم–. (۱)**

یعنی بدعت وہ چیز ہوتی ہے جورسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم-کے زمانے میں نہ رہی ہو۔

پھراس کی دوقسم کرتے ہیں : ایک حسنہ دوسری سیئہ۔تو ان کے نزدیک محفل میلا دشریف بدعت حسنہ میں داخل ہےاور مستحب ہے۔اور جوعلما تقسیم بدعت کے قائل نہیں وہ بدعت کی تعریف یہ کرتے ہیں :

**ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله –صلى الله عليه وسلم–.**

یعنی بدعت وہ چیز ہوتی ہے جورسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم-کی بتائی ہوئی شریعت کے خلاف ایجاد کی جائے۔

---

(۱) الاتصاف فیما قیل فی المولد من الغلو والانصاف:۱/۱۸۔

## محفل میلاد شریف بالاتفاق درست ہے

ان علما کے نزدیک محفل میلاد شریف خود سنت میں داخل ہے کیوں کہ یہ گرچہ محدَث ہے لیکن محدث علی خلاف الحق نہیں ہے کہ قرآن، حدیث یا اجماع کے کسی حکم میں تغیر وتبدیلی کر دیتا ہو، تو اصل حال یہ ہے کہ محفل میلاد شریف ہر دو گروہ کے محققین کے نزدیک مستحسن ہے۔ باقی بعض علما جو انکار کر رہے ہیں تو وہ دراصل اس باریک نکتے تک پہنچ ہی نہ سکے اور اسی غلطاں پیچی میں یہ منکرین آ گئے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ ہدایت فرمائے۔ **اللھم أرنا الحق حقا و ارزقنا اتباعه .**

**اعتـــراض ســادس**: جب مولد شریف پڑھتے ہیں منبر یا چوکی پر بیٹھ کر پڑھتے ہیں اور قرآن شریف ہمیشہ نیچے بیٹھے پڑھتے ہیں۔ میلاد ناموں کا درجہ قرآن سے بھی زیادہ کر دیا۔

**جـــواب**: یہ بات ہرگز نہیں بلکہ منبر یا چوکی پر بیٹھ کر پڑھنا اس سبب سے ہے تا کہ میلاد خواں' اہل مجمع کو اور اہل مجمع' میلاد خواں کو نظر آئیں، نیز اوپر بیٹھنے سے آواز بلند ہوکر ہر طرف پھیلتی ہے اور نیچے بیٹھے سے آواز کسی قدر دب جاتی ہے۔ اور واعظوں کا بھی کچھ یہی حال ہے کہ وہ شعر و قصہ اور حکایات وغیرہ کو سب سے اوپر کسی بلند جگہ پر بیٹھ کر کہتے ہیں اور خالص قرآن شریف کو نیچے پڑھتے ہیں پس منبر پر بیٹھ کر پڑھنا دراصل مجمع عام کا تقاضا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب کوئی میلاد نامہ تنہائی میں شوقیہ پڑھتا ہے تو کسی منبر و چوکی کا اہتمام نہیں کرتا۔

**اعتـــراض ســابع**: قرآن پڑھتے وقت نہ فرش بچھائیں اور نہ کچھ اور سامان کریں اور مولد شریف میں کیا کیا سامان کیا جاتا ہے۔

**جــواب**: عیدین کی نماز کے لیے - جو فرض نہیں - نہانا، عمدہ کپڑے پہننا، خوشبو لگانا اور طرح طرح کے تکلّفات ہوتے ہیں، اور پنج وقتہ نماز - جو فرض قطعی ہے - اس کے لیے استنجا و وضو کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں کیا جاتا۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ وہ سال بھر میں دو بار اور یہ ایک دن میں پانچ بار۔ تو پنج گانہ نماز میں عید کی طرح سامان کرنے میں حرج ہے اور حرج کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اٹھا دیا ہے:

وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ . (۱)

اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔

---

(۱) سورۂ حج: ۲۲/۷۸۔

تو یہی سمجھ لو کہ قرآن شریف کا پڑھنا روزمرہ ہے اور میلاد شریف کا پڑھنا سال میں ایک دو بار یعنی کبھی کبھی ہوا کرتا ہے،اور جو بات کبھی کبھی کرنے میں ہوسکا کرتی ہے وہ روزمرہ میں نہیں ہوسکتی۔دوسری بات یہ کہ عید کی نماز میں نماز کی نیت سے وہ سامان نہیں کیے جاتے بلکہ خوشی کے دن میں خوشی کا مظاہرہ کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔اسی طرح یہاں میلاد نامہ پڑھنے کے لیے یہ سامان نہیں ہوتا بلکہ (یہ سب) حضور خیرالانام-صلی اللہ علیہ وسلم-کی ولادت مبارکہ کی خوشی میں کیا جاتا ہے۔اگر صرف میلاد نامہ پڑھنے کے لیے وہ سامان ہوتا پھر یہ اعتراض ہوتا کہ قرآن پڑھنے کے لیے وہ سامان کیوں نہیں کیا۔

**اعتراض ثامن:** میلاد شریف میں بے اصل وموضوع روایتیں اور ناجائز اشعار پڑھے جاتے ہیں۔

**جواب:** حضور-صلی اللہ علیہ وسلم-کا پیدا ہونا،دائی حلیمہ کا دودھ پلانا،چالیسویں سال نبوت کا اعلان کرنا،معجزات کا رونما ہونا اور آپ-صلی اللہ علیہ وسلم-کا سیدالمرسلین ہونا یہی کچھ میلاد شریف میں پڑھا جاتا ہے اور یہ سب صحیح ہے۔اگر شاید باید فضائل میں کوئی مطعون فیہ یا موضوع حدیث بھی بیان ہوگئی یا کسی کم سمجھ نے کوئی شعر خلاف شرع پڑھ دیا تو انصاف کی بات یہ ہے کہ خاص ان لوگوں کو منع کرنا چاہیے کہ ایسی روایات نہ پڑھیں نہ یہ کہ علی العموم میلاد شریف کی ساری محفلوں ہی کو حرام کہنے لگیں۔ہم نے بہت سنا ہے کہ آج کل اکثر واعظین،موضوع روایتیں بیان کر جاتے ہیں اور ان کو تمیز بھی نہیں ہوتی؛تو کیا بعض واعظوں کی حالت سے جملہ مجالس وعظ عمومی طور پر حرام ٹھہر جائیں گی؟۔

**اعتراض تاسع:** خلاف شریعت ریشمی اور زریں لباس پہن کر محفل میلاد شریف میں آتے ہیں اور بعض ڈاڑھی منڈے بھی آتے ہیں اور بعض موقع میں عورت اور مرد جمع(۱) ہوتے ہیں۔

(۱) **حاشیہ** : یعنی ہم نے جو اکثر مقامات پر میلاد شریف دیکھا ہے تو جس طرف عورتیں ہوتی ہیں اس طرف قنات یا پردہ وغیرہ ضرور ہوتا ہے،تو اس میں ہرگز شرعا کوئی عیب نہیں۔مرد ایک جگہ جمع ہوتے اور عورتیں ایک جگہ پردہ میں ہوتی ہیں لیکن چوں کہ منکرین ایک جگہ جمع ہونا لکھتے ہیں تو شاید کہیں ہوا ہو،اس کو ہم بھی منع کریں گے یعنی یہ کہیں گے کہ اس ہیئت خاص کے ساتھ اجتماع منع ہے۔۱۲۔منہ

**جواب**: مجالس نکاح وغیرہ، نیز عیدین کی نماز پڑھنے عید گاہ میں اسی طرز سے لباس فاخرہ کے ساتھ اور ڈاڑھی منڈے بھی جاتے ہیں تو چاہیے کہ ان کے شریک ہو جانے سے مجالس نکاح اور عید گاہ وغیرہ کے مجمعے بھی محرمات شرعیہ ہو جائیں، اور کوئی دیندار وہاں نہ جایا کرے۔ حالاں کہ بات ایسی تو ہے نہیں بلکہ جہاں خاص کوئی شرعی قباحت نظر آئے تو اس کو منع کرنا چاہیے نہ یہ کہ اس کی وجہ سے اصل جز ہی کو منع کر دیں۔

جلال الدین سیوطی - رحمۃ اللہ علیہ - نے ''حسن المقصد'' میں تاج الدین فاکہانی کے اعتراض کا یہی جواب دیا ہے جو اس نے اپنے رسالہ ''مورد'' میں لکھا تھا کہ مولد شریف میں امرد، اور ناچنے گانے والی عورتیں ہوتی ہیں نیز مرد اور عورت باہم جمع ہوتے ہیں۔

اس کے جواب میں سیوطی - رحمۃ اللہ علیہ - کی عبارت یوں ہے:

**إن التحريم فيه إنما جاء من قبل هذه الأشياء المحرمة التي ضمت إليه لا من حيث الاجتماع لإظهار شعار المولد بل لو وقع مثل هذه الأمور في الاجتماع لصلوٰة الجمعة مثلا لكانت قبيحة شنيعة و لا يلزم من ذلك ذم أصل الاجتماع لصلوٰة الجمعة كما هو واضح ، و قد رأينا بعض هذه الأمور يقع في ليال من رمضان عند اجتماع الناس لصلوٰة التراويح فهل يتصور ذم الاجتماع لصلوٰة التراويح لأجل هذه الأمور التي قرنت بها ؟ كلا بل نقول أصل الاجتماع لصلوٰة التراويح سنة و قربة و ما ضم إليها من هذه الأمور قبيح و شنيع و كذلك نقول أصل الاجتماع لإظهار شعار المولد مندوب و قربة و ما ضم إليه من هذه الأمور مذموم ممنوع . (۱)**

یعنی یہاں حرمت ان حرام چیزوں کے شامل ہونے کی وجہ سے ہوئی ہے، یہ نہیں کہ میلاد شریف کے شعار کے اظہار کے لیے جمع ہونا حرام ہے۔ مثلا اگر ایسی چیزیں جمعہ کی نماز کے اجتماع میں پیش آ جائیں تو وہاں بھی منع ہوں گی، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اصل جمعہ کا مجمع ہی برا ہو جائے۔ ہم نے رمضان کی تراویح میں اس قسم کی چیزیں خود دیکھی ہیں لیکن ان کے سبب سے تراویح کو منع نہیں کیا جائے گا بلکہ یوں کہیں گے کہ یہ اصل اجتماع تو اچھا ہے، ہاں! اس میں ان چیزوں کا ہونا برا ہے۔ لہٰذا اسی طرح یہاں بھی کہنا چاہیے کہ میلاد شریف تو اصلاً عمدہ اور مستحب کام ہے لیکن اس میں محرمات کا شامل ہونا برا ہے۔

---

(۱) الحاوی للفتاوی: ۱۹۳/۱ - مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، پاکستان۔

**اعتراض عاشر**: جب کسی کے گھر محفل میلاد شریف رات کو ہوتی ہے، اور سامعین جو زیادہ رات گئے فارغ ہو کر سوتے ہیں تو صبح کو شاید اگر کسی کی نماز میں دیر ہو گئی یا سو آدمیوں میں ایک کی نماز قضا ہو گئی تو اس بات کو میلاد شریف کی مذمت کے لیے دلیل عام ٹھہراتے ہیں۔ حالاں کہ اگر برائی کی یہی دلیل ہے تو محفل عقد نکاح کے اہتمام میں اگر آدمیوں کی نماز کچھ آگے پیچھے ہو جائے اور اکثر ہو جاتی ہے نیز رمضان میں سحری کھانے کو اٹھتے ہیں اور بعضوں کی نمازِ صبح قضا ہو جاتی ہے تو اس دلیل سے چاہیے کہ سحری بھی علی العموم حرام ہو جائے۔

ہر چند یہ واہیات قسم کے اعتراضات ہماری نگہ التفات کے لائق نہ تھے لیکن چوں کہ ہم نے دیکھا کہ بعض صاحب علم بھی یہ باتیں اپنی زبان پر لاتے ہیں، اور کچھ نادان ان کو کمال درجہ کے حجج ساطعہ اور براہین قاطعہ سمجھتے ہیں، اس لیے ان کے جواب میں یہ چند الفاظ لکھ دیے گئے۔ نیز عطر و لوبان، پھولوں وغیرہ کا ذکر، زیب و زینت محفل کا بیان اور چوکی یا منبر پر بیٹھ کر پڑھنے کی اصلیت، ان تمام باتوں کی تحقیق ایک مختصر اور منظوم رسالہ بنام ''دافع الاوہام فی محفل خیر الانام'' میں بھی کی گئی ہے لیکن اس کا طرز اور ہے۔ ع:

ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است

طالبانِ حق کو چاہیے کہ وہ رسالہ بھی اپنے پاس رکھیں۔ اس کتاب ''انوارِ ساطعہ'' میں طولِ کلام نہ صرف فتویٰ انکاری کے سبب واقع ہوا بلکہ منکرین کے چند رسالوں کے مغالطوں اور شبہوں کی تردید بھی مدنظر تھی۔

جو شخص اس کتاب اور ''دافع الاوہام'' کو جملہ قیود اور شقوں کے ساتھ بغور ملاحظہ کر کے ذہن میں خوب جما لے؛ تو خداوند کریم سے امید ہے کہ وہ (پھر کبھی) دھوکا اور مغالطہ نہ کھائے گا۔ اور منکرین کے تمام فسادی رسالوں کی ان میں صراحۃً یا اشارۃً تردید پائے گا۔ اس بنیاد پر ضروری سمجھا گیا کہ سمند خامہ کی لگام کو طول تقریر کی وادی میں دوڑانے سے اختصار کی جانب موڑ دیا جائے، اور جن علمائے ربانی اور عرفائے حقانی نے میلاد شریف کو جائز رکھا ہے ان کا ذکر کر دیا جائے۔

## مجوزین میلاد فقہا ومحدثین کے اسمائے گرامی

**لمعہ تاسعہ** : اس کے اندر اُن محدثین وفقہا کا نام ذکر کیا جارہا ہے جنھوں نے میلاد شریف کے عمل کو مستحب اور مستحسن قرار دیا ہے۔

۱ شیخ عمر بن محمد الملا الموصلی-من الصالحین المشھورین-

۲ علامہ ابوالخطاب ابن دحیہ اندلسی۔

یہ دحیہ کلبی صحابی کی اولاد میں سے تھے-ذکرہ الزرقانی-

نیز سلطان ابوسعید مظفر کی محفل میں بہت سے علما وصلحا آیا کرتے تھے ان کے اسمائے گرامی کہاں تک شمار کیے جائیں۔جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے :

**و حضر عنده فيه العلماء و الصلحاء من غير نكير منهم .**

۳ علامہ ابوالطیب السبتی نزیل قوص، من اجلۃ العلماء المالکیۃ-ذکرہ الزرقانی-

۴ امام ابومحمد عبدالرحمٰن بن اسماعیل، استادِ امام نووی معروف بہ'ابوشامہ'

۵ علامہ ابوالفرح بن جوزی محدث وفقیہ حنبلی

۶ امام علامہ سیف الدین حمیری دمشقی حنفی محدث معروف بہ'ابن طغربک'

۷ امام القراوالمحدثین حافظ شمس الدین ابن جزری

۸ حافظ عماد الدین ابن کثیر

۹ علامہ ابوالحسن احمد بن عبداللہ البکری

۱۰ علامہ ابوالقاسم محمد بن عثمان لولوی الدمشقی

۱۱ شمس الدین محمد بن ناصرالدین الدمشقی

۱۲ علامہ سلیمان برسوی امام جامع سلطان

کشف الظنون میں لکھا ہے کہ مجالس ومحافل اور ملک روم کے مجامع میں انہی کا تالیف کردہ مولدشریف پڑھا جاتا ہے۔

۱۳ ابن الشیخ آقا شمس الدین-ذکرہ صاحب کشف الظنون-

۱۴ المولیٰ حسن البحری

۱۵ الشیخ محمد بن حمزۃ العربی الواعظ

۱۶ الشیخ شمس الدین احمد بن محمد السیواسی
۱۷ علامہ حافظ ابوالخیر سخاوی
۱۸ سید عفیف الدین الشیرازی
۱۹ ابوبکر الدنقلی
۲۰ برہان محمد ناصحی
۲۱ برہان ابوالصفا۔ان کے مولد شریف کا نام ہے:' **فتح اللّٰه حسبی و کفی في مولد المصطفی**' .
۲۲ الشّمس الدمیاطی معروف ب'ابن السباطی'
۲۳ برہان بن یوسف الفاتوش۔ان کا مولد شریف چارسو اشعار سے زیادہ پر مشتمل ہے۔
۲۴ حافظ زین الدین عراقی
۲۵ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی شیرازی - صاحب قاموس - ان کے مولد شریف کا نام ہے:' **النفحات العنبرية في مولد خير البرية**'
۲۶ امام محقق ولی الدین ابوزرعہ العراقی
۲۷ ابوعبداللہ محمد بن النعمان
۲۸ جمال الدین العجمی الہمدانی
۲۹ یوسف الحجاز
۳۰ یوسف بن علی بن زراق الشامی الاصل المصری المولد
۳۱ ابوبکر الحجاز
۳۲ منصور بشار
۳۳ ابوموسیٰ ترہونی - وقیل - زرہونی
۳۴ الشیخ عبدالرحمٰن بن عبدالملک معروف ب'المخلص'
۳۵ ناصر الدین المبارک مشہور ب'ابن الطباخ'(۱)

() **حاشیہ** : ابن طباخ نے اپنے فتاوے میں لکھا ہے کہ جب کوئی اس رات میں خرچ کرے، اور آدمیوں کو جمع کر کے کچھ کھلائے اور ان کو سنوائے تو ان کا سننا جائز ہے۔اور سنانے والے یعنی میلا دخواں کو میلادِ رسول -صلی اللہ علیہ وسلم- کی خوشی میں لباس عطا کرے، تو یہ سب درست ہے، اگر کرنے والے کی نیت نیک ہو۔سیرت شامی۔۱۲۔منہ

٣٦ امام علامہ ظہیر الدین ابن جعفر الحسینی
٣٧ فاضل عبد اللہ بن شمس الدین الانصاری
٣٨ الشیخ الامام صدر الدین موہوب الجزری الشافعی
٣٩ علامہ ابن حجر عسقلانی
٤٠ شیخ جلال الدین سیوطی - مجدد مائۃ تاسعۃ -
٤١ محمد بن علی الدمشقی - مصنف سیرت شامی -
٤٢ شیخ شہاب الدین قسطلانی - صاحب مواہب لدنیہ، وشارح صحیح بخاری -
٤٣ نور الدین علی حلبی شافعی - مصنف سیرت حلبیہ -
٤٤ علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی مالکی - شارح مواہب، ودیگر کتب احادیث -
٤٥ علی بن سلطان محمد ہروی معروف بہ 'ملا علی قاری'

انھوں نے اپنے مولد شریف ''المورد الروی'' میں میلاد شریف کا یہ عمل' مصر، شام، روم، اندلس، مغرب، بلاد ہندوستان اور مکہ ومدینہ - زادہما اللہ شرفا - جملہ اسلامی ممالک سے ثابت کیا ہے۔ تو درحقیقت یہ ایک کتاب گویا اقالیم سبعہ کا ثبوت ہے۔ نیز علی قاری نے اس میں لکھا کہ اس محفل کی عظمت یہ ہے کہ علما و مشائخ میں سے کوئی اس میں شامل ہونے سے انکار نہیں کرتا۔

٤٦ عبد الرحمٰن صفوری شافعی - صاحب نزہۃ المجالس -
٤٧ نور الدین ابو سعید بورانی

انھوں نے بھی تمام ملکوں سے میلاد شریف کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اور بادشاہِ مصر کے احوال میں لکھا ہے :

سائبانے ساختہ بود کہ دوازدہ ہزار کس در سایہ آدمی نشستند در غایت آراستگی از جہت آں کہ دریں شب وروز آں را برافرازند در غیر آں پیچیدہ باشد۔

یعنی اس نے ایک بے حد خوبصورت سائبان بنا رکھا تھا کہ جس کے سائے تلے بارہ ہزار لوگ بیٹھا کرتے تھے۔ اور اس شب وروز میں لوگ خوب خوب نوازے جاتے تھے۔

٤٨ سید امام جعفر برزنجی

ان کا مولد شریف منثور مقفّٰی اور فصیح وبلیغ عبارت کے لیے مشہور ہے، دیارِ عرب میں

کثرت سے پڑھا جاتا ہے۔

۴۹ سید زین العابدین برزنجی

ان کا مولد شریف منظوم، دیارِ عرب شریف میں رائج ہے۔

۵۰ شیخ احمد بن علامہ ابو القاسم بخاری

ان کا نسب محمد بن اسماعیل بخاری تک پہنچتا ہے۔

۵۱ شیخ اسماعیل حقی افندی - مفسر وواعظ اور مصنف تفسیر روح البیان-

۵۲ احمد بن قشاشی مدنی

۵۳ محمد بن غرب مدنی

۵۴ شیخ عبد الملک کردی

۵۵ فاضل ابراہیم باجوری

۵۶ امیر محمد استاد ابراہیم باجوری

۵۷ شیخ سقاط استاد الاستاد باجوری

۵۸ شیخ عبد الباقی پدر واستاد علامہ زرقانی

۵۹ شیخ محمد رملی

۶۰ علامہ احمد بن حجر - مولف 'تحفة الأخيار بمولد المختار'

۶۱ حافظ ابن رجب حنبلی

۶۲ ابوزکریا یحییٰ ابن عائذ حافظ کبیر اندلسی

۶۳ سعید بن مسعود گازرونی

انھوں نے بھی بہت سے ملکوں کے علما اور صوفیہ سے مولد شریف ہونا ثابت کیا ہے۔

۶۴ مولانا زین العابدین محمود نقشبندی

۶۵ علامہ شہاب الدین احمد الخفاجی - شارحِ شفا - وغیرہ

عمل مولد کے جواز میں ان کا بھی ایک رسالہ ہے۔

۶۶ حضرت مولانا جمال الدین میرک

۶۷ علامہ محمد رفاعی مدنی - الساکن فی زقاق البدور-

۶۸ قاضی ابن خلکان شافعی (۱۲۸۲ھ)

۶۹ مولانا معین الدین الواعظ الہروی معروف بہ 'ملا مسکین'

انھوں نے ''معارج النبوۃ'' اسی لیے تصنیف فرمائی کہ میلاد شریف کی محفلوں میں پڑھا کریں۔ اسے کتاب کے دیباچہ میں بیان کیا ہے۔

۷۰ علامہ ابواسحٰق ابن جماعہ- رحمۃ اللہ علیہ-

ملاعلی قاری نے ان کا حال یوں لکھا ہے کہ وہ مولد شریف میں کھانا کھلاتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اگر میرے قدرت واختیار میں ہوتا تو میں ربیع الاول میں مہینہ بھر مولد شریف کیا کرتا۔

۷۱ شیخ محمد بن طاہر محدث- مصنف مجمع البحار-

۷۲ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

۷۳ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

انھوں نے ''فیوض الحرمین'' کے اندر محفل میلاد شریف میں اپنا شریک ہونا اور اس میں انوار کا دیکھنا بیان کیا ہے۔ ان کے کلام سے یہ ظاہر ہے کہ جس جگہ ایسی مجلسیں ہوتی ہیں وہاں فرشتے انوارِ رحمت لایا کرتے ہیں جیسا کہ انھوں نے فرمایا :

**فتأملت تلک الأنوار فوجدتها من قبل الملائكة الموكلين بأمثال هذه المشاهد وبأمثال هذه المجالس و رأيت يخالط أنوار الملائكة أنوار الرحمة .**

یعنی پھر میں نے تجسس اور غور سے ان انوار کو دیکھا تو وہ ان فرشتوں کے انوار تھے جن کو حق تعالیٰ نے اس بات پر معین کر رکھا ہے کہ وہ ایسے ایسے مقامات میں اور ایسی ایسی مجلسوں میں حاضر ہوا کریں، نیز میں نے یہ بھی دیکھا کہ انوارِ رحمت اور انوار ملائکہ باہم خلط ملط ہو رہے تھے۔

واضح ہو کہ ہم شروع رسالہ میں لکھ آئے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ جملہ مفتیانِ فتاویٰ انکاری کے مستند ومقتدا اور **من ينتهي إليه إسنادهم و اعتمادهم** ہیں۔ تو فاتحہ طعام بھی ہم نے ان سے ثابت کر دی اور اب مبحث میلاد شریف کا اثبات بھی ہم نے انھیں کے نام پر ختم کر دیا اور خاص ان کی زبان سے اس مجلس میلاد کا محل نزولِ ملائکہ اور موردِ رحمت ہونا بھی ثابت کر دیا- **و کفیٰ به حجة**-

## علماے عرب کے نقل مواہیر :

حضرت مولانا احمد سعید فقیہ محدث دہلوی نقش بندی-رحمۃ اللہ علیہ-مولوی محبوب علی جعفری کے جواب میں لکھے اپنے رسالہ کے اندر 'قیام' کے سلسلے میں علماے عرب کے مفتیانِ مذاہب اربعہ کا فتویٰ نقل فرماتے ہیں،اس کے علاوہ ''غایۃ المرام''-مطبوعہ کلاں کوٹھی-میں بھی علماے عرب کا وہ فتویٰ منقول ہے؛ جسے طوالت سے بچتے ہوئے بطورِ تلخیص لکھتا ہوں :

[۱] قد اجتمعت الأمة المحمدية من أهل السنة و الجماعة على استحسان القيام و هي بدعة مستحبة لما فيه من إظهار الفرح و السرور و التعظيم .

قاله بفمه و أمر برقمه :

عثمان حسن الدمياطي الشافعي

المقيم بالمسجد الحرام

---

[۲] نعم استحسن كثيرون .

كتبه :

عبد الله بن محمد الميرغني الحنفي

مفتي المكة المكرمة

---

[۳] القيام عند ذكر ولادة سيد الأولين و الآخرين – صلى الله عليه و آله وسلم– استحسنه كثير من العلماء .

كتبه :

حسين بن إبراهيم

مفتي المالكية بمكة المحمية

---

[۴] نعم القيام عند ذكر ولادته –صلى الله عليه و آله وسلم– استحسنه العلماء و

هو حسن .

الفقير لربه :
محمد بن أبي بكر الرئيس
مفتي الشافعية بمكة المكرمة

۵ نعم يجب القيام عند ذكر ولادته -صلى الله عليه و آله وسلم- لما استحسنه العلماء الأعلام و قداة الدين و الإسلام .

كتبه الفقير إلى الله تعالىٰ :
محمد بن يحيىٰ
مفتي الحنابلة في مكة المشرفة

٦ أما القيام إذا جاء ذكر ولادته عند قراءة المولد الشريف توارثه الأئمة الأعلام و أقره الأئمة الحكام من غير نكير منكر و رد راد -و الله ولي التوفيق والهادي إلى سواء الطريق-

حرره خادم الشريعة و المنهاج :
عبد الله بن المرحوم عبد الرحمن سراج
المفسر و المحدث بمسجد الحرام

واضح ہو کہ یہ عبداللہ سراج بڑے اکمل رجال میں تھے۔اس عاجز نے مولانا احمد علی محدث سہارن پوری مرحوم سے بہت کچھ ان کی تعریف سنی ہے۔اور حضرت مولانا احمد سعید نقش بندی -رحمۃ اللہ علیہ- اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں :

مولانا عبداللہ سراج حنفی مفسر ومحدث حرم شریف یکتائے عہد خویش بود و راس رئیس فرقہ محدثہ بزانوے ادب در درس اوشان می نشست واعتراف بجامعیت مولانا موصوف می نمود۔

مولانا عبداللہ سراج حنفی مفسر ومحدث حرم شریف اپنے وقت کی بے نظیر شخصیت تھے۔نوپید

فرقے کے رئیس نے بھی نہ صرف ان کے درس میں زانوے تلمذ طے کیا بلکہ ان کی جامعیت کا اعتراف بھی کیا ہے۔

الحاصل! ایسے نادرِ روزگار علامہ کا قیام جائز رکھنا کہ - جس کی جامعیت و کاملیت کا ہر موافق ومخالف کو اقرار ہو - واقعی سند کامل ہے۔ پھر دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ اس قیام کا اپنے سے پہلے بڑے بڑے علما اور ائمہ اعلام سے متوارث و جاری ہونا' تحریر فرماتے ہیں - جیسا کہ ابھی ان کی عبارت منقول ہوئی -

عرب کے سید امام برزنجی - رحمۃ اللہ علیہ - 'عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر' میں فرماتے ہیں :

**و قد استحسن القيام عند ذكر مولده الشريف أئمة ذوو رواية و دراية .**

یعنی ائمہ روایت و درایت نے ولادت مبارکہ کے ذکر کے وقت قیام کو مستحسن کہا ہے۔

افسوس ہے کہ اس وقت سے لے کر اب تک کتنی صدیاں گزر چکیں۔ اور مخبر صادق - صلی اللہ علیہ وسلم - کا وعدہ سچا ہے کہ ہر صدی میں بدعت کو اکھاڑنے اور سنت کو قائم کرنے کے لیے ایک مجدد پیدا ہوا کرے گا۔ کیا سبب کہ بلادِ متبرکہ ہندوستان میں تو جب سے بہتیرے مجدد ہو گئے اور وہاں یعنی مکہ میں ایک بھی مجدد نہ ہوا جو اس بدعت اور ضلالت کا وہاں سے استیصال کرتا! ۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ قیام ہر گز ضلالت نہیں بلکہ بلا شک وشبہہ جائز اور مستحسن ہے ۔ خیر البلاد میں سیکڑوں برس سے علما اس کو مستحسن کہتے رہے، اور عبد اللہ سراج مفتی مکہ معظّمہ نے لکھا کہ کسی نے اس پر رد اور انکار بھی نہیں کیا ہے۔

مولوی قطب الدین صاحب کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مسئلہ پر مکہ اور مدینہ کے علما متفق ہوں وہ اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ ''مظاہر الحق'' - مطبوعہ میرٹھ - کے صفحہ ۸۷ پر بدعتیوں کے بیان میں لکھتے ہیں :

سنیوں کا مذہب سچا ہے، مکہ مدینہ کہ دین وہیں سے پیدا ہوا وہاں کے لوگ بھی سنی ہیں اگر ان کا مذہب یعنی بدعتیوں اور شیعوں کا اچھا ہوتا تو وہ یعنی مکہ مدینہ والے پہلے اس مذہب میں ہوتے ۔ انتہیٰ ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر قیامِ میلاد شریف کا انکار اچھا ہوتا تو اول علمائے عرب انکار کرتے کیوں کہ پختہ اہل سنت و جماعت وہی ہیں۔

اب ہم بطورِ اختصار علمائے عرب کا دوسرا فتویٰ نقل کرتے ہیں، جس کو - ۱۲۸۸ھ - (1871ء)

میں مولوی عبدالرحیم صاحب دہلوی کرا کر لائے تھے اور ''روضۃ النعیم'' کے آخر میں چھاپا تھا۔
سوال کی عبارت یوں ہے :

**سوال**: ما قولكم -رحمكم الله- في أن ذكر مولد النبي -صلى الله عليه وسلم- و القيام عند ذكر الولادة خاصة مع تعيين اليوم و تزيين المكان و استعمال الطيب و قراء ة سورة من القرآن و إطعام الطعام للمسلمين هل يجوز و يثاب فاعله أم لا . بينوا توجروا.

سوال: کیا فرماتے ہیں (مفتیان کرام) اس سلسلے میں کہ میلاد النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کا تذکرہ کرنا، ذکر ولادت کے وقت بطورِ خاص قیام کرنا، دن کو معین کرنا، مکان کی آرایش کرنا، خوشبوؤں کا استعمال کرنا، قرآن کی کوئی سورہ پڑھنا اور مسلمانوں کو کھانا کھلانا کیا یہ سب چیزیں جائز ہیں اور کیا اس کا کرنے والا ثواب بھی پائے گا یا نہیں۔

## بطورِ تلخیص علماے مکہ معظّمہ کے جواب

اعلم ان عمل المولد كما جاء في حديث ابن مسعود قال : ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن و المراد من المسلمين الذين كملوا الإسلام كالعلماء العاملين و علماء العرب و المصر و الشام و الروم و الأندلس كلهم رأوه حسنا من زمان السلف إلى الآن فصار الإجماع و الأمر الذي ثبت بالإجماع فهو حق ليس بضلال قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: لا يجتمع أمتي على ضلالة ، فعلىٰ حاكم الشرع تعزير منكره -والله أعلم .

جواب: یعنی عمل میلاد کے سلسلے میں یہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت ابن مسعود کی حدیث میں آیا ہے کہ جسے مسلمان بہتر سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہے۔ اور مسلمانوں سے کامل الاسلام مسلمان مراد ہیں جیسے باعمل علماے کرام۔ اورعرب ومصر، شام وروم اور اندلس کے علما' سلف صالحین کے زمانے سے لے کر آج تک میلاد النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کو بہتر سمجھتے آئے ہیں تو گویا کہ اس عمل مبارک پر اجماع ہو گیا اور جو چیز اجماع سے ثابت ہو جائے وہ حق ہوتی ہے، ضلالت نہیں ہوتی۔ رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے فرمایا ہے کہ میری امت کبھی بھی کسی گمراہی پر اکٹھا نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا حاکم شرع کو چاہیے کہ میلاد النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کے

انکاریوں کو سزا دے۔ واللہ اعلم۔

| عبدالرحمٰن سراج(۱) | احمد دحلان | حسن | عبدالرحمٰن جمال | حسن طیب | محمد شرقی |
|---|---|---|---|---|---|
| مفتی حنفی | مفتی شافعی | مفتی حنبلی | حنفی | حنفی | مفتی مالکی |
| سلیمان عینی | عبدالقادر خوکیر | ابراہیم الفتن | محمد جاراللہ | احمد الداغستانی | عبدالقادر شمس |
| عبدالرحمٰن افندی | احمد ابوالخیر | عبدالقادر تخینی | محمد سعید | عبدالمطلب | احمد کمال |
| محمد سعید الادیب | علی جودہ | سید عبداللہ کوشک | حسین عرب | ابراہیم نوموسی | احمد امین |
| شیخ فردوس | عبدالرحمٰن عجمی | عبداللہ مشاط | عبداللہ قماشی | محمد بابصیل | محمد سیوتی |
| علی ریقی | محمد صالح زواری | محمد حبیب اللہ | احمد الخراوی | عبداللہ زواری | سلیمان عقبہ |
| عمر سید شطی | عبدالحمید الداغستانی | مصطفیٰ عفیفی | منصور | منشاوی | محمد راضی |

## بطورِ تلخیص علمائے مدینہ منورہ کے جواب

**اعلم ان ما يصنع من الولائم في المولد الشريف و قراء ته بحضرة المسلمين و إنفاق الميراث و القيام عند ذكر ولادة الرسول الأمين و رش ماء الورد و إيقاد البخور و تزيين المكان و قراء ة شيىء من القرآن و الصلوٰة على النبي –صلى الله عليه وسلم– و إظهار الفرح و السرور فلا شبهة في أنه بدعة حسنة مستحبة و فضيلة شريفة مستحسنة فلا ينكرها إلا مبتدع لا استماع لقوله بل على حاكم الإسلام أن يعزره – والله أعلم و صلى الله على سيدنا محمد و آله و صحبه و سلم –.**

(۱) عبدالرحمٰن سراج، مفتی عبداللہ سراج کے بیٹے ہیں جن کی علمیت کا بڑا شہرہ تھا۔ ۱۲ منہ

جواب: یعنی سوالِ مذکورہ کے جواب میں علماے مدینہ منورہ فرماتے ہیں: معلوم ہونا چاہیے کہ میلاد النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- منانا، اہل اسلام کے مجمع میں اسے پڑھنا، پاک چیزوں کا خرچ کرنا، ذکر ولادت نبوی کے وقت قیام کرنا، گلاب جل چھڑکنا، لوبان وغیرہ جلانا، مکان کی آرایش کرنا، قرآن کے کسی حصہ کی تلاوت کرنا، نبی اکرم -صلی اللہ علیہ وسلم- پر درود بھیجنا اور مسرت وخوشی کا مظاہرہ کرنا بلا شبہہ بدعت حسنہ ومستحبہ ہے اور فضل وشرف کا کام ہے۔ ان کا انکار کوئی بدعتی ہی کرسکتا ہے جس کی بات نہ تو سنی جائے بلکہ حاکم اسلام کا یہ فرض بنتا ہے کہ اس پر سزا مسلط کرے۔ واللہ اعلم۔

| محمد امین | جعفر حسینی البرزنجی | عبدالجبار | جمال الدین سید | ابراہیم بن خیار | یوسف سید |
|---|---|---|---|---|---|
| السید محمد علی | السید عبداللہ بن سید احمد | محمد بن احمد رفاعی | عمر ابن علی | علی حریری | مصطفٰے سید |
| احمد سراج | حسن ادیب | ابوالبرکات | عبد القادر مشاط | سید سالم | احمد الحبشی |
| محمد نور سلیمانی | عبدالرحیم البرعی | محمد عثمان کردی | قاسم | عبدالعزیز ہاشمی | یوسف رومی |
| محسن | مبارک ابن سعید | حامد | محمد ہاشم ابن حسن | عبداللہ ابن علی | عبدالرحمٰن صفوی |

## بطورِ تلخیص علماے جدہ کے جواب

اعلم ان ذكر مولد النبي -صلى الله عليه وسلم- بهذه الصورة المجموعية المذكورة بدعة حسنة مستحبة شرعا لا ينكرها إلا من في قلبه شعبة من شعب النفاق و كيف يسوغ له ذلک مع قوله تعالیٰ: وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ -والله أعلم-

یعنی سوال میں جو صورتیں بیان کی گئی ہیں ان مجموعی صورتوں کے مطابق ذکر میلاد النبی - صلی اللہ علیہ وسلم - کرنا شرعاً بدعت حسنہ مستحبہ ہے۔ اس کا انکار وہی کر سکتا ہے کہ جس کے دل میں نفاق کا کوئی حصہ ہوگا، اور پھر ایسا ممکن کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

| علی بن احمد باصبرین | عباس ابن جعفر بن صدیق | احمد فتاح | محمد سلیمان | احمد حبلس | محمد صالح |
|---|---|---|---|---|---|
| | احمد عثمان | احمد بن عجلان | محمد صدقہ | عبدالرحیم بن محمد زبیدی | |

## علماے حدیدہ کے جواب

**قراء ة المولد الشريف مع الأشيـاء المذكـورة جـائز بل مستحبـة يثـاب فـاعـلهـا فـقـد ألف في ذلك العلماء و حثوا على فعله و قالوا لا ينكرها إلا مبتد ع فعلى حاكم الشريعة أن يعزره .**

یعنی سوال میں مذکورہ چیزوں کے ساتھ میلاد شریف پڑھنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب بھی ہے جس کا کرنے والا ثواب پائے گا۔ علماے کرام نے اس سلسلہ میں کتابیں تصنیف فرمائی ہیں اور اس عمل خیر پر ابھارا ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کا انکاری کوئی بدعتی ہی ہو سکتا ہے تو ایک حاکم اسلام کا فرض ہے کہ اس کی ٹھیک سے خبر لے۔

| الفقیر الی اللہ یحییٰ ابن مکرم | علی شامی | علی بن عبداللہ | محمد بن سالم عایش | محمد بن ابراہیم حشیری | علی طحان |
|---|---|---|---|---|---|
| محمد بن عبداللہ | محمد بن داوٗد بن عبدالرحمٰن | علی بن ابراہیم الزبیدی | علی بن محمد حباب | احمد ابن محمد ابن الخلیل | عبدالرحمٰن بن علی حضرمی |

اِن تازہ دنوں میں علماے عرب کی تحریریں، راقم السطور کے پاس آئی ہیں۔ مفتیانِ مذاہب اربعہ کی عبارتیں بطورِ تلخیص نقل کرتا ہوں۔

**سوال**: ما قولكم -دام فضلكم ، رحمكم الله تعالىٰ- في عمل المولد النبوي و القيام فيه هل هما جائزان أم لا ، -بينوا توجروا-

سوال: میلادالنبی-صلی اللہ علیہ وسلم-اوراس میں قیام جائز ہے یانہیں؟-

**جواب**: الحمد لمن هو به حقيق و منه استمد العون و التوفيق ، نعم هما جائزان و عليه عمل المسلمين في عامة بلاد الإسلام و الاستدلال على الجواز مبسوط في كتب الأئمة الأعلام و لا عبرة بمنع المانعين من الجهلة اللیام ، -و الله أعلم-

أمر برقمه :

خادم الشريعة راجي اللطف الخفي

محمد صالح بن المرحوم صديق الكمال الحنفي

مفتي المكة المكرمة حالا -كان الله لهما-

محمد صالح

جواب: یعنی مسلمانوں کا تمام اسلامی شہروں میں اس پرعمل ہے،اوراس سلسلے کے دلائل تفصیلی طور پراجلہ علما کی کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔جو جاہل بدبخت اسے منع کریں ان کا کوئی اعتبارنہیں۔ (مفتی حنفی مکہ)

---

[۳] عمل المولد استحسنه جمهور السلف و الخلف و قال العلامة الشهاب الخفاجي محشي البيضاوي في رسالته في عمل المولد : أنه بدعة حسنة .

أمر برقمه :

خادم الشريعة و المنهاج

عبد الرحمٰن بن عبد الله سراج الحنفي

عبدالرحمٰن سراج

جواب: یعنی جماہیرسلف وخلف نے اس عمل کواچھا سمجھا ہےاورتفسیر بیضاوی کے حاشیہ نگار علامہ شہاب الدین خفاجی نے اپنے میلادنامہ میں اسے بدعت حسنہ قراردیا ہے۔ (مفتی حنفی)

﴿۳﴾ ما حرره مفتي الأحناف هو عين الصواب -والله سبحانه أعلم-

خادم الشريعة ببلدة الله المحمية

أبو بكر حجي بسيوني

مفتي المالكية

ابوبکر حجی بسیونی

جواب: یعنی حنفی مفتیوں نے اس سلسلہ میں جو کچھ تحریری حکم فرمایا ہے وہ بالکل ہی درست ہے۔ (مفتی مالکی)

﴿۴﴾ ما أجاب به مولانا هو المذهب الذي لا ينكره أحد .

كتبه راجي العفو من واهب العطية

محمد بن المرحوم الشيخ حسين

مفتي المالكية ببلدة الله المحمية

محمد بن الشیخ حسین

جواب: یعنی مولانا نے جو جواب تحریر فرمایا ہے وہی عین مذہب ہے اور اس سلسلہ میں کسی کو کوئی انکار نہیں ہے۔ (مفتی مالکی)

﴿۵﴾ اللهم هداية للصواب في كتاب قصة المولد للعلامة الشهاب ابن الحجر ان عمل المولد بدعة لكنها حسنة لما اشتملت عليه من الإحسان و قراء ة القرآن و إكثار الذكر و إظهار السرور و الفرح به -صلى الله عليه وسلم- و المحبة له و إغاظته أهل الزيغ و العناد من الزنادقة و الملحدين و الكفرة و المشركين و لم يزل أهل الأقطار في سائر المدن و الأمصار يحتفلون بعمل المولد في شهره -الخ- و أما القيام في المولد فقيل أنه مندوب شرعا و قيل أنه بدعة حسنة .

أمر برقمه المرتجى من ربه كمال النيل
محمد سعيد بن محمد بابصيل
مفتي الشافعية بمكة المحمية

محمد سعید بابصیل

جواب: یعنی یہ ایک اچھا عمل ہے کیوں کہ یہ احسان اور قراءت قرآن پر مشتمل ہے نیز اس میں ذکر پر ابھارنا، خوشیاں منانا اور نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- سے فرحت ومحبت کا اظہار کرنا ساتھ ہی کفار وملحدین کو جلانا بھی پایا جاتا ہے اور وہ دیکھ کر رشک کرتے ہیں۔ اہل اسلام نے ہر دور اور ہر شہر میں میلاد النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کی محفلیں سجائی ہیں۔ رہی بات قیام کی تو بعض نے اسے شرعا مستحب اور بعض نے بدعت حسنہ قرار دیا ہے۔ (مفتی شافعی)

---

[۲] نعم عمل المولد جائز لإجماع المسلمين عليه و القيام عند ذكر مولده -صلى الله عليه وسلم- فهو أدب حسن و لا يخالف مشروعا و يوخذ من فعل الإمام أحمد الجواز و ذلك أنه ذكر عنده إبراهيم بن طهمان و كان متكئا فاستوى جالساً و قال لا ينبغي أن يذكر الصالحون فنتكي قال ابن عقيل فأخذت من هذا حسن الأدب فيما يفعله الناس عند ذكر إمام العصر من النهوض لسماع توفيعاته قال في الفروع و معلوم ان مسئلتنا أولىٰ فمن تركه مع قيام الناس على اختلاف طبقاتهم فقد سلك مسلك الجفا و ربما يحصل عليه من الذم و التوبيخ ما لا خير فيه استخفاف بالجناب الأعظم -صلى الله عليه وسلم- و ذكر ابن الجوزي أن ترك القيام كان في الأول ثم صار ترك القيام كالهوان بالشخص فاستحب لمن يصلح له القيام - والله سبحانه أعلم-

أمر برقمه الحقير :
خلف بن إبراهيم
خادم افتاء الحنابلة بمكة المشرفة حالا

جواب: یعنی محفل میلاد النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- اور اس میں قیام کرنا مسلمانوں کے اجماع سے جائز ہے۔ ادب کی بات بھی یہی ہے اور یہ کوئی شرع کے مخالف بھی نہیں۔ اور امام احمد بن حنبل -علیہ الرحمہ- کے اس فعل سے بھی اس کے جواز کا پتا چلتا ہے کہ آپ تکیہ پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، کسی نے آپ کے سامنے ابراہیم بن طہمان کا تذکرہ چھیڑ دیا تو آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ ٹیک لگا کر صالحین کا ذکر سننا ادب کے خلاف ہے۔ ابن عقیل کہتے ہیں کہ جو لوگ اس زمانے میں امام عصر کے تذکرے کے وقت ان کے فرمان کو سننے کے لیے (تعظیماً) کھڑے ہوتے ہیں تو اس سلسلہ میں مذکورہ واقعہ سے مجھے حسن ادب کی تعلیم مل گئی۔ انھوں نے 'فروع' میں کہا کہ یہ بھی ایک یقینی بات ہے کہ یہ مسئلہ دائرہ اس کا اس سے کہیں زیادہ حق دار ہے۔ پس مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے قیام کرنے کے باوجود جو قیام نہ کرے تو سمجھ لو وہ پورا گوار اور اُجڈ ہے۔ اور بسا اوقات اس سے اس حرکت پر وہ مذمت و توبیخ نصیب ہوگی جس میں کچھ بھی بھلائی نہیں؛ کیوں کہ اس میں بارگاہِ رسالت -علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام- کی توہین ہے۔ ابن جوزی نے کہا کہ پہلے زمانے میں قیام کا کوئی رواج نہ تھا۔ پھر ترک قیام آدمی کی تذلیل و تحقیر کے درجے میں ہوگیا۔ تو اب مستحق قیام کے لیے قیام مستحب ہے۔

**[۷] قد أجمع عليه العلماء الأعلام من المذاهب الأربعة فلا يجوز خرق الإجماع و من انفرد برده فكلامه باطل مردود عليه —و الله سبحانه تعالىٰ أعلم—**

**أمر برقمه الراجي من الله التوفيق**
**عبده عباس بن جعفر بن صديق**
**المدرس والخطيب للحرم المكي الشريف**

جواب: چوں کہ اس عمل پر مذاہب اربعہ کے اجلہ ائمہ کا اجماع منعقد ہو چکا ہے لہٰذا اب یہ اجماع توڑنا جائز نہیں۔ اور جو کوئی اس سے انکار کر کے اپنی انفرادیت قائم کرنا چاہے تو اس کا کلام باطل ہوگا اور اس کے منہ پر مار دیا جائے گا۔

**[۸] نظرت في هذه الأسئلة و ما أجاب به مفاتي الإسلام و علماء الأنام فوجدتها في غاية الصواب لا يخالفها إلا من طمس الله بصره و**

بصيرته .

كتبه راجي رضاء الخبير :

عبد القادر بن محمد خوكبير

المدرس و الإمام بالمسجد الحرام

عبدالقادر بن محمد علی

جواب: میں نے ان سوالات اور اس سلسلے میں تحریر شدہ مفتیانِ دینِ متین کے جوابات ملاحظہ کیے اور انھیں عین درست پایا جس سے انکار کی صرف وہی سوچ سکتا ہے جس کی بصیرت وبصارت دونوں جواب دے گئی ہوں۔

---

﴿۹﴾ ما أجاب به مفاتي الإسلام ببلد الحرام هو الحق الذي يعول عليه و يجب المرجع و المصير إليه .

كتبه العبد الراجي رحمة ربه المنان :

محمد رحمت الله بن خليل الرحمٰن -عفا الله عنهما-

محمد رحمۃ اللہ

یہ حضرت استاذ نا ومولانا محمد رحمت اللہ مہاجر مکی ہیں جن کا ذکر جوازِ ''یا رسول اللہ'' کے فتویٰ میں اوپر گزر چکا ہے۔

جواب: یعنی اللہ کے مقدس حرم کے مفتیانِ اسلام نے اس سلسلہ میں جو فتوے صادر فرمائے ہیں یقیناً وہ حق ودرست ہیں۔

---

﴿۱۰﴾ ما كتب في هذا القرطاس صحيح لا ريب فيه – و الله سبحانه أعلم–

حرره :

محمد عبد الحق -عفي عنه-

محمد عبدالحق

یہ صاحب' ہندوستان سے ہجرت کر کے اب عرب میں مقیم ہیں ۔ عالم، عادل، صوفی اور قلب سلیم کے مالک ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم میں برکت دے ۔

جواب: یعنی اس کاغذ پر ( مفتیانِ کرام کے جو فتاوے ) تحریر ہیں وہ بلاشبہہ حق ودرست ہیں ۔

واضح ہو کہ حرمین شریفین - زادہما اللہ شرفا - کے قدیم وجدید یہ فتاوے ہم نے اس لیے نقل کیے ہیں کہ بعض علماے سنت نے اجماع حرمین کو حجت مانا ہے حتیٰ کہ امام بخاری نے یہ قرار دیا ہے کہ جس پر حرمین طیبین مکہ و مدینہ کا اجماع ہو جائے وہ حجت ہے :

**ما اجمع عليه الحرمان مكة و المدينة .** (۱)

شارح بخاری لکھتے ہیں :

**و عبارة البخاري مشعرة بأن اتفاق أهل الحرمين كليهما إجماع .** (۲)

یعنی امام بخاری کی یہ عبارت بتا رہی ہے کہ اہل حرمین کا اتفاق اجماع ہے ۔

جن لوگوں نے وہاں کے اجماع کو دلیل قطعی کے درجہ میں نہیں رکھا ہے تو اتنا ضرور کیا ہے کہ ترجیح مذہب مخالف کے لیے اس کو معتمد علیہ اور مفتیٰ بہ ٹھہرایا ہے ۔ مثلا سورۂ فاتحہ میں **مالک يوم الدين** اور **مَلِک يوم الدين** دو قراءتیں ہیں اور ہر چند دونوں کے صحیح ہونے کے باوجود علامہ بیضاوی نے **مَلِک يوم الدين** کی قراءت کو ترجیح دی ہے اور یہ لکھا ہے :

**و هو المختار لأنه قراء ة أهل الحرمين .** (۳)

ہدایہ میں ہے :

**و المستحب في الجلوس بين الترويحتين مقدارُ الترويحة ، و كذا بين الخامسة وبين الوتر لعادة أهل الحرمين .** (۴)

یعنی ترویحتین کے درمیان ترویحہ کی مقدار بیٹھنا مستحب ہے ، یوں ہی خامسہ اور وتر کے درمیان بھی ۔ اہل حرمین کی عادت چوں کہ ایسی ہی ہے ۔

فتاویٰ قاضی خان کی - کتاب الحظر والاباحۃ - میں ہے :

---

(۱) صحیح بخاری: ۲۲/۳۰۱ - باب ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم -
(۲) فتح الباری لابن حجر: ۲۰/۳۸۰ - ماذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم -
(۳) تفسیر البیضاوی: ۱/۶ ۔
(۴) العنایۃ شرح الہدایۃ: ۲/۲۳۷ - فصل فی قیام شہر رمضان -

**لا بأس بأن ينقش المسجد بماء الذهب و الفضة من ماله فإن الكعبة مزخرفة بماء الذهب و الفضة مستورة بألوان الديباج و الحرير .**

یعنی اپنے مال سے مسجد کے درودیوار کی آرایش وزیبایش آب ہاے سیم وزر سے کرنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ کعبہ بھی چاندی وسونے کے پانی سے آراستہ اور ریشم ودیبا کے رنگوں سے ڈھانپا گیا ہے۔

اور جمعہ کے روز پہلے پہر قبروں کی زیارت کو جو بعض لوگ منع کرتے ہیں تو فقہا فعل حرمین کی وجہ سے اس کا رد کرتے ہیں۔ چنانچہ عبدالحق محدث دہلوی بھی اس کی طرف اشارہ فرماتے ہیں :

و روز جمعہ فاضل ترست از روز دیگر خصوصا در اول روز جمعہ وہمیں ست درحرمین شریفین وآں چہ مشہور شدہ است از منع زیارت روز جمعہ اصلی صحیح ندارد۔ انتہیٰ ۔

یعنی جمعہ کے دن خصوصا اس کے پہلے پہر کی دوسرے دنوں کی بہ نسبت زیادہ فضیلت ہے۔ اور حرمین شریفین میں یوں ہی رائج ہے۔ اور وہ جو مشہور ہے کہ جمعہ کے دن زیارت قبور جائز نہیں تو اس کی کوئی اصل نہیں۔

یہ چند نظیریں بطورِ تلخیص لکھ دی گئی ہیں اس کے علاوہ اور بھی نظائر موجود ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مفتیان دین نے علماے حرمین کے رواج دیے ہوئے اعمال پر اعتماد کیا ہے لیکن واے برحال مخالفین کہ وہ اس طرح بے توقیری سے حرمین کا نام لیتے ہیں کہ اہل ایمان کے دل کانپ جاتے ہیں۔

## لطیفہ :

ایک مقام پر دو عالموں میں گفتگو ہوئی، ایک میلاد شریف کے قائل تھے اور دوسرے منکر۔
انکاری نے کہا کہ قصبۂ دیوبند استفتا بھیجو پھر دیکھو وہ مولود کو کیا لکھتے ہیں۔
اقراری نے کہا کہ دیوبند کوئی دار الاسلام تو ہے نہیں ، یوں کہیے کہ آئیں حرمین شریفین -زادہما اللہ شرفاوتعظیماً- کو استفتا بھیجیں۔

یعنی اس لیے کہ وہ دین وایمان کا گھر ہے۔ حدیث پاک میں ہے :

دین مکہ مدینہ میں ایسے سمٹ آئے گا جیسے سانپ اپنے بل میں سمٹ آتا ہے۔(۱)

یعنی جیسے سانپ اپنے بل سے نکل کر ہر طرف گھوم پھر کر پھر اپنی بل ہی میں قرار پاتا ہے اور سانپ بل میں گھس کر ایسی قوت سے چمٹ جاتا ہے کہ اس کا نکالنا مشکل ہو جاتا ہے، اسی طرح پہلے پہل دین' مکہ مدینہ سے نکلا پھر آخر زمانہ میں بھی اگر دین کہیں نہ ہو تو یہاں ضرور ہوگا اور یہاں سے دین کو نکالا بھی نہ جا سکے گا۔

مشکوٰۃ کے - باب ذکر الیمن والشام - میں ہے :

الإِيْمَانُ فِي أَهْلِ الْحِجَازِ - رواہ مسلم - (۲)

یعنی ایمان حجاز والوں میں ہے۔

ملک حجاز' مکہ و مدینہ کو شامل ہے۔

غرض کہ فتویٰ اگر لکھواؤ تو اس ملک کے علما سے لکھواؤ جس کی شہادت اور تعریف احادیث میں آئی ہے، دیوبند کی شہادت کون سی حدیث میں آئی ہے!۔

انکاری صاحب بولے مکہ میں تو چور آدمی ہیں رستہ لوٹتے ہیں۔

اقراری نے جواب دیا: رہزنی اور مال لوٹنا یہ سب اطراف کے رہنے والے بدو لوگ کرتے ہیں خاص مکہ کے آدمی نہیں کرتے اور یہ حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - ہی کے وقت سے ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۴۳۱/۶ حدیث: ۱۷۴۳...... صحیح مسلم: ۳۵۲/۱ حدیث: ۲۱۰...... سنن ترمذی: ۲۱۹/۹ حدیث: ۲۵۵۴...... سنن ابن ماجہ: ۲۵۷/۹ حدیث: ۳۱۰۲...... مشکوٰۃ المصابیح: ۳۵/۱ حدیث: ۱۶۰...... مسند احمد: ۵۱/۱۶ حدیث: ۷۵۱۰ ...... دلائل النبوۃ بیہقی: ۲/ ۳۸۹ حدیث: ۷۷۵...... مستخرج ابوعوانہ : ۲۴۶/۱ حدیث : ۲۲۰...... صحیح ابن حبان: ۴۵۵/۱۵ حدیث: ۳۷۹۷...... معرفۃ الصحابۃ: ۲۳۷/۱۴ حدیث: ۴۵۰۳...... موارد الظمآن: ۲۵۵/۱...... امثال الحدیث: ۴۰۹/۱ حدیث: ۲۵۶...... الایمان ابن مندہ: ۶/۲ حدیث: ۴۲۴...... فضائل المدینۃ جندی: ۱۸/۱ حدیث: ۲۰...... مسند سعد بن ابی وقاص: ۸۸/۱ حدیث: ۷۸...... معجم الصحابۃ ابن قانع: ۲۹۱/۴ حدیث: ۱۰۷۹...... مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۲۳/۲...... کنز العمال: ۲۳۸/۱ حدیث: ۱۱۹۰...... مسند الجامع: ۱۱۸/۴۵ حدیث: ۱۴۸۸۰...... تحفۃ الاشراف: ۱۸/۱۰ حدیث: ۱۰۷۷۸۔

متن حدیث یوں ہے: إن الإيمان ليأرزُ إلى المدينةِ كمَا تأرزُ الحيَّةُ إلى جُحْرِهَا .

بہتیری کتب میں یہ حدیث یوں بھی ملتی ہے: إن الدين ليأرزُ إلى الحجاز كمَا تأرزُ الحيَّةُ إلى جُحْرِهَا .

(۲) صحیح مسلم: ۱۷۸/۱ حدیث: ۸۰...... مشکوٰۃ المصابیح: ۳۶۷/۳ حدیث: ۶۲۶۱...... مسند احمد: ۱۱۷/۲۹ حدیث: ۱۴۰۶۸ ...... مستخرج ابوعوانہ: ۱۴۷/۱ حدیث: ۱۳۳...... مسند ابویعلی موصلی: ۴۵۷/۴ حدیث: ۱۸۴۹...... الایمان لابن مندہ: ۲/ ۳۳ حدیث: ۴۵۰...... فضائل الصحابہ احمد بن حنبل: ۹۲/۴ حدیث: ۱۵۵۹...... تحفۃ الاشراف: ۸۳/۴ حدیث: ۲۸۳۹۔

قرآن شریف میں ہے :

أَوَ لَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَماً آمِناً وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ . (۱)

اور کیا انھوں نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے حرمت والی زمین پناہ بنائی اور ان کے آس پاس والے لوگ اُچک لیے جاتے ہیں۔

تو یہ مار پیٹ اور اُچک لینے کی باتیں زمانہ قدیم ہی سے وہاں بدو خارجی کر رہے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں لیکن کفر و شرک سے پاک ہیں۔ وہاں کے بدوے گنوار آدمی بھی گناہِ صغیرہ یا کبیرہ کریں تو کریں ورنہ کفر اور شرک تو اس ارض مقدس کے آس پاس کہیں نہیں ہوتا، اور دیوبند میں تو کفر و شرک بھرا ہوا ہے۔ جا بجا سیتلا پوجی جاتی ہے، مندر اور شوالے بنے ہوئے ہیں سنکھ بج رہے ہیں، پھر دیوبند اچھا ہوا یا حرمین شریفین۔

انکاری صاحب کی طرف سے جواب ہوا کہ ہم دیوبند کے عامی جاہل مسلمان اور قوم ہندو کے مشرکوں سے سند نہیں پکڑتے، ہم تو وہاں کے علماے اہل اسلام کی سند پکڑتے ہیں۔

اقراری نے کہا بس! ہمارا بھی یہی جواب ہے کہ ہم حرمین شریفین کے علماے دین اور مفتیان شرع متین کی سند پکڑتے ہیں اور وہ سب بالاتفاق محفل میلاد شریف کو درست فرماتے ہیں پھر تم ناحق بدوؤں اور جنگلی لٹیروں کا کیوں ذکر کرتے ہو؟ پہلے بھی حرمین کے خواص علما کا حکم اور فتویٰ لیا جاتا تھا اور ـ علی ہذا القیاس ـ اب بھی۔ لہٰذا علماے خیر البلاد کی سند منگاؤ لیکن انکاری کو خوب معلوم تھا کہ اگر وہاں استفتا بھیجا تو وہاں کے سبھی علما محفل میلاد کے استحباب کا حکم لکھ دیں گے، اس لیے اس نے انکار کر دیا کہ ہم حرمین کو نہیں مانتے ـ معاذ اللہ ـ ہم تو دیوبند کو مانتے ہیں۔

اقراری نے جواب دیا: آپ کو دیوبند مبارک ہو اس پر ایمان رکھیے۔ ہم کو حرمین شریفین مبارک ہوں اور ہمارا ایمان ان لوگوں کے ساتھ ہے۔ گفتگو اسی پر ختم ہوگئی۔

اب دیکھیں کہ ان لوگوں کی یہ حالت ہوگئی کہ دیوبند کے آگے حرمین شریفین کو حقیر جاننے لگے، اہل حرم کی حقارت، تحقیر حرم کی نوبت کو پہنچاتی ہے۔ قضیہ مشہور ہے: **شرف المکان بالمکین** . (یعنی مکان کی زینت رہنے والے سے ہوتی ہے)

ہاے وہ حرم پاک کہ ہم پانچوں وقت نمازوں میں اپنا منہ اس کی طرف کریں :

(۱) سورۂ عنکبوت: ۲۹/ ۶۷۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ . (۱)

ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔

سوتے وقت بھی قبلہ کی طرف منہ کر کے سونا ہے۔ اور مرنے کے بعد قبر میں دفناتے وقت بھی یہی حکم دیا ہے :

يوجه إلى القبلة .

یعنی اس کا رخ قبلہ کی طرف کیا جائے۔

اور وہاں کے باشندے تو وہ ہیں جن کی بابت صحیفۂ آدم - علیہ السلام - میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں مکہ کا خداوند ہوں، وہاں کے رہنے والے میرے ہم سایہ ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے :

جو کوئی اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ بیت اللہ کے ہمسایہ کی تعظیم کرے۔

نیز یہ بھی روایت ہے کہ جب حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - نے عتاب بن اسید کو مکہ پر امیر کیا تو یہ فرمایا: تو جانتا ہے تجھ کو کس پر مقرر کیا ہے؟ تو اہل اللہ پر مقرر کیا گیا ہے۔ وہ اہل اللہ کون ہیں؟ یہی مکہ معظّمہ کے رہنے والے۔ تو ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا۔

کلام اللہ میں والیان کعبہ کی نسبت ارشاد ہے :

إنْ أَوْلِيَاءُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ . (۲)

اس کے اولیا تو پرہیزگار ہی ہیں۔

تو کعبہ کے مسلمان اولیا کو اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں سے تعبیر فرماتا ہے۔

افسوس! یہ لوگ اس حرم پاک اور اس کے رہنے والوں کو - جو اہل اللہ، ہمسایہ خدا اور پرہیزگار ہیں - کن کن حقیر لفظوں سے یاد کرتے ہیں - العظمۃ للہ - حق سبحانہ تعالیٰ ہدایت فرمائے۔

یہ لوگ اپنے بزرگوں کا کلام بھی بھول گئے۔ ''تحفۃ العرب والعجم'' میں مولوی قطب الدین خاں صاحب لکھتے ہیں :

عرب کے علما پر جو بعضے احمق لوگ طعن کرتے ہیں، بڑی خطا پر ہیں اس لیے کہ وہ 'خیر البقاع' کے رہنے والے ہیں - انتہی -

---

(۱) سورۂ بقرہ: ۲/۱۴۴۔

(۲) سورۂ انفال: ۸/۳۴۔

شاہ ولی اللہ صاحب ''فیوض الحرمین'' میں لکھتے ہیں :

خبردار خبردار! اہل مدینہ سے دل میں ہرگز کدورت نہ رکھنا ورنہ فیضان انوارِ محمدی -صلی اللہ علیہ وسلم- سے محروم رہو گے- ہذا کلامہ ملخصاً-

آمدم برسر مطلب ٗ ہاں! اے محمد یو! دیندارانِ حرمین کا اقتدار اور مفتیانِ حرم کا شرف و اعتبار دل میں جما کر ذرا دیکھو تو سہی کہ وہ کن دل رُبا الفاظ و معانی سے مدعا ثابت فرما رہے ہیں، اور یہ نہیں لکھتے کہ صرف اہل حرم ہی اس عمل محترم کو جائز سمجھتے ہیں بلکہ اپنے ساتھ ساتھ یہ ثبوت بھی فراہم کر رہے ہیں کہ عرب و عجم، مصر و شام اور اندلس کے علما بھی اس کو مستحسن فرماتے ہیں۔ میلاد کو جائز سمجھنے والوں کے اسماے گرامی شمار کرتے وقت ہم بتا چکے ہیں کہ سعید بن مسعود گازرونی، ملا علی قاری اور نور الدین ابوسعید بورانی نے تمام ملکوں کے علماے کرام سے محفل میلاد کے مستحسن ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا ہے؛ لہٰذا یہ سمجھنا چاہیے کہ ہم نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ صرف اہل حرمین ہی اس عمل کا حکم کرنے والے اور اس کے جواز کا قول کرنے والے ہیں بلکہ حرمین کے فتاوے تو ادباً اور تعظیماً سب سے پہلے نقل کر دیے ہیں۔ اب لیجیے حرمین کے علاوہ اور چند مقامات کے فتاوے بھی ملاحظہ کیجیے۔

## فتاواے بغداد شریف

بغداد شریف دو وجہوں سے نہایت بابرکت ہے ایک تو یہ کہ وہاں حضرت امام اعظم کا مزار مبارک ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں حضرت غوث اعظم کا روضہ اقدس ہے۔ علاوہ ازیں وہاں مقبولین خدا کی تعداد حد و شمار سے باہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شہر علما و صالحین کی آماجگاہ ہے اور وہاں کے فضلا و محدثین اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ دیکھیے کہ وہاں کے مفتیان عالی جاہ اور محققین ژرف نگاہ کیا فرماتے ہیں چوں کہ لفظ بہ لفظ عبارت نقل کرنا طوالت کا باعث ہے اس لیے ان کے خاص خاص چیدہ جملے مختصراً نقل کرتا ہوں۔

[۱] مولانا سید محمد سعید آفندی دوری - ادام اللہ برکاتہ-

یہ حضرت غوث الثقلین کے دربار معلیٰ میں خطیب ہیں، بروزِ جمعہ وہاں خطبہ دیا کرتے ہیں؛ انھوں نے اثبات مولد و قیام میں چار ورق کا رسالہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :

**حمدا لمن من علينا بإظهار أنوار سيدنا محمد -صلى الله عليه وسلم-.**

**أما بعد! فقراءة المولد الشريف له أصل أخرجه حجة الإسلام الشيخ أبو**

الفضل ابن حجر العسقلاني – إلى آخره– و قد ذكر ابن تيمية في كتاب "اقتضاء الصراط المستقيم" ان ثواب قراء ة المولد المبارک غير يسير لما في ذلک من حجة الرسول –صلى الله عليه وسلم– و قد بسط الكلام فيه و في سائر البدع المقبولة و غيرها ، و قال السيوطي : ظهر لي تخريجه علي أصل آخر –إلى آخره– و رأيت الإمام ابن الجزري قال في عرف التعريف فما حال المسلم الموحد من أمة النبي –صلى الله عليه وسلم– يبذل ما تصل إليه قدرة في محبته –صلى الله عليه وسلم– لعمري إنما يكون جزاء ه من الله الكريم أن يدخله بفضله جنات النعيم ، و قال الحافظ ناصر الدين الدمشقي مثله في كتابه " في مولد الهادي " و قال الكمال الأدفوي الطالع حكى لنا صاحبنا العدل ناصر الدين محمد بن العماد ان أبا الطيب محمد بن إبراهيم السبتي المالكي نزيل قوص أحد العلماء العاملين كان يجوز بالمكتب في اليوم الذي ولد فيه النبي –صلى الله عليه وسلم– فيقول يا فقيه هٰذا يوم السرور اصرف الصبيان فيصرفنا فهذا منه دليل على تقريره و عدم إنكاره و هذا الرجل كان فقيها مالكيا متقنا في العلوم متورعا أخذ عنه أبو حيان وغيره و مات سنة خمس و تسعين و ست مائة و القيام حين تذكر ولادته –صلى الله عليه وسلم– بقصد التعظيم و الفرح و السرور بقدوم سيد الأولين و الآخرين وجدته من العلماء الأعلام و قد أفتى جماعة باستحبابه عند ذكر ولادته –صلى الله عليه وسلم– و في مولد المدابغي – رحمة الله عليه– جرت العادة بقيام الناس إذا انتهى المداح إلى ذكر مولده –صلى الله عليه وسلم– و هي بدعة مستحسنة مستحبة–انتهىٰ– و تعظيمه واجب على كل مسلم و لا شک أن هذا القيام من باب التعظيم ، قال المولف و الذي أرسله رحمة للعالمين لو استطعت القيام على رأسي لفعلت أبتغي بذلک الزلفىٰ عند الله –عزوجل– ..........

*ترجمہ: حمد وشکر اس کی جس نے انوارِ محمدی ظاہر کر کے ہم پر احسان فرمایا۔ میلا د شریف کا پڑھنا درست ہے، اور اس کی اصل حجۃ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی نے بیان فرمائی ہے۔ الیٰ آخرہ۔*

ابن تیمیہ نے ''اقتضاء الصراط المستقیم'' میں لکھا ہے کہ میلاد شریف پڑھنے کے اجر کو کچھ کم نہ سمجھنا چاہیے، اس لیے کہ اس میں رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- سے عقیدت و محبت کا برملا اظہار ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے تفصیل سے بحث کی ہے نیز بدعت حسنہ وغیرہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

امام سیوطی فرماتے ہیں کہ مجھ پر میلاد شریف کی ایک اور اصل آشکار ہوئی ہے- الیٰ آخرہ-

علامہ ابن جزری فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم -صلی اللہ علیہ وسلم- کی امت کے اس موحد کا کیا حال ہوگا جو آپ کے میلاد شریف پر خوشیاں مناتا ہے، اور آپ کی محبت میں اپنی بساط کے مطابق خرچ کرتا ہے، مجھے اپنی عمر کی قسم! اللہ کی طرف سے اس کی جزا یہی ہے کہ وہ اپنے فضل فراواں سے اسے جنت النعیم میں داخل فرمائے۔

حافظ ناصر الدین دمشقی نے بھی اپنی کتاب ''مولد الہادی'' میں یوں ہی تحریر فرمایا ہے۔

کمال ادفوی فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے ایک منصف دوست نے کہا کہ ابو الطیب سبتی مالکی ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو مکتب جاتے اور فرماتے کہ اے فقیہ! آج خوشی کا دن ہے بچوں کو چھٹی کر دو۔ یہ ابو الطیب پرہیز گار اور بڑے پختہ عالم تھے، ابو حیان وغیرہ کاملین ان کے شاگرد ہوئے ہیں۔ -۶۹۵ھ- میں ان کی وفات ہوئی۔

رہا سرکار دو عالم -صلی اللہ علیہ وسلم- کی ولادت موقع پر کھڑے ہونے کا مسئلہ تو بڑے بڑے علمائے کرام نے اس کے استحباب کا فتویٰ دیا ہے۔ اور مولد مدابغی میں ہے کہ میلاد خواں جب اپنے اختتام کو پہنچتا ہے تو اس وقت لوگوں کا قیام کرنا وراثۃً چلا آ رہا ہے اور یہ بدعت مستحبہ مستحسنہ ہے اور تعظیم رسول تو ہر مسلمان پر واجب ہے۔

یعنی مولف کتاب فرماتے ہیں کہ اگر مجھ کو قدرت و طاقت ہوتی تو قربت الٰہی پانے کے لیے' ذکر ولادت کے وقت' میں پاؤں نہیں بلکہ سر کے بل کھڑا ہوتا۔

---

[۳] اس تحریر مذکور کی تصریح جناب مولانا عبد السلام فرماتے ہیں جو حضرت غوث الثقلین -قدس سرہ- کے مدرسہ کے مدرسِ اول اور حضرت نقیب صاحب سجادہ کے استاد ہیں، بغداد میں شیخ العلماء کے لقب سے جانے جاتے ہیں ان کی عبارت یوں ہے :

**اطـلـعـت عـلـى هـذه العجالة فرأيتها صحيحة غير أن من شک فيها فهو مخذول .**

**حرّره مدرس الحضرة القادرية**

**عبد السلام**

عبدالسلام

یعنی یہ رسالہ عجالہ میری نظر سے گزرا مجھے یہ پورے طور پر صحیح ودرست نظر آیا۔ اب اس میں شک کرنا کسی ذلیل وخوار ہی کا کام ہوسکتا ہے۔

---

اوراس فتوے تصدیق جناب مولانا بہاء الحق صاحب رقم فرماتے ہیں جو سلطان روم کی طرف سے حضرت امام اعظم کے مدرسہ میں مدرس اول ہیں۔

**تـأمـلـت فـي هـذه الـرسـالـة فـوجـدتها مبنية على الإيمان و الحب بخاتم الرسالة فطوبىٰ لمن أعطى هذه النعمة الفائقة .**

**حرره مدرس مدرسة الإمام الأعظم –قدس سره– عبده**

**بهاء الحق القرشي**

و يُحِقُّ اللّٰهُ الحَقَّ بكلِمَاتِه

یعنی میں نے اس رسالہ کو بڑی ژرف نگاہی سے دیکھا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس رسالہ کی بنیاد ایمان اور جانِ ایمان -صلی اللہ علیہ وسلم- کی محبت وعقیدت پر اٹھائی گئی ہے۔ تو بڑا خوش بخت ہے وہ جس کے حصہ میں یہ سعادت آئی۔

---

بغداد کے مفتی سابق مرحوم - جن کی تفسیر روح المعانی آٹھ جلدوں میں مصر سے چھپی ہے - ان کے خلف رشید سید محمد شکری - جو اپنے باپ مرحوم کی طرح عالم بے نظیر ہیں - تحریر فرماتے ہیں :

**لـقـد تشـرفت بمطالعة هذه الرسالة فرأيتها مشتملة على نصوص العلماء الأجل مشاهدة لمولفها بأنه حاذ الفضل كله**

**الفقير إلى الله تعالىٰ**

**الوسي راحه السيد محمود شكري**

السيد محمود شكري
۱۲ ۰ ۹۳

یعنی اس رسالے کے مطالعہ کا مجھے شرف حاصل ہوا، میں نے اسے اجلہ علما کے استشہادات سے مزین پایا، اس کا مولف اقبال مند ہے، اس کے ذریعہ اس نے فضل وکمال کے میدان مار لیے۔

---

[۵] بغداد کے مفتی وقت سخت بیمار تھے تو ان کے فرزند مولانا جمیل صدقی نے فتویٰ ہذا کی یوں تصدیق فرمائی :

**قد نظرت إلى هذه الرسالة الجليلة فرأيتها بإحقاق الحق كفيلة .**

**وكيل المدرس في المدرسة السليمانية رهادى راحه**

**جميل صدقي**

جمیل صدقی

یعنی یہ جلیل القدر رسالہ مجھے دیکھنے کا اتفاق ہوا، تو میں نے اسے احقاق حق کا کفیل پایا۔

---

[۶] مفتی بغداد کی نگرانی میں کام کرنے والے جو تمام شرعی احکام میں فتویٰ دیتے ہیں تحریر فرماتے ہیں :

**إن هذه الرسالة لحرية بقبول لا يشك فيها إلا مطرود و مخذول .**

حسنی الوہاب

یعنی یہ رسالہ شرف قبولیت پانے کی اپنے اندر صلاحیت رکھتا ہے، ایسے رسالہ کے اندر شک وشبہہ کوئی راندہ وخوار ہی کرسکتا ہے۔

---

[۷] مدرسہ حضرت غوث الثقلین کے دوسرے مدرس جن سے فی الحال کل شہزادے درس لیتے ہیں:

**قد قلت إذا لقيت هذه النقول صحيحة حرية بالقبول يا مهملا أهملت حق الرسول تعاميا أو مرضا في العقول .**

**المدرس الثاني في حضرة القطب الكيلاني راوى راحه**

**عبد اللطيف**

عبداللطیف

یعنی اس رسالے کے مضامین پڑھ کر جب اسے قبولیت کا سزاوار پایا تو میں نے کہا: اے غفلت کیش! کیا تو اندھے پن یا کسی شقاوت قلبی کی وجہ سے رسول اللہ کے حق سے سست پڑ گیا ہے؟

[۸] جامع حسن پاشا کے مدرس علی افندی ترک رقم فرماتے ہیں :

**وجدتها مشتملة على نقول صحيحة لا يرتاب فيها إلا معاند أو مكابر مخذول .**

**حرره مدرس جامع حسن پاشا على**

علی

یعنی میں نے اس رسالے کو صحیح ودرست عبارتوں پر مشتمل پایا۔ اب اس میں شک کے کیڑے نکالنا کسی جھگڑالو، نفس دشمن اور خوار ورسوا شخص ہی کا کام ہوسکتا ہے۔

ماہِ جمادی الاولی -۱۳۰۴ھ- (1886ء) کا بغداد شریف کا محررہ یہ فتویٰ یہاں تبرکاً نقل کیا گیا جسے زیادہ تحقیق درکار ہو، استحسانِ عمل مولد شریف کے مستحسن ہونے پر شرقاً غرباً اجماعِ جمہورِ امت محمدی -صلی اللہ علیہ وسلم- معلوم کرے۔ وہ فتویٰ مطبوعہ بہم پہنچائے جس میں تمام علمائے مصروشام وغیرہ کی مہریں ہیں۔

## علماے ہندوستان کی مہریں

اب ہندوستان کے ان علماے کرام کی مہریں نقل کی جا رہی ہیں جو اپنے وقت کے فرد کامل تھے ان میں علماے فرنگی محل کے فتاوے بھی ہیں جو ـــــہ میں محمد مصطفیٰ خاں صاحب کے مطبع مصطفائی میں چھپے تھے، جس کو ان کے مضامین بالتفصیل دیکھنے ہوں کتاب مذکور بہم پہنچا کر دیکھیے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خاص ماہ ربیع الاول کے ساتھ میلاد شریف کا تعین کوئی فرض و واجب تو نہیں ہاں البتہ بہت سے علما و محدثین نے اس کو مستحب اور مستحسن قرار دیا ہے۔ اور یہ کہنا کہ جو چیز قرونِ ثلاثہ میں نہ ہوئی وہ بدعت سیۂ ہے، صحیح نہیں۔ اور پھر جب آیت کریمہ: وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ سے حضور-صلی اللہ علیہ وسلم- کی تعظیم ثابت ہوگئی تو محفل میلاد میں ذکر ولادت کے وقت کھڑے ہونا -جو کہ تعظیم رسالت ہی کا ایک فرد ہے- وہ بھی بخوبی ثابت ہو گیا۔ یہ بدعت سیۂ ہرگز نہیں ہے۔

(۱) حررہ ابوالبرکات رکن الدین محمد المدعو بتراب علی-عفی عنہ-

(۲) محمد سعد اللہ-عفی عنہ-

(۳) محمد لطف اللہ-عفا اللہ عنہ وحماہ-

(۴) ابوالاحیاء محمد المدعو بالنعیم-

(۵) ابوالحسن محمد صالح

(۶) محمد عبدالوحید

(۷) ابوالبقا محمد عبدالحلیم ۱۲۳۰ ھ

(۸) حفیظ اللہ ۱۲۳۲ ھ

(۹) نعیم اللہ ۱۲۳۷ ھ

(۱۰) علی محمد ۱۲۶۲ ھ

(۱۱) محمد عبدالحلیم ۱۲۶۲ ھ

انھیں میں دہلی و بریلی اور رام پور افغانان کے علما کے فتاوے بھی ہیں۔ واضح ہو کہ محفل میلاد شریف اور قیام کے جواز میں ''غایۃ المرام'' نامی ایک کتاب فلاں کوٹھی میں واقع -مطبع علوی- سے یک ہزار و دو صد و ہفتاد و یک -۱۲۷۱ھ- میں چھپی تھی جس میں دہلی و بریلی اور رام پور وغیرہ

چند مقامات کے مستند علما وفضلا کے فتوے جمع کر کے شائع کیے تھے۔

چوں کہ سراج الدین ابوظفر بہادر شاہ دہلی بھی محفل میلاد شریف کے استحباب کا عقیدہ رکھتے تھے اور ایک رئیس مسلمان، اسلام کی شوکت واحتشام کا سبب ہوتا ہے تو رئیس المسلمین اور رزین المسلمین سمجھ کر ان کی مہر بھی علمائے دہلی کی مہروں کے ساتھ کرائی گئی تھی۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے مولوی مخصوص اللہ صاحب مرحوم بھی اس وقت زندہ تھے تو استحسان محفل میلاد شریف پر ان کی مہر بھی لی گئی۔ جسے ہر عالم وفاضل کی تحریر بالتفصیل حرفاً حرفاً دیکھنی منظور ہو اسے اصل کتاب منگوا کر ملاحظہ کرنا چاہیے۔ایک سو بائیس (۱۲۲) صفحات کی اس کتاب میں محفل میلاد شریف کو اس کے جملہ مروجہ تعینات مثلاً قیام اور تقسیم فاتحہ وغیرہ کے ساتھ جائز بلکہ مستحب لکھا ہے۔اس کے متفرق صفحات سے کل (٦٧) اہل علم وفضل کی مہریں اور دستخط یکجا کر کے نقل کرتا ہوں اور ہر عالم کا نام ایک چوکور شکل میں مندرج کر رہا ہوں۔

حکیم احسن اللہ خاں صاحب وزیر، مفتی صاحب صدر الصدور دہلی، مدرس اول مدرسہ دہلی جو عالم فاضل تھے،اور حکیم کے لفظ سے دہلی میں مشہور ومعروف تھے۔

قاضی احمد الدین خاں صاحب ☆ قاضی محمد علی صاحب ☆ حضرت شاہ احمد سعید مجددی ☆ حضرت احمد سعید صاحب ☆ خلف حضرت احمد سعید صاحب

فاضل جامع علوم مولوی کریم اللہ صاحب

مولانا فرید الدین صاحب واعظ جامع مسجد دہلی۔ یہ عالم بڑے منطقی تھے

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| | | | (۱) | | |
| محمد عزیز الدین | سید تفضّل حسین | رضوی (۲) سید یعقوب علی | محمد رضا علی خاں | محمد اللہ کے (۳) مخصوص ہیں | احمد حسین |
| میر محمود علی | غلام حسین | محمد عبد الواحد | محمد لطیف علی خاں | در شہر علم محمد علی | جلال الدین محمد کمال |
| طالب المولیٰ مذکر | عمدۃ العلماء شرع متین مفتی مولوی محمد شرف الدین (۴) | محمد یعقوب علی عفا اللہ عنہ | یا حافظ | کرم نبی | واللہ یوید وینصر من یشاء |
| عبد الکریم | عبید اللہ ولد محمد رفیع اللہ | فخر العلماء محمد عبد الجامع خاں | ان اللہ جمیل ویحب الجمال | محمد عبد العلی | علی حسین |
| محمد لطف اللہ | نور النبی | محمد عبد اللہ | علی الدین | آلِ نبی | مقصود علی |
| حسین حافظ شریف | شداز ظہور حسن علم عُدل راشہرت | سبط محمد گل باغِ جاوید | نظام الدین احمد | محمد علی خادم العلماء | وزیر علی |
| مولانا محبوب علی شاہ علی خلف سید | آمدہ تاج محمد سر عالم علی | محمد سلامت اللہ | فضل رسول فاضل بدایونی | سید بشیر علی امروہوی | مولوی دادار بخش |
| حسن الزماں | محمد فضل حق | رفیع اللہ | وحید الدین | محمد فضل اللہ | فضل حسن |
| محمد عبد الحق | محمد حیات | محمد خلیل الرحمٰن | ولد مولوی سید احمد محمد حیات | | |

(۱) **حاشیہ** : عبارت ان کی یہ ہے: واعظین نحلۂ وہابیہ بالیقین قدم از دائرۂ سنت بیرون نہادند و داد اعتزال وخروج ورفض دادند ونعم ما قیل ۔ واعظ شہر کہ مردم تلاش می خواہی وقول را نیز آئین ست کہ او آدم نیست وحمد اللہ کہ ہنوز در مذہب حق چنیں علماہستند کہ باحقاق حق مے پروازند۔

(۲) یہ اور مولانا محمد رضا علی خاں صاحب مقبولین بریلی میں سے ہیں۔

(۳) مولوی مخصوص اللہ صاحب، مولوی رفیع اللہ صاحب کے بیٹے ہیں اور یہ شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم دہلوی کے۔

(۴) مفتی شرف الدین صاحب نواب والیٔ رامپور کی عدالت کے عظیم الشان مفتی اور ایک مشہور ومعروف فاضل تھے۔

اہل سنت و جماعت خیال فرمائیں کہ اخیر کے ان دونوں فتوؤں میں ہندوستان کے کیسے کیسے جلیل القدر علما محفل میلاد شریف کے استحسان پر مہر فرما رہے ہیں۔ مثلاً مفتی سعد اللہ صاحب - مولانا تراب علی - مولانا سید محمد مدرس اعلیٰ - مولانا فضل حق - مولانا محمد حیات - مولانا حیدر علی مصنف 'منتہی الکلام' - مولانا سلامت اللہ صاحب - مفتی صدر الدین خاں صاحب - مفتی شرعِ متین مفتی شرف الدین صاحب (وغیرہ)۔

ہم نے اِس وقت کے علماے ہندوستان سے مہریں نہیں کرائیں صرف علماے سلف کی نقل مواہیر پر ہی اکتفا کیا ہے۔ اب ذرا غور فرمائیں کہ اس لمعہ تاسعہ میں ہم نے جن علماے عاملین اور فضلاے کاملین کے نام ذکر کیے ہیں وہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے جملہ ملکوں کے تمامی علما و فقہا کے نام نہیں، اگر ان سب کو جمع کر دیا جائے تو - اللہ اکبر - ایک دفتر تیار ہو جائے جیسا کہ شاعر نے کہا ؎

اگر آں جملہ را سعدی املا کند      مگر دفترے دیگر انشا کند

یہ تو صرف چند مقامات کے چند علما کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن یہ بھی کیا کچھ کم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا جم غفیر اور ایک بڑی جماعت ہے۔ تو اب رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کے فرمان کے مطابق اہل سنت کی اتباع لازم ہے۔ آپ فرماتے ہیں :

اتَّبِعُوا السَّوَادَ الأَعْظَمَ فإنَّه مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ . (۱)

اس کی تحقیق' محدثین کے حوالے سے پہلے گزر چکی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ بڑی جماعت کی پیروی کرو کیوں کہ اس سے بچھڑنے والا آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ یعنی جب علما میں اختلاف رونما ہو تو جس طرف اکثر مسلمین ہوں ان پر عمل کرنا چاہیے۔

یہ تو حدیث ہے اب فقہ کا مسئلہ سنیں۔ علامہ شامی نے 'شرح درمختار' جلد دوم - باب صدقۃ الفطر میں تصریح کی ہے :

**فإن المانعين جمع يسير و المجوزين جم غفير و الاعتماد على ما عليه الجم الكثير . (۲)**

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح: ۱/ ۳۸ حدیث: ۱۷۴...... مستدرک: ۱/ ۳۷۸ حدیث: ۳۵۸...... السنن الواردۃ فی الفتن للدانی: ۱/ ۴۳۰ حدیث: ۳۷۰...... الفقیہ والمتفقہ خطیب بغدادی: ۱/ ۴۶۶ حدیث: ۴۱۳...... المقاصد الحسنۃ: ۱/ ۹۶...... کشف الخفاء: ۱/ ۳۳۳...... کنز العمال: ۱/ ۲۰۶ حدیث: ۱۰۳۰۔

(۲) ردالمحتار: ۷/ ۳۰۴ - باب صدقۃ الفطر۔

یعنی منع کرنے والی جماعت کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور جائز کہنے والا گروہ خاصا بڑا ہے اور اعتماد اسی پر کیا جاتا ہے جس پر بڑا گروہ ہوا کرتا ہے۔

نیز ''رسم المفتی'' کی - جلد اول - میں لکھا ہے :

**فإن اختلفوا يؤخذ بقول الأكثرين .**

یعنی اگر علما میں اختلاف پڑ جائے تو اکثریت کا قول لیا جائے گا۔

مولوی قاسم صاحب نانوتوی بھی اس دلیل کو حق جانتے ہیں؛ چنانچہ ''مصباح التراویح'' - مطبوعہ مطبع ضیائی - کے صفحہ ۵ میں لکھتے ہیں :

اتفاق اکابر و تسلیم اوشاں یا جم غفیر از وشاں نیز دلیلے است - الی آخرہ -

یعنی کسی چیز پر اکابر کا اتفاق ہو جانا اور اس کو تسلیم کر لینا یا ایک بڑی جماعت کا اس کو مان لینا بھی ایک دلیل ہے۔

مولوی اسماعیل صاحب بھی ''تذکیر الاخوان'' کی - فصل سادس - میں کتاب وسنت اور اجماع وقیاس کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

پھر اور کوئی مولوی مشائخ جو اپنی عقل کو دخل دے کر کوئی بات نکالے تو اس کا کیا ٹھکانہ

مگر ہاں اگر اکثر دین دار متقی پرہیز گار اسی مسئلہ کو قبول کریں تو البتہ وہ بھی معتبر ہے۔ انتہیٰ

اب دیکھیے ! اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ کسی مولوی مشائخ کی نکالی ہوئی بات کو اگر چہ سارا جہاں متفق ہو کر نہ مانے مگر اکثر دین دار و متقی اس کو مان لیں تو وہ بھی حق اور معتبر ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں مولوی اسماعیل صاحب، نیز مولوی قاسم صاحب فقہا و محدثین کے تابع ہیں کہ کسی مختلف فیہ مسئلہ میں اکثر علمائے دین کا متفق ہونا ایک جانب میں دلیل حقیقت ہے، یہ مسئلہ خاص ان کی زبان سے ہم نے سنوا دیا۔ اب اگر استحسانِ میلاد شریف کے اس موقع پر ان کے پیرو کار اس دلیل سے باہر ہونے لگیں تو ہم ان لوگوں پر جابر ہو کر موکل نہیں ہوئے کہ ان کے دل و زبان کو امر حق کی طرف جبراً پھیر دیں؛ خود سرکار خیر الانام - صلی اللہ علیہ وسلم - کی بہ نسبت یہ ارشاد ہے :

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ . (۱)

تم کچھ ان پر کڑوڑا (ضامن) نہیں۔یعنی اگر وہ حق پر نہیں تو اے محمد-صلی اللہ علیہ وسلم-تم پر کچھ ذمہ نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا :

إِنَّکَ لاَ تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ . (۲)

بے شک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کردو۔

ہمارا ذمہ آئینۂ حق دکھا دینا تھا اور وہ ہم نے پورا کردیا اور یہ جو متقی اور دین دار کی قید مولوی اسماعیل صاحب نے لگائی ہے تو ان پرہیز گاروں مثلاً امام ابوشامہ، ابوالخیر سخاوی، ابن جزری اور امام سیوطی وقسطلانی وغیرہ کے حوالے سے محفل میلاد شریف کا جواز ہم نے ثابت کردیا، ان بزرگوں کی تفصیل لمعہ تاسعہ میں ہم لکھ آئے ہیں۔اور جو شخص شاہ ولی اللہ صاحب کے سلاسل طریقت اور اسانید علم حدیث سے واقف ہوگا اس سے یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ ان مجوزین میلاد میں وہ علما بھی بہت ہیں جو شاہ ولی اللہ صاحب کے مشائخ حدیث اور شیوخ طریقت کے پیشوا ہیں۔تو یہ بات ہم نے تحقیق کی انتہا کو پہنچادی کہ میلاد شریف کرنا ایک جم غفیر سے ثابت ہے، اور فقہ وحدیث اوران کے مستند علما سے یہ مضمون بھی ہم ثابت کر چکے کہ جو چیز جم غفیر سے ثابت ہو وہ معتبر، ماخوذ بہ، معتمد علیہ اور لازم الاتباع ہے، اور یہ دونوں مقدمے صحت کے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکے؛ لٰہذا اب یہ بخوبی ثابت ہوگیا کہ میلاد شریف کرنا معتبر، ماخوذ بہ، معتمد علیہ اور لازم الاتباع ہے۔

فالسلام علی من اتبع الہدی

---

(۱) سورۂ غاشیہ؛ ۲۲/۸۸۔

(۲) سورۂ قصص؛ ۵۶/۲۸۔

## مناجات بدرگاہِ مجیب الدعوات

یا اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، اور تو سمیع وعلیم ہے، تمام باتوں کو سنتا اور دلوں کے بھید جانتا ہے۔ میں نے یہ کتاب صرف اسی لیے لکھی کہ طرفین سے افراط وتفریط دور ہو اور ہر فریق اپنے غلو وتعصب سے نفور ہو۔ اگر اہل ایمان کی تکفیر وتفسیق کی وجہ سے حضرات مانعین پر کچھ تنبیہات ہیں تو طرفِ ثانی کو بھی اصلاحِ نیت اور تصحیح اعمال کے لیے واضح ہدایات ہیں۔ میں نے اپنے جملہ مسائل ودلائل کی بنیاد 'دنیا میں مہِ کامل کی مانند مشہور علماے مقبولین کے دلائل واقوال پر رکھی ہے، ان کی کتابیں ان ملکوں میں جا بجا موجود ہیں، اور ہر ایک مسئلہ میں' میں سلف صالحین کی تصانیف سے حوالہ پیش کر چکا ہوں تو میرا قول درحقیقت انھیں مقبولین کا قول ہے۔

اے اللہ! ان مقبولین کے توسل سے یہ کتاب مقبول فرما اور اس کو فریقین کے لیے 'فصل الخطاب' (فیصلہ کن) بنا۔

اے اللہ! اس کتاب کی ہر دلیل 'مظہر حق اور شک میں گھرے ہوؤں کے لیے ''دافع اوہام'' ہو، اور یہ کتاب اپنے براہین حقانی سے برگشتہ دلوں کو تسکین بخشے۔

یا اللہ! میرے جملہ رسائل میری مغفرت کے وسائل بن جائیں اور یہ ''انوارِ ساطعہ'' میری اندھیری قبر کا چراغ اور میری قبر ''بہارِ جنت'' کا باغ ہو جائے۔ قارئین انوارِ ساطعہ میری اس دعا پر آمین کہنا نہ بھولیں۔

**آمین یارب العالمین ، و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد و آله و أصحابه أجمعين برحمتک یا أرحم الراحمین**

## نورِ چہارم میں وقت کے نامی گرامی محقق فضلا اور بعض مشفق احباب کی تقریظیں ہیں

## تقاریظ علما و فضلا

(۱) از: علی گڑھ

**صورة ما قرظه و رصعه الإمام الصلهام المقدام رئيس الفضلاء عريف العلماء الذي ذاع صيت فضله في بلاد الإسلام عجما و عربا و شاع شرقا و غربا المشتهر بالألسنة و الأفواه مولانا محمد لطف الله -مد الله ظلاله و أبقاه-**

الحمد لله الذي تخضع له النواصي و يطمع رحمته كل مطيع و عاصي و الصلوٰة و السلام على من بعث داعيا إلى الداني و القاصي و على آله و صحبه الذين زجروا الناس عن سلوك طريق الضلال و ارتكاب المعاصي و بعد فيقول المبتهل إلى الله محمد لطف الله -حشره الله تحت لواء نبيه النبيه يوم يفر المرء من أخيه و أمه و أبيه قد تشرفت بمطالعة هذه الرسالة الشريفة و الصحيفة اللطيفة فوجدتها بحرا يخرج منه اللولو و المرجان و جنته فيها فاكهة و نخل و رمان و شمسا **أنوارها ساطعة** و مرجا فيه تحقيق الأنيق رائعة كيف لا و مولفها من هو فريد عصره و وحيد دهره الذي علمه وسيع و شأنه رفيع أعني مولانا **محمد عبد السميع** -حرس ذاته و أسعد أوقاته- و مضمونها ذكر ولادة سيد الأولين و الآخرين أفضل الأنبياء و المرسلين حبيب رب العالمين -عليه من التسليمات أفضلها و من التحيات أكملها- و هذا ذكر لا يخفى علو شأنه و رفعة مكانه تحيط رحمة ربنا الأعلىٰ بمكان يتشرف الناس فيه بهذا الذكر الشريف و تحف الملائكة مجلسا يتمجدون فيه بهذا البيان المنيف و أما طريق الفاتحة التي هي من الرسالة لائحة فليس في استحسانها ارتياب إذ هي لإيصال الثواب إلى الأموات الذين يتوقعونه من الأقرباء و الأحباب و أما ما أحدثه السفهاء فيها من الأمور المنهية فلا يحكم بجوازه أحد من العلماء المتبعين الشريعة السنية لله در مؤلف الرسالة فإنه قد اختار ما هو مختار و آثرها ما هو الماثور عن الجهابذة الأحبار هذا و الحمد لمن منه الإبتداء و إليه الإنتهاء و السلام الأتمّان على من أول المخلوقات ذره و رحمة للعالمين ظهوره .

## تقریظ جناب مولانا محمد لطف اللہ صاحب - دام فیضہ -

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کو زیبا ہیں جس کے سامنے سجود نیاز لٹائے جاتے ہیں اور اس کی رحمتوں کی آس لگی ہوتی ہے۔ درود وسلام ہو ان پر جو ہر اعلیٰ وادنی کو جادۂ ہدایت پر گامزن کرنے تشریف لائے اور ان کے آل واصحاب پر جنھوں نے لوگوں کو قعر ضلالت میں گرنے سے نجات عطا کی۔

حمد ونعت کے بعد بندۂ عاجز محمد لطف اللہ عرض پرداز ہے - اللہ محشر کے کڑے دن میں لوائے حبیب لبیب تلے کھڑا ہونا نصیب فرمائے - مجھے یہ رسالہ دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ رسالہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے ایک سمندر ہے جس سے موتی ومونگے چھلکے پڑتے ہیں۔ ایک باغ ہے جس میں میوے اور چھہارے اور انار لدے ہوئے ہیں۔ ایک سورج ہے جس کی کرنیں پھوٹی پڑتی ہیں۔ ایک چراگاہ ہے جس میں تحقیق نفیس کے بچھڑے دندناتے پھر رہے ہیں۔ اور پھر ایسا کیوں نہ ہوتا کہ اس رسالہ کا مولف نادرروزگار اور یگانہ زمانہ ہے جس کی وسعت علمی مسلم اور جس کا منارۂ فضل وکمال کافی بلند ہے یعنی مولانا محمد عبدالسمیع - اللہ ان کا نگہبان ہو اور ان کے وقت میں برکتیں اتارے - اس رسالہ کا مضمون سرکار دوعالم - صلی اللہ علیہ وسلم - کی ولادت مبارکہ کے اثبات پر مشتمل ہے۔ اور پھر رفعت شان رسالت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں بلکہ اس میلاد کی برکت کا عالم یہ ہے کہ جس جگہ اس ذکر مبارک کے لیے لوگ اکٹھا ہوتے ہیں وہاں اللہ کی رحمتوں کے برکھے برستے ہیں اور فرشتے پوری محفل اپنے نورانی پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ اور فاتحہ کا جو طریقہ کتاب کے اندر بیان کیا گیا ہے تو اس کے مستحسن ہونے میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیوں کہ یہ مردوں کے ایصال ثواب کے لیے ہوتا ہے جو ہمہ وقت اپنے دوست آشناؤں سے اس کی آس لگائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ ہاں! کچھ ناسمجھ لوگوں نے اس میں جو کچھ خلاف شرع بات پیدا کر دی ہے تو یقیناً کسی بھی عالم شریعت نے ان کے جواز کی بات نہیں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ صاحب رسالہ کا بھلا کرے کہ انھوں نے مختار ومتفق مسائل چن کر ان کو مستند علمائے کرام کے قوی دلائل سے مزین کیا۔ ہر قسم کی تعریفیں پروردگار کو زیبا ہیں اور درود وسلام کے تحفے رحمت سراپا - صلی اللہ علیہ وسلم - کی بارگاہ میں نذر ہیں۔

(۲) از: سہارن پور

صورة ما نمقه و هـــذبه مـولانا المخدوم المطاع إمام الفضلاء بلا نزاع الغشمشم الأعظم و الغطمطم الأفخم المالک لأزمة حقائق المعاني و البديع و البيـان سبـاق الـغـايـات فـي مـضـمار كشف المعضلات يوم الرهان مقدام الـجهابذة استاذ الأساتذة الذي زال وجوده الزمن **الحاج المولوى فيض الحسن** –خصه الله تعالىٰ بجزائل منحاته و جلائل المنن–

لـقـد وردت علي رسالة كريمة مشتملة على أنوار و لمعات فامعنت فيها إمعانا بليغا فوجدتها كافية وافية دالة على حسن الإجابة و جودة الإصابة وسعة النظر في الكتب حيث تمسک فيها أقوال العلماء الأعلام و تحريرات عمائد الإسلام و ألزم المنكرين بما قال به مـرشـدوهم و آمن به معتقدوهم و الله إنها قرة لعيون المخلصين و سخنة لأعيان المنكرين و الـحق في هذه المسئلة أنه لا بأس به و إن تمسک بما قيل ما رآه المسلمون حسنا فهو عـنـد الله حسن و ينسب هذا القول إلى عبد الله ابن مسعود –رضي الله عنه– فهو مندوب مستحب و من جاء مجلسه فله أن يقوم إن قاموا و إلا فلا و هكذا يقول المولوي أحمد علي الـمحدث المرحوم تبعا لأستاذه مولانا محمد إسحاق المغفور و ما قيل أنه بدعة فهو بدعة حسـنة و قـد ذكـرت في إثبات البدعة الحسنة و تخصيص كل بدعة ضلالة بحثا طويلا في شرحي للمشكوٰة .

كتبه الفيض السهارن فوري .

# تقریظ الحاج مولوی فیض الحسن صاحب سہارن پوری

ترجمہ: انوار ولمعات پر مشتمل ایک رسالہ میری نظر سے گزرا جسے میں نے دلائل و براہین کی روشنی میں اپنے موضوع پر بھر پور پایا۔ مولف نے جواب کا جو انداز اپنایا ہے ، اور جن سچائیوں کو بے نقاب کیا ہے اس سے ان کی وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے ۔ انھوں نے اپنے استشہادات میں صرف مستند اور معتبر علماے کرام اور عمائدین اسلام ہی کی تحریروں کو پیش کیا ہے۔ خدا کی قسم! یہ رسالہ اہل اخلاص کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور چشمانِ منکرین کے لیے روڑا ہے ۔ اور اس مسئلہ کے حوالے سے حق بات یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ۔ اور اگر حضرت عبد اللہ بن مسعود کی طرف منسوب اس قول: - مارآہ المسلمون حسنا فہو عند اللہ حسن - کو دیکھا جائے تو پھر یہ مستحب اور مستحسن ہے۔ اور جو کسی کی محفل میں تشریف لائے تو حق یہ بنتا ہے کہ اس کی تعظیم کے لیے قیام کیا جائے اور اگر ایسا نہیں کرتا تو کوئی بات بھی نہیں ۔ مولوی احمد علی محدث مرحوم اپنے استاد مولانا اسحٰق کی پیروی میں یوں ہی بیان کیا کرتے تھے ۔ اور اسے جو بدعت کہا جاتا ہے تو اس سے بدعت حسنہ مراد ہے۔ اثبات بدعت حسنہ وغیرہ کے سلسلے میں میں نے اپنی شرح مشکوٰۃ میں کافی لمبی بحثیں کی ہیں ۔ (طالب تحقیق وہاں رجوع کرے)

کتبہ فیض سہارن پوری

(۳) از: قصور ضلع لاہور

**صورة مـا رسمه الصوفي المثبت النافي الأصولي المناظر المستدل بقواطع الآيات و سواطع السنن المحقق المدقق المجادل بالتي هي أحسن الفاضل الكبير مولانا أبـو محمد عبد الرحمن غلام دستگير -سلمه القوي القدير-.**

## تقریظ حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری

**مسمیا حامدا مصلیا** فقیر کے ایک دینی کرم فرما دوست سے "**انوارِ ساطعه فی بیان المولود و الفاتحه**" پر تقریظ لکھنے کی تحریک ہوئی، اور فقیر امرتسر میں مقیم ایک آریا پنڈت کے رسالہ" تکذیب براہین احمدیہ" کے بہتانات وہذیانات کا جواب لکھ رہا ہے۔ طبیعت کا پورا لگاؤ جھکاؤ ابھی اسی طرف ہے، اس لیے سردست اتنا ہی لکھ سکتا ہوں کہ فقیر نے عربی اخبار "شفاء الصدور"-مطبوعہ ۵/دسمبر ۱۸۸۵ء- میں اس رسالہ کی تعریف وتوصیف کے حوالے سے جناب مولانا فیض الحسن صاحب مرحوم ومغفور سہارن پوری کی عبارت دیکھی ہے، اور میرے گمان میں مولانا موصوف مرحوم اکابر علماے ہندوستان سے تھے اور بڑے بڑے بزرگوار صوفیہ کبار کے فیض سے فیضیاب بھی۔ تو ان کی تعریف سے اس رسالہ کا موصوف ہو جانا کافی ہے، پھر اس فقیر بے بضاعت کی توصیف کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہ فقیر خود محفل مولد شریف کرتا ہے، اور ارواحِ اموات کے ایصال ثواب کو لغزشوں کے مٹانے کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ابنائے زمان سے اختلاف کو رفع فرمائے۔

آمین یارب العالمین، وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ وعترتہ اجمعین

فقیر غلام دستگیر قصوری - کان اللہ لہ -

واضح ہونا چاہیے کہ یہ مولوی غلام دستگیر قصوری صاحب وہ ہیں جن کی تعریف میں خود مولف براہین قاطعہ نے ریاست بہاول پور میں اپنے قیام کے دوران یہ عبارت لکھی تھی :

حامی دین متین قامع اساس المبتدعۃ والضالین مولانا مولوی محمد ابوعبد الرحمٰن غلام دستگیر قصوری - ادام اللہ فیوضہ اِلی یوم الدین -

چنانچہ یہ عبارت ضمیمۂ رسالہ ''تصریح ابحاث فرید کوٹ'' کے صفحہ ۱۵ پر موجود ہے۔

کمال ناانصافی یہ ہے کہ مولف براہین قاطعہ نے مضامین انوارِ ساطعہ سے منہ پھیرا اور اس کے تسلیم کیے ہوئے عالم ربانی نے جن کو وہ خود حامی دین لکھتا ہے ''انوارِ ساطعہ'' کو حرفا حرفا ایسا قبول کیا کہ اس کے مسائل کا طرفدار ہو کر مولف براہین قاطعہ مذکور کو اس کے حمایتیان علمائے دیوبند وغیرہ کے ساتھ - ۱۳۰۶ھ - (1988ء) ریاست بہاول پور میں شکست فاش دی جو تمام اخبارات میں چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔

(۴) از: ریاست رام پور معروف ازاں افغاناں

صورة ما رقمه البحر القمقام و النحر الهمهام تاج المحدثين سراج المتفقهين الأديب المصقع المتكلم النبيه العارف المحدث المفتي الفقيه جامع الشريعة و الطريقة مجمع البحرين **مولانا محمد إرشاد حسين** -صانه الله عن كل شين-

الحمد للّٰه سبحانه و تعالىٰ حق حمده ، و الصلوٰة و السلام الأتمان على رسله و عبده ، و على الآل و الأصحاب الهداة إلى مناهج رشده ، و بعد فإني قد طالعت هذه العجالة النافعة و العلالة الرائعة ، التي يفوح منها روائح مسک إخلاص النبوة ، و يطوح بها دابته الطغام الغاصبين من الرتبة المحمدية ، فالفيتها مملوء ة من الفوائد الخريدة الشريدة ، و العوائد الفريدة العريدة ، موسسة براهينها على الحق الصراح ، مؤيدة مضامينها بالصدق القراح ، لم يأل مؤلفه العلام جهدا في إصابة الحق المبين ، و إبانة غوائل غواية المنكرين ، بها كشفتهم الكواشف ، و كسفت وجوههم الكواسف ، و ضاقت عليهم الحيل ، وعيّت بهم العلل ، و لعمري لا وجه لإصرارهم على النكير إلا لداء العضال الذي عمهم فأعمى أبصارهم ، فأضاعوا في طمس أشعة الرحمة و إشاعة مآثر معدن الرسالة أعمارهم ، ولم يأتوا بشيىء يتعلق به الفهم السليم ، و يتلى به المقلاق الفهيم ، و لا يأتون به و لو جاؤا به من حسبهم و بستهم و يكون بعضهم لبعضهم ظهيرا ، و لا يجدون لأنفسهم و لو ألقوا شراشرهم في تشديد النكير من الله سبحانه معوانا و نصيرا ، ألم يعلموا أن النكير لهٰذا الأمر البين رشده يؤل إلى إساء ة الأدب ، و الخوض فيه يهلک و يخرب ، فلله در مؤلفها النقاد ، حيث أطاب و أجاد ، و أتىٰ بالحق الصريح ، و ميز الباطل من الصحيح -جزاه الله سبحانه عن طالبي الحق المبين و الله سبحانه الموفق و المعين-.

و أنا العبد الراقم المحتاج إلى رب النشاتين

محمد إرشاد حسين -عفي عنه و عن أسلافه في الدارين-

# تقریظ مولانا محمد ارشاد حسین رام پوری-دام ارشادہ-

ترجمہ: جملہ حمد و ثنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہیں جو صحیح معنوں میں سزاوارِ حمد ہے۔درود وسلام کے کامل ترین تحفے اس کے مقرب بندے ختم المرسلین-صلی اللہ علیہ وسلم-کی بارگاہ میں پیش ہیں، اور آپ-صلی اللہ علیہ وسلم-کی آل واصحاب پر بھی جو رہنماے رشد وہدایت ہیں۔

حمد وصلاۃ کے بعد۔میں نے اس کتاب نافع اور تعجب خیز رسالہ کو عجلت میں دیکھا جس میں مشک اخلاص نبی-صلی اللہ علیہ وسلم-کی خوشبوئیں مہکتی ہیں، اور اس سے ان کمینوں کی نسل ہلاکت کے گھاٹ اتری ہے جو اپنی آنکھیں رتبہ محمدیہ-علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام-سے بند کیے لیتے ہیں۔میں نے اس بہار کو ایسے فوائد سے بھرپور پایا جو لوگوں کی فہم سے چھپے ہوئے اور ذہن سے نکلے ہوئے ہیں اور ایسے منافع سے مالامال پایا جو خوبی میں یکتا ومحکم ہیں۔اس کی دلیلوں کی بنیاد صریح حق پر ہے اور اس کے مضامین بالکل سچے ہیں۔مولف علام نے امر حق کی پہنچانے میں اور گمراہی منکرین کے فساد کھول دینے میں کچھ کسر باقی نہ چھوڑی، اس کتاب سے ان کے عیب کھل گئے، وہ رسوا ہو گئے، ان کے احوال بگڑ گئے، ان کے سب حیلے حوالے بے سود ہو کر رہ گئے اور ان کو دلی بیماریوں نے تھکا کر رکھ دیا۔مجھے قسم ہے کہ ان کی شدت انکار کی سوا اس کے کوئی وجہ نہیں کہ ایک سخت بیماری نے ان کو دبا لیا پھر آنکھوں کو اندھا کر دیا اور اسی سبب سے انھوں نے اپنی عمریں کھپا دیں کہ کسی طرح وہ رحمت کی شعاؤں کو مٹا دیں اور جابجا ذکر حبیب -صلی اللہ علیہ وسلم-کو بند کر دیں۔(مگر اس سلسلہ میں کبھی وہ کوئی ایسی) دلیل نہ لا سکے جس سے سمجھ کو کچھ علاقہ ہو اور کسی سمجھ دار وحجت طلب آدمی کی تسلی ہو جا سکے۔اور (یقین ہے کہ) آئندہ بھی نہیں لا سکیں گے، اگرچہ ایک دوسرے کا مددگار ہی کیوں نہ ہو جائے اور اس میں اپنی جان کو کتنا ہی کیوں نہ کھپا دے لیکن اللہ پاک کی طرف سے کوئی اپنی جانوں کا مددگار نہ پائیں گے۔کیا نہیں جانا انھوں نے کہ اس کھلے راست ودرست امر میں انکار کرنا بے ادبی ہے اور اس سلسلہ میں باتیں بنانا ہلاکت وخرابی کو دعوت دینا ہے۔واہ! مولف کتنا نفیس پارکھی ہے کہ جس نے ایسا اچھا اور عمدہ رسالہ لکھا اور حق صریح کی جھلک دکھا کر سچ کو جھوٹ سے جدا وممتاز کر دیا۔اللہ تعالیٰ ان کو طالبین حق کی طرف سے جزائے خیر دے اور وہی توفیق دینے والا اور مدد کرنے والا ہے۔

(۵) از: رام پور

صــورة مـا هـذبه و شذ به الفاضل الخبير الفاصل البصير الجليل الشهير الـجميل الجهير كشاف دقائق المعقول حلال حقائق المنقول مولانا **محمد إعجاز حسين** –رفع الله درجاته في الدارين–.

أحمدک يا مـن جلت قدرته و عظمت هيبته و ظهرت صنعته الباهرة و علت جلالته الـقاهرة أرسـل رسـوله بالـحق بشيرا و نذيرا داعيـا إلى الحسنات قمرا منيرا و جعل انعقاد مـجـلـس مـيـلاده مـنطوقا لنص و رفعنا لک ذکرک و رغم أنف من ترک القيام عند ذکر مـيـلاده –صـلـى الـلـه عليه وسلم– المثبت بنص لتعزروه و تؤقروه و الصلوٰة و السلام على خير الأنام إلى يوم القيام و على صحبه البررة الكرام و أهل بيته العظام و بعد ،

واضح رائے عقیدت انتمائے ذوی الافہام عاشقین سید الانام کے ہو کہ عالم باعمل فاضل اجل قامع بدعت جامع سنت حبر محقق بحر مدقق حقائق آگاہ دقائق پناہ ، قدوۃ السالکین، عمدۃ الکاملین، زبدۃ علمائے وکیع مولوی محمد عبدالسمیع صاحب–سلمہ اللہ تعالیٰ سبحانہ– نے ایک تقریر اور تحریر دل پذیر یعنی کتاب لاجواب او رصحیفہ لطیفہ انتخاب یادگار خلف وسلف مضمون فائقہ مسمی بہ انوار ساطعہ فی المولود و الفاتحہ تصنیف کر کے ہر خاص وعام کو اس کے فیض سے شادکام کیا چنانچہ ایک نسخہ اس کا پاس راقم الحروف کے پہنچا نحیف نے وہ کتاب من اولہ إلی آخرہ بالتفصیل دیکھی، واہ واہ سبحان اللہ کیا عمدہ طرز جواب اور طریقہ آداب جاری رکھا ہے اور کلمات اکابر مقتدایان گروہ مخالفین سے جن کی مخالفت ان پر حرام ہے جواب میں تمسک کیا ہے مصنف نے حق جواب دنداں شکن کا ادا کر کے دریائے نورالانوار الساطعہ بہا کر نہر لمعات کی کھولدی اس پر بھی اگر پیاس تشنگان میدان مخالفت کی باقی رہی تو خدا حافظ ؎

تہی دستانِ قسمت راچہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آبِ حیوان تشنہ می دارد سکندر را

و لله در المجيب فذاک جواب عجيب و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين و صلى الله تعالیٰ علیٰ خاتم النبين و آله و أصحابه أجمعين فقط

و أنا العبد أبو النعمان محي الدين
محمد إعجاز حسين مجددي –عفي عنه و عن والديه و المسلمين بحق خاتم النبين–

(٦) از: بریلی

صورة ما رصعه الطمطام الغزير و الصلهام الكبير مفحم المناظرين مسكت المجادلين مروج عقائد الحق و الدين قالع أصول المبتدعين فريد العصر و حيد الزمان مولانا محمد أحمد رضا خان –سلمه الله العزيز الرحمن و صان عن نوائب الزمان و خص بلطفه ما تعاقب الملوان–

أنوار ساطعة سطعت من سنا بدر الإيمان ، و أقمار لامعة لمعت من سيناء صدر الإيقان ، فدارت و سارت ، و نارت و أنارت ، و إلى البر تدلت ، و على البحر تجلت ، فهيجت عبابا ، فهيأت سحابا ، فهنأ بقاعا ، جنأت دفاعا ، و أرسلت عرفا ، و عصفت عصفا فحملت وقرا ، فأجرت يسرا ، فقسمت أمرا ، فأقطرت قطرا ، فأمطرت مطرا ، إن الحمد لله رب العالمين ، و الصلاة و السلام على سيد المرسلين محمد و آله و صحبه أجمعين –رب صلاة و سلاما– يعقدان دواما مجالس الأنس في حظائر القدس ، لتبجيل مكانه ، و يقومان قياما ، لوعة و غراما ، في مجامع الأملاك ، و محافل الأفلاك ، بتعظيم شأنه ، و سقى الله ذو الجلال بزلال الأفضال ، تربة من قال :

قليل بمدح المصطفىٰ الخط بالذهب ❁ على فضة من خط أحسن من كتب
و أن ينهض الأشراف عند سماعه ❁ قياما صفوفا أو جثيا على الركب

و قلت مضمنا :

سواد عيون العين عين و سنا ذهب ❁ و لوح نحور الحور لاح كما يحب
فان يمل جبريل لقال أولو الأدب ❁ قليل بمدح المصطفىٰ الخط بالذهب
على فضة من خط أحسن من كتب

يقوم بحق المدح قوم فلاته ❁ تولـه و قم بالوجد قومة واله
فحق خضوع الوجه رغما لكاره ❁ و أن ينهض الأشراف عند سماعه
قياما صفوفا أو جثيا على الركب

و بعده فاستمع يا سعد! إن الذي لا قبل له و لا بعد ، قد قضى قبل خلق السماء و صوت الرعد ، إن الواجب على كل من عبد ، بعد ذكر الصمد ، العمد و الصمد ، إلى

المدح و الحمد ، لأعظم كرم ، و أكرم نعم ، و أجل رحمة ، و أجلى منة ، سيد الرسل ، و هادي السبل ، و إمام الكل ، و مكثر القل ، رافع الغِل ، دافع الضل ، امجد مولود ، أحمد محمود ، أسعد مسعود ، وجود الجود ، و أصل الوجود ، نعمة الجليل ، و دعوة الخليل ، و بشر المسيح ، و بشر الذبيح و بغية الكليم ، بوادي التكليم ، و أكرم كريم ، على ربه العظيم سيدنا و مولانا محمد النبي الأمي الأمين ، الأمان الأمان ، الضمان الضمين – صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و علىٰ آله و صحبه و بارک و عظم– و قد قال عز من قائل : ألم تر إلى الذين بدلوا نعمة الله كفرا ، نعمة الله محمد – صلى الله تعالىٰ عليه و سلم– ، قال ابن عباس –رضي الله تعالىٰ عنهما– أخرجه البخاري في الصحيح العلم ، و قال تعالىٰ : و أما بنعمة ربک فحدث ، فوجب التحديث بما من الله به على المومنين ، من وجود هذا الحبيب المكين –عليه الصلوٰة و على آله الطيبين– . و قال تعالىٰ : و ذكرهم بأيام الله ، و أي أيام الله أعظم من يوم ولادة المصطفىٰ – عليه أفضل الصلوٰة و أكمل الثناء– و قال تعالىٰ : قل بفضل الله و برحمته فبذلک فليفرحوا ، و من عقائد الإيمان أن محمدا – صلى الله تعالىٰ عليه و سلم– رحمة المنان ، شهد بذلک الحديث و القرآن ، و كذلک فضل الله محمد – صلى الله تعالىٰ عليه و سلم تسليما جليلا– حكاه الماوردي في قوله تعالىٰ : و لو لا فضل الله عليكم و رحمته لاتبعتم الشيطان إلا قليلا . فقد أوجب المولىٰ – سبحانه و تعالىٰ– على أمته ، الفرحة بولادته ، فحق لنا أن نتخذ مولده عيدا ، و إن رغم أنف من كان بعيدا ، و على هذا مضى جهابذة الأئمة ، و سادة الأمة ، و كاشفوا الغمة –عليهم من ربهم رضوان و رحمة– حتى جاء قوم يقرؤون القرآن لا يجاوز تراقيهم ، و يتحدثون بالحديث فلا يكون راقيهم ، أصلوا أصولا ، ضللت المسلمين قادة و تبعا ، و فصلوا فصولا ففرقوا دينهم و كانوا شيعا ، و كان مخرجهم نجد ، كما جاء به الوعد ، من صاحب المجد –صلى الله تعالىٰ عليه و سلم– فهاجوا و ماجوا ، و ثاروا و باروا ، و جاروا و حاروا ، و على الحرمين المحترمين أغاروا ، فالدماء سفكوا ، و الأموال ملكوا ، و المؤمنين فتكوا ، و الحرمات هتكوا ، فظنوا ان أهلكوا و ما هم أهلكوا و لكن هلكوا ، و عما قيل يرون ما سلكوا ، و كان قصارىٰ مرامهم و قصوىٰ مرماهم ، و في الشقاق و النفاق هم ما هم ، ان يخمدوا ذكر من رفع الله ذكره ، و يضعوا قدر من عظم الله قدره ، و يطفئوا نورا من أتم

الـلـه نـوره يـؤذوا الـمـومنين أحياء و أمواتا ، و خالفوا الدين نقضا و اثباتا ، فحاربوا جبارا ، مـلـكـا قهـارا ، سـرا و جهـارا ، و ليلا و نهارا ، و أصروا إصرارا ، و استكبروا استكبارا ، و مكروا بالإسلام مكرا كبارا ، فالأنبياء ثلبوا ، و الأولياء سلبوا ، و الإسلام خلبوا ، و الإلحاد جـلبـوا ، و بـالـجملة كلبوا، فالدين قلبوا ، فماذا يراد ، بمجلس الميلاد ، أو إيصال الأجور إلـى أوصـال الـقبور ، حتى يعد إنكاره في مفاسدهم ، و يذكر بجنب مكائدهم ، قاتلهم الله أنـى يـؤفـكون ، و سيعلم الذين ظلموا أي منقلب ينقلبون ، فلما أبا دهـم الله تعالىٰ إبادة ، و أمـطـر عـليهـم مـطرا الهلاک و زيادة ، حتى تداعت ربوع نجد للدثور ، و تنادت بواكيها بالويل و الثبور ، لجأت بواقيها إلى ديار شاغرة ، عطاش الفتن بأفواه فاغرة ، و لم تدر ان لله فـي كـل حيـن عباد صالحين ، يذبون عن الدين ، و يوكدون اليقين ، و يؤيدون الإيمان ، و يشيدون الإيقان ، و لله المنة و منه الإحسان ، فلم يرعها إلا جنود مجندة ، بسيوف مهندة ، مـن الـلـه مؤيدة ، فردوا المكائد في نحور الكائدة ، و واعوا المفاسد إلى نار موقدة ، تطلع مـنهـا عـلـى الأكبـاد و الأفـئـدة ، حتى التجأت كبراها في الجدل إلى البهت و الإفتراء ، و احتـراق الـكتـب و اختلاف العلماء ، و خلع ربقة الحياء ، عن ربقة الرياء ، فيتحير الناظر ، فـي زيهـم الظاهر ، و طيهم البائر ، و عيتهم الحاسر ، و غيهم الخاسر ، و كيدهم العظيم ، و صيدهم العديم ، فنشيد الحكيم ؎

| | |
|---|---|
| و لا أدري و سوف أخال أدري | أقـو م آل نـــجــد أم نســـاء |
| فـمـن فـي كـفه منهم خضاب | كـمـن فـي كـفــه مـنهـم لواء |
| تـظـن بـداهتــه فيهـم رشيـدا | و ان تـمـعـن فـرشدهم هبـاء |
| فـمـا فيهـم رشيد الصدق إلا | رضيـــع أو تبيـــع أو غــــداء |
| فـمـا مـعـنى تجاورهم و لكن | عسـى الحنان يهدي من يشاء |

هذا و ان من أولئک الجنود ، مهلكي العنود ، في الزمان الموجود ، أخانا في الله ذا الـفـضـل و الجاه ، و القدر الرفيع ، و الفجر الوسيع ، و الحكم الوكيع ، و الجد المنيع ، و الـمـجـد السـنيع مولانا المولوي محمد عبد السميع –صين عن كل شنيع ، و فزع فظيع ، كـل مسـاء و سـطيـع– فـإنـي وقفت على بعض ماله من اطائب الكلام ، فوجدت جله دافع الأوهـام و راحـت الـقلوب بنهج محبوب و أنوار ساطعة و حجج قاطعة فالله يجزيه الجزاء

الحسن بمنح المنح بمنع المحن ، و الحمد لله في السر و العلن ، و الصلوٰة و السلام على السيد الأمن ، و آله و صحبه محاة الفتن ، و حماة السنن ، و هداة السنن ، ما طلع سهيل من اليمن .

قاله بفمه و رقمه بقلمه عبده الفقير الذليل الحقير
عبد المصطفىٰ أحمد رضا
المحمّدي السني ، الحنفي ، القادري ، البر كاتي ، البريلوي
– غفر الله له و حقق أمله ، و أصلح عمله ، و لم شته و في الصلحاء بعثه– آمين .

## تقریظ جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب

ترجمہ: ایمان کے چاند کی چمک سے روشنیاں اٹھیں، اور سینائے سنّیۂ یقین کے پہاڑ سے چمکتے ہوئے چاند روشن ہوئے، پھر دورہ کیا انھوں نے اور سیر کی اور خود روشن ہوئیں اور دوسروں کو بھی روشن کیا، جنگل کی طرف جھکیں، اور دریا پر جلوہ کیا، پھر بہت پانی کا جوش ابھارا، اور ابر تیار کیا اور خوش خبری دی قطعاتِ زمین میں، باغوں اور میدانوں کو لالہ زار کردیا، پے در پے ہوائیں چلائیں اور زور سے جھونکے دیے، پھر اس نے بوجھ اُٹھوایا اور اس کو نرمی سے چلایا، پھر کاموں کی تقسیم کی، تو بوندیں ٹپکائیں پھر مینہ برسائے، بلاشبہہ حمد وستائش کی سزاوار وہی ذات ہے جو دنیا جہاں کی پالن ہار ہے اور درود وسلام کے تحفے آقائے کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- پر نچھاور ہیں۔ اے پروردگار! (اپنے احمد حبیب مختار) پر وہ درود وسلام نازل فرما جن سے پاکیزہ مقامات میں عظمت محمدی کی سربلندی کے واسطے اُنس کی محفلیں منعقد ہوتی رہیں اور عشق ومحبت اور قلبی جھکاؤ کے ساتھ بصد تکریم نوریوں کی انجمن اور آسمان کی محفلوں میں قیام ہوتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شعر کے کہنے والے کی تربت آب ہائے زلال افضال سے سیراب کردے۔

اگر کوئی ماہر خطاط ورق سیمیں پر آب زریں سے نعت مصطفیٰ -صلی اللہ علیہ وسلم- رقم کرے تو بھی کم ہے اور حق نعت ادا ہونے سے رہا۔ اور اہل شرف ومجد مدحِ حبیب کی تعظیم میں صف بستہ اور گھٹنے کے بل کھڑے ہوئے تب بھی سماعِ نعت کا حق کما حقہ ادا نہ ہوا۔

اور میں نے اس پر تضمین کہی ہے :

حورِعین کی آنکھوں کی سیاہی اگر آب زریں بن جائے اور ان کے سینے خوبصورت تختیاں بن جائیں اور جبرئیل امین اس پر حرفِ نعت اجالیں (تب بھی نعت گوئی کا حق نہیں ادا ہوسکتا)

اور شاعر وافر تمیز کہہ اٹھے گا: **قلیل لمدح المصطفیٰ** ................

ذرا دیکھو! سرکار کی مدحت ونعت تعظیم تمام کے ساتھ وجد میں آ کر اور والہ وشیفتہ ہوکر لوگ کس طرح کر رہے ہیں تو تمہارے لیے اس سے غفلت زیبا نہیں ہے۔ سچ یہ ہے کہ مدح یوں ہی ٹوٹ کر کرنی چاہیے، خواہ جلنے والے غیظ میں جلتے مرتے رہیں کہ **و أن ینهض الأشراف** .........

حمد وصلاۃ کے بعد، اے بلند بخت سن! اللہ تعالیٰ آسمان کے پیدا ہونے سے پہلے یہ حکم دے چکا کہ تمام عبادت کرنے والوں پر واجب ہے کہ خداے پاک کے ذکر کے بعد سرورِ عالم -صلی اللہ علیہ وسلم- کی مدح ونعت کیا کریں۔ رسول کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کی ذات گرامی بڑی بخشش وجود، نعمت فراواں، رحمت بیکراں اور واضح خوبیوں کی حامل ہے۔ انبیا ورسل کے سردار، نیک راہ بتانے والے، سب کے امام وپیشوا، قلت کو کثرت سے بدلنے والے، قید کا بند اٹھا دینے والے، گمراہی دور کرنے والے احمد ومحمود امجد مولود اسعد مسعود بخشش کے سرچشمہ، وجود کے منبع، خدا کی نعمت، دعاے خلیل، بشارت عیسیٰ، نوید ذبیح، تمناے کلیم، اپنے رب کے تئیں بڑی عظمت وکرامت والے سیدنا ومولانا محمد مصطفیٰ -صلی اللہ علیہ وسلم- ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا** . کیا تم نے انھیں نہ دیکھا جنھوں نے اللہ کی نعمت ناشکری سے بدل دی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس -رضی اللہ عنہما- نے فرمایا کہ نعمۃ اللہ محمد -صلی اللہ علیہ وسلم- ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَ أَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ** . اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ تو رحمت عالم -صلی اللہ علیہ وسلم- کے وجود مبارک کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے مومنین پر جو احسان عظیم فرمایا ہے اس کا چرچا ہم پر ضروری ہے۔

اور اللہ نے فرمایا: **وَ ذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللّٰهِ** . اور انھیں اللہ کے دنوں کی یاد دلاتے رہو۔ تو سرکار دوعالم نور مجسم -صلی اللہ علیہ وسلم- کے یوم ولادت سے بڑھ کر اور کون سا دن بڑا ہوگا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا** تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں۔

اہل ایمان کا ہمیشہ سے یہ عقیدہ رہا ہے کہ نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- رحمت ربانی اور فضل الٰہی کا سر چشمہ ہیں اور قرآن و حدیث اس پر گواہ ہیں جیسا کہ ماوردی نے رب تعالیٰ کے اس قول: وَ لَو لاَ فَضْلُ اللّٰهِ وَ رَحْمَتُهٗ لاتَّبَعْتُمُ الشَّيطَانَ إلاَّ قَلِيلاً کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ فضل اللہ، محمد -صلی اللہ علیہ وسلم- ہیں۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم -صلی اللہ علیہ وسلم- کی ولادت پر اظہار مسرت امت پر واجب فرمادیا تو ہمیں چاہیے کہ ہم سرکار کے مولود مبارک کو عید بنالیں، اور امت کے بڑے بڑے ائمہ کا یہی موقف رہا ہے- اللہ انھیں رحمت ورضوان سے نوازے- پھر کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو قرآن پڑھتے ہیں مگر ان کے گلے سے اوپر نہیں چڑھتا، حدیث پڑھتے ہیں مگر اس سے نفع اندوز نہیں ہو پاتے، ان لوگوں نے ایسے قاعدے گڑھ لیے ہیں جن سے ان کے سب خادم ومخدوم گمراہ ہو گئے اور ایسے دستور وضع کر لیے جس سے ان کے دین میں بگاڑ پیدا ہو گیا حالاں کہ وہ بظاہر پیروانِ دین سے گنے جاتے ہیں۔ ان کی اصل نکاسی نجد سے ہوئی جیسا کہ غیب داں نبی -صلی اللہ علیہ وسلم- نے پیش آگاہی فرمادی تھی کہ یہاں سے زلزلے اور فتنے رونما ہوں گے تو وہ لوگ نجد سے موج در موج نکلے، ظلم وتعدی کا بازار گرم کیا، لوٹ مار عام کر دی، اور حرمین شریفین پر چڑھائی کر دی، خونِ ناحق کی ندیاں بہائیں، مالوں پر قبضے جمائے، اور مسلمانوں کو ہلاکت کے گھاٹ اتارا، قابل عظمت چیزوں کے تار وپود بکھیر کر رکھ دیے، اپنے زعم میں وہ مسلمانوں کو نابود کر چکے مگر ہلاکت ان کے قریب بھی نہ آئی، دراصل یہ لوگ خود ہی لقمہ ہلاکت بن گئے، اور قیامت کو اپنا کیا پائیں گے۔ ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہ اس ذکر کو گل کر دیں جسے اللہ بلند فرمانا چاہتا ہے، فرمایا حق تعالیٰ نے: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ . اور ناقدری کریں ان کی جن کی قدر ومنزلت اللہ نے بڑھائی ہے: وَ تُعَزِّرُوهُ وَ تُوَقِّرُوهُ . اور بجھا دیں ان کا نور جن کو فرمایا: وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهٖ وَ لَو كَرِهَ الكَافِرُونَ. اور زندہ مردہ مسلمانوں کو ایذا پہنچائیں تو ان لوگوں نے یہ لڑائی دراصل اللہ -عزوجل- سے باندھی، انبیا کی بے ادبی، اولیا کی ناقدری، اسلام کی تراش خراش اور دامن الحاد میں بود وباش! گویا دین ہی اور ہو گیا، پھر مجلس میلاد کا انکار، اور ایصال ثواب سے بیزاری چہ معنی دارد؟ اللہ ان کی تہمتوں کا انھیں خمیازہ چکھائے۔ عنقریب یہ عقل کے دشمن جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ گرتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاکت کی وادی میں اتار دیا اور نجد میں کہرام مچ گیا، تب بقیہ ماندہ دور دراز شہروں میں پھیل گئے، ان کی کھوپڑی میں یہ بات نہ آئی کہ ہر

وقت میں اللہ تعالیٰ کے کچھ نیک بندے اور برگزیدہ بندے رہے ہیں جو ایمان ویقین کی کشت کوشاداب رکھتے اور دین متین کی حفاظت میں سرگرداں رہتے ہیں تو اللہ کا شکر واحسان کہ ان کے واسطے بھی اللہ نے جھٹ ایسی فوجیں تیار کردیں جنھوں نے اللہ کی طرف سے تائید یافتہ شمشیر براں کے ذریعہ مفاسد ومکائد کے پرخچے اڑادیے اوران کی فتنہ سامانیوں کوآتش سوزاں کی نذر کردیا، تب ان کے بچے بچائے اس بات پر آئے کہ جنگ وجدل اور بہتان وافترا میں حد سے گزر گئے، کتابیں گڑھ ڈالیں، نئے نئے ملا پیدا کیے اور شرم وحیا کا قلادہ اُتار پھینکا، ایک ظاہر بیں ان کا ظاہری پوشاک اور پر مطلب اخلاق وکردار دیکھ کر حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ وہ دلیلوں سے بالکل بے چارے اور ہارے ہوئے مگر بیوقوفوں کے بہکانے اور پھسلانے پر تیار اور بڑے مغالطہ باز اور مکار وعیار ہیں۔ کسی دانائے راز نے درست فرمایا ہے:

مجھے نہیں معلوم کہ یہ نجدی مرد ہیں یا عورتیں۔ جن کے ہاتھ حنا آشنا ہیں اور جن ہاتھوں میں نیزے حمائل ہیں کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں؟

اگر تم ان میں کسی کو بہ نظر ظاہر رشید خیال کرو تو ادنیٰ تامل کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ رشد نے انھیں چھوا تک نہیں۔

غرض کہ ان میں کوئی رشد سچا نہیں سب کے سب دغاباز، غارت گر اور مکار ہیں۔

پھر اگر ان لوگوں نے جور وجفا اور ظلم وستم کیا تو یہی ان کے لائق تھا۔ اللہ انھیں ہدایت سے نوازے۔

الحاصل! دو فوجیں جنھوں نے منکرین کو ٹھکانے لگا دیا، ان میں سے اس زمانہ میں ایک ہمارے دینی بھائی صاحب عظمت وکرامت اور بہت ساری خوبیوں کے مالک مولانا مولوی محمد عبدالسمیع صاحب ہیں- اللہ انھیں تمام آفات وخرافات سے بچائے- مجھے ان کے کچھ پاکیزہ کلام مثلا: ''دافع الاوہام''، ''راحت القلوب'' اور ''انوار ساطعہ'' دیکھنے کا اتفاق ہوا جنھیں میں نے اسم بامسمّٰی پایا۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو بہترین جزا عطا فرمائے۔ اور ظاہر وباطن ہر حال میں اللہ کا شکر کرتا ہوں۔ اے اللہ! اپنے حبیب اعظم ﷺ اور ان کی اولاد واصحاب پر لگاتار درودوں کے پھول اور سلاموں کے گجرے نچھاور فرما جب تک ستارۂ سہیل وادیِ یمن میں چمکتا دمکتا رہے۔

اسے اپنے منہ سے کہا اور خود سے لکھا اللہ کے بندۂ فقیر ذلیل وحقیر
عبدالمصطفیٰ احمد رضا محمدی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی نے
اللہ اسے بخشے، مراد رسا فرمائے اور بروز محشر صلحاے امت میں اٹھائے۔ آمین۔

(۷) از: بدایوں

**صورة ما زينه نبراس المؤمنين منور الإسلام و الدين كاشف الظلام كالبدر التمام داعي الأنام إلى سبيل السلام الزاهد المتورع العابد المتبرع جامع العلوم العقلية و النقلية كاشف المكنونات الخفية الحاج المولوى عبد القادر لا زال بالمعالي و المفاخر .**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم رسائل راحت القلوب ودافع الاوہام و انوار ساطعہ وغیر ہا مولفات حضرت بابرکت عاشق اذکار جناب رسول کریم-صلی اللہ علیہ وسلم-و حامی دین قویم وصراط مستقیم حاج الحرمین الشریفین فاضل نامی ومتورع گرامی مولانا محمد عبد السمیع صاحب زاد برکاتہم کہ ہم درفضائل وکمالات جناب حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین -صلی اللہ علیہ وسلم-تالیف فرمودہ اند وہم دردفع اوہام منکرین مجالس اذکار شریفہ ودیگر اُمور مثوبات لطیفہ تصنیف نمودہ مطابق وموافق تحقیقات جمہور محققین از فقہا ومحدثین اند منکران کہ براہِ خدیعت وخیانت کہ شعار طوائف اہل ضلالت ست طعن وتشنیع جاہلانہ می نمایند عوام اہل اسلام براں گوش نہ نہند وسعادت اتباع جمہور ائمہ دین را از دست ند ہند حق سبحانہ مولف ممدوح را برکات دارین عطا فرماید وخاتمہ فقیر وجملہ اہل اسلام بخیر نماید آمین۔

حررہ الفقیر احقر الطلبہ : عبدالقادر-عفی عنہ-

## تقریظ حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی

ترجمہ: حضرت بابرکت عاشق اذکار جناب رسول کریم-صلی اللہ علیہ وسلم-وحامی دین قویم وصراط مستقیم حاج الحرمین الشریفین فاضل نامی ومتورع گرامی مولانا محمد عبدالسمیع صاحب -زاد برکاتہم-کی تالیفات ''راحت القلوب'' و''دافع الاوہام'' اور'' انوار ساطعہ'' وغیرہ جو جناب حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین-صلی اللہ علیہ وسلم-کے فضائل وکمالات سے متعلق ہیں اوراوہام منکرین مجالس اذکارِ شریفہ کودفع کرنے اور دیگر افعال خیر کے سلسلہ میں تالیف کی گئی ہیں فقہاء ومحدثین میں سے جمہور محققین کی تحقیقات کے مطابق وموافق ہیں۔گم راہوں کی طرح خیانت ودھوکہ دہی اور جاہلانہ طعن وتشنیع کرنے والے منکرین کی باتوں پر عوام اہل اسلام کو بالکل کان دھرنے کی ضرورت نہیں۔ اوراتباعِ جمہورِ ائمہ دین کی سعادت کو ہاتھ نہ جانے دیں۔اللہ تعالیٰ مولف ممدوح کودارین کی برکتوں سے سرفراز فرمائے اورفقیر وجملہ اہل اسلام کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔

(۸) از: ممبئی

صورة ما أفاده القلهُد الكبير و الغطمطم الغزير محقق العلوم العقلية مدقق الفنون النقلية الشيخ الأجل الأفل البحر الأوحد الأكمل الصوفي المقتفى بآثار رسول الله -صلى الله عليه وسلم- مولانا الحاج **مولوى عبيد الله** الحنفي القادري البدايوني المدرس الأعلى للمدرسة المحمدية الواقعة في بلدة بمبئي -خصه الله دائما بفيضه الجلي و الخفي-.

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لمنير أنار الحق لأهله فغدت أنواره على منار الهدى ساطعة ، و منور نور الصدق بتنوير أبصار أولي الأبصار فأصبحت مصابيحه من مشكوٰة صدورهم لامعة ، و الصلوٰة و السلام على سيدنا محمد مفتاح خزائن العلوم الذي إشاراته لكنوز الحقائق فاتحة ، و مصباح دفائن الفهوم الذي ترى الأفهام بلمعاته دقائق المعاني على صفحات البيان لائحة ، و على آله و أصحابه الذين بذلوا مهجهم الكريمة لبهيج الدين فتباهجت روضة منمنة يانعة ، دريت بمساعيهم الجميلة شقائق الحقائق فزاها تزهو على رُبا الإسلام رائقة رائعة ، أما بعد فإني قد تشرفت بمطالعة هذه الصحيفة الشريفة ، و سرحت نظري في مضامينها العجيبة اللطيفة ، فوجدتها بالله كاسمها أنوارا ساطعة ، و رأيت نجوم الهدى من بين أسطارها طالعة ، تهدي إلى الحق لكل ضالة غوية ، و تهدي الصواب إلى كل ذي فطرة سوية ، ما من مسئلة إلا و تركتها واضحة جليلة ، و لا من معنى إلا و كسته ببيانه الحلى حللا سند سية ، جمعت من المطالب رعي الله منشئها كواكب درية ، و نظمت من المآرب -حمى الله موشيها جواهر مضيئة ، تهدلت أفنانها بفنون الفوائد وترنحت أغصانها بعيون العوائد ، تقر ببهجتها النواظر ، و تسر بنزهتها الخواطر كيف لا و هي روضة رضية مزهرة بأزهار التحقيق ، و حديقة ندية منورة بأنوار التدقيق ، طوبى لواردها موردا هنيا و بشرى لناظرها منظرا سنيّا ، فما لهؤلاء القوم عنها راغبون ، و يمرون عليها و هم عنها معرضون ، و قد حق لها أن تترنم على قصباتها بالقبول عنادل فهوم الفحول ، و بلابل العقول، جزى الله ممهدها جزاء موفورا و جعل سعي منضدها سعيا مشكورا .

حرره و أملاه العبد الأوّاه الراجي رحمة مولاه عبيد الله

-عفا عنه ماجناه و حماه بحماه عما لا يرضاه و سلكه فيما يحبه و يرضاه-

# تقریظ جناب مولوی عبید اللہ صاحب قادری بدایونی

ترجمہ: سب تعریف اس کو ہے جس نے حق والوں کے لیے حق روشن کیا تو ہدایت کے مینار پر اس کی روشنیاں بلند ہوگئیں۔ اور اہل بصیرت کی آنکھوں کو روشن کر کے صدق کو روشن کیا تو راستے کے چراغ ان کے سینوں میں چمکنے لگے۔ اور درود وسلام ہمارے سردار محمد ﷺ پر جو علوم کی کنجی ہیں ایسی کنجی جس سے اشاروں میں حقیقتوں کے خزانے کھلتے ہیں اور ایسے چراغ ہیں جس کی روشنی میں معانی کے دقائق صاف نظر آتے ہیں۔ اور آپ کی آل اصحاب پر جنھوں نے دین کو رونق بخشنے کے لیے اپنی جانیں کھپا دی تھیں تو خوب رونق پر آیا اس کا نگارین باغ پھلا ہوا ،اوران کی سعی سے حقائق کا گل لالہ پھولا۔ تو اب اسلام کے بلند مکانوں پر خوش نما پھول کھلے ہوئے دیکھو۔ حمد وصلاۃ کے بعد عرض ہے کہ میں اس صحیفہ شریف کے مطالعہ سے مشرف ہوا اور میں نے اپنی نظر اس کے مضامین لطیفہ کی سیر میں چھوڑ دیا۔ اللہ کی قسم میں نے انوار ساطعہ کو اسم با مسمی پایا۔ میں نے اس کی سطروں میں ہدایت کے تارے چمکتے دیکھے ہیں، ہر بھٹکتے کو اس سے راہ ملتی ہے، ہر اچھی سمجھ والا اس سے راہِ صواب پاتا ہے، ہر مسئلہ کا اس میں شافی بیان ہے اور اور ہر معنی کو شیریں بیانی سے خلعت زیبا پہنایا ہے۔ اس کتاب میں کیا چمکتے ستارے جمع ہیں -اللہ اس کے مصنف کا نگہبان رہے- اور کیا جواہر مضیۂ اس پر جڑ دیے ہیں اللہ اس کے سجانے والے کی حمایت کرے۔ اس کی گراں باری کثرت فوائد سے ٹہنیاں نیچے جھک گئیں۔ اور شاخیں اس کی عمدہ منافع کے بوجھ سے لچکنے لگیں، اس کے رونق جمال سے آنکھیں روشن ہوتی ہیں اور اس کی خوبی سے دل خوش ہوتے ہیں، اور کیوں نہ ہوں کہ وہ ایک باغ ہے جس میں تحقیق کی کلیاں لگی ہیں، اور تدقیق کے پھول کھلے ہیں۔ خوش خبری ہے اس کو جو اس باغ میں آئے اور نظارہ کا مزہ پائے۔ نہیں معلوم کیا ہوا اس قوم کو جو اس سے بے رغبت ہیں اور اس پر چلتے ہوئے کتراتے ہیں اور یہ اس قابل ہے کہ عقل کی بلبلیں اس کی ٹہنیوں پر چہچہا کریں۔ اللہ اس کے آراستہ اور مرتب کرنے والے کو جزائے خیر دے اور سعی کو مشکور فرماوے۔

لکھا اس تقریر کو امیدوار رحمت اور بندہ اواہ عبید اللہ نے اللہ اس کی خطا معاف فرمائے اور نامرضیات سے بچائے اور اپنی اپنی پیاری مرضیات کے راستہ پر چلائے۔

(۹) از: ممبئی

صورة ما قرظه العابد الزاهد المرتاض العارف المرشد الفياض هادي السالكين مرشدا لناسكين المولوي الصوفي **السيد عماد الدين** الرفاعي النزيل بمحلة بهندي بازار –أجر الله فيوضه الباقية الصالحة إلى يوم القرار–

الحمد لله الذي بعث رسولا في الأميين و فضله على الأنبياء و المرسلين و جعل ميلاده رحمة للعالمين ، و أنزل الفاتحة شافية للمؤمنين ، و الصلوٰة و السلام الأتمان الأكملان على سيدنا محمد شفيع المذنبين ، و آله الطيبين ، و أصحابه المهتدين أجمعين . أما بعد فرأيت الرسالة النافعة "الأنوار الساطعة في بيان الميلاد و الفاتحة" التي ألفها الفاضل الأجل المنيع ، المولوي محمد عبد السميع –سلمه الله تعالىٰ و جزاه خير الجزاء– فوجدتها مشتملة على الأدلة القوية و الروايات الصحيحة الفقهية –جعل الله سعيه مشكورا و نفع به المسلمين موفورا– و من أنكر الفاتحة و مجلس الميلاد فهو من المتوهبين المضلين ، تاب عليهم خير التوابين ، و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين .

كتبه العبد المسكين السيد عماد الدين الرفاعي
–كان الله له كما كان لأسلافه ، و عفا عنه و عن والديه و أخلافه–

## تقریظ جناب مولوی سیدعمادالدین صاحب رفاعی

ترجمہ: اللہ کا شکر جس نے ان پڑھوں میں رسول بھیجا اوراس کوسب پیغمبروں پر بزرگی بخشی اوران کے میلا دکوتمام عالم کے لیے رحمت کیا اوراس نے جملہ مومنین کوشفا دینے والی فاتحہ نازل فرمائی۔اور پورا پورا درودوسلام ہمارے سردار محمد شفیع المذنبین پراورسب آل پاک اور اوراصحاب ہدایت پر۔اس کے بعد کہتا ہوں کہ میں نے رسالہ نافعہ''انوارساطعہ'' دیکھا جس کو بڑے فاضل مولوی عبدالسمیع نے تالیف کیا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کوسلامت رکھے اوراچھی جزا عنایت کرے۔میں نے اس رسالہ کو قوی دلیلوں پرشامل پایا۔اللہ تعالیٰ ان کی سعی کومشکور فرمائے،اور جوکوئی فاتحہ اورمجلس میلادشریف کا انکارکرے، وہ فرقہ وہابی اورگمراہوں میں ہے اللہ اس کوتوبہ نصیب کرے۔اب ہم آخیر میں پڑھتے ہیں الحمدللہ رب العالمین۔

لکھا اس کو بندۂ مسکین سیدعمادالدین رفاعی نے -اللہ اس کے لیے ایسا ہوجائے جیسا کہ اس کے بزرگواروں کا ہوا تھا اوراس کے ساتھ اس کے والدین اور پیچھے آنے والوں کی تقصیر معاف فرمائے۔

(۱۰) از: حیدرآباد دکن۔

**صورة ما رقمه المنطيق الكيّس الخبير النحرير الجهيذة البصير الناظم الناثر المنشيء الأديب الفلسفي الحكيم الطبيب كثير التأليف جيد التصنيف مولانا وكيل أحمد نائب صوبه شرقي دكن - صانه الله ذو المنن عن نوائب الزمن و حوادث الفتن-**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ستایش مرشارے راکہ شارع عام شریعت را از خاشاکِ بدعت و ہوا پاک رفتہ، تا در فضاے ایں گلستان ہمیشہ بہار ہزاراں گل ہدایت در شگفتہ، و نیایش مرمفتی راکہ قانونِ اسلام را در کشورستان قلوب اہل ایمان رائج فرمودہ، واز میامن فیوض ایں معنی ابواب تحقیق کمالات برخواطر آل واصحاب برکشودہ۔ اما بعد بندہ درگاہ احد وکیل احمد سکندر پوری مولدا والحنفی مذہبا والنقشبندی مشربا می گوید کہ برضمیر منیر اشراقات تنویر ارباب فضل و ہنر محتجب نخواہد بود کہ ارتکام ظلام بدعت وہویٰ آفتاب ہدایت راآں قدر تاریک نہ ساختہ کہ طیرانی ذرات حقائق رابال افشانی از پا در نیارد و خاشاک افشانی صرصرایں وادی چنداں برطرق اسلام خس خاشاک نیفشاندہ کہ سالک مسالک شریعت را پاسنگ درنیاید، روزافزونی قدر ارج ایں سنگریزہا کساد بازاری، متاع جوہر تحقیق، ووسوسہ انگریزی خیالات ایں موسوساں برہمزنی خانماں تصدیق، چہ روزگار عبرت انگیز است کہ حکمت دراں درضلالت افتادہ اند، وچہ زمانہ حسرت خیز است کہ جہالت پروراں در ابحاث متین حکمت آمادہ، حرفی نخواندہ اند و بدعوی تحقیق رسیدہ اند، معنی نذر یافتہ اند و بدم کہنہ تلاشی مضمون آشنا گردیدہ، معانی کہ بضابطہ شریعت نبوی وفاق دارند، بہ ابتداع آں قائل اند، وامورے کہ درتحت من سن سنة حسنة داخل اند بتحریم آں مائل اند، کوہمتے کہ در مسالک ایں وادی سلوکت درزود کجا زہرہ کہ از پائے مخائل واوہام غابات ایں فیانی را درنوردو بحمد اللہ وبمنہ مصنف ایں انوار ساطعہ چہ سحر بردہ، وچہ اعجاز دمی بہ پایۂ بیان درآوردہ، کہ از سطوع انوارش بردیدہ بے بصران حکم خفاش درست آمد، واز لموع لمعاتش آب درچشمہ آفتاب می لرزد، الحق نور را با ظلمت تضادے تمام متحقق بود کہ چوں تنویرات شعشانی آفتاب از مشرق نہاریت پرتو انگیزاں گردد، زلف لیلاے لیل راچہ یارا کہ باختراق بازی جمراتش بال کشاید، مرغان اسولہ معترضان در چنگال اجوبہ ایں رسالہ صید بازی شہباز وفرجگان نمودہ، وقامت اعتراض مانند خار وسرنکشیدہ کہ جلاداں توقیع از شمشیر

اشارت فرقش رانہ بریدند، ازگل چینیش خاروخاشاک بدعات بریدہ شد واز نضارت فرمایش گلشن کدۂ ہدایت شگفتہ، نخل فقاہت از ریشہ دوانی معانیش درعسل جوشی اجتہاد، وگلبن شریعت از بہار افروزی نسیم کلامش درعطر ریزی ریاض اعتقاد، ازافتتاح فاتحہ کلامش معنی فتوحات حاصل، واز نور باری یواقیت اسرارش دیدہ کورسواد ان عاطل، عیسیٰ دمے مسائل باریکش مستعد احیاے علوم، وگنج کاوی سینہ الہام رایش قفل کشاے مخازن فہوم، اشعہ لمعاتش سرمہ بیزسواد دیدۂ انوار، معارف فیوضاتش منورقلوب اسرار، توضیح عبارتش تنقیح فرمائے تلویح معانی، ومنارات معانی مطالبش نور الانوار مواطن روحانی درمختار معاقد بے بہاست، محیط معانی ومدعاست، کشاف طینتی بیتانش، درمختصر بیانی الفاظ مطول فروش وکان مضمون، فتوح غیب عسا کر معانیش درملک گیرطبل نوید گوے افواج معانی موزوں، چوں تمدیح نثاری ایں رسالہ سترگ درپاس مقام اطناب سرفرودارد اولیٰ آنکہ بدیں مدعا اختتام توصیف کنیم ع: قبولِ خاطر اہل ہدیٰ باد فقط

## تقریظ مولوی وکیل احمد صاحب سکندر پوری

ترجمہ: جملہ مدح وستائش اس شارع کوسزاوار ہیں جس نے جادۂ شریعت کو خاشاک بدعت وہویٰ سے پاک وصاف کردیا تاکہ اس فضائے گلستان میں دائمی بہار کے ہزاروں گلدستہ ہدایت مہکتے رہیں۔ اوروہ مفتی بھی پورے طور پر مستحق ستائش ہے جس نے دلوں کی سلطنت پر قانون اسلام کا سکہ رائج کیا۔ اوراس کے فیوض وکمالات کے حصول کے دروازے آل واصحاب پر وا کردیے۔ امابعد!

بندۂ درگاہِ احد وکیل احمد مولداً سکندر پوری مذہباً حنفی اورمشرباً نقش بندی عرض گزار ہے کہ نوری شعاؤں سے منورارباب فضل وہنر کے ضمیر روشن پر حجت نہ ہوگی کہ بدعت وہویٰ کی ظلمات نے آفتاب ہدایت کو اتنا تاریک نہیں بنایا کہ حقیقت کے ذرات کی پرواز کو اپنے بال کھولنے سے روک سکے۔ اوراس وادی کے ہوا کی خاشاک افشانی کسی طریقہ سے شاہ راہِ اسلام پر خس وخاشاک نہیں ڈال سکتی کہ راہِ شریعت پر گامزن شخص کے پاؤں کوکہیں کوئی ٹھوکر نہ لگ جائے۔ اس سنگریزے کی بڑھتی ہوئی قدر اَرج، کوٹہ بازاری، جوہرتحقیق کا سامان اوران ارباب وساوس کے انگریزی خیالات اور گھریلو جھگڑوں کی تصدیق کس قدر عبرت انگیز ہے کہ جس کی وجہ سے اہل حکمت کے پاؤں بھی جادۂ ضلالت پر پڑے۔ اورکس قدر حسرت ناک زمانہ ہے کہ جہالت کی

پشت پناہی کرنے والے حکمت کی متین بحثوں میں پڑ گئے، حال یہ ہے کہ حروف ابجد سے بھی بے خبر ہیں مگر دعویٰ یہ ہے کہ انھیں تحقیق میں کمال حاصل ہے۔ معنی کو خیر آباد کہہ چکے ہیں اور مضمون کی بوسیدہ ترجمانی سے آشنا ہو گئے۔ وہ معانی کہ جو شریعت نبوی کے ضابطے پر برابر اترتے ہیں اس کو بدعت کا لیبل چسپاں کر دیا، اور وہ امور جو من سن سنة حسنة کے تحت داخل ہے ان کو حرمت کے چوکھٹے میں فٹ کر دیا۔ کس کی ہمت تھی کہ اس وادیِ سلوک اور مشکلات سے بھرے ہوئے ان جنگلات کو اس قدر تیز رفتاری کے ساتھ عبور کر سکے۔ ذرا دیکھیں کہ اللہ کے فضل واحسان سے مصنف انوارِ ساطعہ نے کیسے ساحرانہ اور اعجازانہ انداز میں اس بیابان کو اپنے زورِ بیان سے طے کیا ہے کہ اس کے انوار کی تابندگی سے آنکھیں موند لینے والوں پر ایک طرف تو حکم خفاش راست آیا اور دوسری طرف اس کی شعاؤں کی خیرگی سے چشمۂ آفتاب کی تابانی بھی لرز اٹھی۔ سچی بات یہ ہے کہ نور وظلمت میں بہر اعتبار تضاد ہے آپ خود دیکھیں کہ شعلۂ آفتاب کی چمک جب مشرق سے پرتو انگیز ہوتی ہے تو لیلۂ شب کی زلفوں کی کیا مجال کہ اس کے مقابلے میں جلنے پر اتر آئے اور اپنے بالوں کو کھول دے۔ معترضین کے مرغان اسولہ نے اس رسالہ کے بارے میں سوال وجواب کا ایک سلسلہ شروع کر کے شہباز او رمولے کا مقابلہ شروع کر دیا۔ لیکن ان کے خار کے مانند اعتراضات کو کبھی سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی کیوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جلاد شمشیر کے اشارے سے ان کے پرخچے اڑا دے۔ اس کی گل چینی سے بدعت کے خس وخاشاک کاٹ دیے گئے اور فرمایشوں کی تازگی سے گلشن کدۂ ہدایت بہار آشنا ہو گیا۔ نخل فقاہت اس کی جڑ سے، اس کے معانی کا برتن جوش اجتہاد سے، شریعت کا گلستان بہار کی آمد سے، اس کے کلام کی بادِ نسیم عقیدے کے باغیچہ عطر بیز سے اور اس کے کلام کے آغاز سے فتوحات معانی حاصل ہو گئیں۔ باری تعالیٰ کے نور کی برکت سے اس کے یاقوت جواہر اندھوں کی آنکھوں کے لیے دم مسیحا ہیں۔ اس کے دقیق مسائل اور اس کے سینۃ الہام کی گنج کاوی احیاے علوم کے لیے آمادہ ہے۔ اس کی رائے عقل ودانش کے خزانوں کے لیے قفل کشا ہے، اس کے 'اشعہ لمعات' دیدۂ انوار کے لیے سرمہ بیز ہیں۔ اس کے فیوض وبرکات کے معارف قلوب اسرار کو نور بخشنے والے ہیں۔ اس کی عبارت کی وضاحت تلویح معانی کی تنقیح کرنے والی ہے۔ اس کے مطالب کے معانی کے منار نور الانوار ہیں۔ درمختار کے روحانی معرکے بیش قیمت موتیوں کے ہار ہیں۔ معانی ومدعا کا محیط سرشت بیتان کے لیے کشاف ہے۔ اس کی مختصر الفاظ بیانی مطول فروش ہے۔ اس کے عساکر معانی کا فتوح الغیب معدن مضمون ہے۔ فتوحات میں خوشی کا نقارہ ہے، معانی موزوں کی فوجوں کا گیند ہے، ایسے عظیم وجلیل رسالے کی تعریف وتوصیف مقام اطناب میں اظہار انکسار ہے۔ بہتر یہ ہے کہ میں اپنے مدعاے توصیف کا اختتام اس مصرع پر کردوں : قبولِ خاطر اہل ہدیٰ باد فقط۔

(۱۱) از: احمد آباد، گجرات۔

صورة ما سطره النحر الفهامة و البحر العلامة واقف أسرار المعقول و المنقول كاشف أستار الفروع و الأصول دامغ جيش الأباطيل مشتت شمل المخاذيل المدعو بمولوي **نذير أحمد خان** الرامپوري المدرس في بلدة أحمد آباد –أبقاه اللّٰه بالصدق و السداد و الهداية و الرشاد–.

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد للخالق الذي خلق نور نبيه أول جميع المخلوقات فجعل منه الأنبياء و الصديقين و الشهداء و سائر المكنونات و أرسله آخر كل النبيين رحمة للعالمين و سخر له الملک و الملكوت و الأرضين و السموات و أفضل الصلوٰات و التحيات على خير الأنام الذي من علينا ببعثه العزيز العلام بقوله في كتاب المنزل المكرم الذي هو أقوم البينات و أدوم المعجزات و أمر فيه بتحديث النعمة و أية نعمة تساوي ولادته فذكرها انفراداً و إجماعا بهيئة الإحترام و الإكرام كيف لا يكون من الحسنات و العبادات و آله و أصحابه الذين عزروه و وقروه بأفئدتهم و جوارحهم فبلغوا في الدرجات إلى أقصى الغايات و من بعدهم من محققي الفضلاء البطول و الكملة الفحول اتفقوا على ممر الأعصار في الأمصار على احتفال ذكر ولادته و استحسنوا القيام عنده على الإقدام فنالوا البركات المتواليات أما بعد فإني طالعت هذا الكتاب أعني " الأنوار الساطعة في بيان المولود و الفاتحة " للعالم الأفضل و الفاضل الأبجل النحرير الرفيع و البحر المنيع المولوي عبد السميع –أطال الله بقاء ہ و رزقنا و إياه لقاء ہ و رضائه و جزاه الله عني و عن جميع المؤمنين الصالحين خيرا و كفاه الله أعداء ہ و حساده ضيرا– فوجدته منورا لقلوب المحبين سيد المرسلين و دليلا قاطعا لإثبات الفاتحة و ميلاد خاتم النبيين و برهانا ساطعا لإثباتهما على المنكرين المتبعين غير سبيل المؤمنين فلا يختفي ضياء ہ إلا على العنيد الغوي ، الذي مقلته عميا و الأعمى الغبي الذي لا يرى شعاع الذكاء في وسط السماء قال المتنبي في الذي هو كذلک عاذرا له لما هنالک – شعر ؎

و لو خفيت على الغبي فعاذر      أن لا تراني مقلة عمياء

فجدير للمؤلف اللوذعي في مقابلة مثل هذا أهل العمي و الغي البغي أن يسلک مسلک الشاعر الماهر المتني و أرجو من الله -جل برهانه و عظم شأنه- أن لا ينكر مضامين هذا الكتاب أحد من العاقلين المنصفين المتأدبين و إن كان من قبله لقلة التدبر و النظر على الكتب من المنكرين لأن المؤلف القمقام النحرير الفهام أوضحها أيضا حالا يأتيه الإنكار و أظهرها إظهار الشمس بلاد الشرق و الغرب في نصف النهار و أقام البينة عليها فصارت عند الإزدحام كالجبال الراسية ، و تصدّى لدفع الاعتراضات التي تقولها أهل البدعات السيئات فأجاب عنها بأجوبة مرضية شافية فلا يسع لمن له قلب سليم إلا التسليم بالتكريم و أما الذين أشرب في قلوبهم حب المكابرة و المعاندة و كان دابهم العداوة و المضادة ديدنهم عن الحق الاستكبار و عن الهداية الاستنكار فلا عجب أن ينتصروا عن مثل هذا التحرير الأزهر و يستدبروا عن هذا التقرير الأظهر و الأطهر ألا ترى أن لا يشم فاقد الشامة المسک الاذفر و لم يؤمن بإعجاز انشقاق القمر المعاند الأكبر فمن ضاهاه و تشابه قلبه كيف يتخلف عنه وضوح هذا الأثر و إن كان أحدهما الأصغر من الآخر ، اللهم احفظنا بلطفک القديم و فضلک العميم عن مثل هذه الضيعة الشنيعة و اغفر لنا كل الخطايا و الذنوب بذريعة جيبک خير البرية -صلى الله عليه وسلم- و ارزقنا خلة خليلک الكاملة و أمتنا على الخاتمة الحسنة و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين و صلى الله على خير خلقه محمد و آله و أصحابه أجمعين .

قرره باللسان و حرره بالبنان المفتقر إلى ربه القدير

محمد نذير المعروف بـ'نذير أحمد خان

-عفي الله تعالىٰ عنه و عن والديه جم الخطاء و العصيان-

## تقریظ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب

ترجمہ: سب تعریف اس کو جس نے اپنے نبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کا نور سب سے پہلے پیدا کیا۔ پھر اسی سے انبیا وصدیقین اور شہدا اور جملہ مکنونات بنائے ،اور حضور کو پیغمبروں کے پیچھے سب عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا،اور جملہ اجسام وارواح اور زمین وآسمان ان کے تابع کر دیے،اور سب سے افضل درودوسلام اور تحیت حضرت خیر الانام ﷺ پر نازل ہو جن کی بابت اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان ظاہر کیا کہ ایسا رسول بھیج دیا اور ہم کو نعمت بیان کرنے کا حکم دیا اور پھر بھلا

کون سی نعمت حضور کی ولادت شریف کے برابر ہے؛ تو اس کا تنہا یا جماعت میں باادب ذکر کرنا کیوں کر حسنات وعبادات میں سے نہ ہوگا، اور درود وتحیت ہو آپ کے آل واصحاب پر بھی جنھوں نے آپ کی تعظیم وتوقیر اپنے جسم وجاں سے ادا کی تو وہ اس کے صدقے میں بڑے درجوں کو پہنچے۔ پھر ان کے بعد بڑے بڑے فضلاے کاملین تمام شہروں میں استحسان محفل مولد وقیام پر صدا اتفاق کرتے رہے تو وہ پے در پے برکات کو پہنچے۔ اس کے بعد عرض مدعا یہ ہے کہ میں نے کتاب انوار ساطعہ دیکھی جس کو ایک بڑے عالم وفاضل یعنی مولوی محمد عبد السمیع نے تصنیف کیا ہے- اللہ ان کا سایہ کرم دراز کرے، ہم کو اور ان کو اپنا دیدار اور اپنی رضا نصیب فرمائے اور میری اور جمیع مومنین صالحین کی طرف سے ان کو جزاے خیر عنایت فرمائے اور سب دشمنوں اور بدخواہوں کے ضرر سے بچائے- میں نے اس کتاب کو عاشقین رسول کے دلوں میں نور کی شعائیں بکھیرنے والی اور فاتحہ ومیلاد کے ثبوت پر دلیل قاطع اور برہان ساطع پایا۔ اس کی روشنی کسی سے مخفی نہیں۔ ہاں! وہ دشمن کی روح کی آنکھ ہی اندھی ہے جسے آسمان میں سورج بھی نظر نہیں آتا۔ متنبّی شاعر نے کہا کہ :

اگر میں کسی کند ذہن کے ادراک میں نہ آیا تو اس کو معذور سمجھنا چاہیے؛ کیوں کہ مجھ کو اندھی آنکھ دیکھ نہیں سکتی۔

لہٰذا مولف انوار ساطعہ کو بھی یہی چاہیے کہ اپنے وقت کے اندھوں کو جو قدر نہیں پہچانتے معذور سمجھے اور امید یہ ہے کوئی عاقل باانصاف اگر چہ وہ پہلے قلتِ اطلاع دلائل کے سبب منکر ہی ہو لیکن اب انکار نہ کرے گا کیوں کہ مولف انوار نے دلائل کو نہ صرف سورج کی طرح روشن کر دیا ہے بلکہ منکرین کے اعتراضات کا جواباتِ شافعیہ سے رد بلیغ بھی کیا ہے۔ اب کسی صاحب قلب سلیم کے لیے گنجائش نہیں کہ انکار کر سکے۔ ہاں! جن کے دلوں میں جھگڑے، عناد اور قبول حق سے انکار وغرور نے جڑ پکڑ لیا ہو تو کچھ عجب نہیں کہ اس روشن اور پاکیزہ تقریر سے نفرت کرنے لگیں۔ کیا ہم نہیں دیکھتے کہ جس کی قوت شامہ نہیں ہوتی وہ مشک وعنبر کی خوشبو بھی نہیں پاتا، اور اس بڑے منکر نے شق القمر کا معجزہ بھی نہ مانا۔ اللہ ہم کو محض اپنے فضل سے منکرین کی ایسی حرکت بد سے بچائے اور ہمارے جرم وخطا رسول اللہ کے صدقے معاف فرمائے، اور ہمیں ان کی سچی محبت نصیب کرے اور خاتمہ بالخیر سے مشرف فرمائے۔ اور ہماری آخری بات یہ ہے: الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

اپنی زبان سے یہ تقریر کی اور انگلیوں سے لکھی محمد نذیر معروف بہ نذیر احمد خاں نے- اللہ سب خطا اور گناہ معاف کرے اس کے اور اس کے ماں باپ کے- آمین۔

(۱۲) از: غازی پور

صورة ما حرره شامخ المكان باذخ الشان العالم الجليل و الفاضل النبيل الشريف النجيب ذكي المنابت طاهر الأغراس اللطيف النظيف جميل الشمائل طيب الأنفاس كنز المكارم معدن الحسنات **مولانا محمد أبو البركات** -لا زال بالخير و الفيض و الإفادات-

المنة لله الفتاح المنان ، الذي زين بالفاتحة القرآن ، و هو نور الأنوار الساطعة و رب الأقمار الطالعة ، السميع العليم ، الخبير المنعم القديم ، و الصلوٰة على من هو أكرم أولاد آدم ، و أفصح مصاقح العالم ، أنه خاتم المرسلين ، و مولده رحمة للعالمين ، و على آله الأصفياء الواصلين ، و على أصحابه الأتقياء الكاملين .

أما بعد ! فيقول العبد الفقير الراجي رحمة رب البريات ، محمد ن المدعو بأبي البركات -غفر الله له ذنوبه و السيئات- ابن فخر العلماء ، صدر الفضلاء ، بدر الفقهاء ، قمر الكملاء ، سند الواعظين المحدثين ، ناصر المسلمين ، مولانا الأعظم ، مقتدانا الأكرم ، بحر المعاني ، الملقب بالجنيد الثاني ، لقبه في أسانيده للأحاديث و التصوف الإمام الهمام حضرت مولانا عبد الحق محدث كانفوري -عم فيضه ذو المجد ذوا العز و الجاه- مولانا الحاج محمد أمانت الله الحنفي الفصيحي ، لا زال بابه ملاذ الحنفاء الأشراف و جنابه مرجعا للشرفاء الأحناف ، ان أفضل السعادات الأبدية و أكمل البركات الصمدية و أقدم الفيوضات الرحمانية و أكرم الكرامات السبحانية ذكر أفضل الأنبياء صاحب الشريعة الغراء ، مالک الطريقة الزهراء ، من فضائله الجليلة و محاسنه النبيلة و ظهور البركات و الكرامات عند ولادته الشريفة و معجزاته و آياته النظيفة فطوبى لمن صنف فيه و أجاد و هدى الناس طريق الحق و سبيل الرشاد و إن هو إلا المولى الكامل فخر الأماثل في الفروع و الأصول و صدر الأفاضل فی المعقول و المنقول عليم بأسرار الأحاديث النبوية خبير بدقائق المواعظ المصطفية مضابط الأحكام الشرعية جامع النكات الأصلية و الفرعية ، فاتح المغلقات النقلية ، كاشف المشكلات العقلية ، مشكوٰة مصابيح البلاغة ، ضياء مشارق الفصاحة و البراعة ، سند الأعالي مستند أرباب المعالي ، ذو المقام

الرفيع المنيع المولوي **محمد عبد السميع** فإنه قد أورد كلها في رسالته اللامعة المسماة بالأنوار الساطعة لله دره حيث سعى في إسعاف مرام المتصوفين المقلدين و اهتم في رد شبهات المنكرين الضالين و أتى ما يناسبه المقام بأقوال العلماء الكرام و قدماء الأعلام بحيث لم يسمعها الآذان و لم يرها عيون الدهور و الأزمان فو الله لقد انبسطت القلوب بمطالعتها و نورت العيون بمعانيتها ، ألفاظها بدور بازغة ، جملها شموس طالعة ، سطورها أنهار التحقيق ، جداولها بحار التدقيق ، فيا معشر الناظرين الطالبين الصادقين إن استطعتم أن تنتفعوا بها فشمروا عن ساق الجد و اشتروها فإنها خير لكم إن كنتم تعلمون .

## تقریظ جناب مولوی محمد ابوالبرکات صاحب غازی پوری

ترجمہ : شکرو احسان خداے فتاح ومنان کا جس نے قرآن کو سورۂ فاتحہ سے مزین فرمایا، وہی انوارِ ساطعہ کا نور ہے، اجلیاں بکھیرنے والے چاندوں کا پروردگار جو سننے، جاننے، خبر رکھنے، انعام کرنے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ درود کے گلدستے اس کی بارگاہ میں نذر ہیں جو بنی آدم میں سب سے معزز ومحترم ،فصیحانِ جہاں سے کہیں زیادہ فصیح و بلیغ ،نبیوں کے خاتم اور جن کی ولادت کائنات کے لیے رحمت سراپا ہے۔ ساتھ ہی ان کے بزرگ وخدارسیدہ آل اطہار اور کامل و پرہیزگار یارانِ جاں نثار پر بھی۔

حمد و صلاۃ کے بعد طالب رحمت پروردگار بندۂ فقیر محمد ابوالبرکات -غفرلہ- عرض گزار ہے۔ ابن فخر علما، صدر فضلا ، بدر فقہا، قمر کملا، سند واعظین ومحدثین ، ناصر مسلمین، مولانا الاعظم، مقتدانا الاکرم، بحر معانی، جنھیں جنید ثانی کے لقب سے یاد کیا گیا ہے، اور یہ لقب ان کی حدیث وتصوف کی سندوں میں ملتا ہے، امام ہمام حضرت مولانا عبدالحق محدث کانپوری کے ذریعہ عطا ہوا ہے یعنی مولانا الحاج محمد امانت اللہ حنفی فصیحی غازی پوری۔ جن کا در جود اشراف کرام کے لیے ہمیشہ وا رہا، ان کی جناب ارباب شرف ومجد کی آماجگاہ رہی۔ بے شک نبیوں پر فضل وکمال رکھنے والے، ستھری شریعت اور روشن طریقت رکھنے والے -صلی اللہ علیہ وسلم- کا ذکر جمیل ابدی سعادتوں میں سب سے افضل، سرمدی برکتوں میں سب سے مکمل، فیضان الٰہیہ میں سب سے مقدم اور ربانی کرامتوں میں سب سے مکرم ومحترم ہے۔ وقت ولادت مبارکہ برکتوں کا نزول،

کرامات ومعجزات کاظہوراور پاکیزہ ستھری نشانیاں آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے جلیل القدر اورعظیم الشان فضائل ومحاسن میں سے ہے۔ یقیناً وہ اپنے مقدر کا دھنی کہا جائے گا جس اقبال مندکو اس سلسلہ خیر میں کچھ خامہ فرسائی کی سعادت نصیب ہوئی ہو، اس نے لوگوں کو حق وشریعت پر جادہ پیا کیا ہواورراہ راست سجھائی ہو۔اور یہ ذات کسی اور کی نہیں مولی کامل،فروع واصول میں فخر اماثل،معقول ومنقول میں صدرافاضل،آشنائے رموزاحادیث نبویہ،خبیردقائق مواعظ مصطفویہ،مضابط احکام شرعیہ،جامع نکات اصلیۃ وفرعیۃ ، فاتح مغلقات نقلیۃ ، کاشف مشکلات عقلیۃ ،مشکوٰۃ مصابیح بلاغت،ضیائے مشارق فصاحت وبراعت،اعلیٰ لوگوں کے سند، بزرگوں کے مستند،ارباب معانی،صاحب مقام رفیع منیع مولوی محمد عبدالسمیع کی ذات گرامی قدر ہے۔اس لیے کہ انھوں نے یہ سب مضامین اپنے 'انوارِساطعہ' نامی روشن ومنوررسالے میں پیش کیے ہیں-ساری خوبیاں اللہ ہی کو زیب ہیں-انھوں نے مقلدین صوفیہ کے مطالب ومفاہیم پورے کرنے میں کوئی کسر روانہ رکھی،ساتھ ہی منکرین وضالین کے شبہات کو بیخ وبن سے اُکھاڑنے کا بھی پوراپورااہتمام کیا ہے۔اورموقع کی مناسبت سے علمائے کرام اورقدمائے اعلام کے ایسے ایسے اقوال بطورِ استشہاد پیش کیے ہیں کہ اس سے پہلے نہ کانوں نے سنا اور نہ زمانے کی آنکھوں نے دیکھا۔قسم خدا کی! اس کے مطالعہ سے دل' غنچوں کی مانند کھل اٹھا،اس کے معنی ومفہوم نے آنکھوں کی روشنی بڑھادی،الفاظ کیا ہیں جیسے دودھیا چاندنی بکھیرتے چاند، جملے ایسے کہ جیسے نکلے ہوئے آفتاب،سطریں تحقیق کی رواں دواں نہریں معلوم ہوتی ہیں اور اس کے جدول اسرارودقائق کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر دکھائی پڑتے ہیں۔تو اے طالبین صدق وصفا! مقدور بھراس سے مستفیض ومستفید ہونے کی کوشش کریں،فوز وفلاح کی ساری آیتیں اس میں مضمر پائیں گے۔

(۱۳) از: چریاکوٹ

**صورة ما رصعه الأديب اللوذعي و الأريب الألمعي غواص بحار التحقيق سباق غايات التدقيق عالم صنائع الكلام عامل بدائع النظام التقي النقي الزكي الضابطة المثبت الصدوق مولانا محمد فاروق –مد ظله العالي مدى الأيام و الليالي–**

**الحمد لله رب الأنوار الساطعة ، و نور الأقمار اللامعة ، و الصلوٰة و السلام على من أوتي الآيات الصاوعة ، و الحجج القاطعة ، و بعد فإن أحسن ما يقصد و يراد ، و أطيب ما يرومه العباد ، و يظمأ في هواجر طلبه الأكباد ، و ليأوفي منازله الرواحل أشد أساد ، و يؤطأ في مراحل سعيه القتاد ، و يستوطن في هواه غوارب الرسم و ظهور الجياد ، و يحتاب لأجله البلاد ، الشاسعة النائية البعاد ، ذكر سيد العباد و العُبَّاد ، من ذكر نسبه خير الانساب ، و آياته الحقة المدهشة للألباب ، و إرهاصاته التي جاء ت عند مولده الشريف المستطاب ، فإنه أجل ما يدخر ليوم الحساب ، و أكرم ما يقتنى بحسن الثواب ، فطوبىٰ لرجل ملأ و طابه ، و كمّل نصابه ، و إن هو إلا المولى الكريم ، النبيه الفخيم ، مولى البلاغة و البراعة ، مالک أزمة الطرس و اليراعة ، عالي الكعب كعبة المعالي ، والي المجد الشامخ و العز المصمد و المحل العالي ، صاحب المقام الرفيع و الجاه المنيع المولوى عبد السميع فإنه قد أتى برسالة في مجلس ذكر الميلاد ، و سعى وجد فيها فأجاد و هدى الناس إلى سبل الرشاد و هاد فقاق أهل الآفاق و ساد ، و سد موارد الغي و الفساد . اللهم بارک في رزقه و حسناته و انشر للناس بره و عوارفه و بركاته .**

# تقریظ جناب مولانا محمد فاروق صاحب چڑیا کوٹی

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کو زیبا ہیں جو انوار ساطعہ اور جگمگ کرتے چاندوں کا پروردگار ہے، اور درود وسلام اس پر ہو جسے کھول دینے والی نشانیاں اور کاٹ ڈالنے والی دلیلیں عطا کی گئیں۔

حمد وصلاۃ کے بعد۔ بلا شبہہ سب سے خوب تر وخوش تر چیز سرکار دو عالم -صلی اللہ علیہ وسلم- کا ذکر مبارک ہے۔ جس کا قصد وارادہ کیا جائے، سب سے نفیس چیز جس کا بندہ قصد کرے، جس کی طلب میں دوپہروں کو کلیجے بھنے جاتے ہیں، جس کی منزلوں کی طرف سواریاں پوری رفتار سے دوڑائی جاتی ہیں، جس کے لیے دوڑنے کی راہوں میں کانٹے دار درخت مسلے جاتے ہیں، جس کی فرط محبت میں اونٹوں کے کوہان اور عمدہ گھوڑوں کی کمریں وطن بنالی جاتی ہیں اور جس کے لیے بڑی مسافت والے دور دراز شہر طے کیے جاتے ہیں۔ بے شک حساب کے دن کے لیے وہ ایک بڑا عظیم ذخیرہ ہے، اور حسن ثواب کے لیے جو چیزیں جمع کی جاتی ہیں ان میں یہ بزرگ تر ہے۔ تو آفریں ہے ایسے شخص کے لیے جس نے اس کی مشکیں بھر دیں، اور اس کا حق پورے طور پر ادا کر دیا۔ اور یہ کوئی اور نہیں، **المولی الکریم ، النبیه الفخیم ، مولی البلاغة و البراعة ، مالک ازمة الطرس و الیراعة ، عالي الکعب کعبة المعالي ، والي المجد الشامخ و العز المصمد و المحل العالی ، صاحب المقام الرفیع و الجاه المنیع المولوی عبد السمیع** کی ذات گرامی ہے۔ کیوں کہ انھوں نے میلاد النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- کے سلسلہ میں ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے، جس میں جی توڑ کوشش کی ہے اور خوب لکھا، اور لوگوں کو بھی منزل ہدایت تک پہنچا دیا، اور اللہ کی طرف رجوع کیا تو آفاق میں سب پر فائق ہوگئے اور ان کی سیادت کی، اور فتنہ وفساد کے مراکز کا ہمیشہ کے لیے سد باب کر دیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے رزق وحسنات میں برکتیں عطا فرمائے۔ اور ان کی نیکیوں اور برکتوں سے لوگوں کو مستفیض ہونا نصیب کرے۔

(۱۴) از: لکھنؤ

صورة ما جره زين العلماء سراج الأدباء الذي هو في عصره وحيد و في دهره فريد مولانا أبو الغناء **محمد عبد المجيد** -أبقاه الولي الحميد- و هو النجل السعيد الكريم لمولانا الحافظ شاه أبي الحياء **محمد عبد الحليم** ابن مولانا أبي البقاء **محمد عبد الحكيم** ابن مولانا أبي العيش **محمد عبد الرب** ابن ملك العلماء أبي العياش مولانا **عبد العلي بحر العلوم** اللكهنوي الفرنجي المحلي -غفر الله لهم أجمعين و أعلىٰ درجاتهم في أعلى عليين- .

بسم الله الرحمن الرحيم ، الله أكبر الله أكبر أنا أذل و إليه أفقر هو خالق العز و الغناء و أنا في غاية الذل و العناء تعالىٰ الله شأنه علوا كبيرا لا يستطيعون ثناء عليه و لو كان لبعضهم بعض ظهيرا يتوالى مراحمه علينا بلا وقت في الليل و اليوم يدبر الأمور كلها و لا تأخذه سنة و لا نوم دهشت اللباب عن عد نعمائه و طاشت الحلوم و برد العقل عن حد آلائه و تبلدت الفهوم ،نحن و همتنا قاصرون حد القصر و مكارمه فائقة من الحد و الحصر فكيف أحمده على شأنه و أطرح الأدب و كيف لا أحمد حال تواتر نعمه فيا عجبا بعد العجب و إن تعدوا نعمة الله لا تحصوها منها أنوار ساطعة و عجالة نافعة أعني هذه الرسالة العجيبة و الرقيمة الغريبة فحاويها لائقة و معانيها فائقة مضامينها من الصدق و السداد مملوء ة و ألفاظها سلسة نفيسة حلوة ، تهديد لمن غشى قلوبهم الكيد و الريب و هدى للمتقين الذين يؤمنون بالغيب .

طريق الاستدلال فيها أحسن الأسلوب إثبات دعاويها قوت القلوب تميل إليها النفوس كما ترغب إلى المآكل و الملابيس بل تجلبها جلب مقناطيس فلله در من صنفها و له حسن من صرف فيها الأوقات و ألفها لما جاء ت للمطالعة و رأيت منها أوراقا معدودة وجدتها مرغوبة الطبع و محمودة فنظرت نظرة بالإجمال و الاستعجال و منعتني من الإمعان العلل اللاحقة و الهزال فجعزت في المطالعة عن الاستيعاب و اكتفيت على عدة

أوراق من الكتاب و عليه حمدت الله قاضي الحاجات و ليس حمدي إلا حركة الشفة و اللهاة و اعتذر إلى جنابه من التقصير اعتذار البائس العاجز على باب الأمير و أرجو منه أن يعيد علينا سوابق النعم و يزيد في لواحق الكرم و أصلي و أسلم على رسولنا و شفيعنا محمد الهادي إلى سبيل السلام و على آله رعاة الأنام و أصحابه حماة الإسلام .

و أنا الراجي رحمة ربه الوحيد أبو الغناء محمد عبد المجيد

ابن مولانا المولوي الحافظ شاه أبو الحياء محمد عبد الحليم -عليه رحمة الله الرحيم-

**محمد عبد المجيد أبو الغناء**

## تقریظ نبیرۂ بحر العلوم حضرت مولوی عبد المجید لکھنوی

ترجمہ: اللہ بہت بڑا ہے، میں ذلیل اور اس کا محتاج ہوں۔ وہ عزت و تونگری کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور میں رنج وخواری میں ڈوبا ہوا ہوں۔ اس کی شان نہایت عظیم ہے کوئی اس کی حمد وثنا کا حق ادا نہیں کر سکتا خواہ لوگ آپس میں مل مل کر مدد اور ہمت لگا دیں، رات دن اس کی رحمتیں پے در پے ہوتی ہیں۔ وہ بہترین تدبیر فرماتا ہے، اسے نیند اور اونگھ نہیں آتی، اس کی نعمتوں کا شمار کرنے سے عقلیں تھک گئیں، ہماری ہمتیں انتہا درجے کی کوتاہ واقع ہوئی ہیں، اس کی بخشش بے حد و بے شمار ہے۔ پھر بھلا اس کے شایانِ شان میں کیسے اس کی حمد وستائش کروں، یہ ترک ادب ہے، اور اس کی بے کراں نعمتوں پر بھلا کیوں نہ شکر ادا کروں، یہ تو تعجب بالائے تعجب ہے۔ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کر سکو گے۔ اس کی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ گراں مایہ رسالہ مبارکہ ''انوارِ ساطعہ'' بھی ہے۔ اس کے مشمولات و معانی لائق وفائق، اس کے مضامین سچائیوں کے آئینہ دار، الفاظ سلیس، شیریں اور نفیس ہیں۔ اس میں ان لوگوں کے لیے تنبیہ ہے جن کے دل شک آلود اور فریب خوردہ ہیں۔ اور غیب پر ایمان رکھنے والے پرہیز گاروں کے لیے اس میں ہدایت کا سامان ہے، طریقہ استدلال خاصا اچھوتا اور اپنے دعووں کو ثابت کرنے کا انداز دل چھوتا ہے۔ دیدہ و دل اس کی طرف ایسے ہی جھکے پڑتے ہیں جیسے لذیذ کھانوں اور عمدہ پوشاک پر ٹوٹتے ہیں بلکہ اس کی کشش مقناطیس کی سی ہے، سبحان اللہ ایسے مصنف کی کیا بات ہے جس نے ایسی کتاب لکھنے میں اپنا وقت لگایا جب یہ کتاب میرے سامنے

آئی تو اس کے چند اوراق میں نے الٹ پلٹ کر دیکھے تو میں نے اسے مرغوب خاطر اور قابل تعریف پایا، پھر عجلت کے باعث میں نے اس پر ایک سرسری نگاہ دوڑائی، تفصیل سے حرفاً حرفاً سب کو نہ دیکھ سکنے کی وجہ یہ ہے کہ مجھ کو بیماری اور ضعف و ناتوانی لاحق تھی پس چند اوراق کی نظر تفصیل پر اکتفا کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ اپنی تقصیر کا عذر اس کی جناب میں پیش کرتا ہوں اور اس کے انعامات کی امید رکھتا ہوں۔ درود وسلام بھیجتا ہوں اپنے رسول وشفیع حضرت محمد اور ان کی آل اصحاب پر جو خلقت کے نگہبان اور اسلام کے حامی ہیں۔

اور میں امید وار رحمت خداوندی مولوی حافظ شاہ ابوالحیا محمد عبد الحلیم کا بیٹا ابوالغنا محمد عبد المجید ہوں۔ اللہ ان پر اپنی خاص رحمت فرمائے۔

(۱۵) از: رام پور ضلع سہارن پور
جناب مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی فرنگی محلّی کا اس کتاب کی تصدیق فرمانا جیسا کہ ان کے شاگرد مولوی سعید الدین صاحب لکھتے ہیں:

صورة ما رقمه التقي الزكي الفطين العالم العامل المتين الرزين المولوي **سعيد الدين أحمد** من نجباء بلدة رامفور ضلع سهارنفور و هو من أرشد تلامذة مولانا عبد الحي اللكنوي المغفور .

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد للّٰه الذي أنعم على الناس بما بعث محمدا خير العباد و جعل مقدمه قرة للعيون و مسرة للفؤاد و الصلوٰة و السلام عليه و آله و أصحابه صلاة و سلاما لا يحصيها أمد و لا عداد صلوٰة تنفعنا يوم لا تجزي الآباء عن الأولاد و لا يحمل الأبناء بأعباء آبائهم و الأجداد ، أما بعد فيقول أحقر العباد محمد المدعو بسعيد الدين –غفر له ربه يوم التناد ان من أطيب ما يستلذه الفؤاد و يلتاع إليه الأكباد ذكر سيد العباد و ما له من محاسن أخلاقه و معجزاته و إرهاصاته عند الميلاد ففاز من جرى عليه و والاه و خاب من جحده و عاداه فمن الذين أحبوه و أكرموه و استحسنوه و أبرموه المولى الفاضل البارع الكامل ذو الكعب العالي و البارع الرحيب المصقع الأديب الأريب صاحب الشرف الرفيع المولوي محمد عبد السميع –قد أتى برسالة نافعة موسومة بالأنوار الساطعة فأكب العلماء على مدحها و تحسينها و أثبتوا على ما فيها من الثناء من كل سينها و شينها منهم أستاذنا المشهور المولوي محمد عبد الحي اللكنوي المغفور فإني قد عرضت تلك الرسالة عليه فاستحسنها و استجاد و أعلها محل الإرشاد و قال إن هذا الكتاب جامع جميع الأقوال في هذا الباب و سلك فيه مؤلفه مسلك الصدق و السداد و اجتنب عن سوء القول و العناد ، صلى الله على النبي و آله الأمجاد .

# جناب مولوی عبد الحئ صاحب فرنگی محلّی مغفور

## کا اِس کتاب کی تصدیق فرمانا جیسا کہ مولوی سعید الدین سہارن پوری کی تقریظ سے ظاہر ہے۔

ترجمہ: سب تعریف اس اللہ کو ہے جس نے حضرت محمد خیر العبادﷺ کو بھیج کر ہم پر انعام کیا اور ان کی تشریف آوری کو آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور بنایا۔ درود وسلام ہواُن پر اور ان کی آل واصحاب پر اس قدر کہ نہ اس کی کچھ انتہا ہو اور نہ شمار۔ یہ درود ہمارے لیے اس دن نفع رساں ہو جس دن باپ نہ اولاد کے کام آئیں گی اور نہ اولاد اپنے باپ دادوں کا بوجھ اٹھائے گی۔ حمد وصلاۃ کے بعد عرض پرداز ہے احقر العباد محمد سعید الدین - اللہ اس کو روز قیامت میں بخشے کہ وہ بہت اچھی چیز ہے جس سے دل کو مزہ آئے - اور جگر جلتے ہوں جس کے ذوق وشوق میں وہ حضرت سید العبادﷺ کا ذکر جمیل اور میلاد پاک کے وقت آپ کے حسن اخلاق اور معجزات وکرامات کا بیان ہے۔ پس مراد کو پہنچا جو اس پر چلا اور اس کو پے در پے کرتا رہا اور محروم رہا جس نے انکار کیا اور اس کا دشمن بن گیا۔ پس جن لوگوں نے اس عمل کو دوست رکھا، اس کا احترام واہتمام کیا اور اس کا خوب دلچسپی سے استحکام کیا ان میں سے ایک سردار فاضل بڑے درجہ والے کامل یعنی مولوی محمد عبد السمیع بھی ہیں جنھوں نے ایک رسالہ بنام انوار ساطعہ لکھا جس کی مدح وتحسین کرنے میں سبھی مشغول ہو گئے، اور اس کے حرف حرف کی تعریف میں رطب اللسان نظر آنے لگے۔ ایسی ہی علما میں میرے استاد عالی درجہ مشہور مولوی عبد الحئ صاحب لکھنوی مغفور بھی ہیں۔ جب میں نے یہ رسالہ ان کے سامنے پیش کیا تو آپ نے پسند فرمایا، اسے جیّد کہا اور اس کو محلِّ ہدایت وارشاد ٹھہراتے ہوئے فرمایا :

**إن هـذا الـكتـاب جـامـع جميع الأقوال في هذه الباب و سلك فيه مؤلفه مسـلک الـصدق والسداد و اجتنبت عن سوء القول و العناد صلى الله على النبي و آلـه الأمجـاد .**

یعنی یہ کتاب اس سلسلے کے جملے دلائل واقوال کی جامع ہے اور اس کے مؤلف نے خوب راہ راست جادہ پیمائی کی ہے اور بدکلامی وعناد وغیرہ سے ہر طرح اپنا دامن پاک رکھا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نبی کریم اور آپ کی آل مقدس پر بارانِ رحمت برسائے۔

(١٦) از: بلندہ ضلع فتح پور ہنسوہ

صــورة مــا طـرزه رافـع اعــلام الـدين أمـام العابدين مؤيد أهل السنة و الـجـماعة مبدّد أهل البدعة و الشناعة مولانا القاضي **محمد عبد الغفور** -أدام الله فيوضه مر الدهور- .

بسم الله الرحمن الرحيم

الـحـمـد لـله الذي أيد أهل الحق و أنصاره و بزم أهل البطلان و أشراره و الصلوٰة و السـلام على حبيبه الذي قلع اطلال الفساد و بنيانه و على آله و أصحابه الذين شيدوا قصر الـرشاد و أركانه ، أما بعد فإني طالعت الكتاب المسمّٰى بالأنوار الساطعة في بيان الميلاد و الـفاتحة الذي صنفه العالم الجليل و الفاضل النبيل عديم العديل فقيد المثيل مولانا القارئ الـحـافـظ الـمـولـوي مـحـمد عبد السميع -صانه الله تعالىٰ عن شر كل غبي نزيع و غوي وجيـع- فـوجـدتـه ظهيرا لأهل السنة و الجماعة و نصيرا لأصحابه الدراية و الهداية هادما لـدار الـضـلالة و هـاتـما لأسنان أهل الغواية فجزاه الله سبحانه حسن الجزاء و وقاه جميع البـلاء حيـث أفهـم البـاغين أتم الإفهام و أفحم الطاغين أكمل الإفحام بلين الكلام و حسن النظام فمن اتصف و أقبل جل و من اعتسف فأدبر ذل فقط .

حرره الفقير
المشهور بـمحمد عبد الغفور
المتوطن بقصبة بلنده ضلع فتح پور

# تقریظ مولانا قاضی محمد عبدالغفور صاحب فتح پوری

ترجمہ: سب تعریف اللہ کو ہے جس نے حق کی مدد کرنے والوں کو قوت بخشی اور باطلوں اور شریروں کو شکست دی۔ اور درود وسلام ہو اس کے حبیب ﷺ پر جس نے فساد کے نشان و بنیاد کو اکھاڑ پھینکا۔ اور ان کے آل واصحاب پر کہ جنھوں نے قصر ہدایت اور اس کے ارکان کو بلند ومضبوط کر دیا۔ اس کے بعد عرض ہے کہ میں نے کتاب انوار ساطعہ دیکھی جس کو بڑے عالم مولوی محمد عبدالسمیع نے تصنیف کیا ہے- اللہ تعالیٰ انھیں کج فہم وکج رد اور موذی کی ایذا سے بچائے- میں نے اس کتاب کو اہل سنت وجماعت کی پشت پناہی کرنے والی، اصحاب عقل وہدایت کی مدد کرنے والی، گمراہی کا گھر گرا دینے والی اور سرکشوں کے دانت توڑ دینے والی پایا۔ اللہ اس کے مصنف کو جزاے خیر دے، اور سب بلاؤں سے بچائے۔ اس لیے کہ انھوں نے باغیوں کو اچھی طرح سمجھا دیا، اور سرکشوں کو اپنے نرم کلام اور دلائل کے حسن ترکیب سے پورے طور پر لاجواب کر دیا۔ اب جس نے انصاف کیا اور اچھی طرح پیش آیا اس نے بزرگی پائی، اور جس نے کجروی اختیار کی اور پشت پھیری وہ ذلیل ہوا۔

لکھا اس کو فقیر محمد عبدالغفور متوطن قصبہ بلندہ ضلع فتح پور نے۔

(۱۷) از: کان پور

صــورة مـا قـرظه و نظمـه مجمع الفـواضل العـالم العامل العارف الكامل الـذاكر الشاغل المرتاض الفاضل مولانا شاه **محمد عادل** -عم الله فيضه الشـامـل إلـى يـوم الـرجف و الزلازل- كان أخذ العلوم حين التعلم من عالم الـحقائق و الأكناه مولانا شاه سلامت الله و هو من شمس العلماء مولانا شاه عبد العزيز الدهلوي -رحمهما الله العزيز القوي-

بسم الله الرحمن الرحيم

حمدا لمن وفق مجيء حبيبه الكريم الذي ولد في خير البلاد و هو شفيع الخلائق في الـميـعـاد لـعقد مجالس الميلاد و جعل لجحيم مأوى مبغضه اللئيم الذي هو معدن الشر و الـفسـاد واعـد لأعـدائـه سوء الأكباد شر مآب جهنم يصلونها فبئس المهاد انه تعالىٰ عزيز مـلـک بـر رؤوف جـواد الـذي إنـعامه على العباد غير معلول بعلل طاعات العباد و صلوٰة و سلاما على من هو باعث الإيجاد و مبعوث لهداية الثقلين إلى سبيل السداد و إرائهما طريق الـرشـاد سيدنا محمد أفصح من نطق بالضاد الذي هو للأنام هاد و أمره ثابت باتباعنا أعظم السـواد و عـلـىٰ آلـه الأحجاد و أصحابه أفضلى الزهاد إلى يوم التناد أولئک الذين رحماء بيـنـهـم و عـلـى الـكـفـار شداد و هم بذلوا جهدهم في إشاعة دين الحق و صرفوا أموالهم و أنـفسهـم فـي الـجـهـاد مـع الـكـفـرة الفجرة ذي النفاق و العناد و بعد فيقول العبد الخاطي الـخـامل محمد عادل -عامله الله سبحانه بفضله الشامل و جعله من الآمنين يوم الرجف و الـزلازل و أصـلـح حـاله بلطفه الكامل في العاجل و الآجل- إني قد رأيت مواضع شتى من هـذا الـكتاب المترجم بالأنوار الساطعة فوجدته أوفق لمعتقدات أهل الحق ما ذكر فيه فهو بـالـمتـابـعة أحـرى و أليـق لأن الحق بالاتباع أحق قررت مطالبه بتقرير ألطف و أدق بينت مسـائـلـه ببيـان شـاف إلـى الـذهـن أسبـق كيف لا و قـد رصفه من هو جامع بين المنقول و الـمـعـقـول حـاو للفروع و الأصول أسوة أصحاب النبي صاحب الدرجات العلي الذي قد خـص بـالـعـلـم الـوسيـع و هـو ذو الشـان المنيع و المكان الرفيع أعني مولانا عبد السميع -سـمـع الـلـه لمسئوله و استجاب بنعمته لمدعوه و متع أرباب الإسلام بطول بقائه و يسر متـمـنـنا بتيسير لقائه جزاه الله الوهاب عني و عن جميع المستفيدين من هذا الكتاب جزاءً

**أوفى- فجعل الجنة له المثوىٰ و خير مآب ثوابا من عند الله و الله عنده حسن الثواب هذا و الحمد لله أولا و آخرا و الصلوٰة على النبي و آله باطنا و ظاهرا .**

# تقریظ حضرت مولانا شاہ محمد عادل کان پوری

ترجمہ: تعریف ہے اس کو جس نے مجلس میلاد کرنے کی توفیق بخشی اپنے حبیب کریم کے دوستوں کو۔ ایسا حبیب کریم جو تمام شہروں سے اچھے شہر میں پیدا ہوا، اور وہ بروز محشر ساری مخلوق کا شفاعت کرنے والا ہوگا۔ اور اس کے بغض رکھنے والے بدبخت شریر فسادی کا ٹھکانہ دوزخ بنایا اور اس کے دشمن سیاہ کلیجے والوں کے لیے بری جگہ جہنم بنائی۔ جس میں انھیں جانا ہے تو وہ کیا ہی برا بچھونا ہے۔ بے شک وہ خدا برتر عزت والا بادشاہ احسان کرنے والا مہربان بخشش والا ہے، اس کا انعام بندوں کی عبادت پر موقوف نہیں، اور درود وسلام ہو اس پر جو باعث ایجاد ہر عالم ہے اور جسے لوگوں کو صراط مستقیم پر لانے کے لیے مبعوث کیا گیا ہے وہ ہمارے سردار محمد ﷺ ہیں جس نے خوب فصاحت سے ''ضادؔ'' ادا کیا اور سب خلق کا رہنما ہوا اور ہم کو یہ حکم دیا کہ اختلاف امت کے وقت اس کا اتباع کرو جس پر زیادہ علما ہوں۔ اور تا قیام قیامت ان کی آل واصحاب پر بھی درود وسلام ہو، جو بڑے زاہد، آپس میں نہایت رحم دل اور کافروں پر بہت کڑے تھے۔ جنھوں نے دین پھیلانے میں بھرپور کوشش کی اور کفار نابکار کے ساتھ لڑنے میں جان ومال صرف کیا۔

اس کے بعد کہتا ہے بندہ محمد عادل- اللہ اس پر فضل کرے اور قیامت کو امان دے اور حال اس کا اچھا کرے اب اور آئندہ- میں نے اس کتاب انوار ساطعہ کے چند مقام دیکھے اعتقادات اہل حق کے بہت موافق پایا۔ اس میں جو کچھ لکھا ہے اس کا اتباع چاہیے، اس کے مطالب ومسائل بہت عمدہ تقریر اور بیان شافی سے بیان کیے گئے ہیں۔ اور ذہن کی طرف چلتے ہیں اور کیوں نہ ہو اس کا جامع وہ ہے جو جامع معقول وحاوی فروع واُصول ہے یعنی مولانا محمد عبدالسمیع- اللہ اس کے ماں باپ کی مراد سنے اور اپنی نعمت سے اس کی دعا قبول کی، اس کو مدتوں زندہ رکھ کر ارباب اسلام کو فائدہ پہنچائے، اور اس کی ملاقات ہم کو میسر کرے، اللہ تعالیٰ میری طرف سے اور جو لوگ اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں، ان سب کی طرف سے اس کے مصنف کو پوری جزائے کامل دے- اور شکر ہے اس جناب میں اول وآخر اور درود نبی اور آل نبی پر باطن وظاہر۔

(۱۸) از: اکبر آباد

**صورة ما كتبه ذو المجد الظاهر و الفضل الباهر غائص بحار التحقيق فارس مضمار التدقيق المشتهر المدعو بالألسنة و الأفواه بمولانا محمد عبد الله أول مدرسين في مدرسة أكبر آباد -صانه رب العباد عن شرور أهل الغنى و العناد .**

**بسم الله الرحمن الرحيم ، الحمد لله العلي الأعلى الذي خلق الأرض و السماوات العلىٰ و الصلوٰه و السلام الأتمان الأكملان على من دنى فتدلى فكان قاب قوسين أو أدنىٰ و على آله الأبرار و أصحابه الأخيار إلى ما دار الدوار و سار السيار ، أما بعد فلقد رأيت كتاب الأنوار الساطعة مشتملة على تحقيقات غامضة و تدقيقات فائضة شموس براهينه على أفق التحقيق طالعة و أقمار حججه على فلك التدقيق لامعة و أنوار دلائله و أثاره على الأكناف و الأطراف ساطعة و مؤلفه البحر الطمطام و الحبر القمقام أجاد بما أراد و سلك مسلک السداد و أزحق الباطل و الزيغ و الإلحاد و هدى الناس إلى سبيل الرشاد إذ هو هاد لأنه لكل قوم هاد و الله أعلم بالصواب و إليه المرجع و المآب إذ عنده أم الكتاب .**

**نمقه و قرظه العبد الأواه**

**محمد عبد الله -عفا الله عنه ما جناه من الجناح في المساء ة و الصباح -**

**المدرس الأول للمدرسة الإسلامية الواقعة ببلدة أكبر آباد -صانها الله عن الشر و الفساد- فقط .**

# تقریظ حضرت مولانا محمد عبداللہ اکبرآبادی

ترجمہ: سب تعریف اس اللہ کو ہے جو بلند و برتر ہے۔اس نے زمین اوراونچے آسمان بنائے اور کامل واکمل درود وسلام ان پر جن کی شان یہ ہے" **دنی فتدلی فکان قاب قوسین و أدنی**"اوراُن کے آل واَصحاب پاک پر جب تک پھرے پھرنے والا اور چلے چلنے والا۔

بعدۂ عرض یہ کہ میں نے تحقیق وتدقیق پر مشتمل کتاب اَنوار ساطعہ دیکھی، جس کے دلائل کے آفتاب افق تحقیق سے طلوع ہوتے محسوس ہوتے ہیں،اور اس کی حجتوں کے چاند فلک تدقیق پر چمکتے نظر آرہے ہیں۔دلائل کے انوار ہر طرف بلند ہیں۔اس کا مولف بڑا دانش مند اور بڑا بردبار ہے۔اچھی طرح ادا کیا جو ارادہ کیا اور خوب درست راہ پر چلا، الحادو باطل کے پرخچے اُڑادیے،اور لوگوں کو نیک راستہ بتا دیا؛اس لیے کہ وہ راہ بتانے والا ہے اور ہر قوم کا ایک رہ نما ہوتا ہے۔اور اللہ خوب جانتا ہے۔اور اسی کی طرف پھر جانا ہے اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔

لکھا اس کو بندہ نرم دل محمد عبداللہ نے-اللہ تعالیٰ صبح وشام ہوئی اس کی تقصیر کو بخشے-

مدرس اول: مدرسہ اسلامیہ اکبرآباد-خدائے پاک اس مدرسہ کو نظر بد سے بچائے-

(۱۹) از: دہلی

**صـورة ما رقمه الثقيف الجلال و الجُلال و الحصيف الجال مروج عقائد الإسـلام مفسر كلام الملک العلام مقدام فنون المناظرة و الكلام و المعاني المولوي أبو محمد عبد الحق مـولف عقائد الإسلام و التفسير الحقاني -لا زال فائزا بالمآرب و الأماني- .**

**بسم الله الرحمن الرحيم نحمده و نصلي**

میں نے رسالہ انوار ساطعہ کو دیکھا ہے اور اس کے چند ابحاث کو پڑھا ہے حقیقت میں مصنف ممدوح نے کمال متانت اور بڑی لیاقت سے بحث کی ہے اگر مبالغہ نہ سمجھا جائے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ اس مسئلہ میں یہ رسالہ بے نظیر ہے اور اس کی تحریر میں حق بجانب مصنف ہے، محفل میلاد خصوصا اس پرآشوب زمانہ میں نہایت نیک کام اور باعث ترویج اسلام بین العوام ہے، اب جو لوگ اس محفل متبرک میں بعض بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں یہ ان کا قصور ہے اس الزام سے یہ کام برانہیں ہوسکتا، بناے مساجد و مدارس جو بالاتفاق امر مستحسن ہے اگر اس میں کوئی بدعات کا ارتکاب کرے تو کیا اس سے کوئی اس نفس فعل کو برا کہہ سکتا ہے نہیں ہرگز نہیں۔ میرے نزدیک جس فریق نے بدعت سیئہ کے معنی یہ لیے ہیں (کہ قرونِ ثلاثہ کے بعد جو بات پیدا ہوئی ہے وہ بدعت سیئہ ہے) اس نے بڑی غلطی کی ہے پھر جس نے اس بناے فاسد پر تفریعات کی ہیں اور اس کے پیروؤں نے ان کو **کـالـوحـي مـن السماء** سمجھ لیا ہے وہ اور بھی غلطی میں پڑ گئے ہیں۔ **و اللّٰه الهادي و بيده أزمة المقاصد و المبادي۔**

ابومحمد عبدالحق

(۲۰) از: دہلی

صورة ما وشاه و نمقه الفاضل الخبير و الناقد البصير قدوة أرباب التدريس و التذكير أسوة أصحاب التحرير و التقرير الكريم ابن الكريم الحافظ لحدود الله و المتبع لسنة رسول الله -صلى الله عليه وسلم- مولانا **محمد يعقوب** ابن خازن العلوم مولانا محمد كريم الله الدهلوي التلميذ الرشيد لمولانا شاه عبد العزيز الدهلوي -خصهم الله بالفيض البهي و الأجر السني - هو العزيز الكريم .

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد على ما أنعم علينا ببعثة سيد الأنبياء محمد المصطفىٰ و الصلوٰة و السلام على رسوله المجتبىٰ و آله المرتضىٰ و أصحابه المهتدى و علىٰ الأئمة الكرام المتقدى و بعد فيقول العبد الراجي رحمة الله علام الغيوب محمد يعقوب -حفظ الله عن الكروب- فقد اطلعت على الرسالة الرشيقة و العجالة الكريمة المسماة بالأنوار الساطعة في بيان المولود و الفاتحة التي ألفها العلامة ذو المحامد و المناقب و الرأي الثاقب صاحب المقام المنيع مولانا محمد عبد السميع -صانه الله عن كل خصم شنيع- فوجدتها صحيحة و موافقة لمذهب أهل السنة و الجماعة و مملوة بالروايات المقبولة المرضية فمن وافقها فهو منا و من خالفها و ردها فليس أمره برشيد و ما قوله بسديد و كيف فانها مشحونة بالدلائل الساطعة و البراهين القاطعة و المطالب النفيسة و المآرب المنيفة المروية عن الفضلاء و الكبراء نسئل الله تعالىٰ أن يرزقنا اتباعهم و آخر كلامنا و ختم مرامنا ان الحمد لله رب العالمين و صلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا محمد خاتم النبيين و آله الطاهرين و أصحابه الظاهرين .

# تقریظ حضرت مولانا محمد یعقوب دہلوی

ترجمہ: سب تعریف اللہ کو ہے کہ اس نے سید الانبیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر ہم پر انعام فرمایا۔ اور درود وسلام ہو اس کے رسولِ مجتبیٰ اور آل مرتضیٰ اور اصحاب مہتدی اور اماموں کے پیشوا پر۔ اس کے بعد یوں کہتا ہے بندۂ رحمت خدا کا امیدوار محمد یعقوب - خدا اس کو سختیوں سے بچائیو - میں نے عمدہ رسالہ انوار ساطعہ دیکھا جو علامہ فہامہ مولوی محمد عبد السمیع کا تصنیف کردہ ہے۔ اللہ ان کو ہر دشمن بد سے بچائے - میں نے اس رسالہ کو صحیح، موافق اہل سنت وجماعت اور مقبول روایتوں سے مملو پایا۔ پھر جو شخص اس کی موافقت کرے وہ ہم میں سے ہے، اور جو اس کے مخالف ہو اور اس کی تردید کرے تو اس کا حال کچھ ٹھیک نہیں اور اس کا قول درست نہیں اور ایسا کیوں نہ ہو کہ وہ رسالہ ایسے شواہد و براہین، دلائل قاطعہ، مطالب نفیس اور مقاصد بلند سے بھرا ہوا ہے جو فضلائے روزگار اور علمائے باوقار سے روایت کیے گئے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم کو ان بزرگوں کا اتباع نصیب کرے اور انتہائے کلام پر ہم پڑھتے ہیں۔ الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیّدنا محمد خاتم النبیین وآلہ الطاہرین۔

(۲۱) از: رُڑکی

**صورة ما زبره الحبر السامي و البحر الطامي الفاضل الوقاد و الكامل النقاد الثقيف الشريف الحصيف اللطيف مولانا محمد عبد الحق سهارنفوري المقيم في رُڑكي للتدريس و نشر العلوم -سلمه الله القادر القيوم-**

**بسم الله الرحمن الرحيم**

**الحمد لله علي نواله و الصلوٰة و السلام علي رسوله محمد و آله.**

امابعد احقر الخلائق عبدالحق -عفی عنہ- ملتمس خدمت اہل اسلام -ابقاہم اللہ اِلی یوم القیام- ہے کہ کتاب لاجواب سراپا تحقیق وصواب مسمی بہ انوار ساطعہ مولفہ فاضل اجل عالم باعمل مولوی محمد عبدالسمیع صاحب رام پوری -دام فیضہ- نظر احقر سے گزری۔ الحق مولف موصوف نے -جزاہ اللہ خیراحسبۃ للہ- بطورسعی فی الدین یہ کتاب ایسی تحریر فرمائی ہے کہ جس کے مطالعہ سے ایمان والوں کی آنکھوں میں نور اور دلوں میں ترقی ایمان کا سرور ہے ہاں جو معاندین حق اور پیروان باطل سے ہے وہ بلاشک اس سے متوحش اور نفور ہے سو ایسے شپرہ چشموں کی خواہش سے آفتاب کا سیاہ ہونا ممکن نہیں اگرچہ سطوعِ انوار ساطعہ سے ان کی آنکھوں میں خیرگی ہو اور خاصہ طبعی سے دلوں میں تیرگی آئے۔

نورِ گیتی فروز چشمہ ہور
زشت باشد بچشم موشک کور

پس اگر چند فضول گو ہفوات وخرافات بکیں اور فضول باتوں سے اوراق سیاہ کرنے کو تحریر جواب نام رکھیں تو ان کی ناکامی اور عالم میں بدنامی خود ظاہر باہر ہے اہل نظر اور ارباب بصیرت کو ایسے بے بصروں کی شکایت نہیں کہ وہ نور کو ظلمت اور سنت کو بدعت اپنی کجی باطن اور جہالت سے قرار دیتے ہیں اور نورِ اسلام کو باطل اور حق کو عاطل کرنا چاہتے ہیں۔

**والله متم نوره و لو كره الكافرون و صلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمدو آله و اصحابه اجمعين**

(۲۲) از: میرٹھ

صورة ما قرظه الشيخ الحسيب الشاعر اللبيب الأديب المتمسك بعقائد أهل الفوز و الفلاح المتشبث بأعمال أهل الخير و الصلاح المشهور بالمولوي **أبو محمد صادق على مداح** -سلمه خالق الأشباح و الأرواح-

اے بہار آرائے چمنستان کون ومکان تیرا ہزار ہزار شکر اور لاکھ لاکھ احسان، انوار ساطعہ کی تجلی ریزی کی گل ہائے تر و تازہ سے مشام آرزوئے مشتاقان دوبارہ معطر ہوا اور اس تجلی زار کے جلوات خورشید اثر سے ایوان مراد عاشقان کا درو دیوار منور ہوا۔ اللہ اللہ کیا کتاب ہے جس کی ہر ادا لاجواب ہے، ہر لفظ کی پہن جلوہ ریز نور، ہر معنی کی تجلی تماشائی طور، ہر سطر اس کی سفہائے بے ادب کے لیے تازیانہ ہدایت ہے، ہر صفحہ اس کا صلحائے صافی مشرب کے واسطے آئینہ رونمائے سعادت ہے۔ یہ کتاب تعلیم غیبی کا وہ نادر سبق ہے جس کے فیوضات کا جوش آئینۂ اسرارِ نُہ طبق ہے، یہ اس شہسوار میدان دین وایمان کا عالی نشان ہے جس کی یکہ تازی سمند تحقیق سے کشور وہابیت پامال و ویران ہے، وہ خضر وادی تحقیق ہادی منازل تدقیق بالانشین صدر رفیع جناب مولانا مولوی عبدالسمیع ہیں۔ سبحان اللہ! دلائل وہ مدلل کہ جائے گفتار نہیں براہین وہ مبرہن کہ مقام انکار نہیں، عاشقان رسول مقبول نے اسے آنکھوں سے لگایا، عالمان معقول ومنقول نے مستند ٹھہرایا، سنیوں کا یہ مذہب صوفیوں کا یہ مشرب علمائے ہند سے تا مفتیان حرمین الشریفین سب اس کے قائل، ہر خانوادہ کا صوفی اس پر جان ودل سے مائل علی الخصوص وہ بلبل بستان حجاز یعنی مکہ معظّمہ کا مفتی حنفی بلاغت طراز دیکھو کہ کس خوش آہنگی سے زمزمہ پرداز ہے۔

أنزه ربي عن مقالة كاذب ◉ كفو ربما سمى براهين قاطعة
و ما حكمه في ذا سوى ضربة امراء ◉ بسيف له في الحق أنوار ساطعة
يباعد منها رأسه عن مكانه ◉ و تبقى لأهل الزيغ و الجهل قامعه

یہ اشعار ملیح بطرز تلمیح حضرت مفتی حرم محترم ان فتاوی کے ذیل میں رقم فرماتے ہیں جو مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری نے در باب ردّ مسائل کتاب براہین قاطعہ مواہیر علمائے حرمین شریفین سے -۱۳۰۷ھ- میں مستند کرائے ہیں اور یہ بات ان اشعار آب دار سے آشکارا ہے کہ مولف

براہین قاطعہ بالکل کاذب وکفور اور اس کا گروہ اہل جہالت و اہل زیغ ہے اور کتاب انوار ساطعہ راہِ حق میں مخالفین حق کا سر کاٹنے کے لیے تیغ بے دریغ ہے۔ الٰہی اس کتاب مستطاب کی شہرت ومقبولیت جلوہ آرائے اوج کمال ہو اور اس کے ناظرین وسامعین کا دل لذت یاب کیف جلال وجمال ہو۔ آمین یارب العالمین۔

❀❀❀❀❀❀

مولف کہتا ہے کہ تقاریظ نقل کرتے کرتے کافی طول ہو گیا ہے اور ابھی علماے عصر کی بہت تحریریں آئی ہوئی باقی ہیں۔ جناب مولوی عبد الخالق صاحب اور عبد المجید صاحب جو دونوں حضرت بحر العلوم -قدس سرہ- کی اولا د امجاد سے ہیں۔ مولوی عبد الوہاب صاحب خلف الصدق حضرت مولانا عبد الرزاق صاحب -رحمۃ اللہ علیہ- مولوی محمد ابراہیم صاحب، مولوی محمد عبد الباقی صاحب اور مولوی محمد عبد العزیز صاحب یہ سب حضرات عالی درجات بلدہ لکھنو محلّہ فرنگی محل کے علماے باوقار ہیں -**رفع اللہ درجاتھم ونفع المسلمین بحسناتھم**- اور میرے مشفق کرم فرما مولوی محمد عبد العلی صاحب مدراسی -دام فیضہ- اور مولانا شاہ محمد سکندر علی صاحب خلیفہ حضرت شاہ عبد السلام ہسوی -رحمۃ اللہ علیہ- ان کے علاوہ مرادآباد، دہلی اور بمبئی وغیرہ کے علماے کرام -جزاہم اللہ عنا خیر الجزا- نے اپنی تقریظوں سے اس ذرۂ بے مقدار کو مشرف فرمایا لیکن بعض اہل دانش اور دور اندیشوں نے یہ سمجھایا کہ ان سب کے مطبوع ہونے میں بہت طول ہوگا اور لمبی تحریروں کے دیکھنے سے ہر ناظر ملول وبرداشتہ خاطر ہوگا لہٰذا میں ان حضرات کی خدمت والا درجت میں تقریظ شائع نہ ہو سکنے کا عذر اور ان کی توجہ اور بذل عنایت تقریظ نگاری کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن ایک تقریظ جس کو خاتم التقاریظ کہنا بجا ہوگا اگر چہ وہ میرے پاس سب سے اخیر میں پہنچی ہے لیکن اس کو تقدم ذاتی کا شرف حاصل ہے وہ ضرور شائع ہونی چاہیے اور اس کی طباعت کو ہر ایک کا دل چاہے گا اور کیوں نہ ہو کہ تمام عرب وعجم، ہندوستان وقسطنطنیہ اور مصر وشام وغیرہ میں انھیں فضیلت شہرت حاصل ہے اور آپ کی عظمت وکرامت کا شہرہ دور دور ہے۔ حضرت سلطان روم نے بکمال اشتیاق وآرزو آپ کو مکہ معظّمہ -زادہا اللہ شرفا- سے دوبار بلایا ہے اور آپ کا بھرپور اجلال واعزاز کیا ہے۔ چنانچہ ممالک ہندوستان وغیرہ اخبار نگاروں نے جابجا اس خبر کو شائع کیا اور پھیلایا ہے۔ نیز حضرت سلطان نے جناب شیخ الاسلام مفتی الانام مولانا احمد اسعد آفندی کی تجویز سے پایہ حرمین شریفین آپ کا خطاب مقرر فرمایا ہے اور فرمان شاہی میں آپ کو ان

الفاظ (اقضی قضاۃ المسلمین اولی ولاۃ الموحدین وغیرہ القاب عالیہ سے یاد کیا جاتا ہے آپ میرے اساتذہ میں سب سے پہلے استاذ ہیں کہ درس علم عربی شروع آپ سے کیا اور تصحیح عقائد اہل سنت کا حصہ بھی آپ سے لیا، طرفہ تر یہ کہ اس دیس کے رہنے والوں میں جو صاحب میرے مقابل اور مجادل ہو کر میلاد مقدس حضرت محبوب رب العالمین کی توہین کرتے ہیں وہ بھی حضرت مولانا کو مانتے ہیں۔ ازاں جملہ کتاب براہین قاطعہ گنگوہی کے صفحہ اٹھارہ کی چوتھی سطر میں حضرت کا نام اس ادب سے لیا ہے :

ہمارے شیخ الہند مولوی رحمت اللہ۔

پھر صفحہ ۲۷۶ کی دوسری سطر میں لکھا :

اب مولوی رحمت اللہ صاحب تمام علمائے مکہ پر فائق اور باقرار علمائے مکہ اعلم ہیں۔

بھلا یہ صاحب بھی جب حضرت کو اپنا شیخ الہند تسلیم کر چکے، اور عرب کے جملہ علما پر فضیلت رقم کر چکے تو اب حضرت کی تصدیق کمال درجہ کو پہنچ گئی اور آپ کی فضیلت کیا ہندوستان اور کیا عرب سب جگہ کے علما پر خود ہمارے معاصرین کے اقرار سے ثابت ہو چکی، لہٰذا ان کی تقریظ کا آخر تقاریظ میں چھاپ دینا مجادلین کے اوپر آخر وانتہا درجہ کی حجت سمجھتا ہوں علاوہ بریں حضرت مولانا کے حکم کی تعمیل ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مکہ - زادہا اللہ شرفاً وتکریما - سے اس کو روانہ فرما کر مجھ کو مشرف فرمایا اور مخدومی مولوی منور علی صاحب مہاجر مقیم مکہ معظّمہ کا یہ نوشتہ آیا کہ حضرت مولانا ارشاد فرماتے ہیں کہ چوں کہ کتاب درمنظّم اور کتاب انوارِ ساطعہ کا اصل مدعا اثبات مولد وقیام میں ایک ہے اس لیے میری طرف سے دونوں کتاب کی ایک ہی تقریظ ہے۔ تقریظ یہ ہے :

## تقریظ مجددِ زماں پایہ حرمین شریفین شیخ العلما حضرت مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی - مدّ اللہ ظلہ العالی مدی الایام واللیالی -

اس رسالے کو میں نے اول سے آخر تک اچھی طرح سنا، اسلوب عجیب اور طرز غریب بہت پسند آیا، اگر اس کے وصف میں کچھ لکھوں تو لوگ اسے مبالغہ پر حمل کریں گے اس لیے اسے چھوڑ کر دعا پر اکتفا کرتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ اس کے مصنف کو اجر جمیل اور ثواب جزیل عطا فرمائے، اس رسالہ کے ذریعہ منکروں کے تعصب بیجا کو توڑ کر ان کو راہِ راست پر لائے اور مصنف کے علم، فیض اور تندرستی میں برکت بخشے۔

میلاد شریف کے باب میں میرے اساتذۂ کرام کا اور میرا عقیدہ قدیم سے یہی تھا اور یہی ہے بلکہ بحلف سچ مچ ظاہر کرتا ہوں کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ ع :

بریں زیستم ہم بریں بگذرم

اور عقیدہ یہ ہے کہ انعقاد مجلس میلاد بشرطے کہ منکرات سے خالی ہو جیسے تغنی اور باجا اور کثرت سے روشنی بیہودہ نہ ہو بلکہ روایات صحیحہ کے موافق ذکر معجزات اور ذکر ولادت حضور۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ کیا جائے اور اس کے بعد اگر طعام پختہ یا شیرینی بھی تقسیم کی جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ اس زمانہ میں جو ہر طرف سے پادریوں کا شور اور بازاروں میں حضور۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور ان کے دین کی مذمت کرتے ہیں اور دوسری طرف سے آریہ لوگ۔ خدا ان کو ہدایت کرے۔ پادریوں کی طرح بلکہ ان سے زیادہ شور مچا رہے ہیں ایسی محفل کا انعقاد ان شروط کے ساتھ جو میں نے اوپر ذکر کیں اس وقت میں فرض کفایہ ہے۔ میں مسلمان بھائیوں کو بطورِ نصیحت کہتا ہوں کہ ایسی مجلس کرنے سے نہ رکیں اور اقوال بیجا منکروں کی طرف سے جو تعصب سے کہتے ہیں ہرگز التفات نہ کریں اور تعین یوم میں اگر یہ عقیدہ نہ ہو کہ اس دن کے سوا اور دن جائز نہیں تو کچھ بھی حرج نہیں اور جواز اس کا بخوبی ثابت ہے اور قیام وقت ذکر میلاد کے چھ سو برس سے جمہور علمائے صالحین نے متکلمین اور صافیہ اور علمائے محدثین نے جائز رکھا ہے اور صاحب رسالہ نے اچھی طرح ان امور کو ظاہر کیا ہے اور تعجب ہے ان منکروں پر جو ایسے بڑھے کہ فاکہانی مغربی کے مقلد ہو کر جمہور سلف صالح کو متکلمین اور محدثین اور صوفیہ سے ایک ہی لڑی میں پرو دیا اور ان کو ضال مضل بتلایا اور خدا سے نہ ڈرے کہ اس میں ان لوگوں کے استاد اور پیر بھی تھے مثلاً حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی اور ان کے صاحبزادے شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین دہلوی اور ان کے بھائی شاہ عبدالعزیز دہلوی اور ان کے نواسے حضرت مولانا محمد اسحٰق دہلوی۔قدس اللہ اسرارہم۔ سب کے سب انھیں ضال مضل میں داخل ہوئے جاتے ہیں۔ اُف ایسی تیزی پر کہ جس کے سبب جمہور متکلمین، حرمین، مصر و شام اور یمن کے صوفیہ و محدثین اور دیار عجیبہ میں لاکھوں گمراہی میں ہوں اور یہ گنے چنے چند حضرات ہدایت پر۔ یا اللہ! ہمیں اور ان کو ہدایت فرمایا اور سیدھے راستہ پر چلا۔ آمین ثم آمین۔

اور وہ جو بعضے میری طرف نسبت کرتے ہیں کہ عرب کے خوف سے تقیہ کے طور پر سکوت کرتا ہوں اور ظاہر نہیں کرتا، بالکل جھوٹ ہے اور ان کا قول مغالطہ دہی ہے۔ میں بحلف کہتا ہوں کہ

میں نے کبھی حضرت سلطان کے سامنے جو میرے نزدیک خلاف واقع ہو ان کی رعایت یا ان کے وزراؤامرا کی رعایت سے کبھی نہیں کہا بلکہ دونوں دفعہ جو میں بلایا گیا ہوں تو صاف صاف کہتا رہا ہوں اور کبھی یہ خیال نہیں کیا کہ حضرت سلطان المعظم یا ان کے وزراؤامرا ناراض ہوں گے۔ اور میرا جھگڑا جو عثمان نوری پادشاہ سے ہوا - جو بڑے مہیب اور زبردست بادشاہ تھے اور اپنے حکم کی مخالفت کو بدترین امور سمجھتے تھے - اور مجلس عام میں ان سے جو میری گفتگو ہوئی وہ جملہ اہل حجاز بالخصوص حرمین کے بڑے چھوٹے سبھی بخوبی جانتے ہیں۔ بلکہ اگر میں تقیہ کرتا تو ان حضرات منکرین کے خوف سے تقیہ کرتا۔ مجھے یقین ہے کہ جب ان کے ہاتھ سے امام سبکی، جلال الدین سیوطی، ابن حجر اور ہزار ہا علمائے تقوی شعار خاص کر ان کے استادوں اور پیروں میں شاہ ولی اللہ وغیرہ - قدس اللہ اسرارہم - نہ چھوٹے تو میں غریب - نہ تو ان کے سلسلہ اساتذہ میں شامل اور نہ ان کے پیروں کی فہرست میں داخل - کس طرح چھوٹوں گا، یہ تو ہر طرح سے تفسیق بلکہ تکفیر میں قصور نہ کریں گے لیکن میں ان کی ان حرکتوں سے نہیں ڈرتا اور میرے ان اقوال کی تائید اور سند مولف رسالہ نے جو جابجا تحریر فرمائی ہے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ واللہ اعلم وعلمہٗ اتم - فقط۔

أمر برقمه و قال بفمه الراجی رحمة ربه المنان

محمد رحمت اللہ بن خلیل الرحمٰن - غفر لہما اللہ المنان -

محمد رحمت اللہ ۱۲۵۳

## اختتام کتاب

یہ کلمات طیبات مرشد زماں ہادیِ دوراں حضور مرشدی، مولائی، ثقتی ورجائی، المشتہر بالالسنہ والافواہ الحافظ الحاج المہاجر مولانا شاہ امداد اللہ - متع اللہ المسلمین بامدادہ وارشادہ وتقواہ -

بعد حمد وصلاۃ فقیر حقیر امداد اللہ عرض می نماید کہ در ینولا چیزے کیفیت اعتقاد مذہب ومشرب خود کہ جامع شریعت وطریقت میدانم بقلم آوردن مناسب افتاد باید دانست وبغور باید شنید کہ فقیر مدعی مذہب حنفی ومشرب صوفی است اگرچہ در دعویٰ خود کامل نہ باشد مگر خود را حنفی مذہب وصوفی مشرب می گویاند می شمارد زیرا کہ فقیر را از راہِ عقل ونقل محقق ومعلوم شد کہ ہر قدر کہ فہم معانی قرآنی و ادراک حقائق ومعارف کلام الٰہی - جل شانہ - وفہم وادراک حدیث مصطفےٰ - صلی اللہ علیہ وسلم - ایں

دو گروہ یعنی علمائے مجتہدین احناف و مشائخ صوفیہ را حاصل ونصیب است دیگراں ایں درجہ ندارند کہ از یک مسئلہ مسائل کثیرہ استخراج کردہ اند و پشت و پناہ دین محمدی - صلی اللہ علیہ وسلم - گشتہ اند - رضوان اللہ علیہم اجمعین - لہٰذا فقیر بدل مقلد ہر دو فریق موصوف گشتہ مذہب ومشرب ایشاں اختیار کردہ است وفوائد بسیار ظاہری و باطنی حاصل کردہ است ومی کند - وہوالموفق و بہ نستعین - پس معتقد ومختار فقیر آنست کہ دراں مسئلہ کہ ایں ہر دو فریق متفق اند یعنی احناف وصوفیہ فقیر بے تکرار و بحث بدل نمودہ برآں کار بندمی شود دراں مسئلہ کہ فریقین موصوفین را اختلاف واقع شدہ درآں مسئلہ دیدہ خواہد شد کہ اگر آں اختلاف در حقائق ومعارف وتوحید بصوفیہ کرام - رحمہم اللہ تعالیٰ - کردہ خواہد شد زیرا کہ ایں گروہ محقق و اہل کشف ہستند وفریق ثانی نظر وفکر عقلی را دخل می دہند واگر اختلاف در مسائل عبادات ومعاملات است دراں نیز غور کردہ خواہد شد پس اگر آں اختلاف در مسائل اعمال جوارح تعلق دارد باہل مذہب حنفی رجوع کردہ آید واگر اختلاف در اعمال قلبی ست رجوع بصوفیہ خواہد شد - (دستور العمل حضور مرقومہ - ۱۳۰۶ھ -)

یعنی فقیر حقیر امداد اللہ عرض گزار ہے کہ میں مشرباً اور مذہباً اپنے عقیدہ وعمل کو شریعت وطریقت کا سنگم سمجھتا ہوں، جسے اپنے قلم سے لکھ دینا مناسب ہے۔ ہوش کے کان لگا کر سنیں کہ یہ فقیر حنفی المسلک اور صوفی المذہب ہونے کا مدعی ہے گرچہ اپنے اس دعوے میں کامل نہیں مگر خود کو حنفی اور صوفی کہتا اور شمار کرتا ہوں کیوں کہ اس فقیر پر عقلی ونقلی دلائل کی روشنی میں یہ حقیقت آشکار ہو چکی ہے کہ جس قدر قرآنی علوم کے فہم ومعانی ادراک حقائق اور معرفت کلام الٰہی جل شانہ اور احادیث مصطفویہ کا فہم وادراک ان دو گروہوں یعنی علمائے مجتہدین احناف اور مشائخ صوفیہ کو نصیب ہوا ہے شاید ہی کسی اور کو اتنا حاصل ہوا ہو؛ کیوں کہ انھوں نے ایک ہی مسئلہ سے بہت سے مسائل کا استخراج کیا ہے اور دین محمدی کی پشت پناہی کا فریضہ بطریق احسن انجام دیا ہے، اس لیے فقیر ان دو گروہوں کا تہ دل سے اتباع کر کے ان کے مذہب ومسلک پر جادہ پیما ہوا ہے۔ اور فوائد ظاہری و باطنی سے مستفید ہوا اور ہو رہا ہے۔ وہوالموفق و بہ نستعین۔ پس فقیر کا معتقد ومختار یہ ہے کہ جس مسئلہ میں یہ دو گروہ یعنی احناف وصوفیہ متفق ہیں فقیر اس کو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے تہ دل سے قبول کر کے اس پر کار بند ہوتا ہے۔ اور جس مسئلے میں مذکورہ گروہوں کا اختلاف ہو اس کے بارے میں دیکھا جائے گا کہ اگر یہ اختلاف حقائق ومعارف اور توحید سے متعلق صوفیہ کرام کا ہے ہو تو ممکن ہے کیوں کہ یہ محقق اور اہل کشف کی جماعت ہے۔ اور دوسرا گروہ اپنے نظر وفکر میں عقل کا استعمال کرتے ہیں لیکن اگر اختلافات

عبادت ومعاملات سے متعلق مسائل میں ہوں تو اس پر غور کیا جائے گا، پس اگر اس اختلاف کا تعلق اعمالِ جوارح والے مسائل سے ہو تو ان پر مذہب حنفی کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اگر اختلاف اعمال قلبی میں ہو تو صوفیہ کی طرف رجوع لایا جائے گا۔

(دستور العمل حضور مرقومہ-۱۳۰۶ھ-)

## و قال -دام إرشاده و إمداده-

ازفقیر امداد اللہ-عفا اللہ عنہ- بخدمت بابرکت جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب-سلمہ اللہ تعالیٰ- بعد وعلیکم اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا نامہ مورخہ ۲۰/رجب-۱۳۰۷ھ- مع ایک پرچہ مطبوعہ مطبع محبوب المطابع شہر میرٹھ جو فقیر کے خط سے منسوب ہے جناب مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری کے ہاتھ پہنچا، فقیر کا یہ مسلک ضرور ہے کہ اہل اسلام کی تکفیر پر جرأت نہیں کرتا بلکہ اس سے تنفر قلبی رکھتا ہے اور اس میں صرفِ اوقات کو حماقت بلکہ خسران وخذلان کا موجب سمجھتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو تاویل کو محبوب سمجھتا ہے بشرطیکہ سوادِ اعظم کے خلاف نہ ہو۔ اور فقیر صلح بین المومنین کا بدل خواہاں ہے اور اپنے احباب کو بھی فقیر کی یہی نصیحت ہے کہ نزاع سے کنارہ کش رہیں اور مسائل مختلف فیہا میں سوادِ اعظم کا اتباع کریں، اگر چہ وہ مسئلہ اپنی تحقیق کے مخالف ہو کیوں کہ سوادِ اعظم علما و مشائخ کا خلاف تنزل مرتبہ ایمانیہ کا موجب اور انحطاط کمالات کا مثمر ہے۔

اس خط میں یعنی خط مطبوعہ محبوب المطابع میں جو فقیر کے خلاف ہے اس کی تصریح کرتا ہوں:

**جواب اول** میں امکان ووقوع کا فرق بتایا گیا ہے۔ فقیر کو اس سے اتنا معلوم ہوا کہ کذب کا نقائص میں ہونا متفق علیہ ہے پھر ذاتِ مقدس باری تعالیٰ کی طرف نقص کا استناد کس طرح جائز ہوسکتا ہے، گو برسبیلِ امکان ہی سہی۔

**جواب ثانی** میں آیت: **إنما أنا بشر مثلكم -الخ-** کا منکر کوئی اہل اسلام نہیں سب کا یہی اعتقاد ہے کہ آنحضرت-صلی اللہ علیہ وسلم- بشر ہیں۔ حضرت آدم-علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ و السلام- کی اولاد میں ہیں انکار اس بات کا ہے کہ کوئی بشر سمجھ کر بڑا بھائی کہنے لگے یا مثل اس کے اور کلمہ گستاخی زبان سے نکالے، یہ البتہ موجب خذلان ہے، فقیر کے اعتقاد میں تو رسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم- اشرف المخلوقات ہیں اور باعث ایجادِ کائنات ع:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

جواب ثالث کی تصریح یہ ہے کہ فقیر مجلس شریف میلاد مبارک کا مع ہیئت کذائیہ معمولہ علماے ثقات صلحا و مشائخ کرام بارہا اقرار کر چکا ہے اور اکثر اس کا عامل ہے جیسا کہ فقیر کی دیگر تقریرات و تحریرات سے یہ مضمون ظاہر ہے فقیر کو اس مجلس شریف کے باعث حسنات و برکات کے معتقد ہونے کے علاوہ یہ عین الیقین ہے کہ اس مجلس مبارک میں فیوض و انوار و رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔

جواب رابع میں فقیر کا یہ عقیدہ ہے کہ علماے حرمین شریفین کی توہین شمہ بھر جائز نہیں اور ان کا اتفاق کسی مسئلہ شرعیہ میں حجت سمجھتا ہوں۔ جیسا کہ بزرگانِ سلف لکھتے آئے ہیں۔

جواب خامس فقیر ہمیشہ سے حنفی المذہب صوفی المشرب ہونے کا مدعی ہے اگر چہ اپنے دعوے میں کامل نہ ہو۔ فقیر تقلید کو واجب جانتا ہے اور اس بات کو اچھا نہیں جانتا کہ کوئی حنفی المذہب ہو کر ایسے مسئلہ کی تائید کرے جس میں حمایت لامذہبی پائی جائے اور عوام ضلالت میں پڑیں۔

(فقرات مندرجہ کرامت نامہ) حضور مرشدی اسمی مولوی نذیر احمد خاں صاحب مدرس مدرسہ احمد آباد گجرات مرقومہ رمضان - ۱۳۰۷ھ -

**و قال - دام إرشاده و إمداده -**

از: امداد اللہ - عفا اللہ عنہ -

بخدمت عزیزم پیر جی مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی و عزیزم مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی - سلمہما اللہ تعالیٰ -

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمام بلاد و ممالک ہند مثلاً بنگال، بہار، مدراس، دکن، گجرات، بمبئی، پنجاب، راج پوتانہ، رام پور اور بہاول پور وغیرہ سے متواتر اخبارات حیرت انگیز حسرت خیز اس قدر آتی ہیں کہ جس کو سن کر فقیر کی طبیعت نہایت ملول ہوتی ہے اس کی علت یہی براہین قاطعہ و دیگر ایسی ہی تحریرات ہیں، یہ آتش فتنہ انوارِ ساطعہ کی تردید سے مشتعل ہوئی کہ تمام عالم اس کی حمایت میں کھڑا ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو کچھ ایسی مقبولیت عطا فرمائی کہ تمام ممالک کے علما و مفاتی نے ساری کتاب کو تہ دل سے پسند فرما کر اس پر اتفاق کیا۔ دیکھو ہندوستان میں سیکڑوں مذاہب کفریہ و عقائد باطلہ مخالف دین و بیخ کن اسلام ظاہر ہوتے جاتے ہیں اور کیسے کیسے شبہات الزام و اعتراض شہادت و شبہات و شکوک مذہب اسلام پر وارد کرتے جاتے ہیں پس ایسے وقت میں آپس کی مجادلہ کی جگہ اس کی تردید کرنی چاہیے اور قرآن شریف کی خوبیاں و فضائل اور رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کے محامد و مکارم

اخلاق ومحاسن اوصاف کو ہر مقام و ہر شہر وقریہ میں نہایت زور وشور سے مشتہر کرنا چاہیے ایسے وقت میں رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - کے محامد واوصاف و مکارم اخلاق کو مشتہر واشاعت عام کرنے کے لیے ہر مقام میں مجلس میلاد شریف کا چرچا بڑا عمدہ ذریعہ ومستحسن وسیلہ ہے۔

(فقرات مندرجہ کرامت نامہ حضور مرشدی اسمی پیر جی خلیل احمد صاحب
ومولوی محمود حسن صاحب مرقومہ ذی قعدہ - ۱۳۰۷ھ -)

**و قال - دام إرشاده و إمداده -**

انوارِ ساطعہ کے اکثر مسائل میں فقیر دل سے متفق ہوا تو اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت التجاو دعا کی یا اللہ اگر میں ان مسائل میں صراط مستقیم پر ہوں اور حق بجانب ہوں تو اس کتاب کو مقبول علمائے دیار وامصار واہل اسلام کر۔ چنانچہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا کہ تمام علمائے حرمین شریفین وبلاد اسلام اس کے مسائل میں متفق ہیں۔ اور خود کتاب کو بھی پسند کرتے ہیں۔ **ذلک فضل اللّٰه یؤتیه من یشاء۔**

(مرقومہ دہم رمضان روز سہ شنبہ - ۱۳۰۷ھ - اسمی راقم الحروف)

**و قال - دام إرشاده و إمداده -**

میں خود مولود شریف پڑھوا تا ہوں اور قیام کرتا ہوں، اور ایک روز میرا یہ حال ہوا کہ بعد قیام سب بیٹھ گئے مگر میں بے خبر کھڑا رہ گیا بعد دیر کے مجھ کو ہوش آیا تب بیٹھا۔

(مرقومہ ۱۳؍ ربیع الآخر ۱۳۰۴ھ اسمی راقم الحروف)

**و قال - دام إرشاده و إمداده -**

انوارِ ساطعہ از اول تا آخر شنیدم وبغور وتدبر نظر کردم ہمہ تحقیق را موافق مذہب ومشرب خود و بزرگان خود یافتم۔

(مرقومہ یازدہم رجب - ۱۳۰۴ھ - راقم الحروف)

**و قال - دام إرشاده و إمداده -**

فی الحقیقت نفس مطلب کتاب انوارِ ساطعہ موافق مذہب ومشرب فقیر وبزرگان فقیر است خوب نوشتید - جزاکم اللّٰه خیرَ الجزاء - اللہ تعالیٰ ماوشماو جمیع مومناں را در ذوق وشوق ومحبت خود داشتہ حسن خاتمہ نصیب کند آمین۔

(مرقومہ بست ودویم شوال - ۱۳۰۴ھ - اسمی راقم الحروف)

واضح ہو کہ اول انوارِ ساطعہ ۱۳۰۲ھ میں مطبوعہ ہوئی تھی، رفتہ رفتہ کچھ مدت کے بعد مکہ معظّمہ پہنچی اور حضرت مرشدی و مولائی نے بتدریج اس کو ملاحظہ فرمایا۔ اس کے بعد حضرت نے جس قدر کرامت نامے مکہ معظّمہ سے رقم فرمائے سب میں یہ مضمون تھا کہ اس کتاب کے مسائل میرے اور میرے مشائخ کے مشرب کے بالکل موافق و مطابق ہیں۔ پھر حضرت کے قبول فرمانے کی یہ برکت ہوئی کہ یہ کتاب مقبول عام ہوگئی، سب اس کو ہاتھوں ہاتھ لے گئے ایک نسخہ بھی باقی نہ رہا، اور لوگوں کے اشتیاق کا یہ عالم کہ دور دور سے مطالبے کے خطوط آرہے ہیں، گلوگیریِ تمنائے مشتاقین نے مجبور کردیا کہ اسے پھر چھپوایا جائے تو حضرت مرشدی و مولائی کے ارشاد کے مطابق - ۱۳۰۶ھ - میں انوار ساطعہ کی نظر ثانی شروع کردی لیکن اتنی رکاوٹیں پیش آئیں کہ - العیاذ باللہ - دو روز کام ہوا تو دو مہینے ناغہ گئے، بہرکیف! اس مولائے کریم کا شکر کہ انجام کار - ۱۳۰۷ھ - میں اس کام سے فارغ ہوا۔ **و الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ علی شفیعنا خاتم النبیین .**

**اللّٰھم اجعلنا بذکرک و ذکر حبیبک متلذذین**
**و بآلائک و نعمائک في الدنیا و الأخرۃ متنعمین**
**توفنا مسلمین و الحقنا بالصالحین**
**و ارزقنا شفاعۃ سید المرسلین**
**و ادخلنا الجنۃ بسلام فرحین**
**و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ**
**و نور عرشہ محمد**
**و آلہ و أصحابہ و أولیاء أمتہ أجمعین.**
**اللھم ارحمنا معھم برحمتک یا أرحم الراحمین .**

# فہرست مضامین

## میلا دالنبی-صلی اللہ علیہ وسلم-

# کتابیات:

تخریج و تحقیق کے دوران حسب ذیل کتابوں سے بطورِ خاص مدد لی گئی :


- قــــرآن کـــــریم . ابتدائے نزول : ٦١٠ء - انتہائے نزول: ٩/ذی الحجہ ١٠ھ/ ٦٣٢ء
- تفسیر ابن مقاتل : سلمان بن بشر ازدی [١٥٠ھ]
- جامع معمر بن راشد : معمر بن راشد ازدی [١٥٣/٤ھ]
- مشیخة ابن طهمان : ابوسعید ابراہیم بن طہمان بن شعیب ہروی [١٦٣ھ]
- مؤطا إمام مالک : امام مالک بن انس مدنی [١٧٩ھ]
- مسند عبد اللّٰه بن مبارک : عبداللہ بن مبارک [١٨٠ھ]
- الزهد و الرقائق لابن المبارک : عبداللہ بن مبارک [١٨٠ھ]
- حدیث إسماعیل بن جعفر : ابواسحٰق اسماعیل بن جعفر بن ابی کثیر انصاری زرقی مدنی [١٨٠ھ]
- الآثار لأبي یوسف : امام قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری البغدادی [١٨٢ھ]
- نسخة و کیع بن اعمش : ابوسفیان وکیع بن جراح بن ملیح بن رواس رؤاسی [١٩٧ھ]
- جزء سفیان ابن عیینة : سفیان بن عیینہ کوفی [١٩٨ھ]
- مسند الطیالسي : سلیمان بن داؤد طیالسی [٢٠٤ھ]
- جمهرة أنساب العرب : ہشام بن محمد بن سائب کلبی [٢٠٤ھ]
- فتوحات الشام : ابوعبداللہ محمد بن عمر بن واقد [٢٠٧ھ]
- مصنف عبد الرزاق : ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی [٢١١ھ]
- مسند الحمیدي : عبداللہ بن زبیر مکی [٢١٩ھ]
- أخبار مکة للأزرقي : امام ابوالولید محمد بن عبدالکریم غسانی ازرقی [٢٢٣ھ]
- فضائل القرآن لقاسم بن سلام : ابوعبیداللہ قاسم بن سلام [٢٢٤ھ]

- معجم الأدباء : عبداللہ یاقوت حموی [۶۲۶ھ]
- جزء أبي الجهم : علابن موسیٰ بن عطیہ باہلی بغدادی [۲۲۸ھ]
- مسند ابن الجعد : ابوالحسن علی بن جعد بن عبید ہاشمی [۲۳۰ھ]
- تاریخ یحیٰ بن معین : ابوزکریا یحییٰ بن معین [۲۳۳ھ]
- مصنف ابن أبي شيبة : ابوبکرعبداللہ بن محمد بن احمد نسفی [۲۳۵ھ]
- الفهرست لابن نديم : اسحٰق بن ابراہیم بن ماہان بن بہمن تمیمی ابن ندیم موصلی [۲۳۵ھ]
- مسند عبد بن حميد : ابومحمد عبد بن محمد حمید کشی [۲۳۸ھ]
- مسند إسحاق بن راهويه : حافظ اسحٰق بن راہویہ [۲۳۸ھ]
- مسند ابن أبي شيبة : عثمان بن ابوشیبہ کوفی [۲۳۹ھ]
- مسند ابن راهويه : حافظ اسحاق بن راہویہ [۲۳۸ھ]
- مسند امام احمد بن حنبل : امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی [۲۴۱ھ]
- مسند سعد بن أبي الوقاص : ابوعبداللہ الدورقی احمد بن ابراہیم بن کثیر [۲۴۶ھ]
- سنن الدارمی : امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی [۲۵۵ھ]
- الأدب المفرد للبخاري : امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [۲۵۶ھ]
- صحیح بخاری : امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [۲۵۶ھ]
- خلق أفعال العباد للبخاري : ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [۲۵۶ھ]
- الأحاديث المرفوعة من التاريخ الكبير : امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [۲۵۶ھ]
- الأغاني : ابوالفرج علی بن حسین اصبہانی [۳۵۶ھ]
- مكارم الأخلاق للطبراني : سلیمان بن احمد طبرانی [۳۶۰ھ]
- المعجم الكبير : امام سلیمان بن احمد طبرانی [۳۶۰ھ]
- المعجم الأوسط : امام سلیمان بن احمد طبرانی [۳۶۰ھ]
- المعجم الصغير : امام سلیمان بن احمد طبرانی [۳۶۰ھ]
- مسند الشاميين للطبراني : امام سلیمان بن احمد طبرانی [۳۶۰ھ]
- الدعاء للطبراني : امام سلیمان بن احمد طبرانی [۳۶۰ھ]

- صحیح مسلم: امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج قشیری [۲۶۱ھ]
- سنن ابن ماجه: امام عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی [۲۷۳ھ]
- سنن سعيد بن منصور: سعید بن منصور خراسانی [۲۷۳ھ]
- أخبار مكة للفاكهي: محمد بن اسحٰق بن عباس فاکہی [۲۷۵ھ]
- سنن ابی داؤد: امام ابوداوٗد سلیمان بن اشعث [۲۷۵ھ]
- الشمائل المحمدية للترمذي: امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی [۲۷۹ھ]
- جامع ترمذی: امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی [۲۷۹ھ]
- مسند الحارث: الحارث بن ابواسامہ [۲۸۲ھ]
- فضل الصلوٰة على النبي: قاضی اسماعیل بن اسحٰق بن حماد جہضمی ازدی مالکی [۲۸۲ھ]
- مسند عمر بن عبد العزيز للباغندی: ابوبکر محمد بن سلیمان حارث واسطی باغندی [۲۸۳ھ]
- غريب الحديث للحربي: ابواسحٰق ابراہیم بن اسحٰق حربی مروزی [۲۸۵ھ]
- غريب الحديث: ابواسحٰق بن ابراہیم مروزی [۲۸۵ھ]
- الآحاد والمثاني لابن أبي عاصم: ابوبکر بن عمرو بن ضحاک بن مخلد شیبانی [۲۸۷ھ]
- المذكر و التذكير لابن ابی عاصم: حافظ ابوبکر احمد ابن ابی عاصم عمر شیبانی [۲۸۷ھ]
- البحر الزخار مسند البزار: حافظ ابوبکر احمد بن عمرو عتکی بزار [۲۹۳ھ]
- صلاة الوتر لمحمد بن نصر المروزي: ابوعبداللہ محمد بن نصر الحجاج مروزی [۲۹۴ھ]
- قيام رمضان للمروزي: ابوعبداللہ محمد بن نصر الحجاج مروزی [۲۹۴ھ]
- تعظيم قيام الصلوٰة للمروزي: ابوعبداللہ محمد بن نصر الحجاج مروزی [۲۹۴ھ]
- دلائل النبوة للفريابي: ابوبکر جعفر بن محمد بن حسن [۳۰۱ھ]
- الصيام للفريابي: ابوبکر جعفر بن محمد بن حسن [۳۰۱ھ]
- السنن الكبرىٰ للنسائي: امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی [۳۰۳ھ]
- سنن نسائی: امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی [۳۰۳ھ]
- الغرباء للآجري: ابوبکر محمد بن حسین آجری [۳۰۶ھ]
- الشريعة للآجري: ابوبکر محمد بن حسین آجری [۳۰۶ھ]

- شرح أصول اعتقادأهل السنةو الجماعة للألكائي : ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن حسن [۴۱۸ھ]
- المجموع : حسین بن شعیب معروف بہ ابن سنجی [۴۳۰ھ]
- حلية الأولياء : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]
- الإصابة في معرفة الصحابة : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]
- تثبيت الإمامة و ترتيب الخلافة : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]
- الأربعون على مذهب المتحققين من الصوفية : ابونعیم احمد ابن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]
- تثبيت الإمامة و ترتيب الخلافة : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]
- دلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]
- معرفة الصحابة لأبي نعيم الأصبهاني : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]
- أخبار أصبهان : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]
- أمالي ابن بشران : ابوالقاسم عبدالملک بن محمد بن بشران [۴۳۲ھ]
- قوت القلوب : مکی بن ابوطالب قیسی مقری [۴۳۷ھ]
- الفوائد الشهير بالغيلانيات لأبي بكر الشافعي : عبداللہ بن محمد ابراہیم شافعی [۴۴۰ھ]
- الاستيعاب في معرفة الأصحاب : ابوعمر یوسف بن عبدالبر [۴۵۳ھ]
- مسند الشهاب القضاعي : ابوعبداللہ محمد بن سلامہ قضاعی شافعی [۴۵۴ھ]
- الأحكام في أصول القرآن : ابومحمد علی بن سعید بن حزم اموی ظاہری اندلسی [۴۵۶ھ]
- شعب الايمان : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- فضائل الأوقات للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- القضاء و القدر للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- الأربعين الصغرىٰ للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- السنن الكبرىٰ للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- دلائل النبوة للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- شعب الايمان للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- معرفة السنن و الآثار للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]

- الآداب للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- الأسماء و الصفات للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- الاعتقاد للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- المدخل إلى السنن الكبرىٰ للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- القضاء و القدر للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- السنن الصغير للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- شرف أصحاب الحديث : ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی [۴۶۳ھ]
- الكفاية في علم الرواية للبغدادي : ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی [۴۶۳ھ]
- تقييد العلم للخطيب البغدادي : ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی [۴۶۳ھ]
- جامع بيان العلم و فضله لابن عبد البر : ابوعمر یوسف بن عبدالبر [۴۶۳ھ]
- الجامع لأخلاق الراوي و آداب السامع :ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی [۴۶۳ھ]
- الفقيه و المتفقه للخطيب البغدادي : ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی [۴۶۳ھ]
- الكفاية في علم الرواية للخطيب البغدادي : ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی [۴۶۳ھ]
- الأربعون للفسوي : ابوالقاسم زید بن علی فارسی فسوی [۴۶۷ھ]
- التوحيد لابن منده : حافظ ابوعبداللہ بن مندہ اصبہانی [۴۷۵ھ]
- فوائد ابن مَندة : حافظ ابوعبداللہ بن مندہ اصبہانی [۴۷۵ھ]
- الشرح الكبير لابن قدامة : ابوالمعالی بغدادی معروف بہ ابن قدامہ [۴۸۶ھ]
- جذوة المقتبس من ذكر ولاة الأندلس : محمد ابن ابونصر فتوح ازدی حمیدی [۴۸۸ھ]
- أصول السرخسي : ابوبکر محمد بن احمد سرخسی حنفی [۴۹۰ھ]
- المبسوط للسرخسي : ابوبکر محمد بن احمد سرخسی [۴۹۰ھ]
- إحياء علوم الدين : ابوحامد محمد بن محمد بن محمد غزالی طوسی [۵۰۵ھ]
- تفسير ابوالسعود : ابومحمد حسین بن مسعود بغوی شافعی [۵۱۶ھ]
- تفسير معالم التنزيل : ابومحمد حسین بن مسعود بغوی شافعی [۵۱۶ھ]
- تفسير كشاف : ابوالقاسم محمد بن عمرو زمخشری [۵۲۸ھ]

- الفتاویٰ الکبریٰ : حسام الدین عمر بن عبد العزیز حنفی [۵۳۶ھ]
- الفتاویٰ الکبریٰ : عمر بن عبد العزیز حسام الدین حنفی [۵۳۶ھ]
- فتاویٰ نسفية : نجم الدین عمر بن محمد بن احمد حنفی نسفی سمرقندی [۵۳۷ھ]
- الفائق في غريب الحديث و الأثر : جار اللہ ابو القاسم محمود بن عمر زمخشری [۵۳۸ھ]
- تحفة الفقهاء : ابو محمد محمد بن احمد سمرقندی [۵۳۹ھ]
- الشفا بتعريف حقوق المصطفىٰ : ابو الفضل عیاض بن موسیٰ [۵۴۴ھ]
- غنية الطالبين : شیخ محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانی [۵۶۱ھ]
- تاريخ مدينة دمشق : علی بن حق دمشقی معروف با بن عساکر [۵۷۱ھ]
- الأمثال للرامهرمزي : ابو الحسن بن عبد الرحمٰن بن خلاد رام ہرمزی [۵۷۶ھ]
- بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع : علاء الدین بن ابی بن مسعود الکاسانی [۵۸۷ھ]
- فتاویٰ قاضي خان : فخر الدین حسن بن منصور قاضی خاں [۵۹۲ھ]
- الهداية : برہان الدین علی ابو الحسن فرغانی حنفی [۵۹۳-یا-۵۹۶ھ]
- الموضوعات : ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن الجوزی القرشی [۵۹۷ھ]
- جامع الأصول لأحاديث الرسول : مبارک بن محمد ابن اثیر جزری شافعی [۶۰۶ھ]
- النهاية في غريب الأثر : محبّ الدین مبارک بن محمد جزری ابن اثیر [۶۰۶ھ]
- المحصول فی علم أصول الفقه : فخر الدین محمد بن عمر بن حسین رازی [۶۰۶ھ]
- تفسير رازی: امام فخر الدین محمد بن عمر رازی [۶۰۶ھ]
- المغني في علم الحديث : عمر بن زید بن بدر بن سعید موصلی حنفی [۶۱۹ھ]
- معجم الشعراء : یاقوت بن عبد اللہ حموی [۶۲۶ھ]
- إحكام الأحكام في أصول الأحكام : علی بن محمد سیف الدین آمدی شافعی [۶۳۱ھ]
- غاية المرام : سیف الدین علی بن ابو علی آمدی [۶۳۱ھ]
- عوارف المعارف : شیخ شہاب الدین ابو حفص سہروردی بغدادی صوفی [۶۳۲ھ]
- جزء الألف دينار للقطيعي : احمد بن محمد ازجی بغدادی معروف بہ قطیعی [۶۳۴ھ]
- تاريخ بغداد : محمد بن محمود حسن بغدادی النجار [۶۴۳ھ]

- مرآة الزمان في تاريخ الأعيان : شمس الدین ابو مظفر حنبلی بغدادی سبط الجوزی [۶۵۴ھ]
- الترغيب والترهيب : زکی الدین عبدالعظیم منذری [۶۵۶ھ]
- فوائد السالكين : فرید الدین گنج شکر [۶۶۴ھ]
- تفسير قرطبي : ابو عبداللہ محمد بن احمد ابی بکر قرطبی [۶۷۱ھ]
- الأربعين النووية : حافظ ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی [۶۷۶ھ]
- شرح النووي على مسلم : حافظ ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی [۶۷۶ھ]
- رياض الصالحين : حافظ ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی [۶۷۶ھ]
- الاختيار لتعليل المختار : عبداللہ بن محمود ابن مودود الموصلی حنفی [۶۸۳ھ]
- أنوار البروق في أنواع الفروق : احمد بن ادریس شہاب الدین قرافی [۶۸۴ھ]
- تفسير أنوار التنزيل و أسرار التاويل : ابو الخیر عبداللہ بن عمر بن محمد بیضاوی [۶۸۵ھ]
- الرياض النضرة في مناقب العشرة : احمد بن محمد طبری مکی شافعی [۶۹۴ھ]
- منية المصلي : سدید الدین کاشغری [۷۰۵ھ]
- تاج العروس : احمد بن محمد اسکندرانی [۷۰۹ھ]
- تفسير مدارك التنزيل : ابو البرکات عبداللہ بن احمد نسفی [۷۱۰ھ]
- لسان العرب : محمد بن مکرم انصاری افریقی مصری [۷۱۱ھ]
- نصاب الاحتساب : ضیاء الدین محمد بن عمر سنامی [۷۲۵ھ]
- نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية : عبداللہ بن یوسف زیلعی [۷۲۶ھ]
- اقتضاء الصراط المستقيم لمخالفة أصحاب الجحيم : تقی الدین ابن تیمیہ [۷۲۸ھ]
- كشف الأسرار : عبدالعزیز بن احمد بن محمد بخاری [۷۳۰ھ]
- نهاية الأرب في فنون الأدب : احمد بن عبدالوہاب بکری قرشی کندی [۷۳۲ھ]
- المورد في عمل المولد : عمر بن ابو الیمن تاج الدین ابو حفص فاکہانی مالکی [۷۳۴ھ]
- مدخل الشرع الشريف : محمد عبدری معروف بہ ابن الحاج مالکی [۷۳۷ھ]
- تفسير خازن : ابو الحسن علی بن محمد خازن بن عمر شیخی [۷۴۱ھ]
- تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف : ابو الحجاج یوسف بن زکی عبدالرحمٰن مزی [۷۴۲ھ]

- تهذيب الكمال : جمال الدين يوسف بن ترکی مزنی [۷۴۲ھ]
- مشكوٰة المصابيح: شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی عراقی [۷۴۲ھ]
- تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق : فخر الدین عثمان بن علی زیلعی [۷۴۳ھ]
- الجوهر النقي لابن التركماني : احمد بن عثمان بن ابراہیم تاج الدین ترکمانی حنفی [۷۴۴ھ]
- تهذيب الكمال في أسماء الرجال : ابن زکی ابوالحجاج جمال الدین یوسف مزی [۷۴۴ھ]
- تفسير البحر المحيط: اثیر الدین ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی [۷۴۵ھ]
- شرح التلويح على التوضيح : صدر الشریعہ ثانی عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ [۷۴۷ھ]
- سير أعلام النبلاء : حافظ شمس الدین ابوعبداللہ بن احمد ذہبی [۷۴۸ھ]
- ميزان الاعتدال في نقد الرجال : حافظ شمس الدین ابوعبداللہ بن احمد ذہبی [۷۴۸ھ]
- تاريخ الإسلام للذهبي : شمس الدین محمد بن احمد ذہبی [۷۴۸ھ]
- الطرق الحكمية : محمد ابوبکر بن قیم الجوزیہ دمشقی حنبلی [۷۵۱ھ]
- إعلام الموقعين عن رب العالمين : محمد ابوبکر بن قیم الجوزیہ دمشقی حنبلی [۷۵۱ھ]
- زاد المعاد : شمس الدین ابوعبداللہ محمد ابن قیم جوزیہ حنبلی [۷۵۱ھ]
- الفتاویٰ السبكي : شیخ تقی الدین علی بن عبدالکافی سبکی [۷۵۶ھ]
- روض الرياحين : عبداللہ بن اسعد یافعی یمنی [۷۶۸ھ]
- المصباح المنير في غريب (الشرح الكبير) : احمد بن محمد بن علی فیومی [۷۷۰ھ]
- النهاية في الفتن و الملاحم : حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل ابن کثیر [۷۷۴ھ]
- البداية و النهاية: حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل ابن کثیر [۷۷۴ھ]
- تفسير ابن كثير : حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل ابن کثیر [۷۷۴ھ]
- قصص الأنبياء : حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل ابن کثیر [۷۷۴ھ]
- العناية شرح الهداية : اکمل الدین محمد بن محمد بابرتی [۷۸۶ھ]
- شرح العقيدة الطحاوية : ابوالعز حنفی [۷۹۲ھ]
- شرح عقائد النسفية : سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی [۷۹۲ھ]
- البحر المحيط فی الأصول : بدر الدین محمد بن عبداللہ زرکشی شافعی [۷۹۴ھ]

- جامع العلوم و الحكم : ابوالفرج عبدالرحمٰن بن احمد ابن رجب حنبلی [۷۹۵ھ]
- فتح الباري لابن رجب : زین الدین ابن رجب حنبلی [۷۹۵ھ]
- الجوهرة النيرة شرح القدوري : ابوبکر بن علی بن محمد حدادی مصری [۸۰۰ھ]
- تحفة المحتاج في شرح المنهاج : عمر بن علی بن احمد الوادیاشی اندلسی [۸۰۴ھ]
- طبقات المحدثين : سراج الدین عمر بن علی بن ملقن شافعی [۸۰۴ھ]
- بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث : نورالدین ابوبکر بن سلمان ہیثمی [۸۰۷ھ]
- موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان : نورالدین ابوالحسن ہیثمی [۸۰۷ھ]
- مجمع الزوائد و منبع الفوائد : امام نورالدین علی بن ابی بکر ہیثمی [۸۰۷ھ]
- أصول حديث : علی بن سید محمد علی ابوالحسن معروف بہ میر سید شریف [۸۱۶ھ]
- المستخرج على المستدرک : حافظ عبدالرحیم العراقی [۸۲۶ھ]
- فتاوٰی بزازية : حافظ الدین محمد بن محمد شہاب کردری [۸۲۷ھ]
- معجم ابن المقریء : اسماعیل بن ابوبکر بن علی شرجی زبیدی [۸۳۷ھ]
- عرف التعريف بالمولد الشريف : شمس الدین ابوالخیر محمد ابن الجزری [۸۳۳ھ]
- الفتاویٰ الرملي : احمد بن حسین رملی شافعی [۸۴۴ھ]
- فتح الباری : ابوالفضل احمد بن علی معروف ب ابن حجر عسقلانی [۸۵۲ھ]
- عمدة القاری : بدرالدین محمود بن احمد عینی [۸۵۵ھ]
- فتح القدير : کمال الدین محمد بن عبدالواحد ابن الہمام [۸۶۱ھ]
- دلائل الخيرات : ابوعبداللہ محمد بن سلیمان جزولی [۸۷۰ھ]
- التقرير و التحبير : محمد بن محمد بن محمد ابن امیر حاج حلبی حنفی [۸۷۹ھ]
- درر الحكام في شرح مجلة الأحكام : شیخ الاسلام منلا خسرو رومی حنفی [۸۸۵ھ]
- درر الحكام شرح غرر الأحكام : محمد بن فرامرز بن علی منلا خسرو رومی حنفی [۸۸۵ھ]
- تفسير نظم الدرر لتناسب الآيات و السور : برہان الدین محمد بن ابراہیم بقاعی [۸۸۵ھ]
- نزهة المجالس و منتخب النفائس : عبدالرحمٰن بن عبدالسلام صفوری شافعی [۸۹۴ھ]
- شرح ملا جامي : عبدالرحمٰن ابن احمد جامی [۸۹۸ھ]

- المقاصد الحسنة للسخاوي : شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی [۹۰۲ھ]
- الدرر المنتثرة في الأحاديث المشتهرة : جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی [۹۱۱ھ]
- تفسیر درّ منثور : جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی [۹۱۱ھ]
- الإتقان في علوم القرآن للسيوطي : جلال الدین عبد الرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]
- انتباه الأذكياء : جلال الدین عبد الرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]
- مهمات المعارف للسيوطي : جلال الدین عبد الرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]
- الديباج على مسلم : جلال الدین عبد الرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]
- حسن المقصد في عمل المولد : جلال الدین عبد الرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]
- الجامع الصغير للسيوطي : جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]
- الحبائک في أخبار الملائک : جلال الدین عبد الرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]
- تاريخ الخلفاء : جلال الدین عبد الرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]
- المواهب اللدنية بالمنح المحمدية : شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی شافعی [۹۲۳ھ]
- فتح المعين في شرح قرة العين بمهمات الدين : زین الدین احمد ملیباری شافعی [۹۲۸ھ]
- سبل الهدىٰ و الرشاد : ابوعبداللہ محمد بن یوسف صالحی شامی [۹۴۲ھ]
- فص الخواتم فيما قيل في الولائم : شمس الدین محمد بن طولون حنفی دمشقی [۹۵۳ھ]
- جامع الرموز : شمس الدین محمد خراسانی قہستانی [۹۶۲ھ]
- البحر الرائق شرح كنز الدقائق : زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم مصری [۹۷۰ھ]
- الأشباه و النظائر : زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم مصری [۹۷۰ھ]
- غنية المستملي شرح منية المصلي معروف بـ كبيري : شیخ ابراہیم حلبی [۹۷۱ھ]
- المطالب العالية : حافظ شہاب الدین احمد بن ابن حجر عسقلانی مکی [۹۷۳ھ]
- فتح المبين : حافظ شہاب الدین احمد بن ابن حجر عسقلانی مکی [۹۷۳ھ]
- تخريج أحاديث الإحياء : حافظ شہاب الدین احمد بن ابن حجر عسقلانی مکی [۹۷۳ھ]
- لسان الميزان : شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی مکی [۹۷۳ھ]
- كنز العمال : علاء الدین علی متقی بن حسام الدین ہندی برہانپوری [۹۷۵ھ]

❁ الطريقة المحمدية : محمد بیر علی معروف بہ برکلی [۹۸۱ھ]
❁ ميزان الشريعة الكبرىٰ : شیخ عبدالوہاب بن احمد شعرانی [۹۸۳ھ]
❁ كشف الغمة عن جميع الأمة : شیخ عبدالوہاب بن احمد شعرانی [۹۸۳ھ]
❁❁ تذكرة الموضوعات : محمد بن طاہر صدیق فتنی گجراتی ہندی [۹۸۶ھ]
❁ مجمع بحار الأنوار : محمد بن طاہر پٹنی ہندی [۹۸۶ھ]
❁ نهاية المحتاج : محمد بن شہاب الدین احمد انصاری رملی [۱۰۰۴ھ]
❁ الموضوعات الكبير : علی بن سلطان ملا علی قاری [۱۰۱۴ھ]
❁ مورد الروي في مولد النبي : علی بن سلطان ملا علی قاری [۱۰۱۴ھ]
❁ مرقاة شرح مشكوٰة : علی بن سلطان ملا علی قاری حنفی [۱۰۱۴ھ]
❁ زبدة النصائح لأرباب المصالح : جعفر بن ابراہیم سنہوری مصری [۱۰۲۰ھ]
❁ فيض القدير : شمس الدین عبدالرؤف مناوی شافعی [۱۰۳۰ھ]
❁ مكتوبات إمام رباني : سید احمد سرہندی مجدد الف ثانی [۱۰۳۵ھ]
❁ كشاف القناع عن متن الإقناع : منصور بن یونس البہوتی حنبلی [۱۰۵۱ھ]
❁ جذب القلوب إلى ديار المحبوب : شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی [۱۰۵۲ھ]
❁ أشعة اللمعات : شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی [۱۰۵۲ھ]
❁ شرح سفر السعادة : شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی [۱۰۵۲ھ]
❁ مطالع المسرات : ابو حامد بن ابو المحاسن بن محمد فاسی [۱۰۵۲ھ]
❁ لوامع التنوير فى شرح الكوكب المنير : قاضی عبدالباقی بن محمد منوفی مصری [۱۰۶۶ھ]
❁ كشف الظنون عن أسامي الكتب و الفنون : مصطفیٰ بن عبداللہ قسطنطینی رومی حنفی [۱۰۶۷ھ]
❁ مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح : ابو الاخلاص حسن بن عمار شرنبلالی حنفی [۱۰۶۹ھ]
❁ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر : عبدالرحمٰن بن شیخ محمد آفندی شیخی زادہ [۱۰۷۸ھ]
❁ الدر المختار : علاء الدین محمد بن علی حصکفی دمشقی حنفی [۱۰۸۸ھ]
❁ فهرس الفهارس : شمس الدین محمد معروف بہ ابن ہمات زادہ [۱۰۹۱ھ]
❁ غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر : احمد بن محمد حموی مکی [۱۰۹۸ھ]

- قرة العيون بأنموذج الفنون : احمد بن سید محمد مکی حسینی حموی [۱۰۹۸ھ]
- شرح مختصر خليل للخرشي : محمد بن عبداللہ بن علی ابوعبداللہ خرشی [۱۱۰۱ھ]
- شرح المواهب اللدنية : محمد بن عبدالباقی زرقانی [۱۱۲۲ھ]
- الفواكه الدواني على رسالة ابن أبي زيد القيرواني : احمد بن غنیم نفراوی [۱۱۲۵ھ]
- نور الأنوار : ملا احمد جیون ابن ابوسعید حنفی امیتھوی [۱۱۳۰ھ]
- تفسير روح البيان : ابوالفداء شیخ اسمٰعیل حقی بروسوی [۱۱۳۷ھ]
- شرح سنن نسائي : ابوالحسن نورالدین بن عبدالہادی [۱۱۳۸ھ]
- حاشية السندي على ابن ماجة : ابوالحسن نورالدین بن عبدالہادی [۱۱۳۸ھ]
- كشف الخفاء و مزيل الألباس للعجلوني : ابوالفداء اسماعیل بن محمد بن عبدالہادی [۱۱۶۲ھ]
- شرح ابن بطال : عمرو بن زکریا بطال برہانی اشبیلی [۱۱۷۶ھ]
- حجة اللّٰه البالغة : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]
- الانتباه في سلاسل أولياء اللّٰه : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]
- تفهيمات إلٰهيّة : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]
- القول الجميل : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]
- إزالة الخفاء : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]
- عقد الجيد : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]
- الدر الثمين في مبشرات النبي الأمين : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]
- مصفیٰ شرح مؤطا : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۷۶ھ]
- عقد الجوهر في مولد النبي الأزهر : جعفر بن حسن بن عبدالکریم برزنجی مدنی [۱۱۷۷ھ]
- حياة الأنبياء في قبورهم : احمد بن حسن عبدالکریم جوہری [۱۱۸۲ھ]
- حاشية البجيرمي على الخطيب : سلیمان بن عمر بن محمد بجیرمی مصری شافعی [۱۲۲۱ھ]
- حاشية البجيرمي على المنهج : سلیمان بن عمر بن محمد بجیرمی مصری شافعی [۱۲۲۱ھ]
- تفسير مظهری : قاضی محمد ثناء اللہ مظہری پانی پتی [۱۲۲۵ھ]
- تذكرة الموتىٰ و القبور : قاضی ثناء اللہ پانی پتی [۱۲۲۵ھ]

- حاشية الدسوقي : محمد بن احمد بن عرفہ مصری مالکی [۱۲۳۰ھ]
- فتح العزيز معروف بہ تفسير عزيزي : شاہ عبد العزیز محدث دہلوی [۱۲۳۹ھ]
- تحفۂ اثنا عشريه : شاہ عبد العزیز دہلوی [۱۲۳۹ھ]
- وسيلة النجاة : شاہ عبد العزیز محدث دہلوی [۱۲۳۹ھ]
- سوالات عشرۂ محرم : شاہ عبد العزیز دہلوی [۱۲۳۹ھ]
- حاشية الصاوي على الشرح الصغير : احمد بن محمد صاوی مالکی [۱۲۴۱ھ]
- تقوية الإيمان : اسماعیل دہلوی [۱۲۴۶ھ]
- تذكير الإخوان : اسماعیل دہلوی [۱۲۴۶ھ]
- صراط مستقيم : اسماعیل دہلوی [۱۲۴۶ھ]
- إثبات رفع يدين : اسماعیل دہلوی [۱۲۴۶ھ]
- حاشية العطار على جمع الجوامع : شیخ الازہر ابو السعادات حسن بن محمد شافعی [۱۲۵۰ھ]
- رد المحتار : سید محمد امین معروف بہ ابن عابدین شامی حنفی [۱۲۵۲ھ]
- حاشية رد المحتار : سید محمد امین معروف بہ ابن عابدین شامی حنفی [۱۲۵۲ھ]
- مائة مسائل : شاہ محمد اسحٰق دہلوی [۱۲۶۲ھ]
- أسنى المطالب في أحاديث مختلفة المراتب : درویش بیروتی حنفی [۱۲۷۶ھ]
- هدية العارفين : اسماعیل پاشا بن محمد امین بغدادی [۱۲۸۹ھ]
- ايضاح المكنون في الذيل على كشف الظنون : اسماعیل پاشا بن محمد امین [۱۲۸۹ھ]
- مظاهر حق شرح مشكوٰة : نواب قطب الدین خان دہلوی [۱۲۸۹ھ]
- تحفة العرب و العجم : نواب قطب الدین خان دہلوی [۱۲۸۹ھ]
- تنوير الحق : قطب الدین خاں دہلوی [۱۲۸۹ھ]
- شفاء السائل : شاہ عبد الغنی مجددی دہلوی [۱۲۹۶ھ]
- شفاء الصدور : فیض الحسن سہارن پوری [۱۳۰۴ھ]
- إعانة الطالبين على حل ألفاظ فتح المعين : ابوبکر بن سید محمد شطا دمیاطی شافعی [۱۳۱۰ھ]
- ضياء القلوب : حاجی امداد اللہ مہاجر مکی [۱۳۱۷ھ]

- ❁ كنز الإيمان في ترجمة القرآن : امام احمد رضا قادری محدث بریلوی [١٣٤٠ھ]
- ❁ نظم المتناثر من الحديث المتواتر : محمد بن جعفر کتانی [١٣٤٥ھ]
- ❁ الرسالة المستطرفة : محمد بن جعفر الکتانی [١٣٤٥ھ]
- ❁ تفسير أضواء البيان : محمد امین بن محمد مختار شنقیطی [١٣٩٣ھ]
- ❁ المسند الجامع : ابوالفضل سید ابوالمعاطی النوری [١٤٠١ھ]
- ❁ إنسان العيون في سيرة الأمين المأمون : علی بن برہان الدین حلبی [١٤٠٤ھ]
- ❁ مطالب أولي النهى في شرح غاية المنتهىٰ : محمد امین بن ملا احمد آفندی داغستانی [ھ]
- ❁ الإنصاف فيما قيل في المولد من الغلو و الإجحاف : ابوبکر جابر الجزائری [ھ]
- ❁ تفسير هميان الزاد إلى دار العباد : سحنون بن عثمان وہبی اباضی [ھ]
- ❁ حواشي الشرواني : عبدالحمید الشروانی - احمد بن قاسم العبادی [ھ]
- ❁ خزانة الروايات مستند مائة مسائل : قاضی جگن حنفی گجراتی [ھ]
- ❁ الفتاوىٰ الهندية : جمعیت علماے اورنگ زیب عالم گیر
- ❁ نصاب الاحتساب : عمر بن محمد بن عوض شامی حنفی [ھ]
- ❁ كتاب القواعد : عزالدین بن سلام [ھ]
- ❁ دستور القضاة : صدر بن رشید تبریزی [ھ]
- ❁ دلائل الأذكار : شیخ محمد تھانوی [ھ]
- ❁ تمهيد : ابوشکور سالمی [ھ]
- ❁ سبيل الرشاد : محمد عاشق پھلتی [ھ]
- ❁ أنوار محمدي : شیخ محمد محدث تھانوی [ھ]
- ❁ حواشي مشكوٰة : سید جمال الدین [ھ]
- ❁ وصيت نامه : عبداللہ گجراتی [ھ]
- ❁ مكتوبات قدوسي : شیخ عبدالقدوس گنگوہی [ھ]
- ❁ مخزن أحمدي : سید محمد علی [ھ]
- ❁ منح الجليل شرح مختصر خليل : [ھ]

- التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي : [ص]
- روضة المحدثين : [ص]
- حاشية الجمل : [ص]
- حاشيتا قليوبي و عميرا : [ص]
- تفسير أضواء القرآن : [ص]
- فضائل القرآن و تلاوته : [ص]
- فضائل القرآن : [ص]
- التغني بالقرآن : [ص]
- تاريخ القرآن الكريم : [ص]
- التبيان : [ص]
- جامع الرسائل : [ص]
- شرح الطحاوية : [ص]
- فضل حفظ القرآن : [ص]
- المعرفة و التاريخ : [ص]
- اكتفاء القنوع بما هو مطبوع : [ص]
- معجم المطبوعات : [ص]
- تكملة مجمع بحار الأنوار: [ص]
- دقائق الأخبار : [ص]
- المختصر في أصول الحديث : [ص]
- محبة الرسول بين الاتباع و الابتداع : [ص]
- شرح الطحاويه في العقيدة السلفية : [ص]
- تبصرة الحكام في أصول الأقضية و مناهج الأحكام : [ص]
- الفقه و الشريعة : [ص]
- بهجة قلوب الأبرار : [ص]

یقول الفقیر إلی سیده ومولاه والراجي شفاعة نبیه فی دنیاه وأخراه أبو الرفقة **محمّد افروز القادری الجریاکوتی** -أظهره اللّٰه بالحجة البالغة علی کل عادٍ من الأعادي- هٰذا ما وفقني اللّٰه تبارک و تعالیٰ و أعانني علیه من وضع هٰذا الکتاب الذي دأبتُ في ترتیبہٖ و تسهیله و تجدیده و تهذیبہٖ و تذهیبه و تحقیقه و تخریجه بکل ما في وسعي و طاقتي و ﴿ لاَ يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا مَا آتٰهَا ﴾ [طلاق : ٧] .

و إني أسئل اللّٰه سبحانه و تعالیٰ أن یجعل عملي هٰذا و جهدي خالصا لوجهه الکریم و هدیة الیٰ جناب سیدي رسول اللّٰه العظیم أنجو به من نار الجحیم و ما توفیقي إلا باللّٰه العظیم علیه توکلت و إلیه أنیب .

قد بدأت عمل التسهیل و التخریج یوم الثلثاء ، الرابع عشر من صفر المظفر عام - ١٤٢٨ھ - الموافق شهر مارس -٢٠٠٧ء - و کان الفراغ منه -بفضل اللّٰه و منته و توفیقه و معونته- في منتصف یوم الخمیس ، التاسع و العشرین من ربیع الآخر عام - ١٤٢٨ من الهجرة النبویة علیٰ صاحبها السلام و التحیة- ، الموافق شهر مایو -٢٠٠٧ من میلاد المسیح علیه الصلوة و التسلیم- .

رَبَّنَا لاَ تُؤَاخِذْنَا إنْ نَسِيْنَا أو أخْطَأنَا

**﴿ تمّت و بالخیر عمّت ﴾**